دلائلِ احناف
اس کتاب میں آپ پڑھیں گے
اہل سنّت و جماعت کے عقائد اور فقہ حنفی کا قرآن و حدیث سے ثبوت
عقائد اہل سنّت اور فقہ حنفی کی تائید پر موجود احادیث کی فنی حیثیت
مصنّف
ابو احمد مولانا محمّد انس رضا قادری
تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشّہادۃ العالمیّۃ
ایم اے اسلامیات، ایم اے پنجابی، ایم اے اردو
اشاعت الاسلام پبلیکیشنز
داتا دربار مارکیٹ لاہور

# دلائل احناف

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔

اہل سنت و جماعت کے عقائد اور فقہ حنفی کا قرآن و حدیث سے ثبوت

عقائد اہل سنت اور فقہ حنفی کی تائید پر موجود احادیث کی فنی حیثیت


مصنف

ابو احمد مولانا محمد انس رضا قادری

تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃ العالمیۃ

ایم اے اسلامیات، ایم اے پنجابی، ایم اے اردو



## اشاعت الاسلام پبلیکیشنز

داتا دربار مارکیٹ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ

وعلیٰ اٰلك واصحابك یا حبیب اللہ



نام کتاب ---------------- دلائلِ اَحناف

مصنف ---------------- ابواحمد محمد انس رضا قادری بن محمد منیر

ناشر ---------------- اشاعت الاسلام پبلکیشنز، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

قیمت ---------------- 700/-

اشاعتِ اول ---------------- جمادی الاولیٰ 1437ھ، مارچ 2016ء

ناشر

**اشاعت الاسلام پبلکیشنز داتا دربار مارکیٹ، لاہور**

0335-4141326,0348-0044670

ملنے کے پتے

مکتبہ المدینہ اردو بازار (ہادیہ حلیمہ سینٹر گراؤنڈ فلور دوکان نمبر 8)

مکتبہ حسّان (پرانی سبزی منڈی مرکز فیضان مدینہ کراچی)

## فہرس

# انتساب

حنفی محدثین کے نام جنہوں نے ہر دور میں فقہ حنفی کا قرآن وحدیث کی روشنی میں دفاع کیا، فقہ حنفی پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا اور جو احادیث فقہ حنفی کی تائید میں تھی انہیں انکی فنی حیثیت کے ساتھ پیش کیا اور جو احادیث بظاہر فقہ حنفی کی تردید میں تھیں ان کی تاویل وتطبیق پیش کی۔ اللہ عزوجل کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے سے ہماری مغفرت ہو۔

## پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

## فقہ کا مختصر تعارف

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کو صحابہ بھی وہ عطا فرمائے جو حضور سے بے حد محبت کرنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر سنت کو بجالاتے تھے اس سوچ میں نہ پڑتے تھے کہ یہ فرض ہے، واجب ہے یا سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ہے۔ حجۃ اللہ البالغۃ میں احمد بن عبد الرحیم (المعروف شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) (المتوفی 1176ھ) فرماتے ہیں" أما رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فكَانَ يتَوَضَّأ، فيرى الصَّحابَة وضوءه، فَيَأْخُذُونَ بِهِ من غير أَن يبين أَن هَذَا ركن وَذَلِكَ أدب، وَكَانَ يُصَلِّي، فيرون صلَاته، فيصلون كَمَا رَأَوْهُ يُصَلِّي، وَحج، فرمق النَّاس حجه، فَفَعَلُوا كَمَا فعل، فَهَذَا كَانَ غَالب حَاله صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، وَلم يبين أَن فروض الْوضُوء سِتَّة أَو أَرْبَعَة"۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرتے تھے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان انہیں وضو کرتے دیکھتے تو اسی طریقے سے وضو کرتے تھے بغیر اس وضاحت کے کہ یہ وضو کا رکن ہے اور وہ ادب ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان ایسے ہی نماز پڑھتے تھے جیسے حضور علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا۔ حضور علیہ السلام نے حج کیا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی اسی طرح حج کیا۔ یہ حضور علیہ السلام کے اعمال کی غالب حالت تھی اور آپ نے واضح نہیں کیا کہ وضو کے چھ یا چار فرائض ہیں۔

(حجة الله البالغة، جلد1، صفحه243، دار الجيل، بيروت)

حضور علیہ السلام نے ایک عمل مختلف طریقوں سے کیا جس میں کئی حکمتیں ہوتی تھیں۔ جب ایک فعل مختلف انداز سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے تو جس صحابی نے جو طریقہ دیکھا اسی پر عمل کرتا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ ایک مسئلہ پر مختلف احادیث وصحابہ کرام علیہم الرضوان کے مختلف اقوال مذکور ہوئے۔ بعد میں آنے والے ائمہ کرام نے اپنی اپنی کوشش سے یہ واضح کیا کہ ان میں کونسا فعل سنت ہے۔ ایک امام نے اپنے دلائل سے واضح کیا کہ نماز میں رفع یدین کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تھی اس پر اس نے احادیث پیش کیں۔ دوسرے امام نے کہا کہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے چونکہ آپ پہلے رفع یدین کرتے تھے، پھر چھوڑ دیا، اس پر وہ احادیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح دیگر مسائل ہیں کہ احادیث مختلف ہونے کی بنا پر ائمہ کرام نے احکام مختلف لگائے ہیں اور احادیث میں اپنے علم کے مطابق تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ اختلاف کا بنیادی سبب

ہے، جس کا ثبوت کئی کتب احادیث خصوصا مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں ہے جس میں ایک مسئلہ پر کئی مختلف احادیث وصحابہ وتابعین کے اقوال ہیں۔ بعض بزرگوں نے اس پر خوبصورت کلام یوں کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب کی ہر ادا کو کسی نے کسی فقہ میں زندہ رکھا ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام وتابعین اور ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں کثیر جدید مسائل ایسے درپیش ہوئے جن کے متعلق قرآن وحدیث میں صراحت نہیں تھی، اس پر ہر فقیہ نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کران مسائل کا جواب دیا اور یہ جواب ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ پھر یہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف ائمہ مجتہدین میں منتقل ہوگیا چنانچہ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَبِالْجُمْلَةِ فاختلفت مَذَاهِب أَصْحَاب النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَأخذ عَنْهُم التابعون كل وَاحِد مَا تيَسّر لَهُ فَحفِظَ مَا سَمِعَ من حَدِيثِ رَسُولِ الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم ومذاهب الصَّحَابَة وعقلها وَجمع" ترجمہ: بالجملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے مسائل میں مختلف مذاہب تھے اور تابعین نے انہی سے اختلاف لیا جو ان کے لئے آسان تھا۔ انہوں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مذاہب صحابہ میں سے جو سنا اسے حفظ کیا، سمجھا اور جمع کیا۔ (الانصاف فی بیان اسباب الانصاف، صفحہ 29 ،دارالنفائس)

اختلاف کے اور بھی اسباب ہیں جنہیں فقیر نے اپنی کتاب ''حجیت فقہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اس اختلاف کا بنیادی فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی فروعی مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب اس پر متفق ہوتے تو پھر شریعت میں وہ آسانی نہ رہتی جو اس وقت ہے، کئی افعال سنت ومستحب نہ رہتے بلکہ کئی مسائل اجماع سے فرض وواجب ہوجاتے۔ بہرحال صحابہ کرام تابعین، ائمہ کرام میں فروعی مسائل میں یہ اختلاف مذموم نہیں تھا بلکہ رحمت تھا جس کی نشاندہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے چنانچہ کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال میں علاء الدین علی بن حسام الدین (المتوفی 975ھ) رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک نقل کرتے ہیں "اِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ" ترجمہ: میری امت میں اختلاف رحمت ہے۔

(كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، كتاب العلم من قسم الأقوال، جلد 10، صفحہ 136، مؤسسة الرسالة، بيروت)

لیکن اعتقاد کے لحاظ سے تمام صحابہ، تابعین، ائمہ کرام اہل سنت وجماعت سے تھے، ان میں کسی کا اختلاف نہ تھا۔ پھر فروعی مسائل میں بھی جو اختلاف تھا وہ بھی دلائل کی بنا پر تھا اور ہر امام نے قرآن وحدیث سے دلیل پکڑی تھی۔ الیواقیت والجواہر میں حضرت سیدی عبدالوہاب بن احمد الشعرانی (المتوفی 973ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وقد تتبعت بحمد الله تعالى ادلة المجتهدين فلم اجد فرعاً من فروع مذاهبهم الا وهو مستند الى دليل اما آية او حديث او قياس صحيح

وکلھا مقتبسۃ من شعاع نور الشریعۃ التی ھو الاصل ومحال ان یوجد فرع من غیر اصل" ترجمہ: میں نے تتبع کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم نے جو بیان کیا ہے کسی نہ کسی مستند دلیل شرعی یعنی قرآن یا حدیث یا قیاس صحیح سے بیان کیا ہے اور یہ سب ماخذ نور شریعت سے نکلے ہیں جن کی اصل ہے۔ یہ بات محال ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ ان مقدس ہستیوں نے بیان کیا ہو جس کی اصل شریعت میں نہ ملتی ہو۔ (الیواقیت والجواہر، جلد2، صفحہ475، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت)

پھر چوتھی صدی کے بعد تقلید شخصی کو واجب قرار دیا گیا کیونکہ پہلے ادوار کی طرح مضبوط ایمان نہ تھا بلکہ اتباع نفس عام ہونا شروع ہوگئی تو اس وقت تقلید شخصی واجب قرار دی گئی، اس کی اجازت نہ رہی کہ جس امام کا قول اچھا لگے وہ لے لیا جائے، من پسند قول پر عمل کرنا درحقیقت شریعت کی پیروی نہیں بلکہ نفس کی پیروی ہے۔ لہٰذا چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی پیری کرنا لازم ہوئی۔ ان چار اماموں کے علاوہ پہلے اور بھی کئی امام تھے لیکن ان کی فقہ ان چار ائمہ کی طرح مکمل نہیں تھی۔ یہ چاروں ائمہ کرام (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) بہت علمی ہستیاں تھیں اور انہوں نے امت مسلمہ کی بہترین شرعی رہنمائی فرمائی تو بعد میں آنیوالے مسلمانوں نے قرآن وحدیث پر چلنے کے لئے ان کی اتباع کی اور یوں امت مسلمہ میں ان ائمہ کرام کی تقلید جاری ہوگئی۔ ان مقلدین میں بڑے بڑے محدثین، فقہائے کرام، صوفیائے کرام رحمہم اللہ بھی تھے۔ کئی صدیوں سے کروڑوں مسلمانوں کا ان ائمہ کی تقلید کرنا اس بات واضح نشاندہی ہے کہ تقلید حق ہے کیونکہ امت مسلمہ کی اکثریت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک روایت کرتے ہیں کہ فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے "إِنَّ أُمَّتِی لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ" ترجمہ: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ جب تم اختلاف (فرقہ واریت) دیکھو تو تم پر بڑے گروہ کی اتباع لازم ہے۔

(ابن ماجه، كتاب الفتن، باب السواد الأعظم، جلد2، صفحہ1303، دار إحیاء الكتب، الحلبی)

چاروں ائمہ کے مقلدین علمائے کرام نے شروع سے یہی تعلیم دی کہ یہ سب امام حق ہیں جو جس کی پیروی کرتا ہے دوسرا اس پر زبان درازی، لڑائی جھگڑا نہ کرے۔ حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں یہی فرمایا ہے۔ درمختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إِذَا سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مُخَالِفِنَا قُلْنَا وُجُوبًا: مَذْهَبُنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبُ مُخَالِفِنَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ. وَإِذَا سُئِلْنَا عَنْ مُعْتَقَدِنَا وَمُعْتَقَدِ خُصُومِنَا. قُلْنَا وُجُوبًا الْحَقُّ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ خُصُومُنَا" ترجمہ: جب ہم سے ہمارے اور مخالف مذہب (یعنی مالکی، شافعی، حنبلی) کے متعلق

پوچھا جائے تو جواب دیا جائے گا ہمارا مذہب حق ہے خطا کا احتمال رکھتا ہے اور مخالف مذہب خطاء پر ہے صواب کا احتمال رکھتا ہے۔ اور جب ہم سے ہمارے اور گمراہ فرقوں کے عقیدے کے متعلق پوچھا جائے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ (بدمذہب) باطل پر ہیں۔ (درمختار مع ردالمحتار، مقدمہ، جلد1، صفحہ48، دار الفکر، بیروت)

یہ تقلید کوئی ذاتی مفاد کے لئے نہیں ہوتی تھی بلکہ اتباع نفس کو چھوڑتے ہوئے قرآن وحدیث کے موافق عمل پیرا ہونے کے لئے ہوتی تھی کہ ہر کوئی اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ خود سے قرآن وحدیث سے مسائل اخذ کر سکے۔ اسی بات کو بڑے بڑے محدثین وفقہاء نے تسلیم کیا اور تقلید کا دامن پکڑ لیا۔ یوں ان چاروں ائمہ کرام اور ان کے ماننے والا گروہ سوادِ اعظم (بڑا گروہ) اہل سنت وجماعت ہے اور جو ان سے الگ ہوا وہ گمراہ ہوا۔ حاشیہ دُرمختار میں فاضل علاّمہ سیّدی احمد مصری طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "من شذّ عن جمهور اهل الفقه والعلم والسواد الاعظم فقد شذّ فيما يدخله فی النار فعليكم معاشر المومنين باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة اللّٰہ تعالٰی و حفظه و توفيقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فی مذاهب اربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله تعالٰی ومن كان خارجا عن هذه الاربعة فی هذاالزمان فهو من اهل البدعة والنار" ترجمہ: جوشخص جمہور اہلِ علم وفقہ وسوادِ اعظم سے جُدا ہو جائے وُہ ایسی چیز کے ساتھ تنہا ہوا جو اُسے دوزخ میں لے جائیگی۔ تو اے گروہ مسلمین! تم پر فرقہ ناجیہ اہلسنّت وجماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اور اُس کا حافظ وکارساز رہنا موافقتِ اہلسنّت میں ہے اور اُس کو چھوڑ دینا اور غضب فرمانا اور دشمن بنانا سنیوں کی مخالفت میں ہے۔ اور نجات والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے اس زمانے میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی جہنمی ہے۔ (حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الذبائح، جلد4، صفحہ153، دارالمعرفۃ، بیروت)

پھر ایسا بھی نہیں کہ جو امام ابوحنیفہ نے یا دیگر ائمہ نے فرمایا مقلدین نے اسی ہی پر عمل کیا بلکہ کئی بڑے فقہاء آئے جو اصحاب ترجیح تھے، جنہوں نے کئی مسائل پر قرآن وحدیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہ کے فتویٰ کو چھوڑ کر امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ کے قول کو اختیار کیا۔ اگر امام ابوحنیفہ کے قول پر کوئی حدیث نہیں ملی بلکہ ان کے خلاف کوئی حدیث ملی تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا اور اسی پر بعد میں آنے والے فقہاء نے فتویٰ دیا۔ فقہائے کرام کے جو اقوال بظاہر احادیث کے برخلاف تھے بعد میں آنیوالے فقہاء نے ان کا جواب دیا کہ احناف کے مذہب کی تائید میں کونسی حدیث ہے اور اس حدیث کی کیا تاویل

ہے۔الغرض صدیوں سے مسلمان باہمی پیار محبت سے اپنے اپنے مسلک کے مطابق عمل پیرا تھے دوسروں پر طعن وتشنیع نہیں کرتے تھے بلکہ مسجد حرام میں بھی چار مصلے ہوتے تھے ہر فقہ کا اپنا الگ امام ہوتا تھا اور ہر مذہب کا شخص اپنے امام کے پیچھے اپنے مسلک کے مقررہ وقت وطریقہ کے مطابق نماز پڑھتا تھا۔

## علمِ حدیث کا مختصر تعارف

اللہ عزوجل نے جس طرح اپنے نبی علیہ السلام کو حیات بخشی ہے اسی طرح ان کے کلام کو بھی حیات بخشی ۔حضور علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کو دور کرنے کے لئے اللہ عزوجل نے علمِ حدیث عطافرمایا،جس کے سبب احادیث کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔اس علم کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب گمراہ فرقوں نے اپنے فرقوں کے حق میں جھوٹی حدیثیں گڑھنا شروع کردیں۔شیعہ فرقے نے اپنے حق میں ایک لاکھ حدیثیں جھوٹی گڑھ لیں جنہیں حضور علیہ السلام اور حضرت علی المرتضیٰ سمیت دیگر صحابہ واہل بیت کی طرف منسوب کردیا۔

اُس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ جو بھی حدیث حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کی جائے اس کے راویوں پر نظر کی جائے کہ یہ کس شخص نے بیان کی ہے؟اس کا عقیدہ کیا ہے؟ یہ فاسق وفاجر ہے یا نہیں؟اس کا حافظہ کیسا ہے وغیرہ۔مسلم شریف میں ہے ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اجلہ تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں ”لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ، قَالُوا:سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ“
ترجمہ:پہلے احادیث لینے میں اسناد کے متعلق سوال نہیں پوچھا جاتا تھا پھر جب فتنے (فرقے) واقع ہوئے تو علماء نے فرمایا:تم ہمارے سامنے اپنی احادیث کے راویوں کے نام پیش کرو تو اہل سنت راویوں کی طرف نظر کرو اور انکی روایت کردہ احادیث لے لو اور بدمذہب کی احادیث نہ لو۔ (مقدمہ مسلم،جلد01،صفحہ15،دار إحياء التراث العربي ،بيروت)

علم حدیث میں کسی بھی حدیث کے دو حصے مانے جاتے ہیں:

(1) حدیث کی سند

(2) حدیث کا متن

سند سے مراد راویوں کے نام ہیں جو حدیث کے شروع میں ہوتے ہیں جیسے بخاری شریف کی پہلی حدیث پاک ہے ”حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، قَالَ:حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ:حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ:أَخْبَرَنِي

مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى المِنْبَرِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ۔۔۔ ترجمہ: حمیدی، سفیان، یحیی بن سعید انصاری، محمد بن ابراہیم تیمی، علقمہ بن وقاص لیثی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔۔۔

یہ حضور علیہ السلام کے فرمان سے پہلی سند ہے کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہم تک کن کے واسطے سے پہنچا جیسے ہمیں زید آکر بتائے کہ بکر نے مجھے سے یہ کہا اور بکر کو عمرو نے یہ کہا ہے کہ فلاں واقعہ یوں ہوا ہے۔ اب ہمیں اس واقعہ کا پتہ زید، بکر اور عمرو کے واسطے سے چلا ہے اسے سند کہتے ہیں۔

(2) سند کے بعد جو فرمان ہوتا ہے اسے متن کہا جاتا ہے جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا "إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى" ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

یعنی سند سے مراد وہ حصہ ہوتا ہے جس میں حدیث کی کتاب کو ترتیب دینے والے امامِ حدیث سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک کے تمام راویوں (حدیث بیان کرنے والے) کی مکمل یا نامکمل زنجیر کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں اور متن حدیث کا اصل حصہ ہوتا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کوئی ارشاد، آپ کا کوئی عمل یا آپ سے متعلق کوئی حالات بیان کئے گئے ہوتے ہیں۔

سند کی تحقیق میں سند کا حدیث کی کتاب کے مصنف سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ملا ہوا ہونا اور راویوں پر جرح وتعدیل شامل ہیں جبکہ متن کی تحقیق کو درایت حدیث کہا جاتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ جس کی نسبت اور اضافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہو خواہ وہ آپ کا قول ہو یا فعل یا آپ کے سامنے وہ عمل ہوا ہو اسے "حدیث" کہا جاتا ہے اور کسی صحابی یا تابعی کے قول وفعل کو "اثر" کہا جاتا ہے۔ جو جھوٹی حدیث ہو اسے "موضوع" کہا جاتا ہے۔

**سند کا اتصال:** سب سے پہلے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ سند حدیث بیان کرنے والے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ملی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر ایک راوی کی وفات مثلاً 200ھ میں ہوئی ہے اور کوئی شخص اس سے 210ھ میں حدیث روایت کرنے کا دعوی کر رہا ہو تو ظاہر ہے وہ اپنے دعوے میں درست نہیں ہے۔ ایسی صورت میں سند متصل (یعنی ملی ہوئی) نہیں

بلکہ منقطع (ٹوٹی ہوئی) ہوتی ہے۔

**راویوں پر جرح و تعدیل:** فن رجال وہ علم ہے جس میں حدیث بیان کرنے والے تقریباً تمام راویوں کی عمومی شہرت کا ریکارڈ مل جاتا ہے۔ حدیث میں اس ملاوٹ کی وجہ سے محدثین نے احادیث کو پرکھنے کے اصول مرتب کئے تاکہ تحقیق کر کے اصلی اور جعلی احادیث میں فرق کیا جاسکے۔

اس عمل میں ان میں سے ہر شخص کے بارے میں یہ سوالات کئے جاتے ہیں کہ کیا ان کی شہرت ایک دیانت دار اور محتاط شخص کی ہے؟ کیا وہ اپنی نارمل زندگی میں ایک معقول انسان تھے؟ کہیں وہ لاابالی اور لاپرواہ سے آدمی تو نہیں تھے؟ کہیں وہ کسی ایسے سیاسی یا مذہبی گروہ سے تعلق تو نہیں رکھتے تھے جو اپنے عقائد و نظریات کو فروغ دینے کے لئے حدیثیں گھڑتا ہو؟ کہیں وہ کسی شخصیت کی عقیدت کے جوش میں اندھے تو نہیں ہو گئے تھے؟ عمر کے کسی حصے میں کہیں ان کی یادداشت تو کمزور نہیں ہوگئی تھی؟ یہ صاحب حدیثوں کو لکھ لیتے تھے یا ویسے ہی یاد کر لیتے تھے؟ ان کے قریب جو لوگ تھے، اُن کی اِن کے بارے میں کیا رائے ہے؟ وہ کس شہر میں رہتے تھے؟ انہوں نے کس کس امام حدیث سے کس زمانے میں تعلیم حاصل کی؟ وہ کب پیدا ہوئے اور کب فوت ہوئے؟ ان کی کس کس محدث اور راوی سے ملاقات ثابت ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہزاروں راویوں کے بارے میں یہ معلومات کہاں سے آئیں گی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ فن رجال کے ماہرین نے اپنی پوری زندگیاں وقف کر کے ان تمام معلومات کا اہتمام کر دیا ہے۔ انہوں نے ان راویوں کے شہروں کا سفر کیا اور ان راویوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں۔ چونکہ یہ لوگ حدیث بیان کرنے کی وجہ سے اپنے اپنے شہروں میں مشہور افراد تھے، اس لئے ان کے بارے میں معلومات بھی نسبتاً آسانی سے مل گئیں۔ یہ تمام معلومات فن رجال کی کتابوں میں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ یہ کتب بھی عام شائع ہوتی ہیں اور کوئی بھی شخص انہیں حاصل کر سکتا ہے۔ اب تو انٹرنیٹ پر بھی یہ کتب بلا معاوضہ مہیا کر دی گئی ہیں۔ کوئی بھی شخص انہیں سرچ کر کے حاصل کر سکتا ہے۔

اب سند میں مذکور تمام راویوں کی عقل، ضبط، عدالت (یعنی نیکوکار ہوں فاسق نہ ہوں) اور اسلام اگر صحیح ہو تو انہیں ''ثقہ'' کہا جاتا ہے اور درست سند کی احادیث کو صحیح اور حسن کہا جاتا ہے اور جو غیر ثقہ راوی ہو اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

سند کی درستگی کے باوجود ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم راوی کو جن معلومات کی بنیاد پر پرکھ رہے ہیں، وہ بھی بہرحال انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہیں اور ان میں بھی غلطی کا امکان موجود ہے۔ عین ممکن ہے کہ فن رجال کے کسی امام نے ایک صاحب کو ثقہ

(قابل اعتماد) قرار دیا ہو لیکن وہ اپنی اصل زندگی میں انتہائی گمراہ کن آدمی ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے اپنی ہوشیاری سے اپنی گمراہیوں اور کردار کی کمزوریوں پر پردہ ڈال رکھا ہو۔ انہی مسائل کی وجہ سے علمائے حدیث نے درایت کے اصول بھی وضع کئے ہیں۔ درایت کا معنی یہ ہے کہ سند کی درستگی کے باوجود حدیث کے متن یعنی اصل الفاظ کو بھی پرکھا جائے۔ سند کی درستگی کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لئے پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث کی سند تو ٹھیک ہوتی ہے راوی بھی ثقہ ہوتے ہیں لیکن متن ایسا ہوتا ہے جو قرآن اور دیگر احادیث کے خلاف ہوتا ہے اس وجہ سے اس حدیث کو صحیح یا حسن قرار نہیں دیا جاتا جیسے المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ (المتوفی 405ھ) رحمۃ اللہ علیہ ایک اثر روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ الثَّقَفِيُّ، ثنا عُبَيْدُ بْنُ غَنَّامٍ النَّخَعِيُّ، أَنْبَأَ عَلِيُّ بْنُ حَكِيمٍ، ثنا شَرِيكٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ قَالَ: سَبْعَ أَرَضِينَ فِي كُلِّ أَرْضٍ نَبِيٌّ كَنَبِيِّكُمْ وَآدَمُ كَآدَمَ، وَنُوحٌ كَنُوحٍ، وَإِبْرَاهِيمُ كَإِبْرَاهِيمَ، وَعِيسَى كَعِيسَى هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ" ترجمہ: ہمیں خبر دی احمد بن یعقوب ثقفی نے انہیں حدیث بیان کی عبید بن غنام نخعی نے، انہیں خبر دی علی بن حکیم نے انہیں حدیث بیان کی شریک نے انہوں کہا عطا بن سائب سے مروی ہے اور عطا کو ابوضحیٰ سے مروی ہے اور انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی برابر زمینیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی ہے، حضرت آدم کی طرح آدم، حضرت نوح کی طرح نوح اور حضرت ابراہیم کی طرح ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کی طرح عیسیٰ علیہم السلام۔ یہ حدیث سند اصحیح ہے اور امام بخاری ومسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الطلاق بسم اللہ الرحمن الرحیم، جلد 2، صفحہ 535، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس اثر کی سند کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے جبکہ اس کا متن قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے بقیہ زمینوں میں ہونا ثابت ہو رہا ہے جبکہ آپ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کائنات میں کوئی اور نبی نہیں آسکتا۔ اس لئے علماء کرام نے اس اثر کا انکار کیا اور اسے اسرائیلی روایت قرار دیا۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سند تو ضعیف ہوتی ہے لیکن متن ضعیف نہیں ہوتا یعنی ایک روایت ایک صحابی سے مروی ہے لیکن سند میں کوئی راوی ضعیف ہے لیکن اسی صحابی سے مزید ایک روایت مل جاتی ہے جس میں دوسرا ثقہ راوی اس کی تائید کرتا

ہے اسے ''متابع'' کہا جاتا ہے یا یوں ہوتا ہے کہ ایک حدیث تو ضعیف ہوتی ہے لیکن ایک دوسری سند کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جسے ''شاہد'' کہا جاتا ہے۔

المختصر یہ کہ اس علم کی تفصیل کتب میں موجود ہے۔ جس سے حدیث کی حیثیت کو واضح کیا جاتا ہے کہ کوئی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت نہ کر پائے۔

محدثین نے اس علم کے قوانین وضع فرمائے اور احادیث کی قسمیں بیان فرمائیں۔ اس علم کے ماہرین شروع سے ہی آتے رہے ہیں اور اس علم کو مزید واضح و آسان کرتے رہے ہیں۔ فقہ کی طرح علم حدیث میں بھی علمائے کرام نے بعض اصولوں میں اختلاف کیا ہے۔ لیکن علم حدیث میں فقہ کی طرح اصحاب ترجیح نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ فقہ میں جب دو مختلف اقوال ہوں تو اصحاب ترجیح جسے ترجیح دیں وہ مفتیٰ بہ ہو جاتا ہے جبکہ کثیر احادیث صحیح ہونے کے باوجود محدثین کے اپنے اپنے اصولوں کے مطابق ضعیف قرار دے دی جاتی ہیں جبکہ جمہور محدثین کا وہ اصول نہیں ہوتا، اس کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ گمراہ و شدتی لوگ اپنے عقائد و عمل کے خلاف حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لئے کسی بھی محدث کا قول لے لیتے ہیں اگرچہ وہ جمہور کے خلاف ہو جیسا کہ آجکل عقائد اہلسنت اور فقہ حنفی کی تائید میں موجود احادیث کے ساتھ ہوتا ہے۔

## غیر مقلدوں کا مختصر تعارف

صدیوں سے مسلمان چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے رہے ہیں اور عقائد میں چاروں ائمہ سمیت محدثین و فقہاء اہل سنت و جماعت میں سے تھے۔ پھر غیر مقلد آئے انہوں نے جہاں اور جائز و مستحب افعال کو شرک و بدعت کہا وہاں تقلید کو بھی گمراہی و شرک نہ صرف کہنا شروع کیا بلکہ تحریفات کا سہارا لیتے ہوئے اسے ناجائز ثابت کرنے کی مذموم کوشش بھی کی۔ جہاں عقائد میں وہابیوں نے کئی فرقوں کے بعض عقائد کو مخلوط کر کے کچھ عقائد بنا لئے ہیں، اسی طرح فقہ میں چاروں ائمہ سے آسان آسان اقوال لے کر ایک ناکارہ و نامکمل فقہ وہابیہ بنا لی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن وہابیت کی اصلیت کے متعلق فرماتے ہیں: ''مشبہہ آئے جنہیں حشویہ و مجسمہ بھی کہتے ہیں ان خبیثوں نے صاف صاف مان لیا کہ ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ہے، جسم ہے جہت ہے۔ اور جب یہ سب کچھ ہے تو پھر چڑھنا، اترنا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، ٹھہرنا سب آپ ہی ثابت ہے۔ یہ مردود وہی ہوئے جنہیں قرآن عظیم نے ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ﴾ (ان کے دلوں میں کجی ہے۔) فرمایا اور گمراہ فتنہ پرداز بتایا تھا۔ وہابیہ ناپاک کو آپ جانیں کہ سب گمراہوں کے فضلہ خوار ہیں مختلف بد مذہبوں سے کچھ کچھ عقائد ضلالت لے کر

آپ بھرت پورا کیا ہے یہاں بھی نہ چوکے، اور ان کے پیشوا اسمعیل نے صراط نا مستقیم میں جو اپنے جاہل پیر کی اللہ تعالیٰ سے دوستانہ ملاقات اور ہاتھ سے ہاتھ ملا کر گڈ مارننگ (Good Morning) ثابت کی تھی۔ (دیکھو کتاب مستطاب الکوکبۃ الشہابیہ علی کفریات ابی الوھابیہ) لہٰذا اس کے بعضے سپوت صاف صاف مجسمہ مبہوت کا مذہب ممقوت مان گئے اور اس کی جڑ بھی وہی ان کا پیشوائے قتیح اپنے رسالہ ''ایضاح الحق الصریح'' میں جما گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو مکان و جہت سے پاک جاننا بدعت وضلالت ہے جس کے رَد میں ''کوکبہ شہابیہ'' نے ''تحفہ اثناعشریہ'' شاہ عبدالعزیز صاحب کی یہ تحریر پیش کی تھی کہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کے لیے مکان نہیں، نہ اس کے لیے فوق یا تحت کوئی جہت ہوسکتی ہے۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد29، صفحہ 137، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وہابیوں کی فقہ کا حال بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ حضرات جس مسئلہ میں خلاف کریں گے آرام نفس ہی کی طرف کریں گے کبھی وہ مذہب ان کے نزدیک راجح نہ ہوا جس میں ذرا مشقت کا پلہ جھکا، تراویح میں بیس رکعت چھوڑیں تو چھتیس کی طرف نہ گئے جو امام مالک سے مروی، نہ چالیس لیں جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول اور امام اسحٰق بن راہویہ و اہل مدینہ کا مذہب تھا، آٹھ پر گرے کہ آرام کا سبب تھا۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد6، صفحہ 691، رضافائونڈیشن، لاہور)

## غیر مقلدوں کے چار حربے

وہابیوں نے جہاں عملی میدان میں شرعی احکام کی دھجیاں اڑائیں، بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے لگائے، مزارات کو ختم کرنا ثواب کا کام سمجھا۔ وہیں مسلمانوں کو وہابی بنانے کے لئے چار حربے استعمال کئے:

(1) تقلید کو مذموم ثابت کرنا اور اسے غلط ثابت کرنے کے لئے مسلمانوں کے ذہنوں میں وسوسے پیدا کرنا اور اسلاف کی عبارتوں میں تحریفات کرنا

(2) فقہ حنفی کی عبارتوں میں تحریف کر کے غلط پیرائے میں پیش کرنا

(3) فقہ حنفی کے دلائل کو نظر انداز کرنا اور اپنے مطلب کی دلیل کو حرفِ آخر سمجھنا

(4) علمِ حدیث کی آڑ میں وہابیت کو فروغ دینا

**(پہلا حربہ) تقلید کو مذموم ثابت کرنا اور اسے غلط ثابت کرنے کے لئے مسلمانوں کے ذہنوں میں وسوسے پیدا**

## کرنا اور اسلاف کی عبارتوں میں تحریفات کرنا

وہابیوں نے تقلید کو ناجائز و شرک ثابت کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ پھر شدت کی انتہاء یہ ہے کہ تمام مقلدین میں سب سے زیادہ رگڑا صرف حنفیوں کو ہی لگایا، شافعی، حنبلی، مالکی فقہ کے خلاف ان کی شاید ایک بھی کتاب نہ ہو اور نہ ہی ان تینوں ائمہ کے متعلق کوئی زبان درازی کی بلکہ خود ابن تیمیہ اور سعودی وہابی ابن باز سمیت سب نے خود کو فقہ حنبلی پر عمل پیرا ہونے والا کہا بلکہ آج بھی سعودی وہابی فقہ حنبلی پر چلتے ہیں۔ حنفیوں کے طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مظلوم رہے ہیں کہ بعض اچھے بھلے محدثین نے تعصب میں امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگرد امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر رحمھم اللہ کے متعلق کچھ طعن و تشنیع کی ہے (اگرچہ ان اسناد میں بھی ضعیف راوی موجود ہیں) جنہیں آج وہابی غیر مقلد دلیل بنا کر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ان شاگردوں پر زبان درازی کرتے ہیں۔ جبکہ کثیر محدثین نے امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کی شان و عظمت کو تسلیم کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔

تقلید کو ناجائز و کفر ثابت کرتے ہوئے وہابی مولوی پروفیسر حافظ عبداللہ بہاولپوری نے مقلد مسلمانوں کو منافقین و غدار بنا دیا چنانچہ لکھتا ہے: ''ہم تو ہمیشہ اہل حدیثوں سے کہتے رہے ہیں کہ ان مقلدوں کے دھوکے میں نہ آنا، یہ اہل حدیث کے ازلی ابدی دشمن ہیں۔ اہل حدیث سے ان کا وہی سلوک ہے جو عبداللہ بن ابی اور اس کی جماعت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ سے تھا۔ جب انہوں نے اماموں کی تقلید کر کے اللہ کے رسول سے غداری کی، ان سے وفا نہ کی تو کسی اور کے وفادار کیسے ہو سکتے ہیں؟ امام کا نام لے کر انہوں نے اللہ کے رسول کو چھوڑا، پھر وفا اپنے امام سے بھی نہ کی۔ کوئی قادری بن گیا، کوئی چشتی بن گیا، کوئی سہروردی۔ ان مقلدوں کا حال اس آوارہ عورت کا سا ہے جو نام خاوند کا لیتی ہے اور فیض ہر ایک سے حاصل کر لیتی ہے اور پھر رنگ رنگ کی اولاد جنتی ہے۔ اس طرح یہ حنفی مقلدین حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے کئی کئی روحانی باپ ہیں۔''

(تقلید کے خوفناک نتائج، صفحہ 7، مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد)

یہاں کمال چالاکی سے وہابی مولوی نے قادری، چشتی، سہروردی ہونے تفرقہ ثابت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفاداری سے نکال دیا اور اپنی آوارگی کو حنفیوں پر ڈال دیا۔ خود آوارگی کا یہ عالم ہے کہ چاروں ائمہ کے طرف منہ مار کر پسند کا فتویٰ لے لیتے ہیں، اگر کہیں سے آسانی نہ ملے تو بغیر حلالہ کئے تین طلاقوں کے باوجود ازواجی تعلقات جاری رکھتے ہیں۔

مزید وہابی مولوی ابوالاقبال بہتان عظیم باندھتے ہوئے کہتا ہے: ''حنفیہ حضرات بظاہر تو کلمہ طیبہ '' لا الـــہ الا الـلـــہ

محمد رسول الله ''پڑھتے ہیں لیکن عملاً ان کا کلمہ " لاالہ الا ابو حنیفه و علماء الاحناف اربابا من دون الله " ہے۔ عابدان امام ابوحنیفہ اور امتیان علماء احناف کا اسی پر عمل ہے اور یہی شیوہ ہے۔ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کا بھی یہی شیوہ و عمل تھا۔'' (مذہب احناف کا دین اسلام سے اختلاف، صفحہ 90، ادارہ مطبوعات سلفیہ، راولپنڈی)

وہابی مولوی شیخ کرم الدین کہتے ہیں: ''یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ چاروں مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چار سو برس کے بعد مسلمانوں میں پھیلے، چار سو برس تک مسلمان ان سے دور تھے۔ لیکن چار سو برس کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی احادیث کی جگہ امت کے چار اشخاص کے اقوال اور ان کی رائے اور قیاس کو دے دی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی نسبت بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹا کر ان امتیوں کی طرف کر لی اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرنے والوں کو لامذہب اور بے دین سمجھا جانے لگا ہے اور اسلام کا معیار فقط بزرگوں کے اقوال اور انکی رائے پر رہ گیا ہے۔ آہ! یہودی آج تک اپنے تئیں موسائی کہلوائیں، نصاریٰ آج تک اپنے تئیں عیسائی کہیں۔ لیکن امت محمد ﷺ نہ کہے بلکہ حنفی، شافعی، مالکی حنبلی کہلوائے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔''

(امام ابوحنیفه کی قانون ساز کمیٹی کی حقیقت، صفحہ 9، مکتبہ ابن کرم)

یہاں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہونے پر یہ اعتراض کیا کہ یہ نسبت محمدی سے اعتراض ہے تو بندہ پوچھے اہل حدیث ہونا کیا نسبت محمدی سے اعتراض نہیں؟ تم کیوں اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہو، محمدی کیوں نہیں کہتے؟

وہابی فاروق الرحمٰن یزدانی نے ایک کتاب ''احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف'' لکھی، اس میں انہوں نے حنفیوں کو معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخالف ثابت کیا۔ مقلدین جن میں صدیوں سے بڑے بڑے محدثین وفقہائے آتے رہے ہیں، اس وہابی مولوی نے ان سب کو جاہل ثابت کیا چنانچہ لکھتا ہے: ''مقلد کو علماء میں شمار نہیں کیا گیا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قد تضمن هذان الاجماعان اخراج المتعصب بالهوى والمقلد الاعمى عن زمرة العلماء "یعنی اجماع سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ متعصب اور مقلد کو علما میں شامل نہیں کیا جائے گا۔۔۔

مقلد مفتی کا فتویٰ حرام:۔ جس طرح مقلد عالم نہیں ہوتا اسی طرح مقلد مفتی بھی نہیں ہوتا کیونکہ فتویٰ کا تعلق بھی علم کے ساتھ ہے۔ اگر مفتی مقلد (جاہل) ہے تو وہ فتویٰ خاک جاری کرے گا جیسا کہ امام ابن قیم نے نقل کیا ہے" انه لا يجوز الفتوى بالتقليد لانه ليس بعلم والفتوىٰ بغير علم حرام" کہ تقلید کے ساتھ فتویٰ جاری کرنا حرام ہے کیونکہ تقلید تو جہالت کا نام ہے۔

اس لئے کہ لوگوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اور چیزوں کو زندگی کی رہنمائی کے اصول کے طور پر قبول کیا ہے۔ مگر اہلحدیث نے سب سے نظریں پھیر کر قرآن وحدیث پر ہی اپنی نظروں کو مرکوز رکھا ہے اور دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ

حور پہ آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

اے ہمارے مقلد دوستو! کبھی قرآن وحدیث کے دریچوں سے بھی تو جھانک کر دیکھنے کی زحمت گوارہ کرلو کہ جس (قرآن وحدیث) پر عمل کرنا تھا اس کو پس پشت ڈال دیا ہے اور جس کو قرآن وحدیث کے تابع بنا کر ماننا تھا اس کو سینے سے لگائے پھر رہے ہو۔" (احناف کا رسول اللہ سے اختلاف، صفحہ 55 تا 58، ادارہ تحفظ افکار اسلام، شیخوپورہ)

یہ سب کلام وہابی مولوی نے تقلید کے رَدّ میں لکھا ہے۔ لیکن رَدّ کرتے ہوئے بھی ابن قیم کی تقلید کی ہے۔ ابن قیم جیسے شخص کی تقلید میں وہابی مولوی نے مقلد کو عالم ومفتی سے خارج کر دیا جبکہ یہ ابن قیم کی تقلید نہ صرف بغیر دلیل کے ہے بلکہ بغیر عقل کے بھی ہے۔ کس حدیث میں آیا ہے کہ جو مقلد ہوگا وہ عالم ومفتی نہیں ہوگا؟ کئی محدثین جن میں ابن حجر عسقلانی، امام نووی وغیرہ ہیں جو مقلد تھے اور وہابی نہ صرف ان کا بطور حجت حوالہ دیتے ہیں بلکہ جس حدیث کو جو مقلد محدث ضعیف یا صحیح کہہ دے اسے تسلیم بھی کرتے ہیں۔ کیا وہابیوں کی یہ جہالت نہیں ہے کہ مقلد کو جاہل کہہ کر ان کی باتوں کو حجت بنایا جاتا ہے؟ پھر مزے کی بات دیکھیں کہ وہابیوں کے نزدیک جو عالم ہو لیکن مقلد ہو وہ جاہل ہے اور جو جاہل اہل حدیث ہو وہ عالم ہے۔ اگر کوئی وہابی مولوی توبہ کر کے سنی حنفی ہو جائے تو مقلد ہونے کی وجہ سے جاہل ہو گیا۔

مقلدوں کو تو جاہل کہہ دیا جبکہ خود یہ نہ صرف جاہل ہیں بلکہ بے وقوف بھی ہیں۔ وہابیوں کے شیخ الحدیث اسماعیل کو تو خود ان کے وہابی مولوی نے بے وقوف کہا ہے چنانچہ فتاوی سلفیہ صفحہ 126 میں ہے کہ وہابیہ کے شیخ الحدیث اسماعیل سلفی لکھتے ہیں: "آنحضرت فداہ ابی وامی سخت قسم کے وہابی تھے۔"

کسی دوسرے وہابی مولوی سے فتاوٰی علمائے حدیث میں کسی نے سوال کیا: ہمارے ہاں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی وہابی کہتے ہیں۔ ایسا کہنا جائز ہے؟ جواب میں وہابی مولوی کہتا ہے: "ایسے لوگ بہت بے وقوف ہیں۔" (فتاوی علمائے حدیث، جلد9، صفحہ 139، مکتبہ سعیدیہ، خانیوال)

چلے چھوڑیں یہ تو چھوٹا مولوی تھا جس کی بے وقوفی ظاہر ہوئی۔ وہابیوں کے امام اسماعیل دہلوی کا بھی حال ملاحظہ ہو کہ

اس نے اپنی کتاب میں مسلم شریف کی یہ حدیث نقل کی ”لا یذھب اللیل والنھار حتی یعبد اللات والعزّی (الٰی قولہ) یبعث اللّٰہ ریحا طیبۃ فتوفی کل من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فیبقی من لا خیر فیہ فیرجعون الٰی دین اٰبائھم “ مشکٰوۃ کے باب ”لا تقوم الساعۃ شرار الناس “حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزّیٰ کی پھر سے پرستش نہ ہو اور وُہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اُٹھالے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا انتقال کرے گا جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہوجائے گی۔

اس حدیث کو (اسمعیل دہلوی نے) نقل کر کے صاف لکھ دیا” سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔“ (یعنی وہ ہوا چل پڑی) (تقویۃ الایمان،الفصل الرابع،صفحہ30،مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ،لاہور)

دہلوی صاحب نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اگر وہ ہوا چل گئی اور سارے دنیا کافر ہوگئی تو خود مسلمان کیسے رہے؟ کیا یہ خود ہوا پروف تھے کہ ان تک وہ ہوا آئی ہی نہیں۔شرک کی محبت نے انہیں اتنا کم عقل کردیا کہ خود کافر ہونے کا اقرار کرلیا۔حالانکہ یہ حدیث قرب قیامت پر وارد تھی جسے اسماعیل دہلوی نے اپنے دور پر منطبق کردیا۔

## وہابیوں سے تقلید کا ثبوت

وہابی مولویوں نے تقلید کی اتنی مذمت کی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مقلد ہر مسئلہ میں اپنے امام کا قول پیش کرتا ہے اور وہابی ہر مسئلہ میں قرآن وحدیث پیش کرتے ہیں۔چند مسائل پیش کئے جاتے ہیں اس میں دیکھیں کہ وہابی اپنے دعویٰ میں کس حد تک سچے ہیں؟ کیا یہ بھی اپنے جیسوں کی تقلید نہیں کرتے؟

سعودی وہابی شیخ ابن باز سے سوال ہوا:”جب کوئی انسان روزے کی حالت میں بوسہ لے یا بعض عریاں فلموں کو دیکھے اور مذی خارج ہوجائے تو کیا وہ روزے کی قضا دے؟اور اگر متفرق دنوں میں ایسا ہو تو قضا مسلسل دے یا متفرق؟

جواب:علماء کے صحیح قول کے مطابق مذی نکلنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا خواہ اس کا سبب بیوی کا بوسہ یا فلموں کو دیکھنا یا کوئی اور شہوت انگیز بات ہو،لیکن مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ عریاں فلمیں دیکھے اور ایسے گانے بجانے کو سنے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

شہوت سے اگر منی خارج ہو تو اس سے روزہ باطل ہوجاتا ہے،خواہ یہ مباشرت،بوسہ،نظر بازی یا دیگر شہوت انگیز

اسباب مثلاً مشت زنی وغیرہ کی وجہ سے ہو۔ احتلام اور محض سوچ بچار کی وجہ سے روزہ باطل نہیں ہوتا خواہ منی خارج ہو جائے۔۔۔"

(فتاوی اسلامیہ، جلد2، صفحہ189، دارالسلام، ریاض)

یہ علماء کی تقلید میں مذی کی صورت میں روزہ نہ ٹوٹنے کا کہا گیا ہے۔ پھر شہوت سے دیکھنے پر منی نکلے تو روزہ ٹوٹنے کا کہا گیا ہے اور محض سوچ بچار کی وجہ سے نہ ٹوٹنے کا کہا گیا ہے، یہ کس حدیث میں آیا ہے اور کس اصول کے تحت کہا گیا ہے؟ یہ وہابی مجتہد صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔

اسی طرح وہابیوں کے فتاوی اسلامیہ میں سوال ہوا کہ روزے کی حالت میں دمہ کے مریض کا انہیلر استعمال کرنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں وہابیوں کی فتویٰ کمیٹی نے متفق ہو کر کچھ یوں لکھا کہ اس مسئلہ میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ پھر آخر میں ابن تیمیہ کی تقلید کرتے ہوئے روزہ نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا چنانچہ لکھتے ہیں: "جن علماء کی یہ رائے ہے کہ ان اشیاء کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے ہم نوا شامل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ ان اشیاء کو کھانے پینے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔۔۔۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ناک کے ذریعہ سے اس دوا کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ کیونکہ یہ کسی طرح بھی کھانے پینے کے حکم میں نہیں ہے۔"

(فتاوی اسلامیہ، جلد2، صفحہ185، دارالسلام، ریاض)

یہاں انہیلر سے روزہ نہ ٹوٹنے کا کہا گیا ہے جبکہ اس میں کیمیکل ہوتے ہیں جو اندر جاتے ہیں۔ لیکن وہابیوں نے قیاس آرائیاں کر کے اس سے روزہ نہ ٹوٹنے کا کہا اور اس پر کوئی حدیث دلیل کے طور پر نہیں دی۔

وہابی مولوی مبشر احمد ربانی سے روزہ کی حالت میں آکسیجن لگانے کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے وہابی مولویوں کی تقلید کرتے ہوئے روزہ نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا چنانچہ لکھتے ہیں: "اس گیس یا آکسیجن میں کوئی غذائی مواد یا دوائی نہیں ہوتی جو جسم میں داخل ہو۔ ڈاکٹر محمد علی البار لکھتے ہیں: ایسی آکسیجن جو سانس کے مریضوں کو لگائی جاتی ہے۔ اسمیں کوئی غذائی مواد یا دوائی نہیں ہوتی اور یہ زیادہ تر سانس کی بحالی کے لئے استعمال کی جاتی ہے اور ہوا میں سانس لینا انسانی زندگی کے لئے ضروری ہے اور ہوا کے جسم میں داخل ہونے سے روزے کے فاسد ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر حسان شمسی پاشا لکھتے ہیں۔۔۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس طرح کی گیس وغیرہ کا استعمال روزے کو فاسد نہیں کرتا۔"

(احکام ومسائل، صفحہ332، دارالاندلس، لاہور)

اسی طرح اور کئی کتب میں وہابی مولویوں نے کئی مسائل میں ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن باز، عثیمین، البانی وغیرہ وہابی

مولویوں کی خوب تقلید کی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے قیاس پر وہابی بہت اچھل کود اور طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ خود کئی وہابی مولوی قیاس کر کے فتوے دیتے ہیں اور ان کے چیلے ان فتوؤں کی پیروی کرتے ہیں چنانچہ وہابی مولوی عبداللہ امرتسری روپڑی سے سوال ہوا: ''کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک کوا نے ایک برتن جس میں چار پانچ سیر دودھ تھا چونچ ڈال دی اور وہ دودھ ایک مولوی صاحب نے اس بات پر پی لیا کہ کوا حلال ہے۔ فتویٰ ارسال فرمائیں کہ کوا حلال ہے؟ عنایت اللہ از چھانگا مانگا 6 ستمبر 1934ء۔''

جواباً امرتسری لکھتا ہے: ''بعض علماء کہتے ہیں کہ قتل کے حکم سے (کوے کی) حرمت ثابت نہیں ہوتی، مگر ظاہر حرمت ہے۔ کیونکہ قتل کا حکم خباثت کی وجہ سے ہے۔ اور خباثت ہی زیادہ تر حرمت کا باعث ہے۔ ہاں اس (کوے) کے جھوٹے کو بلی پر قیاس کرنے کی گنجائش ہے۔ اگرچہ پرہیز مناسب ہے۔ مگر اس پر زیادہ تشدد اچھا نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی 25 جمادی الاول 1353ء'' (فتاوی اہل حدیث، جلد1، صفحہ 237،)

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں جو وہابی ختم کے کھانے کو حرام اور مثل خنزیر سمجھتے ہیں، ان وہابیوں میں سے ایک وہابی نے کوے کو جھوٹے کو کھالیا اور اس کے پاس کوئی حدیث نہیں جس سے واضح ہو کہ کوے کا جھوٹا پاک ہے۔ وہ وہابی جو قیاس کو شیطانی ہتھیار قرار دیتے ہیں اس قیاس کے ذریعے وہابی مولوی کوے کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ کر رہا ہے اور اس کے جھوٹے کو بلی کے جھوٹے پر قیاس کر رہا ہے۔

یہ تھی ایک جھلک وہابیوں کی اندھی تقلید اور شرعی مسائل میں چھکے چوکے لگانے پر اور باتیں ایسے کرتے ہیں جیسے ان کا ہر فعل قرآن وحدیث کے مطابق ہے اور حنفی معاذ اللہ قرآن وحدیث کے مخالف ہیں۔

## مسلمانوں کے ذہنوں میں وسوسے پیدا کرنا

وہابیوں نے مسلمانوں کو تقلید سے روک کر غیر مقلد وہابی بنانے کے لئے کچھ وسوسے بھی عام کئے ہیں جن میں تقلید کو باطل ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ کو عام شخصیت ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے۔ چند وسوسے اور ان کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

وسوسہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو صرف سترہ (17) اور تحقیق یہ ہے کہ صرف تین احادیث یاد تھیں۔

**جواب:** وہابی ویسے تو اہل حدیث کا دعویٰ کر کے تقلید کو شرک ثابت کرتے ہیں لیکن جب اپنے مطلب کی بات آتی ہے تو

وہابی اندھی تقلید کرتے ہیں جیسے یہاں بغیر سوچے سمجھے وہابی ابن خلدون کی تقلید کررہے ہیں۔ یہ بات وہابیوں نے تاریخ ابن خلدون کتاب سے سمجھ لی ہے۔ وہابیوں کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس درجہ بغض ہے کہ ان کے خلاف جو بات جہاں سے بھی ملے وہ سر آنکھوں پر، اس کے لئے کسی دلیل وثبوت وتحقیق کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ کسی مجہول آدمی کا جھوٹا قول ہی کیوں نہ ہو۔ یہی حال ہے ابن خلدون کے نقل کردہ اس قول کا ہے۔ تاریخ ابن خلدون میں عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد ابن خلدون (المتوفی 808ھ) نے لکھا ہے "فابو حنيفه رضى الله عنه يُقال بلغت روايته الى سبعة عشر حديثا او نحوها" غرقہ اہل حدیث کے جاہل شیوخ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو سترہ (17) احادیث یاد تھیں حالانکہ اس عبارت کا یہ ترجمہ بالکل غلط ہے بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی روایت (یعنی مَرویات) تقریبا سترہ (17) تک پہنچتی ہیں۔ (تاريخ ابن خلدون، الفصل السادس فى علوم الحديث، صفحه 561، دار الفكر، بيروت)

اس قول میں یہ بات نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو صرف سترہ (17) احادیث یاد تھیں۔ ابن خلدون کے ذکر کردہ اس قولِ مجہول کا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو احادیث روایت کیں ہیں ان کی تعداد سترہ (17) ہے، یہ مطلب نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کُل سترہ (17) احادیث پڑھی ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ روایت حدیث میں کمی اور قلت کوئی عیب ونقص نہیں ہے، حتی کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی روایات دیگر صحابہ کی بہ نسبت بہت کم ہیں۔

پھر ابن خلدون نے یہ جملہ بطور تمریض یعنی کسی کا پیش کیا ہے جیسا کہ کسی سنی سنائی بات کے متعلق ایسا کہا جاتا ہے کہ سنا ہے، یہاں بھی ابن خلدون کہہ رہے کہ کہا جاتا ہے۔ ایسا کہنا اس قول کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ ابن خلدون نے یہ نہیں کہا یہ میری تحقیق ہے کہ امام ابوحنیفہ سے سترہ احادیث مروی ہیں۔ ابن خلدون مورخ اسلام ہیں لیکن ان کو ائمہ کی روایات کا پورا علم نہیں ہے، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کی مَرویات (موطا) میں تین سو ہیں حالانکہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موطا مالک میں سترہ سو بیس (1720) احادیث موجود ہیں۔

ابن خلدون کی اس قول کی تردید کے لئے امام اعظم رحمہ اللہ کی پندرہ مسانید کو ہی دیکھ لینا کافی ہے، جن میں سے چار تو آپ کے شاگردوں نے بلاواسطہ آپ سے احادیث سن کر جمع کی ہیں، باقی بالواسطہ آپ سے روایت کی ہیں۔ اس کے علاوہ امام محمد امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی کتب اور مُصنف عبدالرزاق اور مُصنف ابن ابی شیبہ ہزاروں روایات بسند مُتصل امام اعظم رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ نے "کتاب الآثار" میں تقریبا نوسو (900) احادیث جمع کی ہیں، جس کا انتخاب

چالیس ہزار احادیث سے کیا۔

یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ تین و سترہ احادیث تو ایک عام سے شخص کو بھی یاد ہو سکتی ہیں پھر امام ابو حنیفہ جو تابعی بھی ہوں اور کثیر احادیث کی سند میں ان کا نام بھی ہو اس کے باوجود کہنا کہ انہیں صرف سترہ یا تین احادیث یاد تھیں بغض و حسد اور بے وقوفی کی دلیل ہے۔ حضرت عبد العزیز بن ابو رواد رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب سنیت کی پہچان ارشاد فرمائی کہ سنی وہ ہے جو امام ابو حنیفہ سے محبت رکھے اور بدعتی وہ ہے جو ان سے بغض رکھے چنانچہ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ میں الحسین بن علی بن محمد الصَّیمَری الحنفی (المتوفی 436ھ) حضرت عبد العزیز بن ابو رواد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں "من أحب أَبا حنيفَة فَهُوَ سني وَمن أبغضه فَهُوَ مُبْتَدع" ترجمہ: جس امام ابو حنیفہ سے محبت کی وہ سنی ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ بدعتی ہے۔

(اخبار ابی حنیفة واصحابه، ذکر ما روی عن اعلام المسلمین وأئمتهم فی فضل أبی حنیفة رضی الله عنه وعنهم، صفحه 86، عالم الکتب، بیروت)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو ائمہ حدیث نے حُفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ عالم اسلام کے مستند عالم مشہور ناقد حدیث اور علم الرجال کے مستند و مُعتمد عالم علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر اپنی کتاب "تذکرہ الحُفّاظ" میں کیا ہے، جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں حُفاظ حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور محدثین کے یہاں "حافظ" اس کو کہا جاتا ہے جس کو کم از کم ایک لاکھ احادیث متن و سند کے ساتھ یاد ہوں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ پھر آپ نے خود اقرار کیا ہے کہ مجھے پانچ لاکھ احادیث یاد ہیں چنانچہ آپ کی سیرت پر لکھی کتب میں موجود ہے کہ آپ نے اپنے وصال کے قریب اپنے بیٹے کو کہا کہ مجھے پانچ لاکھ احادیث یاد ہیں جن میں سے پانچ احادیث کے متعلق تجھے نصیحت کرتا ہوں اس پر عمل کرو۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہ و کلام کے علاوہ محض حدیث پاک کی تعلیم و تحصیل کے لیے سفر کرنے کا ثبوت امام ذہبی (المتوفی 748ھ) نے پیش کیا ہے، وہ اپنی مشہور کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں امام صاحب کے تذکرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں "وَعُنِيَ بِطَلَبِ الآثَارِ وَارْتَحَلَ فِي ذَلِك ..... فَإِنَّ الإِمَامَ أَبَا حَنِيْفَةَ طَلَبَ الحَدِيْثَ، وَأَكْثَرَ مِنْهُ فِي سَنَةِ مائَةٍ وَبَعدَهَا" ترجمہ: امام صاحب نے طلبِ حدیث کی جانب توجہ کی اور اس کی خاطر سفر کیا، بالخصوص سنہ ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے زمانہ میں اس اخذ و طلب میں بہت زیادہ سعی کی۔

(سیر أعلام النبلاء، أبو حنیفة النعمان بن ثابت التیمی، جلد6، صفحه 392، 396، مؤسسة الرسالة، بیروت)

غور کیا جا سکتا ہے کہ اتنی کثرت سے حج کرنے کا مقصد استفادہ کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے، علاوہ ازیں سنہ 100ھ

سے خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ تک، جس کی مدت چھ سال کی ہوتی ہے، آپ کا مستقل قیام مکہ معظمہ ہی میں رہا، ظاہر ہے کہ اس دور کے طریقہ رائج کے مطابق دورانِ حج اور اس چھ سالہ مستقل قیام کے زمانہ میں آپ نے شیوخ حرمین اور واردین وصادرین اصحاب حدیث سے خوب خوب استفادہ کیا ہوگا۔ طلبِ حدیث کے اسی والہانہ اشتیاق اور بے پناہ شغف کا ثمرہ ہے کہ آپ کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔ پھر ان چار ہزار اساتذہ سے آپ نے کس قدر احادیث حاصل کیں اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو علم والوں کی صحبت میں بیٹھا ہو نہ کہ وہ جو جمعہ جمعہ آٹھ دن وہابی بنے ہوئے ہو اور ایک دو حدیثیں سن کر اور بغیر سمجھے پوری امت کو مشرک وبدعتی سمجھنا شروع کردے۔

امام ابوحنیفہ کو احادیث رسول صرف دو واسطوں (صحابی اور تابعی) سے ملی ہیں بلکہ بعض احادیث امام ابوحنیفہ نے صحابۂ کرام سے براہ راست بھی روایت کی ہیں۔ دو واسطوں سے ملی احادیث کو احادیث ثنائی کہا جاتا ہے جو سند کے اعتبار سے حدیث کی اعلیٰ قسم شمار ہوتی ہے۔ بخاری ودیگر کتب حدیث میں 2 واسطوں کی کوئی بھی حدیث موجود نہیں ہے۔ 3 واسطوں والی یعنی احادیث ثلاثیات بخاری میں صرف 22 ہیں، ان میں سے 20 احادیث امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے روایت کی ہیں۔

امام ابوحنیفہ سے احادیث کی روایت کتب حدیث میں کثرت سے نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ تأثر پیش کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی علم حدیث میں مہارت کم تھی حالانکہ غور کریں کہ جس شخص نے صرف بیس سال کی عمر میں علم حدیث پر توجہ دی ہو، جس نے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا بہترین زمانہ پایا ہو، جس نے صرف ایک یا دو واسطوں سے نبی اکرم کی احادیث سنی ہوں، جس نے حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر فقیہ صحابی کے شاگردوں سے 18 سال تربیت حاصل کی ہو، جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت پایا ہو جو تدوین حدیث کا سنہری دور رہا ہے، جس نے کوفہ، بصرہ، بغداد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ملک شام کے ایسے اساتذہ سے احادیث پڑھی ہو جو اپنے زمانے کے بڑے بڑے محدث رہے ہوں، جس نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہزاروں مسائل کا استنباط کیا ہو، قرآن وحدیث کی روشنی میں کئے گئے جس کے فیصلے کو ہزار سال کے عرصہ سے زیادہ امت مسلمہ نیز بڑے بڑے علماء ومحدثین ومفسرین تسلیم کرتے چلے آئے ہوں، جس نے فقہ کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا ہو، جو صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود کا علمی وارث بنا ہو، جس نے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے فقہاء صحابہ کے شاگردوں سے علمی استفادہ کیا ہو، جس کے تلامذہ بڑے بڑے محدث، فقیہ اور امام

وقت بنے ہوں تو اس کے متعلق ایسا تأثر پیش کرنا صرف اور صرف بغض وعناد اور علم کی کمی کا نتیجہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی کے متعلق کہے کہ ان کو علم حدیث سے معرفت کم تھی کیونکہ ان سے گنتی کی چند احادیث کتب احادیث میں مروی ہیں۔ حالانکہ ان حضرات کا کثرت روایت سے اجتناب دوسرے اسباب کی وجہ سے تھا جس کی تفصیلات کتب میں موجود ہیں۔ غرضیکہ امام ابوحنیفہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم محدث بھی تھے۔

لیکن وہابی جس طرح ٹوٹے پھوٹے دلائل سے امام اعظم کو غیر تابعی ثابت کرتے ہیں اسی طرح انہیں غیر ثقہ ثابت کرتے ہیں اور کبھی احادیث سے عاری ثابت کرتے ہیں جس کا علماء احناف نے شدومد سے رد کیا ہے۔ وہابیوں کے ہی مولویوں نے وہابیوں کے ان نظریات کا رد کیا ہے۔ غیر مقلدوں کا بہت بڑا مولوی داؤد غزنوی (جو وہابیوں میں اکیلے پاکستان بننے کے حق میں تھے بقیہ وہابی دیوبندیوں کی طرح گاندھی کے ساتھ تھے) ایک دن وہابیوں کی خرافات کو بیان کرتے ہوئے بڑے دردناک لہجہ میں کہتے ہیں: ''جماعتِ اہلحدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے، کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ اگر کوئی بڑا احسان کرے تو وہ سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یکجہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟ یا غربۃ العلم۔ انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ۔''

(مولانا داؤد غزنوی ،صفحہ136،فاران اکیڈمی ،لاہور)

وسوسہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کوئی کتاب نہیں لکھی اور فقہ حنفی کے مسائل لوگوں نے بعد میں ان کی طرف منسوب کر لئے ہیں۔

جواب: یہ اعتراض انتہائی جاہلانہ ہے جو کفار و گمراہ کے نظریات کو فروغ دینے والا ہے۔ یہ طعن تو اعداء اسلام بھی کرتے ہیں منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں احادیث نہیں لکھیں لہٰذا احادیث کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ منکرین قرآن کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں قرآن نہیں لکھوایا لہٰذا اس قرآن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ وہابیوں نے یہ وسوسہ منکرین حدیث اور شیعہ سے چوری کر کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بغض کی وجہ سے یہ منطبق کر دیا کہ انہوں نے تو کوئی کتاب نہیں لکھی، لہٰذا ان کی فقہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کسی بھی آدمی کے عالم و فاضل و ثقہ و امین ہونے کے لئے کتاب کا لکھنا ضروری نہیں ہے، اسی طرح کسی مجتہد امام کی تقلید و اتباع کرنے کے لئے اس امام کا کتاب لکھنا کوئی شرط نہیں ہے،

بلکہ اس امام کا علم واجتہاد محفوظ ہونا ضروری ہے۔اگر کتاب لکھنا ضروری ہے تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کون سی کتاب لکھی ہے؟اسی طرح بے شمار ائمہ اور راویان حدیث ہیں،مثال کے طور پر امام بخاری اور امام مسلم کے شیوخ ہیں کیا ان کی حدیث وروایت معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انہوں نے کوئی کتاب لکھی ہو؟اگر ہر امام کی بات معتبر ہونے کے لئے کتاب لکھنا ضروری قرار دیں تو پھر دین کے بہت سارے حصہ کو خیر باد کہنا پڑے گا۔اس کے علاوہ وہابیوں کے بڑے امام جہاں سے ساری وہابیت نکلی ہے ابن عبد الوہاب نجدی نے کتنی کتابیں لکھی ہیں؟دو چار چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھی ہیں جس میں امت مسلمہ کو مشرک ٹھہرایا ہے اور وہابیوں نے اسے اپنا امام بنایا ہوا ہے۔اسماعیل دہلوی نے کتنی کتابیں لکھی ہیں جو دیوبندی اور وہابیوں کا امام ہے؟

لہٰذا یہ وسوسہ پھیلانے والوں سے ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم کے تمام شیوخ کی کتابیں دکھاو ورنہ ان کی احادیث کو چھوڑ دو۔اور امام اعظم رحمہ اللہ نے تو کتابیں لکھی بھی ہیں۔''الفقہ الأکبر''امام اعظم رحمہ اللہ کی کتاب ہے جو عقائد کی کتاب ہے۔یہ علم کلام وعقائد کی اولین کتب میں سے ہے اور بہت سارے علماء ومشائخ نے اس کی شروحات لکھی ہیں۔اسی طرح کتاب''العالم والمتعلم''بھی امام اعظم رحمہ اللہ کی تصنیف ہے،''کتاب الآثار''امام محمد اور امام ابو یوسف کی روایت کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ ہی کی کتاب ہے۔اسی طرح امام اعظم رحمہ اللہ کے پندرہ مسانید ہیں جن کو علامہ محمد بن محمود الخوارزمی نے اپنی کتاب''جامع الإمام الأعظم''میں جمع کیا ہے اور امام اعظم کی ان مسانید کو کبار محدثین نے جمع کیا ہے،بطور مثال امام اعظم کی چند مسانید کا ذکر کرتا ہوں:جامع مسانید الإمام الأعظم ابی حنیفۃ،مسانید الإمام ابی حنیفۃ وعدد مروياته المرفوعات والآثار،مسند الإمام ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ،مسند الإمام ابی حنیفۃ النعمان،ترتیب مسند الامام ابی حنیفۃ علی الابواب الفقهية۔

**وسوسہ:** فقہ تابعین کے دور کے بعد ایجاد ہوئی لہٰذا اس کو چھوڑنا ضروری ہے اور قرآن وحدیث پر عمل کرنا چاہئے نہ کہ فقہ پر۔

**جواب:** ''علم حدیث''کی جمع وتدوین کتابی شکل میں''علم فقہ''کے بھی بعد ہوئی ہے،اگر''علم فقہ''کو اس وجہ سے چھوڑنا ہے کہ یہ عہد صحابہ کے بعد کی گئی ہے تو پھر''علم حدیث''کا کیا بنے گا صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث تو بہت بعد میں لکھی گئی ہیں۔دراصل فقہ کوئی خود ساختہ چیز نہیں ہے بلکہ فقہ احکام شرعی کا نام ہے اور احکام شرع قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔کتب فقہ میں قرآنی احکام،احادیث میں جو شرعی احکام بیان کئے گئے،صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فتاویٰ اور جس مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہ ہو اس کا حل فقہائے کرام نے قرآن وحدیث سے ہی اخذ کیا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ فقہ میں چونکہ تمام احکام صراحۃً قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہیں بلکہ کثیر مسائل ایسے ہیں جو فقہائے کرام نے خود سے اخذ کئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر آج تک کوئی ایسا شخص نہیں آیا جس نے یہ کہا ہو کہ میں نے اپنی زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کا واضح حل قرآن وحدیث سے پایا ہے۔ وہابیوں سے جا کر کوئی پوچھے کہ روزے کی حالت میں انہیلر لینے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں اس پر قرآن وحدیث کی کوئی دلیل لاؤ، وہابی ساری زندگی لگا رہے اسے اس پر دلیل نہیں ملے گی۔ کثیر ایسے جدید مسائل ہوتے ہیں جن کا حل صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے بعد آنے والے فقہائے کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا ہے۔ بے شک قرآن وحدیث میں سب کچھ ہے لیکن ہر کوئی اس خزانہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ دیکھیں سمندر کی تہ میں پڑے خزانے کو وہی پا سکتا ہے جو سمندر کے نیچے تک جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر کوئی شخص قرآن وحدیث کو نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ ایک عام شخص کا تعلق چاہے اہل سنت سے ہو یا وہابیوں سے اسے کوئی مسئلہ درپیش ہو جائے تو وہ خود قرآن وحدیث سے جواب حاصل نہیں کر پائے گا بلکہ اپنے مولوی سے رابطہ کرے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر کوئی قرآن وحدیث کو سمجھ کر اپنے مسائل حل کرنے سے قاصر ہے۔ اگر قرآن وحدیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ ہر کسی کو اٹکل پچو سے مسائل کے جوابات دینے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

(سورۃ النحل، سورۃ16، آیت43)

دیکھیں اس آیت میں اللہ عزوجل نے غیر عالم کو عالم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔ حدیث شریف میں ہے بیماری جہل کی شفاء علُماء سے دریافت کرنا ہے۔ لہٰذا علُماء سے دریافت کرو وہ تمہیں بتا دیں گے۔ اللہ عزوجل نے عالم کو اسی وجہ سے فضیلت دی ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کرتا ہے، اگر ہر کسی کو خود سے قرآن وحدیث پڑھ کر عمل پیرا ہونے کا حکم ہوتا تو پھر عالم کی فضیلت کیا معنی رکھتی ہے؟ اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

(سورۃ التوبہ، سورۃ9، آیت122)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے یہ حکم فرمایا کہ مومنین میں ایک جماعت ایسی بھی ہو جو ''تفقہ فی الدین''، یعنی دین کی سمجھ حاصل کرے اور انذار اور دعوت کا فریضہ انجام دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو ''تفقہ فی الدین'' حاصل کر کے اپنی

قوم کے پاس جائیں گے تو قوم ان کی اتباع وتقلید کرے گی۔ فقہائے کرام نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے قرآن وحدیث کو سمجھا اور قرآن وحدیث کے شرعی احکام کے ساتھ ساتھ ان مسائل کو بھی ذکر کر دیا جو قرآن وحدیث کی روشنی میں شب وروز کی محنت سے حل کئے۔ لہٰذا فقہ پر عمل کرنا درحقیقت قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہے فرق صرف اتنا ہی ہے کہ قرآن میں صرف قرآنی آیات ہیں، احادیث میں ہر قسم کی احادیث ہیں اور فقہ میں قرآن وحدیث کے شرعی مسائل کے ساتھ ساتھ ان مسائل کا ذکر ہے جو جدید ہیں۔ وہابی جو اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کثیر مسائل میں جب کوئی حدیث نے ملے تو اپنے جیسے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں جس کا آگے ذکر ہوگا۔

وسوسہ: جب امام ابوحنیفہ نہیں تھے تو حنفی مقلد کہاں تھے؟ چاروں مذاہب کے پیروکار اپنے اماموں پر جا کر دم توڑتے ہیں۔

**جواب:** اس وسوسہ کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ جب ائمہ حدیث امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداود، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہم نہیں تھے اور نہ ان کی کتابیں تھیں، تو اس وقت اہل اسلام حدیث کی کن کتابوں پر عمل کرتے تھے؟ اور آج کل کے نام نہاد اہل حدیث کہاں تھے؟؟ کیونکہ فرقہ نام نہاد اہل حدیث (1888ء) میں معرض وجود میں آیا، اور اگرچہ بعض نام نہاد اہل حدیث نے اپنا رشتہ ناطہ حقیقی (اہل الحدیث) یعنی محدثین کرام کے ساتھ جوڑنے کی ناکام کوشش کی ہے جس کا تفصیلی رد فقیر نے اپنی کتاب ''دین کس نے بگاڑا ہے؟'' میں کیا ہے۔

الحمدللہ عزوجل چاروں ائمہ کرام کا سلسلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان تک پہنچتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی تھے اور آپ نے امام حماد سے علم حاصل کیا، حماد نے امام ابراہیم سے ابراہیم نے علقمہ سے اور علقمہ نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض حاصل کیا۔ اسی طرح دیگر ائمہ کرام کا سلسلہ ہے۔ لہٰذا مقلد کا رابطہ اپنے امام سے ہوتا ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ اس کے برعکس غیر مقلد وہابیوں کی تاریخ فقط انگریزوں تک ہے۔ انگریزی دور سے پہلے ان کا نام ونشان نہیں ہے۔ یہ بنی انگریزوں کی ایجاد ہیں۔ آپ تاریخ اسلام پر کوئی بھی کتاب اٹھالیں کہیں بھی ان کا نام ونشان تک نہیں ملتا، ان کا سلسلہ انگریزی دور سے چلتا ہے حتی کہ صرف ہندوستان کی تاریخ پڑھ لیں کہ سینکڑوں سال تک زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا مثلا مسلمان حکمرانوں میں مغل، غوری، تغلق، لودھی، خلجی وغیرہ ایک طویل زمانہ تک ہندوستان پر حکمرانی کرتے رہے لیکن ان سب ادوار میں

فرقہ نام نہاد اہل حدیث بالکل نظر نہیں آتا۔ جو حضرات اس فرقہ میں حدیث کی سند بھی کہتے ہیں تو وہ بھی میاں نذیر حسین دہلوی سے آگے صرف اور صرف فرقہ نام نہاد اہل حدیث اور غیر مقلدین کے واسطہ سے اصحاب صحاح ستہ تک نہیں پہنچتا، بلکہ میاں نذیر حسین دہلوی کے بعد امام بخاری امام مسلم وغیرہ تک ان کا سلسلہ سند حنفی و شافعی مقلدین کے واسطہ سے پہنچتا ہے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ رات دن یہ لوگ یہ تکرار کرتے رہتے ہیں کہ تقلید شرک و جہالت ہے اور مقلد مشرک و جاہل ہوتا ہے، اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو امام بخاری یا کسی بھی امام حدیث تک اپنی ایک ضعیف سند بھی ایسی دکھا دو جس میں اول تا آخر سب کے غیر مقلد اور تمہاری طرح نظریات کے حامل افراد شامل ہوں؟؟ قیامت تک یہ لوگ ایسی سند نہیں دکھا سکتے، بس عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے مختلف قسم کے حیلے بہانے تراشے ہوئے ہیں۔

**وسوسہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اتباع بہتر ہے یا محمد رسول اللہ کی؟**

**جواب:** یہ وسوسہ ایک عام آدمی کو بڑا خوشنما معلوم ہوتا ہے، لیکن دراصل یہ وسوسہ بالکل باطل و فاسد ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقابل کرنا ہی غلط ہے بلکہ نبی کا مقابلہ امتی سے کرنا توہین و تنقیص ہے۔ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ اسلام کی رہنمائی میں بہتر ہے یا اپنے نفس کی خواہشات اور آج کل کے نام نہاد جاہل شیوخ کی اتباع میں بہتر ہے؟

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع امام ابوحنیفہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کی اتباع و رہنمائی میں کرنا ضروری ہے اور اسی پر تمام اہل سنت عوام و خواص سلف و خلف کا اجماع و اتفاق ہے، لیکن بدقسمتی سے ہندوستان میں انگریزی دور میں ایک جدید فرقہ پیدا کیا گیا جس نے بڑے زور و شور سے یہ نعرہ لگانا شروع کیا کہ دین میں ان ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ تابعی رحمہ اللہ کی اتباع و رہنمائی ناجائز و شرک ہے۔ لہٰذا ایک عام آدمی کو ان ائمہ اسلام کی اتباع و راہنمائی سے نکال کر ان جہلاء نے اپنی اور نفس و شیطان کی اتباع میں لگا دیا اور ہر کس و ناکس کو دین میں آزاد کر دیا اور نفسانی و شیطانی خواہشات پر عمل میں لگا دیا۔

**وسوسہ: قرآن وحدیث سے ابوحنیفہ کی تقلید پر دلیل دو۔**

**جواب:** اس وسوسہ کا الزامی جواب یہ ہے کہ تم بخاری و مسلم کی اور صحاح ستہ کی تقلید اور حجیت پر قرآن وسنت سے دلیل دو؟ اگر اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری و مسلم وغیرہ نے تو احادیث ہی جمع کی ہیں اپنی طرف سے تو کوئی بات نہیں لکھی، تو

ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے بھی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی بلکہ قرآن وحدیث کے احکام کے ساتھ ساتھ مزید شرعی احکام قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کر کے فقہ کی صورت میں ہمیں پیش کئے ہیں۔

وسوسہ: اہل حدیث تقلید چھوڑ کر ہر فعل حدیث کے مطابق کرتے ہیں اور حنفی امام ابوحنیفہ کے کہنے کے مطابق کرتے ہیں۔

جواب: حنفی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تقلید کسی منت پوری کرنے کے لئے نہیں کرتے بلکہ قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونے کے لئے ایک راہنما کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہر کوئی اپنے طور پر قرآن وحدیث کو پڑھے سمجھے اور اس پر عمل کرے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ہر کوئی قرآن سمجھے اور احادیث کو سمجھ کر اس پر عمل کر سکے۔ اس لئے اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں عام شخص کو حکم دیا کہ جس مسئلہ کا علم نہ ہو کسی عالم سے پوچھے چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

(النحل، سورت16، آیت 43)

وہابیوں کے امام ابن تیمیہ نے بھی عام غیر مجتہد پر تقلید کو واجب کہا ہے چنانچہ مجموعۃ الفتاوی میں کہتا ہے "والذی علیه جماهير الامة ان الاجتهاد جائز فی الجملة ،والتقليد جائز فی الجملة، لا يوجبون التقليد علی كل احد و يحرمون الاجتهاد وان الاجتهاد جائز للقادر علی الاجتهاد والتقليد جائز للعاجز عن الاجتهاد فاما القادر علی الاجتهاد و فهل يجوز له التقليد؟ هذا فيه خلاف والصحيح انه يجوز حيث عجز عن الاجتهاد" ترجمہ: جمہور امت کے نزدیک اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی، وہ نہ ہر شخص پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام کرتے ہیں اور نہ ہی ہر شخص پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام کرتے ہیں۔ جو اجتہاد کی قدرت واستطاعت رکھتا ہے۔ اس لئے اجتہاد جائز ہے اور جو اجتہاد سے عاجز ہے۔ اس لئے تقلید جائز ہے۔ لیکن جو شخص اجتہاد پر قادر ہے اس کے لئے تقلید جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جہاں وہ اجتہاد سے عاجز ہو وہاں اس کے لئے بھی تقلید جائز ہے۔

(مجموع الفتاوی، جلد20، صفحہ204، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية)

مجتہدین کا دامن چھوڑ کر خود سے قرآن وحدیث پر عمل کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے کہ جب انسان قرآنی آیات ونصوص کا بھرپور علم ہو، لغوی وشرعی معنی کے ساتھ اس کے تمام وجوہ سے واقفیت ہو، ناسخ منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو، آیت کے تحت کونسی احادیث ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اس آیت کی تفسیر میں کیا اقوال ہیں ان سب کو جانتا ہو، احادیث کے متعلق علم

ہو، جب کسی مسئلہ میں حدیث سے استدلال کرے تو ضروری ہے کہ وہ اسکے معارض دوسری احادیث کو جانتا ہو، اسناد، راویوں کی احوال، عدالت وضبط وغیرہ کو جانتا ہو۔نحو وصرف، معانی وبلاغت وغیرہ میں پوری مہارت ہو۔

ایک ہستی کو اتنا علم حاصل ہونا کئی سالوں سے ناپید ہے۔یہی وجہ ہے کہ بڑے علمائے محدثین وفقہائے کرام جن کو کثیر علوم پر مہارت ہوتی تھی وہ بھی تقلید کرتے رہے ہیں۔کیونکہ چند احادیث کو پڑھ کر اس پر عمل پیرا ہونا بغیر یہ جانے کہ اس کے معارض کونسی احادیث ہیں، ان کی صحت کیا ہے، یہ سخت غلطی ہے جو آج کل بہت دیکھنے کو ملتی ہے۔امام اجل سفین بن عیینہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور امام بخاری وہ امام مسلم کے استاذ الاستاذ اور اجلہ ائمہ محدثین وفقہائے مجتہدین وتبع تابعین سے ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ارشاد فرماتے ہیں"الحديث مضلّة الاّ للفقهاء "ترجمہ: حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے مگر مجتہدوں کو۔ (المدخل لابن الحاج ،فصل فی ذکر النعوت ،جلد1،صفحہ122،دار الکتاب العربی ،بیروت)

مرقاۃ المفاتیح میں ہے"وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مَنْ لَمْ يَفْهَمْ مَعْنَى آيَةٍ أَوْ حَدِيثٍ أَوْ جَمْعَ بَيْنَهُمَا، أَوْ غَيْرَ ذَٰلِكَ مِنَ الْمَسَائِلِ أَنْ يَسْأَلَ وَاحِدًا مِنَ الْعُلَمَاءِ كَمَا قَالَ تَعَالَى ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ "ترجمہ: ہر اس پر جو آیت یا حدیث کا معنی نہ سمجھے یا آیت وحدیث کو جمع نہ کر سکے یا کسی شرعی مسئلہ کو نہ جانتا ہو تو اہل علم میں سے کسی عالم سے پوچھنا اس پر واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب المناقب،باب جامع المناقب،جلد9،صفحہ4015،دار الفکر،بیروت)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے " ليس للعامی العمل بالحديث لعدم علمه بالناسخ والمنسوخ "ترجمہ: کسی عام آدمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ احادیث پر بغیر ناسخ منسوخ علم کے عمل کرے۔

(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، صفحہ106،دار النفائس)

آج کل بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ عربی بھی نہیں آتی اردو کتابوں سے احادیث کے تراجم پڑھ کر تقلید پر لعن طعن کرنا شروع ہو جاتے ہیں اور خود کو اہل حدیث کہنا شروع ہو جاتے ہیں۔ان کو اتنا بھی نہیں پتہ ہوتا جس حدیث کو میں دلیل بنا رہا ہو وہ صحیح یا ضعیف اور حنفیوں کے پاس کوئی حدیث ہے بھی یا نہیں۔یہی وجہ ہے کہ کئی مرتبہ جب یہ بحث کرتے ہیں اور حنفی ان کو اپنے موقف پر احادیث دکھاتے ہیں تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔حدیث پاک میں ایسے ہی نام نہاد اہل حدیثوں کے متعلق پیشین گوئی کی گئی جو کم علم اپنے گمان میں قرآن وحدیث سے سند پکڑیں گے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ، حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ،

سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ" ترجمہ: آخر زمانہ میں کچھ لوگ کم عقل آئیں گے (اپنے زعم میں قرآن یا حدیث سے سند پکڑیں گے) باتیں بظاہر بہت اچھی کریں گے، وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے ایمان ان کے گلوں سے نیچے نہ اُترے گا۔

(صحيح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، جلد4، صفحہ200، دار طوق النجاة، مصر)

پھر غیر مقلد جو خود کو اہل حدیث کہتے ہیں ہرگز ہر عمل حدیث کے مطابق نہیں کرتے، کثیر ایسے مسائل ہیں جن میں یہ قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور اپنے جیسے مولویوں خصوصا سعودی وہابی مولویوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو ہم چند سوالات کرتے ہیں وہابی غیر مقلدان کے جوابات بغیر قیاس واستدلال کے صریح واضح احادیث سے دیں:

1۔ چھپکلی، سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے وغیرہ غیر مقلدوں کے نزدیک حلال ہیں یا حرام؟ اگر حلال ہیں تو اس پر احادیث پیش کرو اور اگر حرام ہیں تو اس پر احادیث پیش کرو۔

2۔ ہاتھی، زرافہ، چیل، طوطا، حلال ہیں یا حرام؟ احادیث سے ثابت کریں۔

3۔ وضو کے لئے عام پانی نہیں لیکن آب زم زم ہے تو کیا تیمّم کرے گا یا آب زم زم سے وضو کرے گا؟ چار رکعتوں کی نیت کرنی تھی لیکن غلطی سے دو رکعت کی نیت ہوگئی تو نماز کا کیا حکم ہے؟ جو مسبوق ہو وہ امام کے ساتھ سجدہ سہو کا سلام پھیرے گا یا نہیں؟ اگر اس نے پھیر لیا تو کیا حکم ہے؟ ان سب مسائل پر احادیث پیش کرو۔

4۔ روزے کی حالت میں انجیکشن لگوانے، ڈرپ لگوانے، خون لینے یا دینے، آکسیجن لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں، اس پر احادیث پیش کرو۔

5۔ اگر کوئی زکوۃ پیسوں کی صورت میں نہ دے بلکہ سامان کی شکل میں دے تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر سامان کی شکل میں دے گا تو قیمت خرید کا حساب لگائے گا یا قیمت فروخت کا؟

6۔ حج بدل کروانے والا اگر بعد میں تندرست ہو گیا تو کیا اس پر دوبارہ خود حج کرنا لازم ہوگا؟ جس پر حج فرض تھا اور اس نے حج نہ کیا اور نہ وصیت کی اور مر گیا، تو کیا کوئی دوسرا اس کی طرف سے حج کر لے تو کیا مردہ مواخذہ سے بری ہو جائے گا؟

7۔ اگر کسی نے امریکہ سے قربانی کے پیسے بھیجے کہ میری طرف سے پاکستان میں قربانی کر دینا، اب اس کی طرف سے قربانی امریکہ کے ایام قربانی کے حساب سے ہوگی یا پاکستان کے دنوں کے حساب سے؟

8۔ایک ہزار کے نوٹ کو ہاتھوں ہاتھ دو ہزار میں خرید نا جائز ہے یا نہیں؟انسان کا اپنی آنکھ،گردہ،خون بیچنا جائز ہے یا نہیں؟احادیث سے جواب دیں۔

یہ نمونہ کے طور پر چند مسائل جو ذہن میں آئے لکھ دیئے ہیں ورنہ ہزاروں مسائل لکھے جاسکتے ہیں۔ان سوالات کے جوابات غیر مقلد احادیث سے دینے کے لئے ساری زندگی ایڑھیاں رگڑتے مرجائیں تب بھی نہیں دے پائیں گے کیونکہ قرآن وحدیث میں ہر ہر مسئلہ کا صریح جواب نہیں ہوتا بلکہ اصول بیان کئے جاتے ہیں،ان اصولوں کی روشنی میں مجتہدین مسائل اخذ کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہزاروں مسائل ایسے ہیں جو عام طور پر درپیش نہیں آتے بلکہ مفروضہ کی صورت میں کتب فقہ میں موجود ہوتے ہیں تاکہ جب کبھی زندگی میں یہ مسئلہ کسی کو پیش آئے تو اس کا جواب اسے مل جائے۔اس کے برعکس غیر مقلدوں کی آج تک فقہ کی کوئی ایک کتاب معرض وجود میں نہیں آئی جس میں کثیر متفق مسائل ہوں اور کسی غیر مقلد کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو وہ خود اس کتاب سے سمجھ سکے۔ان غیر مقلدوں کی تمام کتب چند موضوعات کے گرد گھومتی ہیں جن میں غیر اللہ سے مدد کو شرک ثابت کرنا،رفع یدین،آمین بالجہر،قبروں کو پختہ کرنا اور اس پر گنبد بنانے کے ناجائز ہونے جیسے موضوع سرفہرست ہوتے ہیں۔اگر کسی غیر مقلد کو یہ مسئلہ پیش آجائے کہ کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی وہ گم یا چوری ہوگئی تو کیا حکم ہے؟ وہ وہابیوں کی ساری کتابیں پڑھ تو شاید اسے مسئلہ کا جواب نہ ملے۔

وسوسہ:صحاح ستہ میں فقہ حنفی کی تائید میں اتنی احادیث موجود نہیں ہیں؟

جواب:ایسا نہیں کہ صحاح ستہ میں مذہب احناف کی تائید میں احادیث موجود نہیں۔آگے آپ اس بات کی تصدیق دیکھیں گے۔اصل بات یہ ہے کہ صحاح ستہ سے کئی سال پہلے مذہب حنفی کا قرآن وحدیث کی روشنی میں وجود تھا،لیکن صحاح ستہ کے مصنفین میں سے کوئی بھی حنفی نہ تھا بلکہ شافعی،حنبلی وغیرہ تھے۔محدثین کی یہ عادت ہوتی ہیں کہ وہ اپنے مؤقف پر پہلے باب باندھتے ہیں اور پھر اپنے مؤقف کی تائید میں حدیث پیش کرتے ہیں اور دیگر صحیح احادیث جو ان کے مؤقف کے برخلاف ہوتی ہیں ان کو بسبب تاویل وغیر ترجیح جان کر چھوڑ دیتے ہیں۔جن کتب احادیث میں ہر مؤقف پر موجود احادیث پیش کی جاتی ہیں اس میں فقہ حنفی کی تائید میں بھی احادیث موجود ہوتی ہیں۔اب امام بخاری نے اپنے مؤقف پر جو حدیث پیش کردی ہے اسے لے کر امام ابوحنیفہ کے مؤقف پر موجود حدیث کو نظر انداز کرنا امام بخاری کی تقلید ہے۔

یہاں قارئین کو یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں ہے کہ صحاح ستہ (یعنی بخاری،مسلم،ترمذی،

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) کے علاوہ بقیہ احادیث کی کتب مستند نہیں ہیں۔ جبکہ یہ بالکل غلط ہے۔ دیگر احادیث کی کتب بھی مستند ہیں۔ فرق یہ ہے کہ صحاح ستہ میں دیگر کی بہ نسبت زیادہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ دیگر کتب میں بھی صحیح احادیث موجود ہیں اور صحاح ستہ میں بھی ضعیف احادیث موجود ہیں۔

**وسوسہ:** بڑے بڑے محدثین جنہوں نے احادیث اکٹھی کیں، ان پر جرح کی انہوں نے تقلید نہیں کی، لہٰذا ہمیں بھی صرف احادیث پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

**جواب:** یہ ایک انتہائی جاہلانہ وسوسہ ہے۔ محدثین رحمہم اللہ سے تقلید ثابت ہے۔ ذیل میں اس پر مختصر کلام کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ آج جن محدثین کی اقوال کو یہ وہابی بہت مانتے ہیں وہ خود مقلد تھے۔

**امام بخاری:** حضرت امام قسطلانی تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ ارشادی الساری میں لکھتے ہیں کہ ابو عاصم نے امام بخاری کو ہمارے طبقات شافعیہ میں بیان کیا ہے۔

**امام مسلم:** نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد نے انہیں شافعی شمار کیا ہے۔ صاحب کشف فرماتے ہیں "الجامع الصحیح الامام المسلم الشافعی"

**امام ابوداؤد:** تاریخ ابن خلکان میں مذکور ہے کہ شیخ ابو اسحاق شیرازی نے ان کو طبقات الفقہاء میں امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔

**امام ابن ماجہ:** حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک امام احمد بن حنبل کی طرف ابن ماجہ کا میلان تھا۔

**امام نسائی:** حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کے نزدیک آپ شافعی المذہب تھے۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی شاہ صاحب کی تائید کرتے ہوئے امام نسائی کو شوافع میں شمار کیا ہے اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک بھی ان کا انتساب مسلک شافعی کی جانب مناسب ہے۔

**امام طحاوی:** حضرت امام طحاوی نے شافعی مسلک کو چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کیا۔

**صاحب مشکوٰۃ شریف:** محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی صاحب مشکوٰۃ المصابیح کو شافعی مسلک میں شمار کیا گیا ہے۔

**صاحب مسند حمیدی:** ابوبکر عبد اللہ بن زبیر حمیدی صاحب مسندی حمیدی امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور سفیان

بن عیینہ کے شاگرد ہیں، کبار اصحاب شافعی میں شمار ہوتے ہیں۔

صاحب صحیح ابن عوانہ: صاحب صحیح ابن عوانہ شافعی المذاہب تھے۔ اسفرائین میں شافعی مذہب کی ابتداء ان ہی سے ہوئی۔

امام دارقطنی: ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی شافعی المذہب تھے۔

صاحب سنن بیہقی: آپ بھی شافی المذہب تھے۔ ان کی تصنیف معرفۃ الشافعی والاثار سے واضح ہے۔

وکیع بن الجراح: وکیع بن جراح کا فن حدیث میں بہت بڑا مقام ہے۔ فوائد بہیہ میں ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

یحییٰ بن سعید القطان: یہ بھی بہت بڑے محدث تھے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ آپ امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

مشاہیر حفاظ حدیث: حافظ ابو بشر دولابی حنفی، حافظ عزیز الدین بن سلام شافعی، حافظ اسحق بن راہویہ حنفی، حافظ ابن دقیق العید شافعی، حافظ ابوجعفر طحاوی حنفی، حافظ شمس الدین شافعی، حافظ ابن ابی العوام سعدی حنفی، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی، حافظ ابومحمد حارثی حنفی، حافظ حسین بن اسماعیل مالکی، حافظ عبدالباقی حنفی، حافظ ابن البر مالکی، حافظ ابوبکر رازی بصاص حنفی، حافظ ابوالولید باقی مالکی، حافظ ابومحمد سمرقندی حنفی، حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی، حافظ قطب الدین حلبی حنفی، حافظ ابوالفرج ابن الجوزی حنبلی، حافظ علاء الدین ماردینی حنفی، حافظ ابن قدامہ حنبلی، حافظ جمال الدین زیلعی حنفی، حافظ علاء الدین مغلطائی حنفی، حافظ بدر الدین عینی حنفی۔

## اسلاف کے اقوال میں تحریفات کرنا

پھر جب ان غیر مقلدوں کو اور کوئی دلیل نہیں ملتی تو مسلمانوں کو تقلید سے بدظن کرنے کیلئے اسلاف کے اقوال میں تحریفات کرتے ہیں۔ چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں:

وہابی مولوی عصمت اللہ ثاقب ملتانی نے اپنی کتاب ''الاختلاف بین ائمۃ الاحناف'' لکھی، اس کتاب کی تقریظ میں غلام مصطفیٰ ظہری امن پوری کہتا ہے: ''تقلید ایسی بدبخت مؤنث ہے جو ہر وقت شر کو جنم دیتی رہتی ہے شرک وکفر بدعت وضلالت، انکار حدیث صحابہ کرام اور ائمہ محدثین کی گستاخیاں اسی کی پیداوار ہیں۔ تقلید کے قلع قمع کے لئے اللہ رب العزت نے انبیاء ورسل

کو مبعوث فرمایا صحابہ کرام نے اسے سے منع فرمایا جیسا کہ سیدنا ومحبونا ومحبوب المومنین المحدث والفقیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "لا تقلدوا دینکم الرجال" یعنی دین میں لوگوں کی تقلید مت کرو۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 2، صفحہ 110، اسنادہ حسن۔

سیدنا ومحبوبنا ومحبوب المومنین المحدث الفقیہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "واما العالم فان اھتدی فلا تقلدوا دینکم" یعنی عالم اگر ہدایت یافتہ ہو پھر بھی اس کی تقلید نہ کرو۔ جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر، کتاب الزہد لامام ابی داؤد، کتاب الزہد الامام وکیع۔"

(الاختلاف بین ائمۃ الاحناف، صفحہ 20، مکتبہ ثناء یہ، سرگودھا)

یہاں تقلید کے متعلق وہابی مولوی نے جو دل کی بھڑاس نکالی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو اور مزید وہابی مولوی کی ہیرا پھیر دیکھیں:

وہابی مولوی نے دونوں روایتوں کو آگے پیچھے سے کاٹ کر اپنے مطلب کا باطل استدلال کیا ہے جو وہابیوں کی پرانی عادت ہے۔ پہلی روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود والی مکمل ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین الخراسانی ابو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ قَالَ: لَا تُقَلِّدُوا دِينَكُمُ الرِّجَالَ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَبِالْأَمْوَاتِ لَا بِالْأَحْيَاءِ" ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دین میں کسی کی تقلید نہ کرو اگر تم نہیں مانتے تو فوت شدگان کی تقلید کرو زندوں کی نہیں۔

(السنن الکبری، کتاب الصلوۃ، باب الاختلاف فی القبلۃ عند التحری، جلد 2، صفحہ 16، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

یہ فرمان تقلید کی ممانعت پر نہیں بلکہ فوت شدہ ہدایت یافتہ بزرگانِ دین کی تقلید کرنے کی اجازت پر ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندوں کی تقلید سے جو منع کیا ہے اس سے مراد فقہی مسائل نہیں، ورنہ تو عام وہابی کا بھی اپنے مولوی سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنا تقلید ہونے کے سبب ناجائز ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممانعت ایمان میں تقلید کرنے کے بارے میں ہے جیسا کہ دوسری جگہ السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی الخراسانی ابو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ) نے اور الفقیہ والمتفقہ میں ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) روایت کرتے ہیں "أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَلَا لَا يُقَلِّدَنَّ رَجُلٌ رَجُلًا دِينَهُ فَإِنْ آمَنَ آمَنَ وَإِنْ كَفَرَ كَفَرَ" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دین میں ایک شخص دوسرے کی تقلید نہ کرے کہ اگر وہ ایمان لائے گا تو میں ایمان لاؤں گا اور اگر وہ کفر کرے گا تو میں کفر کروں گا۔

(الفقیہ و المتفقہ، جلد 2، صفحہ 131، دار ابن الجوزی، السعودیۃ)

مختصر المؤمل فی الرد إلی الأمر الأول میں ابوالقاسم شہاب الدین عبدالرحمٰن المقدسی الدمشقی المعروف ابوشامۃ (المتوفی 665ھ) اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وَقَالَ بَعْضُهُمْ دِينَكُمُ الرِّجَال إِن آمنوا آمنتم وَإِن كفروا كَفرتُم" ترجمہ: بعضوں نے فرمایا کہ دین میں کسی کی تقلید نہ کرو کہ اگر تم ایمان لاؤ گے تو ہم ایمان لائیں گے، اگر تم کفر کرو گے تو ہم کفر کریں گے۔ (مختصر المؤمل في الرد إلى الأمر الأول،صفحہ62، مكتبة الصحوة الإسلامية،الكويت)

پتہ چلا کہ یہ ممانعت فقہ میں تقلید پر نہیں بلکہ ایمان میں ہے اور ایسی تقلید احناف کے نزدیک بھی حرام ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ روایت سنن کبریٰ للبیہقی کی ہے اور امام بیہقی اس روایت کو استقبال قبلہ کی تحت لائے ہیں کہ جب قبلہ کی سمت میں اختلاف ہو تو ہر کوئی اپنی تحری کرے کسی دوسری کی تحری پر اعتماد کرتے ہوئے اس طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھے یہی حکم کتب فقہ میں بھی لکھا ہوتا ہے کہ دوسری کی تحری پر اعتماد نہ کرو۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ وہابی نے تقلید کی ممانعت پر امام بیہقی کی روایت نقل کی ہے اور کمال مزے کی بات یہ ہے کہ امام بیہقی خود شافعی مقلد تھے۔ اسی طرح جامع بیان العلم جو علامہ عبدالبر کی کتاب ہے اس کا حوالہ پیش کیا ہے جبکہ علامہ عبدالبر خود مالکی تھے۔ یہ تو وہابیوں کی عقل کا حال یہ ہے کہ مقلدین کی کتب ہی سے تقلید کا حرام ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ بہر حال اس روایت سے فروعی مسائل میں تقلید کو ناجائز ثابت کرنا انتہائی نادانی ہے جبکہ اسی روایت میں صراحت کے ساتھ فوت شدگان بزرگوں کی تقلید کی اجازت ہے۔

دوسری روایت جو اسی وہابی نے تقلید کی نفی پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیش کی ہے وہ بھی آدھی ہے پوری ملاحظہ ہو۔ جامع بیان العلم وفضلہ میں ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی (المتوفی 463ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَمَةَ، قَالَ: قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ: يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ كَيْفَ تَصْنَعُونَ بِثَلَاثٍ؟ دُنْيَا تَقْطَعُ أَعْنَاقَكُمْ، وَزَلَّةِ عَالِمٍ وَجِدَالِ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ، فَسَكَتُوا فَقَالَ: أَمَّا الْعَالِمُ فَإِنِ اهْتَدَى فَلَا تُقَلِّدُوهُ دِينَكُمْ، وَإِنِ افْتُتِنَ فَلَا تَقْطَعُوا مِنْهُ أَنَاتَكُمْ؛ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يُفْتَتَنُ ثُمَّ يَتُوبُ، وَأَمَّا الْقُرْآنُ فَلَهُ مَنَارٌ كَمَنَارِ الطَّرِيقِ لَا يَخْفَى عَلَى أَحَدٍ، فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَلَا تَسْأَلُوا عَنْهُ، وَمَا شَكَكْتُمْ فَكِلُوهُ إِلَى عَالِمِهِ، وَأَمَّا الدُّنْيَا فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ الْغِنَى فِي قَلْبِهِ فَقَدْ أَفْلَحَ، وَمَنْ لَا فَلَيْسَ بِنَافِعَتِهِ دُنْيَاهُ" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلمہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے گروہِ عرب تمہارا ان تین چیزوں کے بارے کیا عمل ہے؟ (1) دنیا جو تمہاری گردنوں کے کٹنے کا سبب ہے (2) عالم کا پھسل جانا (3) منافق کا قرآن کے ذریعے جھگڑا کرنا۔ پس تمام لوگ خاموش رہے۔ پھر آپ نے

فرمایا: عالم پس اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتو تم اپنے دین کے معاملات میں اس کی تقلید نہ کرو اور اگر وہ فتنہ میں ہوتو تم اس سے اپنا تعلق ختم نہ کرو۔ پس بے شک مومن فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے پھر توبہ کرلیتا ہے۔ اور قرآن تو یہ (ہدایت کی) روشنی کا ذریعہ ہے جیسے راستہ کے لیے منارہ ہوتا ہے کہ وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، پس اس میں سے جو تم پہچان لو وہ کسی سے نہ پوچھو اور جس میں تمہیں شک ہو اس کو اپنے عالم کے سپرد کردو۔ اور دنیا تو جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس سے غنا ڈال دیا تو وہ کامیاب ہوگیا اور جو ایسا نہیں ہے تو وہ اپنی دنیا سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، جلد2، صفحہ982، دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

یہاں بھی اس عالم کی تقلید سے منع کیا جو صحیح نہ ہو یا ایمان میں عالم کی تقلید کرنا منع ہے۔ کیونکہ خود ہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بتادیا کہ قرآن میں جس مسئلہ کے متعلق پتہ نہ ہو وہ عالم سے پوچھ لو۔ لہٰذا وہابی کی نفی تقلید پر یہ دلیل بھی باطل ہے۔

وہابی مولوی نے جو کہا: ''تقلید ایسی بدبخت مؤنث ہے جو ہر وقت شر کو جنم دیتی رہتی ہے شرک وکفر بدعت وضلالت، انکار حدیث صحابہ کرام اور ائمہ محدثین کی گستاخیاں اسی کی پیداوار ہیں۔'' یہ بالکل غلط و باطل ہے تقلید تو ان جرائم سے روکتی ہے اور غیر مقلد ہونا ان کو فروغ دیتا ہے آج بھی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں قادیانی، نیچری، منکرین حدیث پہلے غیر مقلد وہابی ہوئے اس کے بعد کفر میں جا پڑے۔

## (دوسرا حربہ) فقہ حنفی کی عبارتوں میں تحریف کر کے غلط پیرائے میں پیش کرنا

تقلید کے ساتھ ساتھ وہابیوں نے فقہ حنفی کو حقیر ثابت کرتے ہوئے کتب فقہ کی عبارتوں میں بھی تحریفات کی ہیں۔ وہابی مولوی جونا گڑھی کہتا ہے: ''اغلاط ہدایہ یعنی درایت محمدی جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں کی احادیث ناقابل اعتبار ہیں۔'' (درایت محمدی، صفحہ 4، مکتبہ محمدیہ، ساہیوال)

یہاں فقہ حنفی میں موجود احادیث کو ناقابل اعتبار کہہ دیا تاکہ فقہ حنفی کا کمتر ثابت کیا جائے۔ مزید جونا گڑھی فقہ حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں: '' تعلم الفقہ افضل من تعلم باقی القران'' یعنی کچھ قرآن پڑھ لیا ہو تو اس شخص کو باقی قرآن سیکھنے سے بھی افضل فقہ کا سیکھنا ہے۔ اسی صفحہ میں اس سے آگے چل کر (احناف) لکھتے ہیں'' جمیع الفقہ لا بد منہ ''یعنی قرآن حدیث کا کل کا جاننا ضروری نہیں۔ لیکن فقہ کا کل جاننا نہایت ضروری ہے۔ اسی کتاب کی شرح ردالمحتار کے اسی صفحہ میں لکھتے ہیں'' تعلم بعض القرآن ووجد فراغا فالافضل الاشتغال بالفقہ'' یعنی ایک شخص نے تھوڑا سا قرآن سیکھ لیا۔ اب اگر اسے فرصت ہو تو

افضل یہ ہے کہ وہ وقت فقہ سیکھنے میں خرچ کرے۔ افضل یہی ہے۔اے حنفی دوستو! خدارا غور کرو۔ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے کہ سارے قرآن کا علم ضروری نہیں لیکن ساری فقہ کا علم اشد ضروری ہے۔ایک شخص رات بھر تہجد پڑھے اور دوسرا شخص فقہ کی کتابوں پر خالی نظر ڈال جائے تو یہ اس سے افضل ہو۔قرآن کی تلاوت سے فقہ کا پڑھنا افضل ہو۔ناظرین اب تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں اس تیسری چیز کی وقعت فقہ کے ماننے والوں کے دلوں میں قرآن حدیث سے زیادہ ہے یا نہیں؟ اب یہ بھی ظاہر ہے کہ جس کی آنکھوں میں جس کی وقعت زیادہ ہوگی اسی کا وہ تابع ہوگا۔اسی کا مطیع ہوگا۔اسی کا دلدادہ ہوگا۔اس لحاظ سے ان لوگوں کو نہ قرآن سے وہ الفت رہی نہ حدیث سے۔قرآن کریم، بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتابیں اہلحدیث کے حصے میں آئیں اور ہدایہ، شرح وقایہ، کنز قدوری وغیرہ فقہ کی کتابیں ہیں احناف کے حصہ میں۔

(درایت محمدی، صفحہ 12,13، مکتبہ محمدیہ، ساہیوال)

وہابی مولوی کا یہ کلام بظاہر جتنا مسلمانوں کو فقہ سے بدظن کرنے کے لئے ہے حقیقۃً اتنا ہی وہابیوں کی فریب کاری کی عکاسی کرتا ہے۔فقہ شریعت سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہے بلکہ فقہ شریعت کے احکام کا نام ہے۔البحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی (المتوفی 1252ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اَلْفِقْهُ لُغَةً هُوَ الْفَهْمُ وَالْعِلْمُ وَفِي الِاصْطِلَاحِ هُوَ الْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعِلْمِيَّةِ بِالِاسْتِدْلَالِ" ترجمہ: فقہ کا لغوی معنی فہم ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ شرعی علمی احکام کو استدلال کے ذریعے جاننا۔

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق وبالحاشية منحة الخالق لابن عابدين، مقدمة الكتاب، جلد1، صفحه2، دار الكتاب الإسلامي)

اوپر جو کتب فقہ کے حوالے دیئے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ وضو، غسل، نماز، روزہ جیسے فرائض کے احکام جاننا بھی مسلمان پر فرض ہے۔جب ایک شخص کو قرآن کی قراءت صحیح کرنا آ گئی تو اب اسے چاہئے کہ اپنے دیگر فرائض احکام سیکھے۔ایک بندے کو وضو، غسل کا طریقہ پتہ نہیں، جب اس کا وضو، غسل ہی ٹھیک نہیں اس کا قرآن پڑھنا، چھونا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ وہابی مولوی نے ردالمحتار کا پورا حوالہ نقل نہیں کیا پورا حوالہ یوں ہے "تَعَلَّمَ بَعْضَ الْقُرْآنِ وَوَجَدَ فَرَاغًا، فَالْأَفْضَلُ الِاشْتِغَالُ بِالْفِقْهِ؛ لِأَنَّ حِفْظَ الْقُرْآنِ فَرْضُ كِفَايَةٍ، وَتَعَلُّمَ مَا لَا بُدَّ مِنَ الْفِقْهِ فَرْضُ عَيْنٍ" ترجمہ: بعض قرآن سیکھ لیا تو اگر فارغ ہے تو افضل یہ ہے کہ فقہ میں مشغول ہو اس لئے کہ حفظِ قرآن فرض کفایہ ہے اور فقہ کے ضروری احکام سیکھنا فرض ہے۔

(ردالمحتار، مقدمہ، جلد1، صفحہ39، دار الفکر، بیروت)

وہابی علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت مانتے اور کشف المشکل من حدیث الصحیحین میں جمال الدین ابو الفرج

عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی 597ھ) رحمۃ اللہ علیہ احناف کے موقف کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں "فَإِن قيل: فأيما أفضل: تعلم الْقُرْآن أَو تعلم الْفِقْه؟ فَالْجَوَاب: أَن تعلم اللَّازِم مِنْهُمَا فرض على الْأَعْيَان، وَتعلم جَمِيعهَا فرض على الْكِفَايَة، فَإِذا قَامَ بِهِ قوم سقط الْفَرْض عَن البَاقِينَ، فقد اسْتَويَا فِي الْفَرِيضَة فِي الْحَالَتَيْنِ. فَإِذا فرضنا الْكَلَام فِي التزيد مِنْهُمَا على قدر الْوَاجِب فِي حق الْأَعْيَان، فالتشاغل بالفقه أفضل، وَذَاكَ رَاجع إِلَى حَاجَة الْإِنْسَان، لَا أَن الْفِقْه أفضل من الْقُرْآن، وَإِنَّمَا كَانَ الأقرأ فِي زمَان رَسُول الله هُوَ الأفقه، فَلذَلِك قدم الْقَارئ فِي الصَّلَاة" ترجمہ: اگر کہا جائے کہ تعلیم قرآن افضل ہے یا تعلیم فقہ افضل ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ قرآن وفقہ میں جو چیز سیکھنا فرض ہے وہ فرض عین ہے اوران کا تمام سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ (فرض کفایہ) جب بعض لوگوں نے پورا سیکھ لیا تو بقیہ پر سیکھنا ساقط ہو گیا۔ تو فریضہ کے لحاظ سے دونوں حالتیں برابر ہیں۔ جب ہم واجب سے زائد علم سیکھنے پر کلام کریں تو فقہ میں مشغول ہونا افضل ہے اور یہ راجع ہے انسان کی حاجت کی طرف نہ یہ کہ فقہ قرآن سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں جو سب سے بڑا قاری ہوتا تھا وہی سب سے بڑا فقیہ ہوتا تھا، اسلئے امامت میں قاری کو مقدم کیا گیا۔

(كشف المشكل من حديث الصحيحين، جلد1، صفحہ170، دار الوطن، الرياض)

لہٰذا فقہ قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی چیز نہیں بلکہ قرآن وحدیث میں جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تجارت وغیرہ کے مسائل ذکر کئے ہیں ان مسائل کو سمجھنے کا نام ہے۔

ایک اور وہابی مولوی کی بھڑاس ملاحظہ ہو چنانچہ ابوالاقبال وہابی کہتا ہے: "حنفیوں پر رسول اللہ کی لعنت: حدیث میں ہے" عن عبد الله بن مسعود قال لعن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم المحلل والمحلل له " یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی اس پر جو حلالہ کرے اور اس پر بھی جس کے لئے حلالہ کیا جائے۔ تین طلاقیں جس عورت کو دیدی جائیں پھر اس سے دوسرا اس لئے اور اس شرط پر نکاح کرے کہ دخول کرتے ہی طلاق دیدے گا، تاکہ تین طلاقیں دینے والے شوہر کے لئے یہ حلال ہو جائے۔ اسے حلالہ کہتے ہیں۔ یہ فعل باعث لعنت ہے اور اس کے کرنے اور کرانے والے دونوں پر اللہ کے رسول کی لعنت ہے۔ لیکن حنفی مذہب کہتا ہے کہ ایسا کرنے سے یہ عورت اس مرد کے لئے حلال ہو جائے گی چنانچہ حنفیوں کی قرآن سے زیادہ معتبر کتاب ہدایہ، جلد اول کی کتاب الطلاق فصل فی ما تحل الخ میں ہے" فان طلقها بعد وطيها حلت للاول " یعنی حلالہ کرنے والے نے اسے طلاق دیدی بعد مجامعت کرنے کے تو پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگئی۔ اسی لئے حنفی مذہب میں کرایہ کا سانڈ لے کر اس کے ساتھ اپنی بیوی کو سلاتے ہیں اور ایک رات مزے اڑانے کے بعد وہ طلاق دے دیتا

ہے۔" (مذہب احناف کا دین اسلام سے اختلاف، صفحہ 99، ادارہ مطبوعات سلفیہ، راولپنڈی)

وہابی مولوی کی بے وقوفی دیکھیں کہ اس کے نزدیک تین طلاقوں کے بعد بھی عورت شوہر کی بیوی باقی رہتی ہے۔ یہ صریح قرآن وحدیث کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟ وہابی مولوی صاحب! تین طلاقوں کے بعد بھی آپ کی شریعت میں وہ پہلے شوہر کے نکاح میں رہتی ہے، جبکہ قرآن وحدیث کی رو سے وہ شوہر پر حرام ہو جاتی ہے، اب دوسرے سے نکاح کرنے پر وہ پہلے کی بیوی نہیں ہوتی، کچھ خدا کا خوف کریں خود لوگوں کو حرام پر لگاتے ہو اور طعن اہل سنت حنفیوں پر کرتے ہو۔

یہاں وہابی مولوی نے لاکھوں کروڑوں حنفیوں پر معاذ اللہ لعنت بھیجی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حلالہ کی شرط پر نکاح حنفیوں کے نزدیک جائز ہے جبکہ یہ صریح جھوٹ و بہتان ہے۔ احناف کے نزدیک حلالہ کی شرط پر نکاح مکروہ تحریمی ناجائز و گناہ ہے اور وجہ یہی حدیث ہے چنانچہ درمختار علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "(وَكُرِهَ)التَّزَوُّجُ لِلثَّانِي (تَحرِيمًا لِحَدِيثِ لَعَنِ الْمُحَلِّلِ وَالْمُحَلَّلِ لَهُ (بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ) كَتَزَوَّجْتُكِ عَلَى أَنْ أُحَلِّلَكِ" ترجمہ: حلالہ کی شرط پر دوسرے سے نکاح کہ میں اس شرط پر تجھ سے نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق دے کر حلال کردوں گا مکروہ تحریمی ہے کہ حدیث پاک میں حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، جلد3، صفحہ 414، دارالفکر، بیروت)

احناف کا مؤقف یہ ہے کہ اگر کسی نے حلالہ کی شرط پر نکاح کرلیا تو اگرچہ اس نے ایک لعنتی کام کیا لیکن نکاح ہو جائے گا۔ یعنی ہم فقط نکاح کے ہونے کو جائز کہتے ہیں حلالہ کی شرط پر کئے گئے نکاح کو جائز نہیں کہتے۔ حلالہ کی شرط پر کیا گیا نکاح اس وجہ سے جائز ہو جائے گا کہ نکاح کسی باطل شرط کے سبب باطل نہیں ہوتا۔

## (تیسرا حربہ) فقہ حنفی کے دلائل کو نظر انداز کرنا اور اپنے مطلب کی دلیل کو حرفِ آخر سمجھنا

وہابیوں نے لوگوں کو یہ دھوکہ دیا کہ ہم اہل حدیث ہیں ہر کام حدیث کے مطابق کرتے ہیں اور یہ نام انہوں نے ماضی میں اہل سنت کے ایک گروہ جو محدثین تھے ان کا چرایا تھا جس پر تفصیلی کلام فقیر نے اپنی کتاب "دین کس نے بگاڑا؟" میں کیا ہے۔ جبکہ وہابی ہرگز اہل حدیث نہیں بلکہ یہ ضدی اور منفرد پسند ہیں۔ اپنے مرضی کا ایسا مؤقف اپنائیں گے جو احناف کے مخالف اور پھر زبردستی اسے شریعت کے مطابق اور احناف کو شریعت کے مخالف ثابت کرتے ہیں۔ اپنے مؤقف پر کوئی حدیث پیش کر کے احناف پر چڑھائی کر دیتے ہیں کہ دیکھو حنفی اس حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کی مانتے ہیں جبکہ حنفی بھی دوسری حدیث پر عمل

پیرا ہوتے ہیں لیکن وہابی فقط مطلب کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضور علیہ السلام نے ایک عمل کئی طریقے سے کیا اور ایک مسئلہ پر متفرق احادیث ہوتی ہیں۔ اب چاروں ائمہ نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق احادیث کی روشنی میں ثابت کیا کہ یہ فعل سنت ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اس کے مقابل فلاں ضعیف ہے وغیرہ۔ ان ائمہ کا یہ اختلاف فروعی ہے اعتقادی نہیں کہ جس کے سبب کسی کو گمراہ ومشرک ٹھہرایا جائے یا طعن وتشنیع کی جائے۔ خود بعض وہابی مولویوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے چنانچہ وہابی مولوی ارشاد الحق اثری اپنی کتاب ''اسباب اختلاف الفقہاء'' میں لکھتا ہے: ''اختلافی مسائل کی نوعیت: مولانا قاسمی رقمطراز ہیں:۔ ''اختلاف کی نوعیت زیادہ تر افضل غیر افضل راجح مرجوع کی ہے۔ جواز وعدم جواز کا اختلاف شاذ ونادر ہے۔ اس طرح کے اختلافی مسائل میں زیادہ تر صورت حال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے دونوں طرح کے عمل ثابت ہیں۔ اس لئے فقہا دونوں کو جائز کہتے ہیں۔'' بینات، صفحہ 29، شمارہ نمبر 4 جلد 52۔

بلاشبہ و مسائل جن میں اختلاف تنوع ہے مثلا ادعیہ، استفتاح، دعائے تشہد، عدد کلمات اذان وتکبیر، بسم اللہ جہرا یا آہستہ، رکعات وتر وغیرہ جیسے مسائل میں جس پر عمل کیا جائے جائز ہے۔ دل جس پر مطمئن وا ور دلائل کی بنا پر جسے راجح سمجھا جائے اس پر عمل کرلیا جائے۔ فقہاء کرام کا یہی طرز عمل رہا ہے۔'' (اسباب اختلاف الفقہاء، صفحہ18، ادارۃ العلوم الاثریۃ، فیصل آباد)

وہابی مولوی محمد بن صالح عثیمین کہتا ہے: ''کتاب اللہ اور سنت رسول پر اتفاق نہ ہو سکے تو ہم اس اختلاف پر غور کریں گے کہ آیا یہ اختلاف اس قسم کا ہے کہ جس میں انسان معذور سمجھا جاتا ہے، تو اس صورت میں اس اختلاف کو اختلافِ قلوب کا سبب بنانا ہرگز جائز نہ ہوگا اور اس اختلاف کو انگیز کرلیا جائے گا اور اس سے درگزر کرنا بہتر ہوگا کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اللہ کے دین کے نہایت ہی حریص تھے، اس طرح کے اختلاف کو اختلافِ قلوب کا موجب نہیں بناتے تھے۔''

(یہ اختلاف کب تک، صفحہ 21، الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی، بہار)

لیکن وہابیوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ اپنے مطلب کی کوئی حدیث لے لی اور اس کے مدمقابل حدیث جسے امام ابوحنیفہ نے لے کر فتویٰ دیا تو اس حدیث کا تذکرہ نہیں کیا اور لوگوں کو یہ ظاہر کروایا کہ دیکھو ہم اہل حدیث احادیث پر عمل کرتے ہیں اور حنفی حدیث چھوڑ کر امام ابوحنیفہ کے فتوی پر عمل کرتے ہیں۔ اس طرح وہابی کئی سالوں سے مسلمانوں کو تقلید کی وجہ سے گمراہ ومشرک ٹھہرا رہے ہیں۔ ہر دوسرے تیسرے وہابی مولوی کی کتاب تقلید کے خلاف ہے یا امام ابوحنیفہ کے خلاف ہے یا حنفی فقہ کے خلاف ہے۔ الغرض اس حربے کو استعمال کر کے وہابی مسلمانوں کو وہابی غیر مقلد بنانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ وہابی مولوی عصمت اللہ ثاقب ملتانی نے اپنی کتاب ''الاختلاف بین ائمۃ الاحناف''، لکھی جس میں فقہائے احناف کے اختلاف کو اس انداز

میں ذکر کیا کہ پڑھنے والے فقہ حنفی کو یہ کہہ کر ترک کر دیں کہ اس میں بہت اختلاف ہے۔ اس کتاب کی تقریظ میں اللہ بخش ملتانی کہتا ہے: ''غیر متعصب حنفی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اہل حدیث بننے پر مجبور ہو جاءے گا (ان شاء اللہ) قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے فقہ حنفی پر عمل کرنا سخت ترین ظلم ہے اور راہ ہدایت سے انحراف ہے۔ اللہ تعالیٰ سب احناف کو ہدایت دے۔ ﴿ اَطِیْعُو اللّٰہَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ ﴾ کے قرآنی حکم کے ہوتے ہوئے کیا فقہ حنفی پر عمل کرنا قرآن وسنت سے انحراف نہیں ہوگا؟ یقینی ہوگا۔'' (الاختلاف بین ائمة الاحناف، صفحه 15، مکتبه ثنائیه، سر گودھا)

یہاں فقہ حنفی پر عمل کرنا ظلم وہ گمراہی کہہ دیا گیا اور لاکھوں کڑوڑوں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمان گمراہ ہو گئے، یہ چند وہابی صحیح مومن رہ گئے۔

## (چوتھا حربہ) علمِ حدیث کی آڑ میں وہابیت کو فروغ دینا

وہابیوں نے علمِ حدیث کی آڑ میں اہل سنت وحنفیوں پر نہ صرف طعن تشنیع کی بلکہ تحریفات کا سہارا لے کر بات کا بتنگر بنا کر مسلمانوں کو ان سے بدظن کر کے وہابیت چمکانے کی بھی کوشش کی ہے۔ بتوں والی آیات واحادیث کو اولیاء کرام پر منطبق کر دیا۔ جن احادیث سے عقائد اہل سنت صحیح ثابت ہو رہے ہوتے ہیں، ان احادیث کو زبردستی ضعیف وموضوع ٹھہرا دیا یا اس حدیث ہی کو کتاب سے نکال دیا یا الفاظوں میں تبدیلی کر دی، حدیث پاک میں لفظ ''یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' موجود تھا، وہابی مکتبوں نے لفظ ''یا'' کو غائب کر دیا تا کہ وہابی عقیدے کا بطلان ثابت نہ ہو جائے کیونکہ وہابیوں میں ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کہنا شرک ہے۔

وہابیوں نے خود ساختہ قانون بنا کر اپنے مطلب کی ضعیف حدیثوں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی اور اہل سنت کے عقائد وفقہ حنفی پر مبنی صحیح احادیث کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی جس کا آگے ثبوت پیش کیا جائے گا۔ وہی راوی وہابیوں کے مطلب کی حدیث میں صحیح ہو جاتا ہے اور جب احناف کے مؤقف پر موجود حدیث میں وہ راوی آتا ہے تو ضعیف ہو جاتا ہے۔ پھر کئی نئے مولوی علومِ حدیث کے کئی اصولوں سے اختلاف کرتے ہیں جیسا کہ وہابی مولوی زبیر علی زئی کی عادت ہے۔ ایک مثال پیش کی جاتی ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے تین شرطیں لگائیں اور وہابیوں نے ایک مزید شرط خود سے لگا دی کہ ''وہ فعل لوگوں میں مشہور نہ ہو'' چنانچہ المقترح فی اجوبة بعض اسئلة المصطلح میں وہابی مولوی ابو عبد الرحمٰن مقبل بن ہادی (المتوفی 1422ھ) کہتا ہے ''قد یقول قائل: إن من أهل

العلم من أجاز أن يحدث بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال !نعم، أجازه عبد الرحمن بن مهدى، والإمام أحمد، والإمام البيهقى---

ومن أجاز التحديث بالحديث الضعيف ,فإنما يجيزه بثلاثة شروط:

الشرط الأول:أن لا يشتد ضعفه.

الشرط الثانى:أن يكون مندرجًا تحت أصل من الأصول.

الشرط الثالث:أن لا يشتهر العمل به، وأن لا يعتقد ثبوته" ترجمہ: کہنے والا کہے گا کہ اہل علم حضرات نے اجازت دی ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بیان کی جائے۔ ہاں عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے اجازت دی ہے۔ جنہوں نے ضعیف حدیث بیان کرنے کی اجازت انہوں نے تین شرطوں کے ساتھ اجازت دی:

(1) پہلی شرط: وہ شدید ضعیف حدیث نہ ہو۔

(2) دوسری شرط: وہ ضعیف حدیث اصول میں سے کسی اصل کے تحت ہو۔

(3) تیسری شرط: اس ضعیف حدیث پر عمل مشہور نہ ہو اور اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ ہو۔

(المقترح فى أجوبة بعض أسئلة المصطلح ،صفحه17،دارُ الآثار للنشر وَالتوزيع، صَنعاء،اليمن)

تیسری شرط کا پہلا جملہ چودہ سو سال سے کسی محدث سے ثابت نہیں تھا لیکن وہابیوں نے اپنے خود ساختہ قوانین میں یہ قانون خود سے بنالیا تا کہ اہل سنت کے بعض معاملات جیسے شب براءت، شب معراج وغیرہ کو ناجائز ثابت کیا جائے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اور یہ افعال اہل سنت میں رائج ہیں۔

ایک دوسرا وہابی مولوی شیخ احسان بن محمد العتیبی کہتا ہے: ''ضعیف حدیث سے استحباب ثابت نہیں ہوتا۔''

(100 مشہور ضعیف احادیث، صفحہ32، فقہ الحدیث پبلی کیشنز)

جبکہ محدثین اس پر متفق ہیں فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز و مستحب ہے چنانچہ الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شیخ الاسلام ابوزکریا محیی الدین یحییٰ بن شرف النووی (المتوفی 676ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال العلماءُ من المحدّثين والفقهاء وغيرهم:يجوز ويُستحبّ العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً"، ترجمہ: محدثین وفقہاوغیرہم علمانے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ حدیث موضوع نہ ہو۔

(کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم،فصل قال العلماء من المحدثین ،صفحہ8، دارالفکر،بیروت)

پھر وہابی مذہب میں تعظیم نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ شرک کا مترادف نام تعظیم ہے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں تعظیم کی بات آئے گی وہاں وہابیوں کی عقل کام کرنا چھوڑ جائے گی اور پھر وہابی اپنی تمام تر توانائی اس پر لگائیں گے کہ اسے شرک ثابت کیا جائے اور اگر کوئی حدیث اس پر ہے تو اسے ضعیف وموضوع قرار دے دیا جائے۔اس پر ویسے تو کثیر مثالیں ہیں فقط ایک مثال پیش کی جاتی ہے جسے پڑھ کر یقیناً قاری ہنس پڑیں گے۔مثال یہ ہے کہ کسی کی تعظیم میں کھڑے ہونے کے ساتھ ساتھ کسی معزز دینی یا والد کا ہاتھ چومنا بھی جائز ہے۔جامع ترمذی میں محمد بن عیسی بن سَوْرۃ الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، وَأَبُو الوَلِيدِ،وَاللَّفْظُ لَفْظُ يَزِيدَ وَالمَعْنَى وَاحِدٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلِمَةَ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ، أَنَّ يَهُودِيَّيْنِ قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ:اذْهَبْ بِنَا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ نَسْأَلُهُ، فَقَالَ:لَا تَقُلْ لَهُ نَبِيٌّ فَإِنَّهُ إِنْ سَمِعَهَا تَقُولُ نَبِيٌّ كَانَتْ لَهُ أَرْبَعَةُ أَعْيُنٍ، فَأَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَاهُ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا،وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالحَقِّ، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَسْحَرُوا، وَلَا تَمْشُوا بِبَرِيءٍ إِلَى سُلْطَانٍ فَيَقْتُلَهُ، وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا، وَلَا تَقْذِفُوا مُحْصَنَةً، وَلَا تَفِرُّوا مِنَ الزَّحْفِ، شَكَّ شُعْبَةُ، وَعَلَيْكُمُ اليَهُودَ خَاصَّةً أَلَّا تَعْتَدُوا فِي السَّبْتِ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا:نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ، قَالَ:فَمَا يَمْنَعُكُمَا أَنْ تُسْلِمَا؟ قَالَا:إِنَّ دَاوُدَ دَعَا اللَّهَ، أَنْ لَا يَزَالَ فِي ذُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ، وَإِنَّا نَخَافُ إِنْ أَسْلَمْنَا أَنْ تَقْتُلَنَا اليَهُودُ:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ''ترجمہ:حضرت صفوان بن عسال فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس نبی کے پاس چلتے ہیں اور کچھ پوچھتے ہیں۔دوسرا کہنے لگا کہ انہیں نبی مت کہو اگر انہوں نے سن لیا تو خوشی سے انکی چار آنکھیں ہوجائیں گی۔پھر وہ دونوں آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ (اور بیشک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ یہ ہیں (1) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ (2) زنا مت کرو (3) چوری مت کرو (4) جادو مت کرو (5) کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کرے (6) سود خوری نہ کرو (7) کسی پاکباز عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ (8) دشمنوں سے مقابلے کے وقت راہِ فرار اختیار نہ کرو۔اور شعبہ کو شک ہے کہ نویں بات یہ تھی کہ یہودیوں کے لئے خاص حکم یہی کہ ہفتے کے دن زیادتی نہ کریں۔چنانچہ وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی

ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کہ پھر کس چیز نے تمہیں مسلمان ہونے سے روکا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ نبی ہمیشہ ان کی اولاد میں سے ہو۔ہمیں خوف ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو یہودی ہمیں قتل نہ کر دیں۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی،ابواب تفسیر القرآن،باب :ومن سورة بنی إسرائیل،جلد5،صفحه157،دار الغرب الإسلامی،بیروت)

الادب المفرد میں محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی مَرْیَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَّافُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنِی عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ رَزِینٍ قَالَ: مَرَرْنَا بِالرَّبَذَةِ فَقِیلَ لَنَا: هَا هُنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ، فَأَتَیْنَاهُ فَسَلَّمْنَا عَلَیْهِ، فَأَخْرَجَ یَدَیْهِ فَقَالَ: بَایَعْتُ بِهَاتَیْنِ نَبِیَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجَ كَفًّا لَهُ ضَخْمَةً كَأَنَّهَا كَفُّ بَعِیرٍ، فَقُمْنَا إِلَیْهَا فَقَبَّلْنَاهَا(قال الشیخ الألبانی): حسن" ترجمہ: عبدالرحمٰن بن رزین سے مروی ہے کہ ہم زبدہ کے مقام سے گزرے تو ہمیں کہا گیا کہ یہاں حضرت سلمۃ بن اکوع رہتے ہیں۔ہم ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان کو سلام کیا۔انہوں نے اپنے ہاتھ نکالے اور کہا میں نے ان ہاتھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی ہے۔حضرت سلمہ نے اپنا موٹا ہاتھ جو مثل اونٹ کی ہتھیلی کے تھا،ان کے لئے نکالا تو عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ہم نے کھڑے ہو کر اس کو چوم لیا۔(وہابیوں کے امام) البانی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(الأدب المفرد،باب تقبیل الید،صفحه338،دار البشائر الإسلامیة ،بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُیَیْنَةَ، عَنِ ابْنِ جُدْعَانَ، قَالَ ثَابِتٌ لِأَنَسٍ: أَمَسِسْتَ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَبَّلَهَا" ترجمہ: ابن جدعان نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے ہاتھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوا ہے؟ حضرت انس نے فرمایا: ہاں۔تو ابن جدعان نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کو چوما۔

(الأدب المفرد،باب تقبیل الید،صفحه338،دار البشائر الإسلامیة،بیروت)

السنن الکبریٰ للبیہقی میں احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ ابو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ) اور الأمالی فی آثار الصحابة للحافظ الصنعانی میں ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) ثقہ راویوں کے حوالے سے لکھتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ یَحْیَى بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ السُّكَّرِیُّ بِبَغْدَادَ، أنبأ إِسْمَاعِیلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثنا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أنبأ الثَّوْرِیُّ، عَنْ زِیَادِ بْنِ فَیَّاضٍ، عَنْ تَمِیمِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عُمَرُ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ الشَّامَ اسْتَقْبَلَهُ أَبُو عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فَقَبَّلَ یَدَهُ ثُمَّ خَلَوْا یَبْكِیَانِ قَالَ: فَكَانَ یَقُولُ تَمِیمٌ: تَقْبِیلُ

الیَـدِ سُـنَّۃٌ"، ترجمہ: حضرت تمیم بن سلمہ نے فرمایا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے واپس آئے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا استقبال کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ چوما، پھر دونوں رونا شروع ہوگئے۔ حضرت تمیم فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھ چومنا سنت ہے۔

(الأمالی فی آثار الصحابۃ للحافظ الصنعانی،من أخلاق الأعاجم،صفحہ82،مکتبۃ القرآن،القاہرۃ)

ان کثیر مستند احادیث سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ، استاد، والدین وغیرہ کا تعظیما ہاتھ چومنا جائز اور احادیث سے ثابت ہے۔ آیئے اب شریعتِ وہابیہ کی طرف چلتے ہیں کہ وہ فعل جو احادیث سے ثابت ہے کوئی وہابی اسے جائز کہتا ہے کوئی ناجائز کہہ رہا اور کوئی وہابی اسے شرک کہہ رہا ہے۔ یعنی ان میں ابھی تک یہ ہی طے نہیں ہوا کہ یہ فعل شرک ہے یا بدعت۔

فتاوی اِسلامیۃ میں وہابی مولوی عبد العزیز بن عبداللہ بن باز (المتوفی 1420ھ) سے سوال ہوتا ہے "حـکـم تـقبیل الید ووضعها على الصدر بعد السلام:السوال:أرى بعض الناس بعد مصافحتهم يقبلون أيديهم أو يضعونها على صدورهم زيادة في التودد فهل ذلك جائز؟

الـجـواب :ليس لهذا العمل أصل فيما نعلم من الشريعة الإسلامية ولا يشرع تقبيل اليد أو وضعها على الـصـدر بعد المصافحة بل هو بدعة إذا اعتقد صاحبه التقرب به إلى الله سبحانه .الشيخ ابن باز" ترجمہ: ہاتھ چومنا اور سلام کے بعد ہاتھ سینے پر رکھنے کا حکم: سوال: بعد لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ مصافحہ کے بعد ہاتھ چومتے ہیں یا محبت میں ہاتھ کو سینے پر رکھتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: جو ہم نے شریعت اسلامیہ کو جانا تو اس میں اس عمل کی کوئی اصل نہیں ہے۔ شرعا ہاتھ چومنا یا مصافحہ کے بعد ہاتھ سینے پر رکھنا ثابت نہیں بلکہ یہ بدعت ہے جبکہ اس سے اللہ عزوجل کے تقرب کا اعتقاد ہو۔ شیخ ابن باز۔

(فتاوی إسلامیۃلأصحاب الفضیلۃ العلماء،جلد4،صفحہ408،دار الوطن ، الریاض)

یہاں ہاتھ چومنے کو ناجائز و بدعت کہا گیا جبکہ ان کے اپنے ہی مولوی نے اس کی اجازت دی ہے چنانچہ تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی میں وہابی مولوی ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ) کہتا ہے "وَالـحَـدِیثُ یَـدُلُّ عَـلَـی جَوَازِ تَقْبِیلِ الْیَدِ وَالرِّجْلِ قَالَ بن بَطَّالٍ اخْتَلَفُوا فِی تَقْبِیلِ الْیَدِ فَأَنْکَرَہُ مَالِكٌ وَأَنْکَرَ مَا رُوِیَ فِیهِ وَأَجَازَہُ آخَرُونَ وَاحْتَـجُّوا بما روی عن بن عُمَرَ أَنَّهُمْ لَمَّا رَجَعُوا مِنَ الْغَزْوِ--- فَقَبَّلْنَا یَدَہُ قَالَ وَقَبَّلَ أَبُو لُبَابَةَ وَکَعْبُ بْنُ مَـالِكٍ صَاحِبَاہُ یَدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حین تاب الله علیه ذَکَرَہُ الْأَبْهَرِیُّ وَقَبَّلَ أَبُو عُبَیْدَةَ یَدَ عُمَرَ حِینَ قَدِمَ

وَقَبَّلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَدَ بن عباس حين أخذ بن عَبَّاسٍ بِرِكَابِهِ قَالَ الْأَبْهَرِيُّ وَإِنَّمَا كَرِهَهَا مَالِكٌ إِذَا كَانَتْ عَلَى وَجْهِ التَّعْظِيمِ وَالتَّكَبُّرِ وَأَمَّا إِذَا كَانَتْ عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ إِلَى اللَّهِ لِدِينِهِ أَوْ لِعِلْمِهِ أَوْ لِشَرَفِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ جائز" ترجمہ: ہاتھ اور پاؤں چومنے کے جواز پر حدیث دلیل ہے۔ ابن بطال نے فرمایا کہ ہاتھ چومنے میں فقہاء نے اختلاف کیا تو امام مالک نے ہاتھ چومنے کا انکار کیا اور جو اس کے متعلق مروی ہے اس کا انکار کیا۔ مالکی متاخرین علماء نے اس کی اجازت دی اور انہوں نے دلیل پکڑی جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب مسلمان غزوہ سے واپس آئے تو ہم نے ان کا ہاتھ چوما۔ ابولبابہ اور کعب بن مالک دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ چوما جب اللہ عزوجل نے ان کی توبہ قبول فرمائی اسے علامہ ابہری نے ذکر کیا۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ چوما جب وہ تشریف لائے، زید بن ثابت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ چوما جب حضرت ابن عباس نے ان کی رکاب کو پکڑا، ابہری نے فرمایا۔ امام مالک نے جو ہاتھ چومنے کو مکروہ کہا یہ اس صورت میں ہے جب تعظیم وتکبر کی وجہ سے چوما جائے، اگر اللہ عزوجل کی قربت دین وعلم یا شرفیت کے سبب ہاتھ چوما جائے تو امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہے۔

(تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی قبلة الید والرجل، جلد7، صفحہ437، دار الکتب العلمیة، بیروت)

تینوں ائمہ کے نزدیک تعظیما ہاتھ چومنا جائز ہے امام مالک کے نزدیک تعظیما مکروہ ہے اور قربت دین یا علم کی وجہ سے چومنا جائز ہے۔ امام مالک نے جو تعظیما مکروہ فرمایا یہ اس صورت میں ہے جب غیر عالم و پیر یا عادل امام کے علاوہ تعظیما اس کے ہاتھ چومے جائیں یا دنیاوی مفاد کے لئے ہاتھ چومے جائیں جیسا کہ حنفی کتب وغیرہ میں صراحت ہے۔

ابن تیمیہ کا مذہب ہے کہ مطلقا منع ہے اور وہابیوں نے اس مسئلہ میں احادیث کو چھوڑ کر ابن تیمیہ کی تقلید کی ہے۔ ایک طرف وہابیوں نے اسے ناجائز و بدعت کہا تو دوسری طرف وہابی مولوی نے اسے شرک کا سبب کہا ہے چنانچہ مجموعة الرسائل والمسائل النجدیة میں نجدی مولویوں کا کہنا ہے "وأما المداومة على ذلك واعتقاده سنة؛ فليس فى الأحاديث ما يدل على ذلك، ونحن لم ننه الناس عن تقبيل اليد على الوجه الوارد فى الأحاديث، بل ننهاهم عن الواقع منهم على خلاف ذلك؛ فإنهم يقبلون أيدى السادة الذين يعتقدون فيهم السر، ويرجون منهم البركة، ويجعلون التقبيل من باب الذل والانحناء المنهى عنه، وصار ذريعة إلى الشرك بالله" ترجمہ: ہاتھ چومنے پر مداومت اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ سنت ہے تو احادیث اس پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ ہم لوگوں کو احادیث کی وجہ سے ہاتھ چومنے سے منع نہیں کریں گے بلکہ ہم لوگوں کو خلاف واقع پر منع کریں گے کہ لوگ نیک لوگوں کا یہ اعتقاد رکھتے ہوئے ہاتھ چومتے ہیں کہ اس میں خوشی ہے اور اس میں

برکت کی امید رکھتے ہیں۔ ہاتھ چومنے ذلت اور جھکنے کے باب میں ہے جس سے منع کیا گیا ہے تو ہاتھ چومنا شرک کا ذریعہ ہوگیا۔

(مجموعة الرسائل والمسائل النجدية (الجزء الرابع، القسم الثاني)،صفحه577،دار العاصمة، الرياض، المملكة العربية السعودية)

واقعی عقل ہوتی تو وہابی نہ ہوتے! ایک طرف مانتے ہیں کہ یہ احادیث سے ثابت ہے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ ہاتھ چومنے میں جھکنا پڑے گا اسلئے شرک کا ذریعہ ہے۔ بندہ پوچھے جن احادیث میں ہاتھ چومنا ثابت ہے وہ جھک کر ہی چومیں ہوں گے بلکہ حضور علیہ السلام کے پاؤں چومنا بھی صحابہ سے ثابت ہے اور بدیہی بات ہے کہ بغیر جھکے پاؤں چومنا ناممکن ہے۔ یہ وہابیوں کی حدیث دانی کا حال ہے۔ اس پر امام غزالی کا وہ فرمان صادق آتا ہے جو انہوں نے ایک عارف کا نقل کیا ہے کہ تکبر اور گمراہی جب ہو تو علم کچھ فائدہ نہیں دیتا چنانچہ احیاء العلوم میں ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطّوسی (المتوفی 505ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" وقال آخرمن كان فيه خصلتان لم يفتح له بشيء من هذا العلم بدعة أو كبر" ترجمہ: کسی نے فرمایا جس میں دو خصلتیں ہوں گی اس پر اس علم کا فائدہ نہیں ہوگا وہ دو خصلتیں گمراہی اور تکبر ہے۔

(إحياء علوم الدين، كتاب العلم، جلد1،صفحه19، دار المعرفة ،بيروت)

علمِ حدیث ویسے ہی بہت بڑا علم ہے کہ اس میں احادیث کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ جب انسان کوئی بڑا کام کرتا ہے تو بعض اوقات تکبر کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کے بعض حضرات کو دیکھا کہ حدیث کا کچھ علم حاصل کر کے اچھے خاصے علماء پر طعن کرتے ہیں کہ فلاں محدث نے اپنی کتب میں رطب ویابس اکٹھا کیا ہوا، کئی حدیثیں ضعیف لکھی ہیں وغیرہ۔ جبکہ ضعیف حدیث کو ترغیب وترہیب میں لکھ دیا جاتا ہے یا حدیث ضعیف ہوتی ہے لیکن اس کے اور متابعات وشواہد ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر وہابی وہ تو پہلے ہی تکبر کے مارے ہوتے ہیں کہ امام اعظم اور دیگر ائمہ کو کسی کھاتے میں نہیں لاتے بلکہ کئی بدزبان تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کو احادیث کا کیا پتہ ان کا سارا مذہب تو اٹھارہ احادیث پر مبنی ہے۔ جب کسی کو وہابی کو اس علم کی کچھ الف ب پتہ چل جائے تو وہ جو قیامت بھرپا کرتا ہے وہ اہل حضرات سے مخفی نہیں ہے۔ عصر حاضر میں ہی وہابیوں کا بہت بڑا محدث البانی ہے جس کا حال یہ ہے کہ اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ پچھلی حدیث میں اس راوی کو خود ضعیف کہہ کر آیا ہے اگلی مطلب کی حدیث میں وہی راوی صحیح ہوتا ہے۔ البانی کے اسی تضاد پر علمائے اہل سنت نے کئی کتب لکھی ہیں۔ اسی طرح زبیر علی زئی ہے جس میں کثیر تضادات پائے جاتے ہیں۔

## موضوع اختیار کرنے کا سبب

آج ہر تیسرا چوتھا وہابی مولوی تقلید پر کتاب لکھتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتا ہے کہ حنفی قرآن وحدیث کی نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اپنے اس جھوٹے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے وہی چار حربے استعمال کرتا ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔ اس موضوع کو اختیار کرنے کا سبب یہی ہے کہ وہابیوں کی فریب کاریاں مسلمانوں پر عیاں کی جائیں اور مسلمانوں خصوصاً حنفیوں پر ثابت کیا جائے کہ الحمدللہ عزوجل ہم بھی قرآن وحدیث پر چلنے والے ہیں اور فقہ حنفی بھی قرآن وحدیث ہی پر چلانے والی ہے یہ قرآن وحدیث کے خلاف نہیں۔

## اندازِ تحریر

پوری کتاب میں اپنے مؤقف کو قرآن اور صحیح احادیث سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جہاں ضرورت تھی وہاں حدیث کی صحت پر بھی کلام کیا ہے اور جہاں صحت بیان کرنے کی حاجت نہیں تھی وہ روایت بطور متابع یا شاہد کے آرہی تھی وہاں اس کی صحت بیان کرنے کو ضروری نہیں سمجھا کہ ایسی جگہ ضعیف بھی قبول ہوتی ہے۔ بخاری ومسلم کی جو احادیث نقل کی ہیں ان کے آگے ان کی صحت پر کلام نہیں کیا کیونکہ وہ صحیح ہی ہیں۔

## موضوع کی اہمیت

اس موضوع کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں مشہور مسائل جن میں وہابیوں اور اہلسنت کے اعتقادی اور فقہی مسائل میں جو اختلاف ہے اس پر قرآن وحدیث سے دلائل دے کر احادیث کی فنی حیثیت پر مختصر اور جامع کلام کیا ہے اور وہابیوں کے دلائل کا جواب دیا ہے کہ جس حدیث کو وہابی دلیل بناتے ہیں ہم اہل سنت حنفیوں نے اس کو کس وجہ سے چھوڑا ہے۔ عام طور پر علمائے اہل سنت نے الحمدللہ عزوجل اہل سنت کے عقائد اور فقہ حنفی کے حق ہونے پر دلائل دیئے ہیں۔ پھر متفرق مسائل جیسے رفع یدین، قراءت خلف الامام وغیرہ کے مسائل میں احادیث کے ساتھ ساتھ ان کی صحت پر بھی اچھا کلام کیا ہے، لیکن کوئی ایک کتاب ہو جس میں مشہور مسائل پر دلائل کے ساتھ صحتِ حدیث پر بھی کلام ہو ایسی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ پھر اصول حدیث کی کتب عام لوگوں کو سمجھ نہیں آتیں۔ اس لئے مذکورہ کتاب میں دلائل کے ساتھ ساتھ صحتِ حدیث پر بھی کلام کیا ہے اور اصول حدیث کی پیچیدہ اور لمبی چوڑی ابحاث نہیں کی گئیں بلکہ مختصر کلام کیا ہے تاکہ عام لوگ بھی کسی حد تک اس فن سے متعارف ہوجائیں اور یہ کتاب بھی مختصر اور جامع ہوجائے۔

اس موضوع کی اہمیت یہ ہے کہ پڑھنے والی قاری یہ جان جائے گا کہ عقائد اہل سنت اور فقہ حنفی کی بنیاد قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور وہابی جس طرح اس کے خلاف پروپگینڈہ کرتے ہیں وہ بے بنیاد ہے۔ اگر کوئی وہابی بھی ایک مرتبہ بغیر شدت کے اس کتاب کو پڑھ لے گا تو اگر اس میں تھوڑی سی بھی شرم ہوگی تو کبھی یہ نہیں کہے گا کہ حنفی قرآن وحدیث کو چھوڑ کر امام کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

المتخصص فی الفقہ الاسلامی
**ابو احمد محمد انس رضا قادری**
18 جمادی الاولیٰ 1437ھ 27 فروری 2016ء

## حصہ اول

# ---- عقائد اہل سنت ----

اہل سنت و جماعت اور وہابیوں کے عقائد میں کافی اختلاف ہے۔ کئی وہابی خود کو اصلی اہل سنت کہتے ہیں جبکہ فقط دعویٰ سے کوئی سُنّی نہیں ہوتا جب عقائد اس کے خلاف ہوں۔ وہابی ابن عبد الوہاب نجدی کے عقائد کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ ابن عبدالوہاب نجدی وہی خارجی ہے جس کے فتنہ کی نشاندہی غیبوں کی خبر دینے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی۔ ابن عبدالوہاب نجدی اور ان کے پیروکار اسماعیل دہلوی وغیرہ کے عقائد آج بھی ان کی کتب سے واضح ہیں۔ خارجیوں کی یہ تاریخی فطرت رہی ہے کہ وہ خود کے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ یہی حال ان وہابیوں کا ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر امت مسلمہ کو مشرک ٹھہرا کر اس پر جہاد فرض قرار دیتے ہیں۔ وہابیوں کے پاس اپنے باطل موقف پر کوئی دلیل نہیں ہوتی یہ فقط قرآن وحدیث سے باطل استدلال کر کے خود کو صحیح اور اہل سنت کو مشرک ثابت کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت میں جو کوئی حدیث وارد ہو یہ وہابی اسے زبردستی ضعیف وموضوع ثابت کرتے ہیں جیسا کہ آپ آگے اسے ملاحظہ فرمائیں گے۔

احادیث مبارکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی کہ مجھے اپنی امت سے شرک کا خوف نہیں چنانچہ صحیح البخاری میں ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (256ھ) حدیث پاک نقل کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "إِنِّی لَسۡتُ أَخۡشَى عَلَيۡكُمۡ أَنۡ تُشۡرِكُوا وَلَكِنِّی أَخۡشَى عَلَيۡكُمُ الدُّنۡيَا أَنۡ تَنَافَسُوهَا" ترجمہ: میں تم پر خوف نہیں کرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن میں تم پر دنیا کا خوف کرتا ہوں کہ تم اس میں رغبت کر جاؤ۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد، جلد5، صفحہ94، حدیث4042، دار طوق النجاۃ، مصر)

شعب الایمان میں احمد بن الحسین الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں حضرت شدّاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ وہ روئے ان سے کہا گیا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے؟ فرمایا: وہ بات جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی وہ مجھے یاد آ گئی، اس نے مجھے رلا دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا "إِنِّی أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِی مِنۡ بَعۡدِی الشِّرۡكَ وَالشَّهۡوَةَ الۡخَفِيَّةَ" ترجمہ: میں اپنی امت پر شرک اور خفیہ شہوت کا خوف کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا "يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَوَ تُشۡرِكُ أُمَّتُكَ مِنۡ بَعۡدِكَ؟" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ فرمایا "يَا شَدَّادُ إِنَّهُمۡ لَا يَعۡبُدُونَ شَمۡسًا، وَلَا قَمَرًا، وَلَا حَجَرًا، وَلَا وَثَنًا، وَلَكِنۡ يُرَاؤُونَ

بِأَعْمَالِهِمْ" ترجمہ: یا شداد! وہ لوگ نہ سورج کو پوجیں گی نہ چاند کو نہ پتھر کو نہ بت کو لیکن ریا کاری کریں گے۔ خفیہ شہوت یہ ہے کہ ان میں سے ایک روزہ رکھے گا پھر اس کے سامنے اس کی خواہشات میں سے کوئی خواہش آ جاوے تو وہ اپنا روزہ چھوڑ دے۔

(شعب الایمان، باب فی إخلاص العمل لله عز و جل--، جلد5، صفحہ 333، حدیث 6411، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

امت کے خیر خواہ نبی علیہ السلام واضح فرما رہے ہے کہ میری امت شرک نہیں کرے گی لیکن ان وہابیوں کے نفس امارہ نے یہ باور کروایا ہے کہ ساری امت شرک میں مبتلا ہے بس تم وہابی توحید پر قائم ہو۔ امت مسلمہ کو مشرک ٹھہرا کر خود توحید کے ٹھیکیدار بنا توحید پرستی نہیں بلکہ پیروی شیطان ہے۔ شرح مشکل الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری الطحاوی (المتوفی 321ھ) اور اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ میں ابو العباس شہاب الدین احمد بن ابی بکر البوصیری الکنانی الشافعی (المتوفی 840ھ) اور تفسیر القرآن العظیم میں ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری (المتوفی 774ھ) حدیث پاک روایت کرتے ہیں" أن حذیفة یعنی بن الیمان، رَضِیَ اللَّهُ عَنهُ حَدَّثَهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم: أن مِمَّا أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ رجل قَرَأَ الْقُرْآنَ حَتَّى إِذَا رُوِيَتْ بَهْجَتُهُ عَلَيْهِ وَكَانَ رِدْءُ الْإِسْلَامِ اعْتَرَاهُ إِلَى مَا شَاءَ اللَّهُ، انْسَلَخَ مِنْهُ، وَنَبَذَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، وَسَعَى عَلَى جَارِهِ بِالسَّيْفِ، وَرَمَاهُ بِالشِّرْكِ. قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَيُّهُمَا أَوْلَى بِالشِّرْكِ: الْمَرْمِيُّ أَوِ الرَّامِي؟ قَالَ: بَلِ الرَّامِي. هَذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ" ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک مجھے تم پر ایسے آدمی (قوم) کا خوف ہے جو قرآن پڑھے حتی کہ اسکی رونق اس پر ظاہر ہو جائے، اس کا اوڑھنا بچھونا اسلام ہو جائے، جب تک اللہ چاہے اسکی یہ حالت برقرار رکھے، پھر اس سے یہ حالت چھن جائے اور وہ اسلام کو پس پشت پھینک دے اور اپنے پڑوسی پر تلوار کھینچ لے اور شرک کے فتوے لگائے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرک کا فتویٰ لگانے والا شرک کے زیادہ قریب ہے یا جس پر لگایا گیا؟ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شرک کا فتویٰ لگانے والا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الاعراف، آیت175، جلد3، صفحہ509، دار طیبۃ، الریاض)

وہابی خود ہر نیا کام کرتے ہیں اور امت مسلمہ کو جائز و مستحب اعمال پر بدعتی ثابت کرتے ہیں جیسے خود سیرت کانفرنس کرتے ہیں اور میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدعت ثابت کرتے ہیں، وہابیوں کا سعودی مفتی اعظم میلاد منانے کو ناجائز و حرام کہتا ہے لیکن جشن آزادی منانے کو جائز کہتا ہے، خود اپنی ذاتی مفاد کے لئے ریلیاں نکالتے ہیں اور جلوس میلاد کو بدعت ثابت کرتے ہیں، خود سالانہ اجتماع کرواتے ہیں اور عرس اولیائے کو بدعت کہتے ہیں، خود رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو جمعۃ الوداع کہتے ہیں اس کا اہتمام کرتے ہیں اور طاق راتوں میں اجتماعات کرواتے ہیں اور مسلمان شب براءت کو اجتماعی عبادت

کریں تو اسے بدعت کہتے ہیں۔

وہابیوں نے جو شرک کی طرح بدعت کی خودساختہ تعریف نکالی ہے کہ جو کام حضور علیہ السلام اور اس کے صحابہ کرام نے نہیں کیا وہ باطل ہے۔ بدعت کی یہ تعریف انگریزوں سے پہلے کسی ایک حدیث تو کیا کسی مستند عالم سے بھی ثابت نہیں ہے۔ احادیث سے صراحت کے ساتھ بدعت حسنہ وسیئہ کا ثبوت ہے کہ جو کام قرآن وسنت کے موافق ہوا گرچہ نیا ہو وہ اچھی بدعت ہے جیسے ایصال ثواب کی محافل قل چالیسواں، میلاد شریف وغیرہ اور جو قرآن وسنت کے خلاف ہو وہ بُری بدعت ہے جیسے میوزک والی نعت، مرنے والے کی تصویر کے آگے موم بتیاں جلانا، نئے نئے بدعقیدہ فرقے وغیرہ۔ صحیح مسلم میں مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (المتوفی 261ھ) حدیث پاک روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَیْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ" یعنی جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ (اچھی بدعت) جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ (بری بدعت) جاری کرے اس پر اس کا گناہ ہوگا اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ آئے گی۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم ،باب من سن سنة حسنة۔۔،جلد4،صفحہ2059،حدیث 1017،دار إحياء التراث العربي ،بیروت)

اس حدیث میں واضح طور پر اسلام میں اچھے کام ایجاد کرنے کو پسند فرمایا گیا ہے جس سے بدعت حسنہ کے صحیح ثبوت ملتا ہے۔ وہابی خود کئی نئے نئے کام کرتے ہیں اپنے تحریکوں کے مخصوص جھنڈے ایجاد کئے ہوئے ہیں اس کے باوجود بدعت حسنہ اور سیئہ کے منکر ہیں اور ہر بدعت کو گمراہی کہتے ہیں جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بدعت حسنہ کا صراحت کے ساتھ ثبوت ہے کہ آپ نے تراویح کی جماعت قائم فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ کیا ہی اچھی بدعت ہے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے "فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّی أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلاَءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ، لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ، فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى، وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلاَةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ البِدْعَةُ هَذِهِ" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو الگ الگ نماز تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں ان کو ایک قاری پر جمع کردوں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے عزم کیا اور ان کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا یعنی ان کو سب کا امام بنا دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں حضرت عمر فاروق کے ساتھ ایک رات نکلا اور لوگ با جماعت نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

کہ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔

(صحیح بخاری ، کتاب صلوۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان ، جلد3، صفحہ45، حدیث 2010، دار طوق النجاۃ، مصر)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بدعت کے سخت مخالف تھے، وہ بھی بدعت حسنہ کے قائل تھے چنانچہ وہ چاشت کو نماز کو بدعت حسنہ کہتے تھے۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی الشافعی (852ھ) لکھتے ہیں "عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ سَأَلْتُ بن عُمَرَ عَنْ صَلَاةِ الضُّحَى فَقَالَ بِدْعَةٌ وَنِعْمَتِ الْبِدْعَةُ" ترجمہ: حضرت اعراج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چاشت کی نماز کے متعلق پوچھا تو فرمایا وہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے۔

(فتح الباری، باب صلاۃ الضحی فی السفر، جلد 3، صفحہ52، دار المعرفۃ، بیروت)

اس کے علاوہ کثیر محدثین وفقہائے کرام نے بدعت کی اقسام ذکر کی ہیں بلکہ وہابیوں کے امام ابن تیمیہ نے بھی بدعت کی یہی تعریف کی ہے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو چنانچہ مجموع الفتاوی میں ابن تیمیۃ الحرانی (التوفی 728ھ) لکھتا ہے "وَالْبِدْعَةُ: مَا خَالَفَتِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ أَوْ إِجْمَاعَ سَلَفِ الْأُمَّةِ مِنَ الِاعْتِقَادَاتِ وَالْعِبَادَاتِ كَأَقْوَالِ الْخَوَارِجِ وَالرَّوَافِضِ وَالْقَدَرِيَّةِ وَالْجَهْمِيَّةِ" ترجمہ: بدعت سے مراد ایسا کام ہے جو اعتقادات وعبادات میں کتاب وسنت اور اجماع امت کی مخالفت کرے جیسے خوارج، روافض، قدریہ، جہمیہ کے عقائد۔

(مجموع الفتاوی، 18، صفحہ346، مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف الشریف، السعودیۃ)

لیکن وہابی ان سب کا انکار کرتے ہوئے مسلمانوں کو مشرک وبدعتی بنانے کو توحید وسنت سمجھتے ہیں۔

اگر وہابیت کے بطلان کو بالتفصیل ثابت کیا جائے تو اس کتاب کا حجم کافی بڑھ جائے لیکن اس باب میں صرف ان مسائل کو ذکر کیا جائے گا جن پر وہابی اپنے موقف پر کوئی نہ کوئی حدیث پیش کرتے ہیں اگرچہ اس کا مطب کچھ اور ہوتا ہے۔ ورنہ کثیر ایسے مسائل ہیں جن میں وہابیوں کے پاس کوئی دلیل نہیں باطل استدلال کرتے ہیں بتوں والی آیات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام پر منطبق کرکے اسے شرک ثابت کرتے ہیں۔

## حضور علیہ السلام کے لئے دنیا بنی

اہل سنت کے نزدیک اللہ عزوجل نے یہ دنیا حضور علیہ السلام کے لئے پیدا کی ہے اور اس پر احادیث بھی شاہد ہیں۔وہابی دیگر فضائل کے ساتھ اس فضیلت کے بھی منکر ہیں اور اس پر موجود احادیث کو موضوع کہتے ہیں۔وہابی اپنے نظریہ پر بطور دلیل قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔اس آیت سے وہابی استدلال کرتے ہیں کہ یہ کائنات حضور علیہ السلام کے لئے پیدا نہیں کی گئی بلکہ عبادت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

جبکہ وہابیوں کا اس آیت سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے کہ یہ آیت مقصدِ حیات کے متعلق ہے کہ جن وانس کی تخلیق کا مقصد اللہ عزوجل کی عبادت کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سببِ کائنات ہے۔لہٰذا دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔حضور علیہ السلام کے صدقہ سے کائنات بنی اس پر درج ذیل احادیث ہیں:

المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ (المتوفی 405ھ) رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَمْشَاذَ الْعَدْلُ، إِمْلَاءً، ثنا هَارُونُ بْنُ الْعَبَّاسِ الْهَاشِمِيُّ، ثنا جَنْدَلُ بْنُ وَالِقٍ، ثنا عَمْرُو بْنُ أَوْسٍ الْأَنْصَارِيُّ، ثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَوْحَى اللَّهُ إِلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عِيسَى آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَسَكَنَ . هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ"، ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا اور اس کی امت میں سے جسے پائے اسے حکم دو کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔اگر میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا نہ فرماتا تو میں آدم کو، جنت کو اور جہنم کو پیدا نہ فرماتا۔میں نے جب عرش تخلیق کیا تو وہ مضطرب ہوا تو میں نے اس پر "لا إله إلا الله محمد رسول الله" لکھا تو وہ ساکن ہوگیا۔اس حدیث کی سند صحیح ہے۔امام بخاری ومسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔

(المستدرك على الصحيحين،ومن كتاب آيات رسول الله صلى الله عليه وسلم التي هي دلائل النبوة،جلد2،صفحه671،دار الكتب العلمية،بيروت)

میں نے تراجم وطبقات کا مطالعہ کیا تو اس سند میں موجود تمام راویوں کو ثقہ پایا ہے۔

(1) علی بن حمشاذ العدل کو سیر اعلام النبلاء میں شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن الذہبی (المتوفی 748ھ) نے ثقہ، عادل، حافظ کہا۔

(2) ہارون بن العباس ہاشمی کو تاریخ بغداد میں ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) نے ثقہ کہا۔

(3) جندل بن والق کے متعلق تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں یوسف بن عبد الرحمٰن الکلبی المزی (المتوفی 742ھ) نقل کرتے ہیں کہ انہیں ابو زُرعہ نے ثقہ کہا اور ابو حاتم رازی نے صدوق کہا۔ تاریخ الاسلام میں امام ذہبی نے بھی ابوحاتم رازی کے حوالے سے یہی لکھا ہے۔ امام بخاری نے الادب میں ان سے روایت کیا ہے۔

(4) عمرو بن اوس انصاری مجہول بھی ہو تو کچھ فرق نہیں پڑتا کہ جب امام حاکم نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہہ دیا ہے تو ایک محدث کا سند کو صحیح کہہ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اب تراجم کی کتب میں اس راوی کا مجہول ہونا مضر نہیں رہتا۔ پھر اس کے متابع سعید بن اوس انصاری ہے۔ اسی متن کی حدیث تھوڑی مختلف سند کے ساتھ طبقات المحدثین بأصبہان والواردین علیہا میں ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الأنصاری الأصبہانی (المتوفی 369ھ) نے روایت کی ''حدثنا أبو علی بن إبراهيم، قال:ثنا همام، قال:ثنا جندل بن والق، قال:ثنا محمد بن عمر المحاربی، عن سعيد بن أوس الأنصاری، عن سعيد بن أبی عروبة، عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، عن ابن عباس، قال:أوحی الله إلى عيسى بن مريم---- '' (طبقات المحدثين بأصبهان والواردين عليها، جلد3، صفحه287، مؤسسة الرسالة، بيروت)

سعید بن اوس انصاری کو نزہۃ الألباء فی طبقات الأدباء میں عبد الرحمٰن بن محمد بن عبید اللہ الأنصاری الأنباری (المتوفی 577ھ) نے ثقہ کہا۔ تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے ابن معین کے حوالے سے انہیں صدوق کہا۔ خطیب بغدادی نے انہیں ثقہ کہا۔

(5) سعید بن ابی عروبہ کو الجرح والتعدیل میں ابو محمد عبد الرحمٰن التمیمی الرازی ابن ابی حاتم (المتوفی 327ھ) نے حضرت ابوداؤد کے حوالے سے فرمایا کہ سعید بن عروبہ اصحابِ قتادہ میں زیادہ حافظ تھے۔ الطبقات الکبری میں ابو عبد اللہ محمد بن سعد البغدادی المعروف بابن سعد (المتوفی 230ھ) نے انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث فرمایا۔

(6) قتادہ مشہور و معروف ثقہ راوی ہیں تہذیب التہذیب میں ابو الفضل احمد حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ) نے ان

کی شان میں کثیر اقوال نقل کئے ہیں۔

(7) سعید بن مسیب مشہور و معروف تابعی ہیں اور تراجم کی ہر کتاب میں ان کی شان بیان کی گئی ہے بلکہ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں امام احمد کا قول نقل کرتے ہیں کہ تابعین میں سے سب سے افضل سعید بن مسیب ہیں۔

(8) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی ہیں اور ہر صحابی عادل ہے۔

وہابیوں نے المستدرک کی حدیث کو تلخیص ذہبی کی تقلید کرتے ہوئے موضوع کہہ دیا جبکہ یہ حدیث ہرگز موضوع نہیں ہے۔ مستدرک کی حدیث پر حاشیہ کچھ یوں ہے ”(التعليق من تلخيص الذهبی) أظنه موضوعا علی سعيد“ ترجمہ: تعلیق تلخیصِ ذہبی سے: میں گمان کرتا ہوں کہ یہ حدیث سعید کے سبب موضوع ہے۔

(المستدرك على الصحيحين، ومن كتاب آيات رسول الله صلى الله عليه وسلم التي هي دلائل النبوة، جلد 2، صفحه 671، دار الكتب العلمية، بيروت)

یہاں امام ذہبی نے اپنے گمان میں سعید کے سبب اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ جبکہ سعید بن ابی عروبہ ثقہ راوی تھے چنانچہ الجرح والتعدیل میں ابو محمد عبد الرحمٰن التمیمی الحنظلی الرازی ابن ابی حاتم (المتوفی 327ھ) فرماتے ہیں ”عن أبی داود قال: كان سعيد بن أبی عروبة أحفظ أصحاب قتادة“ ترجمہ: حضرت ابو داؤد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا سعید بن عروبہ اصحابِ قتادہ میں زیادہ حافظ تھے۔

(الجرح والتعديل، جلد4، صفحه65، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

الطبقات الکبریٰ میں ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری البغدادی المعروف بابن سعد (المتوفی 230ھ) لکھتے ہیں ”سعید بن أبی عروبة ويكنی أبا النضر، واسم أبی عروبة: مهران، وكان ثقة، كثير الحديث، ثم اختلط بعد فی آخر عمره“ ترجمہ: سعید بن ابی عروبہ جن کی کنیت ابو نصر اور نام ابو عروبہ مہران تھا۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے پھر آخری عمر میں انہیں اختلاط ہو گیا تھا۔

(الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة، جلد7، صفحه273، دار صادر، بيروت)

ہوسکتا ہے اسی اختلاط کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع ٹھہرا دیا گیا ہو۔ جبکہ اختلاط کے سبب حدیث موضوع نہیں بلکہ ضعیف ہوتی ہے۔ پھر اختلاط سے قبل جو روایات مروی ہوں وہ مقبول ہوتی ہیں۔ دراصل سعید بن ابی عروبہ میں اختلاط آخری عمر کے پانچ سالوں میں آیا تھا۔ الثقات میں محمد بن حبان بن احمد بن حبان (المتوفی 354ھ) فرماتے ہیں ”قد اختَلَط سنة خمس وَأَرْبَعين وَمِائَة وبقی خمس سِنِين فِی اختِلَاطه“ ترجمہ: سعید بن ابی عروبہ کو 145 ہجری میں اختلاط ہوا اور آپ اپنی زندگی کے بقیہ پانچ سال اسی حال میں رہے۔

(الثقات، جلد6، صفحه360، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد دكن، الهند)

ان آخری پانچ سالوں میں جنہوں نے ان سے روایت کی ان راویوں کا تذکرہ کرتے ہوئے تاریخ الثقات میں ابو الحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی (المتوفی 261ھ) فرماتے ہیں" قال ابن الصلاح وممن سمع منه بعد الاختلاط :وکیع، والمعافی بن عمران الموصلی" ترجمہ:ابن صلاح نے فرمایا کہ جنہوں نے ان سے اختلاط کے بعد سماع کیا ان میں وکیع ،معافی بن عمران موصلی ہیں۔ (تاریخ الثقات،باب السین المهملة،صفحه187، دار الباز)

پتہ چلا کہ عمر بن اوس انصاری اور سعید بن اوس انصاری نے سعید بن ابی عروبہ سے اختلاط سے قبل سماع کیا تھا۔بہرحال مستدرک کی حدیث صحیح ہے۔اس کے علاوہ بقیہ کئی احادیث اس پر شاہد ہیں چنانچہ فوائد منتقاۃ میں ابوالحسن احمد بن محمد (المتوفی 405ھ) روایت کرتے ہیں"حدثنا عبید الله قال:حدثنا عبد الصمد:حدثنا أحمد بن أبی أحمد القدیدی أبوبکر فی درب المقبرة باب الشام:حدثنا محمد بن سخت البصری:حدثنا طالوت، عن حماد، عن حمید، عن أنس قال:خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال عمر بن الخطاب:ما أحسن وجهك یا رسول الله،ما أنضر وجهك یا رسول الله، ما أبشر وجهك، فقال النبی صلی الله علیه وسلم:وما یمنعنی من ذاك یا ابن الخطاب، وهذا جبریل یقرینی عن الله عز وجل السلام وهو یقول:أنت أکرم من خلقت علی وأحب من خلقت إلی، ولولاك ما خلقت الدنیا، ولولاك ما خلقت الآخرة، ولولاك ما خلقت الجنة، ولولاك ماخلقت النار، ولولاك ما خلقت آدم علیه السلام" ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:یارسول اللہ آپ کا چہرہ کیا حسین ہے،آپ کا چہرہ کیا تروتازہ ہے،آپ کا چہرہ کیا خوش ہے۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اے ابن خطاب مجھے اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے(یعنی میں اس وجہ سے خوش ہوں) کہ یہ جبرائیل علیہ السلام ابھی میرے پاس رب تعالیٰ کا سلام لے کر حاضر ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:جو میں نے پیدا کیا اس میں سب سے زیادہ میرے نزدیک تو مکرم ومحبوب ہے۔اگر تجھے نہ پیدا کرتا تو دنیا کو پیدا نہ کرتا،اگر تو نہ ہوتا تو آخرت کو پیدا نہ کرتا،اگر تو نہ ہوتا تو جنت کو پیدا نہ کرتا،دوزخ کو پیدا نہ کرتا،اگر تو نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا۔

(فوائد منتقاة من روایة الشیخین أبی الحسن أحمد بن محمد بن الصلت وأبی أحمد عبید الله بن محمد بن أبی مسلم الفرضی،صفحه 69، دار البشائر الإسلامیة)

موجبات الجنۃ میں معمر بن عبدالواحد القرشی العبشمی السمر قندی الأصبہانی (المتوفی 564ھ) فرماتے ہیں"ثنا القاضی

أبو العلاء بن صاعد بن إسماعيل وأبو الفضل الحسنوی فی كتابيهما قالا، ثنا أبو عبد الله الخبازی، ثنا الحكم أبو عبد الله، ثنا محمد بن صالح بن هانی، ثنا محمد بن إسحاق المنتوف، ثنا عبد الله بن محمد بن سليمان الهاشمی العباسی قال، حدثنی عم أبی الفضل بن جعفر بن سليمان بن علی بن عبد الله بن عباس عن عم أبيه عبد الصمد بن علی عن أبيه عن ابن عباس رضی الله عنهما قال:قال رسول الله صلی الله عليه وسلم :إن الله تعالی أوحی إلی:وعزتی وجلالی لولاك ما خلقت الجنة، ولولاك ما خلقت الدنيا" ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے میری طرف وحی فرمائی کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر تمہیں نہ پیدا کرتا تو جنت کو پیدا نہ کرتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

(موجبات الجنة،بابٌ أن الجنة خلقت لنبينا صلى الله عليه وسلم،صفحه282، مكتبة عباد الرحمن)

حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کے متعلق الشریعۃ میں ابو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجُرّیُّ البغدادی (المتوفی 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي دَاوُدَ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو الْحَارِثِ الْفِهْرِيُّ قَالَ:حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ ابْنِ بِنْتِ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ:حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ،عَنْ أَبِيهِ ،عَنْ جَدِّهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ:لَمَّا أَذْنَبَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الذَّنْبَ الَّذِي أَذْنَبَهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ:أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتَ لِي ،فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ:وَمَا مُحَمَّدٌ؟ وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟ قَالَ:تَبَارَكَ اسْمُكَ ،لَمَّا خَلَقْتَنِي رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى عَرْشِكَ وَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَعْظَمَ قَدْرًا عِنْدَكَ مِمَّنْ جَعَلْتَ اسْمَهُ مَعَ اسْمِكَ ،فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ:يَا آدَمُ ،وَعِزَّتِي وَجَلَالِي ،إِنَّهُ لَآخِرُ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ ،وَلَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ" ترجمہ:حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں میری مغفرت فرما۔ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون اور کیا ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: تیرا نام بابرکت ہے، جب تم نے مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنے سر کو تیرے عرش کی طرف اٹھایا تو اس میں لکھا ہوا تھا"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں جان گیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر تیرے نزدیک کوئی محبوب نہیں ہے کہ تو نے اس کا نام اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے۔ اللہ عزوجل نے وحی کی کہ اے آدم! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم یہ تیری اولاد میں سے آخری نبی ہیں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو

میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

(الشریعہ،باب فی قول اللہ عز وجل لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم :(ورفعنا لك ذکرك)،جلد2،صفحہ1415،دار الوطن،الریاض)

الأسرار المرفوعۃ فی الأخبار الموضوعۃ المعروف بالموضوعات الکبری میں علی بن (سلطان) محمد ابو الحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) حدیث پاک نقل کرتے ہیں "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ" ترجمہ: اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا نہ فرماتا۔

(الأسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الکبری،جلد1،صفحہ295،مؤسسة الرسالة،بیروت)

المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک القسطلانی (المتوفی 923ھ) رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں"وروی أنه لما خرج آدم من الجنة رأى مكتوبا على ساق العرش وعلى كل موضع فی الجنة اسم محمد صلى الله عليه وسلم مقرونا باسم الله تعالى، فقال يا رب هذا محمد من هو؟ فقال الله:هذا ولدك الذی لولاه ما خلقتك .فقال:يا رب بحرمة هذا الولد ارحم هذا الوالد، فنودی:يا آدم، لو تشفعت إلينا بمحمد فی أهل السماوات والأرض لشفعناك" ترجمہ: مروی ہے جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تو دیکھا عرش کے پائے اور جنت کی ہر جگہ پر اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا ہوا ہے۔ عرض کیا یا رب عزوجل! یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہے؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: یہ تیرا بیٹا ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو تجھے نہ پیدا کرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: یا رب عزوجل! اس بیٹے کی حرمت کا واسطہ اس باپ (یعنی مجھ) پر رحم فرمایا۔ ندا کی گئی اے آدم! اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے آسمان اور زمین والوں کی شفاعت مانگتا تو ہم شفاعت کر دیتے۔

(المواہب اللدنية ،المقصد الاول،تشریف اللہ تعالی لہ صلی اللہ علیہ وسلم،جلد1،صفحہ54،المکتبة التوفیقیة، القاہرة)

ایک ہی مضمون پر مختلف احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی یقیناً اصل ہے اور اس کا متن ضعیف نہیں ہے چنانچہ التقیید والإیضاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح میں ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی (المتوفی 806ھ) فرماتے ہیں "وينقسم الغريب أيضا من وجه آخر .فمنه ما هو غريب متنا وإسنادا وهو الحديث الذی تفرد برواية متنه راو واحد. ومنه ما هو غريب إسنادا لا متنا كالحديث الذی متنه معروف مروی عن جماعة من الصحابة إذا تفرد بعضهم بروايته عن صحابی آخر: كان غريبا من ذلك الوجه مع أن متنه غير غريب" ترجمہ: اسی طرح غریب حدیث کو دوسری وجہ سے تقسیم کیا جائے گا کہ متن وسند کے اعتبار سے غریب حدیث وہ ہے جو ایک روایت ہو۔ اور سند غریب ہو لیکن متن

غریب نہ ہو یہ وہ حدیث ہے کہ جس کا متن معروف ہو زیادہ صحابہ کرام سے مروی ہو صحابی دوسرے صحابی سے متفرد ہو۔ ایسی حدیث سنداً تو ضعیف ہے لیکن متن کے اعتبار سے ضعیف نہیں ہے۔

(التقييد والإيضاح شرح مقدمة ابن الصلاح، صفحه274، المكتبة السلفية بالمدينة المنورة)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یہ ضرور صحیح ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام جہان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بنایا اگر حضور نہ ہوتے کچھ نہ ہوتا۔ یہ مضمون احادیث کثیرہ سے ثابت ہے جن کا بیان ہمارے رسالہ ''تلاؤ الا فلاك بحلال احاديث لولاك'' میں ہے اور انہی لفظوں کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی بعض تصانیف میں لکھی مگر سنداً ثابت یہ لفظ ہیں ''خلقت الدنيا واهلهالاعرفهم كرامتك ومنزلتك عندی ولولاك يا محمد ماخلقت الدنيا'' یعنی اللہ عزوجل اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اس لیے بنایا کہ تمہاری عزت اور مرتبہ جو میری بارگاہ میں ہے ان پر ظاہر کروں، اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔

اس میں تو فقط افلاک کا لفظ تھا اس میں ساری دنیا کو فرمایا جس میں افلاک و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب داخل ہیں، اسی کو حدیث قدسی کہتے ہیں کہ وہ کلامِ الٰہی جو حدیث میں فرمایا گیا ایسی جگہ لفظی بحث پیش کر کے عوام کے دلوں میں شک وشبہہ ڈالنا اور ان کے قلوب کو متزلزل کرنا ہرگز مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''الدين النصح لكل مسلم '' دین یہ ہے کہ آدمی ہر مسلمان کی خیر خواہی کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ113، رضافائونڈیشن، لاہور)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''حديث لولاك لما خلقت الأفلاك ـ قال الصغاني إنه موضوع كذا في الخلاصة لكن معناه صحيح فقد روى الديلمي عن ابن عباس رضى الله عنهما مرفوعاأتاني جبريل فقال يا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار'' ترجمہ: حدیث ''لولاك لما خلقت الافلاك'' کو امام صغانی نے موضوع کہا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ لیکن اس حدیث کے معنیٰ صحیح ہیں۔ امام دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعا روایت کیا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں تجھے نہ پیدا نہ کرتا تو جنت وجہنم کو پیدا نہ فرماتا۔

(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، جلد1، صفحه295، مؤسسة الرسالة، بيروت)

## اللہ عزوجل مکان سے پاک ہے

اہل سنت کے نزدیک اللہ عزوجل جسم ومکان سے پاک ہے۔جسم ،مکان، اٹھنا، بیٹھنا، چڑھنا، اترنا مخلوق کے لئے رب تعالیٰ اس سے پاک ہے اللہ عزوجل قرآن پاک میں فرماتا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اس جیسا کوئی نہیں۔ (سورة الشورىٰ، سورة 42، آیت 11)

وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل عرش پر ہے۔ وہ اپنے اس نظریہ پر قرآن پاک سے یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر اِسْتِوَاء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔
(سورة الاعراف، سورة 7، آیت 54)

وہابیوں سے سوال ہے کہ اگر اللہ عزوجل آسمانوں پر ہے تو آسمانوں کی پیدائش سے پہلے کہاں تھا؟ آسمان حادث ہیں تو کیا اللہ عزوجل تبدیل ہونے اور حلول سے پاک نہیں ہے؟ اس کے علاوہ جو کسی چیز پر بیٹھا ہو اس کی تین ہی صورتیں ممکن، یا تو وہ بیٹھک اس کے برابر ہے یا اس سے بڑی ہے کہ وہ بیٹھا ہے اور جگہ خالی باقی ہے یا چھوٹی ہے کہ وہ پورا اس بیٹھک پر نہ آیا کچھ حصہ باہر ہے، اللہ عزوجل میں یہ تینوں صورتیں محال ہیں۔ وہ عرش کے برابر ہو تو جتنے حصے عرش میں ہو سکتے ہیں اس میں بھی ہو سکیں گے، اور چھوٹا ہو تو عرش خدا سے بھی بڑا ہوا اور بڑا ہو تو بالفعل حصے متعین ہو گئے کہ خدا کا ایک حصہ عرش سے ملا ہے اور ایک حصہ باہر ہے۔

یہ تو ضرور ہے کہ خدا جب عرش پر بیٹھے تو عرش سے بڑا ہو ورنہ خدا اور مخلوق برابر ہو جائیں گے یا مخلوق اس سے بڑی ٹھہرے گی، اور جب وہ بیٹھنے والا اپنی بیٹھک سے بڑا ہے تو قطعاً اس پر پورا نہیں آ سکتا، جتنا بڑا ہے اتنا حصہ باہر رہے گا تو اس میں دو حصے ہوئے ایک عرش سے لگا اور ایک الگ۔ اب سوال ہو گا کہ یہ دونوں حصے خدا ہیں یا جتنا عرش سے لگا ہے وہی خدا ہے، باہر والا خدائی سے جدا ہے یا اس کا عکس ہے یا اُن میں کوئی خدا نہیں بلکہ دونوں کا مجموعہ خدا ہے۔ پہلی تقدیر پر دو خدا لازم آئیں گے، دوسری پر خدا و عرش برابر ہو گئے کہ خدا تو اتنے ہی کا نام رہا جو عرش سے ملا ہوا ہے۔ تیسری تقدیر پر خدا عرش پر نہ بیٹھا کہ جو خدا ہے وہ الگ ہے اور جو لگا ہے وہ خدا نہیں۔ چوتھی پر عرش خدا کا مکان نہ ہوا کہ وہ اگر مکان ہے تو اُتنے ٹکڑے کا جو اس سے ملا ہے اور وہ خدا نہیں۔

لہٰذا واضح ہوا کہ اللہ عزوجل کے لئے جہت ماننا جائز نہیں ہے۔الأسماء والصفات للبیہقی میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" وَمَعْنَاهُ الْمُرْتَفِعُ عَنْ أَنْ يَجُوزَ عَلَيْهِ مَا يَجُوزُ عَلَى الْمُحْدَثِينَ، مِنَ الْأَزْوَاجِ وَالْأَوْلَادِ وَالْجَوَارِحِ وَالْأَعْضَاءِ وَاتِّخَاذِ السَّرِيرِ لِلْجُلُوسِ عَلَيْهِ، وَالِاحْتِجَابِ بِالسُّتُورِ عَنْ أَنْ تَنْفُذَ الْأَبْصَارُ إِلَيْهِ وَالِانْتِقَالُ مِنْ مَكَانٍ إِلَى مَكَانٍ، وَنَحْوِ ذَلِكَ، فَإِنَّ إِثْبَاتَ بَعْضِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ يُوجِبُ النِّهَايَةَ، وَبَعْضُهَا يُوجِبُ الْحَاجَةَ وَبَعْضُهَا يُوجِبُ التَّغَيُّرَ وَالِاسْتِحَالَةَ، وَشَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ غَيْرُ لَائِقٍ بِالْقَدِيمِ وَلَا جَائِزٌ عَلَيْهِ" یعنی نام الٰہی متعالی کے یہ معنی ہیں کہ اللہ عزوجل اس سے پاک ومنزہ ہے کہ جو باتیں مخلوقات پر روا ہیں جیسے جورو، بیٹا، آلات، اعضاء، تخت پر بیٹھنا، پردوں میں چھپنا، ایک مکان سے دوسرے کی طرف انتقال کرنا( جس طرح چڑھنے، اُترنے، چلنے، ٹھہرنے میں ہوتا ہے )اس پر روا ہوسکیں اس لیے کہ ان میں بعض باتوں سے نہایت لازم آئے گی، بعض سے احتیاج، بعض سے بدلنا متغیر ہونا اور استحالہ اوران میں سے کوئی امر قدیم کے ساتھ اللہ عزوجل کے لائق نہیں اور نہ اس پر جائز ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی جماع ابواب ذکر الاسماء التی تتبع نفی التشبیہ،جلد1،صفحہ96،مکتبۃ السوادی،السعودیۃ)

وہابیوں نے جوقرآن پاک کی آیت ﴿اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ سے اپنا عقیدہ بنایا ہے وہ درست نہیں ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے اور صحابہ کرام، تابعین، ائمہ اربعہ اور جملہ سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے کہ استواء کے معنی کچھ نہ کہے جائیں، اس پر ایمان واجب ہے اور معنی کی تفتیش حرام ہے۔تفسیر مدارک میں ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفی (المتوفی 710ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"والمذهب قول علی رضی الله تعالی عنه الاستواء غیر مجهول والتکیف غیر معقول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة لانه تعالی کان ولا مکان فهو علی ما کان قبل خلق المکان لم یتغیر عما کان" ترجمہ:مذہب وہ ہے جو مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ استواء مجہول نہیں اوراس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی اُس پر ایمان واجب ہے اوراس کے معنی سے بحث بدعت ہے، اس لیے کہ مکان پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ موجود تھا اور مکان نہ تھا پھر وہ اپنی اُس شان سے بدلا نہیں۔

(مدارک التنزیل (تفسیر النسفی)،جلد2،صفحہ357،دار الکلم الطیب، بیروت)

اس طرح کا کلام امام جعفر صادق، امام حسن بصری، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔متاخرین (بعد میں آنے والے علماء کرام نے) نے بدمذہبوں کے فریبوں سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے استواء کی کچھ تاویلیں کی ہیں:۔

اول: استواء بمعنی قہر وغلبہ ہے، یہ زبان عرب سے ثابت و پیدا ہے۔عرش سب مخلوقات سے اوپر اور اونچا ہے اس لیے اس کے ذکر پر اکتفا فرمایا اور مطلب یہ ہوا کہ اللہ تمام مخلوقات پر قاہر و غالب ہے۔ تفسیر النسفی میں ہے" اضاف الاستیلاء الی العرش وان کان سبحنه وتعالی مستولیا علی جمیع المخلوقات لان العرش اعظمها واعلاها "یعنی اللہ تعالیٰ کا قابو اس کی تمام مخلوقات پر ہے، خاص عرش پر قابو ہونے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عرش سب مخلوقات سے جسامت میں بڑا اور سب سے اوپر ہے۔ (مدارک التنزیل (تفسیر النسفی)،جلد1،صفحہ573،دار الکلم الطیب، بیروت)

دوم: استواء بمعنی علو ہے، اور علو اللہ عزوجل کی صفت ہے نہ علو مکان بلکہ علو مالکیت و سلطان، یہ دونوں معنی امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ذکر فرمائے ہیں۔

سوم: استواء بمعنی قصد و ارادہ ہے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ﴾ یعنی پھر عرش کی طرف متوجہ ہوا یعنی اس کی آفرینش کا ارادہ فرمایا یعنی اس کی تخلیق شروع کی، یہ تاویل امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری نے افادہ فرمائی۔امام اسمعیل ضریر نے فرمایا "انه الصواب "یہی ٹھیک ہے۔اس کو امام جلال الدین سیوطی نے اتقان میں نقل کیا ہے۔

چہارم: استواء بمعنی فراغ و تمامی کار ہے یعنی سلسلہ خلق و آفرینش کو عرش پر تمام فرمایا اس سے باہر کوئی چیز نہ پائی، دنیا و آخرت میں جو کچھ بنایا اور بنائے گا دائرہ عرش سے باہر نہیں کہ وہ تمام مخلوق کو حاوی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء نے استواء کی یہی اور دیگر تاویلات پر کثیر دلائل دیئے ہیں۔

وہابی اپنے مؤقف پر چند احادیث بھی پیش کرتے ہیں جن میں کئی ضعیف ہیں اور جو صحیح ہیں وہ قابلِ تاویل ہیں:

(1) سنن ابی داود میں ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اِسحاق السِّجِستانی (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ،حَدَّثَنَا يَحْيَى،عَنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافِ،حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ، قَالَ:قُلْتُ:يَا رَسُولَ اللَّهِ،جَارِيَةٌ لِي صَكَكْتُهَا صَكَّةً، فَعَظَّمَ ذَلِكَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ:أَفَلَا أُعْتِقُهَا؟ قَالَ:ائْتِنِي بِهَا، قَالَ:فَجِئْتُ بِهَا، قَالَ:أَيْنَ اللَّهُ؟ قَالَتْ:فِي السَّمَاءِ، قَالَ:مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ:أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ، قَالَ:أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ(حكم الألباني):صحيح" ترجمہ:حضرت معاویہ بن حکم سلمی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!میرے پاس ایک لونڈی ہے جس کو میں نے خوب مارا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارنے کو بات بہت ناگواری

گزری تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو کیا میں اس کو آزاد کردوں؟ آپ نے فرمایا۔ اس کو میرے پاس لے کر آ۔ پس میں اس کو آپ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر۔ پھر پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو اسکو آزاد کردے۔ یہ مومنہ ہے۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن أبي داود، کتاب الایمان والنذور، باب فی الرقبة المؤمنة، جلد3، صفحه 230، المکتبة العصریة، بیروت)

اس حدیث کے متعلق علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا اللہ عزوجل کے متعلق پوچھنا اور عورت کا آسمان کی طرف نسبت کرنا اس بات کی طرف دلیل نہیں کہ معاذ اللہ رب تعالیٰ عرش پر ہے بلکہ رب تعالیٰ کی ذات بلندہ وبالا ہونے کی طرف اشارہ تھا چنانچہ شرح سنن ابی داود میں ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) فرماتے ہیں "قوله: فقالَ: أين اللهُ ؟أی: فقال النبی علیه السلام سائلاً عنها: أين الله؟ إنما أراد علیه السلام أن یَتطلبَ دلیلاً علی أنها مُوحدة، فخاطبَها بما یفهم قصدها؛ إذ من علامات الموحدین: التوجهُ إلی السماء عند الدعاء وطلب الحوائج؛ لأن العرب التی تعبدُ الأصنامَ تطلب حوائجها من الأصنام، والعجم من النیران، فأرادَعلیه السلام الکشفَ عن مُعتقدها هل هی من جملة من آمن؟ فأشارت إلی السماء، وهی الجهة المقصودة عند الموحدین .وقیل: إنما وَجْهُ السؤالِ بـ "أین" هاهنا سُؤال عما یَعتقدُه من جلال الباری، وإشارتها إلی السماء إخبار عن جلالته تعالی فی نفسها، والسماء قبلة الداعین کما أن الکعبة قبلة المصلین، فکما لم یَدل استقبالُ الکعبة علی أن الله جلت قدرته فیها، لم یدل التوجه إلی السماء والإشارة علی أن الله عَزَّ وجَلَّ فیها" ترجمہ: حضور علیہ السلام کا پوچھنا کہ اللہ عزوجل کہاں ہے؟ اس میں آپ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اسے جھانچا جائے کہ وہ مومنہ ہے یا نہیں۔ تو آپ نے اس سے اس طرح خطاب کیا کہ اس کا عقیدہ پتہ چل جائے کہ موحدین کی علامات یہ ہیں کہ وہ دعا وطلب حاجات میں آسمان کی طرف توجہ کرتے ہیں، اسلئے کہ اہل عرب بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان سے حاجتیں طلب کرتے تھے اور اہل عجم نیران سے، تو آپ علیہ السلام نے اس جملہ سے اس کا عقیدہ دیکھا کہ وہ مومنہ ہے یا نہیں؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ یہ مومنوں کے نزدیک جہتِ مقصودہ ہے۔ کہا گیا کہ اس سوال کرنے میں یہ وجہ تھی کہ وہ جلال باری کا اعتقاد رکھتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا آسمان کی طرف اشارہ کرنا اس بات کی خبر دینا ہے کہ وہ اپنے اندر رب تعالیٰ کے جلال کو پاتی ہے اور آسمان دعا مانگنے والوں کا قبلہ ہے جیسے نمازیوں کا قبلہ کعبہ ہے۔ تو جس طرح کعبہ کی طرف منہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ عزوجل کی قدرت کعبہ میں چلی گئی ہے (یعنی اللہ عزوجل کعبہ میں ہے) اسی طرح لونڈی کا آسمان کی طرف اشارہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ عزوجل آسمان

میں ہے۔ (شرح سنن أبی داود، کتاب الصلوٰۃ،باب:تشمیت العاطس فی الصلاۃ،جلد4،صفحہ 186،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

(2) صحیحین میں ابوہریرہ اور صحیح مسلم میں ابوہریرہ وابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"یَنزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالَی کُلَّ لَیلَۃٍ إِلَی السَّمَاءِ الدُّنیَا، حِینَ یَبقَی ثُلُثُ اللَّیلِ الآخِرُ، فَیَقُولُ:مَن یَدعُونِی فَأَستَجِیبَ لَہُ" ترجمہ:ہمارا رب عزوجل ہر رات تہائی رات رہے اس آسمانِ زیریں تک نزول کرتا اور ارشاد فرماتا ہے، ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں۔

(صحیح مسلم،کتاب الصلوٰۃ،باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل، والإجابۃ فیہ،جلد 1،صفحہ 521،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

اس کی شرح بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں":اور ارصادِ صحیحہ متواترہ نے ثابت کیا ہے کہ آسمان وزمین دونوں گول بشکل کُرہ ہیں، آفتاب ہر آن طلوع وغروب میں ہے، جب ایک موضع میں طالع ہوتا ہے تو دوسرے میں غروب ہوتا ہے، آٹھ پہر یہی حالت ہے تو دن اور رات کا ہر حصہ بھی یونہی آٹھ پہر باختلاف مواضع موجود رہے گا اس وقت یہاں تہائی رات رہی تو ایک لحظہ کے بعد دوسری جگہ تہائی رہے گی جو پہلی جگہ سے ایک مقدار خفیف پر مغرب کو ہٹی ہوگی ایک لحظہ بعد تیسری جگہ تہائی رہے گی وعلی ہذا القیاس۔تو واجب ہے کہ مجسمہ کا معبود جن کے طور پر یہ نزول وغیرہ سب معنی حقیقی پر حمل کرنا لازم، ہمیشہ ہر وقت آٹھوں پہر بارھوں مہینے اسی نیچے کے آسمان پر رہتا ہو، غایت یہ کہ جو جو رات سرکتی جائے خود بھی ان لوگوں کے محاذات میں سرکتا ہو خواہ آسمان پر ایک ہی جگہ بیٹھا آواز دیتا ہو، بہرحال جب ہر وقت اسی آسمان پر براج رہا ہے تو عرش پر بیٹھنے کا کون سا وقت آئے گا اور آسمان پر اترنے کے کیا معنی ہوں گے۔"

(فتاوٰی رضویہ،جلد29،صفحہ161،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

حدیث پاک میں جو نزول کا لفظ استعمال ہوا اس کا مطلب ہے نظر رحمت فرمانا،متوجہ ہونا ہے چنانچہ ترتیب الأمالی الخمیسیۃ للشجری میں یحیی بن الحسین الشجری الجرجانی (المتوفی 499ھ) صراحت کرتے ہیں" نُزُولُہُ عَلَی الشَّیءِ إِقبَالُہُ عَلَیہِ لَا یُجَسِّمُ"،ترجمہ:کسی شے پر نازل ہونے کا مطلب اس کی طرف متوجہ ہونا ہے نہ کہ جسم کے ساتھ نازل ہونا ہے۔

(ترتیب الأمالی الخمیسیۃ للشجری،فی فضل لیلۃ النصف من شعبان وفضل صومہ وما یتصل بذلک،جلد 2،صفحہ 141، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(3) ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا یَزِیدُ بنُ خَالِدِ بنِ مَوہَبٍ الرَّملِیُّ، حَدَّثَنَا اللَّیثُ، عَن زِیَادَۃَ بنِ مُحَمَّدٍ، عَن مُحَمَّدِ بنِ کَعبٍ القُرَظِیِّ، عَن فَضَالَۃَ بنِ عُبَیدٍ، عَن أَبِی الدَّردَاءِ، قَالَ:سَمِعتُ رَسُولَ اللَّہِ صَلَّی اللہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنِ اشْتَكَى مِنْكُمْ شَيْئًا، أَوِ اشْتَكَاهُ أَخٌ لَهُ فَلْيَقُلْ رَبَّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ، تَقَدَّسَ اسْمُكَ، أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ، اغْفِرْ لَنَا حُوبَنَا وَخَطَايَانَا، أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ، أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلَى هَذَا الْوَجَعِ، فَيَبْرَأَ (حكم الألباني) ضعيف" ترجمہ: حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جس کو کسی تکلیف کی شکایت ہو یا اس سے اس کا کوئی بھائی شکایت کرے تو اسے چاہیے کہ کہے اے ہمارے پروردگار جو آسمان میں ہے تیرا نام پاک ہے زمین و آسمان پر تیرا ہی کا حکم چلتا ہے جیسے آسمان پر تو نے رحمت کی پس ایسے ہی زمین پر اپنی رحمت نازل فرما ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہماری خطاؤں کو درگذر فرما، تو طیبوں کا رب ہے، اپنی رحمت میں سے رحمت نازل فرما اور اپنی شفا میں سے شفا نازل فرما اس تکلیف پر، تو وہ درد ختم ہو جائے گا۔ البانی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(سنن أبي داود، كتاب الطب،باب كيف الرقى،جلد4،صفحه12،المكتبة العصرية، بيروت)

(4) سنن ابی داود میں ہے "حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الرِّبَاطِيُّ، قَالُوا: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ أَحْمَدُ: كَتَبْنَاهُ مِنْ نُسْخَتِهِ وَهَذَا لَفْظُهُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْحَاقَ، يُحَدِّثُ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، جُهِدَتِ الْأَنْفُسُ، وَضَاعَتِ الْعِيَالُ، وَنُهِكَتِ الْأَمْوَالُ، وَهَلَكَتِ الْأَنْعَامُ، فَاسْتَسْقِ اللَّهَ لَنَا فَإِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللَّهِ وَنَسْتَشْفِعُ بِاللَّهِ عَلَيْكَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَيْحَكَ أَتَدْرِي مَا تَقُولُ؟ وَسَبَّحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتَّى عُرِفَ ذَلِكَ فِي وُجُوهِ أَصْحَابِهِ، ثُمَّ قَالَ: وَيْحَكَ إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللَّهِ عَلَى أَحَدٍ مِنْ خَلْقِهِ، شَأْنُ اللَّهِ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ، وَيْحَكَ أَتَدْرِي مَا اللَّهُ، إِنَّ عَرْشَهُ عَلَى سَمَاوَاتِهِ لَهَكَذَا وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ مِثْلَ الْقُبَّةِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَيَئِطُّ بِهِ أَطِيطَ الرَّحْلِ بِالرَّاكِبِ قَالَ ابْنُ بَشَّارٍ فِي حَدِيثِهِ: إِنَّ اللَّهَ فَوْقَ عَرْشِهِ، وَعَرْشُهُ فَوْقَ سَمَاوَاتِهِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ، وَقَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى: وَابْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ عُتْبَةَ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ وَالْحَدِيثُ بِإِسْنَادِ أَحْمَدَ بْنِ سَعِيدٍ هُوَ الصَّحِيحُ وَافَقَهُ عَلَيْهِ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، وَعَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ، وَرَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، كَمَا قَالَ أَحْمَدُ، أَيْضًا وَكَانَ سَمَاعُ عَبْدِ الْأَعْلَى، وَابْنِ الْمُثَنَّى، وَابْنِ بَشَّارٍ مِنْ نُسْخَةٍ وَاحِدَةٍ فِيمَا بَلَغَنِي (حكم الألباني): ضعيف" ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے سے روایت کرتے

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی بدو آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ مشقت میں پڑ گئے اور گھر بار اور اموال کم ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے ہمارے واسطے بارش طلب فرمائیں ہم اللہ کے پاس آپ کی سفارش چاہتے ہیں اور اللہ کی سفارش آپ کے پاس چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا بُرا ہو جانتا ہے تو کیا کہہ رہا ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی تسبیح بیان کی اور مسلسل تسبیح اور پاکی بیان کرتے رہے یہاں تک کہ (غلط بات کا اثر) آپ کے صحابہ کے چہروں پر بھی ظاہر ہونے لگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے اللہ کی سفارش نہیں کی جاتی کسی پر اس کی مخلوقات میں سے۔ اللہ کی شان اس سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ تجھ پر افسوس ہے کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا عرش اس کے آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا گنبد کی طرح اور بیشک وہ عرش الٰہی چرچراتا ہے جس طرح کہ کجاوہ سواری کے بیٹھنے سے چرچراتا ہے۔ محمد ابن بشار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ بیشک اللہ اپنے عرش کے اوپر ہے اور اس کا عرش آسمانوں کے اوپر ہے اور آگے اسی طرح حدیث بیان کی جبکہ عبد الاعلی اور محمد بن جبیر عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے حدیث بیان کی ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث احمد بن سعید کی روایت والی صحیح ہے اور ایک جماعت نے اس کی موافقت کی ہے جن میں یحیی بن معین، علی بن المدینی ہیں اور اسے ایک جماعت نے ابن اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسے احمد نے کہا اور عبد الاعلی ابن المثنی اور ابن بشار کا سماع ایک ہی نسخہ سے ہے جو مجھے پہنچی ہے۔

البانی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے۔ (سنن أبي داود، كتاب السنة،باب في الجهمية،جلد4،صفحه232،المكتبة العصرية، بيروت)

(5) جامع ترمذی میں محمد بن عیسی بن سَوْرَة الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي قَابُوسَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللَّهُ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم بھی رحمٰن کی شاخ ہے جس نے اس کو جوڑا اللہ بھی اس سے رشتہ جوڑ لے گا۔ اور جو اسے قطع کرے گا اللہ بھی اس سے قطع تعلق کر لے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذي، ابواب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة المسلمين، جلد3، صفحه388، دار الغرب الإسلامي، بيروت)

چوتھی اور پانچویں حدیث پاک کا یہی مطلب ہے کہ آسمانوں میں ہونے سے مراد رب تعالیٰ کی ذات ہونا نہیں بلکہ علم

وقدرت، بلند ذات اور ملائکہ مراد ہیں جیسا کہ اس طرح کی احادیث کے تحت علمائے کرام ملا علی قاری وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے۔

لہٰذا جن آیات وحدیث میں اللہ عزوجل کے لئے جہت ظاہر ہو رہی ہے ان میں تاویل کرنا ضروری ہے۔اگر کوئی وہابی کہے میں نے صرف ظاہر کو ماننا ہے تاویل کو نہیں ماننا تو چند آیات واحادیث پیش خدمت ہیں وہابی ان کا جواب دیں:

قرآن پاک میں ہے ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ﴾ ترجمہ: وہ اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

اس آیت سے ظاہر طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ عزوجل زمینوں میں بھی ہے۔

قرآن پاک میں ہے ﴿وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔

یہاں آسمان میں موجود ہونے کی نفی ہے اور شہ رگ سے قریب ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔

قرآن پاک میں ہے ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ ترجمہ: وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔

یہاں ہر وقت ساتھ ہونا ظاہر ہے۔

اسی طرح احادیث میں ہے۔بخاری ومسلم میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّهُ مَعَكُمْ" ترجمہ: اے لوگو! اپنے آپ پر نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے، تم تو پکارتے ہو سمیع قریب کو، وہ تمہارے پاس ہے۔

(صحيح البخاري، كتاب الجهاد ،باب مايكره من رفع الصوت الخ ،جلد4،صفحه 75،دار طوق النجاة،مصر)

صحیح مسلم میں مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (المتوفی 261ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "وَالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَةِ أَحَدِكُمْ" ترجمہ: وہ ذات جسے تم پکارتے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی قریب تر ہے۔

(صحيح مسلم ،كتاب الذكر والدعاء،باب استحباب خفض الصوت الخ ،جلد4،صفحه 2077،دار إحياء التراث العربي ،بيروت)

الفردوس بمأثور الخطاب میں شیرویہ بن شہردار ابو شجاع الدیلمی الہمذانی (المتوفی 509) نقل کرتے ہیں اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا "خلفك وأمامك وعن يمينك وعن شمالك يا موسى إني جليس عبدي حين يذكرني وأنا معه إذا دعاني" ترجمہ: میں تیرے پیچھے، آگے دائیں اور بائیں ہوں۔اے موسیٰ! میں بندے کا ہم نشین ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

(الفردوس بما ثور الخطاب، باب القاف، جلد3، صفحہ192، حدیث 4533، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا "إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلاَةِ فَإِنَّ اللَّهَ قِبَلَ وَجْهِهِ، فَلاَ يَتَنَخَّمَنَّ أَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهِ فِي الصَّلاَةِ" ترجمہ: جب تم میں کوئی شخص نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے منہ کے سامنے ہے تو ہرگز کوئی شخص نماز میں سامنے کو بلغم نہ ڈالے۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب هل یلتفت لامرینزل به، جلد1، صفحہ151، دارطوق النجاۃ، مصر)

اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے تو ہر پارہ زمین میں نماز پڑھنے والے کے سامنے کیونکر ہوسکتا ہے؟

کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال میں علاء الدین علی بن حسام الدین (المتوفی 975ھ) رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک نقل کرتے ہیں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "الساجد یسجد علی قدمی الله" ترجمہ: سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے۔

(کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، کتاب الصلوۃ، مفسدات الصلاۃ، جلد7، صفحہ 526، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ان احادیث سے زمین پر اور طور پر اور ہر مسجد میں اور بندے کے آگے پیچھے دہنے بائیں اور ہر ذاکر کے پاس اور ہر شخص کے ساتھ اور ہر جگہ اور ہر ایک کی شہ رگ گردن سے زیادہ قریب ہونا ثابت ہے۔ پھر مسند احمد و جامع ترمذی کی حدیث پاک ہے "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الأَرْضِ السُّفْلَى لَهَبَطَ عَلَى اللَّهِ. ثُمَّ قَرَأَ ﴿هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾" ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم سب سے نچلی زمین تک رسی لٹکاؤ تو وہ رسی اللہ تعالیٰ پر گرے گی، پھر آپ نے ﴿هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ کو تلاوت کیا۔

(جامع الترمذی ابواب التفسیر، سورۃ الحدید، جلد5، صفحہ257، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

یہاں سب زمینوں کے نیچے ہونا بظاہر ثابت ہو رہا ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا لیکن ایک دوسری سند کے ساتھ اسی متن کی حدیث المعجم الاوسط میں ہے "حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: نا الْحُسَيْنُ بْنُ عِيسَى بْنِ مَيْسَرَةَ الرَّازِيُّ قَالَ: نا سَلَمَةُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ: نا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ دَلَّيْتُمْ أَحَدَكُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الْأَرْضِ السَّابِعَةِ لَقَدِمَ عَلَى رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ---"

(المعجم الأوسط، باب العین، من اسمہ علی، جلد4، صفحہ 248 دار الحرمین، القاہرۃ)

صحیح بخاری حدیثِ شفاعت میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے "فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ" میں اپنے رب پر اذن طلب کروں گا اس کی حویلی میں تو مجھے اس کے پاس حاضر ہونے کا اذن ملے گا۔

(صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ، جلد9، صفحہ131، دارطوق النجاۃ، مصر)

ظاہر ہے کہ تخت کو حویلی نہیں کہتے، نہ عرش کسی مکان میں ہے، بلکہ وہ بالائے جملہ اجسام ہے، لاجرم یہ حویلی جنّت ہی ہوگی۔

بخاری و مسلم کی حدیث پاک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا، وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا، وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ" ترجمہ: دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور تمام سامان چاندی کا ہے، دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور تمام سامان سونے کا ہے اللہ تعالیٰ کے دیدار اور قوم میں صرف کبریائی کی چادر ہوگی جو جنتِ عدن میں اس کے چہرے پر حائل ہوگی۔

(صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ ﴿ومن دونھما جنتان﴾ جلد6، صفحہ145، دارطوق النجاۃ، مصر)

یہاں جنت عدن میں ہونے کی تصریح ہے۔

المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند جید قوی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثِ دیدار اہل جنت ہر روز جمعہ میں مرفوعاً راوی "فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ نَزَلَ مِنْ عِلِّيِّينَ، فَجَلَسَ عَلَى كُرْسِيِّهِ، وَحَفَّ الْكُرْسِيَّ بِمَنَابِرَ مِنْ ذَهَبٍ مُكَلَّلَةٍ بِالْجَوَاهِرِ، وَجَاءَ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ فَجَلَسُوا عَلَيْهَا" ترجمہ: جب جمعہ کا روز ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ علیین سے کرسی پر نزول فرمائے گا پھر اس کے گرد سونے کے منبر جواہر سے سجے بچھائے جائیں گے، صدقین وشہداء تشریف لاکر ان منبروں پر جلوہ گر ہوں گے۔

(المعجم الاوسط، باب الالف، من اسمہ احمد، جلد2، صفحہ314، دار الحرمین، القاہرۃ)

یہاں علیین سے اُتر کر کرسی پر حلقہ انبیاء وصدیقین وشہداء اور تمام اہل جنت کے اندر تجلی ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے کثیر دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "اقول: یہی آیات واحادیث ہر مجسم خبیث کی دہن دوزی اور ہر مسلم سُنّی کی ایمان افروزی کو بس ہیں۔ اس مجسم سے کہا جائے کہ اگر ظاہر پر حمل کرتا ہے تو ان آیات و احادیث پر کیوں ایمان نہیں لاتا ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾ قرآن پاک کی بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

دیکھ تیرے اس کہنے میں کہ عرش پر ہے اور کہیں نہیں کتنی آیتوں حدیثوں کا صاف انکار ہے، اور اگر ان میں تاویل کی راہ چلتا ہے تو آیاتِ استوا و حدیث مکان میں کیوں حد سے نکلتا ہے، اب یہ تیرا بکنا صریح جھوٹ اور تحکم ٹھہرا کہ تیرا معبود مکان رکھتا اور عرش پر بیٹھتا ہے، اور مومن سُنی کو ان سے بحمد اللہ یوں روشن راستہ ہدایت کا ملتا ہے کہ جب آیات و احادیث عرش و کعبہ و آسمان و زمین و ہر موضع و مقام کے لیے وارد ہیں تو اب تین حال سے خالی نہیں، یا تو ان میں بعض کو ظاہر پر محمول کریں اور بعض میں تفویض و تاویل، یا سب ظاہر پر ہوں یا سب میں تفویض و تاویل، اول تحکم بیجا و ترجیح بلا مرجح اور اللہ عزوجل پر بے دلیل حکم لگا دینا ہے، اور شق دوم قطع نظر اُن قاطعہ قاہرہ دلائل زاہرہ تنزیہ الٰہی کے یوں بھی عقلاً ونقلاً ہر طرح باطل کہ مکینِ واحد وقتِ واحد میں امکنہ متعددہ میں نہیں ہوسکتا تو ہر جگہ ہونا اُسی صورت پر بنے گا کہ ہوا کی طرح ہر جگہ بھرا ہوا اور اس سے زائد شنیع و ناپاک اور بداہۃً باطل کیا بات ہوگی کہ ہر نجاست کی جگہ، ہر پاؤں کے تلے ہر شخص کے منہ، ہر مادہ کے رحم میں ہونا لازم آتا ہے۔ اور پھر جتنی جگہ مکانوں پہاڑوں وغیرہ اجسام سے بھری ہوئی ہے بعینہ اس میں بھی ہو تو تداخل ہے اور نہ ہو تو اس میں کروڑوں ٹکڑے پرزے جوف سوراخ لازم آئیں گے، اور جو نیا پیڑ اُگے نئی دیوار اُٹھے تیرے معبود کو سمٹنا پڑے ایک نیا جوف اس میں اور بڑھے اور اب استوا کے لیے عرش اور دار کے لیے جنت بیت کے لیے کعبے کی کیا خصوصیت رہے گی۔ لاجرم شق سوم ہی حق ہے اور آیاتِ استوا سے لے کر یہاں تک کوئی آیت و حدیث ان محال و بے ہودہ معنی پر محمول نہیں جو ناقص افہام میں ظاہر الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں بلکہ تفہیم عوام کے لیے اُن کے پاکیزہ معانی ہیں، اللہ عزوجل کے جلال کے لائق جنہیں ائمہ کرام اور خصوصاً امام بیہقی نے کتاب الاسماء میں مشرحاً بیان فرمایا اور ان کی حقیقی مراد کا علم اللہ عزوجل کو سپرد ہے "امنا به كل من عند ربنا وما يذكر الا اولو الالباب oوالحمد الله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد واله و صحبه اجمعين امين" ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اور درود و سلام نازل ہو سید المرسلین محمد مصطفیٰ پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔ آمین۔"

(فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ188، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا اللہ عزوجل کے لئے مکان ثابت کرنا جائز نہیں ہے یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ عزوجل آسمانوں پر ہے یا ہر جگہ ہے بلکہ کہا جائے کہ اللہ عزوجل واجب الوجود ہے، مکان سے پاک ہے اور علم وقدرت کے ساتھ ہر جگہ ہے۔ یہی اسلاف کا مذہب ہے۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ عزوجل کے لئے اپنے فہم کے ساتھ قرآن وحدیث سے استدلال کر کے مکان ثابت کرے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ، أنا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ حَيَّانَ، ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ

مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ، ثنا أَبُو حَاتِمٍ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: مَا وَصَفَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ نَفْسَهُ فَتَفْسِيرُهُ قِرَاءَتُهُ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُفَسِّرَهُ إِلَّا اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، أَوْ رُسُلُهُ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ" ترجمہ: حضرت اسحاق بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں جو اللہ عزوجل نے اپنے متعلق فرمایا ہے کسی کو اجازت نہیں کہ خود سے اس کی تفسیر بیان کرے مگر جو اللہ عزوجل اور اس کے رسولوں نے تفسیر بیان کی (وہی معتبر ہے۔)

(الأسماء والصفات للبيهقي، باب ما جاء في قول الله عز وجل ﴿الرحمن على العرش استوى﴾، جلد 2، صفحه 338، مكتبة السوادي، جدة، المملكة العربية السعودية)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کی طرح وہابیوں کے نزدیک بھی مستند شخصیت ہیں، وہ تحفہ اثناء عشریہ میں اہل سنت کے عقیدہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں "آنکہ حق تعالی رامکان نیست و اُوراجھتے از فوق و تحت متصور نیست وهمینست مذهب اهل سنت و جماعت" ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لئے مکان اور فوق و تحت کی جہت متصور نہیں ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

(تحفه اثنا عشريه، باب پنجم در الهيات، صفحه 141، سهيل اكيڈمی، لاہور)

## یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا

اہل سنت کے نزدیک حضور علیہ السلام کے ظاہری وصال کے بعد بھی انہیں یارسول اللہ کہہ کر پکارنا جائز ہے اور یہ احادیث سے ثابت ہے۔ الأدب المفرد میں میں محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حدثنا أبو نعيم قال حدثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: خَدِرَتْ رِجْلُ ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: اُذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ" ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں سو گیا۔ ان سے کسی نے کہا کہ جن سے سب لوگوں سے زیادہ محبت کرتے ہو انہیں یاد کرو تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "یا محمد" کہا۔

(الادب المفرد، صفحه 335، دار البشائر الإسلامية، بيروت)

وہابی مولوی البانی نے اس حدیث کو ضعیف ٹھہرایا چنانچہ الادب المفرد کے حاشیہ میں میں عبد الباقی نے لکھا "(قال الشيخ الألباني) ضعيف" ترجمہ: شیخ البانی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(الادب المفرد، صفحه 335، دار البشائر الإسلامية، بيروت)

جبکہ یہ حدیث ضعیف نہیں ہے بلکہ صحیح حدیث پاک ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(1) ابونعیم الفضل بن دکین امام بخاری کے کبار شیوخ ثقہ میں سے ہیں اور تاریخ الِاسلام وَوَفیات المشاہیر وَالأعلام میں شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (المتوفی 748ھ) نے ان کی شان میں کثیر ائمہ کے اقوال نقل کئے۔

(2) سفیان سے مراد سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔تاریخ الثقات میں ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی (المتوفی 261ھ) سفیان ثوری کو ثقہ، عابد وزاہد کہا گیا ہے۔اس کے علاوہ دیگر کتب میں انہیں فقیہ، بے مثل اور کئی القابات سے نوازا گیا۔

(3) ابواسحاق السبیعی کوفی تابعی کو معرفۃ الثقات من رجال اہل العلم والحدیث ومن الضعفاء وذکر مذاہبہم واخبارہم میں ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی (المتوفی 261ھ) نے ثقہ کہا۔تہذیب الأسماء واللغات میں امام نووی ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی 676ھ) نے ثقہ کہا۔

(4) عبدالرحمٰن بن سعد قرشی بھی ثقہ تھے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ) نے ابن حبان اور امام نسائی کے حوالے سے ان کا ثقہ ہونا لکھا ہے۔

اس متن کی دیگر اسناد کے ساتھ بھی روایات ہیں جنہیں ''عمل الیوم واللیلۃ سلوک النبی مع ربہ عزوجل ومعاشرتہ مع العباد میں'' احمد بن محمد الدینوری (المتوفی 364ھ) نے روایت کیا ہے۔

وہابیوں کے نزدیک یارسول اللہ کہنا شرک ہے، یہی وجہ ہے کہ وہابی فرض عین سمجھتے ہوئے مساجد اور دیگر جگہوں پر یارسول اللہ لکھا ہو لفظ ''یا'' کو مٹا دیتے ہیں۔وہابیوں کے پاس اس عقیدہ پر کوئی دلیل نہیں سوائے بتوں والی آیات کے جنہیں وہ یہاں منطبق کر کے مسلمانوں کو ابوجہل سے بڑا مشرک کہتے ہیں۔وہابیوں کے نزدیک یہ حدیث بڑی آزمائش ہے کہ ان کی خودساختہ عقیدہ کو یہ حدیث تباہ و برباد کر رہی ہے اسلئے وہابیوں نے اس حدیث پر کچھ اعتراضات کئے ہیں چنانچہ وہابی مولوی شیخ عبدالرحمٰن اس حدیث پاک کے تحت اپنی کتاب ''الجواب المفصّل عن شبہات فی التوسل'' میں لکھتا ہے "أولاً: الحديث ضعيف ، ففي إسناده أبو إسحاق السبيعي ، وهو قد اختلط وتغيّر بأخرة ، وهو مُدلّس أيضا .فالحديث ضعيف كما بيّنه الشيخ الألباني في تخريج "الكلِم الطيب" وفي "ضعيف الأدب المفرَد" ثانياً:ليس في الحديث عند البخاري في الأدب المفرد حرف النداء (يا) بل (محمد) بدون يا النداء .ثالثا:لو صحّ الأثر ليس فيه مُستمسك على الاستغاثة بالأموات ولا بالتوسّل بهم ، بل غاية ما فيه ذِكر اسم من تُحبّ .ولم يَقُل ابن عمر ولا غيره من

الصحابة بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم:يا محمد أغثني ، ولا يا محمد اشفِ مريضي ، أو اقضِ حاجاتي" ترجمہ: اولا: یہ حدیث ضعیف ہے کہ اس کی سند میں اسحاق سبیعی ہے جسے آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا اور وہ مدلس بھی ہے، تو یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ شیخ البانی نے ''الکلم الطیب'' میں اور ''ضعیف الادب المفرد'' میں بیان کیا ہے۔ ثانیا: امام بخاری کی الادب المفرمیں حرف نداء یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے بلکہ فقط لفظ ''محمد'' بغیر ''یا'' کے ہے۔ ثالثا: اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس سے فوت شدگان سے مدد طلب کرنا یا ان کا وسیلہ دینا ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس سے محبت ہو اس کا ذکر کیا جائے۔ حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد یہ نہیں فرمایا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری مدد فرمائیں'' نہ یہ فرمایا: اے محمد مجھے مرض سے شفا دیں، میری حاجت پوری فرمائیں۔

(الجواب المفصّل عن شبهات في التوسل،صفحه16مكتبة شبكة مشكاة الإسلامية)

وہابی مولوی صاحب کے کلام کا جواب یوں ہے:

(1) وہابی مولوی صاحب کا کہنا کہ روایت میں لفظ ''یا'' نہیں ہے بلکہ صرف ''محمد'' لکھا ہے، یہ وہابی مولوی صاحب کی کم علمی ہے۔ درحقیقت ادب المفرد کے صحیح نسخہ میں لفظ ''یا محمد'' ہی تھا، پہلے وہابیوں نے اس میں سے لفظ ''یا'' ختم کیا اور بعد میں پوری حدیث ہی غائب کردی۔ اس پر تفصیلی کلام فقیر نے اپنی کتاب ''دین کس نے بگاڑا؟'' میں کیا ہے۔

(2) وہابی مولوی نے کہا اس حدیث میں جس سے محبت کرتے ہوں اسے یاد کرنا ثابت ہے۔ ثابت ہوا کہ وہابیوں کے نزدیک بطور محبت ''یا محمد'' کہنا جائز ہے۔ لہٰذا وہابیوں کو چاہئے یارسول اللہ کہنے پر شرک کے فتوے دینا چھوڑ دیں بلکہ کہاں کریں کہ محبت کے ساتھ یارسول اللہ کہنا جائز ہے۔ الحمد للہ اہل سنت وجماعت محبت میں یارسول اللہ کہتے ہیں۔

(3) وہابی مولوی صاحب کا کہنا کہ اس روایت سے فوت شدگان سے استغاثہ کرنا اور توسل کرنا صحیح نہیں کہ صحابہ نے اس طرح استغاثہ نہیں کیا تھا۔ یہ وہابی مولوی صاحب کی جہالت ہے۔ حضرت ابن عمر کا پاؤں سو گیا تھا اور پاؤں سونا ایک تکلیف ہے جسے دور کرنے کے لئے ابن عمر نے ''یا محمد'' کہا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر آثار و بزرگان دین کی روایات ہیں کہ صحابہ کرام و بزرگان دین نے مصیبت کے وقت حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں استغاثہ کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

(4) وہابی مولوی صاحب کا کہنا کہ یہ حدیث ضعیف کہ اس میں ابو اسحاق مدلس ہے اور انہیں آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔ یہ وہابی مولوی صاحب کی علوم حدیث سے دوری اور البانی کی پکی تقلید ہے۔

ابو اسحاق کو آخری عمر کے چند سالوں میں اختلاط ہوا تھا اور اختلاط بھی قلیل ہوا تھا اور امام ذہبی نے اختلاط ہونے کی نفی

فرمائی ہے۔اختلاط کے بعد ان سے جنہوں نے سماع کیا وہ ابن عیینہ تھے۔موجودہ روایت میں سفیان ثوری ہیں۔سفیان ثوری نے اختلاط سے قبل سماع کیا ہے چنانچہ مسند احمد کے حاشیہ میں شعیب الأرنؤوط لکھتا ہے"سفیان:هو ابن سعید الثوری، وأبو إسحاق:هو عمرو بن عبد الله السبیعی وسماع سفیان منه قدیم قبل تغیره" ترجمہ:سفیان یہ ابن سعید ثوری ہے۔ابو اسحاق وہ عمرو بن عبداللہ سبیعی ہے اور سفیان کا اسحاق سے سماع اختلاط سے قبل قدیم ہے۔

(مسند الإمام احمد بن حنبل،مسند عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه ،جلد1،صفحه 245، مؤسسة الرسالة،بیروت)

پھر اسی متن کی روایت دوسری سند کے ساتھ بھی ہے جس میں سفیان ثوری کی جگہ ابوبکر بن عیاش ہے چنانچہ عمل الیوم واللیلة سلوک النبی مع ربه عز وجل ومعاشرته مع العباد میں احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری (المتوفی 364ھ) روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْأَنْمَاطِيُّ، وَعَمْرُو بْنُ الْجُنَيْدِ بْنِ عِيسَى، قَالَا:ثنا مُحَمَّدُ بْنُ خِدَاشٍ، ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، ثنا أَبُو إِسْحَاقَ السَّبِيعِيُّ، عَنْ أَبِي شُعْبَةَ، قَالَ:كُنْتُ أَمْشِي مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَخَدِرَتْ رِجْلُهُ، فَجَلَسَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ:اذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ .فَقَالَ :يَا مُحَمَّدَاهُ فَقَامَ فَمَشَى" ترجمہ:ابوشعبہ نے فرمایا:میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا کہ ان کا پاؤں سو گیا تو وہ بیٹھ گئے۔کسی نے کہا جسے سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں انہیں یاد کریں تو حضرت ابن عمر نے فرمایا:''یا محمداہ'' پھر کھڑے ہوئے اور چلنے لگے۔

(عمل الیوم واللیلة سلوک النبی مع ربه عز وجل ومعاشرته مع العباد،صفحه141،مؤسسة علوم القرآن ،بیروت)

ابوبکر بن عیاش ثقہ راوی ہے جیسا کہ سیر اعلام النبلاء میں امام ذہبی نے فرمایا ہے۔ان کے نام کے متعلق اختلاف ہے زیادہ مشہور شعبہ ہے۔

جہاں تک ابواسحاق کے مدلس ہونے کا تعلق ہے تو ان کی تدلیس مضر نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس والی حدیث اس کی شاہد ہے۔پھر حضرت ابواسحاق تابعی ہیں بوجہ تدلیس اسے مرسل بھی مانا جائے تو تابعین کی مرسل قابل قبول ہے۔علمائے تابعین مثلاً سعید بن مسیّب، قاسم، سالم، حسن، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ، مکحول، ابواسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحیی بن کثیر، اسمعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمن تیمی، امام مالک ومحمد اور سفیانین کی کثیر روایات مرسل ہیں جن کو حجت بنایا جاتا ہے۔ مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے کہ صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقاً مقبول ہیں اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں یہ سب لوگ اسے مطلقاً مقبول رکھتے ہیں ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو 200

ہجری کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔

کئی وہابی مولوی حضرت سفیان ثوری کو بھی مدلس قرار دیتے ہوئے ان کی روایت کو ضعیف کہتے ہیں جبکہ حضرت سفیان ثوری کی تدلیس قابل قبول ہے اور یہ طبقات میں دوسرے درجہ میں ہیں اور بہت کم تدلیس کرتے ہیں اور جمہور علماء کے نزدیک ایسی راوی کی معنعن والی روایتیں صحیح ہونگی جو کم تدلیس کرتے ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب ''تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس'' میں حضرت سفیان ثوری کو دوسرے طبقہ میں درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں "سفیان بن سعید الثوری الامام المشهور الفقیه العابد الحافظ الکبیر وصفه النسائی وغیره بالتدلیس وقال البخاری ما أقل تدلیسه" ترجمہ: سفیان بن سعید ثوری مشہور امام فقیہ، عابد حافظِ کبیر ہیں۔ تدلیس کے ساتھ امام نسائی وغیرہ ائمہ نے ان کی صفت بیان کی ہے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ ان کی تدلیس بہت کم ہے۔

(تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس، صفحہ 32، مکتبة المنار، الأردن)

امام نسائی، امام ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان نے امام سفیان ثوری کی روایت لی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان ائمہ کے نزدیک سفیان ثوری کی عن والی روایات صحیح ہیں۔

ثابت ہوا کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ بالفرض البانی کے کہنے کے مطابق اسے ضعیف بھی مانا جائے تب یہ حدیث مختلف اسناد سے مروی ہونے کے سبب ضعیف نہیں ہے۔ ایک روایت حضرت ابن عباس سے بھی اس طرح کی مروی ہے۔ بلکہ مدینہ میں قدیم سے "یَا مُحَمَّدَاهُ" کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔ علامہ شہاب خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں" هذا مما تعاهده اهل المدينة "ترجمہ: یہ اہل مدینہ کے معمولات میں سے ہے۔

(نسیم الریاض شرح الشفاء، فصل فیماروی عن السلف، جلد3، صفحہ355، مرکز اہلسنت برکاتِ رضا، گجرات)

پھر امام بخاری سمیت تمام محدثین وعلمائے کرام نے اس حدیث پاک کو نقل کرنے سے پہلے یہ باب بنایا"مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا خدرت رجله" کہ جب پاؤں سو جائے تو کیا پڑھا جائے یعنی ان سب کا عقیدہ یہ تھا کہ پاؤں سونے پر یا محمد کہنا جائز ہے۔ بلکہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں بغیر ضعیف کہے یہی فصل بنا کر کہ پاؤں سونے پر کیا پڑھا جائے۔ اس حدیث پاک کو دوسری سند کے ساتھ نقل کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں"عن الهيثم بن حنش قال: كنا عند عبد الله بن عمر رضى الله عنهما، فخدرت رجله فقال له رجل: اذكر أحب الناس إليك، فقال: يا محمد، فكأنما نشط من عقال" ترجمہ: حضرت ہیثم بن حنش سے مروی ہے ہم عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ کا پاؤں سو گیا۔ کسی نے کہا جس سے زیادہ

پیار کرتے ہیں انہیں یاد کریں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ''یا محمد'' تو آپ کا پاؤں ٹھیک ہو گیا۔

(الكلم الطيب،في الرجل إذا خدرت،صفحه96،دار الفكر، بيروت)

ایک اور صحیح حدیث پاک جسے نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، السنن الکبریٰ للنسائی، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، ابن خزیمہ، طبرانی وحاکم وبیہقی نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی وبیہقی نے صحیح اور حاکم نے برشرط بخاری ومسلم صحیح کہا اور امام حافظ الحدیث زکی الدین عبدالعظیم منذری وغیرہ نے روایت کیا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز کے ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)'' کہے۔ پوری حدیث پاک یوں ہے ''حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورِ بْنِ سَيَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدَنِيِّ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ فَقَالَ: ادْعُهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ، وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ** . قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ (حكم الألباني) صحيح'' ترجمہ: حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ عزوجل سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت دے (یعنی آنکھیں دیدے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے یہ موخر کردوں (یعنی آخرت میں تجھے اس کا صلہ ملے) اور یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تو چاہے تو ابھی دعا کروں۔ اس نے عرض کی: دعا کردیں۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت پڑھو پھر یہ دعا پڑھو: الٰہی! میں تجھ سے مدد مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو رحمت کے نبی ہیں، یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں تاکہ میری حاجت روائی ہو، الٰہی! انہیں میرا شفیع کر ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ ابو اسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ البانی نے بھی اسے صحیح کہا۔

(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها،باب ما جاء في صلاة الحاجة،جلد 1،صفحه 441،حديث 1385، دار احياء الكتب العربية، الحلبي)

یہ دعا فقط آپ علیہ السلام کی حیات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ آپ علیہ السلام کے ظاہری وصال کے بعد بھی اس دعا

کا پڑھنا ثابت ہے چنانچہ عمل الیوم واللیلۃ سلوک النبی مع ربہ عز وجل ومعاشرتہ مع العباد میں احمد بن محمد الدِّینَوَرِیُّ، المعروف ابن السُّنِّی (التوفی 364ھ) باب باندھا "بَابُ مَا يَقُولُ لِمَنْ ذَهَبَ بَصَرُهُ" یعنی جس کی نظر ختم ہوگئی ہو اس کے لئے پڑھنے والی دعا۔ گویا نابینے شخص کے لئے آج بھی یہ دعا پڑھنا مفید ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری وصال کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی دعا ایک صاحب حاجتمند کو تعلیم فرمائی چنانچہ الدعاء للطبرانی میں سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی الطبرانی (المتوفی 360ھ) نے باب باندھا "بَابُ الْقَوْلِ عِنْدَ الدُّخُولِ عَلَى السُّلْطَانِ" سلطان کے پاس داخل ہونے کی دعا۔ اس میں یہ روایت نقل کی "حَدَّثَنَا طَاهِرُ بْنُ عِيسَى الْمُقْرِءُ الْمِصْرِيُّ، ثنا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ، ثنا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْخَطْمِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ عَمِّهِ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي حَاجَتِهِ وَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ، فَلَقِيَ ابْنَ حُنَيْفٍ فَشَكَا ذَلِكَ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ، فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ وَقُلْ: **اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا نَبِيِّ الرَّحْمَةِ :يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ فَيَقْضِي لِي حَاجَتِي** ،وَتَذْكُرُ حَاجَتَكَ .حَتَّى أَرُوحَ مَعَكَ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهُ، ثُمَّ أَتَى بَابَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَجَاءَهُ الْبَوَّابُ حَتَّى أَخَذَ بِيَدِهِ فَأَدْخَلَهُ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَى الطِّنْفِسَةِ فَقَالَ: حَاجَتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ وَقَضَاهَا لَهُ، وَقَالَ لَهُ: مَا فَهِمْتُ حَاجَتَكَ حَتَّى كَانَ السَّاعَةُ، وَقَالَ لَهُ: مَا كَانَ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَسَلْ، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ عُثْمَانَ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ فَقَالَ لَهُ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا مَا كَانَ يَنْظُرُ إِلَيَّ فِي حَاجَتِي وَلَا يَلْتَفِتُ إِلَيَّ حَتَّى كَلَّمْتَهُ فِيَّ، فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: مَا كَلَّمْتُهُ فِيكَ، وَلَكِنِّي شَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ ضَرِيرٌ فَشَكَا إِلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَ تَصْبِرُ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ: ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ ادْعُ بِهَذِهِ الدَّعَوَاتِ قَالَ ابْنُ حُنَيْفٍ: وَاللَّهِ مَا تَفَرَّقْنَا حَتَّى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرَرٌ قَطُّ" یعنی ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لیے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا، امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات فرماتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر دعا مانگ ''الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں، **یارسول اللہ!** میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے۔'' اور اپنی حاجت ذکر کر، پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔ حاجتمند نے (کہ وہ بھی صحابی یا لاقل کبار تابعین میں سے تھے۔) یوں ہی کیا، پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوئے، دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا، امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا، مطلب پوچھا، عرض کیا، فوراً روا فرمایا پھر ارشاد کیا: اتنے دنوں میں تم نے اس وقت اپنی حاجت کہی۔ پھر فرمایا: جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف سے ملے اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے تو تمہارے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہوا یہ کہ میں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یونہی اس سے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر یہ دعا کرے۔ خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی وہ اندھا نہ تھا۔

(الدعاء للطبرانی ،باب القول عند الدخول علی السلطان،صفحہ320، دار الکتب العلمیة،بیروت)

امام طبرانی پھر امام منذری فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک پر یارسول اللہ کہہ کر سلام کرنا کثیر مستند دلائل سے ثابت ہے بلکہ صحابہ کرام سے ثابت ہے اور قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ثابت ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کے مزار پر آکر کہیں گے ''یا محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ وہابی دیوبندیوں کے نزدیک بھی روضہ مبارک پر یارسول اللہ کہنا جائز ہے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ یہاں کو جائز ہو گیا اور پاکستان سے کوئی یارسول اللہ کہے وہ شرک کیسے ہو گیا؟ تو اس کے جواب میں دیوبندی وہابی کہتے ہیں روضہ مبارک کے پاس حضور سنتے ہیں۔ اس کے جواب میں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شرک تو شرک ہوتا ہے دور سے کہا جائے یا قریب سے حکم ایک ہوتا ہے۔ پھر روضہ مبارک کے پاس آپ کیسے سن سکتے ہیں جب درمیان میں دیوار ہے پھر اندر ایک کمرہ ہے کمرہ کے بعد ایک سیسہ کی دیوار ہے جسے نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے بنایا تھا اس کے بعد آپ علیہ السلام اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں مبارک ہیں۔ ایک شخص آہستہ سے آپ علیہ السلام کو سلام کرے تو اتنی دور تک کیسے آواز

جائے گی؟ وہابی اس پر کہتے ہیں اللہ عزوجل پہنچانے والا ہے۔اس پر ہم کہتے ہیں جو اللہ عزوجل روضہ کے پاس کھڑے زائر کی آواز پہنچانے والا ہے وہی پاکستان سے امتی کی آواز بھی پہنچانے والا ہے۔

ہر نمازی تشہد میں ''ایھا النبی'' پڑھتا ہے جس کا مطلب ہے ''اے نبی''۔اگر یارسول اللہ کہنا شرک ہوتو کیا معاذ اللہ ہر نماز پڑھنے والا مشرک ہوگیا؟

وہابی اوپر پیش کئے گئے دلائل اور مزید اس پر جو روایات ہیں اس کے متعلق عجیب وغریب تاویلات کرتے ہیں کہ اس میں محبت کے ساتھ یارسول اللہ کہنے کا ثبوت ہے یا یہ بطور حکایت ہے، مصیبت میں پکارنا ثابت نہیں ہو رہا۔ جواباً ہم کہتے ہیں کہ شرک شرک ہوتا ہے پیار سے کیا جائے یا کسی اور طریقے سے اگر تمہارے نزدیک یارسول اللہ کہنا شرک ہے تو پھر پیار سے کہنا کیسے جائز ہوگیا؟ تم تو پیار سے نہیں کہتے جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ تم پیار سے حضور علیہ السلام کو پکارنے سے محروم ہو۔

ذیل میں چند روایات پیش کی جاتی ہیں قارئین خود فیصلہ کریں کہ ان میں جو یارسول اللہ پکارا جارہا ہے وہ فقط محبت کے ساتھ خاص ہے یا مصیبت میں بھی آپ کو پکارنا ثابت ہے؟

الکامل فی التاریخ میں ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد الشیبانی الجزری عزالدین ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ حضرت بلال بن الحارث مُزنی سے قحطِ عام الرمادہ میں کہ بعد خلافتِ فاروقی 18ھ میں واقع ہوا، ان کی قوم بنی مزینہ نے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں کوئی بکری ذبح کیجئے فرمایا بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے، انہوں نے اصرار کیا، آخر ذبح کی، کھال کھینچی تو نری سرخ ہڈی نکلی، یہ دیکھ کر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ندا کی ''یَا مُحَمَّدَاہُ'' پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لاکر بشارت دی۔

(الکامل فی التاریخ، ثم دخلت سنة ثمان عشرة، جلد2، صفحہ374، دار الکتاب العربی، بیروت)

تاریخ الطبری میں محمد بن جریر الطبری (المتوفی 310ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت فاطمہ کی شہزادی اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن تھیں جب کربلا کے میدان میں ان کو قیدی بنا کر یزید کے دربار میں لے کر جارہے تھے کہ آپ نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت کے جسم مبارک کو کربلا کے میدان میں بے یارومددگار دیکھا تو فرمایا''یَا مُحَمَّداہ، یَا مُحَمَّداہ!صلی عَلَیكَ ملائكة السماء ، هَذَا الحُسَین بالعراء ،مرمل بالدماء،مقطع الأعضاء، یَا مُحَمَّداہ!و بناتك سبایا،و ذریتك مقتلة،تسفی عَلَیهَا الصبا'' یعنی یامحمداہ یامحمداہ آپ پر آسمان کے فرشتوں کا درود ہو۔ یہ حسین کھلے میدان میں خون آلودہ کٹے اعضاء کے ساتھ پڑا ہے۔ یامحمداہ آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ کی اولاد شہید ہوگئی۔ ہوا

ان پر خاک اڑا رہی ہے۔ (تاریخ الطبری ،مقتل الحسین رضوان اللہ علیہ ،جلد5،صفحہ456، دار التراث ،بیروت)

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں یوں عرض کی:

یار حمة للعلمین ارحم بزین العابدین    محبوس الظالمین فی موکب و المزدحم

ترجمہ: اے رحمۃ للعالمین زین العابدین پر رحم فرمائیں کہ وہ بڑے لشکر میں پھنسا ہوا ہے۔

(فتاوی اویسیہ ،جلد1،صفحہ370،صدیقی پبلیشرز ،کراچی)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں:

یا اکرم الثقلین یا کنزا لوری    بدلی بجودك و ارضنی برضاك

انا طامع بالجود منك لم یكن    لابی حنیفة فی الانام سواك

ترجمہ: اے موجودات کے اکرام اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا، مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی خوش کیجئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا مخلوق میں کوئی نہیں۔

(فتاوی بریلی ،صفحہ386،شبیر برادرز ،لاہور)

جنگ یمامہ جس میں مسلیمہ کذاب کو صحابہ کرام نے واصل جہنم کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید کو سپاہ سالار بنا کر بھیجا۔ الکامل فی التاریخ میں ابو الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم ابن الأثیر (المتوفی 630ھ) اور البدایۃ والنہایۃ میں ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (المتوفی 774ھ) "وَکَانَ شِعَارُھُم یَوْمَئِذٍ یَا مُحَمَّدَاہ" یعنی اس جنگ میں مسلمانوں کا شعار (نشانی) یا محمداہ تھا۔

(البدایة والنہایة،مقتل مسیلمة الکذاب لعنه الله وأخزاه،جلد6،صفحہ324، دار الفکر،بیروت)

امام مجتہد فقیہ اجل عبد الرحمٰن ہذلی کوفی مسعودی جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور اجلہ تبع تابعین و اکابر ائمہ مجتہدین سے ہیں۔ ان کے متعلق میزان الاعتدال فی نقد الرجال میں امام ذہبی (المتوفی 748ھ) لکھتے ہیں "قال الهیثم بن جمیل رأیته وعلی رأسه قلنسوته اطول من ذراع مکتوب فیها مُحَمد یا منصورُ" ترجمہ: ہیثم بن جمیل نے کہا: میں نے اُن کو دیکھا ان کے سر پر ہاتھ بھر سے لمبی ٹوپی تھی جس میں لکھا ہوا تھا۔ محمد یا منصور (محمد اے مددگار۔)

(میزان الاعتدال فی نقد الرجال،عبد الرحمن بن عبد الله ،جلد2،صفحہ574،دار المعرفة ،بیروت)

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان یا رسول اللہ کہتے آئے ہیں اور یہ پکارنا محبت، نشانی، مصیبت ہر قسم کے موقع پر تھا۔ الحمد للہ عزوجل نے ہم اہل سنت یا رسول اللہ جو پکارتے ہیں وہ فقط مصیبت کے وقت بطور فریاد نہیں

ہوتا بلکہ محبت، اپنے سنی ہونے کی نشانی کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ اوپر روایتوں سے ثابت ہے۔ وہابی دیوبندی اسے شرک کہتے ہیں لیکن ان کے پاس ایک بھی روایت تو کیا کسی مستند عالم کا قول نہیں جس میں انہوں نے کہا ہو یارسول اللہ کہنا شرک ہے۔ شرک تو تب ہو جب کوئی معاذ اللہ آپ علیہ السلام کو خدا سمجھ کر پکارتا ہو، جو مسلمانوں سے متصور نہیں ہاں وہابی ہمیشہ کی طرح بہتان باندھ کر یہ کہیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

## حیاتِ انبیاء علیہم السلام اور وہابی عقائد

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اس پر احادیث موجود ہیں۔ مسند احمد، ابن ابی شیبۃ، ابو داوٗد، نسائی، ابن ماجہ، الدارمی، ابن خزیمۃ، ابن حبان، الحاکم، طبرانی، بیہقی شریف میں صحیح حدیث پاک موجود ہے "حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ قُبِضَ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ يَقُولُونَ: بَلِيتَ؟ فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ (قال الشيخ الألباني: صحيح)" ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن فوت ہوئے، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن چیخ کی آواز سنائی جائے گی۔ تو اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی درود پیش کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمایا دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ شیخ البانی (موجودہ دور کے وہابیوں کے امام) نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ابو دائود، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل یوم الجمعة وليلة الجمعة، جلد1، صفحہ342، دار الفکر، بیروت)

امام حاکم و امام ذہبی اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (التعليق من تلخيص الذهبي) عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ" ترجمہ: یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے تحت صحیح ہے، شیخین نے روایت نہیں کی۔ تعلیق من تلخیص الذہبی میں ہے یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، جلد4، صفحہ604، دار الکتب العلمية، بیروت)

مسند احمد میں اس حدیث کے تحت کہا گیا ہے "إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ" یعنی اس حدیث کی سند اور راوی سب صحیح ہیں۔ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث أوس بن أبي أوس الثقفي، جلد4، صفحه8، مؤسسة قرطبة، القاہرة)

عون المعبود شرح سنن ابی داود میں وہابی مولوی محمد اشرف العظیم آبادی (المتوفی 1329ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتا ہے "(إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ) أَيْ مَنَعَهَا وَفِيهِ مُبَالَغَةٌ لَطِيفَةٌ (أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ) أَيْ مِنْ أَنْ تَأْكُلَهَا فإن الأنبياء في قبورهم أحياء قال بن حَجَرٍ الْمَكِّيُّ وَمَا أَفَادَهُ مِنْ ثُبُوتِ حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ حَيَاةً بِهَا يَتَعَبَّدُونَ وَيُصَلُّونَ فِي قُبُورِهِمْ مَعَ اسْتِغْنَائِهِمْ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ كَالْمَلَائِكَةِ--- وَقَدْ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ إِلَى أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهِ وَأَنَّهُ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ أُمَّتِهِ وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَبْلُونَ مَعَ أَنَّ مطلق الإدراك كالعلم والسماع ثابت سائر الموتى وقد صح عن بن عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُرُّ عَلَى قَبْرِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ وَفِي رِوَايَةٍ بِقَبْرِ الرَّجُلِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ وَلِابْنِ أَبِي الدُّنْيَا إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ يَعْرِفُهُ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهُ وَإِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا يَعْرِفُهُ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَصَحَّ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ إِلَى الْبَقِيعِ لِزِيَارَةِ الْمَوْتَى وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ وَوَرَدَ النَّصُّ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فِي حَقِّ الشُّهَدَاءِ أَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ يُرْزَقُونَ وَأَنَّ الْحَيَاةَ فِيهِمْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَسَدِ فَكَيْفَ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ رَوَاهُ الْمُنْذِرِيُّ وَصَحَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَرَرْتُ بِمُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ" ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمایا یعنی زمین کو انبیاء علیہم السلام کے جسم کھانے سے منع کیا اور اس میں مبالغہ لطیفہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ ابن حجر مکی نے فرمایا اس سے جو فائدہ ہوا وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور وہ کھانے پینے سے مستغنی ہیں جیسا کہ فرشتے ہیں۔ محققین کی جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے وصال کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امت کے نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں۔ اور بے شک انبیاء علیہم السلام (کے جسم، علم وسماعت کے ساتھ) سلامت رہتے ہیں کیونکہ مطلق ادراک، علم، سننا تمام مردوں کے لئے ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح مرفوع روایت مروی ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور دوسری روایت میں کسی جاننے والے کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور سلام کرتا ہے تو مردہ اسے پہنچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح ابن ابی دنیا سے مروی ہے۔ صحیح روایت ہے کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع قبرستان تشریف لے جاتے اوران پرسلام کرتے۔قرآن پاک میں شہدا کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وہ زن
ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔شہدا کی حیات ان کے جسم کے ساتھ متعلق ہے تو انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی کیوں زندہ نہیں ہوا
گے۔حدیث پاک سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں۔اسے امام منذری نے روایت کیا اور امام بیہق
نے صحیح فرمایا۔صحیح مسلم کی حدیث پاک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج کی رات کثیفِ احمر کے پاس حضرت مو
علیہ السلام کی قبر مبارک پر سے گزرے تو وہ اپنی قبر مبارک میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

(عون المعبود شرح سنن أبی داو،جلد3،صفحه 261،دار الکتب العلمیة،بیروت

وہابی اور دیوبندیوں کا ایک بہت بڑا ''مماتی فرقہ'' حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہیں۔ایک شدتی وہاب
مولوی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی تھا جس کا سکون اسی میں تھا کہ تمام امت مسلمہ کو مشرک ثابت کیا جائے۔چھوٹے چھوٹے پمفلٹ
لکھ کر خوب شرک شرک کہتا تھا۔اس نے ایک پمفلٹ بنام ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شہدا اللہ کے پاس جنت میں زندہ ہیں قبروں میں نہیں''
اس میں اس نے بے تکے بے دلائل دے کر انبیاء علیہم السلام کو معاذ اللہ مردہ ثابت کیا اور آخر میں کہتا ہے: ''قبروں میں انبیاء علیہم
السلام کو زندہ ثابت کرنے کے لئے ایک ضعیف روایت پیش کی جاتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو
کھانا مٹی کے لئے حرام ہے۔''

(نبی ﷺ اور شہدا اللہ کے پاس جنت میں زندہ ہیں قبروں میں نہیں،صفحه 8،رابطه توحید روڈ،کراچی)

جسم سلامت رہنے والی حدیث کو جاہل مسعود عثمانی کا ضعیف کہنا باطل ہے۔دراصل حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
دو احادیث ہیں ایک اوپر بیان ہوئی جو بالکل صحیح ہے۔وہابی اس حدیث کو نظر انداز کرتے ہیں اور دوسری حدیث جو ابن ماجہ کی ہے
اسے ضعیف ثابت کرتے ہیں وہ دوسری حدیث پاک کچھ یوں ہے "حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْمِصْرِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ
بْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَيْمَنَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ
، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؛ فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ، تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ، وَإِنَّ
أَحَدًا لَنْ يُصَلِّيَ عَلَيَّ، إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ، حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ:قُلْتُ:وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ:وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ
اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنَبِيُّ اللَّهِ حَيٌّ يُرْزَقُ" ترجمہ:حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ پر جمعہ کے روز بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ اس روز فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور
جو بھی مجھ پر درود بھیجے فرشتے اس کا درود میرے سامنے لاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ درود سے فارغ ہو جائے۔میں نے عرض

کیا آپ کے وصال کے بعد بھی؟ فرمایا وصال کے بعد بھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کھانا حرام کر دیا پس اللہ کا نبی زندہ ہے اور ان کو روزی دی جاتی ہے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز،باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم،جلد1،صفحه524،دار إحياء الكتب العربية ،الحلبی)

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام روای بھی ثقہ ہیں۔ اس روایت کو منکرین خصوصاً دیوبندی مماتی فرقے والے ضعیف کہتے ہیں کہ اس میں سعید بن ابی ہلال ضعیف ہیں اور دوسرا زید بن ایمن منقطع ہے۔ جبکہ سعید بن ہلال ثقہ راوی ہیں، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ماجہ، نسائی جیسے ائمہ نے ان کی روایات لی ہیں اور البانی نے ان کی کئی روایات کو صحیح کہا ہے۔ زید بن ایمن کو بعض نے مجہول الحال کہا ہے لیکن محدثین نے اس کی تردید کی اور انہیں ثقہ کہا ہے جیسا کہ تقریب وغیرہ میں ہے۔

ابن ماجہ کے حاشیہ میں اس کے ضعیف ہونے کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔"(تعليق محمد فؤاد عبد الباقی) فی الزوائد هذا الحديث صحيح إلا أنه منقطع فی موضعين لأن عبادة روايته عن أبی الدرداء مرسلة قاله العلاء وزيد بن أيمن عن عبادة مرسلة قاله البخاری (حكم الألبانی) ضعيف" ترجمہ: تعلیق محمد فوائد عبد الباقی: زوائد میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن دو جگہوں سے منقطع ہے، اسلئے کہ عبادہ نے ابودرداء سے مرسل روایت کی ہے علامہ علاء نے فرمایا ہے اور زید بن ایمن نے عبادہ سے مرسل روایت کی ہے امام بخاری نے فرمایا ہے۔ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز،باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم،جلد1،صفحه524،دار إحياء الكتب العربية ،الحلبی)

عبادہ اور زید بن ایمن دونوں ثقہ غیر مدلس راوی ہیں۔ عبادۃ بن نسی ثقہ تابعی ہیں، ان کا سماع حضرت ابودرداء سے نہ بھی ہو تب بھی ان کی مرسل قبول ہے اور زید بن ایمن کا عبادہ بن نسی سے ملاقات نہ ہونے کی نفی کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے اور ان کی معاصرت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سعید بن ابی ہلال جنہوں نے زید بن ایمن سے روایات لی ہیں انہوں نے بھی عبادہ کا زمانہ پایا اور ان سے روایات لی ہیں چنانچہ تہذیب التہذیب میں ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ) فرماتے ہیں"عبادة بن نسی الكندی أبو عمرو الشامی الأردنی قاضی طبرية روى عن أوس بن أوس الثقفی وشداد بن أوس وعبادة بن الصامت وأبی الدرداء وعبد الرحمن بن غنم وخباب بن الأرت والأسود بن ثعلبة وأبی بن عمارة وله صحبة وجنادة بن أبی أمية وكعب بن عجرة وغيرهم وعنه برد بن سنان والمغيرة بن زياد الموصلی وعبد الرحمن بن زياد بن أنعم وأيوب بن قطن وحاتم بن نصر والحسن بن ذكوان وعتبة بن حميد ومنير بن الزبير وعبد العزيز بن يحيی الأردنی وعتبة بن أبی حكيم ورجاء بن أبی سلمة وزيد بن

أيمن وسعيد بن أبى هلال وغيرهم قال ابن سعد فى تابعى أهل الشام كان ثقة"

(تہذیب التہذیب، جلد5، صفحہ113، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

ابوداؤد شریف کی ایک حدیث پاک جس میں سعید بن ہلال نے عبادہ سے روایت کی ہے اور البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔روایت یوں ہے "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِى هِلَالٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَىٍّ، عَنْ أَوْسٍ الثَّقَفِىِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :مَنْ غَسَلَ رَأْسَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ ثُمَّ سَاقَ نَحْوَهُ(حكم الألبانى):صحيح"

(سنن أبى داود، كتاب الطهارة، باب فى الغسل يوم الجمعة، جلد1، صفحہ95، المكتبة العصرية، بيروت)

جب زید بن ایمن ثقہ راوی ہیں اوران کا عبادہ بن نسی سے ملاقات ہونا ممکن ہے تو اصولی اعتبار سے یہ سند صحیح ہے۔اگر راوی "عن" کے ساتھ اپنے شیخ سے روایت کرے تو جمہور محدثین، اصحاب فقہ اور اصولیین کا قول یہ ہے کہ ایسی سند چند شرائط کے ساتھ متصل کہلاتی ہے اور یہی قول صحیح ہے، جس میں سے دو شرطوں پر اتفاق ہے اور باقی شرطوں میں اختلاف ہے۔جن شرطوں پر اتفاق ہے کہ وہ لازمی شرائط ہیں اور جن پر امام مسلم نے اکتفا کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) لفظ عن سے روایت کرنے والا مدلس نہ ہو۔

(2) شاگرد اور شیخ میں بعض کی بعض سے ملاقات ممکن ہو۔

باقی وہ شرائط جن کے موجود ہونے میں اختلاف ہے، وہ مذکورہ دو شرطوں کے علاوہ ہیں وہ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:۔

(1) امام بخاری، علی بن مدینی اور دیگر محققین علماء کا قول یہ ہے کہ شاگرد کی ملاقات شیخ سے ثابت ہو۔

(2) علامہ ابوالمظفر السمعانی کا قول یہ ہے کہ استاد اور شاگرد کے درمیان طویل عرصہ صحبت رہی ہو۔

(3) علامہ ابوعمر الدانی کا قول یہ ہے کہ شاگرد کا اپنے شیخ سے روایت کرنا معروف ہو۔

السنن الأبين والمورد الأمعن فى المحاكمة بين الإمامين فى السند المعنعن میں محمد بن عمر بن محمد ابوعبداللہ، محبّ الدین ابن رشید الفہری السبتی (المتوفی 721ھ) فرماتے ہیں" يكتفى فى ظهور السماع بكون السن تحتمل اللقاء ومعنى هذا يكتفى بالمعاصرة وإلى هذا المعنى ذهب مسلم رحمه الله حيث قال وذلك أن القول الشائع المتفق عليه بين أهل العلم بالأخبار والروايات قديما وحديثا أن كل رجل ثقة روى عن مثله حديثا وجائز ممكن له لقاؤه

والسماع منه لكونهما جميعا كانا في عصر واحد وإن لم يأت في خبر قط أنهما اجتمعا ولا تشافها بكلام فالرواية ثابتة والحجة بها لازمة إلا أن تكون هناك دلالة بينة أن هذا الراوي لم يلق من روى عنه أو لم يسمع منه شيئا" ترجمہ: ظہورِ سماع کے لئے کافی ہوتا ہے کہ ایسا زمانہ ہو کہ جن میں دونوں کے ملنے کا احتمال ہو اور یہی احتمال معاصرت کے لئے کافی ہے۔ اسی طرف امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ گئے ہیں اور یہ قول شائع متفق ہے اہل علم حضرات کے مابین اخبار و روایات قدیماو حدیثا کے ساتھ کہ بے شک ہر ثقہ راوی اپنے مثل ثقہ سے روایت کرتا ہے اور ان کے لئے جائز و ممکن ملنا اور سماع کرنا ہے کہ دونوں نے ایک ہی زمانہ پایا ہے اگر چہ ان دونوں کے ملنے اور کلام پر کوئی روایت نہ ملے تو ایسی حدیث ثابت و حجت و لازم ہے۔ البتہ اگر واضح دلیل اس پر ہو کہ دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی اور اس سے سنا نہیں تو وہ روایت معتبر نہیں ہوگی۔

(السنن الأبين والمورد الأمعن في المحاكمة بين الإمامين في السند المعنعن، صفحه 57، مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة المنورة)

ثابت ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ وہابی اور مماتی دیوبندیوں کا اسے غیر صحیح کہنا جہالت وضد ہے۔ کئی محدثین نے اس حدیث کو حسن وجید کہا ہے "إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي الله حي يرزق۔ ابن ماجه، والبيهقي في شعب الإيمان عن أَبِي الدَّرْدَاء، أخرجه ابن ماجه جلد 1، صفحه 524، قال البوصيري، جلد 2، صفحه 59، هذا إسناد رجاله ثقات إلا أنه منقطع، وقال المنذري، جلد 2، صفحه 328، رواه ابن ماجه بإسناد جيد وقال المناوي، جلد 2، صفحه 87، قال الدميري رجاله ثقات، قال ابن الملقن إسناده حسن" ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کی اسناد میں راوی ثقہ ہے مگر یہ منقطع ہے۔ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کی سند جید ہے۔ امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کے روای ثقہ ہیں۔ ابن ملقن نے کہا اس کی سند حسن ہے۔

بالفرض ابن ماجہ کی روایت ضعیف بھی ہو پہلی ابوداؤد شریف کی حدیث تو بالاتفاق صحیح ہے اس صحیح حدیث سے بھی ضعیف حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ الصارم المنکی فی الرد علی السبکی میں شمس الدین محمد بن أحمد بن عبد الہادی الحنبلی (المتوفی 744ھ) فرماتے ہیں "وقال البخاري في التاريخ زيد بن أيمن عن عبادة بن نسي: مرسل، روى عنه سعيد بن أبي هلال، انتهى كلامه، وهذا الحديث وإن كان في إسناده شيء، فهو شاهد لغيره" ترجمہ: امام بخاری نے تاریخ میں فرمایا کہ زید بن ایمن نے عبادہ بن نسی سے مرسل روایت کی ہے اور ان سے سعید بن ابی ہلال نے مرسل کی ہے۔ امام بخاری کا کلام ختم

ہوا۔اس حدیث کی سند میں اگر کچھ کلام ہے تو یہ دوسری حدیث کی شاہد ہے۔

(الصَّارِمُ المُنكِي فى الرَّدّ عَلَى السُّبكِي ،صفحه214،مؤسسة الريان ، بيروت)

بالفرض دونوں احادیث ضعیف ہوں، پھر بھی حیات النبی علیہ السلام کی نفی نہیں ہوتی ہے کہ جب قرآن میں شہید کے متعلق کہا گیا کہ وہ زندہ ہے جبکہ شہید نبی کا امتی ہوتا ہے تو نبی علیہ السلام کی شان تو بدرجہ اولیٰ بلند ہوگی۔

بعض وہابی ان صحیح احادیث کی وجہ سے مجبورا حیات النبی کو مانتے ہیں لیکن اس کے معنی عجیب مراد لیتے ہیں جس کا حاصل یہ نکالتے ہیں کہ وہ اپنی قبور میں حیات نہیں ہیں۔ مثلا یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو دنیا کے متعلق کوئی علم نہیں ہوتا وہ برزخ کے اعتبار سے حیات ہیں۔ جبکہ وہابیوں کی یہ تاویل بالکل غلط ہے۔اگر فقط برزخ کے اعتبار سے حیات مانا جائے تو اس میں انبیاء علیہم السلام کی کیا تخصیص برزخ میں تو ہر کوئی حیات ہوتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کا حیات ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ جس طرح دنیا میں حیات تھے علم وکمالات جو اللہ عزوجل نے ان کو عطا کئے تھے ظاہری وصال کے بعد بھی ان میں کمی نہیں آئے بلکہ مزید اضافہ ہوا ہے۔وہ اپنی امت کے اعمال پر باخبر ہیں، جہاں چاہیں جاسکتے ہیں، ان کے جسم مبارک بالکل صحیح وسلامت رہتے ہیں وغیرہ۔

## حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے

اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے قبول ہوئی تھی اور اس پر کئی احادیث ہیں چنانچہ حاکم ،بیہقی ،طبرانی ، آجری ، ابونعیم ، ابن عساکر یوں روایت کرتے ہیں ہیں"حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُورٍ الْعَدْلُ، ثنا أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، ثنا أَبُو الْحَارِثِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُسْلِمٍ الْفِهْرِيُّ، ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مَسْلَمَةَ، أَنْبَأَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ:يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَا غَفَرْتَ لِي ، فَقَالَ اللَّهُ:يَا آدَمُ، وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ:يَا رَبِّ، لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ، فَقَالَ اللَّهُ:صَدَقْتَ يَا آدَمُ، إِنَّهُ لَأُحِبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ ادْعُنِي بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَهُوَ أَوَّلُ حَدِيثٍ ذَكَرْتُهُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ

بْنِ زَیْدِ بْنِ أَسْلَمَ فِی هَذَا الْکِتَابِ "ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطا کا ارتکاب کیا تو انہوں نے اپنے رب سے عرض کی، اے میرے رب! میں تجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں ان کے صدقے میری مغفرت فرما۔ رب العٰلمین نے فرمایا: تو نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو کیسے پہچانا جبکہ میں نے اسے ابھی پیدا ہی نہیں کیا؟ عرض کی: اے اللہ عزوجل جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے بنایا اور مجھ میں روح ڈالی میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا پایا، میں نے جانا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام ملایا ہے جو تجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے۔ اب کہ تو نے اس کے حق کا وسیلہ کر کے مجھ سے مانگا تو میں تیری مغفرت کرتا ہوں۔ اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ہے۔ یہ پہلی حدیث ہے جسے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے واسطے سے اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب تواریخ المتقدمین من الأنبیاء والمرسلین، جلد2، صفحہ672، دار الکتب العلمیة، بیروت)

وہابی حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ قبول ہونے کے منکر ہیں اسلئے انہوں نے اس حدیث کو جھوٹی کہہ دیا بلکہ وہابی جاہل ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے وسیلے کو شرک کہا چنانچہ اس نے ایک رسالہ "وسیلے کا شرک" لکھا۔ اس میں لکھا جو نبی علیہ السلام یا ولی رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے پردہ کر گیا ہے اس کے وسیلے سے دعا کرنا شرک ہے۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے اس حدیث کے متعلق کہا: "فن حدیث کے لحاظ سے بھی اس روایت کو ہر محدث نے موضوع (گھڑی ہوئی) بتایا ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ہے اور اس پر حدیث گھڑنے کا یہ حکم لگایا گیا ہے۔"

(وسیلے کا شرک، صفحہ8، مسجد توحید، کراچی)

دیکھیں ڈاکٹر صاحب نے اس حدیث کو جھوٹی کہہ دیا۔ یہ حدیث موضوع نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کو محدثین نے ضعیف ضرور کہا ہے لیکن اسے احادیث گھڑنے والا نہیں کہا گیا ہے۔ لہٰذا اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو تو یہ اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عباس سے بھی وسیلہ کے سبب توبہ قبول ہونے کی روایات مروی ہیں۔ الشریعة میں ابو بکر محمد بن الحسین الآجرّیُّ البغدادی (المتوفی 360ھ) روایت کرتے ہیں "أَنْبَأَنَا أَبُو أَحْمَدَ هَارُونُ بْنُ یُوسُفَ بْنِ زِیَادٍ التَّاجِرُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مَرْوَانَ الْعُثْمَانِیُّ قَالَ: حَدَّثَنِی أَبِی عُثْمَانُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِی الزِّنَادِ، عَنْ أَبِیهِ قَالَ: مِنَ الْکَلِمَاتِ الَّتِی تَابَ اللَّهُ بِهَا عَلَى آدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْكَ

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا آدَمُ، وَمَا يُدْرِيكَ بِمُحَمَّدٍ؟ قَالَ: يَا رَبِّ، رَفَعْتُ رَأْسِي، فَرَأَيْتُ مَكْتُوبًا عَلَى عَرْشِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِكَ عَلَيْكَ" ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابی زناد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کلمات جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی وہ یہ تھے: اے اللہ! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے جانا؟ عرض کی: یا اللہ! جب میں نے اپنا سر اٹھایا تو تیرے عرش پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا دیکھا تو میں جان گیا کہ "محمد" تجھے مخلوق میں سے مکرم ہے۔

(الشريعة، كتاب الايمان ،باب ذكر متى وجبت النبوة للنبى صلى الله عليه وسلم،جلد3،صفحه1410،دار الوطن -الرياض)

المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک القسطلانی (المتوفی 923ھ) رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں "وروى أنه لما خرج آدم من الجنة رأى مكتوبا على ساق العرش وعلى كل موضع فى الجنة اسم محمد صلى الله عليه وسلم مقرونا باسم الله تعالى، فقال يا رب هذا محمد من هو؟ فقال الله: هذا ولدك الذى لولاه ما خلقتك. فقال: يا رب بحرمة هذا الولد ارحم هذا الوالد، فنودى: يا آدم، لو تشفعت إلينا بمحمد فى أهل السماوات والأرض لشفعناك" ترجمہ: مروی ہے جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تو دیکھا عرش کے پائے اور جنت کی ہر جگہ پر اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا ہوا ہے۔ عرض کیا یا رب عزوجل! یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہے؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: یہ تیرا بیٹا ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو تجھے نہ پیدا کرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: یا رب عزوجل! اس بیٹے کی حرمت کا واسطہ اس باپ (یعنی مجھ) پر رحم فرمایا۔ ندا کی گئی اے آدم! اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے آسمان اور زمین والوں کی شفاعت مانگتا تو ہم شفاعت کر دیتے۔

(المواهب اللدنية ،المقصد الاول،تشريف الله تعالى له صلى الله عليه وسلم،جلد1،صفحه54،المكتبة التوفيقية، القاہرة)

فتوح الشام میں محمد بن عمر ابو عبداللہ الواقدی (المتوفی 207ھ) لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اپنا خط امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مقام "یرموک" میں بھیجا اور سلامتی کی دعا مانگی۔ حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد نبوی سے باہر آئے تو ان کو خیال آیا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے روضہ اقدس پر سلام نہیں عرض کیا۔ چنانچہ واپس جا کر جب قبر انور کے پاس حاضر ہوئے تو وہاں حضرت عائشہ، حضرت عباس و حضرت علی و حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر تھے۔

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حضرات سے جنگ یرموک میں اسلام کی فتح کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضرت علی وحضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی "اللهم أنا نتوسل بهذا النبی المصطفى و الرسول المجتبى الذى توسل به آدم فأجبت دعوته وغفرت خطيئته إلا سهلت على عبد الله طريقه وطويت له البعيد وأيدت أصحاب نبيك بالنصر إنك سميع الدعاء" ترجمہ: یا اللہ! ہم اس نبی مصطفیٰ اور رسول مجتبیٰ کہ جن کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی اور خدا نے ان کو معاف فرما دیا ان ہی کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ تو حضرت عبداللہ بن قرط پر اس کا راستہ آسان کردے اور دور کو نزدیک کردے اور اپنے نبی کے اصحاب کی مدد فرما کر ان کو فتح عطا فرما دے۔ بے شک تو دعا کو سننے والا ہے۔ (فتوح الشام، جبلة بن الأيهم، جلد1، صفحه168، دار الكتب العلمية، بيروت)

اگر ضعیف حدیث مختلف اسناد سے مروی ہو تو ضعیف سے حسن کے درجہ میں آجاتی ہے۔ قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث میں محمد جمال الدین بن محمد الحلاق القاسمی (المتوفی 1332ھ) لکھتے ہیں "وفی عون الباری نقلا عن النووی أنه قال: الحديث الضعيف عند تعدد الطرق يرتقى عن الضعف إلى الحسن، ويصير مقبولًا معمولًا به" ترجمہ: عون الباری میں امام نووی سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے فرمایا: ضعیف حدیث متعدد طرق سے حسن کے درجہ میں ترقی کر لیتی ہے اور مقبول قابلِ عمل بن جاتی ہے۔ (قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث، صفحه110، دار الكتب العلمية، بيروت)

التعقبات علی الموضوعات میں امام جلیل جلال الدین سیوطی (911ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "المتروك او المنكر اذا تعددت طرقه ارتقى الى درجة الضعيف الغريب بل ربما ارتقى الى الحسن" ترجمہ: متروک یا منکر کہ سخت قوی الضعف ہیں یہ بھی تعدد طرق سے ضعیف غریب، بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک ترقی کرتی ہیں۔

(التعقبات على الموضوعات، باب المناقب، صفحه75، مكتبه اثريه، سانگله ہل)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ امام حاکم والی حدیث پاک پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وقال صحيح الاسناد واقره عليه العلامة ابن امير الحاج فى الحلية والسبكى فى شفاء السقام اقول والذى تحرر عندى انه لاينزل عن درجة الحسن، والله تعالى اعلم منه" ترجمہ: اور کہا کہ اس کا اسناد صحیح ہے۔ علامہ ابن امیر الحاج نے حلیۃ میں اور سبکی نے شفاء السقام میں اس کو برقرار رکھا۔ میں کہتا ہوں جو میرے ہاں ثابت ہے وہ یہ کہ وہ درجہ حسن سے کمتر نہیں، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔" (فتاوی رضویه، جلد30، صفحه185، رضافائونڈیشن، لاہور)

دوسرا یہ کہ یہ حضور علیہ السلام کے توسل سے توبہ قبول ہونا فضائل میں سے ہے اور فضائل میں تو ایک ضعیف حدیث بھی

کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہابیوں کے ایک مولوی نے مظاہر حق میں راوی حدیث صلاۃ اوّابین کا منکر الحدیث ہونا امام بخاری سے نقل کر کے لکھا: "اس حدیث کو اگرچہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے۔"

(مظاہر حق ،باب السنن وفضائلها ،جلد1 ،صفحہ766، دارالاشاعت ،کراچی)

وہابی تو ویسے ہی وسیلے کے منکر ہیں اور اس حدیث کو موضوع کہنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ دوسرا وہ قرآن پاک کی اس آیت کے تحت حضور علیہ السلام کے وسیلے سے توبہ قبول ہونے کا انکار کرتے ہیں ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ بُرا کیا تو اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔

اس آیت سے وہابی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ ان الفاظ سے قبول ہوئی تھی نہ کہ حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے۔ جبکہ اس دعا کے سبب وسیلے کی احادیث کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ قطعی دلیل نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اسی دعا سے ہوئی تھی۔ مفسرین نے اس آیت کے تحت واضح کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کن کلمات کے ساتھ دعا کی تھی اس کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن میں احمد بن محمد بن إبراہیم الثعلبی (المتوفی 427ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں"کلمات کانت سبب قبول توبته واختلفوا فی تلك الكلمات" ترجمہ: وہ کلمات جو توبہ کی قبولیت کا سبب بنے ان کلمات کے متعلق اختلاف ہے۔

(الکشف والبیان عن تفسیر القرآن،جلد1،صفحہ184،دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

تطبیق یوں ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آیت میں مذکور کلمات بھی پڑھے اور حضور علیہ السلام کا وسیلہ بھی دیا۔

اس کی تائید امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اس آیت کے تحت در منثور میں نقل کیا ہے"فَذَلِكَ قَوْله ﴿فتلقى آدم من ربه كَلِمَات﴾ الْآيَة وَأخرج ابْن الْمُنْذر عَن مُحَمَّد بن عَلّي بن الْحُسَيْن بن أبي طَالب قَالَ:لما أصَاب آدم الْخَطِيئَة عظم كربه وَاشْتَدَّ ندمه فَجَاءَهُ جِبْرِيل فَقَالَ:يَا آدم هَل أدلك على بَاب تَوبتك الَّذِي يَتُوب الله عَلَيْك مِنْهُ قَالَ:بلَى يَا جِبْرِيل قَالَ:قُم فِي مقامك الَّذِي تناجي فِيهِ رَبك فمجده وامدح فَلَيْسَ شَيْء أحب إِلَى الله من الْمَدْح قَالَ:فَأَقُول مَاذَا يَا جِبْرِيل قَالَ:فَقل لَا إِلَه إِلَّا الله وَحده لَا شريك لَهُ لَهُ الْملك وَله الْحَمد يحيي وَيُمِيت وَهُوَ حَيّ لَا يَمُوت بِيَدِهِ الْخَيْر كُله وَهُوَ على كل شَيْء قدير ثمَّ تبوء بخطيئتك فَتَقول:سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَه إِلَّا أَنْت رب إِنِّي ظلمت نَفسِي وعملت السوء فَاغْفِر لي إِنَّه لَا يغْفر

الذُّنوب إِلَّا أَنت الله إِنِى أَسأَلك بجاه مُحمَّد عَبدك و كرامته عَلَيك أَن تغفر لى خطيئتى قَالَ:ففعلَ آدم فقَالَ الله: يَا آدم من علمك هَذَا فقَالَ:يَا رب إِنَّك لما نفخت فِيّ الرّوح فقُمت بشرا سوياً أسمع وَأَبصر وأعقل وَأَنظر رَأَيت على سَاق عرشك مَكْتُوبًا بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم لَا إِلَه إِلَّا الله وَحده لَا شريك لَهُ مُحَمَّد رَسُول الله فَلَمَّا لم أر أثر اسْمك اسْم ملك مقرب وَلَا نَبِي مُرْسل غير اسْمه علمت أَنه أكْرم خلقك عَلَيْك قَالَ:صدقت وَقد تبت عَلَيْك وغفرت لَك خطيئتك قَالَ:فَحمدَ آدم ربه وشكره وَانْصَرف بأعظم سرُور وَلم ينْصَرف بِهِ عبد من عِنْد ربه" ترجمہ: اللہ عزوجل کا یہ فرمان: پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے۔ابن منذر نے محمد بن علی بن حسین بن ابی طالب سے روایت کی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو ان کا غم و ندامت بڑھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام کیا میں آپ کو توبہ کا رستہ نہ بتلادو کہ اللہ عزوجل آپ کی توبہ قبول فرمالے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت جبرائیل امین نے فرمایا: اپنے مقام پر کھڑے ہوجائیں جس میں آپ اپنے رب سے مناجات کرتے ہیں، تو اللہ عزوجل کی حمد و تعریف کریں، اللہ عزوجل کو حمد سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے جبرائیل میں کیا کہوں؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: یوں کہیں "لَا إِلَه إِلَّا اللّٰهُ وَحده لَا شريكَ لَهُ لَهُ الْملكُ وَلَهُ الْحَمدُ يُحيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَير كُله وَهُوَ على كل شَيْء قدير" پھر اپنی خطا کا اقرار کریں۔ پھر یہ کہیں "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَه إِلَّا أَنت رب إِنِّى ظلمت نَفسِى وعملت السوء فَاغْفِر لى إِنَّه لَا يغفر الذُّنوب إِلَّا أَنت الله إِنِى أَسأَلك بجاه مُحمَّد عَبدك و كرامته عَلَيك أَن تغفر لى خطيئتى" حضرت آدم علیہ السلام نے ایسا کیا تو اللہ عزوجل نے فرمایا تو نے کیسے جانا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے رب عزوجل جب تو نے مجھ میں روح پھونکی تو میں مکمل انسان بن کر کھڑا ہو گیا، میں سنتا دیکھتا اور عقل رکھتا تھا۔ میں نے ساقِ عرش پر دیکھا کہ اس پر لکھا تھا "بسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم لَا إِلَه إِلَّا الله وَحده لَا شريك لَهُ مُحَمَّد رَسُول الله" میں نے اس لفظ "محمد" کے علاوہ کسی نبی، رسول اور فرشتے کا نام نہ دیکھا۔ میں جان گیا کہ یہ ہستی تجھے مخلوق میں زیادہ مکرم ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: تو نے صحیح کہا۔ میں نے تیری توبہ قبول فرمائی اور تیری خطا کو معاف کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد کی اور شکر ادا کیا اور بہت خوشی کے ساتھ واپس لوٹے اور پھر ساری زندگی رب تعالیٰ کی بندگی کی۔ (الدر المنثور، جلد 1، صفحہ 142، دار الفکر، بیروت)

## وصال شدہ انبیاء وصالحین کا وسیلہ دینا

اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ مطلقا جائز و مستحب ہے اگر چہ وہ دنیا سے پردہ کر گئے ہوں۔ وہابیوں کے نزدیک زندہ کا وسیلہ تو دیا جا سکتا ہے جو دنیا سے پردہ کر جائے اس کا وسیلہ دینا ناجائز و حرام اور بعض وہابیوں نے کہا کہ یہ شرک ہے۔ وہابیوں کے پاس اس کے شرک ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ وہابی ہمیشہ کی طرح ایک حدیث سے باطل استدلال کرتے ہیں۔ وہ بخاری شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ المُثَنَّى، عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ" ترجمہ: حضرت انس سے مروی ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر ابن خطاب حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے توسل سے دعائے بارش کرتے اور عرض کرتے: الٰہی ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے تو بارش بھیجتا تھا اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں ہم پر بارش بھیج۔ تو لوگ سیراب کئے جاتے تھے۔

(صحیح البخاری ،ابواب الاستسقاء ،باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا،جلد2،صفحہ 27،دارطوق النجاة،مصر)

وہابیوں نے اس سے یہ استدلال کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ نہیں دیا جس سے ثابت ہوا کہ جو دنیا سے پردہ کر جائے اس کا وسیلہ دینا شرک ہے۔ یہ وہابیوں کی انتہائی جہالت اور عقل سے دشمنی ہے۔ وسیلہ کی کئی صورتیں ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ایک صورت کو اختیار فرمایا کہ نبی پاک کی نسبت کو وسیلہ بنایا۔ جس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصال کئے ہوئے ہستی کا وسیلہ شرک مانتے تھے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس حدیث کی بنا پر بعض بے عقل عالموں نے کہا ہے کہ زندہ بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے مُردوں کا ناجائز، دیکھو جناب عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا وسیلہ چھوڑ دیا۔ مگر یہ غلط ہے چند وجہ سے: ایک یہ کہ اس حدیث میں چھوڑنے کا ایک لفظ بھی نہیں آتا یعنی حضرت فاروق نے یہ نہیں کہا کہ اب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ دیا۔ دوسرے یہ کہ اگر حدیث کا یہ مطلب ہو تو یہ حدیث قرآنی آیات کے بھی خلاف ہوگی اور دوسری احادیث کے بھی، رب تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ آٹھویں بزرگ دادا کی برکت سے ان پوتوں پر اللہ کی

یہ رحمت ہوئی کہ ان کی ٹوٹی دیوار بنانے کے واسطے دو نبی بھیجے گئے۔ حضرت موسیٰ و ہارون کے نعلین و عمامہ کے وسیلہ سے بنی اسرائیل جنگوں میں فتح پا گئے تھے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے اہل کتاب آپ کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح پاتے تھے، رب تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اسی مشکوٰۃ ''باب الکرامات'' میں آئے گا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے روضہ کی چھت ہٹوادی اور قبر انور کے وسیلہ سے دعائے بارش کی تو بارش آئی۔ یہاں جناب عمر کے فرمانے کا منشا یہ ہے کہ وہ اشاروں والا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز استسقاء پڑھنے والا وسیلہ جاتا رہا یا یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں وسیلہ اولیاء بھی درست ہے۔ اس جگہ مرقات میں ہے کہ امیر معاویہ قحط میں حضرت یزید ابن اسود کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے تھے اور ان سے بھی کہتے تھے کہ وہ بھی ہاتھ اٹھائیں فوراً بارش آتی تھی۔''

(مرأۃ المناجیح، جلد2، صفحہ397، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

وہابیوں کے نظریہ کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مبارک میں جب قحط پڑ گیا تو ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر آکر آپ کو وسیلہ بنایا تھا اور حضرت عمر فاروق نے اس وسیلے کا انکار نہ فرمایا چنانچہ دلائل النبوۃ للبیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث پاک ہے ''حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ مَالِكِ الدَّارِ، قَالَ: وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اِسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا، فَأَتَاهُ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم فِي الْمَنَامِ فَقَالَ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ، فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ'' ترجمہ: مالک دار سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط پڑھ گیا۔ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ عزوجل سے اپنی امت کے لئے بارش طلب کریں کہ یہ ہلاک ہورہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آدمی کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کو میرا سلام کہنا اور اسے خبر دینا کہ بارش ہوگی۔ اور عمر سے کہو عقلمندی اختیار کرو، عقلمندی اختیار کرو۔ پھر وہ شخص عمر کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو حضرت عمر رو پڑے اور فرمایا: اے اللہ میں کوتاہی نہیں کرتا مگر یہ کہ عاجز ہو جاؤں۔

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الفضائل، ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جلد12، صفحہ32، الدار السلفیۃ، الہندیۃ)

اس حدیث کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قرۃ العینین'' میں نقل کیا۔علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ دمشق'' میں نقل کیا، علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب'' میں نقل کیا اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔''مسند الفاروق'' میں ابن کثیر نے اس حدیث کی سند کو جید قوی فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی حضور علیہ السلام کا وسیلہ آپ کے وصال ظاہری کے بعد دینا ثابت ہے چنانچہ الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں ابو العباس احمد بن عبد اللہ محبّ الدین الطبری (المتوفی 694ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے ابوشحمہ سے پوچھا"یا بنی من أنا؟ قال:أنت أبی و أمیر المؤمنین، قال: فلی حق طاعة أم لا؟قال:لك طاعتان مفترضتان؛ لأنك والدی و أمیر المؤمنین، قال عمر:بحق نبیك وبحق أبیك۔۔۔الح" ترجمہ:اے میرے بیٹے میں کون ہوں؟ابوشحمہ نے عرض کیا آپ میرے باپ اور امیر المومنین ہیں۔حضرت عمر فاروق نے فرمایا: کیا تیرے اوپر میری اطاعت کرنا ہے یا نہیں؟ ابوشحمہ نے عرض کی: آپ کی دو اطاعتیں کرنا لازم ہیں۔آپ میرے والد اور امیر المومنین ہیں۔حضرت عمر فاروق نے فرمایا: تجھے نبی کا واسطہ اور اپنے والد کا واسطہ۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ،الفصل التاسع:فی ذکر نبذۃ من فضائلہ رضی اللہ تعالی عنہ،جلد 2،صفحہ356، دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

اہل سنت کے پاس سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ کے وصال پر انبیاء کے وسیلے سے مغفرت کا سوال کیا تھا چنانچہ المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوت ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ غسل میں ان پر تین مرتبہ پانی بہایا جائے ،جب آخر میں کافور ملا پانی ڈال دیا۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک اتار کر انہیں پہنا دی اور اس پر کفن پہنانے کا کہا۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید، ابوایوب انصاری، عمر بن خطاب اور اسود غلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا۔ان کے لئے قبر کھودی گئی ،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں قبر میں اتارا، پھر ان پر اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈال۔پھر جب دفنانے سے فارغ ہوئے تو یوں دعا کی "اَللّٰہُ الَّذِی یُحْیِی وَیُمِیتُ وَھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوتُ، اِغْفِرْ لِأُمِّی فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ، وَلَقِّنْهَا حُجَّتَهَا، وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا، بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِي فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ" ترجمہ:اللہ عزوجل جو زندگی اور موت دیتا ہے، وہ

زندہ ہے اسے موت نہیں، اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، اسکی حجت اسے سکھا دے، اس کی قبر وسیع فرما اپنے نبی کے توسل سے اور مجھ سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے ہیں انکے توسل سے۔ بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، جلد24، صفحہ 351، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل)

مجمع الزوائد میں امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کے تحت فرمایا "رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط وفیہ روح بن صلاح وثقہ ابن حبان والحاکم وفیہ ضعف وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح" ترجمہ: اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں روح بن صلاح ہیں امام ابن حبان اور حاکم نے ان کی توثیق بیان کی ہے اور ان میں ضعف ہے۔ بقیہ راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب المناقب، باب مناقب فاطمۃ بنت أسد أم علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہا، جلد9، صفحہ414، حدیث15399، دار الفکر، بیروت)

وہابیوں نے اس حدیث میں سے صرف روح بن صلاح کو ضعیف کہا چنانچہ الشیخ محمد بن عبد الوہاب المجدد والمفتری علیہ میں وہابی مولوی احمد بن حجر بن محمد آل بوطامی البنعلی (المتوفی 1423ھ) اس حدیث کے تحت کہتا ہے "ھذا الحدیث غیر صحیح فإن فیہ روح بن صالح المصری وھو ضعیف" ترجمہ: یہ حدیث غیر صحیح ہے کہ اس میں روح بن صالح مصری ضعیف ہے۔ (الشیخ محمد بن عبد الوہاب المجدد المفتری علیہ، صفحہ61، دار الفتح الشارقۃ، الإمارات العربیۃ المتحدۃ)

روح بن صلاح کو ابن عدی اور دار قطنی نے ضعیف کہا لیکن جرح مفسر نہیں کی اس کے برعکس ابن حبان اور امام حاکم نے توثیق کی ہے۔ علم حدیث کا اصول ہے کہ بغیر جرح مفسر کے جرح قابل قبول نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو ضعیف کہنا درست نہیں۔

بالفرض اس حدیث کو ضعیف بھی مانیں تب بھی وہابیوں کا موقف صحیح ثابت نہیں ہوتا کہ ایک فعل جو ضعیف حدیث سے بھی ثابت ہو وہ کبھی شرک نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ حدیث معنی کے اعتبار سے بالکل صحیح ہوگی کہ دوسری صحیح سند کے ساتھ حدیث پاک مروی ہے جس میں پچھلے انبیاء علیہم السلام کو وسیلہ بنانا ثابت ہے چنانچہ الدعاء للطبرانی میں سلیمان بن احمد الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں "حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ أَیُّوبَ الْعَلَّافُ الْمِصْرِیُّ، ثنا أَبُو طَاھِرِ بْنُ السَّرْحِ، ثنا أَبُو مُحَمَّدٍ مُوسَی بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الصَّنْعَانِیُّ الْمُفَسِّرُ، حَدَّثَنِی ابْنُ جُرَیْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِیَ اللَّہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ح وَحَدَّثَنَا مُقَاتِلُ بْنُ حَیَّانَ، عَنْ مُجَاھِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِیَ اللَّہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَرَّہُ أَنْ یُوعِیَہُ اللَّہُ عَزَّ وَجَلَّ حِفْظَ الْقُرْآنِ وَحِفْظَ أَصْنَافِ الْعِلْمِ فَلْیَکْتُبْ

هـٰذَا الدُّعَاءَ فِي إِنَاءٍ نَظِيفٍ أَوْ فِي صَحْفَةٍ قَوَارِيرَ بِعَسَلٍ وَزَعْفَرَانٍ وَمَاءِ مَطَرٍ وَيَشْرَبُهُ عَلَى الرِّيقِ وَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلْيَكُنْ إِفْطَارُهُ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يَحْفَظُهَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَيَدْعُو بِهِ فِي أَدْبَارِ صَلَوَاتِهِ الْمَكْتُوبَةِ: **اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ مَسْئُولٌ لَمْ يُسْأَلْ مِثْلُكَ وَلَا يُسْأَلُ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ رَسُولِكَ وَنَبِيِّكَ، وَإِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ وَصَفِيِّكَ، وَمُوسَى كَلِيمِكَ وَنَجِيِّكَ، وَعِيسَى كَلِمَتِكَ وَرُوحِكَ، وَأَسْأَلُكَ بِصُحُفِ إِبْرَاهِيمَ، وَتَوْرَاةِ مُوسَى، وَزَبُورِ دَاوُدَ، وَإِنْجِيلِ عِيسَى، وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَسْأَلُكَ بِكُلِّ وَحْيٍ أَوْحَيْتَهُ، وَبِكُلِّ حَقٍّ قَضَيْتَهُ، وَبِكُلِّ سَائِلٍ أَعْطَيْتَهُ، وَأَسْأَلُكَ بِأَسْمَائِكَ الَّتِي دَعَاكَ بِهَا أَنْبِيَاؤُكَ فَاسْتَجَبْتَ لَهُمْ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْمَخْزُونِ الْمَكْنُونِ الطُّهْرِ الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ الْمُبَارَكِ الْمُقَدَّسِ الْحَيِّ الْقَيُّومِ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ الصَّمَدِ الْفَرْدِ الْوِتْرِ الَّذِي مَلَأَ الْأَرْكَانَ كُلَّهَا وَالَّذِي مِنْ أَرْكَانِكَ كُلِّهَا، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى السَّمٰوَاتِ فَقَامَتْ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى الْأَرَضِينَ فَاسْتَقَرَّتْ وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى الْجِبَالِ فَرَسَتْ وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى اللَّيْلِ فَأَظْلَمَ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى النَّهَارِ فَاسْتَنَارَ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي يُحْيِي بِهِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ، وَأَسْأَلُكَ بِكِتَابِكَ الْمُنَزَّلِ بِالْحَقِّ، وَنُورِكَ التَّامِّ أَنْ تَرْزُقَنِي حِفْظَ الْقُرْآنِ، وَحِفْظَ أَصْنَافِ الْعِلْمِ، وَتُثَبِّتَهَا فِي قَلْبِي، وَأَنْ تَسْتَعْمِلَ بِهَا بَدَنِي فِي لَيْلِي وَنَهَارِي أَبَدًا مَا أَبْقَيْتَنِي يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ** "ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جو یہ خوشی چاہتا ہے کہ رب تعالیٰ اسے قرآن اور دیگر علم یاد کروادے تو وہ اس دعا کو (جو اوپر بولڈ الفاظ میں لکھی ہوئی ہے **اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ مَسْئُول۔۔۔** )صاف ستھرے برتن میں لکھے یا شیشے پر شہد اور زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے اور خالی پیٹ اسے پئے اور تین دن روزہ رکھے اور افطاری اسی سے کرے تو ان شاء اللہ عز وجل اسے یاد ہو جائے گا اور ہر فرض نماز کے بعد اس دعا کو پڑھے (دعا کا ترجمہ یہ ہے) اے میرے رب میں تم سے سوال کرتا ہوں اسلئے کہ تجھ سے سوال کیا جاتا ہے، تیری مثل کسی سے نہ سوال کیا گیا اور نہ کیا جائے گا۔ **میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ دے کر سوال کرتا ہوں جو تیرے نبی و رسول ہیں، ابراہیم جو تیرے خلیل وصفی ہیں اس کا وسیلہ دیتا ہوں، موسی جو تیرے کلیم ونجی ہیں، عیسی جو تیرا کلمہ و روح ہیں ان کا وسیلہ دیتا ہوں۔** اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفہ کے واسطے

سے، حضرت موسیٰ کی توریت، حضرت داؤد کی زبور اور حضرت عیسیٰ کی انجیل اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآن کے واسطے سے۔ تجھ سے ہر اس وحی کے وسیلہ سے مانگتا ہوں جو تو نے کی ہے اور ہر اس حق سے جو تو نے ادا کیا ہے، ہر اس سائل کے وسیلہ سے جسے تو نے عطا کیا ہے۔ میں تجھ سے تیرے ناموں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جن کے وسیلہ سے تیرے نبیوں نے دعا کی ہے اور تو نے قبول کی ہے۔ میں تجھے سے سوال کرتا ہوں تیرے نام مخزون، مکنون، طہر، طاہر، مطہر، مبارک، مقدس، حی، قیوم، ذوالجلال والاکرام کے وسیلہ سے۔ تجھ سے سوال کرتا ہے تیرے نام واحد، احد، صمد، فرد، وتر کے وسیلہ سے جنہوں نے تمام ارکان کو بھر دیا اور وہ جو تیرے تمام ارکان سے تھے۔ تیرے اس نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو تو نے آسمانوں پر رکھا تو وہ تھم گئے اور زمینوں پر رکھا تو وہ ٹھہر گئیں۔ تیرے اس نام کا وسیلہ دیتا ہوں جو تو نے پہاڑوں پر رکھا تو وہ پھٹ گئے۔ تیرے اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے رات میں رکھا تو وہ کالی ہوگئی، تیرے اِس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جسے تم نے دن میں رکھا تو وہ روشن ہوگیا، تیرے اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس سے تو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کرے گا، تیری ہر اس حق کتاب کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو تو نے نازل کی۔ تیرے نورِ تام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے قرآن حفظ کروا دے اور دیگر علم حفظ کروا دے اور انہیں میرے دل میں ثابت کر دے اور ان علوم کو صبح و شام ہمیشہ جب تک میں زندہ رہوں مجھ سے دن رات اس کا استعمال کروا۔ اے ارحم الرحمین۔ (الدعاء للطبرانی، صفحہ 397، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس حدیث پاک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھلے انبیاء علیہم السلام کے توسل سے امت کو دعا سیکھائی۔ اس کے باوجود وہابیوں کا وصال شدہ کا وسیلہ پیش کرنے کو ناجائز وشرک کہنا صریح حق سے روگردانی ہے۔

جہاں تک اس حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو یہ بسند صحیح حدیث پاک ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں:

(1) یحیٰ بن ایوب العلاف مصری امام نسائی کے شیخ ہیں اور ثقہ ہیں چنانچہ تاریخ الإسلام وَوَفیات المشاہیر وَالأعلام میں شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (المتوفی 748ھ) نے انہیں ثقہ کہا ہے۔

(2) ابو طاہر بن السرح بھی ثقہ راوی ہیں ان سے امام شافعی، امام مسلم، داؤد، نسائی، ماجہ نے روایت کیا۔ طبقات الشافعیین میں ابوالفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفی 774ھ) نے امام نسائی کے حوالے سے ان کا ثقہ ہونا لکھا ہے۔

(3) ابو محمد موسی بن عبدالرحمٰن کے متعلق الجرح والتعدیل میں ابو محمد عبدالرحمٰن التمیمی، الحنظلی، الرازی ابن ابی حاتم

(المتوفی 327ھ) نے نقل کیا کہ وہ صدوق تھے۔

(4) ابن جریج ثقہ تھے۔ معرفۃ الثقات من رجال أہل العلم والحدیث ومن الضعفاء وذکر مذاہبہم واخبارہم میں ابو الحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی (المتوفی 261ھ) نے انہیں ثقہ کہا اور دیگر کثیر علماء نے انہیں ثقہ کہا۔ البتہ بعض نے ان کو مدلس بھی کہا لیکن إکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں مغلطای بن قلیج (المتوفی 762ھ) فرماتے ہیں "عن الدار قطني، وسئل عن تدليس ابن جريج فقال :يتجنب تدليسه، فإنه وحش التدليس، لا يدلس إلا فيما سمعته من مجروح، مثل إبراهيم ابن أبي يحيى وموسى بن عبيدة وغيرهما" ترجمہ: حضرت دارقطنی سے جریج کی تدلیس کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی تدلیس سے اجتناب کیا جائے کہ وہ بہت فحش تدلیس کرتے ہیں اور وہ تدلیس نہیں کرتے مگر مجروح شخص سے جیسے ابراہم بن ابی یحیٰ، موسیٰ بن عبیدہ وغیرہ سے۔

(إكمال تهذيب الكمال فى أسماء الرجال، جلد8، صفحه319، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر)

جو انہوں نے حضرت عطاء جیسے علماء سے روایت کی وہ درست ہے چنانچہ الجرح والتعدیل میں ابو محمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم (المتوفی 327ھ) فرماتے ہیں "أحمد (بن حنبل) قال قال ابی: ابن جریج اثبت الناس فی عطاء" ترجمہ: امام احمد بن حنبل کے والد نے فرمایا: ابن جریج عطاء کے اصحاب میں سے سب سے زیادہ پختہ تھے۔

(الجرح والتعديل، جلد5، صفحه56، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

موجودہ حدیث ابن جریج نے عطاء سے روایت کی ہے اور عطاء کے متعلق خود ابن جریج نے فرمایا کہ میں نے ان سے سنا ہوتا ہے چنانچہ تہذیب التہذیب میں ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ) لکھتے ہیں "عن يحيى بن سعيد عن ابن جريج قال إذا قلت قال عطاء فأنا سمعته منه وإن لم أقل سمعت" ترجمہ: یحیٰ بن سعید سے مروی ہے ابن جریج نے فرمایا: جب میں کہوں عطاء نے کہا تو میں نے یہ اس سے سنا ہوتا ہے اگرچہ میں یہ نہ کہوں میں نے عطاء سے سنا۔

(تهذيب التهذيب، جلد6، صفحه402، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

بخاری، مسلم سمیت کثیر احادیث صحاح ستہ میں ابن جریج سے مروی ہیں جن میں کئی "عن" کے ساتھ مروی ہیں۔ بلکہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں حضرت عطاء ودیگر سے عن کے ساتھ بھی مروی ہیں اور امام ترمذی نے کہیں حسن کہیں صحیح کہا ہے بلکہ اور ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ میں ابن جریج کی روایت حضرت عطاء ودیگر سے عن کے ساتھ بھی مروی ہیں جنہیں البانی نے صحیح کہا ہے۔

(5) عطاء بن ابی رباح اپنے وقت کے بہت بڑے عالم وفقیہ اور ثقہ تھے جیسا کہ اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں مغلطای بن قلیج بن عبداللہ البکجر ی المصری الحکر ی الحنفی ابوعبداللہ علاء الدین (المتوفی 762ھ) نے فرمایا ہے۔

دوسری سند میں مقاتل بن حیان اور مجاہد ہیں جو ثقہ راوی ہیں۔مقاتل بن حیان ثقہ وصدوق راوی ہیں چنانچہ تاریخ دمشق میں ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (المتوفی 571ھ) میں یحیٰی بن معین کا قول نقل کیا گیا کہ انہوں نے انہیں ثقہ کہا۔امام بخاری نے صدوق کہا۔

ایک اور سند کے ساتھ اسی متن کی حدیث پاک موجود ہے چنانچہ الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع میں ابوبکر احمد بن علی بن ثابت مہدی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) روایت کرتے ہیں "أنا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْمُتُوثِيُّ، نا عُثْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ الدَّقَّاقُ، نا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفِ بْنِ عَبْدِ السَّلَامِ، نا مُوسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَرْوَزِيُّ، نا وَكِيعٌ، عَنْ عُبَيْدَةَ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ حِفْظَ الْقُرْآنِ وَحِفْظَ الْعِلْمِ، فَلْيَكْتُبْ هَذَا الدُّعَاءَ فِي إِنَاءٍ نَظِيفٍ بِعَسَلٍ ثُمَّ يَغْسِلُهُ بِمَاءِ مَطَرٍ يَأْخُذُهُ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ إِلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ يَشْرَبُهُ عَلَى الرِّيقِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّهُ يَحْفَظُ بِإِذْنِ اللَّهِ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ مَسْئُولٌ لَمْ يُسْأَلْ مِثْلُكَ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ رَسُولِكَ وَنَبِيِّكَ، وَإِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ وَصَفِيِّكَ، وَمُوسَى كَلِيمِكَ وَنَجِيِّكَ، وَعِيسَى كَلِمَتِكَ وَرُوحِكَ، وَأَسْأَلُكَ بِكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ، وَتَوْرَاةِ مُوسَى، وَزَبُورِ دَاوُدَ، وَإِنْجِيلِ عِيسَى، وَقُرْآنِ مُحَمَّدٍ، وَأَسْأَلُكَ بِكُلِّ وَحْيٍ أَوْحَيْتَهُ، وَبِكُلِّ حَقٍّ قَضَيْتَهُ، وَبِكُلِّ سَائِلٍ أَعْطَيْتَهُ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ أَنْبِيَاؤُكَ فَاسْتَجَبْتَ لَهُمْ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي ثَبَتَ بِهِ أَرْزَاقُ الْعِبَادِ، وَأَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي اسْتَقَلَّ بِهِ عَرْشُكَ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى الْأَرَضِينَ فَاسْتَقَرَّتْ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي دَعَمْتَ بِهِ السَّمَاوَاتِ فَاسْتَقَلَّتْ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى النَّهَارِ فَاسْتَنَارَ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى اللَّيْلِ فَأَظْلَمَ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى الْجِبَالِ فَرَسَتْ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ الصَّمَدِ الْوِتْرِ الْفَرْدِ الطَّاهِرِ الظَّاهِرِ الطُّهْرِ الْمُبَارَكِ الْمُقَدَّسِ الْحَيِّ الْقَيُّومِ نُورِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ أَنْ تَرْزُقَنِي حِفْظَ كِتَابِكَ الْقُرْآنِ وَحِفْظَ أَصْنَافِ الْعِلْمِ،

وَتُثبِتُهُمَا فِي قَلْبِي وَشَعْرِي وَبَشَرِي وَتُخلِطُهُمَا بِلَحْمِي وَدَمِي وَمُخِّي وَتَشغَلَ بِهِمَا جَسَدِي فِي لَيْلِي وَنَهَارِي، فَإِنَّهُ لَا حَوْلَ لِي وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ' ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جو یہ چاہتا ہے کہ رب تعالیٰ اسے قرآن اور علم یاد کروادے تو وہ اس دعا کو صاف ستھرے برتن میں شہد سے لکھے پھر بارش کا پانی زمین پر گرنے سے پہلے اس پانی سے اسے دھوئے اور تین دن تک خالی پیٹ اس پانی کو پئے تو اللہ عزوجل کے حکم سے اسے یاد ہو جائے گا۔ (اس دعا کا ترجمہ یہ ہے) اے میرے رب میں تم سے سوال کرتا ہوں اسلئے کہ تجھ سے سوال کیا جاتا ہے، تیری مثل کسی سے نہ سوال کیا گیا اور نہ کیا جائے گا۔ **میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ دے کر سوال کرتا ہوں** جو تیرے نبی و رسول ہیں، ابراہیم جو تیرے خلیل وصفی ہیں اس کا وسیلہ دیتا ہوں، موسی جو تیرے کلیم ونجی ہیں، عیسی جو تیرا کلمہ و روح ہیں ان کا وسیلہ دیتا ہوں۔ اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفہ کے واسطے سے، حضرت موسیٰ کی توریت، حضرت داؤد کی زبور اور حضرت عیسیٰ کی انجیل اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآن کے واسطے سے۔ تجھ سے ہر اس وحی کے وسیلہ سے مانگتا ہوں جو تو نے کی ہے اور ہر اس حق سے جو تو نے ادا کیا ہے، ہر اس سائل کے وسیلہ سے جسے تو نے عطا کیا ہے۔ میں تجھ سے تیرے ناموں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جن کے وسیلہ سے تیرے نبیوں نے دعا کی ہے اور تو نے قبول کیا ہے۔ میں تجھے سے سوال کرتا ہوں تیرے اس نام کے وسیلہ سے جس سے تو بندوں کو رزق دیتا ہے، تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنی کتاب میں نازل کیا، تیرے اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے عرش کو قائم کیا، اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جسے تم نے زمین میں رکھا تو وہ ٹھہر گئی، تیرے اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس نے آسمان کو سہارا دیا، اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے دن میں رکھا تو وہ روشن ہو گیا، تیرے اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے رات میں رکھا تو وہ کالی ہو گئی، تیرے اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے پہاڑوں پر رکھا تو وہ پھٹ گئے، تیرے نام واحد، احد، صمد، وتر، فرد، طاہر، ظاہر، طہر، مبارک، مقدس، حی، قیوم، نور السموات والارض، عالم الغیب والشہادۃ، کبیر، متعال کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے قرآن اور دیگر علم یاد کروادے اور ان علوم کو میرے دل، بال، انسانیت میں ڈال دے اور انہیں میرے گوشت، خون اور گودا میں ملا دے کہ میرا جسم دن رات اسی علم میں مشغول رہے۔ اور نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر اللہ سے۔

(الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، جلد2، صفحہ 261، مکتبة المعارف، الریاض)

اسی متن کی حدیث پاک مزید اس سند کے ساتھ اخبار لحفظ القرآن الکریم لابن عساکر میں ثقۃ الدین ابوالقاسم علی بن

الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (المتوفی 571ھ) نے روایت کی ہے۔

ایک اور صحیح حدیث پاک جسے نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، السنن الکبریٰ للنسائی، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، ابن خزیمہ، طبرانی وحاکم وبیہقی نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی وبیہقی نے صحیح اور حاکم نے برشرط بخاری ومسلم صحیح کہا اور امام حافظ الحدیث زکی الدین عبد العظیم منذری وغیرہ نے روایت کیا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نابینا کو وسیلہ کے ساتھ دعا کی تعلیم دی۔ پوری حدیث پاک یوں ہے "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورِ بْنِ سَيَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدَنِيِّ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ فَقَالَ: ادْعُهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ، وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ. قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ (حکم الألباني) صحيح" ترجمہ: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ عزوجل سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت دے (یعنی آنکھیں دیدے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے یہ موخر کردوں (یعنی آخرت میں تجھے اس کا صلہ ملے) اور یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تو چاہے تو ابھی دعا کروں۔ اس نے عرض کی: دعا کردیں۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت پڑھو پھر یہ دعا پڑھو: الٰہی! میں تجھ سے مدد مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو رحمت کے نبی ہیں، یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں تاکہ میری حاجت روائی ہو، الٰہی! انہیں میرا شفیع کر ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ ابو اسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ البانی نے بھی اسے صحیح کہا۔

(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوٰة والسنة فيها، باب ما جاء في صلاة الحاجة، جلد 1، صفحه 441، حديث 1385، دار احياء الكتب العربية، الحلبي)

یہ دعا فقط آپ علیہ السلام کی حیات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ آپ علیہ السلام کے ظاہری وصال کے بعد بھی اس دعا کا پڑھنا ثابت ہے چنانچہ عمل الیوم واللیلۃ سلوک النبی مع ربہ عزوجل ومعاشرتہ مع العباد میں احمد بن محمد الدِّینَوَرِیُّ، المعروف

ابن السُّنّی (المتوفی364ھ) باب باندھا "بَابُ مَا يَقُولُ لِمَنْ ذَهَبَ بَصَرُهُ" یعنی جس کی نظر ختم ہوگئی ہو اس کے لئے پڑھنے والی دعا۔ گویا نابینے شخص کے لئے آج بھی یہ دعا پڑھنا مفید ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری وصال کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی دعا ایک صاحب حاجتمند کو تعلیم فرمائی گویا صحابی رسول نے واضح کر دیا کہ حضور علیہ السلام کی ذات مبارک کو ان کے وصال کے بعد بطور وسیلہ پیش کرنا جائز ہے۔ چنانچہ الدعاء للطبرانی میں سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی الطبرانی (المتوفی360ھ) نے باب باندھا "بَابُ الْقَوْلِ عِنْدَ الدُّخُولِ عَلَى السُّلْطَانِ" سلطان کے پاس داخل ہونے کی دعا۔ اس میں یہ روایت نقل کی "حَدَّثَنَا طَاهِرُ بْنُ عِيسَى الْمُقْرِءُ الْمِصْرِيُّ، ثنا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ، ثنا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْخَطْمِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ عَمِّهِ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي حَاجَتِهِ وَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ، فَلَقِيَ ابْنَ حُنَيْفٍ فَشَكَا ذَلِكَ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ، فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ وَقُلْ: **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا نَبِيِّ الرَّحْمَةِ: يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ فَيَقْضِي لِي حَاجَتِي**، وَتَذْكُرُ حَاجَتَكَ. حَتَّى أَرُوحَ مَعَكَ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهُ، ثُمَّ أَتَى بَابَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَجَاءَهُ الْبَوَّابُ حَتَّى أَخَذَ بِيَدِهِ فَأَدْخَلَهُ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَى الطِّنْفِسَةِ فَقَالَ: حَاجَتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ وَقَضَاهَا لَهُ، وَقَالَ لَهُ: مَا فَهِمْتُ حَاجَتَكَ حَتَّى كَانَ السَّاعَةُ، وَقَالَ لَهُ: مَا كَانَ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَسَلْ، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ عُثْمَانَ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ فَقَالَ لَهُ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا مَا كَانَ يَنْظُرُ إِلَيَّ فِي حَاجَتِي وَلَا يَلْتَفِتُ إِلَيَّ حَتَّى كَلَّمْتُهُ فِيَّ، فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: مَا كَلَّمْتُهُ فِيكَ، وَلَكِنِّي شَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ ضَرِيرٌ فَشَكَا إِلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَتَصْبِرُ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ: ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ ادْعُ بِهَذِهِ الدَّعَوَاتِ قَالَ ابْنُ حُنَيْفٍ: وَاللَّهِ مَا تَفَرَّقْنَا حَتَّى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرَرٌ قَطُّ" یعنی ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لیے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا، امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات فرماتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر دعا مانگ ''الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں، یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے۔'' اور اپنی حاجت ذکر کر، پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔ حاجتمند نے (کہ وہ بھی صحابی یا لاقل کبار تابعین میں سے تھے۔) یوں ہی کیا، پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوئے، دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا، امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا، مطلب پوچھا، عرض کیا، فوراً روا فرمایا پھر ارشاد کیا: اتنے دنوں میں تم نے اس وقت اپنی حاجت کہی۔ پھر فرمایا: جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف سے ملے اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے تو تمہارے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہوا یہ کہ میں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یونہی اس سے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر یہ دعا کرے۔ خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی وہ اندھا نہ تھا۔

(الدعاء للطبرانی ،باب القول عند الدخول علی السلطان ،صفحہ 320، دار الکتب العلمیۃ ،بیروت)

امام طبرانی پھر امام منذری فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

ان مستند دلائل سے ثابت ہوا کہ جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ دنیا سے پردہ کر گئے ہیں ان کے توسل سے دعا کرنا بالکل جائز ہے۔ ابن تیمیہ اور چند ان کے ماننے والوں کے علاوہ جمہور فقہائے کرام نے وصال شدہ ہستیوں کے توسل کو جائز کہا ہے چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے "ذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ (الْمَالِكِيَّةُ وَالشَّافِعِيَّةُ وَمُتَأَخِّرُو الْحَنَفِيَّةِ وَهُوَ الْمَذْهَبُ عِنْدَ الْحَنَابِلَةِ) إِلَى جَوَازِ هَذَا النَّوْعِ مِنَ التَّوَسُّلِ سَوَاءٌ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ بَعْدَ وَفَاتِهِ" ترجمہ: جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ، متاخرین حنفیہ، حنابلہ) کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا ان کی حیات اور وفات دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، جلد 14، صفحہ 156، دار السلاسل ،الکویت)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کے وصال کے بعد اُن سے توسل کو ناجائز کہنے والا پہلا شخص ابن تیمیہ تھا اور اسی

کی تقلید میں موجودہ وہابی وسیلہ کی اس قسم کو ناجائز وبدعت بلکہ بعض تو شرک تک کہتے ہیں۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "وَقَالَ السُّبْكِيُّ: يَحْسُنُ التَّوَسُّلُ بِالنَّبِيِّ إِلَى رَبِّهِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ وَلَا الْخَلَفِ إِلَّا ابْنَ تَيْمِيَّةَ فَابْتَدَعَ مَا لَمْ يَقُلْهُ عَالِمٌ قَبْلَهُ اهـ" ترجمہ: امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا اچھا ہے اور سلف وخلف میں سے سوائے ابن تیمیہ کے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ابن تیمیہ نے سب سے پہلے اس وسیلہ کو ناجائز کہا، اس سے پہلے کسی عالم نے اس وسیلہ کو ناجائز نہ کہا۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحت،فصل فی البیع ،جلد6،صفحہ 397،دار الفکر،بیروت)

انہی وہابیوں کے ایک بہت بڑے مولوی شوکانی نے بھی انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے توسل سے دعا مانگنا جائز کہا ہے۔تحفۃ الذاکرین للشوکانی میں ہے "ويتوسل إلى الله بأنبيائه و الصالحين" ترجمہ: اللہ عزوجل کی طرف انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ بنایا جائے گا۔

(الموسوعۃ الفقھیہ الکویتہ،جلد14،صفحہ158،دار السلاسل ،الکویت)

وہابی اپنے موقف کے ثبوت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ''بحق نبی'' کہنے کو مکروہ فرمایا ہے۔جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس قول کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وصال شدہ ہستیوں کو وسیلہ بنانا ناجائز ہے بلکہ آپ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ معتزلہ وغیرہ اللہ عزوجل پر وجوب کے قائل ہیں جبکہ اہلسنت کے نزدیک اللہ عزوجل پر کوئی چیز واجب نہیں۔اگر کوئی بحق فلاں سے اللہ عزوجل پر وجوب ثابت کرے تو یہ ناجائز ہے۔اگر وسیلہ سے رب تعالیٰ کا فضل مانگا جائے وجوب کا نظریہ نہ ہو تو توسل سے دعا مانگنا بالکل جائز ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں اسی قول پر کلام کرتے ہوئے فرمایا "(قَوْلُهُ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْخَلْقِ عَلَى الْخَالِقِ) قَدْ يُقَالُ إِنَّهُ لَا حَقَّ لَهُمْ وُجُوبًا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى، لَكِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى جَعَلَ لَهُمْ حَقًّا مِنْ فَضْلِهِ أَوْ يُرَادُ بِالْحَقِّ الْحُرْمَةُ وَالْعَظَمَةُ، فَيَكُونُ مِنْ بَابِ الْوَسِيلَةِ وَقَدْ قَالَ تَعَالَى ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ وَقَدْ عَدَّ مِنْ آدَابِ الدُّعَاءِ التَّوَسُّلَ عَلَى مَا فِي الْحِصْنِ، وَجَاءَ فِي رِوَايَةٍ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، وَبِحَقِّ مَمْشَايَ إِلَيْكَ" ترجمہ: ان کا قول کہ خلق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔کہا جاتا ہے کہ مخلوق کا وجوبا اللہ عزوجل پر کوئی حق نہیں ہے۔لیکن اللہ عزوجل نے اپنے فضل سے مخلوق کے لئے حق رکھا ہے یا حق سے حرمت وعظمت کا ارادہ کیا جائے تو یہ وسیلہ کے باب میں سے ہو جائے گا۔اللہ عزوجل نے فرمایا: اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔وسیلہ کو آداب دعا میں شمار کیا جیسا کہ حصن میں ہے۔اور ایک روایت میں ہے: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں سوال کرنے والوں کے وسیلے سے اور آپ کی طرف اپنے چلنے کے وسیلے سے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحت، فصل فی البیع ،جلد6،صفحہ397،دار الفکر،بیروت)

بالفرض یہ ساری احادیث موضوع ہوں، پھر بھی حضور علیہ السلام اور صالحین کے وسیلہ سے دعا مانگنا اس آیت سے ثابت ہے﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ (سورۃ المائدہ، سورت5، آیت35)

وصال شدہ کا وسیلہ ناجائز وشرک تب ہو جب اس پر صریح قرآن پاک کی آیت ہو جس میں اللہ عزوجل نے انبیاء و اولیاء کرام کا وسیلہ دینے سے منع کیا ہو۔ وہابی ہمیشہ کی طرح بتوں والی آیت کو پیش کر کے اپنا باطل موقف صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

**حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہے**

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولوں علیہم السلام کو علم غیب عطا فرمایا ہے اور یہ کئی آیات واحادیث سے ثابت ہے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَّشَاءُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (سورۃ آل عمران، سورۃ 3، آیت179)

دوسری آیت میں ہے﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ○ إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ ترجمہ کنزالایمان: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(سورۃ الجن، سورۃ72، آیت 26،27)

ایک جگہ ارشاد فرمایا﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

(سورۃ التکویر، سورت81، آیت 24)

اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کثیر علم غیب عطا فرمایا ہے جس کا منکر گمراہ ہے۔ آپ علیہ السلام کو جس طرح جاگتے ہوئے معراج ہوئی اسی طرح نیند میں جب معراج ہوئی تو آپ کو زمین وآسمان کا علم عطا فرمایا گیا، نزول قرآن کے ساتھ ساتھ آپ کے علم میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب کثیرۂ آئمہ حدیث میں مختلف اسناد کے ساتھ دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هَانِيءٍ أَبُو هَانِيءٍ الْيَشْكُرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا جَهْضَمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَّامٍ، عَنْ أَبِي سَلَّامٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ

عَائِشٍ الحَضرَمِیِّ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ مَالِكِ بْنِ يَخَامِرَ السَّكْسَكِيِّ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ:اِحْتُبِسَ عَنَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى كِدْنَا نَتَرَاءَى عَيْنَ الشَّمْسِ، فَخَرَجَ سَرِيعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ، فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهِ فَقَالَ لَنَا:عَلَى مَصَافِّكُمْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا فَقَالَ:أَمَا إِنِّي سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِي عَنْكُمُ الغَدَاةَ:أَنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ فَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِي فَنَعَسْتُ فِي صَلَاتِي فَاسْتَثْقَلْتُ، فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ:يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ:لَبَّيْكَ رَبِّ، قَالَ:فِيمَ يَخْتَصِمُ المَلَأُ الأَعْلَى؟ قُلْتُ:لَا أَدْرِي رَبِّ، قَالَهَا ثَلَاثًا "قَالَ":فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ، فَقَالَ:يَا مُحَمَّدُ، قُلْتُ:لَبَّيْكَ رَبِّ، قَالَ:فِيمَ يَخْتَصِمُ المَلَأُ الأَعْلَى؟ قُلْتُ:فِي الكَفَّارَاتِ، قَالَ:مَا هُنَّ؟ قُلْتُ:مَشْيُ الأَقْدَامِ إِلَى الجَمَاعَاتِ، وَالجُلُوسُ فِي المَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ، وَإِسْبَاغُ الوُضُوءِ فِي المَكْرُوهَاتِ، قَالَ:ثُمَّ فِيمَ؟ قُلْتُ:إِطْعَامُ الطَّعَامِ، وَلِينُ الكَلَامِ، وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ .قَالَ: سَلْ .قُلْتُ:اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الخَيْرَاتِ، وَتَرْكَ المُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ المَسَاكِينِ، وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي، وَإِذَا أَرَدْتَ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ، وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلَى حُبِّكَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوهَا .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ هَذَا الحَدِيثِ، فَقَالَ:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .هَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ الوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ" ترجمہ:حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف نہیں لائے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ ہمیں سورج نکلتا ہوا نظر آجاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیزی کے ساتھ باہر تشریف لائے، نماز کے لئے اقامت کہی گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا:تم جس حالت میں ہو یہی رہو! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف رخ کیا اور ارشاد فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں جس وجہ سے میں آج صبح نہیں آسکا۔ گزشتہ رات میں بیدار ہوا، میں نے وضو کیا اور جتنی مقدر میں تھا نماز ادا کی۔ پھر میں نماز کے دوران ہی سو گیا، یہاں تک کہ گہری نیند میں چلا گیا، تو میں نے اپنے پروردگار کو بہترین صورت میں دیکھا۔ اس نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے عرض کی: میں حاضر ہوں اے میرے پروردگار! اس نے فرمایا: ملأ الاعلیٰ کس چیز کے بارے میں

بحث کرر ہے ہیں؟ میں نے عرض کی: میں نہیں جانتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ بیان کی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: پھر میں نے اللہ عزوجل کو دیکھا کہ اس نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، **تو ہر چیز میرے سامنے روشن ہوگئی اور میں نے اسے پہچان لیا (یعنی علم غیب عطا کردیا گیا)**۔ پھر رب تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے عرض کی میں حاضر ہوں، اے میرے رب! اللہ عزوجل نے فرمایا: ملا اعلیٰ کس چیز کے بارے میں بحث کرر ہے ہیں؟ میں نے عرض کی: کفارات کے بارے میں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اس سے کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کی: زیادہ قدموں کے ساتھ چل کر بھلائی کی طرف جانا، نماز کے بعد مساجد میں بیٹھنا اور جب طبیعت آمادہ نہ ہو اس وقت اچھی طرح وضو کرنا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: پھر کس چیز کے بارے میں؟ میں نے عرض کی: کھانا کھلانے، نرم گفتگو کرنے، رات کے وقت نوافل ادا کرنے جب لوگ سور ہے ہوں کے بارے میں بات کرر ہے ہیں۔ تو پرودگار نے فرمایا: تم مانگو! میں نے کہا: اے میرے اللہ عزوجل! میں تجھ سے بھلائی کے کام سرانجام دینے، برائی کو نہ کرنے، مسکینوں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور یہ سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت کردے اور مجھ پر رحم کر اور جب تو لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے آزمائش میں مبتلا کئے بغیر وصال دے دینا۔ میں تجھ سے تیری محبت اور جس سے تو محبت کرتا ہے، اس شخص کی محبت اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں، جو تیری محبت کے قریب کردے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ حق ہے اسے نوٹ کرلو اور پھر اس کی تعلیم حاصل کرو۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ اس روایت سے زیادہ مستند ہے جسے ولید بن مسلم نے عبدالرحمٰن بن یزید کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(سنن الترمذی ،ابواب تفسیر القرآن،باب ومن سورة ص، جلد5، صفحہ 368، مصطفی البابی الحلبی ،مصر)

**اسی ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی معراجِ منامی کے بیان میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ" ترجمہ: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب میرے علم میں آ گیا۔** (سنن الترمذی ،ابواب تفسیر القرآن،باب ومن سورة ص، جلد5، صفحہ 367، مصطفی البابی الحلبی ،مصر)

**مدارج النبوۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں** "ہر چہ در دنیا است از زمانِ آدم تا اوان نفخہ اولی بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تاھمہ احوال او را از اول تا آخر معلوم کرد ویارانِ خود رانیز از بعضے ازاں احوال خبر داد" **ترجمہ: جو کچھ دنیا میں ہے آدم علیہ السلام کے زمانے سے نفخہ اُولیٰ تک**

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منکشف کردیا ہے یہاں تک کہ تمام احوال آپ کو اول سے آخر تک معلوم ہو گئے ان میں سے کچھ اپنے دوستوں کو بھی بتادیئے۔

(مدارج النبوة،باب پنجم، وصل خصائص آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم،جلد1،صفحه144، مکتبه نوریه رضویه،سکھر)

ماکان وما یکون (جو کچھ ہوا جو کچھ ہوگا) علم کے متعلق صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا، فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الخَلْقِ، حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ، وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ، حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ، وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ" ترجمہ: ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ جانے تک کا حال ہم سے بیان فرمادیا۔ یادرکھا جس نے یادرکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔

(صحیح بخاری ، کتاب بدء الخلق ،باب ما جاء فی قول الله تعالی--،جلد4،صفحه106،دار طوق النجاة،مصر)

اسی طرح اور کثیر احادیث ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب علیہ السلام کو کثیر علم غیب عطا فرمایا تھا، وہابی عطائی علم غیب کے منکر ہیں بلکہ دیوبندیوں کے مولوی خلیل انبیٹھوی نے تو انتہا کردی اور یہاں تک کہہ دیا کہ شیطان کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے چنانچہ لکھتا ہے: "اس پر عذر کہ ابلیس کی وسعتِ علم نص سے ثابت ہے، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے۔"

(البراہین القاطعة،بحث علم غیب،صفحه 51،مطبع بلاساواقع ،ڈھور)

وہابی اپنی دلیل میں قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

(سورۃ النمل،سورة 27،آیت65)

وہابی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ عزوجل فرمادیا کہ غیب کا علم صرف رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ اہل سنت کے نزدیک اس آیت کا مطلب ہے کہ ذاتی طور پر اللہ عزوجل غیب جانتا ہے، اللہ عزوجل کے بتلائے بغیر کسی کو غیب کا علم نہیں ہوسکتا، ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب کو علم غیب عطا کیا جیسا کہ دوسری آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ امام اجل ابوزکریا نووی (المتوفی 676ھ) رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی پھر امام ابنِ حجر مکی (المتوفی 974ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں "لَا يعلم ذَلِك اسْتِقْلَالا وَعلم إحاطة بِكُل المعلومات إِلَّا الله وَأما المعجزات والكرامات

فباعلام الله لَهُم علمت وَ كَذَا مَا علم بإجراء العَادة " ترجمہ: کوئی بذات خود علم غیب نہیں جان سکتا اور کل معلومات کے علم کا احاطہ صرف رب تعالیٰ کو ہے۔ رہے انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات یہ تو اللہ عزوجل کے بتانے سے انہیں علم ہوتا ہے یونہی وہ باتیں کہ عادت کی مطابقت سے جن کا علم ہوتا ہے۔

(فتاوی حدیثیہ،مطلب فی حکم ما اذا قال قائل فلان یعلم الغیب،صفحہ 228، مصطفی البابی، مصر)

جامع الفصولین میں ہے "یجاب بانه یمکن التوفیق بان المنفی هو العلم بالاستقلال لا العلم بالاعلام اوالمنفی هو المجزوم به لا المظنون ویؤیده، قوله تعالٰی اتجعل فیها من یفسد فیها الاٰیة لانّه غیب اخبر به الملئکة ظنا منهم اوبا علام الحق فینبغی ان یکفر لوادعاه مستقلاً لا لو اخبربه باعلام فی نومه اویقظته بنوع من الکشف اذلامنافاة بینه وبین الاٰیة لما مرّمن التوفیق "(یعنی فقہا نے دعوی علم غیب پر حکمِ کفر کیا اور حدیثوں اور آئمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں جن کا انکار نہیں ہوسکتا) اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لیے بذاتِ خود علم غیب مانا جائے، خدا کے بتائے سے علمِ غیب کی نفی نہ کی، یا نفی قطعی کی ہے نہ ظنی کی، اور اس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے، فرشتوں نے عرض کیا تو زمین میں ایسوں کو خلیفہ کرے گا جو اس میں فساد و خونریزی کریں گے۔ ملائکہ غیب کی خبر بولے مگر ظناً یا خدا کے بتائے سے، تو تکفیر اس پر چاہیے کہ کوئی بے خدا کے بتائے علمِ غیب ملنے کا دعوی کرے نہ یوں کہ براہِ کشف جاگتے یا سوتے میں خدا کے بتائے سے، ایسا علمِ غیب آیت کے کچھ منافی نہیں۔

(جامع الفصولین ،الفصل الثامن والثلاثون،جلد2،صفحہ 302،اسلامی کتب خانہ ،کراچی )

امام قاضی عیاض شفا شریف اور علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں" (هـــــذه المعجزة)فی اطلاعه صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی الغیب (المعلومة علی القطع) بحیث لایمکن انکارها اوالتردد فیهالا حدٍ من العقلاء (لکثرة رواتها واتفاق معانیها علی الاطلاع علی الغیب) وهذالاینافی الاٰیات الدالة علی انه لایعلم الغیب الا الله وقوله ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر فان المنفی علمه من غیرواسطة وامّا اطلاعه صلی الله تعالٰی علیه وسلم علیه با علام الله تعالٰی له فامرمتحقق بقوله تعالٰی ﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردّد کی گنجائش نہیں کہ اس میں احادیث بکثرت آئیں اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے اور یہ ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جن میں یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے منافی ہے کہ نبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کہنے کا حکم ہوا کہ میں غیب جانتا تو اپنے لیے بہت خیر جمع کر لیتا، اس لیے کہ ان آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو بغیر واسطے کے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب ملنا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسول کے۔

(نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض ،ومن ذلك ما اطلع علیه من الغیوب، جلد3، صفحه 150، مرکز اہلسنت برکات رضا، الهند)

جو آیات و احادیث اہل سنت علم غیب کے ثبوت پر پیش کرتے ہیں وہابی اس کے متعلق کہتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے اپنے نبی علیہ السلام کو غیبی خبر دے دی تو پھر وہ غیب نہ رہا۔ وہابیوں کا یہ فلسفہ بالکل غلط ہے۔ اگر اس بات کو لیا جائے تو اللہ عزوجل کو عالم الغیب بھی کہنا بے فائدہ ہوا کہ اللہ عزوجل کو تو پہلے کا سب کچھ پتہ ہے۔ درحقیقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے کوئی غیبی خبر بتائی گئی تو یہ علمِ غیب ہے۔ اس لئے کہ غیب اسے کہتے ہیں جو حواسِ خمسہ (یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد) سے محسوس نہ ہو سکے اور نہ ہی عقل یا بداہت سے معلوم ہو سکے، لہٰذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے اپنی جنتی جہنمی ہونے، فلاں کا اصل والد کون ہے وغیرہ پوچھا تو یہ ایک غیبی معاملہ ہے جو حواس خمسہ سے باہر ہے، اب حضور علیہ السلام نے جب اس کی خبر دی اگرچہ اللہ عزوجل کی عطا سے دی تو یہ علم غیب ہی ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی محبوب کو عطا کیا۔ جیسے ایک شخص کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں اب اللہ عزوجل نے اس الہام کیا کہ اس کے پیچھے فلاں فلاں چیز ہے تو یہ علم عزوجل کی عطا ہوئی کہ حواس خمسہ سے نہیں پتہ چل سکتا تھا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔

دوسرا یہ کہ علم غیب صرف وحی پر موقوف نہ تھا بلکہ اللہ عزوجل نے آپ کو پہلے اجمالی طور پر علم غیب عطا کیا جیسا کہ اوپر معراج کے موقع پر حدیث پاک پیش کی ہے کہ جب اللہ عزوجل نے اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کی پشت پر رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین و آسمان کا علم ہوا پھر نزول قرآن کے ساتھ ساتھ آپ کا علم بتدریج بڑھتا گیا اور ختم قرآن پر اگلے پچھلوں کا علم آپ کو عطا کر دیا گیا۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام جو بھی غیبی خبر بتاتے تھے وہ وحی ہوتی تھی بلکہ اللہ عزوجل نے آپ کو علم غیب بھی عطا فرمایا تھا۔

وہابی ثبوت غیب کے دلائل کو نظر انداز کر کے نفی غیب پر جو بعض واقعات پیش کرتے ہیں کہ اگر علم غیب ہوتا تو فلاں واقعہ نہ ہوتا فلاں نہ ہوتا وغیرہ۔ نفی غیب پر جو سب سے زیادہ دلیل دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں کسی بچی نے ایک شعر پڑھا "وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِی غَدِ" ہمارے اندر ایسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے جو آنے والے کل کے واقعات کو جانتا ہے۔ تو یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور ارشاد فرمایا "مَا یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ إِلَّا اللّٰہُ" ہونے والے واقعات کی خبر اللہ تعالیٰ

کی ذات کے سوا کسی کو نہیں۔

(سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الغناء والدف، جلد1، صفحه 611، حديث 1897، دار احياء الكتب العربية، الحلبي)

اس حدیث پاک میں بھی علم ذاتی کی نفی ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں "لكراهة نسبة علم الغيب إليه لأنه لا يعلم الغيب إلا الله وإنما يعلم الرسول من الغيب ما أخبره أو لكراهة أن يذكر في أثناء ضرب الدف وأثناء مرثية القتلى لعلو منصبه عن ذلك" ترجمہ: اپنی طرف علم کی نسبت کرنے کو منع فرمانا، یا تو اس وجہ سے ہے کہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول علیہم السلام وہی غیب جانتے ہیں جو اللہ عزوجل بتائے، یا اس وجہ سے منع فرمایا کہ آپ نے یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دف بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جائے کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، جلد5، صفحه 2065، دار الفكر، بيروت)

ہر وہابی نفی غیب پر اوپر والی حدیث تو پیش کرتا ہے دیگر احادیث کیوں نہیں پیش کرتے جن میں علم غیب کا ثبوت ہے؟ مشکوٰۃ شریف کی حدیث پاک ہے "عن أبي هريرة قال جاء ذئب إلى راعي غنم فأخذ منها شاة فطلبه الراعي حتى انتزعها منه قال فصعد الذئب على تل فأقعى واستذفر فقال عمدت إلى رزق رزقنيه الله عز و جل أخذته ثم انتزعته مني فقال الرجل تالله إن رأيت كاليوم ذئبا يتكلم فقال الذئب أعجب من هذا رجل في النخلات بين الحرتين يخبركم بما مضى وبما هو كائن بعدكم و كان الرجل يهوديا فجاء الرجل إلى النبي صلى الله عليه و سلم فأسلم وخبره فصدقه النبي صلى الله عليه و سلم ثم قال النبي صلى الله عليه و سلم: إنها أمارةٌ من أمارات بين يدي الساعة قد أوشك الرجل أن يخرج فلا يرجع حتى تحدثه نعلاه و سوطه ما أحدث أهله بعده" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیا کسی بکریوں کے چرواہے کی طرف گیا، اس سے ایک بکری پکڑی، اسے چرواہے نے تلاش کیا حتی کہ بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ بھیڑیا ٹیلہ پر چڑھ گیا وہاں بیٹھ گیا اور دم دبالی اور بولا میں نے اس روزی کا ارادہ کیا جو مجھے اللہ نے دی میں نے اسے لیا پھر تو نے وہ مجھ سے چھین لی۔ تو یہ شخص بولا اللہ کی قسم میں نے آج جیسا واقعہ کبھی نہ دیکھا بھیڑیا باتیں کر رہا ہے۔ تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب تو یہ ہے کہ ایک صاحب دو پہاڑوں کے بیچ کھجوروں کے جھنڈوں میں تم کو ساری گزشتہ اور بعد میں آنے والی باتوں کی خبر دے رہے ہیں۔ وہ شخص یہودی تھا پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور آپ کو بھیڑیے کی خبر دی تو نبی علیہ السلام نے اس کی تصدیق فرمائی

۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، قریب ہے ایک شخص گھر سے باہر جائے گا پھر جب وہ واپس آئے گا تو اس کے جوتے اور اس کا کوڑا اسے ان باتوں کی خبریں دیں گے جو اس کے پیچھے اس کے گھر والوں نے کیں۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الفضائل ،باب فضائل سید المرسلین ،جلد3،صفحہ 288،المکتب الإسلامی ،بیروت)

ایک موقع پر صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ ہر غیب کو جانتے ہیں تو حضور علیہ السلام نے انکار نہ کیا بلکہ تائید فرمائی چنانچہ المستدرک للحاکم ،معجم کبیر، معجم ابی یعلی موصلی تفسیر قاسمی، تفسیر شعراوی اور تفسیر ابن کثیر کی حدیث پاک ہے کہ حضرت سواد ابن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں اشعار پڑھے جن میں ایک شعر یہ تھا:

فَأَشْهَدُ أَنَّ اللهَ لَا شَیْء غَيْرُه-----وَأَنَّكَ مَأْمُونٌ عَلَى كُلِّ غَائِبِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ کو تمام غائب کا امین بنایا گیا ہے۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا" أَفْلَحْتَ يَا سَوَادُ" اے سواد تو کامیاب ہوا۔

(تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر)، جلد7،صفحہ 276، دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

اسی طرح اور بعض واقعات سے جو وہابی علم غیب کی نفی ثابت کرتے ہیں تو اس کا یہی جواب ہے کہ یا تو اس میں حضور علیہ السلام کے نہ بتانے میں کوئی حکمت تھی یا وہ تکمیلِ قرآن سے پہلے کا واقعہ ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس مسئلہ پر بعدِ تحقیق ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا جب کلی حدیث ہے کہ آپ نے معراج کی رات کا واقعہ سناتے ہوئے بتادیا کہ مجھے علم ہو گیا اب جزئی استدلال سے علم غیب کی نفی کرنا جہالت ہے۔ اس کے مثال یوں سمجھیں کہ زید نے خود کہا ہو میں چائے پیتا ہوں، اب زید ایک مرتبہ بکر کے پاس گیا اور بکر نے زید سے کہا آپ چائے پیوں گے تو زید نے کہا نہیں، اب زید کے اس انکار سے بکر اگر یہ استدلال کرے کہ زید چائے نہیں پیتا یہ غلط ہو گا کیونکہ اس نے تو خود اقرار کیا ہے میں چائے پیتا ہوں اور بکر کے پاس جو اس نے انکار کیا اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں کہ ہو سکتا ہے اس کا دل نہ کر رہا ہو یا چائے پی کر آیا ہو۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں

اہل سنت کے نزدیک اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نور سے پیدا کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ﴾ ترجمہ: یقیناً آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔

(سورۃ المائدہ، آیت 15)

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ﴾ رَسُول يَعْنِي مُحَمَّدًا" ترجمہ: تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔

(تفسیر ابن عباس ،فی تفسیر،سورۃ المائدۃ،سورت5، آیت15 ،صفحہ90،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

جامع البیان فی تاویل القرآن میں محمد بن جریر ابو جعفر الطبری (متوفی 310ھ) رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں "یعنی بالنور، محمدًا صلی اللہ علیہ و سلم "ترجمہ: یعنی نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا مراد ہے۔

(تفسیر طبری ،جلد10 ،صفحہ143 ،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

تفسیر فتح القدیر میں وہابیوں کے امام شوکانی (1250ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا "قَالَ الزَّجَّاجُ: النُّورُ محمد صلّی اللہ علیہ وَسَلَّمَ" ترجمہ: زجاج نے کہا: نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

(فتح القدیر ،فی تفسیر، سورۃ المائدۃ،سورت5، آیت15 ،جلد2 ،صفحہ28، دار ابن کثیر، بیروت)

وہابی حضور علیہ السلام کے نور ہونے کی نفی کرتے ہیں اور آپ علیہ السلام کو اپنے جیسا ایک بشر سمجھتے ہیں۔ وہابی کہتے ہیں کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن ہے جبکہ یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ عربی زبان میں کئی مقامات پر فصاحت و بلاغت اور دیگر مقاصد کے پیش نظر تثنیہ کے لئے واحد کی ضمیر کو لوٹایا جاتا ہے۔ تفسیر کبیر میں امام المفسرین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں "النُّورُ وَالْكِتَابُ هُوَ الْقُرْآنُ، وَهَذَا ضَعِيفٌ لِأَنَّ الْعَطْفَ يُوجِبُ الْمُغَايَرَةَ بَيْنَ الْمَعْطُوفِ وَالْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ" ترجمہ: ایک قول یہ ہے کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن مجید ہے، یہ قول ضعیف ہے کیونکہ حرف عطف معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کو واجب کرتا ہے۔

(تفسیر رازی ،جلد11 ،صفحہ 327،دار احیاء التراث العربی ،بیروت)

بعض وہابی کہتے ہیں کہ اس میں نور سے مراد نورِ ہدایت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی تو ہوتا ہی نورِ ہدایت میں پھر اس میں حضور علیہ السلام کی کیا خاص تخصیص ہوئی اور بلاوجہ حقیقی معنی کو مجازی معنی کی طرف پھیرنا درست نہیں ہوتا۔

حضور علیہ السلام کے نور نہ ہونے پر وہابی قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (سورۃ النحل، سورۃ16 ،آیت43)

وہابیوں کا نور کی نفی پر یہ آیت پیش کرنا ناسمجھی ہے۔ ہم حضور علیہ السلام کے بشر ہونے کے منکر نہیں ہے بلکہ ہم کہتے ہیں

کہ حضور بشری صورت میں جلوہ گر ہوئے حقیقت میں آپ نور تھے جیسا کہ قرآن پاک کی آیت اور حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ مصنف عبدالرزاق کی صحیح حدیث ہے۔امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور امام اجل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث احد الاعلام عبدالرزاق ابو بکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں روایت بیان کی ہے "عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنكدر عن جابر قال:سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اول شئى خلقه الله تعالىٰ ؟ فقال:هو نور نبيك يا جابرخلقه الله ،ثم خلق فيه كل خير ،وخلق بعده كل شئى ،وحين خلقه اقامه قدامه من مقام القرب اثنى عشر الف سنة،ثم جعله اربعة اقسام فخلق العرش والكرسى من قسم،وحملة العرش وخرنة الكرسى من قسم ،واقام القسم الرابع فى مقام الحب اثنى عشر الف،ثم جعله اربعة اقسام فخلق القلم من قسم ،واللوح من قسم ،والجنة من قسم ،ثم اقام القسم الرابع فى مقام الخوف اثنى عشر الف سنة،جعله اربعة اجزاء فخلق الملائكة من جزء ،والشمس من جزء ،والقمر والكواكب من جزء ،واقام الجزء الرابع فى مقام الرجاء اثنى عشر الف سنة،ثم جعله اربعة اجزاء فخلق العقل من جزء،والعلم والحكمة من جزء، والعصمة والتوفيق من جزء ،واقام الجزء الرابع فى مقام الحياء اثنى عشر الف سنة ثم نظر الله عزوجل اليه فترشح النور عرقا فقطر منه مائة الف واربعة(وعشرون الف واربعة الاف)قطرة من نور ،فخلق الله من كل قطرة روح نبى او روح رسول ،ثم تنفست ارواح الانبياء فخلو الله من انفاسهم الاولياء والشهداء والسعداء والمطيعين الى يوم القيمة، فالعرش والكرسى من نورى والكروبيون من نورى والروحاينيون والملائكة من نورى، والشمس والقمر والكوكب من نورى،والعقل والتوفيق من نورى، وارواح العسل والانبياء من نورى، والشهداء والسعداء والصالحون من نتاج نورى، ثم خلق الله اثنى عشرالف حجاب فاقام الله نورى وهو الجزء الرابع ،فى كل حجاب الف سنة، وهى مقامات العبودية والسكينة والصبر والصدق واليقين، فغمس الله ذالك النور فى كل حجاب الف سنة فلما اخرج الله النور من الحجب ركبه الله فى الارض فكان يضىء منها مابين المشرق والمغرب كالسراج فى الليل المظلم، ثم خلق الله آدم من الارض فركب فيه النور فى جبينه، ثم انتقل منه الى شيث، وكان ينتقل من طاهر الى طيب، ومن طيب الى طاهر، الى ان اوصله الله صلب عبدالله بن عبد المطلب، ومنه الى رحم امى آمنة بنت وهب، ثم اخرجنى الى الدنيا فجعلنى

سیدالمرسلین و خاتم النبیین و رحمة اللعلمین و قائد الغر المحجلین وھکذا کان بدء خلق نبیك یا جابر"ترجمہ:
حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا، پھر اس میں ہر خیر کو پیدا فرمایا اور ہر شے کو اس کے بعد پیدا کیا، اور جب اس نور کو پیدا کیا تو اسے اپنے سامنے مقام قرب میں بارہ ہزار سال قائم کیا، پھر اس کی چار قسمیں بنائیں، ایک قسم سے عرش اور کرسی کو پیدا کیا، ایک قسم سے عرش کے حاملین اور کرسی کے خازنوں کو پیدا کیا، چوتھی قسم کو مقام محبت میں بارہ ہزار سال رکھا، پھر اسے چار حصے کیا، ایک قسم سے قلم کو، ایک سے لوح کو اور ایک قسم سے جنت کو پیدا کیا، پھر چوتھی قسم کو مقام خوف میں بارہ ہزار سال رکھا اور اسے چار حصے کیا، ایک حصے سے فرشتوں کو، ایک سے سورج کو اور ایک حصے سے چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، پھر چوتھے حصے کو مقام رجاء میں بارہ سال رکھا، پھر اسے چار حصے کیا، ایک سے عقل، ایک سے علم وحکمت اور عصمت وتوفیق کو پیدا کیا، چوتھی جزء کو بارہ ہزار سال مقام حیا میں قائم کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر فرمائی تو اس نور کو پسینہ آ گیا اور اس نور سے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے ٹپکے، اللہ تعالیٰ نے ہر قطرے سے کسی نبی یا رسول کی روح کو پیدا فرمایا۔ پھر انبیاء کی روحوں نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سانسوں سے قیامت تک ہونے والے اولیاء، شہداء، ارباب سعادت اور اصحاب اطاعت کو پیدا فرمایا۔ پس عرش اور کرسی میرے نور سے کروبیاں میرے نور سے، فرشتے اور اصحاب روحانیت میرے نور سے، جنت اور اس کی نعمتیں میرے نور سے، ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے، سورج چاند اور ستارے میرے نور سے، عقل اور توفیق میرے نور سے، رسولوں اور انبیاء کی روحیں میرے نور سے، شہداء، سعداء اور صالحین میرے نور سے پیدا ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے اور میرے نور یعنی چوتھی جزء کو ہر پردے میں ایک ہزار سال رکھا، یہ عبودیت، سکینہ، صبر، صدق اور یقین کے مقامات تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ہر پردے میں ایک ہزار سال غوطہ دیا، اور جب اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ان پردوں سے نکالا تو اسے زمین پر اتار دیا، تو جس طرح اندھیری رات میں چراغ سے روشنی ہوتی ہے اسی طرح اس نور سے مشرق سے لے کر مغرب تک کی فضا منور ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو وہ نور ان کی پیشانی میں رکھ دیا، ان سے وہ نور حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا، وہ نور طاہر سے طیب کی طرف اور طیب سے طاہر کی طرف منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کی پشت تک پہنچا دیا اور وہاں سے ہماری والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کے رحم کی طرف منتقل کیا، پھر ہمیں اس دنیا میں جلوہ گر کیا اور ہمیں

رسولوں کا سردار، انبیاء کا خاتم، تمام جہانوں کے لئے رحمت مجسم اور روشن اعضاءِ وضو والوں کا قائد بنایا، اے جابر اس طرح تیرے نبی کی ابتدا تھی۔ (الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف، صفحہ63، مطبع بیروت)

(مصنف عبد الرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب، صفحہ97--، مکتبہ قادریہ، لاہور)

وہابی بغیر کسی دلیل کہ اس مسئلہ میں ضد کرتے ہیں اور اس حدیث کو ماننے سے انکار کرتے ہیں جبکہ یہ صحیح حدیث پاک ہے اور کئی سالوں تک مصنف عبد الرزاق سے نکالی دی گئی تھی، لیکن جید علمائے اسلاف نے مصنف ہی کے حوالے سے اسے بیان کیا تھا جیسا کہ الفتاوی الحدیثیۃ میں احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی السعدی الأنصاری، شہاب الدین شیخ الاسلام ابو العباس (المتوفی 974ھ) لکھتے ہیں "فقد أخرج عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله الأنصاری رضی الله عنهما قال: قلت:یا رسول الله بأبی أنت وأمی أخبرنی عن أول شیء خلقه الله قبل الأشیاء؟ قال:یا جابر إن الله خلق قبل الأشیاء نور نبیك محمد صلى الله علیه وسلم من نوره----" ترجمہ: امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، مجھے خبر دیں کہ اللہ عزوجل نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اشیاء کی تخلیق سے قبل اپنے نور سے تیرے نبی علیہ السلام کے نور کو پیدا کیا۔

(الفتاوی الحدیثیة، صفحہ44، دار الفکر، بیروت)

مدارج النبوۃ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "درحدیث صحیح وارد شده که اول ماخلق الله نوری" ترجمہ: اس پر صحیح حدیث وارد ہے کہ اللہ عزوجل نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

(مدارج النبوة، جلد2، صفحہ2، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

حدیثِ جابر (اے جابر! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا) نقل کرنے کے بعد دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا: ''اس حدیث سے نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقت ثابت ہوا کیونکہ جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے، ان اشیاء کا نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متأخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔''

(نشر الطیب، ص7، اسلامی کتب خانہ، لاہور)

رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے لکھا "وبتواتر ثابت شد که آں حضرت علی سایه نداشتند وظاهر است که بجز نور همه اجسام ظل مے دارند" ترجمہ: یہ بات تواتر اً ثابت کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، یہ بات ظاہر ہے

کہ جو چیز نور ہو اس کا سایہ نہیں ہوتا۔ (امداد السلوک، صفحہ86)

پتہ چلا کہ سنی علماء سمیت وہابی بھی نور والی حدیث کو صحیح مانتے رہے ہیں۔ لیکن بعد کے وہابیوں نے دعویٰ کیا کہ مصنف عبدالرزاق میں وہ حدیث نہیں ہے۔ بعد میں مصنف عبدالرزاق کا پرانا نسخہ مل گیا جس میں نور اور سایہ والی حدیث پاک مل گئی، لیکن وہابیوں نے ماننے سے انکار کیا جس کا تفصیلی جواب سنی عالم دین مولانا کاشف اقبال مدنی صاحب نے دیا اور ثابت کیا ہے یہ نسخہ صحیح ہے اور وہابیوں کے ہی اکابر مولویوں نے اس حدیث کو مانا ہے۔

### حضور علیہ السلام کا سایہ نہ ہونا

اہل سنت کے نزدیک حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر امام بخاری کے استاد عبدالرزاق رحمہما اللہ نے یہ حدیث پاک روایت کی ہے "عبدالرزاق عن ابن جریج قال اخبرنی نافع ان ابن عباس قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس قط الا غلب ضوء ہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوء ہ ضوء السراج" ترجمہ: امام عبدالرزاق، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: مجھے نافع نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، آپ کبھی سورج کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہوئی تھی اور آپ کبھی چراغ کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی۔

(الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف، صفحہ56، مطبع بیروت)

(مصنف عبد الرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب، صفحہ10، مکتبہ قادریہ، لاہور)

یہ حدیث پاک صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اسلاف کے جید محدثین وعلماء کرام نے صراحت کی ہے کہ حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا۔ چند نام وحوالے پیش خدمت ہیں:

حافظ رزین محدث وعلامہ ابن سبع صاحب شفاء الصدور وامام علامہ قاضی عیاض صاحب کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ وامام عارف باللہ سیدی جلال الملۃ والدین محمد بلخی رومی قدس سرہ وعلامہ حسین بن دیار بکری واصحاب سیرت شامی وسیرت حلبی وامام علامہ جلال الملۃ والدین سیوطی وامام شمس الدین ابوالفرج ابن جوزی محدث صاحب کتاب الوفاء وعلامہ شہاب الحق والدین خفاجی صاحب نسیم الریاض وامام احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ وفاضل اجل محمد زرقانی مالکی شارح مواہب وشیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وجناب شیخ مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی وبحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی

وشیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے۔

الخصائص الکبری شریف میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "من خصَائِصه ان ظله کَانَ لَا یَقع علی الأَرُض وَأَنه کَانَ نورا "ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور بے شک آپ نور ہیں۔

(الخصائص الکبریٰ، باب الآیة فی انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یکن یری له ظل ،جلد1،صفحه116،دار الکتب العلمیة ،بیروت)

سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ علامہ ابن جوزی محدث رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں "قال لم یکن لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ظل ، ولم یقم مع شمس قط الاغلب ضؤوه ضوء الشمس ، ولم یقم مع سراج قط الاغلب ضوؤه علی ضوء السراج" ترجمہ: یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ کہ ان کا نور عالم افروز خورشید کی روشنی پر غالب آگیا، اور نہ قیام فرمایا چراغ کی ضیاء میں مگر یہ کہ حضور کے تابش نور نے اس کی چمک کو دبالیا۔

(الوفاء باحوال المصطفی ،الباب التاسع والعشرون ،جلد2،صفحه407، مکتبه نوریه رضویه، فیصل آباد)

تفسیر مدارک میں ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفی (المتوفی 710ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال عثمٰن رضی الله تعالیٰ عنه ان الله ما اوقع ظلك علی الارض لئلا یضع انسان قدمه علی ذلك الظل" ترجمہ: امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی بے شک اللہ تعالیٰ نے حضور کا سایہ زمین پر نہ ڈالا کہ کوئی شخص اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔

(مدارك التنزیل،تحت الآیة 12،ج3،ص145،دارالکتاب العربی، بیروت)

سبل الہدی والرشاد میں محمد بن یوسف الصالحی الشامی (المتوفی 942ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وزاد عن الامام الحکیم قال معناه لئلایطأعلیه کافر فیکون مذلة له" ترجمہ: امام ترمذی نے یہ اضافہ کیا: اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر سایہ اقدس پر پاؤں نہ رکھے کیونکہ اس میں آپ کی توہین ہے۔

(سبل الهدیٰ والرشاد،الباب العشرون فی مشیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم،جلد2،صفحه90، دارالکتب العلمیة، بیروت)

مدارج النبوۃ میں شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں "ونبود مر آنحضرت را صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم سایه نه در آفتاب ونه در قمر رواه الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول وعجب است ایں بزرگان که ذکر نکر وند چراغ راونور یکے از اسمائے آنحضرت است صلی اللہ تعالیٰ علیه

وسلم ونور راسایه نمی باشد انتهٰی " ترجمہ: سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں نہ تھا۔ بروایت حکیم ترمذی از ذکوان، اور تعجب یہ ہے ان بزرگوں نے اس ضمن میں چراغ کا ذکر نہیں کیا اور ''نور'' حضور کے اسماء مبارکہ میں سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ (مدارج النبوة، باب اول ،بیان سایه،ج1،ص21،مکتبه نوریه رضویه، سکھر)

شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اورا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سایه نبود ودرعالم شهادت سایۂ هرشخص از شخص لطیف تر است وچوں لطیف ترے ازوے صلی الله تعالیٰ علیه وسلم درعالم نباشد اوراسایه چه صورت داروء" ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے بہت لطیف ہوتا ہے، اور چونکہ جہان بھر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی چیز لطیف نہیں ہے لہٰذا آپ کا سایہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی، مکتوب صدم ،ج3،ص187،نولکشور، لکھنئو)

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر عزیزی سورۂ والضحیٰ میں لکھتے ہیں "سایه ایشاں برزمیں نمی افتاد"ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا۔ (تفسیر عزیزی، پ 30 ،سورة الضحیٰ،ص312، مسلم بك ڈپو، لا ل كنواں ، دہلی)

دیوبندیوں کے مرکز مدرسہ دیوبند کا بڑا مفتی مولوی عزیز الرحمٰن جو دیوبند کے اولین مفتی ہیں وہ اپنے ایک فتویٰ میں لکھتا ہے: ''امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے "اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر" اور تواریخِ خبیب الٰہ میں مفتی عنایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا بدن نور تھا اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا۔'' (فتاویٰ دیوبند ،جلد8،صفحه202،دارالاشاعت دیوبند،ضلع سهارنپور،ماخوذ از فتاویٰ نوریه)

وہابی حضور علیہ السلام کے سایہ ہونے کو ثابت کرتے ہیں اور اس پر قیاس کرتے ہیں کہ سب مخلوق کا سایہ ہوتا ہے، حضور بھی مخلوق ہیں۔ وہابیوں کا یہ قیاس مردود ہے۔ بدیہی سی بات ہے کہ کئی معاملات میں استثناء بھی ہوتا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے خود فرماتے ہیں "لَسْتُ مِثْلَکُمْ" میں تم جیسا نہیں۔ دوسری بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ" میں تمہاری ہیئت پر نہیں۔ لہٰذا جب حضور علیہ السلام کی مثل کوئی نہیں تو مخلوق کے سایہ ہونے پر حضور علیہ السلام کا سایہ ثابت کرنا بالکل غلط ہے۔

وہابی اپنے دلائل میں دو احادیث پیش کرتے ہیں:

ایک حدیث حاکم مستدرک کی یہ ہے "عُرِضَتْ عَلَیَّ النَّارُ فِیمَا بَیْنِی وَبَیْنَکُمْ حَتَّی رَأَیْتُ ظِلِّي وَظِلَّکُمْ فِیهَا فَأَوْمَأْتُ إِلَیْکُمْ أَنِ اسْتَأْخِرُوا" (اس حدیث کا ترجمہ جو وہابی کرتے ہیں وہ یہ ہے) مجھ پر جہنم پیش کی گئی، اِس کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ دیکھتے ہی میں نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب الفتن و الملاحم، وأما حديث عمران بن حصين، جلد4، صفحه503، دار الكتب العلمية، بيروت)

یہاں وہابی حدیث کا جو ترجمہ کرتے ہیں وہ لغوی وعقلا باطل ومردود ہے۔ پوری حدیث میں کسی ایک جملہ سے بھی یہ ترجمہ نہیں بنتا کہ جہنم کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ پھر عقلا اس وجہ سے یہ ترجمہ باطل ہے کہ جہنم کی آگ سیاہ ہے جیسا کہ کثیر احادیث سے ثابت ہے، جب جہنم کی آگ سیاہ ہے تو سیاہ آگ کا روشن ہونا اور اس سے سایہ پیدا ہو جانا عقلا محال ہے۔

دراصل حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں" حتى رأيت ظلي وظلكم فيها" ترجمہ: یہاں تک کہ میں نے اس (جہنم) میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ اس حدیث کی شرح میں تو فی الحال کسی وہابی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضور علیہ السلام کا سایہ معاذ اللہ جہنم میں تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہم خود نہیں دیتے بلکہ کسی ایسے بزرگ کا جواب نقل کرتے ہیں جو وہابیوں اور اہل سنت کے متفقہ مستند عالم ہیں چنانچہ نوادر الاصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں محمد بن علی بن الحسن بن بشر ابو عبد اللہ الحکیم الترمذی (المتوفی 320ھ) فرماتے ہیں "وَقَولُه صلى الله عَلَيهِ وَسلم حَتَّى رَأَيتُ ظِلِّي وظلكم فِيهَا فان النَّار سَودَاء مظْلمَة والمؤمنون أهل نور وضياء فَوَقع ضوء هم على ظلْمَة النَّار على مقادير نورهم وأجسادهم " یعنی حضور علیہ السلام کے فرمان: یہاں تک کہ میں نے اس میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ تو بے شک جہنم کی آگ کالی اندھیری ہے اور مومنین اہل نور اور روشن ہیں تو ان مومنین کی روشنی اس اندھیری آگ پر ان کے نور واجسام کی مقدار کے برابر واقع ہوئی۔

(نوادر الأصول فی أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم، الأصل الثالث والثلاثون والمائة، فيما يعلم به منزلة العبد عند الله تعالى، جلد2، صفحه129، دار الجيل، بيروت)

یعنی حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کی نورانیت جو ان کے درجات کے اعتبار سے تھی، اس نورانیت نے جہنم کی آگ کو مغلوب کر دیا۔ یہ اس طرح اشارہ تھا کہ حضور علیہ السلام کے صدقہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی جہنم کی آگ نہیں پہنچ سکتی،

آگ ان ہستیوں کے نور کے آگے مغلوب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

اس کے علاوہ وہابی مسند احمد کی ایک حدیث پاک پیش کرتے ہیں کہ سیدہ زینب اور سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حج کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہ کے پاس ایک اونٹ تھا اور وہ بیمار ہوگیا جبکہ حضرت زینب کے پاس دو اونٹ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ایک زائد اونٹ صفیہ کو دے دو۔ تو انہوں نے کہا: میں اس یہودیہ کو کیوں دوں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو گئے۔ تقریباً تین ماہ تک زینب کے پاس نہ گئے حتی کہ زینب نے مایوس ہو کر اپنا سامان باندھ لیا۔ پھر جب ربیع الاول آیا تو حضور علیہ السلام حضرت صفیہ کی طرف آئے تو انہوں نے ان کا سایہ دیکھا تو سمجھا کسی اور کا ہے جبکہ وہ حضور علیہ السلام ہی تھے اور بعد میں آپ علیہ السلام ان سے راضی ہو گئے۔ پوری حدیث پاک امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یوں روایت کرتے ہیں" حدثنا عبد الله حدثنى أبى ثنا عبد الرزاق قال ثنا جعفر بن سليمان عن ثابت قال حدثتني شميسة أو سمية قال عبد الرزاق هو فى كتابى سمينة عن صفية بنت حيى ان النبى صلى الله عليه و سلم حج بنسائه فلما كان فى بعض الطريق نزل رجل فساق بهن فاسرع فقال النبى صلى الله عليه و سلم كذاك سوقك بالقوارير يعنى النساء فبينا هم يسيرون برك بصفية بنت حيى جملها و كانت من أحسنهن ظهرا فبكت و جاء رسول الله صلى الله عليه و سلم حين أخبر بذلك فجعل يمسح دموعها بيده وجعلت تزداد بكاء وهو ينهاها فلما أكثرت زبرها وانتهرها و أمر الناس بالنزول فنزلوا ولم يكن يريد ان ينزل قالت فنزلوا و كان يومى فلما نزلوا ضرب خباء النبى صلى الله عليه و سلم ودخل فيه قالت فلم أدر علام أهجم من رسول الله صلى الله عليه و سلم وخشيت ان يكون فى نفسه شىء منى فانطلقت إلى عائشة فقلت لها تعلمين انى لم أكن أبيع يومى من رسول الله صلى الله عليه و سلم بشىء أبدا وأنى قد وهبت يومى لك على ان ترضى رسول الله صلى الله عليه و سلم عنى قالت نعم قال فأخذت عائشة خمارا لها قد ثردته بزعفران فرشته بالماء ليذكى ريحه ثم لبست ثيابها ثم انطلقت إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم فرفعت طرف الخباء فقال لها مالك يا عائشة ان هذا ليس بيومك قالت ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء فقال مع أهله فلما كان عند الرواح قال لزينب بنت جحش يا زينب أفقرى أختك صفية جملا و كانت من أكثرهن ظهرا فقالت أنا أفقر يهوديتك فغضب النبى صلى الله عليه و سلم حين سمع ذلك منها فهجرها فلم يكلمها حتى قدم مكة وأيام منى فى سفره

حتی رجع إلی المدینة المحرم و صفر فلم یأتها ولم یقسم لها ویئست منه فلما کان شهر ربیع الأول دخل علیها فرأت ظله فقالت ان هذا لظل رجل وما یدخل علی النبی صلی الله علیه و سلم فمن هذا فدخل النبی صلی الله علیه و سلم فلما رأته قالت یا رسول الله ما أدری ما أصنع حین دخلت علی قالت و کانت لها جاریة و کانت تخبؤها من النبی صلی الله علیه و سلم فقالت فلانة لك فمشی النبی صلی الله علیه و سلم إلی سریر زینب و کان قد رفع فوضعه بیده ثم أصاب أهله ورضی عنهم إسناده ضعیف لجهالة سمیة أو شمیسة"

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث صفیة أم المؤمنین رضی الله عنه، جلد6، صفحه337، مؤسسة قرطبة، القاہرة)

مسند احمد کے حاشیہ ہی میں اس کی صراحت کردی گئی کہ یہ حدیث ضعیف ہے سمیہ یا شمیسہ راویہ کی جہالت کی وجہ سے۔ اسی مضمون کی حدیث معجم طبرانی کی حدیث پاک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اوراس میں بھی وہی سمیہ مجہول راوی ہے۔

اگراس حدیث کوصحیح مان بھی لیا جائے تواس کا جواب یہ ہے کہ اس میں سایہ سے مراد حقیقی سایہ نہیں جوانسان کا ہوتا ہے بلکہ اس میں سایہ سے مراد شخصیت ہے چنانچہ غزالی زماں علامہ کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سایہ کے مسئلہ پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:"

**امراول:** "ظل" کے معنی کا بیان اوراس بات کا ثبوت کہ لفظ "ظل" لغتِ عرب میں "شخص" اور "جسم" کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ منتہی الارب لفظ ظل کے تحت فرماتے ہیں: (1) راحت (2) ونعمت و خیال کہ از دیو و پری وجز آں پیدا شد۔ (3) واسپ مسلمہ بن عبدالملک (4) وارجمندی (5) واستواری (6) وریشہ (7) و پرزہ جامہ (8) وشب (9) یا بہرہ از شب، (10) وکالبد (11) وشخص ہر چیزے (12) یاپوشش آں (13) واوّل جوانی۔ منتہی الارب، جلد3، صفحہ 78۔

اسی طرح تاج اللغت میں لفظ ظل کے معنی بیان کرتے ہوئے ارقام فرمایا: ونیز خیالے کہ (1) دیدہ میشود از جن وجز آں، و(2) نام اسپ مسلمہ بن عبدالملک و(3) عزت و(4) غلبہ و(5) ریشہ و(6) تار جامہ کہ از دوختن دو طرف جامہ ظاہر شود زمخشری گوید ھذا ثوبٌ مالہ ظلٌ۔ آگے چل کرفرماتے ہیں ظل کل شی (7) شخص آں چیز یا (8) پردہ آں۔ انتہی۔۔ تاج اللغۃ، فصل الظاء۔

القاموس المحیط میں ہے "الظل، بالکسر :نقیض الضح، او الفیء، او بالغداۃ، والفیء بالعشی، جمع ظلال وظلول واظلال، والجنة۔ ومنه :(وَلَا الظِلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ)، والخیال من الجن وغیره یریٰ، وفرس مسلمة

بن عبدالملك، والعز والمنعة، والزئبرُ، والليل او جنحه، ومن كل شيء، شخصه، او كنه، و من الشباب اوله، ومن القيظ شدته، ومن السحاب ماورای الشمس منه، او سواده، و من النهار لوانه اذا غلبته الشمس، وهو فی ظله : كنفه۔ انتہیٰ "ترجمہ: ظل بالکسر روشنی کی نقیض ہے یا ظل بمعنی فئی (سایہ) ہے یا ظل صبح کو ہوتا ہے اور فئی شام کو ہوتا ہے، جمع ظلال، ظلول اور اظلال ہے اور ظلِ جنت کو بھی ظل کہتے ہیں اور اسی سے ہے " وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ " اور ظل جن وغیرہ کے خیال کو بھی کہتے ہیں اور مسلمہ بن عبدالملک کے گھوڑے کو بھی ظل کہتے ہیں۔ ظل کے معنی عزت بھی ہیں اور ظل کے معنی قوت اور غلبہ کے بھی ہیں اور ظل کپڑے کے تاگے کو بھی کہتے ہیں جو سینے کی وجہ سے دونوں طرف نظر آتا ہے، ظل کے معنی رات بھی ہیں اور ظل رات کی تاریکی کو بھی کہتے ہیں اور ہر چیز کے شخص اور بدن کو بھی ظل کہا جاتا ہے، یا کسی شئے کے پردے اور لباس کو بھی ظل کہتے ہیں، اوّل جوانی کو بھی ظل کہا جاتا ہے اور گرمی کی شدت کو بھی ظل کہتے ہیں اور بادل کے اس حصے کو بھی ظل کہتے ہیں جو سورج کو ڈھانک لے، اور بادل کی سیاہی کو بھی ظل کہا جاتا ہے اور دن کے رنگ کو بھی ظل کہتے ہیں، جب سورج اس پر غالب ہو جائے، عرب کا محاورہ ہے "وهو فی ظله" اِس کے معنی ہیں" فی کنفه " یعنی وہ فلاں شخص کے ظل میں ہے، اس کی پناہ اور حفاظت میں ہے۔ انتہیٰ۔۔ القاموس المحیط، جلد رابع، ص 10، فصل الظاء مطبوعہ فتح الکریم بمبئی۔

اسی طرح اقرب الموارد میں بھی تمام معانی مرقومہ بالا لکھے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے "ومن كل شيء شخصه" ہر چیز کے شخص اور بدن کو بھی ظل کہتے ہیں۔ اقرب الموارد، جلد 2، ص 731۔

مجمع بحار الانوار میں علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی ظل کے معنی جسم لکھ کر اس کے آگے ص پر فرماتے ہیں" وظلالهم شخوصهم " یعنی ان کے ظلال سے ان کے اشخاص یعنی اجسام مراد ہیں۔ مجمع بحار الانوار، جلد 2، ص 333، 334، مطبوعہ نولکشور، لکھنو۔

ناظرین کرام کو معلوم ہو گیا کہ کتب لغت میں ظل بمعنی سایہ ہی نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت سے معنی ہیں اور ان معانی میں ظل بمعنی شخص بھی وارد ہے، یعنی شخص اور جسم کو بھی لغت عرب میں ظل کہا جاتا ہے اور ان معنی کی تائید میں بعض مفسرین کی عبارات بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں، دیکھئے تفسیر مظہری میں ہے "ويمكن ان يقال المراد بمن فی السمٰوات والارض حقائق من فيها وارواح الملئكة والمومنين وبظلا لهم اشخاصهم وقوالبهم كما عبر رسول لله فی دعائه الظاهر بالسواد والباطن بالخيال حيث قال فی سجوده سجد لك سوادی وخيالی وهذا التاويل اولیٰ مما سبق لان

الظلال التی یری فی ضح الشمس عبارة عن سواد موضع لم یصل الیه ضوء الشمس لحجاب جثة الشی وذلك امر عدمیٌ لا وجود لها فکیف یسند الیه السجود" ترجمہ: اور ممکن ہے کہ کہا جائے کہ ﴿ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ سے وہ حقائق مراد ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں پائے جاتے ہیں اور فرشتوں اور مومنین کی روحیں، اور ان کے ظلال سے ان کے اشخاص اور قوالب مراد ہیں جیسا کہ حضور نے اپنی دُعا میں ظاہر کو سواد اور باطن کو خیال سے تعبیر فرمایا، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سجدے میں یہ الفاظ فرمائے "سجد لك سوادی و خیالی " (اے اللہ تیرے لئے میرے سواد اور خیال (ظاہر و باطن) نے سجدہ کیا) اور یہ تاویل یعنی ظلال سے اشخاص اور قوالب مراد لینا پہلی تاویل سے اولیٰ ہے، اس لئے کہ وہ سائے جو سورج کی روشنی میں نظر آتے ہیں وہ عبارت ہیں اس جگہ کی سیاہی سے جہاں کسی جسم کثیف کے حاجب ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور ظاہر ہے کہ یہ سیاہی جسے ہم ظل کہہ رہے ہیں محض ایک امر عدمی ہے جس کے لئے کوئی وجود نہیں، تو ایسی صورت میں اس کی طرف سجدے کی اسناد کیونکر صحیح ہوگی۔ انتہیٰ۔ تفسیر مظہری، جلد 5، پارہ 13، سورہ رعد، ص 185۔

دیکھئے صاحبِ تفسیر مظہری نے صاف اور واضح لفظوں میں ظل کے معنی شخص اور قالب کے بیان کئے ہیں۔

اسی طرح تفسیر معالم التنزیل میں ہے " وقیل ظلالهم ای اشخاصهم " یعنی آیت قرآنیہ ﴿ یتفیّؤا ظلاله ﴾ میں ان کے اجسام مراد ہیں اور یہاں ظل بمعنی سایہ نہیں بلکہ بمعنی شخص اور بدن ہے۔ انتہیٰ۔ تفسیر معالم التنزیل، پ 13، ص 11۔

یہی مضمون تفسیر روح المعانی میں ہے، صاحبِ تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں " ومن الناس من فسّر الظلال فی قراءة العامة بالاشخاص لتکون علیٰ نحو قراءة عیسیٰ وانشدوا لاستعمال الظلال فی ذلك قول عبدة اذا نزلنا نصبنا ظل اخبية ونار للقوم باللحم المراجیل فانه انما تنصب الأخبية لا الظل الذی هو الفیء وقول الاخر، یتبع افیاء الظلال عشیة فانه ارادافیاء الاشخاص۔ انتهیٰ " ترجمہ: اور عامہ قراء کی قراءت میں جو لفظ ظلال آیا ہے بعض لوگوں نے اس کی تفسیر اشخاص کے ساتھ کی ہے تاکہ یہ قرات عیسیٰ کی قراءت کے موافق ہوجائے، اور انہوں نے ظلال بمعنی اشخاص کی تائید میں عبدة کا یہ قول پیش کیا ہے۔ جب ہم اُترے تو ہم نے خیموں کے ظل یعنی خیموں کے اشخاص واجسام کو نصب کیا اور قوم کے لئے گوشت کی ہانڈیاں پکنے لگیں۔

وجہ استشہاد یہ ہے کہ جو چیز نصب کی جاتی ہے وہ خیمے ہوتے ہیں، ان کا ظل جسے سایہ کہتے ہیں نصب نہیں کیا جاتا، لہٰذا

ثابت ہوا کہ یہاں ظل بمعنی شخص پر انہوں نے استدلال کیا اور وہ قول یہ ہے۔ وہ پیچھے آتا ہے افیاء ظلال کے شام کے وقت، افیاء فئی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں سایہ، اَب اگر ظلال کے معنی بھی سایہ ہوں تو سایہ سائے کی طرف مضاف ہو جائے گا جو درست نہیں، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہاں ظلال بمعنی اشخاص ہے اور مصرعہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ شام کے وقت اشخاص واجسام کے سایوں کے پیچھے آتا ہے۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ میں ظلال بمعنی اشخاص ہے۔۔۔"

(مقالات کاظمی، جلد2، صفحہ209، کاظمی پبلی کیشنز، ملتان)

## حضور ﷺ حاضر وناظر ہیں

اہل سنت کے نزدیک حضور علیہ السلام حاضر وناظر ہیں کہ امت کے اعمال کو ملاحظہ کر رہے ہیں اور جہاں تشریف لے جانا چاہیں آسکتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے حاضر وناظر ہونے پر قرآن پاک کی یہ آیت دلیل ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

(سورۃ الاحزاب، سورۃ33، آیت45)

اس آیت کے تحت تفسیر روح المعانی وتفسیر جمل میں ہے " انا ارسلنك شاهدا على من بعثت اليهم تراقب احوالهم و تشاهداعمالهم و تتحمل منهم الشهادة بما صدر عنهم التصديق و التكذيب و سائر ماهم عليه من الهدى و الضلال و توديها يوم القيامة اداء مقبولا فيما لهم و ما عليهم" ترجمہ: ہم نے بھیجا آپ کو حاضر وناظر (شاہد) بنا کر ان سب پر جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے احوال کی نگہبانی کرتے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان سے تحملِ شہادت فرماتے ہیں یعنی ان کے گواہ بنتے ہیں ان تمام چیزوں پر جو ان سے صادر ہوئیں تصدیق اور تکذیب میں سے اور باقی ان تمام چیزوں سے جن پر وہ ہیں ہدایت اور گمراہی میں سے اور آپ اس شہادت کو ادا فرمائیں گے قیامت کے دن ان تمام باتوں میں جو ان کیلئے مفید اور مضر ہونگی۔

(تفسیر روح المعانی، سورۃ الاحزاب، جلد11، صفحہ22، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

الحاوی للفتاوٰی میں امام جلال الدین سیوطی (911ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "قال المتكلمون المحققون من أصحابنا أن نبينا صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته، وأنه يسر بطاعات أمته ويحزن بمعاصي العصاة منهم" ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور امت کے گناہگاروں کے گناہوں پر غمگین ہوتے ہیں۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، مبحث النبوات، جلد2، صفحہ 180، دار الفکر، بیروت)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں"وبا چندیں اختلافات و کثیر مذاہب که در علماء امت است که یك کس رادرایں مسئله خلافے نیست که آں حضرت صلی الله علیه وسلم بحقیقت حیات بے شائبه مجاز وتوهم تاویل دائم وباقی است وبر اعمال امت حاضر و ناظر وبر طالبان حقیقت را متو جهان آں حضرت را مفیض ومربی است "ترجمہ:اور باوجوداس قدر اختلافات اور بکثرت مذاہب کے جو علماء امت میں ہے ایک شخص کو بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر شائبہ مجاز اور بلا توہم وتاویل حقیقت حیات کے ساتھ دائم وباقی ہیں اور اعمال امت پر حاضر وناظر ہیں اور طالبان حقیقت اور اپنی طرف متوجہ ہونے والوں کو فیض پہنچاتے ہیں اوران کی تربیت فرماتے ہیں۔

(اخبار الاخیار، صفحہ 155)

دیوبندی ایڈووکیٹ محمد عبدالمجید صدیقی اپنی کتاب''عین الیقین''میں احتشام الحسن کاندھلوی دیوبندی کے حوالے سے لکھتا ہے:''جمہور علماء محققین کا بیان ہے کہ حضرت پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابداً ابداً الی یوم القیامۃ کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔آپ اب بھی اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں،ان کی حالتوں،نیتوں،ارادوں اور دل کے خیالوں تک سے اللہ پاک نے آپ کو باخبر کیا ہوا ہے اور یہ سب امور آپ پر اس طرح روشن اور واضح فرمائے ہوئے ہیں کہ ان میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں۔پس اس بارگاہ عالی کی حضوری میں حرکات وسکنات اور نیات وخیالات تک کی سخت نگرانی اور نگہبانی کرو۔تجلیات مدینہ،از الحاج مولانا احتشام الحسن کاندھلوی،صفحہ 90۔''

(عین الیقین،صفحہ 23،مطبع فیروزسنز،لاہور)

حضور علیہ السلام کے ناظر ہونے پر بخاری شریف کی حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلاَلٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى زَيْدًا، وَجَعْفَرًا، وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ، فَقَالَ:أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ:حَتَّى أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللَّهِ، حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ"ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید جعفر ابن رواحہ کے شہید ہوجانے کی خبر(اس سے پہلے کہ میدان جنگ سے ان کی شہادت کی خبر آئے)دے دی تھی چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور شہید کیا گیا،پھر عَلَم کو جعفر نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہوا،پھر ابن رواحہ نے جھنڈے کو لے لیا اور وہ بھی شہید ہوگیا۔آپ یہ واقعہ بیان فرمارہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔پھر فرمایا اس کے بعد عَلَم کو اس شخص نے لیا جو خدا تعالیٰ کی تلواروں میں سے

ایک تلوار ہے (یعنی خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمنوں پر فتح عنایت فرمائی۔

(صحيح بخاری ، کتاب المناقب ،باب مناقب خالد بن الوليد رضی الله عنه،جلد5،صفحه27،دار طوق النجاة،مصر)

مسلم شریف اور ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ، عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الكَنْزَيْنِ الأَحْمَرَ وَالأَبْيَضَ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ، وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا أَوْ قَالَ: مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا حَتَّى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (حكم الألباني) صحيح"

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین میرے سامنے کر دی اور میں نے اس کے مشرق ومغرب دیکھے بے شک میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک یہ میرے سامنے سمیٹی گئی ہے اور مجھے دو خزانے عطا کئے گئے سرخ اور سفید پھر میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو ایک ہی مرتبہ قحط میں ہلاک نہ کرنا ان کے علاوہ کسی اور دشمن کو ان پر مسلط نہ کرنا جو ساری امت کو ہلاک کر دے۔ اس پر رب ذوالجلال نے فرمایا اے محمد جب میں کسی چیز کا حکم دیتا ہوں تو وہ واپس نہیں لیا جاتا میں نے تمہاری امت کو یہ عطا کر دیا ہے کہ میں انہیں قحط عام سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان کے علاوہ کسی ایسے دشمن کو ان پر مسلط نہیں کروں گا جو ان کی پوری جماعت کو ہلاک کر دے خواہ تمام اہل زمین ہی اس پر متفق کیوں نہ ہو جائیں لیکن انہی میں سے بعض لوگ دوسروں کو ہلاک کریں گے اور انہیں قید کریں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ما جاء فی سؤال النبی صلی الله علیه وسلم ثلاثا فی أمته، جلد 4، صفحه472، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

ان دونوں حدیثوں سے حضور علیہ السلام کا ناظر ہونا بالکل واضح ہے کہ آپ نے مدینہ میں بیٹھے ہوئے جنگ کو ملاحظہ کیا اور مشرق ومغرب کو دیکھا یہی ناظر کے معنی ہے۔ حضور علیہ السلام کا حاضر ہونا ترمذی شریف کی اس حدیث پاک سے ثابت ہے "حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَزِينٌ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي سَلْمَى، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ، وَهِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: مَا يُبْكِيكِ؟ قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَعْنِي فِي المَنَامِ،

وَعَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ التُّرَابُ، فَقُلْتُ: مَا لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ آنِفًا هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ"

ترجمہ: حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئی تو وہ رو رہی تھیں، میں نے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی پر گرد تھی، میں نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابھی حسین کی شہادت دیکھ آیا ہوں۔ یہ حدیث غریب ہے۔

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب أبی محمد الحسن۔۔، جلد5، صفحہ 657، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اسی طرح کی دوسری حدیث سے اس کو تقویت ملتی ہے چنانچہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ملا علی قاری (المتوفی 1014ھ) رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "قُلْتُ: لَكِنْ يُقَوِّيهِ خَبَرُ ابْنِ عَبَّاسٍ الْآتِي فِي الْفَصْلِ الثَّالِثِ"، ترجمہ: میں کہتا ہوں آنے والی تیسری فصل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی خبر سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد9، صفحہ 3980، دار الفکر، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بسند صحیح روایت المعجم الکبیر، المستدرک اور مسند احمد میں یوں ہے "حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ سَلَمَةَ، أَخْبَرَنَا عَمَّارٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيمَا يَرَى النَّائِمُ بِنِصْفِ النَّهَارِ وَهُوَ قَائِمٌ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، بِيَدِهِ قَارُورَةٌ فِيهَا دَمٌ، فَقُلْتُ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا هَذَا؟ قَالَ: هَذَا دَمُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابِهِ، لَمْ أَزَلْ أَلْتَقِطُهُ مُنْذُ الْيَوْمِ فَأَحْصَيْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ فَوَجَدُوهُ قُتِلَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ"

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن دوپہری میں خواب میں دیکھا پراگندہ بال گرد آلود آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی جس میں خون تھا میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے۔ آج میں اس خون کو اٹھاتا رہا۔ میں وہ وقت (جس میں مجھے زیارت ہوئی) خیال میں رکھنے لگا میں نے یہ وقت امام حسین کی شہادت کا پایا۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب عن النبی صلی الله علیه و سلم، جلد1، صفحه283، مؤسسة قرطبة، القاہرة)

وہابیوں نے حاضر ناظر کے مفہوم کو سمجھا نہیں اور لوگوں کو یہ باور کروانا شروع کر دیا کہ اہل سنت کے نزدیک حضور علیہ السلام ہر جگہ موجود ہیں اور اپنے موقف پر یہ دلیل دی ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندے کو

رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جن کے ارد گرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے تا کہ ان (بندہ) کو ہم بعض اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں بے شک سمیع وبصیر وہی اللہ ہے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر حاضر و ناظر ہوتے تو مسجد اقصیٰ تک براق کے ذریعہ سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ (بریلویت وغیرہ)

وہابیوں کو اتنی سمجھ نہیں آرہی ہے کہ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ ہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ قبر انور میں جلوہ گر ہیں اور پوری کائنات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں اور جہاں تشریف لے جانا چاہیں چلے جا سکتے ہیں جیسا کہ آپ علیہ السلام کربلا کے میدان میں تشریف لائے تھے اور کثیر مستند دلائل اس پر موجود ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنے جسم اقدس کے ساتھ کئی مقامات پر تشریف لائے۔ کئی عاشقوں کو خواب میں آکر بلکہ جاگتی آنکھوں سے ان کی مشکلات کو حل فرمایا۔ مصنف ابی ابی شیبہ کی روایت ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر باغیوں نے پانی بند کر دیا تو آپ نے ان کو پانی پلایا۔

## انبیاء وصالحین سے مدد مانگنا

اہل سنت کے نزدیک اللہ عزوجل نے اپنے پیاروں کو تصرفات عطا فرمائے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، خضر علیہ السلام اور حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کے متعلق قرآن وحدیث ومستند کتب سے ثابت ہے۔ ان ہستیوں سے مدد مانگنا جائز ہے جیسا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو جب کوئی حاجت پیش آتی تو وہ حضور علیہ السلام سے مدد مانگتے تھے۔ وہابیوں کے نزدیک یہ شرک ہے اور وہابی اپنے اس موقف پر وہ آیات جو بتوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں وہ ان مبارک ہستیوں پر منطبق کرتے ہیں اور مسلمانوں کو معاذ اللہ بت پرست ثابت کرتے ہیں۔

اہل سنت کی دلیل مشہور و معروف حدیث ہے جو مختلف اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے لوگوں کا حاجت روا بنایا ہے چنانچہ المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد الشامی ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ طَارِقٍ الْوَابِشِيُّ، ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ خَلْقًا خَلَقَهُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ يَفْزَعُ النَّاسُ إِلَيْهِمْ فِي حَوَائِجِهِمْ أُولَئِكَ الْآمِنُونَ مِنْ عَذَابِ اللهِ" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ

بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلق کی حاجت روائی کے لئے خاص فرمایا ہے۔لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں، یہ بندے عذاب الٰہی عزوجل سے امان میں ہیں۔

(المعجم الكبير،باب العين ،زيد بن أسلم، عن ابن عمر،جلد12،صفحه358،مكتبة ابن تيمية ،القاهرة)

المجالسة وجواہر العلم میں ابوبکر احمد بن مروان الدینوری المالکی (المتوفی 333ھ) روایت کرتے ہیں "نا ابْنُ أَبِي مُوسَى الأَنْطَاكِيُّ، حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ أَعْيَنَ الْبَصْرِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ جُمَيْعٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ قَالَ إِنَّ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ خَلْقًا لِحَوَائِجِ النَّاسِ، يَفْزَعُ النَّاسُ إِلَيْهِمْ فِي حَوَائِجِهِمْ، أُولَئِكَ الآمِنُونَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:بے شک اللہ عزوجل نے بعضوں کو لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے پیدا کیا۔لوگ گھبرائے ہوئے ان کی طرف اپنی حاجتیں لے کر آتے ہیں، یہ مخلوق قیامت والے دن رب تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔

(المجالسة وجواهر العلم،الجزء السادس والعشرون،جلد8،صفحه174،جمعية التربية الإسلامية ،البحرين)

احادیث الشیوخ الثقات (المشیخۃ الکبری) میں محمد بن عبد الباقی بن محمد الأنصاری الکعبی (المتوفی 535ھ) روایت کرتے ہیں "أخبرنا أبو الغنائم حمزة بن على السواق قال أخبرنا أبو الفرج أحمد بن عمر الغضارى قال أخبرنا جعفر بن محمد الخواص حدثنا أبو العباس ابن مسروق قال حدثنا أبو على محمد بن حفص بن عمر بن عبد العزيز اليمامى قال حدثنا عمارة بن عقبة قال حدثنا سفيان بن عيينة عن عبد الملك بن عمير عن جابر بن سمرة عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إن الله خلق خلقا لحاوئج الناس يفزع الناس إليهم فى حوائجهم هم الآمنون غدا من عذاب القبر" ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:بے شک اللہ عزوجل نے بعضوں کو لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے پیدا کیا۔لوگ گھبرائے ہوئے ان کی طرف اپنی حاجتیں لے کر آتے ہیں، یہ لوگ عذاب قبر سے محفوظ ہیں۔

(أحاديث الشيوخ الثقات (المشيخة الكبرى)،الجزء الخامس من:أحاديث الشيوخ الثقات،جلد3،صفحه1343،دار عالم)

ایک روایت جسے اعتلال القلوب للخرائطی میں ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی السامری (المتوفی 327ھ) نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت جابر سے روایت کیا، الفوائد میں ابوالقاسم تمام بن محمد البجلی الرازی ثم الدمشقی (المتوفی 414ھ) نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت

کیا۔حدیث پاک یوں ہے"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوہِ" ترجمہ:حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:خوبصورت چہرے والوں سے حاجتیں طلب کرو۔
(اعتلال القلوب للخرائطی،صفحہ166،نزار مصطفی الباز، الریاض)

المعجم الأوسط میں سلیمان بن احمد الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی360ھ) نے یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی اور اس میں لفظ"عند" کی جگہ"الی" لکھا ہے۔

ایک اور روایت جسے مسند إسحاق بن راہویہ میں ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الحنظلی المروزی المعروف ابن راہویہ (المتوفی238ھ) نے حضرت ابومعصب انصاری سے روایت کیا،فضائل الصحابۃ میں ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی (المتوفی241ھ) نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا،المنتخب من مسند عبد بن حمید میں ابومحمد عبد الحمید بن حمید (المتوفی249ھ) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا،المعجم الأوسط میں سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی360ھ) نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا،المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی360ھ) نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا،الفوائد میں ابوالقاسم تمام بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن الجنید البجلی الرازی ثم الدمشقی (المتوفی414ھ) سے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی"عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ:قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوہ"ترجمہ:خیر طلب کرو حسین چہروں کے پاس۔
(فضائل الصحابۃ،ومن فضائل علی رضی اللہ عنہ من حدیث أبی بکر بن مالک عن شیوخہ غیر عبد اللہ،جلد2،صفحہ726،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

المعجم الکبیر کی حدیث پاک ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا مروی ہے"اُطْلُبُوا الْخَیْرَ وَالْحَوَائِجَ مِنْ حِسَانِ الْوُجُوہِ"ترجمہ:نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔
(المعجم الکبیر،مجاہد عن ابن عباس،جلد11،صفحہ81،مکتبۃ ابن تیمیۃ،القاہرۃ)

الکامل لابن عدی اور کنز العمال کی حدیث پاک حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے"اذا ابتغیتم المعروف فاطلبوہ عند حسان الوجوہ"ترجمہ:جب بھلائی چاہو تو خوبصورتوں کے پاس طلب کرو۔
(کنز العمال،حرف الزای،الفصل الثالث،فی آداب طلب الحاجۃ،جلد6،صفحہ516،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور پرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلی آلہ فرماتے ہیں"اطلبوا

الفضل عند الرحماء من امتی تعیشوا فی اکنافھم فان فیھم رحمتی "ترجمہ: فضل میرے رحمدل امتیوں کے پاس طلب کرو کہ ان کے سائے میں چین کروگے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

(کنز العمال بحوالہ الخراطی فی مکارم الاخلاق، کتاب الزکوۃ، الفصل الثالث فی آداب طلب الحاجۃ، جلد6، صفحہ813، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

الضعفاء الکبیر میں ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی المکی (المتوفی 322ھ) نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "یَقُولُ اللّٰہُ: اُطْلُبُوا الْفُضُولَ مِنَ الرُّحَمَاءِ مِنْ عِبَادِی تَعِیشُونَ فِی أَکْنَافِھِم فَإِنِّی جَعَلْتُ فِیھِمْ رَحْمَتِی "ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فضل میرے رحمدل بندوں سے مانگو ان کے دامن میں عیش کروگے کہ میں نے اپنی رحمت ان میں رکھی ہے۔

(الضعفاء الکبیر، باب العین، جلد3، صفحہ 3، دار المکتبۃ العلمیۃ، بیروت)

المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ (المتوفی 405ھ) رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک روایت کرتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "أُطْلُبُوا الْمَعْرُوفَ مِنْ رُحَمَاءَ أُمَّتِی تَعِیشُوا فِی أَکْنَافِھِمْ"ترجمہ: میرے نرم دل امتیوں سے نیکی واحسان مانگو ان کے ظل عنایت میں آرام کروگے۔

(حاکم المستدرک، کتاب الرقاق، جلد4، صفحہ 357، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

محدثین رحمہم اللہ نے ان احادیث کو ضعیف کہنے کے باوجود متعدد طرق ہونے کی وجہ سے اس متن کو قوی فرمایا ہے۔

التیسیر بشرح الجامع الصغیر میں زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف المناوی القاہری (المتوفی 1031ھ) رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں لیکن متعدد ہونے کی وجہ سے قوی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "(اطْلُبُوا الْخَیرَ)زاد فِی رِوَایَة وَالْمَعْرُوف (عِنْد حسان الْوُجُوه)الطَّلقَة المستبشرة وُجُوھھم فإنّ الْـوَجْه الْجَمِیل مَظَنَّة الْفِعْل الْجَمِیل وَبَین الْخلق والخلق تناسب قریب (تخ وَابْن أبی الدُّنْیَا) أَبُو بکر (فِی) کتاب فضل (قَضَاء الْحَوَائِج) لـلـنَّـاس (ع طب عَن عَائِشَة طب ھَب عَن)عبد الله (بن عَبَّاس عد عَن) عبـد الله (بن عمر)بن الْخطاب (ابْن عَسَاکِر) فِـی تَارِیخه (عَن أنس)بن مَالك (طس عَن جَابر)بن عبد الله (تَمام) فِی فَوَائده (خـطّ) کِلَاھُـمَـا (فِی) کتاب (رُوَاة مَالك)بن أنس (عَن أبی ھُرَیْرَة تَمام)فِی فَوَائده أَیْضا (عَن أبی بکرَة)بِسُکُون الْکَاف وَفتحھَا قَالَ الْحَافِظ الْعِرَاقِیّ طرقه کلھَا ضَعِیفَة أَی لکنه یقوی بتعدّدھا"

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، جلد1، صفحہ163، مکتبۃ الإمام الشافعی، الریاض)

کشف الخفاء ومزیل الالباس میں بھی حضرت اسماعیل بن محمد العجلونی الدمشقی (1162ھ) رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث

وطرقه كلها ضعيفة، وبعضها أشد في ذلك من بعض، وأحسنها ما أخرجه تمام عن ابن
کے متعلق فرماتے ہیں"
ترجمہ: یہ تمام احادیث ضعیف ہیں بعض زیادہ ضعیف ہیں اور وہ حدیث جو حضرت ابن
عباس رفعه بلفظ "التمسوا الخير"
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے التمسوا الخیر کے لفظ سے ہے وہ حدیث ان سے زیادہ حسن ہے۔
(كشف الخفاء ومزيل الإلباس، جلد1، صفحہ154، المكتبة العصرية)

یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ متعدد طرق کی وجہ سے حدیث ضعیف حسن کا درجہ رکھتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ
علیہ نے اس حدیث ''حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔'' کے متعلق فرمایا: ''یہ حدیث میری پرکھ میں حسن صحیح ہے۔'' چنانچہ کشف
الخفاء میں ہے "قال السيوطي في الدرر المصنوعة على ما نقل عنه الشيخ مرعي الحنبلي في رسالة له سماها
تحسين الطرق والوجوه في قوله صلى الله عليه وسلم اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوه بعد نقلي طرقه وهذا
الحديث في نقدي حسن صحيح"
(كشف الخفاء ومزيل الإلباس، جلد1، صفحہ200، المكتبة العصرية)

ثابت ہوا کہ سوال میں جو حدیث پاک ذکر کی گئی وہ متن کے لحاظ سے ضعیف نہیں بلکہ حسن کا درجہ رکھتی ہے۔ وہابی پہلے
تو ان احادیث کو ضعیف کہہ کر رد کرتے ہیں اور مزید پر اس پر حسب عادت یہ اعتراضات کر سکتے ہیں: اس میں اولیاء اللہ کا کہاں
ذکر ہے یہ تو سخی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کہ جو سخی زندگی میں صدقہ وخیرات کرتا ہو لوگ اس کے پاس حاجت کے لئے آتے ہیں۔
دوسرا یہ کہ حاجتیں اس سے مانگ سکتے ہیں جو حاضر ہیں جو غائب و دور ہو اس سے نہیں۔ تیسرا یہ کہتے ہیں کہ ان میں زندوں سے
مدد مانگنا ثابت ہوتا ہے نہ کہ جو دنیا سے پردہ کر گئے ہوں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں جن ہستیوں کا ذکر ہے وہ اولیاء اللہ ہیں فقط سخی غیر ولی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان
کی نشانیوں میں کسی حدیث میں خوبصورت چہرے کہا گیا اور کسی میں قبر اور قیامت والے دن خوف سے بری ہونے کہا گیا ہے جو
کہ اولیاء اللہ کی طرف واضح اشارہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے اولیاء اللہ کے متعلق فرمایا ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ
لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔
(سورة یونس، سورة10، آیت62)

دوسرا اعتراض کے حاضر سے مانگ سکتے ہیں غائب سے نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک مطلق ہے اس میں
کوئی قید نہیں کہ حاضر سے مانگو دور والے سے نہیں۔ تو جو حاضر نہ ہو اس سے مانگنا بھی دوسری حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ
مصنف ابن ابی شیبہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابو بکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں

"حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا نَفَرَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ أَوْ بَعِيرُهُ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَا يَرَى بِهَا أَحَدًا، فَلْيَقُلْ: أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ، فَإِنَّهُ سَيُعَانُ" ترجمہ: حضرت ابان بن صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا کوئی چوپایہ یا اونٹ کسی زمین میں بھاگ جائے، تمہیں کوئی نظر نہ آئے تو یہ کہو: اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو تو جلد ہی اس کی مدد کر دی جائے گی۔

(الكتاب المصنف فى الأحاديث والآثار، كتاب الدعاء، ما يقول الرجل إذا ندت به دابته أو بعيره فى سفر، جلد6، صفحه103، مكتبة الرشد، الرياض)

یہ حدیث مرسل صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ایک اور حدیث پاک ہے جسے المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد الطبرانی (المتوفی 360ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ يَحْيَى الصُّوفِيُّ، ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ ،وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ" ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی سے کوئی چیز کھو جائے اور تم چاہو کہ کوئی مدد کرے اور وہ جگہ ایسی ہو جہاں کوئی تمہارے جاننے والا نہ ہو تو یہ کہو: اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو، اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو۔ بے شک اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو دیکھے نہیں جاتے۔ یہ طریقہ آزمودہ ہے۔

(المعجم الكبير، باب العين، ما أسند عتبة بن غزوان، جلد17، صفحه117، مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ان دونوں حدیثوں سے پتہ چلا کہ جب موجود نہ ہو اسے بھی پکارنا جائز ہے اور اللہ عزوجل کے کئی بندے ایسے ہیں جو دیکھائی نہیں دیتے لیکن لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

تیسرا اعتراض کہ ان احادیث میں زندوں سے مدد مانگنے کا ثبوت ہے، جو دنیا سے چلے گئے ان سے مدد مانگنا ثابت نہیں ہوتا۔تو وہابیوں کے اس اعتراض کا پہلا جواب وہی ہے کہ یہ احادیث مطلقا ہیں اس میں زندہ یا مردہ ہونے کی قید نہیں، پھر یہ کہ تم وہابی غیر اللہ سے مدد مانگنے کو جو بغیر دلیل شرک کہتے ہو اور اس پر قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہو ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ترجمہ کنز الایمان: ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔اس میں بھی زندہ یا دنیا سے پردہ کرنے کی قید نہیں، شرک تو شرک ہوتا ہے زندہ سے ہو یا مردہ سے؟ اللہ عزوجل کے پیاروں سے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی مدد مانگنا

مستند کتب سے ثابت ہے جس پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہے، چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں:

الأدب المفرد میں میں محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حدثنا أبو نعیم قال حدثنا سفیان، عن أبی إسحاق، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمنِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: خَدِرَتْ رِجلُ ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: اُذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ" ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں سو گیا۔ ان سے کسی نے کہا کہ جن سے سب لوگوں سے زیادہ محبت کرتے ہو انہیں یاد کرو تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''یا محمد'' کہا۔ (الادب المفرد، صفحہ 335، دار البشائر الإسلامیة، بیروت)

آپ کا حضور علیہ السلام کو پکارنا بطور استغاثہ تھا۔ شرح الشفا میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1014ھ) اس روایت کے تحت فرماتے ہیں "أی فنادی بأعلی صوته (یا محمداه) بسکون الهاء للندبة و کأنه رضی الله تعالی عنه قصد به اظهار المحبة فی ضمن الاستغاثة" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اونچی آواز میں کہا ''یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' حرف ہا پر سکونت ندبہ کے لئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پکار سے اظہارِ محبت کیا استغاثہ کے ضمن میں۔

(شرح الشفا، فصل فیما روی عن السلف والأئمة من محبتهم للنبی صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم، جلد 2، صفحہ 43، دار الکتب العلمیة، بیروت)

حضرت دانیال علیہ السلام سے مانگنا بھی ثابت ہے چنانچہ ایک روایت ہے جو حضرت احمد بن محمد الدینوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 364ھ) نے "عمل الیوم واللیلة سلوك النبیمع ربه عز وجل ومعاشرته مع العباد" میں نقل کی، حضرت ابو بکر محمد بن جعفر الخرائطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 327ھ) نے ''ھواتف الجنان'' میں نقل کی، حضرت شمس الدین محمد بن عمر بن احمد السفیری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 956ھ) نے ''المجالس الوعظیة فی شرح أحادیث خیر البریة صلی اللہ علیہ وسلم من صحیح الإمام البخاری'' میں نقل کی، حضرت شمس الدین أبو العون محمد السفارینی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1188ھ) نے ''غذاء الألباب فی شرح منظومة الآداب'' میں نقل کی، حضرت ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 774ھ) نے ''البدایة والنهایة'' میں نقل کی، حضرت محمد بن موسی الدمیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 808ھ) نے ''حیاۃ الحیوان الکبری'' میں نقل کی، حضرت شہاب الدین محمد بن أحمد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 852ھ) نے ''المستطرف فی کل فن مستطرف'' میں نقل کی، وہ روایت یہ ہے "أَخْبَرَنِی إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عِمْرَانَ، عَنِ ابْنِ أَبِي حَبِيبَةَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ

الْحُصَيْنِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ: إِذَا كُنْتَ بِوَادٍ تَخَافُ فِيهَا السِّبَاعَ، فَقُلْ: أَعُوذُ بِدَانْيَالَ وَبِالْجُبِّ مِنْ شَرِّ الْأَسَدِ" ترجمہ: حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب تو کسی ایسی وادی میں ہو جہاں تمہیں درندوں کا خوف ہو تو یہ کہو "پناہ مانگتا ہوں میں حضرت دانیال کی اور کنویں کی، شیر کے شر سے"۔

(عمل اليوم والليلة سلوك النبی مع ربه عز وجل ومعاشرته مع العباد، باب ما يقول إذا خاف السباع، صفحه 308، دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة☆البداية والنهاية، كتاب مبعث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، باب فی هواتف الجان، جلد 2، صفحه 344، دار الفكر، بيروت)

الحاوی للفتاویٰ میں امام جلال الدین سیوطی (911ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "وفی كتاب مصباح الظلام فی المستغيثين بخير الأنام للإمام شمس الدين محمد بن موسى بن النعمان قال سمعت يوسف بن على الزنانی يحكى عن امرأة هاشمية كانت مجاورة بالمدينة و كان بعض الخدام يؤذيها قالت فاستغثت بالنبی صلى الله عليه وسلم فسمعت قائلا من الروضة يقول أما لك فیّ أسوة فاصبری كما صبرت أو نحو هذا قالت فزال عنی ما كنت فيه ومات الخدام الثلاثة الذين كانوا يؤذوننی . وقال ابن السمعانی فی الدلائل أخبرنا أبو بكر هبة الله بن الفرج أخبرنا أبو القاسم يوسف بن محمد ابن يوسف الخطيب أخبرنا أبو القاسم عبد الرحمن بن عمر بن تميم المؤدب حدثنا على بن إبراهيم بن علان أخبرنا على بن محمد بن على حدثنا أحمد بن الهيثم الطائی حدثنی أبی عن أبيه عن سلمة بن كهيل عن أبی صادق عن على بن أبی طالب رضی الله عنه قال قدم علينا أعرابی بعد ما دفنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فرمی بنفسه على قبر النبی صلى الله عليه وسلم وحثا من ترابه على رأسه وقال يا رسول الله قلت فسمعنا قولك ووعيت عن الله فأوعينا عنك و كان فيما أنزل الله عليك ﴿ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما﴾ وقد ظلمت نفسی وجئتك تستغفر لی فنودی من القبر أنه قد غفر لك" ترجمہ: امام شمس الدین محمد بن موسیٰ بن نعمان کی کتاب "مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام" میں فرماتے ہیں میں نے یوسف بن علی زنانی سے سنا وہ ایک عورت ہاشمیہ کی حکایت بتاتے تھے کہ وہ مدینہ کی مجاور تھی اور بعض خدام اسے اذیت دیتے تھے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا تو بتانے والے نے سنا کہ روضہ مبارک سے سنا گیا کہ تیرے لئے میری سیرت ایک نمونہ ہے۔ صبر

کر جیسے میں نے صبر کیا یا اسی طرح کا کلام سنا گیا۔عورت نے کہا مجھ سے وہ پریشانی چلی گئی اور تین خدام مر گئے جو مجھے ایذا دیتے تھے۔

ابن سمعانی نے دلائل میں سند کے ساتھ فرمایا: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تین یوم کے بعد ہمارے پاس ایک اعرابی (دیہات کا رہنے والا) آیا اور اپنے آپ کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر گرا دیا اور اپنے سر پر قبر انور کی مٹی ڈالنے لگا اور پھر کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پس ہم نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یاد کیا اور جو (قرآن) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اس میں یہ (آیۃ) بھی ہے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ﴾ اور تحقیق میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے اللہ (عزوجل) کی بارگاہ سے مغفرت طلب کریں تو قبر انور سے آواز آئی کہ تمہاری مغفرت کردی گئی۔

(الحاوی للفتاوی،تنویر الحلك فی إمكان رؤية النبی والملك،جلد2،صفحه314، دار الفكر ، بیروت)

اسی طرح دلائل النبوۃ للبیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے "حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ مَالِكِ الدَّارِ، قَالَ:وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ، قَالَ:أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:يَا رَسُولَ اللَّهِ، اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا، فَأَتَاهُ رسوالُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ:ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ" ترجمہ:حضرت مالک سے مروی ہے کہ وہ کھانے کے خازن تھے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط پڑھ گیا۔ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ عزوجل سے اپنی امت کے لئے بارش طلب کریں کہ یہ ہلاک ہو رہی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آدمی کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کو میرا اسلام کہنا اور اسے خبر دینا کہ بارش ہوگی۔

(مصنف ابن شیبه، کتاب الفضائل ،ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه،جلد12،صفحه32،الدار السلفية، الهندية)

یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ پیچھے اس پر کلام کیا گیا ہے۔المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک القسطلانی (المتوفی923ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"وروی ابن أبی شيبة بإسناد صحيح من رواية أبی صالح

السمان، عن مالك الدار قال أصاب الناس قحط فی زمن عمر بن الخطاب، الخ۔ ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی کہ مالک دار نے فرمایا: حضرت عمر فاروق کے دور میں لوگوں پر قحط پڑ گیا (آگے وہی حدیث)

(المواہب اللدنية بالمنح المحمدية، الجزء الثالث ،الفصل الرابع ،جلد3، صفحہ374، المكتبة التوفيقية، القاہرة)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد وفاء الوفاء میں علامہ نور الدین سمہودی (متوفی 911ھ) اور شفاء السقام میں علامہ تقی الدین سبکی (متوفی 756ھ) لکھتے ہیں "ومحل الاستشهاد طلب الاستسقاء منه صلى الله تعالى عليه وسلم وهو فی البرزخ ودعاؤه لربه فی هذه الحالة غير ممتنع، وعلمه بسؤال من يسأله قد ورد، فلا مانع من سؤال الاستسقاء وغيره منه كما كان فی الدنيا" ترجمہ: اس روایت میں محل استشہاد حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے بارش کا طلب کرنا ہے جبکہ حضور حالتِ برزخ میں تھے۔ اس حالت میں حضور کا اپنے رب سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں اور یہ بات بھی مروی ہے کہ حضور سے جو چیز مانگی جائے آپ اس کو جانتے ہیں لہٰذا آپ علیہ السلام سے بارش وغیرہ طلب کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے جیسا کہ آپ کی حیاتِ ظاہری میں کوئی مانع نہ تھا۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفى، جلد4، صفحہ195، دار الكتب العلمية ،بيروت)

وفاء الوفاء میں علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی واقعات نقل کئے ہیں جن میں بزرگان دین نے حضور علیہ الصلوۃ و السلام کی قبر انور سے مدد طلب کی اور ان کی مدد کی گئی۔ ان میں سے دو یہاں پر ذکر کئے جاتے ہیں:

(1) امام ابو بکر مقری کہتے ہیں کہ میں اور امام طبرانی اور ابو شیخ تینوں حرم نبوی میں فاقہ سے تھے جب عشاء کا وقت آیا تو میں نے قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) "ہم لوگ بھوکے ہیں۔" یہ عرض کر کے میں لوٹ آیا۔ امام ابو القاسم طبرانی نے مجھ سے کہا کہ بیٹھو رزق آئے گا یا موت۔ ابو بکر مقری کا بیان ہے کہ میں اور ابو الشیخ تو سو گئے مگر طبرانی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک علوی نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم نے کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ دو غلام ہیں جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ٹوکری ہے جو قسم قسم کے کھانوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہم لوگوں نے بیٹھ کر کھایا اور خیال کیا کہ بچے ہوئے کھانے کو غلام لے لے گا مگر وہ باقی کھانا بھی ہمارے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو علوی نے ہم سے کہا کہ کیا تم نے حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس کچھ کھانا لے جاؤں۔

(2) ایک شخص نے روضہ اقدس کے پاس نماز فجر کے لئے اذان دی اور جونہی اس نے "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہا،

خدام مسجد میں سے ایک شخص نے اٹھ کر اس کو ایک تھپڑ مارا۔ اس شخص نے رو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) "آپ کے حضور میں میرے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے؟" اسی وقت اس خادم پر فالج گرا۔ اسے وہاں سے اٹھا کر لے گئے اور وہ تین دن کے بعد مر گیا۔ (وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی ، جلد4، صفحہ200، دار الکتب العلمیة ،بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشکوٰۃ شریف کی شرح میں فرماتے ہیں "حجۃ الاسلام امام غزالی گفتہ ھر کہ استمداد کردہ مے شود بوی درحیات استمداد مے شود بوی بعدازوفات" ترجمہ: حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں جس سے زندگی میں مدد مانگی جائے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔

مزید شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" سیدی احمد بن زروق کہ از عاظم فقھاء وعلماء ومشائخ دیار مغرب است گفت روزے شیخ ابوالعباس حضرم از من پرسید امدادِحی قوی ست یا امداد میّت قوی ست من گفتم قوی می گویند کہ امداد حی قوی تر است ومن می گویم کہ امداد میّت قوی تراست پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وی دربساط است ودر حضرت اوست (قال) ونقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازان ست کہ حصر و احصار کردہ شود یافتہ نمی شود در کتاب و سنت اقوالِ سلف صالح چیزے کہ منافی ومخالف ایں باشد و رد کندایں را"۔ترجمہ: سیدی احمد بن زروق جو دیارِ مغرب کے عظیم ترین فقہاء اور علماء ومشائخ سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا زندہ کی امداد قوی ہے یا وفات یافتہ کی؟ میں نے کہا کچھ لوگ زندہ کی امداد زیادہ قوی بتاتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ وفات یافتہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔ اسی پر شیخ نے فرمایا: ہاں! اس لیے کہ وہ حق کے دربار اور اس کی بارگارہ میں حاضر ہے (فرمایا) اس مضمون کا کلام ان بزرگوں سے اتنا زیادہ منقول ہے کہ حد وشمار سے باہر ہے اور کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقول میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو اس کے منافی ومخالف اور اسے رد کرنے والی ہو۔

(اشعة اللمعات،باب زیارة القبور،جلد1،صفحہ716،مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وہابیوں کے عقیدے کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں" انما اطلنا الکلام فی ھذا المقام رغما الانف لمنکرین فانہ قد حدث فی زماننا شرذمة ینکرون الاستمداد من الاولیاء ویقولون مایقولون ومالھم علی ذلك من علم ان ھم الایخرصون " ترجمہ: ہم نے اس مقام میں کلام طویل کیا منکروں کی ناک خاک پر رگڑنے کو کہ ہمارے زمانے میں معدودے چند ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ حضرات اولیاء سے مدد مانگنے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں جو کہتے ہیں اور انہیں اس پر کچھ علم نہیں یونہی اپنے سے اٹکلیں لڑاتے ہیں۔

(لمعات التنقیح، باب حکم الاسراء، فصل 1، جلد3، صفحہ401، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں اکابر اولیاء کا حال بعد انتقال لکھتے ہیں "دریں حالت ہم تصرف دردنیا دادہ واستغراق آنھا بجھت کمال وسعت مدارك آنھا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد واویسیان تحصیل مطلب کمالات باطنی از انھامی نمایند وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود ازانھامی طلبند ومی یابند" ترجمہ: اولیاء اللہ بعد انتقال دنیا میں تصرف فرماتے ہیں اور ان کے استغراق کا کمال اور مدارج کے رفعت ان کو اس سمت توجہ دینے کی مانع نہیں ہے۔ اویسی اپنے کمالات باطنی کا اظہار فرماتے ہیں اور حاجت مند لوگ اپنی مشکلات کا حل اور حاجت روائی انہیں سے طلب کرتے ہیں اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔

(تفسیر فتح العزیز تحت آیة 18/84، صفحہ206، مطبع مسلم بکڈپو لال کنواں، دہلی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "یکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چھار کس را از مشائخ تصرف می کنند درقبور خود مانند تصرفھائے شان درحیات خود یا بیشتر شیخ معروف و عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنھما و دو کس دیگر راز اولیاء شُمردہ ومقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ ویافتہ است" ترجمہ: ایک عظیم بزرگ فرماتے ہیں میں نے مشائخ میں سے چار حضرات کو دیکھا کہ اپنی قبروں میں رہ کر بھی ویسے ہی تصرف فرماتے ہیں جیسے حیات دنیا کے وقت فرماتے تھے یا اس سے بھی زیادہ شیخ معروف کرخی، سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دو اور اولیاء کو شمار کیا۔ (شیخ عقیل منجی بسہی اور شیخ حیاۃ ابن قیس حرانی رحمہما اللہ تعالیٰ) ان کا مقصد حصر نہیں بلکہ خود جو دیکھا اور مشاہدہ فرمایا وہ بیان کیا۔

(اشعة اللمعات، باب زیارة القبور، جلد1، صفحہ715، تیج کمار، لکھنؤ)

فتاوی الرملی میں شہاب الدین احمد بن حمزۃ الانصاری الرملی الشافعی (المتوفی 957ھ) سے مروی ہے "(سُئِلَ) عَمَّا يَقَعُ مِنَ الْعَامَّةِ مِنْ قَوْلِهِمْ عِنْدَ الشَّدَائِدِ يَا شَيْخُ فُلَانٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ مِنَ الِاسْتِغَاثَةِ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِينَ فَهَلْ ذٰلِكَ جَائِزٌ أَمْ لَا وَهَلْ لِلرُّسُلِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَالْمَشَايِخِ إِغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ وَمَاذَا يُرَجِّحُ ذٰلِكَ؟ (فَأَجَابَ) بِأَنَّ الِاسْتِغَاثَةَ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِينَ جَائِزَةٌ وَلِلرُّسُلِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ إِغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ؛ لِأَنَّ مُعْجِزَةَ الْأَنْبِيَاءِ وَكَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ لَا تَنْقَطِعُ بِمَوْتِهِمْ" ترجمہ: پوچھا گیا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء ومرسلین واولیاء وصالحین سے فریاد کرتے اور یا شیخ فلاں (یارسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی) اور ان کی مثل کلمات کہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیاء بعد انتقال کے بھی مدد

فرماتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء ومرسلین واولیاء وعلماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات ان کے وصال کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتیں۔

(فتاوی الرملی، جلد04، صفحہ733، در الکتب العلمیہ، بیروت)

اتنے دلائل کے باوجود اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام، اولیائے کرام سے مدد مانگنا فقط جائز ہے، کوئی فرض وواجب نہیں۔ بہتر ہے کہ ان کے وسیلے سے رب تعالیٰ سے مانگا جائے۔ وہابی جو اسے اپنے ضد بازی میں شرک کہتے ہیں کوئی ایک آیت یا حدیث تو دور کی بات ہے کسی مستند عالم کو قول لا دیں جس میں انہوں نے کہا ہو اللہ عزوجل کی نبیوں وولیوں سے مانگنا شرک ہے۔ شرک اٹکل پچو سے ثابت نہیں ہوتا اس کے لئے قطعی دلیل ضروری ہے جس طرح سورۃ اخلاص ودیگر مقامات پر اللہ عزوجل نے اپنے لئے اولاد ہونے کی نفی کی، بیوی کی نفی کی اسی طرح نبی اور ولی سے مدد مانگنے کے شرک ہونے پر صریح واضح آیت ہو تو شرک ثابت ہوگا۔ بتوں والی آیات کو انبیاء واولیاء پر منطبق کرنا انتہائی درجہ کی بدبختی ہے جو وہابیوں کے نصیب میں ہے۔ ذیل میں چند آیات پیش کرتا ہوں جو وہابی مولوی اپنے موقف پر پیش کرتے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کریں کیا اس میں ایک بھی ایسی آیت ہے جس میں نبی وولی سے مدد مانگنے کو شرک کہا گیا ہے؟ وہابی مولوی احسان الٰہی ظہیر اپنی بدنام زمانہ کتاب ''البریلویہ'' میں لکھتا ہے: ''ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ نیک بندے اپنے رب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ تجھی کی ہم بندگی کریں اور تجھی سے ہم مدد چاہیں اور پھر اللہ مشرکین کے عقیدے کو رد کرتے ہوئے اور اس پر ان کو ڈانٹتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ﴾ آپ کہیں تم انہیں پکارو تو جنہیں تم اللہ کے سوا (شریک خدائی) سمجھ رہے ہو، وہ ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں! اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار ہے۔

اور اللہ کا فرمان ہے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ O اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآئَكُمْ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَ لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ﴾ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی حکومت ہے۔ اور جنہیں تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری سنیں گے بھی نہیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہا نہ کر سکیں۔ اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی سے منکر ہوں اور تجھ کو (خدائے) خبیر کا سا کوئی نہ بتائے گا۔

نیز ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآئَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا﴾ آپ کہہ دیجئے! تم نے اپنے خدائی شریکوں کے حال پر بھی نظر کی ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا جزو بنایا ہے یا ان کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس پر قائم ہیں؟ اصل یہ ہے کہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکہ (کی باتوں) کا وعدہ کرتے آئے ہیں۔

اور مزید فرمایا ﴿وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ﴾ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔

اور فرمایا ﴿وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ﴾ اور جن کو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ﴾ اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی بھی نہ کارساز ہے اور نہ مددگار۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ وہ مشرکین اور ان لوگوں سے سوال کریں جو اللہ کے سوا کسی اور سے مدد مانگتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں ﴿قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ﴾ کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر عنایت کرنا چاہے، تو یہ اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ وہ کون ہے جو بے قرار کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں خلفاء بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الہ ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

پھر ان کو سمجھاتے ہوئے فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ بے شک جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے ہی بندے ہیں۔ سو اگر تم سچے ہو تو تم انہیں پکارو! پھر ان کو چاہیے کہ تمہیں جواب دیں۔

اور مزید فرمایا﴿قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا﴾ کہہ دیجئے تو کیا تم نے پھر بھی اس کے سوا اور کارساز قرار دے لیے ہیں جو اپنی ذات کے لیے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے ؟

مزید فرمایا﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّآ اِنٰثًا وَّاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا﴾ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے بھی ہیں تو بس زنانی چیزوں کو اور یہ لوگ پکارتے بھی ہیں تو بس شیطان سرکش کو۔

نیز﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا اور کسی کو پکارے؟ جو قیامت تک بھی اس کی بات نہ سنے بلکہ انہیں ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو؟'' (بریلویت، عقائد، صفحہ 88۔۔، ادارة ترجمان السنة)

یہاں وہابی مولوی نے اندھا دھند تمام بتوں کے متعلق آیات کو انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام پر منطبق کر دیا اور آخری دو آیتیں قابل غور ہیں جس میں اس مولوی نے معاذ اللہ ان بزرگ ہستیوں کو شیطان سرکش کہہ دیا ہے۔ آخری آیت میں بتوں کے متعلق ہے کہ ان کو پکارنے کی خبر نہیں ہوتی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے امتیوں کے اعمال سے باخبر ہیں۔ اوپر دلائل میں صریح حدیث ابن ابی شیبہ کی پیش کی کہ حضور علیہ السلام کے بارگاہ بارش کے لئے فریادی حاضر ہوا تو آپ نے خواب میں آخر بارش ہونے کی بشارت دی۔

بت پرست اپنے بتوں کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ بعض جوان بتوں کو اللہ عزوجل بارگاہ میں وسیلہ بھی سمجھتے تھے لیکن مشرک اس وجہ سے تھے کہ وہ ان بتوں کی پوجا کرتے تھے اللہ عزوجل نے ان کی تردید میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ مسلمان اسی عقیدے سے ان بزرگ ہستیوں سے مدد مانگتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان کو جو کمالات عطا فرمائے ان سے یہ مدد کرتے ہیں۔ مسلمان ان ہستیوں کی معاذ اللہ عبادت نہیں کرتے اور نہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ حقیقی کارساز ہیں۔ امام علامہ سیدی علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ اپنی کتاب ''شفاء السقام'' میں ارشاد فرماتے ہیں ''ليس المراد نسبة النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم الى الخلق والاستقلال بالافعال هذا لايقصده مسلم فصرف الكلام اليه ومنعه من باب التلبيس فی الدين والتشويش على عوام المؤحدين'' ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور خالق وفاعل مستقل ہیں یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا، تو اس معنی پر کلام کو ڈھالنا اور حضور سے مدد مانگنے کو منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

(شفاء السقام، الباب الثامن فی التوسل والاستغاثه الخ، صفحه 175، نوریه رضویه، فیصل آباد)

وہابی درحقیقت خارجی ہیں اور خارجیوں کی شروع سے عادت رہی ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیات سے باطل استدلال کر کے صحابہ کرام بالخصوص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مشرک کہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابی رسول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں کو بدترین مخلوق جانتے تھے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللَّهِ وَقَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا عَلَى المُؤْمِنِينَ" ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج کو بدترین مخلوق جانتے تھے کہ ان خارجیوں نے وہ آیتیں جو کافروں کے حق میں اتریں اُٹھا کر مسلمانوں پر چسپاں کر دیں۔

(صحیح بخاری ، کتاب استتابة المرتدین والمعاندین وقتالهم ،باب قتل الخوارج والملحدین ۔۔جلد9،صفحه16،دار طوق النجاة،مصر)

وہابیت کی پہلی سیڑھی یہی شیطانی وار ہے کہ انسان انبیاء علیہم السلام واولیائے کرام کو بے اختیار سمجھ کر توحید پرست بنتا ہے پھر رفتہ رفتہ اتنا بے باک ہو جاتا ہے کہ اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کس کے متعلق کیا کلمات کہہ رہا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اسے شرک ثابت کرنے کے لئے ایسے جاہلانہ وگستاخانہ دلائل دیتا ہے جو کسی مسلمان سے متصور نہیں ہو سکتے جیسے وہابیوں کے امام ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکاروں کا عقیدہ یہ ہے "عصای هذه خیر من محمد لانها ینتفع بها فی قتل الحية ونحوها ومحمد قد مات ولم یبق فیه نفع اصلاً وانما هو طارش وقد مضی" ترجمہ: یہ میری لاٹھی محمد سے بہتر ہے کیونکہ یہ سانپ وغیرہ مارنے کا کام دیتی ہے اور محمد مر گئے اب ان سے بالکل کوئی نفع نہیں اٹھایا جا سکتا وہ بہرے ہیں جو گزر گئے۔

(الدرر السنية فی ردالوہابیہ ،صفحه 42،مکتبة الحقيقية ،استنبول،ترکی)

وہابی ایک اور حدیث پاک اپنے موقف پر پیش کرتے ہیں جو ترمذی شریف میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ" ترجمہ: جب تو سوال کرے تو اللہ عزوجل سے کر اور جب تو مدد مانگے تو اللہ عزوجل سے مدد مانگ۔

(سنن الترمذی،أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب 59،جلد4،صفحه248، حدیث 2516، دار الغرب الإسلامی ،بیروت)

اس حدیث پاک سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا شرک ہے ورنہ اوپر کثیر احادیث نقل کیں کہ خود حضور علیہ السلام نے خوبصورت چہرے والوں اور سخی سے حاجتیں طلب کرنے کا فرمایا ہے۔ درحقیقت اس حدیث پاک میں توکل کا اعلیٰ درجہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر حال میں اللہ عزوجل سے دنیاوی واخروی چیزیں مانگی جائیں کسی اور سے مدد نہ مانگی

جائے۔اسی درجہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کہ آگ میں جاتے ہوئے بھی جبرائیل امین علیہ السلام کی مدد نہ لی۔حضرت زکریا علیہ السلام اس درجہ پر تھے لیکن جب درخت سے پناہ مانگی تو اللہ عزوجل نے پسند نہ فرمایا۔

اگر کوئی اس درجہ پر ہے کہ تو اسے یہی چاہئے کہ ہر معاملہ میں رب سے ہی مانگے بیمار ہو تو تندرستی کے لئے ڈاکٹر یا حکیم کے پاس نہ جائے۔عوام الناس کے لئے انبیاء علیہم السلام یا اولیائے کرام سے مدد مانگنا درحقیقت یہ استعانت غیر سے نہیں ہے بلکہ یہ حضرت حق سے ہی استعانت ہے کیونکہ بندہ مومن ان ہستیوں کو اللہ کی مدد کا مظہر جانتا ہے۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں" شیخ سفیان ثوری رحمۃالله تعالٰی علیه در نماز شام امامت میکرد ،چون ایاك نعبد وایاك نستعین گفت بیهوش افتاد ،چون بخود آمد گفتند اے شیخ !تراچه شده بود ؟ گفت چون وایاك نستعین گفتم ترسیدم که مرا بگویند که اے دروغ گو !چرا از طبیب دارو می خواهی واز امیر روزی واز بادشاه یاری می جوئی ، ولهذا بعضے از علماء گفته اند که مرد را باید که شرم کند ازانکه هر روز وشب پنج نوبت در مواجهه پروردگار خود استاده دروغ گفته باشد ، لیکن درینجا باید فهمید که استعانت از غیر بوجهے که اعتماد برآن غیر باشد و او را مظهر عون الهی نداند حرام است ، واگر التفات محض بجانب حق است واو را مظاهر عون دانسته ونظربه کارخانه اسباب وحکمت او تعالی در آن نموده بغیر استعانت ظاهری نماید ، دور از عرفان نخواهد بود ،ودر شرع نیز جائز وروا ست ،وانبیاء واولیا ء این نوع استعانت بغیر کرده اند ودرحقیقت این نوع استعانت بغیر نیست بلکه استعانت بحضرت حق است لاغیر" ترجمہ: شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شام کی نماز میں امامت فرمائی جب ایاک نعبد وایاک نستعین پر پہنچے بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے دریافت کیا، اے شیخ! آپ کو کیا ہو گیا تھا؟ فرمایا: جب ایاک نستعین کہا تو خوف ہوا کہ مجھ سے یہ نہ کہا جائے اے جھوٹے، پھر طبیب سے دوا کیوں لیتا ہے، امیر سے روزی اور بادشاہ سے مدد کیوں مانگتا ہے؟ اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کو خدا سے شرم کرنی چاہئے کہ پانچ وقت اس کے حضور کھڑا ہو کر جھوٹ بولتا ہے مگر یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ غیر اللہ سے اس طرح مدد مانگنا کہ اسی پر اعتماد ہو اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر نہ جانا جائے حرام ہے اور اگر توجہ حضرت حق ہی کی طرف ہے اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر جانتا ہے اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے ظاہری طور پر غیر سے مدد چاہتا ہے تو یہ عرفان سے دور نہیں، اور شریعت میں بھی جائز اور روا ہے اور انبیاء اور اولیاء نے ایسی استعانت کی ہے۔اور درحقیقت یہ

استعانت غیر سے نہیں ہے بلکہ یہ حضرت حق سے ہی استعانت ہے۔

(فتح العزیز (تفسیر عزیزی)،تفسیر سورہ فاتحہ ،پار الم،صفحہ8،افغانی دار الکتب، دہلی)

پندرہویں صدی کے بعض وہابیوں نے اب ایک نیا فریب یہ نکالا ہے کہ تحت الاسباب کو پکارنا جائز ہے جیسے اپنی مدد کے لئے کسی پولیس والے کو پکارنے یا قریب کوئی شخص ہے اسے پکارنا جسے عموماامورِ عادیہ کے طور پر پکارا جاتا ہے اور مافوق الاسباب پکارنا شرک ہے جیسے پاکستان میں بیٹھے ہوئے شخص کا نبی علیہ السلام کو پکارنا، حضور غوث پاک کو پکارنا یا کسی بھی دور بیٹھے شخص کو پکارنا اور اس سے مدد مانگنا شرک ہے۔

وہابیوں کا یہ نیا فریب بالکل باطل اور خود ساختہ ہے۔ہم نے چند دلائل سے اوپر ثابت کیا کہ مافوق الاسباب بھی پکارنا اور مدد مانگنا ثابت ہے۔ دراصل ماتحت الاسباب غیر اللہ سے مدد مانگی جائے یا مافوق الاسباب دونوں صورتوں میں اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ عزوجل کی عطا سے یہ مدد کر سکتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ ماتحت الاسباب بھی اگر یہ عقیدہ رکھ پکارا جائے یا مدد مانگی جائے کہ اللہ عزوجل کی عطا کے بغیر یہ مدد کرسکتا ہے تو شرک ہے۔ ہم وہابیوں سے پوچھتے ہیں بتاؤ کہ اگر کوئی کسی ماتحت الاسباب والے جیسے پولیس، ڈاکٹر سے یہ عقیدہ رکھ کر مدد مانگے کہ یہ اللہ عزوجل کی عطا کے بغیر بھی مدد کر سکتے ہیں تو کیا حکم ہے؟ یقیناً وہابی اس کو کفر کہیں گے۔تو وہابیوں کے اس جواب سے ہی ان کا خود ساختہ اصول مردود ہو گیا۔

وہابیوں کے اس خود ساختہ قانون کے رد میں کئی نقلی دلائل ہیں جن میں بعض اوپر بیان کئے گئے یہاں صرف دو دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔ مافوق الاسباب پکارنا شرک نہ ہونے پر قرآن پاک کی وہ آیت دلیل ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو پکارا تھا چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھادے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بُلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورۃ البقرہ،سورۃ2،آیت260)

دیکھیں یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندوں کے گوشت کو باہم خلط کر کے الگ الگ پہاڑ پر رکھا اور ان کو پکارا وہ پرندے اڑ کر آپ کے پاس آئے۔ اگر ایسا شرک ہوتا تو کبھی بھی اللہ عزوجل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکارنا کا نہ کہتا۔

مافوق الاسباب مدد مانگنے پر المعجم الکبیر کی یہ حدیث پاک موجود ہے "حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ يَحْيَى الصُّوفِيُّ، ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ ،وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ"

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی سے کوئی چیز کھو جائے اور تم چاہو کہ کوئی مدد کرے اور وہ جگہ ایسی ہو جہاں کوئی تمہارے جاننے والا نہ ہو تو یہ کہو: اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو، اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو۔ بے شک اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو دیکھے نہیں جاتے۔ یہ طریقہ آزمودہ ہے۔

(المعجم الکبیر،باب العین ،ما أسند عتبة بن غزوان،جلد17،صفحه117،مکتبة ابن تیمیة ،القاهرة)

اس حدیث میں بغیر نظر آنے والوں سے مدد مانگنے کا کہا گیا جو مافوق الاسباب ہے۔اس کے علاوہ مافوق الاسباب پکارنے ،مدد مانگنے پر کثیر دلائل ہیں فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

## اختیاراتِ مصطفیٰ واولیاء

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبیوں، فرشتوں اور اولیاء کو اختیارات عطا فرمائے ہیں۔اللہ عزوجل قرآن پاک میں فرماتا ہے ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: پھر کام کی تدبیر کریں۔ (سورة النازعات،سورة79،آیت5)

یہ تدبیر کرنے والے کون ہیں؟ ایک قول کے مطابق تمام نفوسِ قدسیہ یعنی انبیاء واولیاء وغیرہ اس سے مراد ہیں کہ خدا کے اذن سے یہ اپنی وفات کے بعد بھی زمانے میں تصرف کرتے ہیں چنانچہ تفسیر بیضاوی شریف میں اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "او صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فانها تنزع عن الابدان غرقا ای نزعاشدیدامن اغراق النازع فی القوس وتنشط الی عالم الملکوت وتسبح فیه فتسبق الی حظائر القدس فتصیر لشرفها وقوتها من المدبرات" یعنی یا ان آیات کریمہ میں اللہ عزوجل ارواح اولیاء کرام کا ذکر فرماتا ہے جب وہ اپنے پاک مبارک بدنوں سے انتقال فرماتی ہیں کہ جسم سے بقوت تمام جدا ہو کر عالم بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں شناوری کرتی حظیرہائے حضرت قدس تک جلد رسائی پاتی ہیں پس اپنی بزرگی وطاقت کے باعث کاروبار عالم کے تدبیر کرنے والوں سے ہو جاتی ہیں۔

(تفسیربیضاوی، جلد5، صفحه211، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس آیت کے تحت تفسیر خازن میں ہے "قال ابن عباس هم الملئكة وكلوا بامور عرفهم الله تعالى العمل بها قال عبدالرحمن بن سابط يدبر الامر فى الدنيا اربعة جبريل وميكائيل وملك الموت واسرافيل عليهم السلام، اما جبريل فمؤكل بالرياح والجنود واما ميكائيل فمؤكل بالقطر والنبات واما ملك الموت فمؤكل بقبض الانفس واما اسرافيل فهو ينزل عليهم بالامر " ترجمہ: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: یہ مدبرات الامر ملائکہ ہیں کہ ان کاموں پر مقرر کیے گئے جن کی کارروائی اللہ عزوجل نے انہیں تعلیم فرمائی۔ عبدالرحمٰن بن سابط نے فرمایا: دنیا میں چار فرشتے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں جبریل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل علیہم السلام۔ جبریل تو ہواؤں اور لشکروں پر مؤکل ہیں (کہ ہوائیں چلانا، لشکروں کو فتح وشکست دینا ان کے متعلق ہے۔) اور میکائیل بارش اور نباتات پر مقرر ہیں (کہ مینہ برساتے اور درخت اور گھاس اور کھیتی اگاتے ہیں) اور عزرائیل قبض ارواح پر مسلط ہیں۔ اسرافیل ان سب پر حکم لے کر اترتے ہیں علیہم السلام اجمعین۔

(تفسیر الخازن، فی تفسیر، سورة النازعات، سورت 79، آیت 5، جلد 4، صفحہ 391، دار الکتب العلمیة، بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے تصرفات کا یہ عالم تھا کہ دائیں اور بائیں پَر کا استعمال کرتے ہوئے حجابات ہٹا کر حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ تبوک کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کردیا چنانچہ مجمع الزاوائد کی حدیث پاک ہے "وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيلُ، وَهُوَ بِتَبُوكَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ اشْهَدْ جَنَازَةَ مُعَاوِيَةَ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْمُزَنِيِّ. فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ جِبْرِيلُ فِي سَبْعِينَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَوَضَعَ جَنَاحَهُ الْأَيْمَنَ عَلَى الْجِبَالِ فَتَوَاضَعَتْ، وَوَضَعَ جَنَاحَهُ الْأَيْسَرَ عَلَى الْأَرَضِينَ فَتَوَاضَعْنَ، حَتَّى نَظَرَ إِلَى مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ، فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِبْرِيلُ وَالْمَلَائِكَةُ، فَلَمَّا فَرَغُوا قَالَ: يَا جِبْرِيلُ، بِمَا بَلَغَ مُعَاوِيَةُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْمُزَنِيُّ هَذِهِ الْمَنْزِلَةَ؟ قَالَ: بِقِرَاءَةِ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ قَائِمًا وَقَاعِدًا، وَرَاكِبًا وَمَاشِيًا" ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تبوک کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبرئیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی کا جنازہ پڑھ دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لئے نکلے اور جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ نازل ہوئے، جبرائیل نے اپنا داہنا پَر پہاڑوں پر رکھا وہ جھک گئے بایاں زمینوں پر رکھا وہ پست ہوگئیں یہاں تک کہ مکہ ومدینہ نظر آنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جبرائیل وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان پر نماز پڑھی۔ نماز جنازہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے جبرائیل سے فرمایا: اے جبرائیل حضرت معاویہ بن معاویہ مُزنی کو یہ مقام کسی وجہ سے ملا؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: سورۃ اخلاص کی قراءت کے سبب۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے چلتے اور سوار ہونے کی حالت میں پڑھتے تھے۔

(مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الغائب، جلد3، صفحہ148، دار الفکر، بیروت)

اسی طرح دیگر فرشتوں کو اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو اتنی قوت اللہ عزوجل نے عطا فرمائی کہ بندہ مسلم جب نیکی کرنے کا سوچتا ہے تو ان کو پتہ چل جاتا ہے اور وہ اس نیت پر نیکی لکھ لیتے ہیں۔ بلکہ شیطان کو دیئے گئے اختیار کا اندازہ لگائیں کہ بندہ نیکی کا سوچتا ہے تو شیطان کو پتہ چل جاتا ہے اور وہ اس نیکی کو روکنے پر کوشاں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے اپنے پیاروں کو بھی اختیارات عطا فرمائے ہیں۔

اختیارات کی دو قسمیں ہیں: **(1) تشریعیہ (2) تکوینیہ**

اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے اختیارات اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں۔

وہابی تشریعی اختیارات کے قائل ہیں لیکن تکوینی کے منکر ہیں حالانکہ تشریعی وتکوینی دونوں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ مختصرا کلام پیش خدمت ہے:

**(1) تشریعی اختیارات:** لفظ تشریعی ''شرع'' سے ہے۔ اختیارات تشریعیہ سے مراد کسی فعل کو فرض یا حرام یا واجب یا مکروہ یا مستحب یا مباح کر دینا ہے۔ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ جس فعل کو شرع میں جو ٹھہرانا چاہیں ٹھہرا دیں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ﴿**قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ**﴾ ترجمہ کنز الایمان: لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اور نہ پچھلے دن پر، اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔ (پارہ10، سورۃ التوبہ، آیت29)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل کی طرح حضور علیہ السلام بھی کسی چیز کو حرام فرمائیں اور کوئی حضور علیہ السلام کی حرام کردہ چیز کو حرام نہ سمجھے وہ کفار کے نقش قدم پر ہے۔ احادیث سے بھی اس کا ثبوت ہے چنانچہ صحیحین میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے انہوں نے سال فتح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ''إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ'' ترجمہ: **بیشک اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا شراب اور مردار اور سوئر اور بتوں کا بیچنا۔**

(صحیح البخاری، کتاب البیوع باب بیع المیتۃ والاصنام، جلد3، صفحہ84، دار طوق النجاۃ، مصر)

کئی مقامات پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کی "اللّٰھُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا"، ترجمہ: الٰہی! بیشک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مکہ معظّمہ کو حرم کردیا اور میں دونوں سنگستان مدینہ طیبہ کے درمیان جو کچھ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔ (صحيح البخاري ، كتاب الانبياء ،باب يزفون النسلان ،جلد4،ص 146 ،دار طوق النجاة،مصر)

ابوداؤد شریف کی حدیث حضرت خزیمہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی مانگتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موزوں پر مسح کی مدت پانچ دن تک بڑھا دیتے۔ ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث پاک امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ سے مروی ہے کہ گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاف فرمادی۔ سنن ابن ماجہ ومستدرک کی حدیث پاک ہے کہ یتیم اور عورت کی حق تلفی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام فرمایا۔ طبرانی اوسط کی حدیث پاک ہے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زنا کو حرام فرمادیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرح مدینہ منورہ کو مکہ حرم بنایا، پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر اذخر گھاس کا حرم سے استثناء فرمادیا جیسا کہ بخاری ومسلم میں ہے۔

اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے آپ نے کسی صحابی کے لئے شرعی حکم تبدیل کردیا، کسی کے لئے حرام چیز حلال ٹھہرادی، کسی کے لئے حلال کو حرام فرمایا چنانچہ صحاح ستہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کرلی تو آپ نے کفارہ معاف فرمادیا۔ مسند امام احمد کی حدیث پاک ہے کہ ایک شخص حاضر ہوکر اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نمازیں پڑھا کروں گا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ یہی رخصت حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے۔ بعض لوگوں کو زکوٰۃ اور جہاد میں رخصت عطا فرمائی جیسا کہ ابوداؤد شریف میں حضرت عثمان بن ابی عاص سے مروی ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث پاک حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ حضرت ابو بردہ بن نیاز کے لئے آپ علیہ السلام نے چھ ماہ کی بکری کی قربانی جائز فرمادیا، اسی طرح عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بھی چھ ماہ کی بکری کی قربانی جائز فرمادی جیسا کہ بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے۔ ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے نوحہ کو جائز قرار دے دیا جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے۔ قرآن پاک میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے لیکن حضور علیہ السلام نے حضرت اسماء بنت عمیس کے لئے وفاتِ شوہر کے سوگ کو صرف تین دن فرمادیا۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان دیکھی گواہی قبول فرمالی جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک حضرت نعمان بن بشیر سے مروی

ہے۔حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی دو مردوں کے برابر فرمادی جیسا کہ معم کبیر کی حدیث پاک ہے۔صحیح مسلم وسنن نسائی وابن ماجہ ومسند امام احمد میں زینت بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جوانی میں رضاعت ثابت فرمادی۔صحاح ستہ میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اورزبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوریشمی کپڑا پہننے کی اجازت عطا فرمادی۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونے کی اجازت عطافرمادی جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے،یہی اجازت ازواج مطہرات اور بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو بھی عطا فردی جیسا کہ معجم کبیر کی حدیث پاک ہے۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دے دی جیسا کہ مسند امام احمد میں ہے۔امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں بطریق الحسن مروی،سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسریٰ کے کنگن پہننے کی اجازت وبشارت دی۔صحابہ کرام کے لئے ابوالقاسم کنیت رکھنے سے منع کردیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت عطا فرمائی کہ اپنے بیٹے کی کنیت ابوالقاسم رکھیں جیسا کہ ابوداؤد شریف وترمذی ومسند احمد کی حدیث پاک ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ بدر میں غیر حاضری کے باوجود مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا جیسا کہ حضرت ابن عمر سے بخاری وترمذی میں مروی ہے۔ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عصر کے بعد دورکعت کی رخصت دی جیسا کہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے۔قرآن نے بیک وقت چار شادیوں کی اجازت دی تھی لیکن ابوداؤد شریف کی حدیث پاک حضرت مسور بن مخرمہ سے مروی ہے آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح منع فرمادیا۔

کسی چیز کے فرض کرنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی چنانچہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاكَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْهِمُ الْوُضُوءَ "ترجمہ:مشقتِ امت کالحاظ نہ ہوتو میں ہر نماز کے وقت مسواک ان پر فرض کردوں جس طرح میں نے وضوان پر فرض کردیا ہے۔

(المستدرك للحاكم، كتاب الطهارة،واما حديث ابى سفيان المعمرى ،جلد1،صفحه245،دار الفكر ،بيروت)

کمزوروں پر شفقت فرماتے ہوئے نمازِ عشاء کو مؤخر نہ فرمایا جیسا کہ ابوداؤد وابن ماجہ کی حدیث پاک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کو فرض فرمادیتے۔امت پر دشواری کالحاظ

نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے وقت تازہ وضو فرض فرمادیتے جیسا کہ سنن نسائی ومسند احمد میں ہے۔کنز العمال کی حدیث پاک حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تو ہر نماز کے وقت خوشبو لگانا فرض فرمادیتے۔

کئی احادیث اس پر موجود ہیں کہ حکم کی تبدیلی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی پر موقوف تھی ،مگر حکم تبدیل نہ فرمایا۔ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:"لَا،وَلَوْ قُلْتُ:نَعَمْ،لَوَجَبَتْ" ترجمہ:حج ہر سال فرض نہیں اور میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے۔

(سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء کم فرض الحج، جلد2،صفحہ 170، دار الغرب الإسلامی ،بیروت)

## تکوینی اختیارات

تکوین "کُن" سے ہے جس کا مطلب ہے "ہو جا" یعنی حضور علیہ السلام کسی چیز کا حکم فرمائیں تو وہ جیسے فرمائیں ویسا ہو جائے۔اختیارات تکوینیہ سے مراد مُردوں کو زندہ کرنا، مارنا،کسی کی حاجت پوری کر دینا ،مصیبت دور کر دینا،نعمت و دولت عطا کرنا، فتح دینا وغیرہ وغیرہ۔وہابی کہتے ہیں اللہ عزوجل نے کسی کو کوئی اختیارات عطا نہیں فرمائی۔ذیل میں مختصرا چند احادیث کے حوالے سے قارئین کو بتلایا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب کو تشریعی اختیارات کے ساتھ ساتھ تکوینی اختیارات عطا فرمائے تھے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے﴿وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ترجمہ:منافقوں کو یہی برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

(پارہ10،سورۃ التوبۃ،آیت 74)

اس آیت سے پتہ چلا کہ اللہ عزوجل کی عطا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کسی کو غنی کر سکتے ہیں۔تصرفات پر کثیر احادیث موجود ہیں چنانچہ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند کو دو ٹکڑے فرمادیا، الخصائص الکبری میں ہے سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں آپ گہوارے میں جس طرح انگشت مبارک سے اشارہ کرتے چاند اسی طرف جھک جاتا۔طبرانی معجم اوسط میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آفتاب کو حکم دیا کہ کچھ دیر چلنے سے باز رہ!وہ فوراً ٹھہر گیا۔ خصائص کبری میں ہے حضرت علی المرتضٰی کی عصر کی نماز کے لئے حضور علیہ السلام نے ڈوبا ہوا سورج دوبارہ وقت عصر پر کر دیا۔

تفسیر خازن میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دومرتبہ سورج روکا گیا، ایک مرتبہ غزوۂ خندق میں جب تمام مسلمان نمازِ عصر نہ پڑھ سکے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈوبا ہوا سورج لوٹا دیا یہاں تک کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور دوسری مرتبہ شبِ معراج کی صبح قافلے کے انتظار میں، جب آپ نے سورج نکلنے کے وقت قافلہ پہنچنے کی خبر دی۔ بخاری و مسلم کی حدیث پاک حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اعرابی نے آپ کی بارگاہ میں آکر بارش کی عرض کی تو بارش ہوئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف جدھر بھی اشارہ کیا وہاں سے بادل ہٹ گئے۔ بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے برتن کے اندر اپنا دست مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے اور تین سو یا تین سو کے لگ بھگ لوگوں نے اس پانی سے استفادہ کیا۔ بخاری و مسلم میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے دوران سفر ایک بیوہ کے مشکیزوں پر ہاتھ پھیرا، پھر ہم چالیس پیاسے لوگوں نے پانی پیا یہاں تک کہ سیراب ہو گئے اور ہمارے ساتھ جو برتن تھے ہم نے ان کو بھی بھر لیا اور وہ مشکیزے ابھی تک اسی طرح بھرے ہوئے تھے۔ بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے غزوہ خیبر میں حضرت علی المرتضیٰ کی آنکھوں کو تندرست فرمایا۔ المعجم الصغیر کی حدیث پاک ہے کہ حضرت عتبہ بدن پر موجود پھنسیوں پر آپ نے اپنا لعاب دہن اپنے مبارک ہاتھ پر ڈال کر میرے پیٹ اور پیٹھ پر مل دیا تو میری بیماری دور ہو گئی اور اسی دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا ہو گئی۔ دلائل نبوہ کی حدیث پاک ہے کہ جنگ احد کے دوران حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ آپ نے دوبارہ لگا دی اور وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہو گئی۔ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوٹی پنڈلی پر جب اس پر اپنا دستِ کرم پھیر دیا تو ایسا ہو گیا جیسے اس میں سرے سے کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ اسی طرح بخاری شریف کی حدیث پاک ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پنڈلی پر غزوۂ خیبر کے دن شدید چوٹ لگی تو آپ نے تین بار اس پر اپنا لعابِ دہن لگایا پھر کبھی پنڈلی میں درد نہ ہوا۔ بخاری شریف کی حدث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دودھ کا ایک پیالہ ستر اصحاب صفہ کو کفایت کر گیا۔ الخصائص الکبریٰ کی حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک جنگ میں کھانا کم ہو گیا تو اکیس کھجوروں پر آپ نے بسم اللہ پڑھی اور گروہ در گروہ صحابہ کھجوریں کھاتے رہے لیکن تھیلے میں کھجوریں ختم نہ ہوئیں۔ صحیح مسلم و ابوداؤد کی حدیث پاک سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان سے کہا مانگ کیا مانگتا

ہے ہم تجھے عطا فرمائیں انہوں نے مالکِ جنت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابی نے جنت مانگ لی۔ تاریخ دمشق میں ہے کہ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دونوں شہزادوں کو لے کر خدمت انور سید اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یارسول اللہ! ان دونوں کو کچھ عطا فرمایئے تو آپ نے حسن کو اپنا حلم اور ہیبت عطا کی اور حسین کو اپنی شجاعت اور اپنا کرم بخشا۔ بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد صاحب پر قرض تھا آپ نے چند کھجوریں سے کثیر قرض اتروادیا۔ بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ خندق میں تھوڑی سے جو اور ایک بکری کا بچہ آپ کے لعاب دہن کی برکت سے ایک ہزار مجاہدین کو کفایت کر گیا۔ صحیح بخاری کی حدیث پاک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر آپ چاہتے تو ہاتھ بڑھا کر جنت کا پھل پکڑ لیتے۔ اس کے علاوہ پہاڑوں، درختوں، جانوروں پر حکومت اور جانوروں کی فریادرسی پر کثیر احادیث موجود ہیں۔

ان احادیث کی روشنی میں محدثین وعلمائے اسلاف نے صراحت کی کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیارات عطا فرمائے ہیں چنانچہ المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں احمد بن محمد القسطلانی (المتوفی 923ھ) "من خصائصہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم انہ کان یخص من شاء بما شاء من الاحکام" ترجمہ: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے مستثنیٰ فرمادیتے۔

(المواهب اللدنية ،ومن خصائصه صلى الله عليه وسلم أنه كان صلى الله عليه وسلم يخص من شاء بما شاء من الأحكام، جلد 2، صفحه 688،المكتبة التوفيقية، القاهرة،مصر)

شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی (المتوفی 1122ھ) نے شرح میں بڑھایا "من الاحکام وغیرھا" کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں حضور علیہ السلام جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں۔

(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنيه ،الفصل الرابع :ما اختص به صلى الله عليه وسلم من الفضائل والكرامات ،جلد 5،صفحه 322، دارالكتب العلمية ،بيروت)

الخصائص الکبریٰ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی (المتوفی 911ھ) نے ایک باب وضع فرمایا "باب اخْتِصَاصه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِأَنَّهُ يخص من شَاءَ بمل شَاءَ من الْأَحْكَام" ترجمہ: باب اس بیان کا کہ خاص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

(الخصائص الكبرىٰ ،باب اختصاصه ﷺ بأنه يخص من شاء بمل شاء من الأحكام، جلد2، صفحه 259، دار الكتب العلمية، بيروت)

انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب میں امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں ''ویخص من شاء بما شاء من الأحكام كجعله شهادة خُزيمة بشهادة رجلين ''ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسے چاہیں جس حکم کے ساتھ خاص فرمادیں جیسا کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی دو آدمیوں کے قائم مقام کردی۔

(انموذج اللبیب، الفصل الرابع، جلد1، صفحہ 207، وزارۃ الاعلام، جدہ)

ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری میں احمد بن محمد بن ابی بکر شہاب الدین القسطلانی (المتوفی 923ھ) لکھتے ہیں ''خصوصية له لاتكون لغيرہٖ اذكان له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان يخص من شاء بما شاء من الاحكام ''ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خصوصیت ابو بردہ کو بخشی (کہ چھ ماہ کی بکری کی قربانی ان کے لئے جائز فرمادی) جس میں دوسرے کا حصہ نہیں، اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخطبة بعد العید، جلد2، صفحہ213، المطبعة الکبری الأمیریة، مصر)

المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج میں ابو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی 676ھ) فرماتے ہیں ''وَلِلشَّارِعِ أَنْ يَخُصَّ مِنَ الْعُمُومِ مَا شَاء ''ترجمہ: نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ عام حکموں سے جو چاہے خاص فرمادیں۔

(شرح صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی نہی النساء عن النیاحة، جلد6، صفحہ238، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

حاشیۃ السندی علی سنن النسائی میں محمد بن عبدالہادی التتوی السندی (المتوفی 1138ھ) فرماتے ہیں ''هَذَا الترخيص خَاص فِي أم عَطِيَّة وللشارع أَن يخص من يَشَاء ''ترجمہ: یہ رخصت خاص طور پر ام عطیہ کے لئے ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں کسی حکم سے خاص فرمادیں۔

(حاشیہ سندی علی سنن نسائی، کتاب البیعة، جلد7، صفحہ149، المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

امام عارف باللہ سید عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ''كان الحق تعالى جعل له صلى الله تعالى عليه وسلم ان يشرع من قبل نفسه ماشاء كما فى حديث تحريم شجر مكة فان عمّه العباس رضى الله تعالى عنه لما قال له يارسول الله الا الاذخر فقال صلى الله تعالى عليه وسلم الا الاذخر ولو ان الله تعالى لم يجعل له ان يشرع من قبل نفسه لم يتجرّأصلى الله تعالى عليه وسلم ان يستثنى شيئامما حرمه الله تعالى ''یعنی اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ منصب دیا تھا کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی طرف سے مقرر فرمادیں جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے کی حدیث میں ہے کہ جب حضور نے وہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے ممانعت فرمائی حضور کے چچا حضرت عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اذخر کو اس حکم سے نکال دیجئے۔ فرمایا: اچھا نکال دی، اس کا کاٹنا جائز کر دیا۔ اگر اللہ سبحانہ نے حضور کو یہ رتبہ نہ دیا ہوتا کہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمائیں تو حضور ہرگز جرأت نہ فرماتے کہ جو چیز خدا نے حرام کی اس میں سے کچھ مستثنیٰ فرمادیں۔

(میزان الشریعة الکبریٰ، فصل فی بیان جملة من الامثلة المحسوسة الخ، جلد1، صفحہ60، دار الکتب العلمیة، بیروت)

امام عارف باللہ سید عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعة الکبریٰ باب الوضو میں حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں ''کان الامام ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ من اکثر الائمة ادباً مع اللہ تعالیٰ ولذلک لم یجعل النیة فرضا وسمی الوتر واجباً لکونھما ثبتا بالسنة لا بالکتاب فقصد بذلک تمییز ما فرضہ اللہ تعالیٰ وتمییز ما اوجبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان مافرضہ اللہ تعالیٰ اشد مما فرضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من ذات نفسہ حین خیّرہ اللہ تعالیٰ ان یوجب ماشاء اولا یوجب'' ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اکابر ائمہ میں ہیں جن کا ادب اللہ عزوجل کے ساتھ بہ نسبت اور ائمہ کے زائد ہے اسی واسطے انہوں نے وضو میں نیت کو فرض نہ کیا اور وتر کا نام واجب رکھا کہ یہ دونوں سنت سے ثابت ہیں نہ کہ قرآن عظیم سے، تو امام نے ان احکام سے یہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرض اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرض میں فرق وتمیز کر دیں اس لئے کہ خدا کا فرض کیا ہوا اس سے زیادہ مؤکد ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے فرض کر دیا جبکہ اللہ عزوجل نے حضور کو اختیار دے دیا تھا کہ جس بات کو چاہیں واجب کر دیں جسے نہ چاہیں نہ کریں۔

(میزان الشریعة الکبریٰ، باب الوضو، ج1، ص147، دار الکتب العلمیة، بیروت)

میزان مبارک میں شرعی حکم کی کئی قسمیں کیں، ایک وہ جس پر وحی وارد ہوئی، پھر فرمایا ''الثانی ما اباح الحق تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یسنہ علی رایہ ھو کتحریم لبس الحریر علی الرجال وقولہ فی حدیث تحریم مکة الا الاذخر ولو لا ان اللہ تعالیٰ کان یحرم جمیع نبات الحرم لم یستثن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الاذخر ونحو حدیث لو لا ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الی ثلث اللیل ونحو حدیث لو قلت نعم لوجبت ولم تستطیعوا فی جواب من قال لہ فی فریضة الحج اکل عام یارسو ل اللہ قال لا ولو قلت نعم لو جبت وقد کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخفف علی امتہ وینھاھم عن کثرة السؤال ویقول اترکونی ماترکتم اہ باختصار'' ترجمہ: شرعی حکم کی دوسری قسم وہ ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے رب عزوجل نے ماذون فرمادیا کہ خود اپنی رائے سے جو راہ چاہیں قائم فرمادیں، مردوں پر ریشم کا پہننا حضور نے اسی طور پر حرام فرمایا اور اسی حرمت مکہ سے گیاہِ اذخر کو

استثناء فرما دیا۔ اگر اللہ عزوجل نے مکہ معظّمہ کی ہر جڑی بوٹی کو حرام نہ کیا ہوتا تو حضور کو اذخر کے مستثنٰی فرمانے کی کیا حاجت ہوتی۔

اور اسی قبیل سے ہے حضور کا ارشاد کہ اگر امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عشاء کو تہائی رات تک ہٹا دیتا۔ اور اسی باب سے ہے کہ جب حضور نے فرض حج بیان فرمایا کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ فرمایا: نہ، اور اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے اور پھر تم سے نہ ہو سکے اور یہی وجہ ہے کہ حضور اپنی امت پر تخفیف و آسانی فرماتے اور مسائل زیادہ پوچھنے سے منع کرتے اور فرماتے ہیں مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑوں۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ،فصل شریف فی بیان الذم من الائمۃ الخ،ج1،ص67، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

شیخ محقق اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں "احکام مفوض بود بوے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برقول صحیح" ترجمہ: قول صحیح کے مطابق احکام حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سپرد تھے۔

(اشعہ اللمعات ،باب الاضحیۃ، الفصل الاول،ج1،ص609،مکتبہ نوریہ رضویہ،سکھر)

امام اجل احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں "ھو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الاعظم الذی جعل خزائن کرمہ و موائد نعمہ طوع یدیہ و تحت ارادتہ یعطی من یشاء" ترجمہ: وہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ عزوجل کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ حق جل وعلا نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع انکے ارادے کے زیرفرمان کردئے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(الجوہر المنظم، الفصل السادس ،ص42،المکتبۃ القادریۃ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اذن للانبیاء ان یخرجوا من قبورھم و یتصرفوا فی ملکوت السمٰوٰت و الارض" ترجمہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے مزارات سے باہر جانے اور آسمانوں اور زمین میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔ (الحاوی للفتاوٰی ،جلد 2،صفحہ263، دارالفکر ،بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ اولیائے کرام کے لئے بھی اختیارات کا ثبوت بھی کثیر دلائل سے ثابت ہے۔ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ بنی اسرائیل کے ولی آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے بلقیس کا تخت شام میں لے آئے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل

سے ہے۔

(سورۃ النمل،سورۃ27،آیت 40)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہمعات میں لکھتے ہیں "در اولیائے امت و اصحاب طریق اقوی کسیکہ بعدہ تمام راہِ جذب باکد وجوہ باصل ایں نسبت میل کردہ و در آنجا بوجہ اتم قدم است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اند ولھذا گفتہ اند کہ ایشاں درقبور خود مثل احیاء تصرف مے کند" ترجمہ: اولیائے امت واصحاب طریقت میں سب سے زیادہ قوی شخصیت جس کے بعد تمام راہ عشق مؤکدترین طور پر اسی نسبت کی اصل کی طرف مائل اور کامل ترین طور پر اسی مقام پر قائم ہوچکی ہے۔ اسی میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں، اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ اپنی قبروں میں رہ کر زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔ (ہمعات،ہمعہ 11،صفحہ 61،اکیڈمی شاہ ولی اللہ، حیدر آباد)

مقدمہ رسالہ شاہ عبدالعزیز میں ہے "حضرت امیر و ذریۃ طاہرہ او راتمام امت برمثال پیران و مرشدان می پرستند و امور تکوینیہ رابایشاں وابستہ میدانند" ترجمہ: حضرت امیر (مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) اوران کی اولاد کو تمام امت اپنے مرشد جیسا سمجھتی ہے اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتی ہے۔

(تحفہ اثنا عشریہ ،باب ہفتم درامامت،ص 214، سہیل اکیڈمی ،لاہور)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ الیواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو ابوذر ہوجا! تو وہ ابوذر ہوگئے۔ کھجور کی شاخ کو فرمایا تو تلوار ہوجا! تو وہ تلوار بن گئی۔ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا: اے ابن آدم! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں کسی چیز کو کہتا ہوں کہ ہوجا! تو وہ پیدا ہوجاتی ہے۔ تو میری اطاعت کر، میں تجھے یہ مرتبہ عطا کردوں گا کہ تو کسی چیز کو کہے گا ہوجا! تو وہ پیدا ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ اپنے بہت سے انبیاء علیہم السلام، اولیاء اور خاص انسانوں کو عطا فرمایا۔"

(الیواقیت والجواہر،جلد1،صفحہ 147،مطبوعہ ،مصر)

کشف الغطاء میں ہے "ارواح کمل کہ درحینِ حیات ایشاں بہ سبب قرب مکانت و منزلت از رب العزت کرامات و تصرفات و امداد داشتند بعد از ممات چوں بھماں قرب باقیند نیز تصرفات دارند چنانچہ درحین تعلق بجسد داشتند یا بیشتر ازاں" ترجمہ: کاملین کی روحیں ان کی زندگی میں رب العزت سے قرب مرتبت کے باعث کرامات وتصرفات اور حاجتمندوں کی امداد فرمایا کرتی تھیں بعد وفات جب وہ ارواح شریفہ اسی قرب واعزاز کے ساتھ باقی ہیں تو اب بھی ان کے تصرفات ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے جسم سے دنیاوی تعلق کے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔

(کشف الغطاء، فصل دہم زیارت القبور، صفحہ 80، مطبع احمدی، دہلی)

ان تمام دلائل کے برعکس وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کو کوئی اختیارات نہیں۔ نبیوں کی حیثیت ایک پوسٹ مین سی ہے جس کا کام فقط خط پہنچانا ہے چنانچہ ایک وہابی مولوی نے ''تفسیر القرآن بآیات الرحمٰن'' میں کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محض ایلچی تھے، ایلچی کو نام و پیام کیا، تشریح ومطلب آرائی میں کوئی حق نہیں۔ انبیاء علیہم السلام محض بے بس وعاجز ہیں انہیں کسی چیز کا کوئی اختیار نہیں۔ وہابی عقائد کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان میں ہے: ''اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی۔'' (تقویۃ الایمان، پہلا باب، صفحہ 5، مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ، لاہور)

دوسری جگہ لکھا: ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔''

(تقویۃ الایمان، الفصل الرابع، صفحہ 28، مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ، لاہور)

وہابی اپنے موقف پر سب سے زیادہ قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ ترجمہ: تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے بُرے کا ذاتی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔

(سورۃ یونس، سورۃ 10، آیت 49)

اس آیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے انبیاء و اولیاء کو کوئی اختیارات نہیں دیئے بلکہ اس آیت کا مطلب ہے کہ ذاتی طور پر کسی بھی ہستی کو یہ قدرت نہیں کہ وہ خود سے مصیبتوں کو دور کرلے، بلکہ جس کو اللہ عزوجل یہ قدرت عطا فرمادے وہی ایسا کرسکتا ہے چنانچہ تفسیر طبری، تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے "لا أقدر علی اجتلاب نفع إلی نفسی ولا دفع ضر یحل بها عنها إلا ما شاء الله أن أملكه من ذلك بأن یقوینی علیه ویعیننی" ترجمہ: میں حقیقی طور پر قادر نہیں کہ اپنے لئے نفع لے لوں اور مصیبت دور کرلوں مگر یہ کہ اللہ عزوجل مجھے اس پر مالک بنادے کہ اس پر مدد کرے اور قوت دے۔

(جامع البیان فی تأویل القرآن، سورۃ الاعراف، سورۃ 7، آیت 188، جلد 13، صفحہ 302، مؤسسة الرسالة، بیروت)

وہابی اپنے خودساختہ موقف کی تائید میں زبردستی دلائل پیش کرتے ہیں دیگر دلائل کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے حالانکہ دیگر دلائل میں صراحۃً موجود ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبیوں کو تصرفات عطا فرمائے ہیں چنانچہ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے ﴿وَرَسُوْلًا إِلٰى بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ أَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ أَنِّيْ أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف، یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی

سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کرر کھتے ہو، بیشک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (سورة آل عمران ،سورة3،آیت 49، 50)

صحیح البخاری میں محمد بن اِسماعیل ابو عبد اللہ البخاری (المتوفی 256ھ) روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللَّهُ يُعْطِي" ترجمہ: میں خازن اور تقسیم کرنے والا ہوں اور رب تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس ،جلد4،صفحہ 84،دار طوق النجاة ،مصر)

بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور مالک المفاتیح صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي" ترجمہ: میں سورہا تھا کہ تمام خزائن زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر ،باب المفاتیح فی الید ،جلد9،صفحہ 36،دار طوق النجاة ،مصر)

یہاں زمین پر آپ کی سلطنت کا ثبوت ہے اور دیگر احادیث میں مدد کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، جنت کی کنجیاں، دوزخ کی کنجیاں، آخرت میں عزّت دینا، عذاب دور کرنا حضور کے اختیار میں ہونا ثابت ہے۔ ابن عدی وابن عساکر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اِنَّمَا سُمِّيْتُ اَحِيْدَ لِاَنِّيْ اُحِيْدُ عَنْ اُمَّتِيْ نَارَ جَهَنَّمَ" ترجمہ: میرا نام اَحِیْدُ اس لیے ہوا کہ میں اپنی اُمت سے آتش دوزخ کو دفع فرماتا ہوں۔

(کنز العمال ،حرف الھمزہ ،فی الاعتصام بالکتاب والسنة ،جلد1،صفحہ 204،حدیث 1021، مؤسسة الرسالة ،بیروت)

دوزخ سے بدتر اور کیا بلا ہو گی؟ جس کے دافع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ بیہقی دلائل النبوۃ اور ابو سعد شرف المصطفیٰ میں راوی، خفاف بن نضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرِ بارگاہ ہو کر عرض کی

"حَتّٰى وَرَدْتُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ جَاهِدًا ... كَيْمَا أَرَاكَ فَتُفْرِجَ الْكُرُبَاتِ"

میں کوشش کرتا ہوا مدینہ میں حاضر ہوا تاکہ آپ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت اقدس سے مشرف ہوں تو آپ میری سب مشکلیں دور کر دیں۔ "فَاسْتَحْسَنَهَا رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی عرض پسند کی اور تعریف فرمائی۔

(دلائل النبوۃ ومعرفة احوال صاحب الشریعة ،سبب اسلام خفاف بن نضلة الثقفی ،جلد2،صفحہ 261، دار الکتب العلمیة ،بیروت)

الاِصابۃ فی تمییز الصحابۃ میں ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ) لکھتے ہیں حضرت حرب بن ریطہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی

"لقد بعث اللّٰہ النبی محمدا ....... بحق و برھان الھدی یکشف الکربا"

خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق اور قطعی دلیل ہدایت کے ساتھ ایسا بھیجا کہ حضور بلاؤں کو دور فرماتے ہیں۔ (الإصابة فی تمییز الصحابة، حرب، جلد2، صفحہ43، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اس موضوع پر اور بھی کثیر دلائل ہیں مزید معلومات کے لئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا مایہ ناز رسالہ "والا من و العلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء" کا مطالعہ کریں۔

یہ دلائل اسی پر اثر انداز ہوتے ہیں جو بغضِ مصطفیٰ کو چھوڑ کر عشق کی آنکھ سے پڑھے ورنہ ہمیشہ کی طرح شرک شرک کی رٹ لگائی رکھے گا۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

## معراج اور دیدارِ باری تعالیٰ

اہل سنت کے نزدیک حضور علیہ السلام نے معراج کی رات جاگتی آنکھوں سے اللہ عزوجل کا دیدار کیا اور یہ کثیر احادیث سے ثابت ہے چنانچہ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (807ھ) لکھتے ہیں "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ رَبِّی عَزَّ وَجَلَّ رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ"

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل کو اچھی صورت میں دیکھا۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب الایمان، باب فی الرؤیة، جلد1، صفحہ249، دار الفکر، بیروت)

امام جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ اور علامہ عبد الرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں: یہ حدیث بسند صحیح ہے۔ اس حدیث کے کئی متابعات وشواہد بھی ہیں اور یہ حدیث مختلف اسناد ومتن کے ساتھ درج ذیل کتب میں ہے: المعجم الکبیر للطبرانی، سنن الدارمی، شرح السنۃ للبغوی، مشکوٰۃ المصابیح، مسند احمد، مسند البزار، الشریعۃ، الدعاء للطبرانی، مسند الشامیین،

رؤیۃ اللہ للدارقطنی ،معجم ابن الاعرابی ،مسند ابی یعلی۔

المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ (المتوفی 405ھ) رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ الْفَقِيهُ، أَنْبَأَ هِشَامُ بْنُ عَلِيٍّ السَّدُوسِيُّ، ثنا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ، ثنا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: وَأَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: ثنا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَتَعْجَبُونَ أَنْ يَكُونَ الْخُلَّةُ لِإِبْرَاهِيمَ، وَالْكَلَامُ لِمُوسَى، وَالرُّؤْيَةُ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَلَهُ شَاهِدٌ صَحِيحٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي الرُّؤْيَةِ (التعليق من تلخيص الذهبي) على شرط البخاري" ترجمہ: حضرت عکرمہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کیا تم تعجب کرتے ہو کہ دوستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہے ،کلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ یہ حدیث شرطِ بخاری پر صحیح ہے۔انہوں نے اسے روایت نہیں کیا اور اس حدیث کی شاہد بھی صحیح روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رویت کے متعلق مروی ہے۔امام ذہبی نے فرمایا یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر ہے۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب الايمان ،وأما حديث سمرة بن جندب، جلد1، صفحه 133، دار الكتب العلمية ،بيروت)

جامع ترمذی و معجم طبرانی میں عکرمہ سے مروی "حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَلَفٍ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْبَرَاءِ الْغَنَوِيُّ، ثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ الْعَدَنِيُّ، نَا مُوسَى بْنُ سَعْدٍ، عَنْ مَيْمُونٍ الْقَنَّادِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: نَظَرَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، قَالَ عِكْرِمَةُ: فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: نَظَرَ مُحَمَّدٌ إِلَى رَبِّهِ؟ قَالَ: نَعَمْ؛ جَعَلَ الْكَلَامَ لِمُوسَى، وَالْخُلَّةَ لِإِبْرَاهِيمَ، وَالنَّظَرَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔عکرمہ (ان کے شاگرد) کہتے ہیں: میں نے عرض کی: کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام رکھا اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے دوستی اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے دیدار۔

(المعجم الأوسط، باب الهاء، من اسمه :الهيثم، جلد9، صفحه 152، دار الحرمين ،القاهرة)

امام ترمذی نے اوپر والی روایت میں مزید زیادہ کیا ہے "وَقَدْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ" ترجمہ: بیشک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔ یہ حدیث اس وجہ سے حسن غریب ہے۔

(جامع الترمذی، ابواب التفسیر سورۃ ،باب :ومن سورۃ والنجم،جلد5،صفحہ248،دار الغرب الإسلامی ،بیروت)

المعجم الاوسط کی حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْحَضْرَمِيُّ قَالَ:نا جُمْهُورُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ:ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُجَالِدٍ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ، كَانَ يَقُولُ:إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَأَى رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ:مَرَّةً بِبَصَرِهِ، وَمَرَّةً بِفُؤَادِهِ" ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے:محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو دومرتبہ دیکھا ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے ایک مرتبہ دل سے۔

(المعجم الأوسط،باب المیم ،من اسمہ :محمد،جلد6،صفحہ 50،دار الحرمین ،القاہرۃ)

یہ روایت صحیح ہے چنانچہ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی لکھتے ہیں"وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ:إِنَّ مُحَمَّداً صلی اللہ علیہ وسلم رَأَى رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ:مَرَّةً بِبَصَرِهِ وَمَرَّةً بِفُؤَادِهِ. رواہ الطبرانی فی الأوسط ورجالہ رجال الصحیح خلا جھور بن منصور الکوفی وجھور بن منصور ذکرہ ابن حبان فی الثقات" ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے:محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو دومرتبہ دیکھا ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے ایک مرتبہ دل سے۔اسے امام طبرانی نے اوسط میں اسے روایت کیا اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں سوائے جھور بن منصور کوفی وجھور بن منصور کے۔ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب الایمان ،باب فی الرؤیۃ ،جلد1،صفحہ250،دار الفکر، بیروت)

امام سیوطی وامام قسطلانی وعلامہ شامی علامہ زرقانی فرماتے ہیں:اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مسند البزار میں ہے"حَدَّثنا عَمرو بن عیسی، حَدَّثنا أَبو بحر، حَدَّثنا شعبة، عَن قَتادَة، عَن أَنَس؛ أَن مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم رَأَى رَبَّهُ تَبارَكَ وَتَعَالَى" ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے۔

(مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار ،مسند أبی حمزۃ أنس بن مالک،جلد13،صفحہ426،مکتبۃ العلوم والحکم،المدینۃ المنورۃ)

امام احمد قسطلانی وعبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں:اس کی سند قوی ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ،امام حسن بصری،حضرت عروہ بن زبیر،حضرت کعب احبار،حضرت زہری،حضرت امام احمد بن حنبل،حضرت ابوالحسن اشعری،حضرت قاضی عیاض،حضرت امام نووی،حضرت علامہ محمد بن عبدالباقی اور دیگر کئی علائے اسلاف سے اس کا ثبوت ہے۔

وہابی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے معراج کی رات دیدار نہیں کیا تھا بلکہ وہابی حضور علیہ السلام کے علاوہ دیگر اولیاء

کرام سے جو خواب میں دیدار باری تعالیٰ ثابت ہے انکے بھی منکر نہیں چنانچہ وہابی مولوی حافظ صلاح الدین یوسف لکھتا ہے: ''دنیا میں انبیاء علیہم السلام سمیت کسی کو بھی اللہ کی رؤیت (دیدار) کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے۔''

(واقعہ معراج اور اس کے مشاہدات، صفحہ 64، دارالاسلام، ریاض)

وہابیوں کی دلیل بخاری شریف کی یہ روایت ہے ''حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الأَنْصَارِيُّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، أَنْبَأَنَا القَاسِمُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ، وَلَكِنْ قَدْ رَأَى جِبْرِيلَ فِي صُورَتِهِ'' ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: جو یہ گمان کرے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے سخت غلطی کی۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے جبرائیل کو ان کی حقیقی صورت میں دیکھا ہے۔

(صحيح البخاری، كتاب بدء الخلق ،باب إذا قال أحدكم :آمين والملائكة فی السماء ، آمين، جلد4، صفحہ115، دار طوق النجاة، مصر)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فرمان کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہ کا اپنا قول ہے، حضرت عائشہ صدیقہ یہ نہیں فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ دوسرا یہ کہ جب حضور علیہ السلام کو معراج ہوئی اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ السلام کے نکاح میں نہ تھیں اور وہ اس وقت بہت چھوٹی تھیں، وہ جو فرماتی ہیں ان روحانی معراجوں کی نسبت فرماتی ہیں جو اُن کے زمانے میں ہوئیں۔ المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج میں ابو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی 676ھ) فرماتے ہیں''والحجج فی هذه المسألة وان كانت كثيرة ولكنا لا نتمسك إلا بالأقوى منها وهو حديث بن عباس رضى الله عنهما أتعجبون أن تكون الخلة لإبراهيم والكلام لموسى والرؤية لمحمد صلى الله عليه وسلم وعن عكرمة سئل بن عباس رضى الله عنهما هل رأى محمد صلى الله عليه وسلم ربه قال نعم وقد روى بإسناد لا بأس به عن شعبة عن قتادة عن أنس رضى الله عنه قال رأى محمد صلى الله عليه وسلم ربه و كان الحسن يحلف لقد رأى محمد صلى الله عليه وسلم ربه والأصل فی الباب حديث بن عباس حبر الأمة والمرجوع إليه فی المعضلات وقد راجعه بن عمر رضى الله عنهم فی هذه المسألة وراسله هل رأى محمد صلى الله عليه وسلم ربه فأخبره أنه رآه ولا يقدح فی هذا حديث عائشة رضى الله عنها لأن عائشة لم تخبر أنها سمعت النبی صلى الله عليه وسلم يقول لم أر ربی وانما ذكرت ما ذكرت متأولة لقول الله تعالى وما كان لبشر أن يكلمه

اللہ إلا وحیا أو من وراء حجاب أو یرسل رسولا ولقول اللہ تعالی لا تدرکہ الأبصار والصحابی إذا قال قولا وخالفہ غیرہ منھم لم یکن قولہ حجۃ وإذا صحت الروایات عن بن عباس فی إثبات الرؤیۃ وجب المصیر إلی إثباتھا۔۔۔ فالحاصل أن الراجح عند أکثر العلماء إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ربہ بعینی رأسہ لیلۃ الإسراء لحدیث بن عباس وغیرہ مما تقدم وإثبات ھذا لا یأخذونہ إلا بالسماع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ترجمہ: اس مسئلہ میں کثیر دلائل سے حجت ہے لیکن ہم سب سے زیادہ قوی دلیل کو حجت بناتے ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ دوستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہے، کلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ کیا حضور علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں۔ تحقیق سند کے ساتھ روایت کیا گیا جس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ اس باب میں اصل حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے کہ انہوں نے امت کو اس کی خبر دی اور اس مسئلہ کے حل کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خبر کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اس طرف رجوع کیا ہے کہ انہوں نے خط کے ذریعے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ ہاں دیکھا ہے۔ اس کے خلاف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کو دلیل نہیں بنایا جائے گا کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام سے یہ سنا ہے کہ حضور نے فرمایا ہو میں نے اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو اس سے استدلال کیا جو اللہ عز وجل نے فرمایا: اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ عز وجل اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردۂ عظمت کے ادھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے۔ اور اس فرمان سے: آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں۔ صحابی کا قول اگر دوسرے صحابہ کے مخالف ہو تو وہ حجت نہیں ہوتا (لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نفی دیدار کا قول حجت نہیں ہے۔) جب صحیح روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دیدار کے متعلق ثابت ہیں تو ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات سر کی آنکھوں سے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے حدیث عباس اور دیگر حدیثوں سے یہ ثابت ہے

جیسا کہ پہلے گزرا اور حضرت ابن عباس کی یہ روایات ان کا ذاتی قول نہیں بلکہ انہوں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ (المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، کتاب الایمان، جلد3، صفحه 5، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شبِ معراج تک خدمت اقدس میں حاضر بھی نہ ہوئی تھیں، بہت صغیر السن بچی تھیں۔ وہ جو فرماتی ہیں ان روحانی معراجوں کی نسبت فرماتی ہیں جو اُن کے زمانے میں ہوئیں۔ معراجِ جسمانی ان کی حاضری سے کئی سال پیشتر ہو چکا تھا۔'' (فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ632، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

## ایمانِ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اہل سنت کے نزدیک بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ آپ کے آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب مؤمن تھے۔ ان کا مؤمن ہونا قرآن وکثیر آیات وآثار اور مستند کتب سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: مشرک نرے ناپاک ہیں۔ (سورة التوبة، سورت9، آیت 28)

تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبائے کرام طاہرین وامہات کرام طاہرات سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ بنص قرآن عظیم کسی کافر وکافرہ کے لیے کرم وطہارت سے حصہ نہیں۔ مشرک جتنا مرضی نہائے، پاک صاف کپڑے بھی پہنے وہ باطن سے ناپاک ہے جب تک ایمان نہیں لاتا۔ حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد کا مومن و پاک ہونا کثیر راویتوں سے ثابت ہے۔ الشریعۃ للآجری میں ابو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجُرِّیُّ البغدادی (المتوفی 360ھ) روایت کرتے ہیں ''أَنبَأَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ الْبُخَارِيُّ قَالَ: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْعَدَنِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدٌ الْحَلَبِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفُرَاتِ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الضَّحَّاكِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ قُرَيْشًا كَانَتْ نُورًا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ آدَمَ بِأَلْفَيْ عَامٍ يُسَبِّحُ ذَلِكَ النُّورُ وَتُسَبِّحُ الْمَلَائِكَةُ بِتَسْبِيحِهِ، فَلَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ آدَمَ أَلْقَى ذَلِكَ النُّورَ فِي صُلْبِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَأَهْبَطَنِي اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى الْأَرْضِ فِي صُلْبِ آدَمَ، وَجَعَلَنِي فِي صُلْبِ نُوحٍ فِي سَفِينَتِهِ، وَقَذَفَ بِي فِي النَّارِ فِي صُلْبِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يَنْقُلُنِي فِي الْأَصْلَابِ الْكَرِيمَةِ إِلَى الْأَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ، حَتَّى أَخْرَجَنِي مِنْ بَيْنِ أَبَوَيَّ، وَلَمْ يَلْتَقِيَا عَلَى سِفَاحٍ قَطُّ'' ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قریش اللہ عزوجل کے سامنے نور تھا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے۔ یہ نور اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا تھا اور اس کے ساتھ فرشتے تسبیح کرتے تھے۔ جب اللہ عزوجل نے

آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اس نور کو ان کے صلب میں ڈال دیا۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عز وجل نے میرے نور کو حضرت آدم علیہ السلام کے صلب میں ڈال دیا اور میرے نور کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں ڈالا، ابراہیم کی صلب میں میرا نور تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا۔ پھر میرا یہ نور کریم پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک میں اپنے والدین سے ظاہر ہوا اور میرے آباؤ اجداد میں س کوئی زانی نہیں۔

(الشريعة، كتاب الايمان،باب ذكر قول الله عز وجل (وتقلبك فى الساجدين)جلد3،صفحه 1419، دار الوطن ،الرياض)

دلائل النبوۃ اور الشریعہ میں ہے "أَنبَأَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحِ الْبُخَارِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْعَدَنِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ:أَشْهَدُ عَلَى أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ،عَنْ جَدِّهِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:خَرَجْتُ مِنْ نِكَاحٍ وَلَمْ أَخْرُجْ مِنْ سِفَاحٍ مِنْ لَدُنْ آدَمَ إِلَى أَنْ وَلَدَنِي أَبِي وَأُمِّي ،لَمْ يُصِبْنِي مِنْ سِفَاحِ الْجَاهِلِيَّةِ شَيْءٌ" ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں پاک نکاح کے سبب پیدا ہوا، میرے نسب میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کریمین تک زنا کی پیدائش نہیں۔ میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی (یعنی آپ کے والدین شرک اور دیگر برائیوں سے محفوظ تھے۔)

(الشريعة، كتاب الايمان،باب ذكر قول الله عز وجل (وتقلبك فى الساجدين)جلد3،صفحه 1417، دار الوطن ،الرياض)

یہ حدیث بسند صحیح ہے اور اس کے تمام راوی بھی ثقہ ہیں۔ محمد بن جعفر کے متعلق بعض نے کلام کیا لیکن وہ ثقہ ہیں۔ ابن عدی نے انہیں ثقہ کہا، امام حاکم نے ثقہ کہا۔

تاریخ دمشق میں ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (المتوفی 571ھ) روایت کرتے ہیں "أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندى أنبأنا أبو الحسين بن النقور وأنبانا أبو طاهر بن المخلص أنبانا رضوان بن أحمد أنبأنا أحمد بن عبد الجبار أنبأنا يونس بن بكير أنبأنا أحمد بن إسحاق حدثنى والدى إسحاق بن يسار قال حدثت أنه كان لعبد الله بن عبد المطلب امرأة مع آمنة ابنة وهب بن عبد مناف فمر بامرأته تلك وقد أصابه أثر من طين عمل به فدعاها إلى نفسه فأبطئت عليه لما رأت به من أثر الطين فدخل فغسل عنه أثر الطين ثم دخل عامدا إلى آمنة ثم دعته صاحبته التى كان أراد إلى نفسها فأبى للذى صنعت به أول مرة فدخل على آمنة فأصابها ثم خرج فدعاها إلى نفسه فقالت لا حاجة لى بك مررت بى وبين عينيك نور ساطع فدعوت أن

أجيبها منك فلما دخلت على آمنة ذهبت بها منك" یعنی اسحاق بن یسار فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ایک عورت وہب بن عبدمناف کی بیٹی تھی۔ حضرت عبداللہ کے جسم پر مٹی کا نشان تھا آپ نے ایک عورت کو بلایا کہ اس مٹی کے نشان کو دور کردے، وہ عورت نہ آئی۔ حضرت عبداللہ گئے اور اس نشان کو دھو لیا پھر آپ حضرت آمنہ کے پاس جارہے تھے کہ اس عورت نے آپ سے نکاح کا کہا حضرت عبداللہ نے انکار کردیا اور آپ حضرت آمنہ کے پاس گئے اور قربت کی۔ پھر جب وہاں سے نکلے تو اس عورت سے نکاح کا پوچھا تو اس عورت نے کہا مجھے اب نکاح کی حاجت نہیں۔ میں نے آپ کی پیشانی پر نور مبارک دیکھا تھا اور یہ چاہتی تھی کہ یہ مجھے مل جائے لیکن جب آپ آمنہ کے پاس چلے گئے تو یہ نور ان کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔

(تاریخ دمشق، جلد3، صفحہ 408، دار الفکر، بیروت)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابوالقاسم، ابن النقور، مخلص، رضوان، یونس بن بکیر، محمد بن اسحاق، اسحاق بن یسار ثقہ ہیں۔ احمد بن عبدالجبار کے متعلق بعض محدثین نے کلام کیا ہے لیکن بعض نے توثیق بھی بیان کی ہے لہٰذا یہ حسن کے درجہ میں ہے چنانچہ تاریخ بغداد میں ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) احمد بن عبدالجبار کے متعلق فرماتے ہیں "قلت: كان أبو كريب من الشيوخ الكبار الصادقين الأبرار، وأبو عبيدة السرى بن يحيى شيخ جليل أيضا ثقة من طبقة العطاردى، وقد شهد له أحدهما بالسماع، والآخر بالعدالة، وذلك يفيد حسن حالته، وجواز روايته" ترجمہ: میں کہتا ہوں ابوکریب بڑے نیکو صادقین بزرگوں میں سے تھے اور ابوعبیدہ سری بن یحیٰ اسی طرح بڑے جلیل القدر شیخ تھے طبقۃ العطاردی میں ثقہ تھے۔ ان دونوں بزرگوں میں سے ایک نے سماع کی شہادت دی اور دوسرے نے عدالت کی گواہی دی تو یہ احمد بن جبار کی حالت حسن ہونے کا فائدہ دیتی ہے اور ان سے روایت لینے کے جواز کا فائدہ دیتی ہے۔

(تاریخ بغداد، جلد5، صفحہ 434، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

لہٰذا یہ حدیث بسند حسن ہے اور اسی طرح دیگر احادیث بھی اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔ ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نور مبارک پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا گیا جس سے واضح ہوا کہ نہ صرف حضور علیہ السلام کے والدین بلکہ آپ کے آباؤ اجداد بھی مومن تھے۔ اسی وجہ سے جمہور اہل سنت نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر نہ تھے بلکہ حضرت تارح تھے جو کہ مسلمان تھے۔ حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد کے مومن ہونے پر امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أخرج ابن المنذر فی تفسيره بسند صحيح عن ابن جريج فی قوله ﴿**رب اجعلنی مقيم الصلاة ومن ذريتی**﴾ قال: فلن يزال من ذرية إبراهيم صلى الله عليه وسلم ناس على الفطرة يعبدون الله" ترجمہ: ابن منذر نے

اپنی تفسیر میں بسند صحیح ابن جریج سے روایت کیا کہ قرآن پاک میں ہے: (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو۔ فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہمیشہ بعض فطرت پر رہی جو اللہ عزوجل کی عبادت کرتی تھی۔ (الحاوی للفتاوی ،مسالك الحنفا فی والدی المصطفی ،جلد2،صفحہ257دارالفکر،بیروت)

کئی روایتیں تو اس پر بھی ہیں کہ ہر دور میں روئے زمین پر کچھ افراد ایسے رہے ہیں جو مومن تھے، ان ساتوں میں انبیاء علیہم السلام کے والدین کا، حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد کا شامل ہونا کچھ بعید نہیں ہے۔ عبد الرزاق اور ابن المنذر نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کیا "فَلَمْ یَزَلْ عَلَی وَجْهِ الْأَرْضِ سَبْعَةٌ مُسْلِمُونَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذٰلِكَ هَلَكَتِ الْأَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا" ترجمہ: روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔
(المصنف، کتاب المناسك،باب بنيان الكعبة، جلد5،صفحہ95، المجلس العلمي،الهند)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وأخرج الإمام أحمد بن حنبل فی الزهد، والخلال فی كرامات الأولياء بسند صحيح على شرط الشيخين عن ابن عباس قال:ما خلت الأرض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن أهل الأرض،هذا أيضا له حكم الرفع .وأخرج الأزرقی فی تاريخ مكة عن زهير بن محمد قال: لم يزل على وجه الأرض سبعة مسلمون فصاعدا لو لا ذلك لأهلكت الأرض ومن عليها .وأخرج الجندی فی فضائل مكة عن مجاهد قال:لم يزل على الأرض سبعة مسلمون فصاعدا، لولا ذلك هلكت الأرض ومن عليها .وأخرج الإمام أحمد فی الزهد عن كعب قال :لم يزل بعد نوح فی الأرض أربعة عشر يدفع بهم العذاب .وأخرج الخلال فی كرامات الأولياء عن زاذان قال:ما خلت الأرض بعد نوح من اثنی عشر فصاعدا يدفع الله بهم عن أهل الأرض --- وإنما وقع التقييد فی هذه الآثار الثلاثة بقوله من بعد نوح؛ لأنه من قبل نوح كان الناس كلهم على الهدى" ترجمہ: امام احمد بن حنبل نے "الزہد" میں اور خلال نے "کرامات اولیاء" میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔ یہ فرمانا مرفوع کے حکم میں ہے۔ امام ازرقی نے "تاریخ مکہ" میں زہیر بن محمد سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: زمین کبھی سات مسلمانوں سے خالی نہ ہوئی، اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور جو کچھ اس پر سب ہلاک ہو جاتا۔ علامہ جندی نے "فضائل مکہ" میں حضرت مجاہد سے روایت کیا:

زمین پر ہمیشہ سات مسلمان ضرور رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب ہلاک ہو جاتے۔ امام احمد نے ''الزہد'' میں حضرت کعب سے روایت کیا: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دس شخص ہمیشہ (ایمان والے) رہے کہ ان کے صدقہ سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔ خلال نے ''کرامات اولیاء'' میں زاذان سے روایت کیا: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہمیشہ بارہ افراد ایسے ضرور رہے جس کے توسل سے زمین والوں سے (عذاب) دور کرتا ہے۔ ان تین آثار میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کی قید ہے اسلئے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل تمام لوگ ہدایت پر تھے۔

(الحاوی للفتاوی ،مسالك الحنفا فی والدی المصطفی ،،جلد2،صفحه 257دار الفکر،بیروت)

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن وطبقے میں روئے زمین پر کم سے کم سات مسلمان بندگان مقبول ضرور رہے ہیں اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے میں، ہر قرن میں بہتر ہیں۔ صحیح البخاری میں محمد بن إسماعیل ابو عبد اللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ''حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدٍ المَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ، قَرْنًا فَقَرْنًا، حَتَّى كُنْتُ مِنَ القَرْنِ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ'' ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب صفة النبی صلی الله علیه وسلم ،جلد4،صفحه189،دار طوق النجاة،مصر)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی بن سَورۃ الترمذی ابو عیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ''حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الحَارِثِ، عَنْ المُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ، قَالَ: جَاءَ العَبَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنَّهُ سَمِعَ شَيْئًا فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى المِنْبَرِ فَقَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالُوا: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْكَ السَّلَامُ. قَالَ: أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ، إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قَبِيلَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوتًا فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ بَيْتًا وَخَيْرِهِمْ نَفْسًا. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ'' ترجمہ: حضرت مطلب بن ابی وداعہ فرماتے ہیں کہ عباس بن عبد المطلب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے گویا کہ وہ (قریش وغیرہ سے) کچھ سن کر آئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے

پوچھا کہ میں کون ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، آپ پر سلامتی ہو۔ پھر فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کیا تو ان میں سے بہترین لوگوں سے مجھے پیدا فرمایا۔ پھر دو گروہ کئے اور مجھے ان دونوں میں سے بہتر گروہ میں سے پیدا کیا پھر ان کے کئی قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر ان میں سے کئی گھرانے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین گھرانے میں پیدا فرمایا اور سب سے اچھی شخصیت بنایا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد6، صفحہ8، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

آیت قرآنیہ سے واضح ہے کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم بالا نسب ہو، کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہوسکتا تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء و امہات ہر قرن اور طبقہ میں انہیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں۔ اللہ عزوجل نے عزت و کرم کو مسلمانوں میں منحصر فرمادیا اور کافر کو کتنا ہی قوم دار ہو، لئیم و ذلیل ٹھہرایا اور کسی لئیم و ذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لیے باعث مدح نہیں ولہٰذا کافر باپ دادوں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہوا۔ مسند احمد کی بسند صحیح حدیث میں ہے "حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الْكِنْدِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ أَبِي رَيْحَانَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ انْتَسَبَ إِلَى تِسْعَةِ آبَاءٍ كُفَّارٍ يُرِيدُ بِهِمْ عِزًّا وَكَرَمًا، فَهُوَ عَاشِرُهُمْ فِي النَّارِ " ترجمہ: حضرت ابوریحانہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عزت و کرامت چاہنے کو اپنی نو پشت کافر کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں یہ شخص ہو۔

(مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ریحانہ رضی اللہ عنہ، جلد28، صفحہ444، مؤسسة الرسالة، بیروت)

اور احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز و مدح میں بارہا اپنے آبائے کرام و امہات کرائم کا ذکر فرمایا چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ" ترجمہ: میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں بیٹا عبدالمطلب کا۔

(صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من قاد دابة غیرہ فی الحرب، جلد4، صفحہ30، دار طوق النجاة، مصر)

حضور علیہ السلام کا اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کی شان بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے دادا مومن تھے۔ صحیح حدیث پاک سے بھی تمام انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کی شان ثابت ہے چنانچہ المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ النیسابوری (المتوفی 405ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحِ بْنِ هَانِئٍ، ثنا أَبُو سَهْلٍ بِشْرُ بْنُ

سَهلٍ اللَّبَّادُ، ثنا عَبدُ اللَّهِ بنُ صَالِحِ المِصرِیُّ، حَدَّثَنِی مُعَاوِيَةُ بنُ صَالِحٍ، عَن سَعِيدِ بنِ سُوَيدٍ، عَن عَبدِ الأَعلَى بنِ هِلَالٍ، عَن عِربَاضِ بنِ سَارِيَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنهُ، صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: سَمِعتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنِّی عَبدُ اللَّهِ، وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَأَبِی مُنجَدِلٌ فِی طِينَتِهِ وَسَأُخبِرُكُم عَن ذَلِكَ أَنَا دَعوَةُ أَبِی إِبرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسَى، وَرُؤيَا أُمِّی آمِنَةَ الَّتِی رَأَت وَكَذَلِكَ أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ يَرَينَ، وَأَنَّ أُمَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ رَأَت حِينَ وَضَعَتهُ لَهُ نُورًا أَضَاءَت لَهَا قُصُورُ الشَّامِ، ثُمَّ تَلَا ﴿**يَا أَيُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرسَلنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا**﴾ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسنَادِ وَلَم يُخرِجَاهُ (التعليق: من تلخيص الذهبی) صحيح ''ترجمہ: ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اللہ عزوجل کے ہاں اس کا بندہ اور آخری نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی تیاری میں تھے۔ میں تمہیں یہ خبر دوں کہ میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا جیسا کہ **تمام انبیاء علیہم السلام کی مائیں خواب دیکھتی ہیں**۔ پھر آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب التفسير، تفسير سورة الأحزاب بسم الله الرحمن الرحيم، جلد2، صفحه453، دار الكتب العلمية، بيروت)

البانی نے صحیح ابن حبان کے حاشیہ میں اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔ بعض نے سعید بن سوید پر مبہم جرح کی ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں کئی محدثین نے انہیں ثقہ کہا ہے۔

یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر انبیاء کرام کی ماؤں کے ساتھ اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان کو واضح کیا ہے۔

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تو اللہ عزوجل نے آپ کے والدین کو زندہ فرمادیا اور وہ آپ پر ایمان لائے اور دوبارہ اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔ امام حاکم کی حدیث پاک بھی اس بات کی تائید کرتی ہے چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا" حَدَّثَنَا أَبُو عَبدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بنُ يَعقُوبَ الشَّيبَانِیُّ، ثنا يَحيَى بنُ مُحَمَّدِ بنِ يَحيَى، ثنا عَبدُ الرَّحمَنِ بنُ المُبَارَكِ العَبسِیُّ، ثنا الصَّعقُ بنُ حَزنٍ، عَن عَلِیِّ بنِ الحَكَمِ، عَن عُثمَانَ بنِ عُمَيرٍ، عَن أَبِی وَائِلٍ، عَنِ ابنِ مَسعُودٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنهُ، قَالَ--- رَجُلٌ شَابٌّ مِنَ الأَنصَارِ لَم أَرَ

رَجُلًا كَانَ أَكْثَرَ سُؤَالًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ:يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَى أَبَوَاكَ فِي النَّارِ فَقَالَ:مَا سَأَلْتُهُمَا رَبِّي فَيُعْطِينِي فِيهِمَا وَإِنِّي لَقَائِمٌ يَوْمَئِذٍ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ۔۔۔۔هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ" حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت کیا کہ ایک نوجوان انصاری صحابی تھا جس سے بڑھ کر میں نے کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے والا نہیں دیکھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے والدین کا تذکرہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ان کے لئے اپنے رب سے جو کچھ طلب کیا تو اس نے ان کے حق میں مجھے عطا فرمایا بے شک میں مقام محمود پر قائم ہوں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، جلد2، صفحہ 396، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

امام ذہبی نے کہا اس حدیث کے تحت فرمایا "لا واللہ فعثمان ضعفه الدارقطنی والباقون ثقات" ترجمہ: نہیں اللہ کی قسم عثمان کو دارقطنی نے ضعیف کہا اور باقی راوی ثقہ ہیں۔

عثمان بن عمیر کو محدثین نے ضعیف کہا ہے لیکن علماء نے جو جرح مبہم فرمائی ہے جرح مفسر نہیں کی کہ ان کے ضعیف ہونے کی کیا وجہ ہے؟ بعض محدثین نے ان کی توثیق بیان کی ہے۔ التاریخ الکبیر المعروف بتاریخ ابن ابی خیثمۃ السفر الثالث میں ابوبکر احمد بن ابی خیثمۃ (المتوفی 279ھ) لکھتے ہیں "سمعت یحیی بن معین یقول:أبو الیقظان عثمان بن عمیر، لیس به بأس. قلت لیحیی:إنك تقول:فلان لیس به بأس، وفلان ضعیف، قال:إذا قلت لك:لیس به بأس فهو ثقة، وإذا قلت لك ضعیف فلیس هو بثقة لا یکتب حدیثه" ترجمہ: میں نے یحیٰ بن معین سے سنا فرماتے تھے ابو یقظان عثمان بن عمیر "لیس به باس" ہیں۔ میں نے یحیٰ سے عرض کی: آپ کہتے فلاں "لیس به باس" اور فلاں ضعیف ہے۔ یحیٰ بن معین نے فرمایا: جب میں کسی کے متعلق کہوں "لیس به باس" تو وہ ثقہ ہے اور جب میں کسی کے متعلق ضعیف کہوں تو وہ ثقہ نہیں، اس سے حدیث نہ لکھی جائے۔ (التاریخ الکبیر المعروف بتاریخ ابن أبی خیثمة، جلد3، صفحہ 192، الفاروق الحدیثة، القاہرۃ)

یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے سنن الترمذی میں دو مقامات پر ان کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابن ماجہ میں دو احادیث میں عثمان بن عمیر تھے جسے البانی نے صحیح کہا ہے۔

وہابیوں کے نزدیک حضور علیہ السلام کے والدین معاذ اللہ کافر تھے۔ وہابیوں کی دلیل یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ:يَا رَسُولَ اللهِ، أَيْنَ أَبِي؟ قَالَ:فِي النَّارِ، فَلَمَّا قَفَّى دَعَاهُ، فَقَالَ:إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک

شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی میرا (فوت شدہ) والد کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آگ (جہنم میں) جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا اور تیرا باپ آگ میں ہے۔

(مسلم شریف ، کتاب الایمان،باب بیان أن من مات--،جلد 1 ،صفحہ 191،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

اس حدیث پاک کے محدثین نے کئی جواب دیئے ہیں:

**جواب اول:** حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں "ان ابی و اباك فی النار" یہ الفاظ ابن سلمہ راوی کی روایت میں ہیں اور حماد نے ثابت سے روایت کیا ہے۔لیکن ثابت سے جو معمر راوی نے روایت کی اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔حماد راوی کے بارے محدثین نے کلام کیا ہے اور محدثین کو معمر راوی کے حافظہ میں کسی طرح کا کلام نہیں تو روایت معمر اس روایت مسلم سے زیادہ قوی ثابت اور حدیث مسلم جو بروایت حماد ہے حدیث منکر ہے اور یہ حماد راوی ضعیف ہے جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفتاوی میں فرماتے ہیں" أن هذه اللفظة وهی قوله:إن أبی وأباك فی النار، لم يتفق علی ذكرها الرواة، وإنما ذكرها حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس، وهی الطريق التی رواه مسلم منها، وقد خالفه معمر عن ثابت فلم يذكر:إن أبی وأباك فی النار،ولكن قال له:إذا مررت بقبر كافر فبشره بالنار ، وهذا اللفظ لا دلالة فيه علی والده صلی الله عليه وسلم بأمر البتة، وهو أثبت من حيث الرواية، فإن معمرا أثبت من حماد، فإن حمادا تكلم فی حفظه" ترجمہ: یہ الفاظ کہ میرا اور تیرا باپ آگ میں ہے۔اس سے دوسری روایت نے اتفاق نہیں کیا۔حماد بن سلمہ نے ثابت سے انہوں نے انس سے اسی طریق سے روایت کیا جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے اور معمر بن ثابت نے اس کے خلاف فرمایا ہے۔اس میں اس کا ذکر نہیں کہ میرا اور تیرا باپ آگ میں ہے بلکہ اس میں یہ فرمایا گیا ہے: جب تو کسی کافر کی قبر سے گزرے تو اسے آگ کی بشارت دے۔ یہ الفاظ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ حضور علیہ السلام کے والد معاذ اللہ مومن نہیں۔معمر حماد سے زیادہ اثبت ہیں۔حماد کے حفظ میں کلام کیا گیا۔

(الحاوی للفتاوی،مسالك الحنفا فی والدی المصطفی،جلد2،صفحہ 273،دار الفكر،بیروت)

اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں مغلطای بن قلیج المصری الحکری الحنفی (المتوفی 762ھ) فرماتے ہیں"ساء حفظه .فلذلك ترك البخاری الاحتجاج بحديثه، وأما مسلم فإنه اجتهد و أخرج من حديثه عن ثابت ما سمع منه قبل تغيره، وما سوی حديثه عن ثابت لا يبلغ أكثر من اثنی عشر حديثا أخرجها فی الشواهد دون الاحتجاج، وإذا كان الأمر علی هذا فالاحتياط لمن راقب الله تعالی لا يحتج بما يجد فی حديثه مما يخالف

الثقات" ترجمہ: حماد کا حافظہ ٹھیک نہیں تھا اسی وجہ سے امام بخاری نے ان کی حدیث سے احتجاج کرنا چھوڑ دیا اور امام مسلم نے اپنی کوشش سے وہ احادیث روایت کی جوان سے تغیر سے پہلے کی روایت کی ہیں اور یہ احادیث بارہ سے زائد نہیں ہیں اور اس میں شواہد کے ساتھ احتجاج کیا گیا۔ جب یہ معاملہ ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ جو اللہ عزوجل سے ڈرتا ہے وہ حماد کی وہ حدیث کو دلیل نہ بنائے جو ثقہ راوی کے خلاف ہو۔ (إکمال تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، جلد4، صفحہ 142، الفاروق الحدیثة، القاہرہ)

مذکورہ مسئلہ میں حماد کے الفاظ ثقہ راوی معمر کے خلاف ہیں لہٰذا حماد کی حدیث کو نہیں لیا جائے گا۔

جواب دوم: اس حدیث میں "ابی" سے مراد ابو طالب ہیں کہ چچا بھی باپ کہلاتا ہے جیسے حضرت سیّدنا ابرہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے چچا آزر کو قرآن میں "اب" فرمایا گیا حالانکہ ان کے والد تارح ہیں۔ اس طرح اس حدیث میں "ابی" سے مراد ابو طالب ہیں نہ آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔ لفظ "ابی" صرف باپ کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ قرآن اہل عرب پر نازل ہوا اور اہل عرب ہماری طرح چچا، تایا اور دادا کو ابو، نواسوں کو بیٹا کہہ دیتے تھے۔ اس کی بے شمار مثالیں قرآن وحدیث سے ملتی ہیں چنانچہ قرآن پاک میں سورۃ کہف میں دو بچوں کے متعلق فرمایا ﴿ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ (سورۃ الکہف، سورت 18، آیت 82)

جب کہ مذکورہ باپ ان کا حقیقی باپ نہ تھا بلکہ پچھلی پشتوں میں ان کا دادا تھا چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں امام ابن کثیر (المتوفی 774ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَكَانَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْأَبِ الَّذِي حُفِظَا بِهِ سَبْعَةُ آبَاءٍ" ترجمہ: ان کے اور ان کے باپ کے درمیان سات پشتوں کا فرق تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، فی التفسیر، سورۃ الکہف، سورت 18، آیت 82، جلد5، صفحہ 186، دار طیبة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا "أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب" ترجمہ: میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں بیٹا عبد المطلب کا۔

(صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من قاد دابة غیرہ فی الحرب، جلد4، صفحہ 30، دار طوق النجاۃ، مصر)

ترمذی شریف کی بسند حسن حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں "عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ" ترجمہ: آدمی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے۔

(جامع الترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی الفضل عم النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، جلد5، صفحہ 653، مصطفی البابی، مصر)

دوسری حدیث پاک میں آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو کہا چنانچہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی (المتوفی 606ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فَأَمَّا وَالِدُهُ فَهُوَ تَارِحُ وَالْعَمُّ قَدْ يُسَمَّى بِالْأَبِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا أَنَّ أَوْلَادَ

يَعُقُوبَ سَمَّوُا إِسُمَاعِيلَ بِكَوُنِهِ أَبًا لِيَعُقُوبَ مَعَ أَنَّهُ كَانَ عَمًّا لَهُ .وَقَالَ عَلَيُهِ السَّلَامُ:رُدُّوا عَلَىَّ أَبِى يَعُنِى الُعَمَّ الُعَبَّاسَ "ترجمہ:حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح تھا اور چچا کو باپ کہہ دیا جاتا ہے۔جیسا ہم نے ذکر کیا کہ اولاد یعقوب کو اولادِ اسماعیل بھی کہا جاتا ہے حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا مجھ پر میرے باپ کو پیش کرو یعنی چچا عباس کو۔

(تفسیر کبیر، فی التفسیر، سورۃ الانعام ،سورت6،آیت74،جلد13،صفحہ33،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

المستدرک للحاکم کی صحیح حدیث پاک ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"أَنَا دَعُوَةُ أَبِى إِبُرَاهِيمَ" ترجمہ:میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق فرمایا"هَذَانِ ابُنَایَ "ترجمہ:یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔اسی طرح کی اور بے شمار مثالیں ہے۔جس سے واضح ہوا کہ مذکورہ حدیث میں لفظ "ابی" سے مراد چچا ہے۔

**جواب سوم:** یہ حدیث مسلم منسوخ ہے۔شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی (المتوفی1122ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"والجواب:أنه منسوخ بالآيات والأحاديث الواردة فى أهل الفترة وأراد بأبيه عمه أبا طالب؛ لأن العرب تسمى العم أبا حقيقة، ولأنه رباه والعرب تسمى المربى أبا، أو أنه خبر آحاد فلا يعارض القاطع وهو نص ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبُعَثَ رَسُولًا﴾ "ترجمہ:اس کا جواب یہ ہے کہ جوآیات واحادیث اہل فترت (جس دور میں کوئی نبی نہ آیا ہو) کے متعلق وارد ہوئی ہیں اس کی روشنی میں یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور اس میں باپ سے مراد چچا ہے جو کہ ابو طالب ہے۔اس لئے کہ اہل عرب چچا کو حقیقی باپ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اسے پالتا ہے اور عربی پالنے والے کو"ابو" کہتے ہیں۔مسلم شریف کی یہ حدیث خبر واحد ہے جو دیگر نص قطعی کے برعکس ہے۔قرآن پاک میں ہے:اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ،ذکر وفاة أمه وما یتعلق بأبویه صلی اللہ علیه وسلم،جلد1،صفحہ336،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

ان دلائل کے علاوہ بھی عقلی طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حافظ قرآن کے والدین کی احادیث میں قیامت والے دن شان بیان کی گئی تو وہ حافظ قرآن جو ایک امتی ہے اس کے والدین کی یہ شان ہوگی تو وہ نبی علیہ السلام جو حبیب اللہ اور صاحبِ قرآن ہیں اس کے والدین کی شان یقیناً اعلیٰ ہوگی۔

لہٰذا وہابیوں کا مسلم شریف کی ایک حدیث کو دلیل بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ

عنہما کو مومن نہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔ جمہور مستند علمائے کرام نے صراحت کی کہ آپ علیہ السلام کے والدین مومن تھے۔ بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اپنی عقل کے گھوڑے دھراتے ہوئے معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو غیر مومن ثابت کرنے کی کوشش کرنا ایک مومن کی شان نہیں۔ سید احمد مصری حواشی در میں نقل کرتے ہیں کہ ایک عالم رات بھر مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں متفکر رہے کہ کیونکر تطبیق اقوال ہو۔ اسی فکر میں چراغ پر جھک گئے کہ بدن جل گیا۔ صبح ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ راہ میں ایک ترہ فروش ملے کہ اپنی دکان کے آگے باٹ ترازو لئے بیٹھے ہیں، انہوں نے اٹھ کر ان عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور یہ اشعار پڑھے

امنت ان ابا النبی وامّه

احیاهما الحی القدیر الباری

حتی لقد شهدا له برسالة

صدق فتلك كرامة المختار

وبه الحدیث ومن یقول بضعفه

فهو الضعیف عن الحقیقة عاری

یعنی میں ایمان لایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ کو اس زندہ ابدی قادر مطلق خالق عالم جل جلالہ نے زندہ کیا یہاں تک کہ ان دونوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیغمبری کی گواہی دی، اے شخص اس کی تصدیق کر کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز کے واسطے ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہوئی جو اسے ضعیف بتائے وہ آپ ہی ضعیف اور علم حقیقت سے خالی ہے۔

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب النکاح باب نکاح الکافر، جلد2، صفحه 81، المکتبة العربیه، کوئٹه)

یہ اشعار سنا کر ان عالم سے فرمایا: اے شیخ! انہیں لے اور نہ رات کو جاگ نہ اپنی جان کو فکر میں ڈال کہ تجھے چراغ جلا دے، ہاں جہاں جا رہا ہے وہاں نہ جا کہ لقمہ حرام کھانے میں نہ آئے۔ ان کے اس فرمانے سے وہ عالم بیخود ہو کر رہ گئے، پھر انہیں تلاش کیا پتہ نہ پایا اور دکانداروں سے پوچھا، کسی نے نہ پہچانا، سب بازار والے بولے: یہاں تو کوئی شخص بیٹھتا ہی نہیں۔ وہ عالم اس ربانی ہادی، غیب کی ہدایت سن کر مکان کو واپس آئے، لشکری کے یہاں تشریف نہ لے گئے۔

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب النکاح باب نکاح الکافر، جلد2، صفحه 81، المکتبة العربیه، کوئٹه)

ملاعلی قاری بھی حضور علیہ السلام کے والدین کے متعلق پہلے صحیح نظریہ نہیں رکھتے تھے بلکہ فقہ اکبر میں جو حضور علیہ السلام کے متعلق جو تحریف شدہ عبارت ہے کہ آپ کے والدین کفر پر فوت ہوئے، اس عبارت پر علماء کرام نے سخت کلام کیا اور اس عبارت کا انکار کیا۔ ملاعلی قاری نے اس عبارت کے صحیح ہونے پر ایک کتاب لکھی۔ علماء نے ان پر بھی سخت تنقید کی یہاں تک کہ آپ کی گرکرٹا نگ ٹوٹ گئی اور آپ نے بعد میں اس نظریہ سے رجوع کرلیا۔

الحمدللہ عزوجل! فقیر کو پوری کتاب میں سب سے زیادہ خوشی اسی موضوع پر ہوئی کہ میں نے اپنی اس کوشش میں صحیح روایات سے ثابت کیا کہ میرے اور آپ کے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما مومن تھے۔ اللہ عزوجل اسی کوشش کے سبب میری میرے والدین کی اور قارئین کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

## رجب کے مہینے کے روزے اور ستائیسویں رات

اہل سنت رجب کے مہینے کے روزے رکھتے ہیں خصوصا معراج شریف کا روزہ رکھتے ہیں یہ سب جائز ومستحب ہے اور کثیر احادیث سے ثابت ہے بلکہ اس مہینے میں روزے رکھنا تو خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ صحیح مسلم شریف، مصنف ابن ابی شیبہ، امالی ابن بشران میں شرط مسلم پر سند صحیح کے ساتھ حدیث پاک مروی ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، ح وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنْ صَوْمِ رَجَبٍ وَنَحْنُ يَوْمَئِذٍ فِي رَجَبٍ فَقَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ: لَا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ: لَا يَصُومُ" ترجمہ: عثمان بن حکیم الانصاری فرماتے ہیں میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے رجب کے روزے کے بارے میں سوال کیا اور ہم نے ماہ رجب پایا تھا، پس سعید بن جبیر نے فرمایا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سناوہ فرماتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رجب کے) روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ افطار نہیں کریں گے اور افطار کرتے ہم یہاں تک کہتے کہ روزہ نہیں رکھیں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غیر رمضان، واستحباب أن لا یخلی شہرا عن صوم، جلد2، صفحہ 811، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

صحیح مسلم کی اس بسند صحیح حدیث سے رجب میں روزے رکھنا ثابت ہوگیا لہٰذا وہابیوں کا رجب کے روزے رکھنے کو بدعت کہنا بالکل باطل ومردود ہے۔

رجب کے مہینے میں روزے رکھنے خصوصا ستائیس رجب کو روزہ رکھنے کے فضائل پر کثیر احادیث مروی ہیں چند

روایات پیش خدمت ہیں:

شعب الإیمان میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَأَبُو مُحَمَّدِ بْنُ أَبِي حَامِدٍ الْمُقْرِءُ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ هُوَ الْأَصَمُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْبُرُلُّسِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ شِبْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا قِلَابَةَ يَقُولُ: فِي الْجَنَّةِ قَصْرٌ لِصُوَّامِ رَجَبٍ. قَالَ أَحْمَدُ: وَإِنْ كَانَ مَوْقُوفًا عَلَى أَبِي قِلَابَةَ وَهُوَ مِنَ التَّابِعِينَ، فَمِثْلُهُ لَا يَقُولُ ذٰلِكَ إِلَّا عَنْ بَلَاغٍ عَمَّنْ فَوْقَهُ مِمَّنْ يَأْتِيهِ الْوَحْيُ وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ" ترجمہ: حضرت عامر بن شبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ابو قلابہ سے سنا کہ جنت میں ایک محل ہے جو رجب کا روزہ رکھنے والوں کے لئے ہے۔ امام احمد نے فرمایا: اگر چہ یہ روایت ابو قلابہ پر موقوف ہے اور وہ تابعین میں سے ہیں تو انہیں یہ روایت اپنے سے اوپر (صحابی رسول کے ذریعے حضور علیہ السلام سے ملی ہوگی) جن پر وحی آتی تھی۔ یہ اللہ عزوجل کی توفیق سے ہے۔

(شعب الإیمان، کتاب الصیام، جلد 5، صفحہ 337، مکتبۃ الرشد، الریاض)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث بسند صحیح ہے۔ در حقیقت حضرت ابو قلابہ نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے چنانچہ تاریخ دمشق میں ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (المتوفی 571ھ) فرماتے ہیں "أخبرناه أبو الحسن علی بن المسلم الفقيه نا عبد العزيز بن أحمد أنا علی بن أحمد بن داود نا أحمد بن سليمان نا محمد بن إسماعيل السلمی نا صفوان بن صالح نا الوليد بن مسلم نا عامر بن شبل الجرمی قال سمعت رجلا يحدث أنه سمع أنس بن مالك يقول فی الجنة قصر لا يدخله إلا صوام رجب" ترجمہ: عامر بن شبل نے فرمایا کہ میں نے کسی شخص سے سنا کہ وہ کہتا تھا کہ میں انس بن مالک سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جنت میں ایک محل ہے جس میں نہیں کوئی داخل ہوگا مگر رجب کا روزہ رکھنے والے۔

(تاریخ دمشق، جلد 25، صفحہ 334، دار الفکر، بیروت)

لہٰذا اس حدیث سے رجب کے روزے رکھنے کی فضیلت ثابت ہوگئی۔

جزء فی فضل رجب میں ابن عساکر (المتوفی 571ھ) روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَصْبَهَانِيُّ الْحَافِظُ، أَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَغَيْرُهُ قَالُوا: ثنا أَبُو سَعِيدٍ النَّقَّاشُ، ثنا أَبُو أَحْمَدَ الْعَسَّالُ، ثنا جَعْفَرُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ فَارِسٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، ثنا منصورٌ يَعْنِي ابن يزيد، ثنا

مُوسَى بُنُ عَبُدِ اللَّهِ بُنِ يَزِيدَ الْأَنُصَارِيُّ، سَمِعُتُ أَنَسَ بُنَ مَالِكٍ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:(إِنَّ فِي الْجَنَّةِ نَهُرًا يُقَالُ لَهُ رَجَب،أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ مَنُ صَامَ يَوُمًا مِنُ رَجَبٍ سَقَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنُ ذَلِكَ النَّهَرِ)نَسَبُ مُوسَى هَذَا أَصَحُّ مِنُ قَوُلِ مَنُ قَالَ: مُوسَى بُنُ عِمُرَانَ" ترجمہ:حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک نہر جسے رجب کہا جاتا ہے، وہ دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔جس نے رجب میں ایک روزہ رکھا اللہ عزوجل اسے اس نہر سے پلائے گا۔اس روایت کو موسی کی طرف منسوب کیا گیا اور یہ موسی بن عمران سے زیادہ صحیح ہے۔ (جزء فی فضل رجب،314، مؤسسة الريان،بيروت)

المعجم الکبیر میں سلیمان بن الشامی ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا عَلِيُّ بُنُ عَبُدِ الْعَزِيزِ، ثنا مُعَلَّى بُنُ مَهُدِيٍّ الْمَوُصِلِيُّ، ثنا عُثُمَانُ بُنُ مَطَرٍ الشَّيُبَانِيُّ، عَنُ عَبُدِ الْغَفُورِ يَعُنِي ابُنَ سَعِيدٍ، عَنُ عَبُدِ الْعَزِيزِ، عَنُ أَبِيهِ قَالَ عُثُمَانُ:وَكَانَتُ لِأَبِيهِ صُحُبَةٌ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ:رَجَبٌ شَهُرٌ عَظِيمٌ، يُضَاعِفُ اللهُ فِيهِ الْحَسَنَاتِ، فَمَنُ صَامَ يَوُمًا مِنُ رَجَبٍ فَكَأَنَّمَا صَامَ سَنَةً، وَمَنُ صَامَ مِنُهُ سَبُعَةَ أَيَّامٍ غُلِّقَتُ عَنُهُ سَبُعَةُ أَبُوَابِ جَهَنَّمَ، وَمَنُ صَامَ مِنُهُ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ فُتِحَتُ لَهُ ثَمَانِيَةُ أَبُوَابِ الْجَنَّةِ، وَمَنُ صَامَ مِنُهُ عَشَرَةَ أَيَّامٍ لَمُ يَسُأَلِ اللهَ شَيُئًا إِلَّا أَعُطَاهُ إِيَّاهُ، وَمَنُ صَامَ مِنُهُ خَمُسَةَ عَشَرَ يَوُمًا نَادَى مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ قَدُ غُفِرَ لَكَ مَا مَضَى فَاسُتَأُنِفِ الْعَمَلَ، وَمَنُ زَادَ زَادَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَفِي رَجَبٍ حَمَلَ اللهُ نُوحًا فِي السَّفِينَةِ فَصَامَ رَجَبًا، وَأَمَرَ مَنُ مَعَهُ أَنُ يَصُومُوا---" ترجمہ:حضرت عثمان نے فرمایا اور انکے والد صحابی تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رجب عظیم مہینہ ہے،اس میں اللہ عزوجل نیکیوں کو بڑھا دیتا ہے۔تو جس نے رجب میں ایک روزہ رکھا گویا اس نے ایک سال روزہ رکھا اور جس نے سات دن روزہ رکھا اس پر جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔جس نے آٹھ دن روزہ رکھا اسکے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔جس نے دس دن روزے رکھے وہ جو سوال کرے گا اللہ عزوجل اسے عطا فرمائے گا۔جس نے پندرہ دن روزے رکھے تو آسمان سے ایک منادی کہے گا تیرے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے تو آگے نئے سرے سے عمل کرو۔جو مزید روزے رکھے اللہ عزوجل زیادہ عطا فرمائے گا۔رجب کے مہینے میں اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی پر سوار کیا تو انہوں نے رجب کا روزہ رکھا اور اپنے ساتھیوں سے روزہ رکھنے کا کہا۔

(المعجم الكبير،باب السين ،سعيد أبو عبد العزيز غير منسوب،جلد6،صفحه69، مكتبة ابن تيمية ،القاهرة)

ترتیب الأمالی الخمیسیة للشجری میں یحیی بن الحسین الحسنی الشجری الجرجانی (المتوفی 499ھ) روایت کرتے ہیں"أَخُبَرَنَا

الْقَاضِي أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ، بِقِرَاءَتِي عَلَيْهِ، قَالَ:أَخبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ عُثْمَانُ بْنُ حَامِدِ بْنِ أَحْمَدَ، قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو سَهْلٍ أَحْمَدُ بْنُ الزَّجَّاجِ، قَالَ:حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَيُّوبَ الْمُخرِمِيُّ، قَالَ:حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ سَابُورٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الْأَهْرَازَادِيُّ، قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ:حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ الْمَرْوَزِيُّ، عَنْ أَبِيهِ يَحْيَى بْنِ عَيَّاشٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَاصِمٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو هَارُونَ الْعَبْدِيُّ عُمَارَةُ بْنُ جُوَيْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ:أَلَا إِنَّ رَجَبًا شَهْرُ اللَّهِ الْأَصَمُّ وَهُوَ شَهْرٌ عَظِيمٌ، وَإِنَّمَا سُمِّيَ الْأَصَمّ،لِأَنَّهُ لَا يُقَارِبُهُ شَهْرٌ مِنَ الشُّهُورِ حُرْمَةً ،وَفَضْلًا عِنْدَ اللَّهِ، وَقَدْ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ تُعَظِّمُهُ فِي جَاهِلِيَّتِهَا، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ ،لَمْ يَزْدَدْ إِلَّا تَعْظِيمًا وَفَضْلًا، أَلَا إِنَّ شَهْرَ رَجَبٍ شَهْرُ اللَّهِ وَشَعْبَانَ شَهْرِي، وَرَمَضَانَ شَهْرُ أُمَّتِي، أَلَا فَمَنْ صَامَ مِنْ رَجَبٍ يَوْمًا،إِيمَانًا ،وَاحْتِسَابًا اسْتَوْجَبَ رِضْوَانَ اللَّهِ الْأَكْبَرَ ،وَأَطْفَأَ صَوْمُهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ غَضَبَ اللَّهِ تَعَالَى، وَأَغْلَقَ عَنْهُ بَابًا مِنْ أَبْوَابِ النَّارِ، وَلَوْ أُعْطِيَ مِثْلَ الْأَرْضِ ذَهَبًا مَا كَانَ ذَلِكَ بِأَفْضَلَ مِنْ صَوْمِهِ ،وَلَا يُسْتَكْمَلُ أَجْرُهُ بِشَيْءٍ مِنَ الدُّنْيَا دُونَ يَوْمِ الْحِسَابِ۔۔۔" ترجمہ:حضرت سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو کہ رجب روزوں کا مہینہ ہے، یہ عظیم مہینہ ہے اس کا نام روزہ رکھا گیا ہے اس لئے کہ یہ حرمت والے مہینوں کے قریب ہے اور اللہ عزوجل کے نزدیک فضیلت والا ہے۔اہل عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں اس کی تعظیم کرتے تھے، جب اسلام آیا تو اس مہینے کی تعظیم وفضیلت اور بڑھ گئی۔آگاہ رہو کہ رجب اللہ عزوجل کا مہینہ ہے، شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔جس نے ایمان و ثواب کے ساتھ رجب کا ایک رروزہ رکھا تو رب تعالیٰ کی رضا واجب ہوجائے گی، یہ روزہ قیامت والے دن رب تعالیٰ کے غضب کو دور فرمائے گا، اس پر جہنم کے درواز بند کردیئے جائیں گے، اگر کوئی زمین بھر کے سونے کو صدقہ کردے تو اس کا ثواب اس روزے سے زائد نہ ہوگا، اس کا اجر دنیا کی کوئی شے پورا نہیں کرسکتی سوائے قیامت والے دن اس کا اجر دیا جائے گا۔

(ترتیب الأمالی الخمیسیة للشجری،فی صوم رجب وفضله وما یتصل بذلك،جلد2،صفحہ123، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اسی طرح ستائیس رجب کے روزے کی بھی فضیلت ثابت ہے۔شعب الایمان میں ہے "أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، حَدَّثَنِي أَبُو نَصْرٍ رَشِيقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الرُّومِيُّ إِمْلَاءً مِنْ كِتَابِهِ بِالطَّابِرَانِ، أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِدْرِيسَ الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْهَيَّاجِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:فِي رَجَبٍ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ مَنْ صَامَ ذَلِكَ الْيَوْمَ، وَقَامَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ كَانَ كَمَنْ صَامَ مِنَ

الدَّهرِ مِائَةَ سَنَةٍ، وَقَامَ مِائَةَ سَنَةٍ وَهُوَ ثَلَاثٌ بَقِينَ مِنْ رَجَبٍ، وَفِيهِ بَعَثَ اللهُ مُحَمَّدًا" ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رجب کے مہینے میں ایک دن اور ایک رات ہے جس نے اس دن روزہ رکھا اور رات کو عبادت کی تو گویا اس نے سو سال روزے رکھے اور قیام کیا اور وہ رات رجب کی ستائیسویں رات ہے اور اسی میں اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

(شعب الایمان، کتاب الصیام ،تخصیص شهر رجب بالذکر، جلد5، صفحه 345، مکتبة الرشد، ریاض)

معراج کی رات عبادت اور دن کو روزہ رکھنا دعاؤں کی قبولیت کا سبب ہے۔ شعب الایمان کی حدیث پاک ہے "أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ خَلَفُ بْنُ مُحَمَّدٍ بِبُخَارَى، أَخْبَرَنَا مَكِّيُّ بْنُ خَلَفٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ أَحْمَدَ، قَالَا: حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ الْحُسَيْنِ، أَخْبَرَنَا عِيسَى وَهُوَ الْغُنْجَارُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنْ أَبَانَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: فِي رَجَبٍ لَيْلَةٌ يُكْتَبُ لِلْعَامِلِ فِيهَا حَسَنَاتُ مِائَةِ سَنَةٍ، وَذَلِكَ لِثَلَاثٍ بَقِينَ مِنْ رَجَبٍ، فَمَنْ صَلَّى فِيهَا اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ يَتَشَهَّدُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَيُسَلِّمُ فِي آخِرِهِنَّ، ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَيَسْتَغْفِرُ اللهَ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَيَدْعُو لِنَفْسِهِ مَا شَاءَ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاهُ وَآخِرَتِهِ، وَيُصْبِحُ صَائِمًا فَإِنَّ اللهَ يَسْتَجِيبُ دُعَاءَهُ كُلَّهُ إِلَّا أَنْ يَدْعُوَ فِي مَعْصِيَةٍ" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رجب میں ایک رات ہے کہ اس میں نیک عمل کرنے والے کو سو برس کی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور وہ رجب کی ستائیسویں شب ہے، جو اس میں بارہ رکعت پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت اور ہر دو رکعت پر التحیات اور آخر میں بعد سلام " سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ" اور اللہ اکبر سو بار، استغفار سو بار ،درود پاک سو بار اور اپنی دنیا و آخرت سے جس چیز کی چاہے دعا مانگے اور صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب دعائیں قبول فرمائے سوائے اس دعا کے جو گناہ کے لئے ہو۔

(شعب الایمان، کتاب الصیام ،تخصیص شهر رجب بالذکر، جلد5، صفحه 346، مکتبة الرشد، ریاض)

وہابی رجب کے روزے رکھنے خصوصا ستائیس رجب کے روزے رکھنے کو ناجائز و بدعت کہتے ہیں اور رجب کے روزے رکھنے کی ممانعت پر سنن ابن ماجہ کی ایک انتہائی ضعیف روایت پیش کرتے ہیں جو یہ ہے "حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَطَاءٍ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ

سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَهَى عَنْ صِيَامِ رَجَبٍ(تعليق محمد فؤاد عبد الباقی)فی إسناده داود بن عطاء وهو ضعيف متفق على ضعفه(حكم الألبانی)ضعيف جدا" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب کے روزوں سے منع فرمایا۔ تعلیق محمد فؤاد عبد الباقی میں ہے کہ اس حدیث کی سند میں داؤد بن عطاء ضعیف راوی ہے اوراس کی ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ البانی نے کہا یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔(سنن ابن ماجه، كتاب الصيام،باب صيام أشهر الحرم،جلد1،صفحه 554، دار إحياء الكتب العربية، الحلبی)

خود البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہہ دیا کہ اس میں دواؤد بن عطاء ضعیف راوی ہے امام احمد بن حنبل، ابوحاتم، امام بخاری، امام ابوزرعہ، امام نسائی، امام دارقطنی، امام ابن حبان نے اسے ضعیف کہا ہے۔ البانی کے علاوہ وہابیوں کے پیشوا شوکانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس حدیث میں رجب کے روزے رکھنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ رجب کا پورا مہینہ رروزے رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اوپر والی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی صراحت ہے کہ آپ رجب کا پورا مہینہ روزے رکھنے سے منع کرتے تھے اس وجہ سے کہ کہیں لوگ اس مہینہ کو عید نہ بنالیں۔ مصنف عبد الرزاق میں ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیر ی الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَنْهَى عَنْ صِيَامِ رَجَبٍ كُلِّهِ؛ لِأَنْ لَا يُتَّخَذَ عِيدًا" ترجمہ: حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پورے رجب کے مہینے میں روزے رکھنے سے منع کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس مہینہ کو عید نہ بنالیا جائے۔

(المصنف، كتاب الصيام،باب صيام أشهر الحرم،جلد4،صفحه 291، المجلس العلمی،الهند)

پھر ایک مقام پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صراحت کے ساتھ پورے مہینے کے علاوہ رجب کے روزے رکھنے کی اجازت دی ہے چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں ہے"عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَنْهَى عَنْ صِيَامِ الشَّهْرِ كَامِلًا، وَيَقُولُ: لِيَصُمْهُ إِلَّا أَيَّامًا---" ترجمہ: حضرت عطاء سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پورے مہینے کے روزے رکھنے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ سوائے چند دن کے پورے مہینے کے روزے رکھے جاسکتے ہیں۔

(المصنف، كتاب الصيام،باب صيام أشهر الحرم،جلد4،صفحه 291، المجلس العلمی،الهند)

وہابیوں کی دوسری دلیل مصنف ابن ابی شیبہ کی یہ روایت ہے"حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ وَبَرَةَ، عَنْ

عَبْدِ الرَّحْمنِ، عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ، قَالَ:رَأَيْتُ عُمَرَ يَضْرِبُ أَكُفَّ النَّاسِ فِي رَجَبٍ،حَتَّى يَضَعُوهَا فِي الْجِفَانِ، وَيَقُولُ: كُلُوا، فَإِنَّمَا هُوَ شَهْرٌ كَانَ يُعَظِّمُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ "ترجمہ:خرشہ بن حر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کولوگوں کو کھانے سے ہاتھ روکنے پر مارتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ اُن کے لئے کھانا رکھتے اور فرماتے ''کھاؤ'' کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جس کی زمانہ جاہلیت میں تعظیم کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصیام،فی صوم رجب ما جاء فیہ، جلد2،صفحہ345،مکتبۃ الرشد،الریاض)

اس حدیث پاک کی شرح میں شارحین حدیث نے بیان کیا کہ اگر کوئی شخص زمانہ جاہلیت کی طرح اس مہینے میں روزہ کو واجب جانتے ہوئے رکھے تو ممنوع ہے ورنہ منع نہیں کہ یہ نفلی روزہ ہے اور اس سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔الادب فی رجب میں ملاعلی قاری (1014ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فمحمول علی اعتقادو جوبہ کمافی الجاھلیۃ " ترجمہ:پس نہی کو اس کے واجب ہونے کے اعتقاد پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا۔

(الادب فی رجب ،صفحہ39،المکتب الاسلامی ،دارعمار،بیروت)

لہٰذا ان دونوں روایتوں سے رجب کے روزے رکھنے ناجائز ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔فضائل صیام رجب کے بارے وارد احادیث فقط ضعیف کہہ دینے سے بھی وہابیوں کا مقصود(یعنی رجب کے مہینے میں روزے رکھنے کی ممانعت کا ثبوت) حاصل نہیں ہوتا اولاً تو ہم نے اوپر صحیح سند کے ساتھ حدیث پاک بیان کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود اس مہینے میں روزے رکھتے تھے،ثانیاً اگر فضائل صیام رجب میں وارد روایات ضعیف بھی ہوں تب بھی وہ روایات متعدد طرق سے مروی ہیں اور اصول حدیث کا یہ اصول ہے کہ اگر ضعیف حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ قوی ہو کر حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ جاتی ہے چنانچہ التیسیر بشرح الجامع الصغیر میں علامہ مناوی (1031ھ) رحمۃ اللہ علیہ ایک ضعیف حدیث کے بارے میں ہے"وَھُوَ ضَعِیف کَمَا قَالَ الْمُنْذِرِیّ وَغَیرہ لکنہ یقوّیہ مَا بعدہ فَھُوَ حسن لغیرہ" ترجمہ:اور وہ ضعیف ہے جیسا کہ منذری اور ان کے علاوہ نے کہا،لیکن اس کے بعد والی نے اُس کو قوی کر دیا پس وہ حسن لغیرہ ہے۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر،جلد1،صفحہ167،مکتبۃ الامام الشافعی ،الریاض)

اور ثالثاً یہ کہ اگر وہ روایات متعدد طرق سے بھی مروی نہ ہوتیں تب بھی وہ معتبر تھیں کہ اس بات پر تمام ائمہ حدیث کا اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث بھی معتبر ہوتی ہیں۔الادب فی رجب میں ہے"وقدجاء فی فضائل صومہ احادیث ضعیفۃ تصیر بکثرۃ طرقھاقویۃ مع ان الاحادیث الضعیفۃ الاحوال معتبرۃ فی فضائل الاعمال یعنی تفید"

ترجمہ:اور تحقیق رجب کے فضائل کے بارے میں احادیث ضعیفہ وارد ہیں کثرت طرق کی وجہ سے وہ قوی ہوگئی ہیں باوجودیکہ وہ احادیث ضعیفہ ہیں،فضائل اعمال میں معتبر ہیں یعنی عمل کا فائدہ دیتی ہیں۔

(الادب فی رجب ،صفحہ39،المکتب الاسلامی ،دارعمار،بیروت)

احادیث کی روشنی میں رجب کے مہینے میں روزے رکھنے کے مستحب ہونے پر کتب فقہ میں بھی صراحت ہے۔الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے"یندب صوم شھر رجب و شعبان"ترجمہ:ماہ رجب اور شعبان کے روزے رکھنا مستحب ہے۔

(الفقه علی المذاہب الا ربعة،جلد1،صفحہ507،دار الکتب العلمیة، بیروت)

بالفرض تمام احادیث بالکل جھوٹی بھی ہوں تب بھی رجب میں روزہ رکھنا مستحب ہی رہے گا کہ جس طرح عام مہینوں و دنوں میں نفلی روزہ رکھنا ثواب ہے اسی طرح رجب میں بھی روزہ رکھنا ثواب ہے۔الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر،جلال الدین السیوطی (المتوفی 911ھ) فرماتے ہیں"قال النووی الظاهر أن مراد سعيد بهذا الاستدلال أنه لا نهى فيه ولا ندب بل له حكم باقي الشهور قال ولم يثبت في صوم رجب نهي ولا ندب بعينه ولكن أصل الصوم مندوب إليه وفي سنن أبي داود أنه صلى الله عليه وسلم ندب إلى الصوم من الأشهر الحرم ورجب أحدها انتهى قلت وروى البيهقي في شعب الإيمان عن أبي قلابة قال في الجنة قصر لصوام رجب وقال هذا أصح ما ورد في صوم رجب قال وأبو قلابة من التابعين ومثله لا يقول ذلك إلا عن بلاغ ممن فوقه عمن يأتيه الوحي"ترجمہ:امام نووی نے فرمایا:حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظاہری مراد اس استدلال سے یہ ہے کہ رجب میں روزہ رکھنے کی نہ ممانعت ہے اور نہ ہی یہ مستحب ہے بلکہ باقی مہینوں کی طرح یہ بھی ایک مہینہ ہے اور رجب میں بعینہ نہ روزہ رکھنے کی ممانعت ہے اور نہ یہ مستحب ہے۔سنن ابو داؤد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھنے کو مستحب فرمایا ہے اور رجب بھی حرمت والے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے۔میں (امام جلال الدین سیوطی) کہتا ہوں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جنت میں ایک محل ہے جو رجب میں روزے رکھنے والوں کے لئے ہے۔امام بیہقی نے فرمایا یہ روایت رجب کے روزے کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح ہے اور ابوقلابہ تابعین میں سے ہیں انہوں تک یہ روایت حضور علیہ السلام سے پہنچی ہوگی۔

(الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج،جلد3،صفحہ238،دار ابن عفان ،المملكة العربية السعودية)

وہابیوں میں ایک یہ بہت بڑی عادت بد ہے کہ یہ اپنی ضعیف دلیل نہیں دیکھتے اہل سنت کی احادیث کو ضعیف کہتے

رہتے ہیں۔رجب کی ممانعت پر ان کی دلیل ابن ماجہ کی شدید ضعیف ہے اور صرف ایک ہی حدیث ہے۔پھر اس کی تاویل دوسری روایتوں میں صحابی رسول حضرت ابن عباس نے ہی کر دی ہے۔اہل سنت کے دلائل میں صحیح حدیث کے ساتھ ساتھ کثیر احادیث ہیں جس کا وہابی کوئی جواب نہیں دیتے۔ایک جاہل وہابی نے مسلم شریف کی حدیث کے متعلق کہا اس میں حضور علیہ السلام کا روزہ رکھنے کا ثبوت ہے امتیوں کا خصوصی طور روزہ رکھنے کا نہیں۔قارئین خود اندازہ لگائیں کہ یہ کتنا گھٹیا استدلال ہے کہ روزہ جیسی عبادت امتیوں کے لئے حرام ہو حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کرتے ہوں۔جب کثیر احادیث میں رجب کے روزوں کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں تو خصوصی طور پر اس کے روزے رکھنے میں کیا بُرائی ہے اور کس دلیل سے ممانعت ہے۔ظاہری بات ہے جس عمل کی فضیلت ہوتی ہے، مسلمان اسے خصوصی طور پر بجالاتے ہیں تا کہ انہیں وہ فضیلت حاصل ہو۔

پھر ہمیشہ کی طرح وہابی ایک اور بے تکی خودساختہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اہل سنت رجب کے روزوں کی پابندی کرتے ہیں جو کہ بدعت ہے۔وہابیوں کی یہ دلیل بھی جاہلانہ ہے۔پابندی سے اگر یہ مراد لی جائے کہ اہل سنت رجب کے روزے فرض وواجب سمجھ کر رکھتے ہیں تو یہ بہتان عظیم ہے۔اگر وہابیوں کی پابندی سے یہ مراد ہے جو کہ عموما یہ لیتے ہیں کہ پابندی سے ایک عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسے لازم سمجھتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے۔کسی عمل میں کوئی خصوصیت ہو اور ایک مسلمان اس وجہ سے پابندی سے اسے کرے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ فاعل اسے لازم فرض وواجب جانتا ہے دیکھیں درود وسلام کی احادیث میں فضیلت ہے کئی مسلمان پابندی سے ایک مخصوص مقدار میں روزانہ درود پڑھتے ہیں، اسی طرح دیگر وظائف پڑھتے ہیں، اب یہ پابندی اس بات کی دلیل نہیں بن جائے گی کہ یہ اسے لازم سمجھ کر کرتے ہیں، ورنہ تو وہابی دن میں تین مرتبہ کھانا کھاتے ہیں تو کیا وہابی اسے لازم سمجھ کر کھاتے ہیں، ہر سال اجتماع کرواتے ہیں، دستار بندی کرتے ہیں، ختم بخاری کرتے ہیں، سیرت کانفرس کرتے ہیں وغیرہ کیا وہابیوں کا یہ کام پابندی سے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسے فرض وواجب سمجھتے ہیں؟؟؟؟؟؟

وہابیوں کی یہ دلیل جتنی احمقانہ ہے اس سے زیادہ حیرت اس جاہل وہابی پر ہوتی ہے جو اسے بہت بڑی دلیل بنا کر پیش کرتا ہے۔جس وہابی کے پاس معمولات اہل سنت (درود، قل، چالیسواں، ختم پاک وغیرہ) کے کسی عمل کے ناجائز کہنے پر کوئی دلیل نہ ہوگی وہ یہی کہہ کر حرام ثابت کرتا ہے کہ تم یہ عمل دن مخصوص کر کے پابندی سے کرتے ہو۔حالانکہ دن مخصوص کر کے کوئی عمل کرنا شرعا جائز بلکہ احادیث سے ثابت ہے چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے"ولا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الأیام إلا أن یکون فی صوم یصومه أحدکم" ترجمہ: جمعہ کے دن کو دیگر دنوں میں روزے سے خاص نہ کرو۔مگر یہ

کہ جمعہ اس تاریخ میں آجائے جس میں کوئی روزہ رکھتا ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب کراہۃ صیام یوم الجمعۃ منفردا ،جلد2،صفحہ 801،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

دیکھیں حدیث پاک میں صراحتا فرمایا گیا کہ اگر کوئی کسی مخصوص تاریخ میں روزہ رکھتا ہے اور وہ تاریخ جمعہ میں آجائے تو روزہ رکھنا جائز ہے۔شعبان کے آخر ایک دو دن میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے لیکن اگر کوئی ان دنوں میں روزہ رکھتا ہو اور وہ دن شعبان کے آخری دو دن ہو جائیں تو روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ابوداؤد شریف کی بسند صحیح حدیث پاک ہے"عن أبی هريرة عن النبی صلى الله عليه و سلم قال لاتقدموا صوم رمضان بيوم و لا يومين إلا أن يكون صوم يصومه رجل فليصم ذلك الصوم" ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ نہ رکھو۔البتہ جو ان دنوں روزہ رکھتا ہو وہ روزہ رکھ لے۔

(سنن ابو داؤد، کتاب الصیام ،باب فیمن یصل شعبان برمضان متطوعا ،جلد2،صفحہ300،المکتبۃ العصریۃ،بیروت)

اسی طرح حدیث میں آیا کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کی زیارت کیلئے سال کا شروع وقت مقرر فرمالیا تھا جیسا مصنف عبدالرزاق میں ہے۔سنیچر کے دن مسجد قبا میں تشریف لانا جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔اور شکرِ رسالت کیلئے پیر کا روزہ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دینی مشاورت کے لیے وقتِ صبح وشام کی تعیین جیسا کہ صحیح بخاری میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔اور سفر جہاد شروع کرنے کے لیے پنجشنبہ کی تعیین جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ وتذکیر کے لیے پنجشنبہ کا دن مقرر کیا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابووائل سے مروی ہے۔

## شب براءت عبادت اور دن کا روزہ

شب براءت کی رات کو بھی اہل سنت عبادت کرتے ہیں اور اگلے دن روزہ رکھتے ہیں اور اس رات کا بابرکت ہونا اور دن کو روزہ رکھنا احادیث سے ثابت ہے۔صحیح ابن حبان میں محمد بن حبان بن احمد التمیمی الدارمی البُستی (المتوفی354ھ) روایت کرتے ہیں"أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُعَافَى الْعَابِدُ بِصَيْدَا، وَابْنُ قُتَيْبَةَ وَغَيْرُهُ، قَالُوا:حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْرَقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو خُلَيْدٍ عُتْبَةُ بْنُ حَمَّادٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، وَابْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ يُخَامِرَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:يَطْلُعُ اللَّهُ إِلَى خَلْقِهِ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ

إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ" ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل پندرہویں شعبان کی رات کو اپنی مخلوق پر نظر رحمت فرماتا ہے اور سب کی مغفرت فرمادیتا سوائے مشرک اور بہت سخت دشمنی کرنے والے کے۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الحظر والاباحت، باب ما جاء فی التباغض، جلد 12، 481، مؤسسة الرسالة، بیروت)

اس حدیث کے حاشیہ میں شعیب ارنؤوط نے کہا "حديث صحيح بشواهده، رجاله ثقات إلا أن فيه انقطاعا، مكحول لم يلق مالك بن يخامر" ترجمہ: یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ مگر یہ منقطع ہے کہ مکحول نے مالک بن یخامر سے ملاقات نہیں کی ہے۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے مالک بن یخامر سے روایت لینے والوں میں مکحول کا نام درج کیا ہے اور باعتبار اصول ان دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے کہ مکحول ثقہ تابعی تھے۔ لہٰذا ملنا ثابت نہ بھی ہو ملاقات ممکن ہونے کی صورت میں بھی جمہور کے نزدیک وہ حدیث ٹھیک ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا رَاشِدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ رَاشِدٍ الرَّمْلِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ أَيْمَنَ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَرْزَبٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْوَدِ النَّضْرُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ (حكم الألباني) حسن" ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب متوجہ ہوتا ہے اور تمام مخلوق کی بخشش فرما دیتے ہیں سوائے شرک کرنے والے اور کینہ رکھنے والے کے۔ دوسری سند سے بھی ایسا ہی مضمون مروی ہے۔ البانی (وہابیوں کا پیشوا) نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوٰة، باب ما جاء فی ليلة النصف من شعبان، جلد 1، صفحه 443، دار إحياء الكتب العربية، الحلبی)

ابن ماجہ کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَنْبَأَنَا ابْنُ أَبِي سَبْرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:إِذَا کَانَتْ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُومُوا لَیْلَہَا وَصُومُوا نَہَارَہَا، فَإِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ فِیہَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَی سَمَاءِ الدُّنْیَا، فَیَقُولُ:أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِی فَأَغْفِرَ لَہُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَہُ أَلَا مُبْتَلًی فَأُعَافِیَہُ أَلَا کَذَا أَلَا کَذَا،حَتَّی یَطْلُعَ الْفَجْرُ" ترجمہ:حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب نصف شعبان کی رات ہوتو رات کو عبادت کرواور آئندہ دن روزہ رکھواس لئے کہ اس میں غروب شمس سے فجر طلوع ہونے تک آسمان دنیا پر اللہ تعالیٰ تجلی فرماتا ہے اور یہ کہتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا طلبگار کہ میں اس کی مغفرت کروں۔کوئی روزی کا طلبگار کہ میں اس کو روزی دوں۔ ہے کوئی بیمار کہ میں اس کو بیماری سے عافیت دوں ہے کوئی ایسا ہے کوئی۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ،کتاب اقامۃ الصلوٰۃ،باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان،جلد1،صفحہ444،دار إحیاء الکتب العربیۃ،الحلبی)

شعب الإیمان میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابوبکر البیہقی (المتوفی458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَیْنِ بْنُ الْفَضْلِ الْقَطَّانُ، بِبَغْدَادَ،أخبرنا أَبُو سَہْلِ بْنِ زِیَادٍ الْقَطَّانُ،حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ الْحَسَنِ الْحَرْبِیُّ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِیَادٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ مَکْحُولٍ، عَنْ کَثِیرِ بْنِ مُرَّۃَ الْحَضْرَمِیِّ:عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:فِی لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ یَغْفِرُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لِأَہْلِ الْأَرْضِ إِلَّا الْمُشْرِکَ وَالْمُشَاحِنَ .ہَذَا مُرْسَلٌ .وَرُوِیَ مِنْ وَجْہٍ آخَرَ عَنْ مَکْحُولٍ، عَنْ أَبِی ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَہُوَ أَیْضًا بَیْنَ مَکْحُولٍ، وَأَبِی ثَعْلَبَۃَ مُرْسَلٌ جَیِّدٌ کَمَا" ترجمہ:حضرت کثیر بن مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اللہ عزوجل پندرہویں شعبان کی رات کو اہل زمین پر نظر رحمت فرماتا ہے،سب کی مغفرت کردیتا ہے سوائے دوشخصوں کے کافر اور کینہ رکھنے والوں کے۔یہ حدیث مرسل ہے،دوسرے طریق پر ایسی روایت مکحول نے ابوثعلبہ کے حوالے سے حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے اوراس میں بھی مکحول ہیں اور ابوثعلبہ مرسل جید راوی ہیں۔

(شعب الایمان، کتاب الصیام،ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان،،جلد5،صفحہ359،مکتبۃ الرشد،ریاض)

اخبار مکۃ فی قدیم الدہر وحدیثہ میں ابوعبد اللہ محمد بن إسحاق بن العباس المکی الفاکہی (المتوفی272ھ) فرماتے ہیں"وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی سَلَمَۃَ، قَالَ:ثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُعَاوِیَۃَ، وَیُوسُفُ بْنُ عَدِیٍّ یَزِیدُ أَحَدُہُمَا عَلَی صَاحِبِہِ قَالَا جَمِیعًا:عَنْ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَرْوَانَ، عَنْ أَبِی یَحْیَی، عَنْ أَبِیہِ قَالَ:حَدَّثَنِی بِضْعَۃٌ وَثَلَاثُونَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ قَالُوا:مَنْ صَلَّی لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، وَقَالَ ابْنُ أَبِی سَلَمَۃَ

فِی حَدِیثِہِ:وَلَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ رَمَضَانَ مِائَۃَ رَکْعَۃٍ، یَقْرَأُ فِیھَا أَلْفَ مَرَّۃٍ ﴿قُلْ ھُوَ اللہُ أَحَدٌ﴾ فِی کُلِّ رَکْعَۃٍ عَشْرَ مَرَّاتٍ، لَمْ یَمُتْ حَتَّی یُعْطِیَہُ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ مِائَۃً مِنَ الْمَلَائِکَۃِ، ثَلَاثُونَ مِنْھُمْ یُبَشِّرُونَہُ بِالْجَنَّۃِ، وَثَلَاثُونَ مِنْھُمْ یُؤَمِّنُونَہُ مِنْ عَذَابِ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ، وَثَلَاثُونَ مِنْھُمْ یَعْصِمُونَہُ مِنَ الْخَطَایَا، وَالْعَشَرَۃُ الْبَاقِیَۃُ یَکِیدُونَہُ مِنْ أَعْدَائِہِ" ترجمہ: حضرت ابویحیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے تیس سے زائد صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بتایا: جس نے پندرہویں شعبان کی رات اور ابن ابوسلمہ کی حدیث میں ہے کہ جس نے رمضان کی پندرہویں رات سو رکعتیں پڑھیں اور ان میں ہزار مرتبہ سورۃ اخلاص ﴿قل ھو اللہ أحد﴾ پڑھی یعنی ہر رکعت میں دس مرتبہ سورت اخلاص پڑھی تو وہ مرے گا نہیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل اسے سو فرشتے عطا فرمائے گا، جن میں سے تیس فرشتے اسے جنت کی بشارت دیں گے، تیس فرشتے اس اللہ عزوجل کے عذاب سے امان دیں گے، تیس فرشتے اس کی گناہوں سے حفاظت کریں گے اور باقی دس اس کی اس کے دشمنوں کے مکر سے حفاظت فرمائیں گے۔ (أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ، جلد3، صفحہ67، دار خضر، بیروت)

اس رات دعا کا قبول ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ شعب الایمان للبیہقی میں ہے "أَنْبَأَنِی أَبُو عَبْدِ اللہِ الْحَافِظُ إِجَازَۃً، وَحَدَّثَنَا بِہِ عَنْہُ الْإِمَامُ أَبُو عُثْمَانَ إِسْمَاعِیلُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللہِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ عَبْدِ الْحَمِیدِ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاھِیمَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنِی مَنْ سَمِعَ ابْنَ الْبَیْلَمَانِیِّ یُحَدِّثُ عَنْ أَبِیہِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: خَمْسُ لَیَالٍ لَا یُرَدُّ فِیھِنَّ الدُّعَاءُ: لَیْلَۃُ الْجُمُعَۃِ، وَأَوَّلُ لَیْلَۃٍ مِنْ رَجَبٍ، وَلَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، وَلَیْلَۃُ الْعِیدِ وَلَیْلَۃُ النَّحْرِ" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں پانچ راتوں میں دعا رد نہیں کی جاتی جمعہ کی رات، رجب کی پہلی رات، شعبان کی پندرہویں رات (یعنی شب براءت)، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات۔

(شعب الایمان للبیقھی، الباب الثالث و العشرون، جلد3، صفحہ342، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

سنن اللبیقھی الکبری میں ہے "قَالَ الشَّافِعِیُّ: وَبَلَغَنَا أَنَّہُ کَانَ یُقَالُ إِنَّ الدُّعَاءَ یُسْتَجَابُ فِی خَمْسِ لَیَالٍ فِی لَیْلَۃِ الْجُمُعَۃِ، وَلَیْلَۃِ الْأَضْحَی، وَلَیْلَۃِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِنْ رَجَبٍ، وَلَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ" ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے۔ جمعہ کی رات، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات، رجب کی پہلی رات اور پندرہویں شعبان کی رات۔ (سنن اللبیقھی الکبری، جلد3، صفحہ319، مکتبۃ دار الباز، مکۃ المکرمۃ)

وہابیوں کے نزدیک پندرہویں شعبان کی اس رات میں کوئی برکت نہیں اور اس میں خصوصی طور پر عبادت کرنا اور صبح کو روزہ رکھنا سب ناجائز ہے۔ دار السلام والوں نے ابن تیمیہ کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے جس میں کچھ یوں لکھا ہے: "اسی قبیل سے

شعبان کی پندرہویں رات ہے۔متعدد احادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات بہت فضیلت والی ہے۔(مگر وہ ساری روایتیں ضعیف اور متکلم فیہ ہیں۔) سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے بعض لوگ اسے نماز کے ساتھ مخصوص کرتے تھے جب کہ بہت سے علمائے سلف نے اس کی فضیلت سے انکار کیا ہے۔بہرحال بہت سے اہل علم کا رجحان انہی ضعیف روایات کی بنیاد پر اس طرف ہے کہ وہ فضیلت رکھتی ہے۔امام احمد کا بھی یہی خیال ہے۔البتہ اس دن کا خاص روزہ رکھنا شریعت میں کوئی اصل نہیں رکھتا بلکہ اکیلے اس روزے کو مکروہ کہا جائے گا۔۔۔اسی طرح مسجدوں میں اس رات جمع ہونا، ایک خاص قسم کی نماز پڑھنا بھی بدعت ہے۔" (فکر و عقیدہ کی گمراہیاں اور صراطِ مستقیم کے تقاضے ،صفحہ82،دارالسلام،ریاض)

یہاں وہابی مولوی صاحب نے اتنی احادیث کو یکسر نظر انداز کر کے بغیر دلیل اپنی کم علمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس رات عبادت کرنے کو بدعت اور دن کو روزہ رکھنے کو مکروہ کہہ دیا ہے۔اس کے باوجود وہابیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ اہل حدیث ہیں ہر بات اور فعل احادیث کے مطابق کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ شب براءت پر ساری احادیث ضعیف نہیں ہیں بلکہ بعض قوی بھی ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔دوسری بات یہ ہے کہ فضائل میں ایک ضعیف حدیث بھی قابلِ عمل ہوتی ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اربعین پھر امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ وحرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں"قداتفق الحفاظ ولفظ الاربعین قداتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال ولفظ الحرز لجواز العمل به فی فضائل الاعمال بالاتفاق" ترجمہ:بیشک حفاظِ حدیث وعلمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ (شرح الأربعين النووية فی الأحاديث الصحيحة النبوية،مقدمه،صفحه20، مؤسسة الريان)

وہابیوں کے ایک مولوی نے مظاہر حق میں راوی حدیث صلاۃ اوّابین کا منکر الحدیث ہونا امام بخاری سے نقل کر کے لکھا:"اس حدیث کو اگرچہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے۔"
(مظاہر حق ،باب السنن وفضائلها ،جلد1 ،صفحہ766، دارالاشاعت ،کراچی)

جب فضائل میں ایک حدیث بھی قابل عمل ہے اور شب براءت عبادت کرنا فضائل میں سے ہے اور اس پر ایک حدیث نہیں بلکہ کثیر احادیث وارد ہیں جن میں بعض قوی بھی ہیں تو اب ان سب کو ضعیف وناقابلِ عمل قرار دینا نری جہالت وہٹ دھرمی ہے۔کتب علوم حدیث میں لکھا ہے کہ اگر ضعیف حدیث مختلف اسناد سے مروی ہو تو ضعیف سے حسن کے درجہ میں آجاتی ہے۔موضوعات کبیر میں ہے"تعدد الطرق ولوضعفت یرقی الحدیث الی الحسن" ترجمہ:طرقِ متعددہ اگرچہ ضعیف

ہوں حدیث کو درجہ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔ (الاسرار المرفوعه فی اخبار الموضوعه ،صفحه 346،دارالکتب العلمية ،بيروت)

بالفرض شب براءت پر کوئی ضعیف حدیث بھی نہ ہو بلکہ سب موضوع احادیث ہوں تو کیا پندرہویں شعبان کی رات میں عبادت کرنا ناجائز ہو جائے گا؟ کیا اگلے دن روزہ رکھنا بدعت ہو جائے گا؟ قرآن وحدیث میں کہاں اس رات یا کسی بھی رات عبادت کرنے کی نفی موجود ہے؟ جس رات عبادت کی تصریح قرآن وحدیث سے نہ ملے تو کیا اس رات عبادت کرنا ناجائز ہے؟ یہ عجیب بات ہے۔ محدثین نے صراحت کی ہے کہ اگر حدیث موضوع (جھوٹی) بھی ثابت ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اب درود، یا قرآن یا ذکر اذکار کرنا ناجائز ہو گیا بلکہ یہ کہا جائے گا جو فضیلت حدیث کے حوالے سے بیان کی گئی تھی وہ فضیلت حاصل نہ ہو گی باقی قرآن یا درود پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ درمختار میں زیر قول رملی " واما الموضوع فلايجوز العمل به بحال " فرماتے ہیں "ای حيث كان مخالفا لقواعد الشريعة واما لو كان داخلا فی اصل عام فلامانع منه لالجعله حديثا بل لدخوله تحت الاصل العام " ترجمہ: جس فعل کے بارے میں حدیث موضوع وارد ہوا اُسے کرنا اُسی حالت میں ممنوع ہے کہ خود وہ فعل قواعدِ شرع کے خلاف ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ کسی اصل کلی کے نیچے داخل ہے تو اگرچہ حدیث موضوع ہو فعل سے ممانعت نہیں ہو سکتی نہ اس لئے کہ موضوع کو حدیث ٹھہرائیں بلکہ اس لئے کہ وہ قاعدہ کلیہ کے نیچے داخل ہے۔

(حاشية الطحطاوی على الدر المختار، كتاب الطهارة، جلد1، صفحه75، دار المعرفه، بيروت)

شب براءت نوافل پڑھنا، دن کو روزہ رکھنا عبادت میں سے ہے جو ہر حال میں ثواب ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔

(سورة النساء، سورت4، آیت103)

یہاں مطلقا فرمایا گیا کہ اللہ عزوجل کا ذکر کرو، کوئی دن، کوئی وقت کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کی قید نہیں ہے۔ پھر پندرہویں شعبان کو اکیلے یا اجتماعی طور پر عبادت کرنا کیوں ناجائز و بدعت ہو گیا؟ جمہور فقہائے کرام نے اس رات کو عبادت کرنا مستحب فرمایا ہے چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے "ذهب جمهور الفقهاء إلى ندب قيام ليلة النصف من شعبان لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها، وصوموا نهارها ..." ترجمہ: جمہور فقہاء کرام اس طرف گئے ہیں کہ پندرہویں شعبان عبادت کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو اس میں عبادت کرو اور صبح کو روزہ رکھو۔

(الموسوعة الفقهيه الكويتيه ،جلد34،صفحه123،دار الصفوة،مصر)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے ملفوظات میں ہے "بازازا بتدائے کرامت شب برأت فرمود که در شب پانز دهم شعبان بعد عشاء قریب سنه وصال نجانه آمده بود که ناگاه جبرئیل آمد و گفت آن روز شب مبارك و تقسیم برأت یکساله است برخیز دبرائے مردگان مدفون جنت بقیع درانجارفته دعا کن چنانچه آنحضرت همچنیں کردند برائے آں رسم فاتحه دریں شب ست خواه نان و حلوه خواه هرچه خواهد مگر درهند حلوه می باشد و دربخارا و سمرقند قتلما وغیره" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنہ وصال کے قریب شب براءت کو عشاء کی نماز کے بعد دولت سرائے اقدس تشریف لائے۔ اچانک جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ مبارک رات ہے آج سال بھر کے حصے تقسیم ہوں گے۔ جنت بقیع تشریف لے جا کر وہاں کے مُردوں کے لئے دعا کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ اسی وجہ سے اس شب میں فاتحہ کا دستور ہے۔ خواہ حلوہ روٹی ہو خواہ اور کچھ۔ مگر ہندوستان میں حلوہ ہوتا ہے اور بخارا اور سمرقند میں قتلمہ وغیرہ کرتے ہیں۔ (ماخوذ از فتاوی صدر الافاضل ،صفحہ235،شبیر برادرز،لاہور)

آج کے دیوبندی بھی وہابی غیر مقلدوں کی تقلید میں اس رات عبادت کا اہتمام نہیں کرتے جبکہ دیوبندیوں کے بڑے مولویوں نے اس رات کو بابرکت کہا ہے چنانچہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں دیوبندی مولوی محمد راشد نے شب براءت کے فضائل پر مضمون لکھا اور اس میں اکابرین امت کی ہیڈنگ بنا کر لکھا: "اکابرین امت کے اقوال:

علامہ ابن الحاج مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رات کے بڑے فضائل ہیں اور بڑی خیر والی رات ہے، اور ہمارے اسلاف اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس رات کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرتے تھے۔ المدخل لابن الحاج، جلد1، صفحہ 299۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ شام کے مشہور تابعی خالد بن لقمان رحمہ اللہ وغیرہ اس رات کی بڑی تعظیم کرتے، اور اس رات میں خوب عبادت کرتے۔ لطائف المعارف، صفحہ 122۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعبان کی پندرہویں رات کو بیدار رہنا مستحب ہے۔ البحر الرائق، جلد2، صفحہ 52۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعبان کی پندرہویں رات کو عبادت کرنا مستحب ہے۔ الدر مع الرد، جلد2، صفحہ 22،

25۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بیشک یہ رات شب براءت ہے اور اس رات کی فضیلت کے سلسلے میں روایات صحیح ہیں۔العرف الشذی،صفحہ 156۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہاس رات بیدار رہنا مستحب ہے اور فضائل میں اس جیسی احادیث پر عمل کیا جاتا ہے،یہی امام اوزاعی کا قول ہے۔ماثبت بالسنۃ،صفحہ 36۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شب براءت کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرہواں دن اس مہینے کا بزرگی اور برکت والا ہے۔بہشتی زیور،چھٹا حصہ،صفحہ 60۔

کفایت المفتی میں ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب ایک افضل رات ہے۔جلد 1،صفحہ 225،226۔

فتاوی محمودیہ میں ہے کہ شب قدر وشب براءت کے لیے شریعت نے عبادت،نوافل،تلاوت،ذکر،تسبیح،دعاء و استغفار کی ترغیب دی ہے۔جلد 3،صفحہ 263،جامعہ فاروقیہ،کراچی۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ شب براءت کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی کوئی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں،حقیقت یہ ہے کہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں،جن میں اس رات کی فضیلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے،ان میں بعض احادیث سند کے اعتبار سے بے شک کچھ کمزور ہیں؛لیکن حضرات محدثین اور فقہاء کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر ایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہو،لیکن اس کی تائید میں بہت سی احادیث ہو جائیں تو اس کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔اصلاحی خطبات،جلد 2،صفحہ 263 تا 295،ملخصاً۔

(ماہنامہ دار العلوم،شمارہ 6،جلد 96،رجب 1433ھ،بمطابق جون 2012ء)

---

اس پورے حصہ کو پڑھ کر قارئین پر یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ وہابی عقائد میں کوئی روحانیت و تعظیم نہیں ہے جس نظریہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت ثابت ہوتی ہو وہ نظریہ وہابیوں کے نزدیک یا تو شرک ہے یا گمراہی ہے۔معمولات اہل سنت کو زبردستی ناجائز و بدعت ثابت کرتے ہیں اور اپنے موقف پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہوتی اور اہل سنت کی تائید میں موجود احادیث کی تردید کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل بے جا ضد بازی سے محفوظ فرمائے اور حق بات تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

## حصہ دوم

# ....فقہ حنفی....

عقائد کے طرح فقہ میں بھی سنی حنفیوں اور وہابیوں میں کثیر اختلاف ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ عقائد میں وہابیوں کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہوتی لیکن فقہی مسائل میں احناف کے خلاف امام شافعی وامام حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ کا موقف اختیار کر کے حنفیوں سے امتیاز چاہتے ہیں۔اس میں وہابی یہ سیاست کرتے ہیں کہ احناف کی دلیل کو یکسر نظر انداز کر کے دیگر اماموں کی دلیل کو پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو یہ باور کرواتے ہیں کہ حنفی امام ابوحنیفہ کی تقلید میں قرآن وحدیث کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔

عام طور پر وہابی اہل سنت حنفیوں سے جب بحث کرتے ہیں تو کبھی رفع یدین کے ثبوت پر احادیث پیش کرتے ہیں، کبھی آمین بالجہر وغیرہ پر جبکہ اصولی طور پر وہابیوں سے ان فقہی مسائل میں بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ فقہی مسائل میں بعض دفعہ ایک مسئلہ پر مختلف احادیث ہوتی ہیں۔وہابیوں سے پہلے عقائد میں بحث کرنی چاہئے کہ جب عقیدہ ہی درست نہ ہو اعمال فائدہ نہیں دیتے۔سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) روایت کرتے ہیں"عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا،وَلَا صَلَاةً،وَلَا صَدَقَةً،وَلَا حَجًّا،وَلَا عُمْرَةً،وَلَا جِهَادًا،وَلَا صَرْفًا،وَلَا عَدْلًا،يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِينِ" ترجمہ:حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اللہ عزوجل گمراہ کا نہ روزہ قبول فرماتا ہے،نہ نماز،نہ زکوٰۃ،نہ حج،نہ عمرہ،نہ جہاد،نہ فرض،نہ نفل،ایسا شخص دین سے ایسے نقل جاتا ہے جیسے آٹے میں سے بال۔ (سنن ابن ماجہ،باب اجتناب البدع والجدل،جلد1،صفحہ19، دار إحياء الكتب العربية ،الحلبي)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"بہت دھوکہ ہوتا ہے کہ وہابیہ وغیرہ سے فرعی مسائل پر گفتگو کر بیٹھتے ہیں۔وہابی غیر مقلد قادیانی وغیرہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ اُصول چھوڑ کر فرعی مسائل میں گفتگو ہو،انہیں ہرگز موقع نہ دیا جائے۔ان سے یہی کہا جائے کہ تم اسلام کے دائرے میں آلو،اپنا مسلمان ہونا تو ثابت کرلو پھر فرعی مسائل میں گفتگو کا حق ہو گا۔" (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت،صفحہ135،مکتبۃ المدینہ ، کراچی)

وہابیوں کے عقائد ان کے امام ابن عبد الوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی کی کتب سے عیاں ہیں، ان وہابی عقائد کا علمائے اہل سنت نے شد و مد سے رد کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فقیر کی کتاب ''البریلویہ کا علمی محاسبہ''۔ سعودیہ میں وہابی حکومت سے پہلے ترکوں کی حکومت تھی اور اس دور میں حرمین طیبین میں ابن عبد الوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی کا شدید رد ہو چکا ہے اور ان کے خلاف فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں۔

ہونا تو یوں چاہئے کہ وہابیوں سے ان کے عقائد ہی پر کلام کیا جائے، دیگر مسائل پر بعد میں بات ہو۔ لیکن چونکہ ہمارا مقصود مسلمانوں کو وہابی فتنہ سے بچانا ہے اور یہ باور کروانا ہے کہ عقائد کی طرح فقہ میں بھی اہل سنت حنفی قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہیں اس لئے مشہور مسائل اختلافی مسائل پر احناف اور وہابیوں کے موقف اور ان کے دلائل کو لکھا ہے اور فیصلہ قارئین پر چھوڑا ہے کہ وہ فیصلہ کریں آیا احناف قرآن وحدیث پر زیادہ عمل پیرا ہیں یا وہابی!!!!!!!

# ☆---- کتاب الطهارة ----☆

## قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے قضائے حاجت کرنا

احناف کے نزدیک پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت قبلہ رخ منہ یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے کہ یہ بے ادبی ہے۔احناف کا یہ مؤقف کثیر احادیث سے ثابت ہے چنانچہ صحیح مسلم میں مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیر ی النیسابوری (المتوفی 261ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ،حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ،حَدَّثَنَا يَزِيدُ، يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ،حَدَّثَنَا رَوْحٌ، عَنْ سُهَيْلٍ،عَنِ الْقَعْقَاعِ،عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ عَلَى حَاجَتِهِ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا" ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو قبلہ کی طرف نہ تو منہ کرے اور نہ پیٹھ۔ (صحیح مسلم ،کتاب الطهارة،باب الاستطابة،جلد1،صفحه 224،دار إحياء التراث العربي،بيروت)

سنن ابی داود میں ابو داود سلیمان بن الاشعث (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح حدیث پاک روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ:قِيلَ لَهُ لَقَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ، قَالَ:أَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، وَأَنْ لَا نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، وَأَنْ لَا يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ عَظْمٍ"،ترجمہ:حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کسی (کافر نے بطور مذاق) ان سے کہا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو ہر چیز سکھا دی ہے یہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی۔تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا ہے، داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص تین سے کم پتھروں (ڈھیلوں) سے استنجاء کرے اور اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ گوبر یا ہڈی سے استنجا کیا جائے۔

(سنن أبي داود، کتاب الطهارة،باب كراہية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة،جلد1،صفحه 3،المكتبة العصرية،بيروت)

ابوداؤد شریف کی حسن حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، أُعَلِّمُكُمْ فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا وَلَا يَسْتَطِبْ بِيَمِينِهِ، وَكَانَ يَأْمُرُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، وَيَنْهَى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے حق میں باپ کی طرح ہوں اسی بناپر میں تم کو دین وادب کی تعلیم دیتا ہوں پس جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو وہاں جا کر نہ تو قبلہ کی طرف رخ کرو اور نہ پشت، اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تین ڈھیلوں سے استنجا کا حکم فرماتے تھے اور گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرماتے تھے۔

(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، جلد1، صفحه 3، المكتبة العصرية، بيروت)

ابوداؤد شریف کی ایک اور صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِي زَيْدٍ، عَنْ مَعْقِلِ بْنِ أَبِي مَعْقِلٍ الْأَسَدِيِّ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَتَيْنِ بِبَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ" ترجمہ: حضرت معقل بن ابو معقل اسدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے سے منع فرمایا تھا۔

(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، جلد1، صفحه 3، المكتبة العصرية، بيروت)

اسی طرح ابن ماجہ کی صحیح حدیث پاک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ممانعت پر مروی ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حارث زبیدی اور معقل بن ابی معقل سے احادیث مروی ہیں کہ جس میں قبلہ کی طرف پیشاب کرنے کی ممانعت ہے۔ سنن الدارمی سے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ممانعت کی حدیث مروی ہے۔ صحابہ وتابعین سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہے مصنف ابن شیبہ میں اس کے متعلق آثار ہیں۔ ان تمام احادیث وآثار میں مطلقا قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کی ممانعت ہے چاہے گھر ہو یا میدان ہر صورت ممانعت ہے۔

وہابیوں کے نزدیک صحرا یا کھلی فضا میں قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا ناجائز ہے۔ البتہ گھروں میں یا کسی بیت الخلاء میں جہاں قبلہ کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ ہو تو اس صورت میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے قضائے حاجت کرنا جائز ہے۔ وہابی مولوی محمد صبحی بن حسن حلاق اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ''صحرا یا کسی اور کھلی فضا میں قضائے حاجت کے لئے قبلہ رخ بیٹھنا یا پیٹھ کرنا حرام ہے۔ البتہ گھروں (یا تعمیر شدہ طہارت خانوں) میں رخصت ہے۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ، وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا" قضائے حاجت کے وقت تم قبلے کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کیا کرو۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرمگاہیں یا پیٹھ قبلہ رخ کر کے رفع حاجت کی ممانعت فرمائی۔ پھر میں نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ قبلے کی طرف منہ کر کے پیشاب کر رہے تھے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابوایوب کی حدیث، جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے مگر معاملہ یہ نہیں ہے بلکہ ابوایوب کی حدیث ایسے فرد کے بارے میں ہے جو کسی صحرا یا ویرانے میں ہو جبکہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا تعلق تعمیر شدہ عمارات سے ہے۔"

(فقہ کتاب وسنت ،صفحہ114،دار السلام،سعودیہ)

احناف نے وہابیوں کی دلیل کا یہ جواب دیا کہ حضور علیہ السلام کا قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرنا یا تو ممانعت سے قبل ہے یا یہ حضور علیہ السلام کے حق میں درست تھا۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن سلطان محمد ابوالحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "وَفِيهِ أَنَّهُ يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ النَّهْيِ أَوْ لِعُذْرٍ كَانَ هُنَاكَ أَوْ لِكَوْنِهِ لَا حَرَجَ فِي حَقِّهِ سِيَّمَا فِي حَالَةِ اسْتِغْرَاقِهِ" ترجمہ: اس میں ممکن ہے کہ یہ ممانعت سے قبل ہو یا کوئی عذر ہو یا حضور علیہ السلام کے حق میں یہ درست ہو خصوصا حالت استغراق میں۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الطھارۃ،باب ما یوجب الوضوء ،جلد1،صفحہ374،دار الفکر، بیروت )

ایک اصول ہے "وجود الاحتمال یسقط الاستدلال" جب احتمال موجود ہو تو استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔ مذکورہ مسئلہ میں جب ممانعت پر کثیر احادیث موجود ہیں تو فقط ایک حدیث جس میں کئی احتمال ہیں اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

احناف کے مؤقف کی تائید بخاری و مسلم کی اس اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے چار دیواری والے بیت الخلا میں بھی قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ نہیں کی۔ حدیث پاک یوں ہے "حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَتَيْتُمُ الغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا القِبْلَةَ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا قَالَ أَبُو أَيُّوبَ: فَقَدِمْنَا الشَّأْمَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ بُنِيَتْ قِبَلَ القِبْلَةِ فَنَنْحَرِفُ، وَنَسْتَغْفِرُ اللَّهَ تَعَالَى" ترجمہ: ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرے اور نہ اس کی طرف اپنی پشت کرے، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرے (جب کہ قبلہ شمالا یا جنوبا ہو) ابوایوب نے فرمایا: ہم شام گئے تو اس میں قبلہ کی طرف بیت الخلاء بنے ہوئے پائے تو ہم استنجا کرتے وقت قبلہ سے ہٹ جاتے تھے اور اللہ عزوجل سے استغفار کرتے

تھے۔
(صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ،باب قبلۃ أہل المدینۃ وأہل الشام والمشرق،جلد1،صفحہ88،دار طوق النجاۃ،مصر)

اس حدیث پاک سے وہابیوں کے موقف کا واضح طور پر رد ہوگیا کہ صحابہ کرام نے چار دیواری کے اندر بھی قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ نہیں کی۔ پتہ چلا کہ گھر ہو یا صحرا ہر صورت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر قضائے حاجت کرنا جائز نہیں ہے۔

## کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

احناف کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ وممنوع ہے۔ جامع ترمذی میں محمد بن عیسی بن سَوْرۃ الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ:أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنِ المِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوهُ، مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا قَاعِدًا .وَفِي البَابِ عَنْ عُمَرَ، وَبُرَيْدَةَ،حَدِيثُ عَائِشَةَ أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي البَابِ وَأَصَحُّ، وَحَدِيثُ عُمَرَ إِنَّمَا رُوِيَ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الكَرِيمِ بْنِ أَبِي المُخَارِقِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، قَالَ:رَآنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُولُ قَائِمًا، فَقَالَ:يَا عُمَرُ، لَا تَبُلْ قَائِمًا، فَمَا بُلْتُ قَائِمًا بَعْدُ" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اس کی تصدیق نہ کرو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت عمر فاروق اور بریدہ سے بھی روایت منقول ہے۔ ابوعیسی امام ترمذی کہتے ہیں کہ حدیث عائشہ اس باب میں احسن اور اصح ہے۔ حضرت عمر کی حدیث عبدالکریم بن ابی المخارق سے وہ نافع سے وہ ابن عمر سے اور ابن عمر حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کر پھر میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

(سنن الترمذی،ابواب الطھارۃ،باب النھی عن البول قائما،جلد1،صفحہ 62، دار الغرب الإسلامی ،بیروت)

مزید امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَإِنَّمَا رَفَعَ هَذَا الحَدِيثَ عَبْدُ الكَرِيمِ بْنُ أَبِي المُخَارِقِ، وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ؛ ضَعَّفَهُ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَتَكَلَّمَ فِيهِ .وَرَوَى عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ:مَا بُلْتُ قَائِمًا مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الكَرِيمِ، وَحَدِيثُ بُرَيْدَةَ فِي هَذَا غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَمَعْنَى النَّهْيِ عَنِ البَوْلِ قَائِمًا عَلَى التَّأْدِيبِ لَا عَلَى التَّحْرِيمِ وَقَدْ رُوِيَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ:إِنَّ مِنَ الجَفَاءِ أَنْ تَبُولَ وَأَنْتَ قَائِمٌ" ترجمہ: اس حدیث کو عبدالکریم بن ابوالمخارق نے مرفوعا روایت کیا ہے اور وہ محدثین کے نزدیک

ضعیف ہے ایوب سختیانی نے اسے ضعیف قرار دیا اور اس کے بارے میں کلام کیا ہے۔ عبید اللہ نافع سے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا جب سے مسلمان ہوا میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا یہ حدیث عبد الکریم کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے بریدہ کی حدیث غیر محفوظ ہے اس باب میں پیشاب کرنے کی ممانعت تادیبا ہے حرام نہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ظلم ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب النھی عن البول قائما، جلد1، صفحہ 63، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْفَضْلِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ الْفَضْلِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبُولَ قَائِمًا" ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب فی البول قاعدا، جلد1، صفحہ 112، دار إحیاء الکتب العربیۃ -فیصل عیسی البابی الحلبی)

اس حدیث میں عدی بن فضل ضعیف راوی ہے۔ یہ حدیث معنوی طور پر صحیح ہے کیونکہ دیگر احادیث سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت ہے۔ مسند البزار میں ابو بکر احمد بن عمرو المعروف بالبزار (المتوفی 292ھ) بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثنا نصر بن علی قال أَخْبَرَنَا عبد الله بن داود، قَالَ: حَدَّثنا سَعِيد بن عُبَيد الله، قَالَ: حَدَّثنا عبد اللَّهِ بْنِ بُرَيدة، عَن أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم قَالَ: ثَلاثٌ مِنَ الْجَفَاءِ: أَنْ يَبُولَ الرَّجُلُ قَائِمًا، أَوْ يَمْسَحَ جَبْهَتَهُ قَبْلَ أَنْ يَفْرَغَ مِنْ صَلاتِهِ، أَوْ يَنْفُخَ فِي سُجُودِهِ" ترجمہ: حضرت بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین باتیں جفاو بے ادبی سے ہیں: آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے یا نماز میں اپنی پیشانی سے (مثلاً مٹی یا پسینہ) پونچھے یا سجدہ کرتے وقت (زمین پر مثلاً غبار صاف کرنے کو) پھونکے۔

(مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، مسند بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ عنہ، جلد10، صفحہ305، حدیث 4424، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ)

اس حدیث پاک صحت پر کلام کرتے ہوئے التیسیر بشرح الجامع الصغیر میں زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤف المناوی القاہری (المتوفی 1031ھ) فرماتے ہیں "وَرِجَالُه رِجَالُ الصَّحِيحِ" ترجمہ: اس حدیث کے سب راوی ثقہ معتمد صحیح راوی ہیں۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، حرف الثاء، جلد1، صفحہ465، مکتبۃ الإمام الشافعی، الریاض)

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) لکھتے ہیں "رَوَاهُ الْبَزَّار

بِسَند صَحِیح۔۔۔وَقَالَ التِّرمِذِیّ :وَحَدِیث بُرَیدَۃ فِی ھَذا غیر مَحفُوظ، وَقَول التِّرمِذِیّ یرد بِہ" ترجمہ:اسے بزار نے بسند صحیح روایت کیا۔امام ترمذی نے فرمایا:اس سلسلے میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت غیر محفوظ ہے۔امام ترمذی کا قول اس کے ساتھ رَد کیا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الوضوء،باب البول قائما وقاعدا،جلد3،صفحہ135، دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

وہابی کھڑے ہوکر پیشاب نہ کرنے والی احادیث کوضعیف اور افضلیت پر محمول کرتے ہیں یانا قابل حجت کہتے ہیں۔وہابی مولوی محمد صبحی بن حسن حلاق اپنی کتاب میں لکھتا ہے:"کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے جبکہ بیٹھ کر پیشاب کرنا افضل ہے۔اس لئے کہ اس صورت میں چھینٹے پڑنے سے زیادہ بچاؤ ہوجاتا ہے۔حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔آپ ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر پر پہنچے اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنے لگے۔میں آپ سے دور ہٹ گیا تو آپ نے فرمایا:نزدیک ہوجاؤ۔میں آپ کی ایڑیوں کے پاس کھڑا ہوگیا، پھر آپ نے وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا۔

جن احادیث میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے تو وہ سب ضعیف اور نا قابل حجت نہیں۔"

(فقہ کتاب وسنت ،صفحہ115،دارالسلام،سعودیہ)

پہلی بات تو یہ ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے پر موجود احادیث ضعیف نہیں ہے بلکہ کثیر صحیح احادیث ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔دوسرا یہ کہ وہابی کھڑے ہوکر پیشاب کے جواز پر جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک پیش کرتے ہیں اس میں کئی احتمالات ہیں۔علماء فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے یہ کسی عذر کی وجہ سے کیا تھا،بعض نے فرمایا کہ وہ جگہ ایسی تھی کہ وہاں بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہ تھا اسلئے کھڑے ہوکر کیا۔

البنایۃ شرح الھدایۃ میں ابومحمد محمود بن احمد الحنفی بدرالدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"وأما البول قائما فأخرجہ البخاری ومسلم من حدیث الأعمش عن أبی وائل عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أتی سباطۃ قوم فبال قائما الحدیث . فیہ وجوہ:الأول لما کان بہ وجع الصلب إذ ذاک. والثانی ما رواہ البیہقی بروایۃ ضعیفۃ أنہ علیہ السلام بال قائما لعلۃ بمأبضہ والمأبضۃ بہمزۃ ساکنۃ بعد المیم ثم باء موحدۃ وھو باطن الرکبۃ، والثالث :أنہ علیہ السلام لم یجد مکانا للقعود فاضطر إلی القیام لکون الطرف الذی یلیہ من السباطۃ کان غالبا مرتفعا، والرابع:ما ذکرہ القاضی وھو کون البول قائما حالۃ یؤمن فیھا

خروج الحدث من السبيل الآخر فی الغالب بخلاف حالة القعود، و کذلك قال عمر رضی الله عنه البول قائما حض للدبر و الخامس:أنه علیه السلام فعله بیانا للجواز فی هذه المرة و کان عادته المستمرة للبول قاعدا یدل علیه حدیث عائشة رضی الله عنهاقالت:من حدثکم أن النبی صلی الله علیه و سلم کان یبول قائما فلا تصدقوه ما کان یبول إلا قاعدا رواه أحمد و النسائی و الترمذی بإسناد جید" ترجمہ: کھڑے ہوکر پیشاب کرنا تو امام بخاری و مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم سباطہ کے پاس تشریف لائے تو کھڑے کو کر پیشاب کیا الحدیث۔ اس میں کئی وجوہ ہیں: پہلی یہ کہ آپ کی کمر میں درد تھا (اسلئے بیٹھ نہیں سکتے تھے کھڑے ہوکر پیشاب کیا) دوسری وجہ وہ ہے جو امام بیہقی نے ضعیف روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا اسلئے کہ آپ کے گھٹنے میں درد تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایسی جگہ نہ پائی جہاں بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن ہو کہ کوڑے کا ڈھیر اونچا تھا اسلئے آپ نے کھڑے ہوکر کیا۔ چوتھی وجہ جسے امام قاضی نے ذکر کیا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اس صورت میں ہے درست ہے کہ جب بیٹھ کر پیشاب کرنے سے پاخانہ نکلنے کا خدشہ ہو اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے پیٹھ کا مقام دب جاتا ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہ عمل بطور جواز ایک مرتبہ کیا تھا ورنہ آپ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے اور اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت دلالت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو تمہیں بتائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو اس کی تصدیق نہ کرو آپ علیہ السلام بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد، نسائی اور ترمذی نے بسند جید روایت کیا ہے۔

(البناية شرح الهداية، كتاب الطهارة، فرائض الطهارة، جلد1، صفحه171، دار الكتب العلمية، بيروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں: "نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک بار یہ فعل وارد ہوا اور صحیح حدیث سے ثابت کہ روزِ نزولِ قرآن کریم سے آخر عمر اقدس تک عادتِ کریمہ ہمیشہ بیٹھ ہی کر پیشاب فرمانے کی تھی اور صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو جفا و بے ادبی فرمایا اور متعدد احادیث میں اس سے نہی وممانعت آئی تو واجب کہ ممنوع ہو اور انہیں احادیث کو اُن پر ترجیح بوجوہ ہو:

اولاً: وہ ایک بار کا واقعہ حال ہے کہ صد گونہ احتمال ہے۔

ثانیاً: فعل وقول میں جب تعارض ہو قول واجب العمل ہے کہ فعل احتمال خصوص وغیرہ رکھتا ہے۔

ثالثاً: مبیح وحاظر جب متعارض ہوں حاظر مقدم ہے۔

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں) نفسِ حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مقلدانِ نصرانیت پر رد ہے وہاں کافی بلندی تھی اور نیچے ڈھال اور زمین گھورے کے سبب نرم کہ کسی طرح چھینٹ آنے کا احتمال نہ تھا سامنے دیوار تھی اور گھورا فنائے دار میں تھا نہ کہ گزرگاہ پسِ پشت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھڑا کر لیا تھا اس طرف کا بھی پردہ فرمایا اس حالت میں پشت اقدس پر بھی نظر پڑنا پسند نہ آیا ان احتیاطوں کے ساتھ تمام عمر مبارک میں ایک بار ایسا منقول ہُوا، کیا یہ نئی رَوشن کے مدعی ایسی ہی صورت کے قائل ہیں سبحان اللہ کہاں یہ اور کہاں ان بے ادبوں کے نامہذب افعال اور اُن پر معاذ اللہ حدیث سے استدلال لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 4، صفحہ 597، 598، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

## جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب ناپاک ہے، اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے مطلقا پیشاب کے قطروں سے بچنے کا حکم دیا کہ قبر کا عذاب عام طور پر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ مسند الامام احمد بن حنبل میں ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی (المتوفی 241ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْبَوْلِ" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اکثر عذابِ قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي ہريرة رضي الله عنه، جلد14، صفحہ77، مؤسسة الرسالة، بيروت)

صحیح ابن خزیمۃ میں ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃ النیسابوری (المتوفی 311ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِيُّ، ثنا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ح وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَنْصُورٍ السُّلَمِيُّ، ثنا عَبْدُ الْأَعْلَى، نا هِشَامٌ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ كُرَيْبٍ، نا أَبُو خَالِدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ عَيَّاشٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا لَمْ تَجِدُوا إِلَّا مَرَابِضَ الْغَنَمِ، وَمَعَاطِنَ الْإِبِلِ فَصَلُّوا فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، وَلَا تُصَلُّوا فِي مَعَاطِنِ الْإِبِلِ" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر

تم بکریوں اوراونٹوں کے باڑے کے علاوہ نماز کے لئے کوئی جگہ نہ پاؤ تو بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لواونٹوں کے باڑے میں نہیں۔ (صحیح ابن خزیمة، کتاب الصلوة،باب النہی عن الصلاة فی معاطن الإبل،جلد2،صفحه8،المکتب الإسلامی ،بیروت)

علمائے کرام نے فرمایا اونٹ چونکہ بڑا جانور ہے اور جب وہ پیشاب کرتا ہے تو اس کی پیشاب کی چھینٹیں دور تک جاتی ہیں اس لئے حضور نے وہاں نماز پڑھنے سے منع کیا۔ اگر حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہوتا تو حضور علیہ السلام منع نہ کرتے۔ اس کی تائید مزید اگلی حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے۔

السنن الکبری میں احمد بن الحسین بن علی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) بسند صحیح روایت کرتے ہیں "أنبأ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ الْفَقِيهُ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثنا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، ثنا إِسْمَاعِيلُ ثنا عُمَارَةُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ قَالَ:قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ:الرَّجُلُ مِنَّا يَبْعَثُ نَاقَتَهُ فَيُصِيبُهُ نَضْحٌ مِنْ بَوْلِهَا قَالَ:اغْسِلْ مَا أَصَابَكَ مِنْهُ" ترجمہ: حضرت ابومجلز فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: ہم سے کسی پر اونٹنی کے پیشاب کے قطرات پڑ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس حصے میں پیشاب کے قطرات لگے ہوں اتنے حصے کو دھولو۔

(السنن الکبری،ابواب الصلوة،باب نجاسة الأبوال والأرواث وما خرج من مخرج حی ،جلد2،صفحه579، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اگر حلال جانور کا پیشاب پاک ہوتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹ کے پیشاب کو دھونے کا کیوں فرمایا؟ پتہ چلا کہ حلال جانوروں کا پیشاب بھی ناپاک ہے۔

وہابیوں کے نزدیک جس کھانے پر قل شریف پڑھا جائے وہ کھانا تو حرام و ناپاک ہے اور جو جانور کسی ولی کے ایصال ثواب کے لئے اللہ عزوجل کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ مثل خنزیر ناجائز و حرام ہے لیکن حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے چنانچہ وہابی مولوی محمد صبحی بن حسن حلاق اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ''جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب اور گوبر پاک ہے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ قبیلہ عُکل وعُرینہ کے کچھ لوگ آئے ، انہیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صدقے کے اونٹوں کے چرواہے سے ملنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ باہر چلے جاؤ اور اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیو۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب پاک ہے۔ اونٹوں کے بارے میں یہ حدیث نص ہے اور باقی حلال جانوروں کا مسئلہ قیاس سے ثابت ہے۔'' (فقہ کتاب وسنت ،صفحه101،دار السلام،سعودیه)

علمائے احناف نے فرمایا کہ اس حدیث پاک میں حضور علیہ السلام نے بطور علاج ضرورت کے تحت ان لوگوں کو اونٹوں کا پیشاب پینے کی اجازت دی تھی۔ السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی الخراسانی ابو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "وَأنبأ أَبُو عَبْدِ اللهِ، ثنا أَبُو بَكْرٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَهْلٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الدَّوَابِّ فَإِنَّ بَوْلَهُ يُغْسَلُ، وَأَمَّا حَدِيثُ أَنَسٍ فِي قِصَّةِ الْعُرَنِيِّينَ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَكُونُوا فِي الْإِبِلِ وَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَقَدْ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: هَذَا عَلَى الضَّرُورَةِ، كَمَا أُجِيزَ عَلَى الضَّرُورَةِ أَكْلُ الْمَيْتَةِ، وَحُكْمُ الضَّرُورَاتِ مُخَالِفٌ لِغَيْرِهِ"

ترجمہ: حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: چوپائے میں سے ہر کسی کا پیشاب دھویا جائے گا۔ باقی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث قصہ عرنیین کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق فرمایا: یہ ضرورت کی وجہ سے تھا جیسا کہ ضرورت کے تحت مردار کھانے کی اجازت ہے۔ ضرورت کے تحت حکم بغیر ضرورت کے مخالف ہوتا ہے۔

(السنن الکبری، ابواب الصلوٰۃ، باب نجاسۃ الأبوال والأرواث وما خرج من مخرج حی، جلد2، صفحہ579، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

المبسوط للسرخسی میں محمد بن احمد بن ابی سہل شمس السرخسی (المتوفی 483ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَأَصْلُ الْمَسْأَلَةِ أَنَّ بَوْلَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ نَجِسٌ عِنْدَهُمَا طَاهِرٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ قَوْمًا مِنْ عُرَنَةَ جَاءُوا إلَى الْمَدِينَةِ فَأَسْلَمُوا فَاجْتَوَوْا الْمَدِينَةَ فَاصْفَرَّتْ أَلْوَانُهُمْ، وَانْتَفَخَتْ بُطُونُهُمْ فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَخْرُجُوا إلَى إبِلِ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا، وَأَلْبَانِهَا الْحَدِيثَ، فَلَوْ لَمْ يَكُنْ طَاهِرًا لَمَا أَمَرَهُمْ بِشُرْبِهِ، وَالْعَادَةُ الظَّاهِرَةُ مِنْ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ بَيْعُ أَبْوَالِ الْإِبِلِ فِي الْقَوَارِيرِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ دَلِيلٌ ظَاهِرٌ عَلَى طَهَارَتِهَا، وَلَهُمَا قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَنْزِهُوا مِنْ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ، وَلَمَّا اُبْتُلِيَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بِضَغْطَةِ الْقَبْرِ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سَبَبِهِ فَقَالَ إنَّهُ كَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنْ الْبَوْلِ، وَلَمْ يُرِدْ بِهِ بَوْلَ نَفْسِهِ فَإِنَّ مَنْ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنْهُ لَا تَجُوزُ صَلَاتُهُ، وَإِنَّمَا أَرَادَ أَبْوَالَ الْإِبِلِ عِنْدَ مُعَالَجَتِهَا، وَالْمَعْنَى أَنَّهُ مُسْتَحِيلٌ مِنْ أَحَدِ الْغِذَاءَيْنِ إلَى نَتْنٍ، وَفَسَادٍ فَكَانَ نَجِسًا كَالْبَعْرِ. فَأَمَّا حَدِيثُ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَدْ ذَكَرَ قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ رَخَّصَ لَهُمْ فِي شُرْبِ أَلْبَانِ الْإِبِلِ، وَلَمْ يَذْكُرْ الْأَبْوَالَ، وَإِنَّمَا ذَكَرَهُ فِي حَدِيثِ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَالْحَدِيثُ حِكَايَةُ حَالٍ

فَإِذَا دَارَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ حُجَّةً، أَوْ لَا يَكُونُ حُجَّةً سَقَطَ الِاحْتِجَاجُ بِهِ، ثُمَّ نَقُولُ خَصَّهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ عَرَفَ مِنْ طَرِيقِ الْوَحْيِ أَنَّ شِفَاءَ هُمْ فِيهِ، وَلَا يُوجَدُ مِثْلُهُ فِي زَمَانِنَا، وَهُوَ كَمَا خَصَّ الزُّبَيْرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بِلُبْسِ الْحَرِيرِ لِحَكَّةٍ كَانَتْ بِهِ، وَهِيَ مَجَازٌ عَنْ الْقَمْلِ فَإِنَّهُ كَانَ كَثِيرَ الْقَمْلِ، أَوْ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوا كُفَّارًا فِي عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى، وَرَسُولُهُ عَلِمَ مِنْ طَرِيقِ الْوَحْيِ أَنَّهُمْ يَمُوتُونَ عَلَى الرِّدَّةِ، وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يَكُونَ شِفَاءُ الْكَافِرِ فِي النَّجِسِ" اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا پیشاب ناپاک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشاب کے قطروں سے بچنے کا حکم دیا کہ عام طور پر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ حدیث انس جس میں حضور علیہ السلام نے پیشاب پینے کی اجازت دی وہ حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کو بطور وحی پتہ چل گیا تھا کہ ان لوگوں کی شفاء اس پیشاب میں ہے جبکہ موجودہ دور میں ہمیں پتہ نہیں کہ پیشاب میں شفا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حضور علیہ السلام نے حضرت زبیر کو خارش کے سبب ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔ یہ بھی بعید نہیں کہ کافر کی شفا نجس میں ہو اسی وجہ سے ان کافروں کو حضور علیہ السلام نے پیشاب پینے کی اجازت دی۔

(المبسوط، کتاب الصلوۃ، باب الوضوء والغسل، جلد1، صفحہ53، دار المعرفۃ، بیروت)

## قرآن کو بے وضو چھونا

چاروں ائمہ کرام کے نزدیک قرآن کو بغیر وضو چھونا ناجائز ہے۔ قرآن پاک میں ﴿لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾

ترجمہ کنز الایمان: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ (سورۃ الواقعۃ، سورۃ56، آیت79)

تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) میں ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (المتوفی 774ھ) رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ﴿لا يَمَسُّهُ إِلا الْمُطَهَّرُونَ﴾ أَيْ مِنَ الْجَنَابَةِ وَالْحَدَثِ۔۔۔ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَلَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ" ترجمہ: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو یعنی جو بے وضو ہو یا جس پر غسل واجب ہو وہ قرآن نہ چھوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کو بغیر وضو نہ چھوا جائے۔

(تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر)، جلد8، صفحہ32، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

المستدرک علی الصحیحین میں ابو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ (المتوفی 405ھ) رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ الْحَسَنِ الْفَقِيهُ بِبَغْدَادَ، ثَنَا جَعْفَرُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ الطَّيَالِسِيُّ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ أَبِي حَاتِمٍ، صَاحِبِ الطَّعَامِ، ثَنَا مَطَرٌ الْوَرَّاقُ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ بِلَالٍ،

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ وَالِيًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: لَا تَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا وَأَنْتَ طَاهِرٌ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (التعليق من تلخيص الذهبی) صحيح" ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کا والی بنا کر بھیجا تو فرمایا: قرآن کو بغیر طہارت نہ چھونا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری ومسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔ تلخیص ذہبی میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابه، ذكر مناقب حكيم بن حزام القرشی رضی الله عنه، جلد3، صفحه 552، دار الكتب العلمية، بيروت)

تراجم میں سوید بن ابی حاتم پر بعض محدثین نے جرح کی ہے اور بعض نے ان کی توثیق کی ہے۔ پھر دیگر احادیث کی روشنی میں اس کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف نہیں ہے۔ البنایۃ شرح الہدایۃ میں بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لا يجوز للمحدث أن يمس المصحف إلا بغلافه: (لقوله صلى الله عليه وسلم: لا يمس المصحف إلا طاهر): هذا الحديث رواه خمسة من الصحابة رضی الله عنهم الأول: عمرو بن حزم، أخرج حديث النسائی فی "سننه "فی كتاب الديات وأبو داود فی "المراسيل "من حديث محمد بن بكار بن بلال عن يحيى بن حمزة عن سليمان بن أرقم عن الزهری عن أبی بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده أن فی الكتاب الذی كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أهل اليمن فی السنن والفرائض والديات: ولا يمس القرآن إلا طاهر.

أورد هنا أيضا من حديث الحكم بن موسى عن يحيى بن حمزة حدثنا سليمان بن داود الخولانی حدثنی الزهری عن أبی بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده نحوه، قال أبو داود: وهم فيه الحكم بن موسى يعنی فی قوله: سليمان بن داود، وإنما هو سليمان بن أرقم، وقال النسائی: الأول أشبه بالصواب، وسليمان بن أرقم: متروك.

وبالسند الثانی: رواه ابن حبان وقال: سليمان بن داود الخولانی من أهل دمشق ثقة مأمون، وأخرجه الحاكم فی "مستدركه "وقال: هو من قواعد الإسلام والطبرانی فی "معجمه "والدارقطنی ثم البيهقی فی "سننهما "وأحمد فی "مسنده "وابن راهويه، وروى هذا الحديث من طرق أخرى بعضها مرسل.

الثانی: عبد الله بن عمر رضی الله عنهما أخرج حديث الطبرانی فی "معجمه "والدارقطنی ثم البيهقی من جهته فی "سننهما "من حديث ابن جريج عن سليمان بن موسى عن الزهری قال: سمعت سالما يحدث عن

أبيه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يمس القرآن إلا طاهر ، وسلمان بن موسى الأشدق مختلف فيه فوثقه بعضهم، وقال البخارى :عنده مناكير، وقال النسائى :ليس بالقوى.

الثالث:حكيم بن حزام، أخرج حديثه الحاكم فى "المستدرك "فى كتاب الفضائل من حديث سويد بن أبى حاتم حدثنا مطر الوراق عن حسان بن بلال عن حكيم بن حزام قال :لما بعثنى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:لا تمس القرآن إلا وأنت طاهر وقال الحاكم:صحيح الإسناد ولم يخرجاه ورواه الطبرانى فى "معجمه"والدارقطنى ثم البيهقى من جهته فى "سننهما".

الرابع:عثمان بن أبى العاص أخرج حديثه الطبرانى فى "معجمه"بإسناده إلى المغيرة بن شعبة عن عثمان بن أبى العاص أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:لا يمس القرآن إلا طاهر.

الخامس:ثوبان أخرج حديثه على بن عبد العزيز فى "منتخبه"من حديث أبى أسماء الرحبى عن ثوبان قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يمس القرآن إلا طاهر والعمرة هى الحج الأصغر ، وإسناده ضعيف جدا، قلت:ولو استدل المصنف على ذلك بقوله تعالى: ﴿**لا يمسه إلا المطهرون**﴾ (الواقعة79) لكان أولى وأقوى "ترجمہ: بے وضو کا بغیر غلاف کے قرآن چھونا جائز نہیں ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے سبب: قرآن نہ چھوئے مگر باوضو۔اس حدیث کو پانچ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے روایت کیا ہے۔

پہلے صحابی عمرو بن حزم: امام نسائی نے اپنی سنن میں ''کتاب الدیات'' میں اسے روایت کیا۔ابوداؤد نے ''المراسیل'' میں محمد بن بکار بن بلال سے انہوں نے یحیٰ بن حمزہ انہوں نے سلیمان بن ارقم سے انہوں نے زہری سے انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے جد سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل یمن کی طرف سنن وفرائض اور دیات کے متعلق انہیں لکھا: قرآن کو بغیر وضو نہ چھوا جائے۔

اسی طرح حکم بن موسی سے مروی ہے انہوں نے یحیٰ بن حمزہ سے روایت کیا کہ ہمیں سلیمان بن داؤد خولانی نے بتایا کہ مجھے امام زہری نے بتایا اور انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت کیا اور انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے جد سے اسی طرح حدیث کو روایت کیا ہے۔امام ابوداؤد نے فرمایا: ان میں حکم بن موسیٰ ہیں یعنی ان کے قول میں سلیمان بن داؤد وہ سلیمان بن ارقم ہیں۔امام نسائی نے فرمایا کہ پہلے (یعنی سلیمان بن داؤد) زیادہ صحیح کے مشابہ ہیں کیونکہ سلیمان بن ارقم متروک

ہیں۔

دوسری سند کے ساتھ امام ابن حبان نے روایت کیا اور فرمایا سلیمان بن داؤد خولانی اہل دمشق میں سے ہیں اور ثقہ مامون ہیں۔امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اسے روایت کیا اور فرمایا یہ (باوضو قرآن چھونا) قواعد اسلام میں سے ہے۔طبرانی نے اپنی معجم میں اور دار قطنی پھر بیہقی نے اپنی سنن میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن راہویہ نے روایت کیا۔یہ حدیث دیگر طرق سے بھی مروی ہے جس میں بعض اسناد مرسل ہیں۔

• دوسرے صحابی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: ان کی حدیث کو امام طبرانی نے معجم میں اور دار قطنی پھر بیہقی اسی جہت سے اپنی اپنی سنن میں حدیث ابن جریج سے روایت کیا انہوں نے سلیمان بن موسیٰ سے انہوں نے زہری سے کہ امام زہری نے فرمایا: میں نے سالم سے سنا کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بغیر وضو قرآن نہ چھوا جائے۔سلمان بن موسی اشدق مختلف ہیں، بعض نے ان کی توثیق کی ہے اور امام بخاری نے مناکیر فرمایا اور امام نسائی نے فرمایا وہ قوی نہیں ہیں۔

تیسرے صحابی حکیم بن حزام: ان سے روایت کیا امام حاکم نے مستدرک میں ''کتاب الفضائل'' میں سوید بن ابی حاتم سے انہوں نے فرمایا کہ ہمیں بیان کیا مطر الوراق نے انہوں نے روایت کیا حسان بن بلال سے انہوں نے حکیم بن حزام سے کہ انہوں نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بھیجا تو فرمایا: تو قرآن نہ چھو مگر پاکی کی حالت میں۔امام حاکم نے فرمایا اس حدیث کی صحیح سند ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور دار قطنی اور بیہقی نے اپنی اپنی سنن میں اس حدیث پاک کو روایت کیا ہے۔

• چوتھے صحابی عثمان بن ابی العاص: امام طبرانی نے معجم میں ان سے روایت کیا اس سند کے ساتھ مغیرہ بن شعبہ نے عثمان بن ابی العاص سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو نہ چھوا جائے مگر باوضو۔

پانچویں صحابی ثوبان: علی بن عبد العزیز نے منتخبہ میں روایت کیا حدیث ابو اسماء الرجبی سے کے انہوں نے ثوبان سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو بغیر وضو نہ چھوا جائے اور عمرہ چھوٹا حج ہے۔اس کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے۔میں کہتا ہوں اگر مصنف نے اللہ عز وجل کے اس فرمان کو دلیل بنایا ہوتا: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔تو یہ اولیٰ اور زیادہ قوی ہوتا۔

(البنایة شرح الھدایة، کتاب الطھارة، مس المصحف للمحدث والحائض والجنب، جلد1، صفحہ 649، دار الکتب العلمیة، بیروت)

سنن الدار قطنی میں ابوالحسن علی بن عمر البغد ادی الدار قطنی (المتوفی 385ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَخْلَدٍ ،نا الصَّغَانِيُّ،ثنا شُجَاعُ بْنُ الْوَلِيدِ ،ثنا الْأَعْمَشُ ،وَثنا مُحَمَّدُ بْنُ مَخْلَدٍ ،نا إِبْرَاهِيمُ الْحَرْبِيُّ،نا ابْنُ نُمَيْرٍ ،ثنا أَبُو مُعَاوِيَةَ،ثنا الْأَعْمَشُ،عَنْ إِبْرَاهِيمَ،عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ ،عَنْ سَلْمَانَ،قَالَ: كُنَّا مَعَهُ فِي سَفَرٍ فَانْطَلَقَ فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ جَاءَ ،فَقُلْتُ:أَيْ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ تَوَضَّأْ لَعَلَّنَا نَسْأَلُكَ عَنْ آيٍ مِنَ الْقُرْآنِ ،فَقَالَ:سَلُونِي فَإِنِّي لَا أَمَسُّهُ إِنَّهُ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ،فَسَأَلْنَاهُ فَقَرَأَ عَلَيْنَا قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ .الْمَعْنَى قَرِيبٌ كُلُّهَا صِحَاحٌ" ترجمہ:عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سفر میں تھے، وہ رفع حاجت کے لئے گئے جب وہ قضاء حاجت کے بعد واپس آئے تو ہم نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ وضو کرلیں ہم آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کریں گے، حضرت سلمان فارسی نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو کیونکہ میں قرآن مجید کو چھوؤں گا نہیں۔ بے شک قرآن مجید کو طہارت کے بغیر کوئی شخص نہیں چھوسکتا۔ پھر ہم نے ان سے سوال کیا اور انہوں نے وضو کئے بغیر ہمارے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ یہ سب احادیث قریب المعنیٰ ہیں اور تمام صحیح ہیں۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطهارة، باب فی نهی المحدث عن مس القرآن، جلد1، صفحه223، مؤسسة الرسالة، بیروت)

اس حدیث کی سند کو وہابیوں نے صحیح کہا ہے چنانچہ ارشیف ملتقی اہل الحدیث میں وہابی لکھتے ہیں "ما جاء عن بعض الصحابة فی منع مسّ المصحف للمحدث، و أنه لا يعلم لهم مخالف من نظرائهم من الصحابة كما قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله۔أولاً:عن عبد الرحمن بن يزيد قال: كنا مع سلمان رضى الله عنه فی سفر فانطلق فقضى حاجته، ثم جاء ، فقلت:أي أبا عبد الله لعلنا نسألك عن آي من القرآن، فقال:سلوني فإني لا أمسُّه، إنه لا يمسُّه إلا المطهرون .فسألنا فقرأ علينا قبل أن يتوضأإسناده صحيح ---" یعنی بعض صحابہ کرام سے بغیر وضو قرآن چھونے کی ممانعت ثابت ہے اور اس میں کسی صحابی کی مخالفت ثابت نہیں ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا ہے۔ عبد الرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سفر میں تھے، وہ رفع حاجت کے لئے گئے جب وہ قضاء حاجت کے بعد واپس آئے تو ہم نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ وضو کرلیں ہم آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کریں گے، حضرت سلمان فارسی نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو کیونکہ میں قرآن مجید کو چھوؤں گا نہیں۔ بے شک قرآن مجید کو طہارت کے بغیر کوئی شخص نہیں چھوسکتا۔ پھر ہم نے ان سے سوال کیا اور انہوں نے وضو کئے بغیر ہمارے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(أرشيف ملتقى أہل الحديث، جز55، صفحه56)

چاروں ائمہ کا یہی مذہب ہے کہ قرآن کو بے وضو چھونا جائز نہیں ہے۔ **الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ** میں ہے "لا یجوز للمحدث مس المصحف كله أو بعضه عند فقهاء المذاهب الأربعة، لقوله تعالى ﴿**لا يمسه إلا المطهرون**﴾ ولقوله عليه الصلاة والسلام: لا تمس القرآن إلا وأنت طاهر واتفقوا على جواز تلاوته لمن كان محدثا حدثا أصغر بغير لمس" ترجمہ: چاروں فقہاء مذاہب کے نزدیک تمام قرآن یا بعض قرآن کو بے وضو چھونا جائز نہیں ہے، اللہ عزوجل کے اس فرمان کے سبب: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو بے طہارت قرآن کو نہ چھو۔ چاروں ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی بے وضو ہو (نہ کہ جنبی) وہ بغیر چھوئے اگر قرآن پڑھے تو جائز ہے۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، جلد17، صفحہ 127، دار السلاسل، الکویت)

وہابی مذہب میں ادب نام کی کوئی چیز نہیں اس لئے وہابیوں کے نزدیک قرآن کو بغیر وضو چھونا جائز ہے چنانچہ حدیث اور اہل تقلید میں وہابی مولوی داؤد ارشد لکھتا ہے: "باب قرآن کریم کو چھونے کے لئے وضو شرط نہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "قال أبو سفيان ثم دعا بكتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقرء، فإذا فيه: بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبد الله ورسوله، إلى هرقل عظيم الروم، سلام على من اتبع الهدى، أما بعد: فإني أدعوك بدعاية الإسلام، أسلم تسلم، وأسلم يؤتك الله أجرك مرتين، فإن توليت، فعليك إثم الأريسيين و ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ "ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ پھر قیصر روم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط منگوایا وہ پڑھا گیا اس میں یہ لکھا تھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے بادشاہ روم ہرقل کی طرف، جو شخص سیدھے راستہ پر چلے اس پر سلام، اس کے بعد میں تجھے اسلام کے کلمے کی طرف بلاتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ تو سلامت رہو گے۔ اللہ تجھے دوہرا اجر دے گا، اگر تو مسلمان نہ ہوا تو غریب رعیت کا بھی گناہ تجھ پر پڑے گا۔ اور یہ لکھا: اے اہل کتاب ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہی کوئی ہم سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو مربی سمجھے پس اگر منہ پھیریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تابعدار ہیں۔

یہ حدیث اپنے معنیٰ ومفہوم میں بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم کو بلا وضو چھویا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر روم جو عقیدہ غیر مسلم عیسائی تھا، اس کو خط تحریر کیا جس میں قرآن کریم کی آیت درج کی اور یہ بات بھی کسی شک وشبہ

سے بالاتر ہے کہ عیسائی وغیرہ وضونہیں کرتے جبکہ قرآن کے کچھ حصہ اور تمام قرآن کریم کی حرمت وتقدس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جواس بات کا مدعی ہے وہ دلیل شرعی دے۔۔۔۔

(اور جوقرآن پاک میں ہے ﴿لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ ترجمہ: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ وہابی کہتے ہیں اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ اس آیت میں انسانوں کے لئے حکم نہیں ہے۔) چنانچہ وہابی لکھتا ہے: ''خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں فرشتوں کے متعلق خبر دی گئی ہے، امت مرحومہ کو حکم نہیں دیا گیا۔''

(حدیث اور اہل تقلید، صفحہ325، 327، مکتبہ اہل حدیث فیصل آباد)

قرآن پاک کو بے وضو چھونے کی ممانعت پر موجود اتنی احادیث کو چھوڑ کر وہابیوں نے ایک واقعہ سے عجیب استدلال کیا ہے۔ وہابی مولوی نے کہا چونکہ عیسائی بے وضو ہوتے ہیں اور حضور علیہ السلام نے ان کی طرف قرآن پاک کی آیت لکھ کر بھیجی تو ثابت ہوا بے وضو چھونا جائز ہے۔ یہ وہابی کا باطل قیاس ہے۔ عیسائی وضونہیں کرتے تو کیا غسل کرتے ہیں؟ اس صورت میں تو جنابت کی حالت میں بھی قرآن چھونا جائز ہونا چاہئے!

درحقیقت اس حدیث پاک کی شرح میں علماء نے یہ فرمایا کہ یہاں پوری آیت معنوی تھی اس لئے کہ اس آیت کے شروع میں ''قل'' تھا حضور علیہ السلام نے اسے نہیں لکھا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جس وقت حضور علیہ السلام نے جس وقت یہ خط لکھا تھا اس وقت یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی بعد میں اللہ عزوجل نے اسے آیت کی صورت میں نازل فرمایا چنانچہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ملا علی قاری (المتوفی 1014ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قُلْتُ: هٰذَا كُلُّهُ مَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّهُ قَصَدَ بِقَوْلِهِ: (تَعَالَوْا): لَفْظَ الْقُرْآنِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ هٰذَا نَقْلٌ بِالْمَعْنٰى، وَلَمْ يَقْصِدِ التِّلَاوَةَ بِدَلِيلِ حَذْفِ (قُلْ) مِنْ أَوَّلِ الْآيَةِ، وَيَزِيدُ مَا قُلْنَا مَا ذَكَرَهُ الْقَسْطَلَّانِيُّ فِي الْمَوَاهِبِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ هٰذِهِ الْآيَةَ قَبْلَ نُزُولِهَا، فَوَافَقَ لَفْظُهُ لَفْظَهَا لَمَّا نَزَلَتْ: لِأَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي قِصَّةِ وَفْدِ نَجْرَانَ، وَكَانَتْ قِصَّتُهُمْ سَنَةَ الْوُفُودِ سَنَةَ تِسْعٍ، وَقِصَّةُ أَبِي سُفْيَانَ هٰذِهِ كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ سَنَةَ سِتٍّ'' ترجمہ: میں کہتا ہوں یہ سب اس پر مبنی ہے آپ نے لفظ قرآن کے اس فرمان کے ساتھ قصد کیا: ''آؤ'' ظاہر یہ ہے کہ یہ معنوی طور پر نقل کیا اس میں تلاوت کا قصد نہ تھا جس کی دلیل لفظ ''قُل'' نہ لکھنا ہے جو آیت کے شروع میں ہے اور جو ہم نے کہا اس پر مزید امام قسطلانی نے مواہب میں ذکر کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو نزول سے قبل لکھا اور جب آیت نازل ہوئی تو وہ اس کی موافق ہوئی۔ اس لئے کہ یہ آیت وفد نجران کے قصہ میں نازل ہوئی اور یہ قصہ نو ہجری میں ہوا اور ابوسفیان کا یہ قصہ چھ ہجری سے قبل کا ہے۔

(مرقاة المفاتيح ، كتاب الجهاد، باب الكتاب إلى الكفار ودعائهم إلى الإسلام، جلد6، صفحه2526، دار الفكر، بيروت)

باقی وہابیوں کا کہنا کہ اس آیت ﴿لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ﴾ میں چھونے سے مراد ملائکہ ہیں یہ بھی درست نہیں، اسلئے کہ تمام فرشتے تو آگے ہی پاک ہیں چنانچہ البنایہ میں ہے "حمل الآية على مس الملائكة بعيد لأنهم كلهم مطهرون، وتخصيص بعض الملائكة من بين سائر المطهرين على خلاف الأصل مع وجود الأحاديث المذكورة" ترجمہ: اس آیت کو فرشتوں کے چھونے پر محمول کرنا بعید ہے اسلئے کہ تمام فرشتے پاک ہیں اور بعض فرشتوں کی تخصیص کرنا خلافِ اصل ہے جبکہ دیگر احادیث بغیر وضو قرآن نہ چھونے پر موجود ہیں۔

(البناية شرح الهداية، كتاب الطهارة، مس المصحف للمحدث والحائض والجنب، جلد1، صفحه 650، دار الكتب العلمية، بيروت)

## ٹوپی و عمامہ پر مسح کرنا

احناف کے نزدیک ٹوپی و عمامہ پر مسح کرنے سے فرض پورا نہ ہوگا بلکہ بالوں پر مسح ضروری ہے۔ مسند الامام الشافعی میں الشافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس القرشی المکی (المتوفی 204ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح مرسل حدیث روایت کرتے ہیں "أَخبرنا الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أَخبرنَا مُسلِمٌ، عَنِ ابنِ جُرَيجٍ، عَن عَطَاءٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَحَسَرَ العِمَامَةَ، وَمَسَحَ عَلَى مُقَدَّمِ رَأسِهِ، أَو قَالَ: نَاصِيَتِهِ بِالمَاءِ" ترجمہ: حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا تو عمامہ اتار کر سر کے اگلے حصے پر مسح کیا یا یہ فرمایا کہ پانی کے ساتھ پیشانی کی مقدار سر کا مسح کیا۔ (یعنی چوتھائی سر مسح ہے۔)

(مسند الإمام الشافعي ، كتاب الصلوٰة، باب حسر العمامة ومسح مقدم الرأس، جلد1، صفحه172، شركة غراس، الكويت)

اس روایت میں صراحت ہے کہ حضور علیہ السلام نے عمامہ اتار کر سر کا مسح کیا۔ پتہ چلا کہ عمامہ پر مسح درست نہیں۔ اسی طرح سنن ابوداؤد اور ماجہ کی صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَحمَدُ بنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابنُ وَهبٍ، حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بنُ صَالِحٍ، عَن عَبدِ العَزِيزِ بنِ مُسلِمٍ، عَن أَبِي مَعقِلٍ، عَن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: رَأَيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ وَعَلَيهِ عِمَامَةٌ قِطرِيَّةٌ، فَأَدخَلَ يَدَهُ مِن تَحتِ العِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأسِهِ وَلَم يَنقُضِ العِمَامَةَ (حكم الألباني) ضعيف" ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور آپ پر قطری عمامہ تھا۔ آپ نے اپنے ہاتھ کو عمامے کے اندر داخل کیا اور سر کے اگلے حصے کا مسح کیا عمامہ نہیں کھولا۔ البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب المسح على العمامة، جلد1، صفحه 36، المكتبة العصرية، بيروت)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ آپ علیہ السلام نے عمامہ کے اوپر مسح نہیں فرمایا بلکہ عمامہ کے نیچے ہاتھ داخل کر کے سر کا مسح کیا۔ البانی نے اس حدیث کو اس وجہ سے ضعیف کہا کہ اس میں ابو معقل مجہول راوی ہے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ جب کوئی محدث کسی کی حدیث کو صحیح کہہ دے تو راوی کے متعلق تراجم کتب میں کچھ نہ ملنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا اور امام ابوداؤد کا کسی حدیث کے متعلق سکوت فرمانا اس حدیث کے صحیح ہونے کے دلیل ہے جیسا کہ علماء کرام نے لکھا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبہ (المتوفی 235ھ) بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِي لَبِيدٍ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا أَتَى الْغَيْطَ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ، وَعَلَيْهِ إِزَارٌ وَرِدَاءٌ وَعِمَامَةٌ وَخُفَّانِ، فَرَأَيْتُهُ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَحَسَرَ الْعِمَامَةَ، فَرَأَيْتُ رَأْسَهُ مِثْلَ رَاحَتِي عَلَيْهِ مِثْلُ خَطِّ الْأَصَابِعِ مِنَ الشَّعْرِ، فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ مَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ" ترجمہ: حضرت ابولبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ خچر پر قضائے حاجت کے لئے تشریف لائے اور آپ ازار، چادر، عمامہ اور موزے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے قضائے حاجت کی پھر وضو کیا پھر عمامہ اتارا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا سر ہتھیلیوں کی مثل تھا اس پر بالوں کی انگلیوں کی طرح خط تھا۔ آپ نے اپنے سر کا مسح کیا پھر موزوں پر مسح کیا۔

(الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، كتاب الطهارة، من كان لا يرى المسح عليها ويمسح على رأسه، جلد1، صفحه29، مكتبة الرشد، الرياض)

امام بیہقی اور دار قطنی بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى الْأُمَوِيُّ، حَدَّثَنِي أَبِي، نا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا مَسَحَ رَأْسَهُ رَفَعَ الْقَلَنْسُوَةَ وَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهِ" ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سر کا مسح کرتے تھے تو ٹوپی اتار کر سر کے اگلے حصے پر مسح کرتے تھے۔

(سنن الدارقطني، كتاب الطهارة، باب ما روي من قول النبي صلى الله عليه وسلم: الأذنان من الرأس، جلد1، صفحه191، مؤسسة الرسالة، بيروت)

معرفۃ السنن والآثار میں احمد بن الحسین الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "وَرُوِّينَا عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ، فَقَالَ: لَا، حَتَّى يُمَسَّحَ الشَّعْرُ بِالْمَاءِ" ترجمہ: ہم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ان سے کسی نے عمامہ پر مسح کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: عمامہ پر مسح نہیں جب تک کہ

پانی کے ساتھ بالوں پر مسح نہ ہو۔

(معرفة السنن والآثار، كتاب الطهارة،فريضة الوضوء في غسل الوجه، وغسل اليدين، ومسح الرأس، وغسل الرجل، والمسح على الخفين،جلد1،صفحه275،دار الوفاء ،القاهرة)

وہابیوں کے نزدیک ٹوپی وعمامہ پر بھی مسح جائز ہے چنانچہ وہابی مولوی محمد صبحی بن حسن حلاق اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ''مسح کرنے والے کو اختیار ہے کہ سر پر مسح کرے یا پگڑی پر یا چاہے تو کچھ حصہ سر پر اور باقی پگڑی پر کرلے۔ یہ سب صورتیں صحیح اور ثابت ہیں۔ جناب عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ''رأيت النبي صلى الله عليه وآله وسلم يمسح على عمامته و خفيه'' ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پگڑی اور اپنے موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

(فقه كتاب وسنت ،صفحه129،دارالسلام،سعوديه)

وہابی مولوی نے بخاری کی یہ حدیث پیش کی ہے '' عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَخُفَّيْهِ'' ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پگڑی اور اپنے موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہی حدیث امام نسائی نے اسی سند سے نقل کی تو اس میں عمامہ پر مسح کا ذکر نہیں ہے۔ سنن نسائی کی حدیث پاک ہے امام نسائی (المتوفی 303ھ) روایت کرتے ہیں ''أَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ (حكم الألباني) صحيح'' ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(السنن الصُغرى للنسائي، كتاب الطهارة،باب المسح على الخفين،جلد1،صفحه81،مكتب المطبوعات الإسلامية ،حلب)

پھر اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے کہ یہ کسی عذر کی وجہ سے کیا گیا چنانچہ السنن الکبری میں امام بیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ جنگ میں سردی کی وجہ سے آپ نے مسح کی رخصت دی تھی چنانچہ حضرت ثوبان فرماتے ہیں ''بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فَأَصَابَهُمُ الْبَرْدُ، فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْعَصَائِبِ وَالتَّسَاخِينِ'' ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تو اس لشکر کو سردی

لگی۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو آپ علیہ السلام نے حکم دیا کہ اپنا عماموں اور موزوں پر مسح کرتے۔ (السنن الکبری، کتاب الطھارۃ، باب إیجاب المسح بالرأس وإن کان متعمما، جلد1، صفحہ102، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

علماء کرام نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے عمامہ کے نیچے ہاتھ ڈال کر سر پر ہی مسح فرمایا تھا لیکن دیکھنے والے کو دور کی وجہ سے لگا کہ عمامہ شریف پر مسح کر رہے ہیں۔ لہذا صحابی کے ایک مرتبہ دیکھنے کے واقعہ کو دلیل بنا کر قرآن کی آیت اور کئی احادیث کو چھوڑا نہیں جاسکتا کہ قرآن نے سر پر مسح کا حکم دیا۔

## شرمگاہ چھونے پر وضو

احناف کے نزدیک شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ بھی جسم کے دوسرے اعضا کی طرح ایک عضو ہے۔

ابوداؤد، نسائی، ترمذی شریف کی صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَدْرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ الحَنَفِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَهَلْ هُوَ إِلَّا مُضْغَةٌ مِنْهُ؟ أَوْ بِضْعَةٌ مِنْهُ؟ وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ: وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعْضِ التَّابِعِينَ: أَنَّهُمْ لَمْ يَرَوُا الوُضُوءَ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الكُوفَةِ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَهَذَا الحَدِيثُ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا البَابِ" ترجمہ: قیس بن طلق بن علی حنفی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شرمگاہ ایک ٹکڑا ہے اس کے بدن کا اور راوی کو شک ہے کہ (مُضْغَۃٌ) فرمایا یا (بَضْعَۃٌ) (جبکہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں) اس باب میں ابوامامہ سے بھی مروی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کئی صحابہ اور بعض تابعین سے مروی ہے کہ وہ عضو خاص کو چھونے سے وضو کے واجب قرار نہیں دیتے تھے یہ قول اہل کوفہ اور ابن مبارک کا ہے اور یہ حدیث اس باب میں احادیث میں سب سے زیادہ اچھی ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ترک الوضوء من مس الذکر، جلد1، صفحہ141، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

اس حدیث کو البانی نے صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ بھی روایتیں ہیں جس سے ثابت ہے کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بلوغ المرام من ادلۃ الأحکام میں ابوالفضل احمد بن علی حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنه قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: مَسَسْتُ ذَكَرِي، أَوْ قَالَ: الرَّجُلُ يَمَسُّ ذَكَرَهُ فِي الصَّلَاةِ، أَعَلَيْهِ وُضُوءٌ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِنْكَ. أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَقَالَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ:

هُوَ أَحْسَنُ مِنْ حَدِيثِ بُسْرَةَ "ترجمہ: حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا میں نے اپنی شرمگاہ کو چھویا یا یہ کہا اگر کوئی شخص نماز میں اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو کیا اس پر وضو ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ یہ تیرے جسم کے اعضا میں سے ایک عضو ہے۔ اس حدیث کو پانچ ائمہ نے روایت کیا اور امام ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا اور ابن مدینی نے کہا یہ حدیث بسرہ (جو شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کے متعلق ہے) سے زیادہ صحیح ہے۔

(بلوغ المرام، صفحہ24، دار الفلق، الریاض)

وہابیوں کے نزدیک شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ وہابی مولوی بدیع الدین اپنی کتاب اہل حدیث کے امتیازی مسائل میں لکھتا ہے: "شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا ٹوٹنا: اس کے متعلق نبی اکرم کا یہ حکم سنن اربعہ وغیرہا میں بسرۃ بنت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال من مس ذکرہ فلیتوضا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے ذکر کو مس کیا، اسے چاہئے کہ وضو کرے۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند میں بالکل کلام نہیں ہے چنانچہ اس کا شان مبارک جناب امام المحدثین بخاری نے اس طرح بتلایا ہے کہ " اصح شیء فی ھذا الباب" اس باب میں جتنی حدیثیں مروی ہیں ان سب میں سے یہ حدیث صحیح تر ہے۔"

(اہل حدیث کے امتیازی مسائل، صفحہ15، مکتبہ الدعوۃ السلفیۃ، حیدر آباد)

احناف نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اس میں جو حضور علیہ السلام نے وضو کرنے کا فرمایا اس سے مراد یہ نہیں کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بلکہ اس فرمان میں وضو کرنے سے مراد فقط ہاتھ دھونا ہے یعنی اگر شرمگاہ کو چھو لیا جائے تو مستحب ہے کہ ہاتھ دھو لئے جائیں۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) فرماتے ہیں "(وَلَنَا) مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَنَّهُمْ لَمْ يَجْعَلُوا مَسَّ الذَّكَرِ حَدَثًا، حَتَّى قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا أُبَالِي مَسِسْته، أَوْ أَرْنَبَةَ أَنْفِي وَقَالَ بَعْضُهُمْ لِلرَّاوِي إنْ كَانَ نَجِسًا فَاقْطَعْهُ، وَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَدَثٍ بِنَفْسِهِ، وَلَا سَبَبٌ لِوُجُودِ الْحَدَثِ غَالِبًا فَأَشْبَهَ مَسَّ الْأَنْفِ، وَلِأَنَّ مَسَّ الْإِنْسَانِ ذَكَرَهُ مِمَّا يَغْلِبُ وُجُودُهُ فَلَوْ جُعِلَ حَدَثًا يُؤَدِّي إلَى الْحَرَجِ، وَمَا رَوَاهُ فَقَدْ قِيلَ أَنَّهُ لَيْسَ بِثَابِتٍ لِوُجُوهٍ أَحَدُهَا أَنَّهُ مُخَالِفٌ لِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا.

وَالثَّانِی أَنَّهُ رُوِیَ أَنَّ هَذِهِ الْحَادِثَةَ وَقَعَتْ فِی زَمَنِ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَشَاوَرَ مَنْ بَقِیَ مِنْ الصَّحَابَةِ فَقَالُوا: لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا، وَلَا سُنَّةَ نَبِیِّنَا بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِی أَصَدَقَتْ أَمْ كَذَبَتْ، وَالثَّالِثُ أَنَّهُ خَبَرُ وَاحِدٍ فِیمَا تَعُمُّ بِهِ الْبَلْوَى فَلَوْ ثَبَتَ لَاشْتَهَرَ، وَلَوْ ثَبَتَ فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى غَسْلِ الْیَدَیْنِ، لِأَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا یَسْتَنْجُونَ بِالْأَحْجَارِ دُونَ الْمَاءِ فَإِذَا مَسُّوهُ بِأَیْدِیهِمْ كَانَتْ تَتَلَوَّثُ خُصُوصًا فِی أَیَّامِ الصَّیْفِ فَأَمَرَ بِالْغَسْلِ لِهَذَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ "

ترجمہ: احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق، علی المرتضیٰ، ابن مسعود، ابن عباس، زید بن ثابت، عمران بن حصین، حذیفہ بن یمان، ابو درداء، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ سب صحابہ شرمگاہ چھونے پر وضوٹوٹنے کا نہ کہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ شرمگاہ کو چھوؤں یا اپنی ناک کو چھوؤں (یعنی شرمگاہ کو چھونا میرے نزدیک ایسا ہے جیسے اپنی ناک کو چھونا ہے۔) بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر یہ نجس ہے تو میں اسے کاٹ دیتا ہوں۔ شرمگاہ فی نفسہ حدث نہیں ہے اور غالب طور پر وجود حدث کا بھی سبب نہیں تو یہ ایسے ہے جیسے ناک کو چھونا ہے۔ انسان کا اپنی شرمگاہ چھونا عام ہے اور اگر اس حدث کہہ دیا جائے تو بہت حرج ہو جائے۔ شرمگاہ چھونے پر وضوٹوٹنے کی جو مروی ہے وہ کئی وجوہ پر ثابت نہیں ہے جس میں ایک وجہ یہ ہے کہ یہ اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مخالف ہے جن صحابہ کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

دوسرا یہ کہ یہ حادثہ مروان بن حکم کے زمانہ میں ہوا تو انہوں نے بقیہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا ہم اپنے رب کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑیں گے جس کے متعلق پتہ نہیں کہ یہ عورت صحیح کہہ رہی ہے یا جھوٹ۔ تیسرا یہ کہ خبر واحد جس میں عموم بلویٰ ہو تو اگر وہ ثابت ہو تو مشہور ہوتی۔ اگر یہ روایت ثابت ہے تو فقط ہاتھ دھونے تک ہے کہ اسلئے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان پانی کے علاوہ پتھروں سے استنجاء کرتے تھے، جب وہ عضو خاص کو چھوتے تھے تو ہاتھ گندہ ہو جاتا تھا خصوصا گرمیوں میں تو اس وجہ سے ہاتھ دونوں کا حکم دیا گیا۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الطهارة، فصل بیان ما ینقض الوضوء، جلد1، صفحه30، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اگر شرمگاہ چھونے پر وضوٹوٹنے کا حکم دیا جائے تو یہ دیگر صحیح احادیث کے خلاف ہوگا جس میں شرمگاہ کو جسم کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ احادیث میں اگر بظاہر تضاد ہو تو تطبیق دینا ضروری ہے اگر احناف کے موقف لیا جائے تو دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جائے گی۔

## قے آنے پر وضو کا حکم

احناف کے نزدیک اگر منہ بھر کر الٹی آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ الغرۃ المنیفۃ فی تحقیق بعض مسائل الإمام ابی حنیفۃ میں عمر بن اسحٰق بن احمد الہندی الغزنوی الحنفی (المتوفی 773ھ) لکھتے ہیں "مسألة :الخارج النجس من غير السبيلين كالدم، والقيح، والقيء ، ملء الفم ينقض الوضوء عند أبی حنيفة وأصحابه رحمهم الله، وهو مذهب العشرة المبشرين بالجنة، وابن مسعود وابن عمر وزيد بن ثابت وأبی موسى الأشعری وأبی الدرداء وصدور التابعين كسعيد بن المسيب وسعيد بن جبير وعطاء والحسن البصری وغيرهم من جمهور العلماء" ترجمہ: مسئلہ: غیر سبیلین (یعنی آگے پیچھے کے مقام کے علاوہ) نجس چیز کا نکلنا جیسے خون، پیپ، منہ بھر الٹی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک۔ یہی دس عشرہ مبشرہ صحابہ کرام کا مذہب ہے۔ اس کے علاوہ ابن مسعود، ابن عمر، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری، ابودرداء اور بڑے تابعین جیسے سعید بن میسّب، سعید بن جبیر، عطا، حسن بصری اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔

(الغرة المنيفة فی تحقيق بعض مسائل الإمام أبی حنيفة، كتاب الطهارة، جلد1، صفحه24، مؤسسة الكتب الثقافية)

الٹی آنے پر وضو ٹوٹنے پر ترمذی شریف کی یہ صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ أَبِي السَّفَرِ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ: حَدَّثَنَا، وَقَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ حُسَيْنٍ المُعَلِّمِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَمْرٍو الأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَعِيشَ بْنِ الوَلِيدِ المَخْزُومِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ، فَتَوَضَّأَ، فَلَقِيتُ ثَوْبَانَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: صَدَقَ، أَنَا صَبَبْتُ لَهُ وَضُوءَهُ، وقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: مَعْدَانُ بْنُ طَلْحَةَ: وَابْنُ أَبِي طَلْحَةَ أَصَحُّ: وَقَدْ رَأَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ مِنَ التَّابِعِينَ: الوُضُوءَ مِنَ القَيْءِ وَالرُّعَافِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: لَيْسَ فِي القَيْءِ وَالرُّعَافِ وُضُوءٌ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ وَقَدْ جَوَّدَ حُسَيْنٌ المُعَلِّمُ هَذَا الحَدِيثَ، وَحَدِيثُ حُسَيْنٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا البَابِ" ترجمہ: معدان بن ابی طلحہ سے مروی ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قے کی اور وضو کیا پھر جب میری ملاقات ثوبان سے دمشق کی مسجد میں ہوئی اور میں نے ان سے اس کا ذکر کیا انہوں نے کہا سچ کہا ابودرداء نے اس لئے کہ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

وضو کے لئے پانی ڈالا تھا۔ اسحاق بن منصور نے معدان بن طلحہ کہا اور ابن ابی طلحہ زیادہ صحیح ہے۔ امام ابوعیسی ترمذی کہتے ہیں اکثر صحابہ وتابعین سے قے اور نکسیر پر وضو کرنا ثابت ہے اور سفیان ثوری ابن مبارک اور احمد اسحاق کا یہی قول ہے اور بعض اہل علم نے کہا جن میں امام مالک اور امام شافعی بھی ہیں کہ قے اور نکسیر سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حسن بن معلم نے اس حدیث کو بہت اچھا کہا ہے اور حسین کی روایت کردہ حدیث اس باب میں زیادہ صحیح ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الطهارة، باب الوضوء من القيء والرعاف، جلد1، صفحہ145، دار الغرب الإسلامی، بيروت)

البانی نے ترمذی شریف کی اس حدیث پاک کو صحیح کہا ہے۔ المعجم الاوسط میں سلیمان بن احمد الشامی ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُنَيْنٍ الْعَطَّارُ قَالَ: نَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ قَالَ: نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِيهِ، وَعَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، أَوْ قَلَسَ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے آئے تو وہ نماز سے پھر جائے اور جا کر وضو کرے۔

(المعجم الأوسط، باب الميم، من اسمه: محمد، جلد5، صفحہ321، دار الحرمين، القاہرة)

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اسماعیل بن عیاش کو بعض نے ضعیف کہا ہے جبکہ وہ ثقہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ اسماعیل بن عیاش اگر حجازیوں سے روایت کریں تو وہ ضعیف ہے۔ بہرحال ان کا ثقہ ہونا ثابت ہے۔ اگر اس حدیث کو ضعیف بھی مان لیا جائے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دیگر کئی احادیث اس پر شاہد ہیں۔ سنن الدارقطنی میں ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدارقطنی (المتوفی 385ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ هَانِئٍ، قَالَا: نا أَبُو عَاصِمٍ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، نا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ طَيْفُورٍ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، نا أَبُو الْأَزْهَرِ، وَالْحَسَنُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ أَوْ قَلَسَ أَوْ وَجَدَ مَذْيًا وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَرْجِعْ فَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ. قَالَ لَنَا أَبُو بَكْرٍ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى يَقُولُ: هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَهُوَ مُرْسَلٌ" ترجمہ: حضرت ابن جریج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو قے آئے یا وہ مذی پائے اور وہ نماز میں ہو تو نماز سے پھر جائے اور وضو کر کے واپس آئے اور وہیں سے نماز شروع بشرطیکہ کوئی کلام نہ کیا ہو۔ ابوبکر نے ہمیں فرمایا: میں

نے محمد بن یحیٰ سے سناوہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے ابن جریج سے اور وہ مرسل ہیں۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطھارۃ،باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقیء والحجامۃ ونحوہ،جلد1،صفحہ283،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

شعب الإیمان میں احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ ابو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخبَرَنَا أَبُو عَبدِ اللهِ الحَافِظُ، أنا أَبُو عَبدِ اللهِ مُحَمَّدُ بنُ عَلِيِّ بنِ عَبدِ الحَمِيدِ الصَّغَانِيُّ، ثنا إِسحَاقُ بنُ إِبرَاهِيمَ، أنا عَبدُ الرَّزَّاقِ، أنا مَعمَرٌ، عَن عَاصِمٍ، عَن مُسلِمِ بنِ سَلَامٍ، عَن عِيسَى بنِ حِطَّانَ، عَن عَلِيِّ بنِ طَلقٍ، قَالَ: سَمِعتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا قَاءَ أَحَدُكُم فَليَتَوَضَّأُ" ترجمہ: حضرت علی بن طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: جب تم میں سے کسی کو الٹی آئے تو وہ وضو کرے۔

(شعب الإیمان، تحریم الفروج وما یجب من العتفف، جلد7، صفحہ273، مکتبۃ الرشد، الریاض)

اسی طرح ایک حدیث حضرت ابن سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔ وہابیوں کے نزدیک الٹی آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ان کا موقف اور اس کا جواب آگے آرہا ہے۔

## خون کے سبب وضو ٹوٹنا

احناف کے نزدیک خون نکل کر بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کی بسند صحیح روایت ہے "حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: نا عَلِيُّ بنُ صَالِحٍ، وَإِسرَائِيلُ، عَن إِسحَاقَ، عَن عَاصِمِ بنِ ضَمرَةَ، عَن عَلِيٍّ، قَالَ: إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُم فِي بَطنِهِ ذَرًّا، أَو قَيئًا، أَو رُعَافًا، فَليَنصَرِف، فَليَتَوَضَّأُ، ثُمَّ لِيَبنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَم يَتَكَلَّم" ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں گڑبڑ محسوس کرے یا قے آئے یا نکسیر پھوٹ جائے تو وہ نماز سے پھر جائے اور جا کر وضو کرے پھر واپس آکر وہی سے نماز شروع کرے جبکہ کوئی کلام نہ کیا ہو۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب صلوٰۃ العیدین، فی الذی یقیء أو یرعف فی الصلاۃ، جلد2، صفحہ13، مکتبۃ الرشد، الریاض)

سنن الدارقطنی میں ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدارقطنی (المتوفی 385ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ إِسمَاعِيلَ الفَارِسِيُّ، نا مُوسَى بنُ عِيسَى بنِ المُنذِرِ، نا أَبِي، نا بَقِيَّةُ، عَن يَزِيدَ بنِ خَالِدٍ، عَن يَزِيدَ بنِ مُحَمَّدٍ، عَن عُمَرَ بنِ عَبدِ العَزِيزِ، قَالَ: قَالَ تَمِيمٌ الدَّارِيُّ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: الوُضُوءُ مِن كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ" ترجمہ: حضرت تمیم داری سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر بہہ کر نکلنے والے خون پر وضو ہے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطھارۃ، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقیء والحجامۃ ونحوہ، جلد1، صفحہ 287، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

دوسری مرسل حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْفَارِسِيُّ ،وَعُثْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ الدَّقَّاقُ ،قَالَا:نا يَحْيَى بْنُ أَبِي طَالِبٍ ،نا عَبْدُ الْوَهَّابِ ،أنا ابْنُ جُرَيْجٍ،عَنْ أَبِيهِ،عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَنْ وَجَدَ رُعَافًا، أَوْ قَيْئًا،أَوْ مَذْيًا،أَوْ قَلْسًا فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيُتِمَّ عَلَى مَا مَضَى مَا بَقِيَ وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ يَتَّقِي أَنْ يَتَكَلَّمَ" ترجمہ:ابن جریج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کی نکسیر پھوٹ جائے یا اسے قے آئے یا مذی آئے تو وہ وضو کرے پھر نماز کا جو حصہ گزر گیا اسے پڑھے پھر جو باقی رہ جائے وہ پڑھے۔ یہ سب اس صورت میں ہے جب اس نے (وضو ٹوٹنے سے لے کر وضو کر کے دوبارہ نماز میں شامل ہونے تک) کسی سے کلام نہ کیا ہو۔

(سنن الدارقطنی ،کتاب الطھارۃ،باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقیء والحجامۃ ونحوہ،جلد1،صفحہ 284،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ایک اور روایت میں ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ الْخَالِقِ ،نا أَبُو عُلَاثَةَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ خَالِدٍ ،نا أَبِي،نا ابْنُ سَلَمَةَ ،عَنِ ابْنِ أَرْقَمَ،عَنْ عَطَاءٍ،عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَعَفَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَغْسِلْ عَنْهُ الدَّمَ ،ثُمَّ لِيُعِدْ وُضُوءَهُ وَيَسْتَقْبِلُ صَلَاتَهُ .سُلَيْمَانُ بْنُ أَرْقَمَ مَتْرُوكٌ" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی کی نماز میں نکسیر پھوٹ جائے تو وہ نماز سے پھرے اور جا کر خون کو دھوئے پھر وضو کرے اور اپنی نماز پڑھے۔ سلیمان بن ارقم متروک ہیں۔

(سنن الدارقطنی ،کتاب الطھارۃ،باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقیء والحجامۃ ونحوہ،جلد1،صفحہ 278،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

سنن الدارقطنی میں ایک اور روایت ہے "حَدَّثَنَا الْقَاضِي الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ،نا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ،قَالَ: وَنا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَتْحِ الْقَلَانِسِيُّ ،نا مُحَمَّدُ بْنُ الْخَلِيلِ ،قَالَا:نا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ ،نا هُرَيْمٌ،عَنْ عَمْرٍو الْقُرَشِيِّ،عَنْ أَبِي هَاشِمٍ،عَنْ زَاذَانَ،عَنْ سَلْمَانَ،قَالَ:رَآنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ سَالَ مِنْ أَنْفِي دَمٌ ،فَقَالَ:أَحْدِثْ وُضُوءًا" ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ میری ناک سے خون بہا تو آپ نے وضو ٹوٹنے کا فرمایا۔

(سنن الدارقطنی ،کتاب الطھارۃ،باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقیء والحجامۃ ونحوہ،جلد1،صفحہ285،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

الطھور للقاسم بن سلام میں ابو عُبید القاسم بن سلّام بن عبد اللہ الھروی البغدادی (المتوفی 224ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ:أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ قَالَ:ثنا حَجَّاجٌ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ سَلَّامٍ،عَنْ عُبَيْدَةَ بْنِ حَسَّانَ، وَحَمْزَةَ بْنِ يَسَارٍ، يَرْوِيَانِ الْحَدِيثَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ:يُعَادُ الْوُضُوءُ مِنْ سَبْعٍ:مِنْ إِقْطَارِ بَوْلٍ،أَوْ قَيْءٍ

ذَارِعٍ،أَوْ دَمٍ سَائِلٍ ،أَوْ نَوْمٍ مُضْطَجِعٍ ،أَوْ دَسْعَةٍ تَمْلَأُ الْفَمَ ،أَوْ قَهْقَهَةٍ فِي صَلَاةٍ ،أَوْ حَدَثٍ" ترجمہ:حضرت عبیدہ بن حسان اور حمزہ بن یسار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا:سات صورتوں میں وضو کا اعادہ کیا جائے گا: پیشاب کے قطروں سے،قصداً قے کرنے سے،خون بہنے سے،کروٹ کے بل سونے سے،منہ بھر قے سے،نماز میں قہقہہ لگانے سے یا حدث سے۔

(الطہور للقاسم بن سلام،صفحہ402،مکتبۃ الصحابۃ،جدۃ)

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت عمر فاروق اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ثابت کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ان تمام احادیث کو ضعیف بھی مانیں تو یہ اول الذکر مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبد الرزق کی صحیح حدیث پاک کی تائید میں ہیں۔

وہابیوں کے نزدیک خون نکلنے پر وضو نہیں ٹوٹتا ان کا موقف آگے آرہا ہے۔

## نماز میں قہقہہ لگانا

احناف کے نزدیک نماز میں آواز کے ساتھ ہنسنے پر نماز اور وضو ٹوٹ جائے گا۔معرفۃ السنن والآثار میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) بسند صحیح روایت کرتے ہیں" أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ، وَأَبُو بَكْرٍ الْقَاضِي، وَأَبُو زَكَرِيَّا الْمُزَكِّي، قَالُوا:حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ قَالَ:أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ قَالَ:أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ قَالَ:أَخْبَرَنَا الثِّقَةُ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ:أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ رَجُلًا ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ" ترجمہ:حضرت ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے نماز میں قہقہہ لگایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کو نماز اور وضو لوٹانے کا حکم دیا۔

(معرفۃ السنن والآثار،کتاب الطہارۃ،الوضوء من الکلام والضحک فی الصلاۃ،جلد1،صفحہ432،دار الوفاء (المنصورۃ ،القاہرۃ)

اس کے شواہد بھی ہیں چنانچہ سنن الدارقطنی میں ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدارقطنی (المتوفی 385ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "فَحَدَّثَنَا بِهِ أَبُو هُرَيْرَةَ الْأَنْطَاكِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حَمْزَةَ،نا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى،نا أَيُّوبُ،نا الْهَيْثَمُ بْنُ جَمِيلٍ ،نا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْحُصَيْنِ ،عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ،عَنِ الْحَسَنِ ،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِذَا قَهْقَهَ أَعَادَ الْوُضُوءَ وَأَعَادَ الصَّلَاةَ" ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جب کوئی (نماز میں) قہقہہ لگائے تو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

(سنن الدارقطنی،کتاب الطہارۃ،باب أحادیث القہقہۃ فی الصلاۃ وعللہا،جلد1،صفحہ301، مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

معجم ابن الأعرابی میں ابوسعید بن الأعرابی احمد البصری الصوفی (المتوفی 340ھ) روایت کرتے ہیں "نا مُحَمَّدٌ، نا ابْنُ قُتَيْبَةَ، نا عُمَرُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَهْقَهَ أَعَادَ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ" ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی (نماز میں) قہقہہ لگائے تو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

(معجم ابن الأعرابی، جلد1، صفحہ251، دار ابن الجوزی، المملكة العربية السعودية)

سنن الدارقطنی کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، نا أَبُو الْأَزْهَرِ، نا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، نا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ أَرْقَمَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ مَنْ ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ" ترجمہ: حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں قہقہہ لگانے پر حکم دیا کہ وضو اور نماز کا اعادہ کیا جائے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطهارة، باب أحاديث القهقهة فی الصلاة وعللها، جلد1، صفحہ304، مؤسسة الرسالة، بيروت)

اس مسئلہ میں مشہور حدیث ہے کہ ایک نابینا صحابی کنویں میں گر گئے تو صحابہ کرام کا نماز میں قہقہہ نکل گیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا چنانچہ السنن الکبریٰ للبیہقی میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) بسند صحیح مرسل روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو سَعْدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصُّوفِيُّ، نا أَبُو أَحْمَدَ بْنُ عَدِيٍّ، ثنا ابْنُ صَاعِدٍ، ثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، ثنا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ: أَنَّ رَجُلًا أَعْمَى جَاءَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ فَتَرَدَّى فِي بِئْرٍ، فَضَحِكَ طَوَائِفُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحِكَ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ، فَهَذَا حَدِيثٌ مُرْسَلٌ، وَمَرَاسِيلُ أَبِي الْعَالِيَةِ لَيْسَتْ بِشَيْءٍ كَانَ لَا يُبَالِي عَمَّنْ أَخَذَ حَدِيثَهُ كَذَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، وَإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، وَالزُّهْرِيِّ مُرْسَلًا" ترجمہ: حضرت ابو عالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نابینا صحابی آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں تھے۔ وہ نابینا صحابی کنویں میں گر گئے تو صحابہ کرام کے گروہ کی (نماز میں) ہنسی نکل آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا جس نے قہقہہ لگایا وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ابو عالیہ کی مراسیل کوئی شے نہیں ہے، انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کس سے حدیث لے رہے ہیں جیسا کہ محمد بن سرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ اسی طرح انہوں نے حسن بصری، ابراہیم نخعی اور زہری سے مرسل روایت کی ہے۔

(السنن الکبری، کتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القهقهة فی الصلاة، جلد1، صفحه226، دار الکتب العلمیة، بیروت)

یہاں ابو عالیہ پر کلام کیا گیا ہے جبکہ ابو عالیہ ایک ثقہ راوی ہے اور تابعین میں سے ہیں۔ الوافی بالوفیات میں صلاح الدین خلیل بن ایبک بن عبداللہ الصفدی (المتوفی 764ھ) لکھتے ہیں "أَبُو الْعَالِيَة رفيع بن مِهْرَان أَبُو الْعَالِيَة الرِّيَاحِي الْبَصْرِيّ مولى امْرَأَة بنی رِيَاح أدْرك عصر النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَأسلم بعد سِنِين من وَفَاته روى عَن أبي بكر فِيمَا قيل وَعمر وَعلي وَابْن مَسْعُود وَغَيرهم وروى عَنهُ قَتَادَة وَدَاوُد بن أبي هِنْد وثابت الْبنانِيّ وَمُحَمّد بن وَاسع وَغَيرهم قَالَ أَحْمد الْعجلِيّ أَبُو الْعَالِيَة بَصرِي تَابِعِيّ ثِقَة من كبار التَّابِعين" یعنی ابو عالیہ رفیع بن مہران نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا اور حضور علیہ السلام کے وصال کے دو سال بعد اسلام قبول کیا۔ انہوں نے حضرت ابو بکر اور کہا گیا کہ عمر فاروق، علی المرتضیٰ، ابن مسعود و غیرہ صحابہ کرام سے روایت کیا اور ان سے قتادہ، داؤد بن ابی ہند، ثابت بنانی، محمد بن واسع وغیرہ نے روایت کیا۔ احمد عجلی نے فرمایا ابو عالیہ بصری تابعی اکابر تابعین میں سے ثقہ ہیں۔

(الوافی بالوفیات، جلد14، صفحه93، دار إحیاء التراث، بیروت)

اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب میں جمال الدین ابو محمد علی الأنصاری الخزرجی المنبجی (المتوفی 686ھ) لکھتے ہیں "وَأما أَبُو الْعَالِيَة فَهُوَ عدل ثِقَة وَقد اتّفق على إرْسَال هَذَا الحَدِيث معمر، وَأَبُو عوَانَة، وَسَعِيد بن أبي عرُوبَة، وَسَعِيد بن أبي بشير، فَرَوَوْه عَن قَتَادَة، عَن أبي الْعَالِيَة، وتابعهم عَلَيْهِ ابْن أبي الذَّيَّال، وَهَؤُلَاء خمس ثِقَات، فَإِن صَحَّ عَن أبي الْعَالِيَة أَنه كَانَ لَا يُبَالِي من أَيْن (أَخذ) الحَدِيث، قُلْنَا لكنه إِذا أرسل الحَدِيث لَا يُرْسِلهُ إِلَّا عَمَّن تقبل رِوَايَته، لِأَن الْمَقْصُود من رِوَايَة الحَدِيث لَيْسَ إِلَّا التَّبْلِيغ عَن رَسُول الله (صلى الله عَلَيْهِ وَسلم)، وخاصة إِذا تضمن حكما شَرْعِيًّا، فَإِذا أرسل الحَدِيث وَلم يذكر من أرْسلهُ عَنهُ مَعَ علمه أَو ظَنّه بِعَدَمِ عَدَالَته، كَانَ غاشا للْمُسلمين، وتاركا لنصيحتهم، فتسقط عَدَالَته، وَيدخل فِي قَوْله عَلَيْهِ السَّلَام: من غش فَلَيْسَ منا. وَقد ثبتَتْ عَدَالَته، وَرَوَاهُ الثِّقَات عَنهُ مُرْسلا فَدلَّ على أَنه أرْسلهُ عَن عدل" ترجمہ: ابو عالیہ عادل ثقہ ہیں اور تحقیق اس حدیث کے مرسل ہونے پر اتفاق کیا معمر، ابو عوانہ، سعید بن ابی عروبہ، سعید بن ابی بشیر نے، انہوں نے روایت کیا قتادہ، ابو عالیہ سے اور ان کی متابعت کی ابو ذیال نے اور یہ پانچوں ثقہ ہیں۔ اگر ابو عالیہ کے متعلق یہ قول صحیح ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے حدیث لیتے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ جب ابو عالیہ ارسال کرتے ہیں تو وہ صرف اس سے کرتے ہیں جس کی روایت قبول کی جاتی ہے اس لئے کہ روایتِ حدیث میں مقصود فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو پہچانا ہوتا ہے خاص طور پر جب وہ حکم شرعی کو متضمن ہو۔ تو

جب حدیث کوارسال کیا جائے اور علم ہونے کے باوجود یہ ذکر نہ کیا جائے کہ کس سے ارسال کیا یا اس راوی کے غیر عادل ہونے کے باوجود ارسال کیا جائے تو یہ دھوکہ اور نصیحت کو چھوڑنا ہے اور ایسا کرنے والے کی عدالت ساقط ہوتی ہے اور وہ اس فرمان میں داخل ہو جاتا ہے: جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ تو ابو عالیہ کی عدالت ثابت ہے اور انہوں نے جو مرسل روایت کی ہے وہ ثقہ راویوں سے ہی کی ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ وہ عادل راوی سے ارسال کرتے ہیں۔

(اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، باب القهقهة تنقض الوضوء، جلد1، صفحہ116، دار القلم، بیروت)

ابو عالیہ کی اس حدیث کے کئی شواہد ہیں چنانچہ السنن الکبریٰ میں ہے "أَخبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عُمَرَ بْنِ حَفْصٍ الْمُقْرِءُ بِبَغْدَادَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، ثنا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ، ثنا عَلِيُّ بْنُ عَاصِمٍ، ثنا هِشَامٌ يَعْنِي ابْنَ حَسَّانَ، عَنِ الْحَسَنِ :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَدَخَلَ أَعْمَى فَتَرَدَّى فِي بِئْرٍ كَانَتْ فِي الْمَسْجِدِ، فَضَحِكَ طَوَائِفُ مَنْ كَانَ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاتِهِمْ، فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ مَنْ كَانَ ضَحِكَ أَنْ يُعِيدَ وُضُوءَهُ، وَيُعِيدَ صَلَاتَهُ" ترجمہ: حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا صحابی داخل ہوئے اور وہ مسجد کے کنویں میں گر گئے۔ صحابہ کرام کی ایک گروہ کی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اس پر (ناچاہتے ہوئے) ہنسی نکل گئی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا تو حکم دیا کہ جو ہنسا ہے وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

(السنن الکبری، کتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القهقهة فی الصلاة، جلد1، صفحہ227، دار الکتب العلمیة، بیروت)

دوسری روایت میں ہے "أَخبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ، ثنا عَلِيُّ بْنُ عُمَرَ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، ثنا عَلِيُّ بْنُ حَرْبٍ، ثنا أَبُو مُعَاوِيَةَ، ثنا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ فَعَثَرَ فَتَرَدَّى فِي بِئْرٍ، فَضَحِكُوا فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحِكَ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک نابینا صحابی آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں تھے، وہ نابینا صحابی پھسلے اور کنویں میں گر گئے۔ صحابہ کرام اس پر ہنسے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہنسنے والوں کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔

(السنن الکبری، کتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القهقهة فی الصلاة، جلد1، صفحہ228، دار الکتب العلمیة، بیروت)

ان سب سے بڑھ کر یہی حدیث صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے چنانچہ مجمع الزوائد

کی حدیث پاک ہے "وَعَنْ أَبِی مُوسَی قَالَ: بَیْنَمَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَتَرَدَّی فِی حُفْرَۃٍ کَانَتْ فِی الْمَسْجِدِ وَکَانَ فِی بَصَرِہِ ضَرَرٌ فَضَحِکَ کَثِیرٌ مِنَ الْقَوْمِ وَھُمْ فِی الصَّلَاۃِ فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحِکَ أَنْ یُعِیدَ الْوُضُوءَ وَیُعِیدَ الصَّلَاۃَ. رَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْکَبِیرِ وَرِجَالُہُ مُوَثَّقُونَ وَفِی بَعْضِھِمْ خِلَافٌ" ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ جب ایک شخص داخل ہوا اور وہ کنویں میں گر گیا اور وہ کنواں مسجد میں تھا اور وہ صحابی نابینا تھے۔ اس پر کئی صحابہ کرام ہنس پڑے جو کہ نماز میں تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جو ہنسے ہیں وہ وضو اور نماز کا اعادہ کریں۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور بعض میں خلاف ہے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب الصلوۃ، باب الضحک والتبسم فی الصلاۃ، جلد2، صفحہ 236، دار الفکر، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک الٹی آنے، خون نکلنے اور نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ وہابی جو دلائل دیتے ہیں، ان کے دلائل اور اس کا جوابات یوں ہیں:۔ وہابیوں کی اول دلیل: "ما رواہ الدارقطنی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: احتجم وصلی ولم یتوضأ" یہ امام دارقطنی نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پچھنا لگوایا اور بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔

یہ حدیث ضعیف ہے کہ اس میں صالح بن مقاتل ضعیف راوی ہے چنانچہ تاریخ بغداد میں ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) لکھتے ہیں "صالح بن مقاتل بن صالح الأعور حدث عن أبیہ. روی عنہ أبو الطیب أحمد بن محمد بن إسماعیل المنادی، وأبو سھل بن زیاد، وعبد الباقی بن قانع القاضی. وذکرہ الدارقطنی فقال: لیس بقوی" یعنی امام دارقطنی نے صالح بن مقاتل بن صالح کے متعلق فرمایا یہ قوی نہیں ہیں۔

(تاریخ بغداد، جلد10، صفحہ438، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے دوسرا علمائے احناف نے فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کا فعل ہے اور احناف کے جو دلائل ہیں ان میں حضور علیہ السلام کا قول ہے اور علم حدیث میں قول فعل سے مقدم ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس میں احتجام سے مراد پچھنے لگوانا نہیں بلکہ بال کٹوانا، ناخن کاٹنا ہیں اور یہ دونوں صورتیں نواقض وضو نہیں ہیں۔

تیسرا یہ کہ جب دونوں روایتوں میں تعارض ہو تو عبادت کے باب میں زیادہ احتیاط یہ ہے کہ وضو ٹوٹنے والی روایت کو ترجیح دی جائے۔

وہابیوں کی دوسری دلیل: امام دار قطنی نے حدیث پاک روایت کی کہ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی "یَا رَسُولَ اللّٰہِ أَفَرِیضَةٌ الْوُضُوءُ مِنَ الْقَیْءِ؟قَالَ:لَوْ کَانَ فَرِیضَةً لَوَجَدْتُهُ فِی الْقُرْآنِ" ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا الٹی کے بعد وضو کرنا فرض ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر یہ فرض ہوتا تو میں اسے قرآن میں پاتا۔

یہ حدیث بھی ضعیف ہے کہ اس عتبہ بن السکن ضعیف ہے چنانچہ الضعفاء والمتروکون میں جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی 597ھ) "عتبة بن السكن يروى عن الأوزاعی قال الدارقطنی منكر الحديث متروك الحديث" ترجمہ: عتبہ بن السکن نے اوزاعی سے روایت کیا۔ امام دار قطنی نے کیا یہ منکر الحدیث، متروک الحدیث ہے۔

(الضعفاء والمتروکون، جلد2، صفحہ166، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے دوسرا اس سے مراد یہ ہے کہ جو قے منہ بھر نہ ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تیسرا یہ کہ اس سے مراد نماز کے علاوہ وضو کرنا ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ قے آئے تو وضو کرنا فرض ہو جائے اگرچہ نماز نہ پڑھنی ہو۔

وہابیوں کی تیسری دلیل: "رواه أبو داود أن أنصاريا رمى فى فيه فى غزوة ذات الرقاع، فنزعه حتى رمى ثلاثة أسهم وهو فى الصلاة فلم يقطعها فلما فرغ من صلاته نبه صاحبه المهاجرى ما بالأنصارى من الدماء قال:سبحان الله هلا نبهتنى أول ما رميت؟ فقال: كنت فى سورة أقرؤها فلم أحب أن أقطعها" یعنی امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ غزوہ ذات الرقاع میں انصاری صحابہ کو نماز میں تین تیر لگے لیکن انہوں نے اپنی نماز نہیں توڑی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو مہاجر صحابی نے ان سے خون کا پوچھا اور کہا سبحان اللہ آپ نے مجھے پہلا تیر لگتے ہی کیوں نہیں بتایا؟ انصاری صحابی نے کہا میں نے سورت شروع کی تھی اور میں نے پسند نہیں کیا کہ اسے توڑ دوں۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ وہابیوں کے نزدیک صحابی کا فعل حجت نہیں ہے اور اس روایت میں یہ فقط ایک صحابی کا فعل ہے، لہٰذا یہ حدیث وہابیوں کے لئے دلیل نہیں۔ دوسرا یہ کہ خون نکلنے پر وضو ٹوٹنے پر حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اور کثیر صحابہ کرام کا مذہب ہے اور یہاں فقط ایک صحابی کا عمل ہے جسے ہوسکتا ہے اس حکم کا پتہ نہ ہو۔ تو ظاہری بات ہے وضو ٹوٹنے والی احادیث کو ترجیح دی جائے گی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ صحابی رسول اپنے ذوق میں نماز پڑھتے رہے انہیں یہ پتہ نہیں چلا کہ خون بہہ چکا ہے۔

# ☆---کتاب الصلوٰۃ---☆

## نماز چھوڑنے والا کافر ہے یا نہیں؟

احناف کے نزدیک قصداً بلا عذر شرعی نماز ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے لیکن یہ کفر نہیں ہے۔ احناف کی دلیل ابوداؤد شریف کی یہ صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ الْوَاسِطِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ هَارُونَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصُّنَابِحِيِّ، قَالَ: زَعَمَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، فَقَالَ: عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ (حكم الألباني): صحيح" ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو محمد نے کہا کہ وتر واجب ہے اس پر عبادہ بن صامت نے کہا کہ ابو محمد کا خیال غلط ہے۔ (عبادہ بن صامت) کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے (صرف) پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو ان کے لیے اچھی طرح وضو کرے گا اور وقت میں نماز ادا کرے گا۔ اطمینان سے رکوع کرے گا اور نماز میں خشوع اختیار کرے گا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی مغفرت فرمائے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا اس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ چاہے تو بخش دے گا اور چاہے گا تو عذاب دے گا۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن أبي داود، كتاب الصلوٰة، باب في المحافظة على وقت الصلوات، جلد1، صفحه115، المكتبة العصرية، بيروت)

مزید سنن ابی داود میں ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السِّجِستانی (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي كِنَانَةَ يُدْعَى الْمُخْدَجِيَّ، سَمِعَ رَجُلًا بِالشَّامِ يُدْعَى أَبَا مُحَمَّدٍ، يَقُولُ: إِنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، قَالَ الْمُخْدَجِيُّ: فَرُحْتُ إِلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ عُبَادَةُ: كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ، فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ، كَانَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ (حكم

الألبانی):صحیح"ترجمہ:حضرت محیریز سے مروی ہے کہ بنی کنانہ کے مخدجی نامی ایک شخص نے ابومحمد نام کے ایک شخص سے شام میں سنا تھا کہ وتر واجب ہے مخدجی کا بیان ہے کہ میں یہ سن کر حضرت عبادہ بن صامت کے پاس گیا اوران سے ابومحمد کا قول بیان کیا حضرت عبادہ نے فرمایا ابومحمد نے غلط کہا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پرصرف پانچ نمازیں فرض کی ہیں جوان کوادا کرے گا اوران کو غیر اہم نہ سمجھے گا تو اللہ تعالیٰ کا اس سے وعدہ ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور جوان نمازوں کوادانہیں کرے گا اوران کو غیر اہم سمجھے گا تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی وعدہ نہیں ہے اگر چاہے تو (نافرمانی پر) عذاب دے گا اور چاہے گا تو (اپنی رحمت خاص سے) اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن أبی داود، کتاب الصلوٰۃ،باب فیمن لم یوتر،جلد2،صفحہ62، المکتبۃ العصریۃ،بیروت)

یہاں نماز چھوڑنے والے کو کافر نہیں کہا بلکہ واضح فرمادیا کہ رب تعالیٰ کی مرضی ہے اسے نماز چھوڑنے پر عذاب دے یا بخش دے۔اگر نماز چھوڑنے سے کفر ثابت ہوتا تو پھر معافی کی کوئی گنجائش نہ ہوتی کہ اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں واضح کردیا کہ کفروشرک قیامت والے دن معاف نہیں ہوگا چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔ (سورۃ النساء،سورۃ4،آیت48)

الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد علی مذھب السلف واصحاب الحدیث میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابوبکر البیہقی (المتوفی458ھ) روایت کرتے ہیں"أَخبَرَنا أَبُو القَاسِمِ عَبدُ الرَّحمَنِ بنُ عَلِیِّ بنِ حَمدَانَ الفَارِسِیُّ، فِی آخَرِینَ قَالُوا، أنا أَبُو عَمرٍو السُّلَمِیُّ، أنا أَبُو مُسلِمٍ ثنا الأَنصَارِیُّ، قَالَ، ثنا هِشَامُ بنُ حَسَّانَ، قَالَ: کُنَّا عِندَ مُحَمَّدِ بنِ سِیرِینَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ ﴿وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ﴾ (النساء 93)حَتَّى خَتَمَ الآیَةَ قَالَ:فَغَضِبَ مُحَمَّدٌ وَقَالَ:أَینَ أَنتَ عَن هَذِهِ الآیَةِ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾ (النساء 48)قُم عَنِّی، اخرُج عَنِّی، قَالَ:فَأُخرِجَ" ترجمہ:ہشام بن حسان نے فرمایا: ہم محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی: اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اوراس پر لعنت کی اوراس کے لئے تیار رکھا بڑا عذاب۔امام ابن سیرین اس پر غضب میں آئے اور فرمایا اس آیت کے متعلق تو کیا کہتا ہے: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے

جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔اس کے بعد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے کہا میرے پاس سے اٹھ اور چلا جا۔

(الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث، صفحه 187، دار الآفاق الجديدة، بيروت)

اس روایت میں حضرت ابن سیرین نے صراحت کی کہ شرک کے علاوہ اللہ عزوجل کوئی بھی کبیرہ گناہ ہو یہاں تک کہ قتل کا گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔

وہابیوں کے نزدیک قصداً نماز ترک کرنے والا کافر ہے چنانچہ وہابی مولوی عبدالخالق صدیقی لکھتا ہے ''قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ ترکِ نماز کفر ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "بین الکفر والایمان ترک الصلوٰۃ" ایمان اور کفر کے درمیان فرق نماز کا ترک کرنا ہے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بھی ترکِ نماز کفر ہے۔''

(نماز مصطفی ﷺ، صفحه 107، 108، مرکز تعاونی دعوت والارشاد)

یہاں وہابی مولوی صاحب نے بغیر دلیل دعویٰ کیا ہے کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک بھی نماز ترک کرنے والا کافر ہے حالانکہ خود وہابیوں کے بڑے مولوی محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی الیمنی (المتوفی 1250ھ) نے نیل الاوطار میں لکھا ہے "وَإِنْ كَانَ تَرْكُهُ لَهَا تَكَاسُلًا مَعَ اعْتِقَادِهِ لِوُجُوبِهَا كَمَا هُوَ حَالُ كَثِيرٍ مِنَ النَّاسِ، فَقَدْ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ، فَذَهَبَتِ الْعِتْرَةُ وَالْجَمَاهِيرُ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ، مِنْهُمْ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ إِلَى أَنَّهُ لَا يَكْفُرُ بَلْ يَفْسُقُ"

ترجمہ: اگر نماز کے وجوب کا اعتقاد رکھتے ہوئے سستی کی وجہ سے نماز ترک کی جیسا کہ کثیر لوگوں کا حال ہے تو اس کے متعلق علماء نے اختلاف کیا تو اگلے پچھلوں میں سے جمہور بڑے علماء جن میں سے امام مالک اور شافعی بھی ہیں اس طرف گئے ہیں کہ ایسے شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ تفسیق کی جائے گی۔

(نيل الأوطار، كتاب الصلوٰة، باب حجة من كفر تارك الصلاة، جلد1، صفحه 362، دار الحديث، مصر)

بلاشبہ صدہا صحابہ کرام وتابعین عظام ومجتہدین اعلام وائمہ اسلام علیہم الرضوان کا یہی مذہب ہے کہ قصداً تارکِ صلاۃ کافر ہے اور یہی متعدد صحیح حدیثوں میں منصوص اور خود قرآن کریم سے مستفاد ہے۔ پچھلے زمانہ میں خصوصاً شروع دور میں منافق بھی نماز نہیں چھوڑتا اور نماز نہ پڑھنا کفر کی علامت سمجھی جاتی تھی جیسے موجودہ دور میں اگر کوئی صلیب پہنے تو لوگ اسے عیسائی سمجھیں گے یا قشقہ لگائے تو لوگ اسے ہندو سمجھیں گے اس لئے یہ عمل کفر ہے۔ اب وہ زمانہ خیر گزر گیا اور لوگوں میں سستی آئی تو ہر مومن کی علامت نمازی ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترکِ نماز فی نفسہ کفر نہیں جب تک اُسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا

فرضیتِ نماز سے منکر نہ ہو، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔حدیث پاک میں جو حضور علیہ السلام نے نماز چھوڑنے کو کفر کہا ہے اس کے متعلق علمائے احناف نے فرمایا اس فرمان کا مطلب ہے جو نماز کو فرض نہ سمجھ کر چھوڑے وہ کافر ہے یا اس کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے جیسا کہ عرب میں لفظ ''کفر'' کفرانِ نعمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔عمدۃ القاری میں ابومحمد محمود بن احمد بدرالدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ نماز چھوڑنے پر بندہ کافر نہیں ہوتا۔مزید اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں" وقوله من ترك صلاة متعمدا فقد كفر محمول على الزجر والوعيد أو مؤول أى إذا كان مستحلا أو المراد كفران النعمة" ترجمہ:حدیث کہ جس نے قصداً نماز ترک کی وہ کافر ہوگیا۔یہ حدیث زجر اور وعید پر محمول ہے یا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو نماز نہ پڑھنے کو حلال سمجھے وہ کافر ہوگیا یا کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے۔ (عمدة القارى ،كتاب الايمان،باب دعائو كم ايمانكم،جلد1،صفحه120،دار إحياء التراث العربى ،بيروت)

حاشیۃ السندی علی سنن النسائی میں محمد بن عبدالہادی التتوی ابوالحسن نورالدین السندی (المتوفی 1138ھ) اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں"وقيل يخاف عليه أن يؤديه إلى الكفر " ترجمہ:یہ بھی کہا گیا کہ نماز کا ترک کرنا کفر نہیں بلکہ کفر کی طرف لے جانے کا خوف ہے۔ (حاشية السندى على النسائى ، جلد1،صفحه231،مكتب المطبوعات الإسلامية ،حلب)

وہابی مولوی مبارکفوری احناف کی موقف کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے"إن الكفر نوعان: كفر بالله، وله أربعة أقسام: كفر إنكار، وجحود، وعناد، ونفاق، على ما قاله الأزهرى، و كفر بغير الله، وهو كفر دون كفر، أى مغاير للكفر بالله، فالأول مخرج من الملة موجب للخلود، والثانى موجب للفسوق فقط غير موجب للخلود، مثلاً الرجل يقر بالوحدانية والنبوة بلسانه ويعتقد ذلك بقلبه لكنه يرتكب الكبائر من القتل والسعى فى الأرض بالفساد و كفران الحقوق والنعم ونحو ذلك، ويوجد فى ذلك صحة تأويل الأحاديث التى أطلق فيه الكفر على الكبائر مثل قوله:وقتاله كفر ، وقوله"من ترك الصلاة متعمداً فقد كفر" وغير ذلك" ترجمہ:کفر کی دو قسمیں ہیں: (1) اللہ عزوجل کے ساتھ کفر۔اس کی چار قسمیں ہیں:۔انکار،جحود،عناد،نفاق،جیسا کہ علامہ ازہری نے فرمایا ہے۔(2) اللہ عزوجل کے علاوہ کفر۔یہ پہلے کفر کے علاوہ کفر ہے یعنی یہ رب تعالیٰ کے ساتھ کفر نہیں۔پہلا کفر اسلام سے نکال دیتا ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہنے کا موجب ہے اور دوسرا کفر فسق کا موجب ہے فقط ہمیشہ جہنم میں رہنے سبب نہیں۔مثلا ایک شخص اللہ عزوجل کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے،زبان سے نبوت کا اقرار کرتا ہے اور دل میں اس کا اعتقاد رکھتا ہے،لیکن کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہے

جیسے قتل، زمین میں فساد کرنا، حقوق ونعمتوں کا منکر ہونا وغیرہ۔ اسی طرح ان احادیث کی تاویل کی جائے گی جہاں کبیرہ گناہ پر کفر کا لفظ آیا ہے جیسے حضور علیہ السلام نے مسلمان کے متعلق فرمایا ''اس کا قتل کرنا کفر ہے'' اسی طرح فرمایا ''جس نے قصداً نماز چھوڑی اس نے کفر کیا'' اسی طرح اور احادیث میں (جو لفظ کفر آیا ہے اس میں تاویل ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں پر آیا ہے۔)

(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، جلد1، صفحه 82، ادارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء، بنارس الهند)

## نمازِ فجر کا وقت

احناف کے نزدیک فجر کی نماز روشنی میں پڑھنا مستحب ہے۔ یعنی اسفار میں جب خوب اُجالا ہو زمین روشن ہو جائے تو شروع کرے۔ مگر ایسا وقت ہونا مستحب ہے کہ چالیس سے ساٹھ آیت تک ترتیل کے ساتھ پڑھ سکے پھر سلام پھیرنے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر نماز میں فساد ظاہر ہو تو طہارت کر کے ترتیل کیساتھ چالیس سے ساٹھ آیت تک دوبارہ پڑھ سکے اور اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ طلوع آفتاب کا شک ہو جائے۔ حاجیوں کے لئے مزدلفہ میں نہایت اوّل وقت میں فجر پڑھنا مستحب ہے۔

احناف کی دلیل ترمذی شریف کی حسن حدیث پاک ہے ''حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَسْفِرُوا بِالفَجْرِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلأَجْرِ. وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ، وَالثَّوْرِيُّ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ. وَرَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ أَيْضًا، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ. وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ، وَجَابِرٍ، وَبِلَالٍ. حَدِيثُ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رَأَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ: الإِسْفَارَ بِصَلَاةِ الفَجْرِ. وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: مَعْنَى الإِسْفَارِ: أَنْ يَضِحَ الفَجْرُ فَلَا يُشَكَّ فِيهِ وَلَمْ يَرَوْا أَنَّ مَعْنَى الإِسْفَارِ: تَأْخِيرُ الصَّلَاةِ'' ترجمہ: رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کی نماز روشنی میں پڑھو کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔ اس حدیث کو شعبہ اور ثوری نے محمد بن اسحاق سے اور محمد بن عجلان نے بھی اس حدیث کو عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے۔ اس باب میں ابو برزہ اور جابر اور بلال سے بھی روایات مذکور ہیں۔ (امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں) رافع خدیج کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر اہل علم صحابہ وتابعین میں سے کہتے ہیں کہ فجر کی نماز روشنی میں پڑھی جائے اور یہی قول ہے سفیان ثوری کا۔ امام شافعی اور امام احمد اور اسحاق فرماتے ہیں کہ اسفار کا معنی یہ ہے کہ فجر واضح ہو جائے اور اس میں شک نہ رہے اس میں اسفار کے معنی یہ

نہیں ہے کہ دیر سے نماز پڑھی جائے۔

(سنن الترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ما جاء فی الإسفار بالفجر، جلد1، صفحہ223، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

احناف کی اس دلیل کے متعلق وہابی مولوی لکھتا ہے: ''اس کی سند میں امام مغازی محمد بن اسحاق راوی ہیں جو فریق ثانی کے نزدیک دجال وکذاب ہے۔'' (حدیث اور اہل تقلید، جلد1، صفحہ442، مکتبہ اہل حدیث فیصل آباد)

بعض محدثین نے ان کا رد کیا ہے جنہوں نے محمد بن اسحاق پر جرح کی ہے۔ علماء نے صراحت کی ہے کہ محمد بن اسحاق حسن کے درجہ میں ہیں چنانچہ تاریخ بغداد میں ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) لکھتے ہیں حضرت ابن غلابی فرماتے ہیں "سألت یحیی بن معین عن محمد بن إسحاق، فقال: کان ثقة، و کان حسن الحدیث" ترجمہ: میں نے یحیٰ بن معین سے محمد بن اسحاق کے متعلق سوال کیا تو انہیں نے فرمایا وہ ثقہ تھے اور انکی حدیث حسن ہے۔ (تاریخ بغداد، جلد2، صفحہ 7، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

اس کے علاوہ اور کئی احادیث سے ثابت ہے کہ فجر روشنی میں پڑھی جائے چنانچہ سنن النسائی میں ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا عُبَیْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِیدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا یَحْیَی، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنِی عَاصِمُ بْنُ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِیدٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیجٍ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ (حکم الألبانی) حسن صحیح" ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فجر روشنی میں پڑھو۔ البانی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب المواقیت، الإسفار، جلد1، صفحہ272، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

وہابیوں کے نزدیک فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا بہتر ہے۔ وہابیوں کے نزدیک ''اسفار'' کا مطلب روشنی نہیں بلکہ فجر متحقق ہونا ہے جیسا کہ حدیث اور اہل تقلید میں لکھا ہے۔ جبکہ لفظ اسفار کا مطلب روشنی اور یہ تغلیس کے مخالف بولا جاتا ہے اور محدثین بھی اسے اس معنیٰ میں ذکر کرتے ہیں اور لغت میں بھی بھی اسفار کا مطلب روشنی ہے۔ مزید صحابی رسول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبہ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِیٍّ، عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ أَبِی الزَّاهِرِیَّةِ، عَنْ جُبَیْرِ بْنِ نُفَیْرٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا مُعَاوِیَةُ بِغَلَسٍ، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: أَسْفِرُوا بِهَذِهِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّهُ أَفْقَهُ لَکُمْ" ترجمہ: حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہماری امامت معاویہ نے اندھیرے میں کروائی تو ابو درداء نے فرمایا: اس نماز کو روشنی میں پڑھو کہ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات ،من کان ینور بھا ویسفر ولا یری بہ بأسا، جلد1 ،صفحہ284 ،مکتبۃ الرشد،الریاض)

اگر ''اسفار'' کا معنی روشنی نہ لیا جائے بلکہ فجر متحقق ہونا لیا جائے تو یہ کئی اعتبار سے درست نہیں چنانچہ فتح القدیر میں کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی المعروف بابن الھمام (المتوفی 861ھ) اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''وَتَـأْوِیلُهُ بِأَنَّ الْـمُرَادَ تبینُ الْفَجْرِ حَتَّى لَا يَكُونَ شَكٌّ فِي طُلُوعِهِ لَيْسَ بِشَيْءٍ، إِذْ مَا لَمْ يُتَبَيَّنُ لَا يُحْكَمُ بِجَوَازِ الصَّلَاةِ فَضْلًا عَنْ إِصَابَةِ الْأَجْرِ'' یعنی اس کی یہ تاویل کرنا کہ اس سے مراد فجر متحقق ہونا ہے کہ طلوع میں کوئی شک نہ ہو تو یہ کوئی درست نہیں ہے۔اس لئے کہ جب فجر متحقق نہ ہو تو فجر کی نماز کی ہی درست نہیں تاخیر کی فضیلت کیسے مل سکتی ہے؟

(فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت ،جلد1 ،صفحہ225، دار الفکر،بیروت)

اسفار سے مراد روشنی ہے جس کی صراحت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے چنانچہ امام بخاری کے استاد ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں ''حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ، كَانَ يُنَوِّرُ بِالْفَجْرِ'' ترجمہ: عبدالرحمٰن بن اسود سے مروی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر روشنی میں پڑھتے تھے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات ،من کان ینور بھا ویسفر ولا یری بہ بأسا،جلد1 ،صفحہ283 ،مکتبۃ الرشد،الریاض)

مصنف عبدالرزاق میں ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ''عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ الْعَلَاءِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: صَلَّيْنَا مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ صَلَاةَ الْغَدَاةِ، فَجَعَلْنَا نَلْتَفِتُ حِينَ انْصَرَفْنَا فَقَالَ: مَا لَكُمْ؟ فَقُلْنَا: نَرَى أَنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ فَقَالَ: هَذَا وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مِيقَاتُ هَذِهِ الصَّلَاةِ'' ترجمہ: عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو سلام کے بعد ہم ادھر ادھر دیکھنا شروع ہو گئے۔ حضرت ابن مسعود نے پوچھا آپ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ ہم نے کہا ہم دیکھ رہے تھے کہ کہیں سورج طلوع تو نہیں ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہی فجر کی نماز کا وقت ہے۔

(المصنف، کتاب الصلوٰۃ،باب وقت الصبح،جلد1 ،صفحہ568 ،المکتب الإسلامی ،بیروت)

شرح معانی الآثار میں ابوجعفر احمد بن محمد المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) روایت کرتے ہیں ''حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرَةَ، وَابْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: ثنا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ، قَالَ: ثنا عَوْفٌ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ فَسَأَلَهُ أَبِي عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: كَانَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالرَّجُلُ يَعْرِفُ وَجْهَ جَلِيسِهِ، وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ قَالُوا: فَفِي هَذِهِ الْآثَارِ مَا يَدُلُّ عَلَى تَأْخِيرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهَا، وَعَلَى تَنْوِيرِهِ بِهَا" ترجمہ: سیار بن سلامہ نے فرمایا میں اپنے والد کے ساتھ ابو برزہ کے پاس آیا تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہم فجر کی نماز کا جب سلام پھیرتے تھے تو اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان لیتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر میں ساٹھ سے سو آیتیں تلاوت کرتے تھے۔ یہ روایت اس بات پر دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز تاخیر کے ساتھ روشنی میں پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الصلوۃ، باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر أی وقت ہو؟، جلد 1، صفحہ 177، عالم الکتب)

وہابیوں کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مسلمان عورتیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ فجر کی نماز میں اپنی چادروں میں لپٹ کر حاضر ہوتی تھیں جب نماز ختم کرلیتیں اور اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر جاتیں تو کوئی شخص اندھیرے کی وجہ سے ان پہچان نہ سکتا تھا۔

(صحیح البخاری، کتاب المواقیت، باب وقت الفجر، جلد 1، صفحہ 120، دار طوق النجاۃ، مصر)

احناف نے وہابیوں کی اس دلیل کے متعلق فرمایا کہ اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھنا تب تھا جب عورتیں جماعت کے لئے حاضر ہوتی تھیں اس وقت فجر جلدی پڑھی جاتی تھی پھر جب عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کا کہا گیا تو فجر کی نماز جلدی پڑھنے کا حکم منسوخ ہوگیا اور فجر روشنی میں پڑھی جانے لگی۔ المبسوط میں ہے "(وَلَنَا) حَدِيثُ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ وَحَدِيثُ الصِّدِّيقِ عَنْ بِلَالٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَوِّرُوا بِالْفَجْرِ أَوْ قَالَ أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ يُبَارَكُ لَكُمْ وَلِأَنَّ فِي الْإِسْفَارِ تَكْثِيرَ الْجَمَاعَةِ وَفِي التَّغْلِيسِ تَقْلِيلَهَا، وَمَا يُؤَدِّي إِلَى تَكْثِيرِ الْجَمَاعَةِ فَهُوَ أَفْضَلُ وَلِأَنَّ الْمُكْثَ فِي مَكَانِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ وَمَكَثَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ أَرْبَعَ رِقَابٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ وَإِذَا أَسْفَرَ بِهَا تَمَكَّنَ مِنْ إِحْرَازِ هَذِهِ الْفَضِيلَةِ وَعِنْدَ التَّغْلِيسِ قَلَّمَا يَتَمَكَّنُ مِنْهَا.

فَأَمَّا حَدِيثُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَالصَّحِيحُ مِنَ الرِّوَايَاتِ إِسْفَارُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مَا رَأَيْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً قَبْلَ

مِیقَاتِهَا إِلَّا صَلَاةَ الْفَجْرِ صَبِیحَةَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ صَلَّاهَا یَوْمَئِذٍ بِغَلَسٍ فَدَلَّ أَنَّ الْمَعْهُودَ إِسْفَارُهُ بِهَا، فَإِنْ ثَبَتَ التَّغْلِیسُ فِی وَقْتٍ فَلِعُذْرِ الْخُرُوجِ إِلَی سَفَرٍ أَوْ کَانَ ذَلِکَ حِینَ یَحْضُرُ النِّسَاءُ الصَّلَاةَ بِالْجَمَاعَةِ ثُمَّ انْتَسَخَ ذَلِکَ حِینَ أُمِرْنَ بِالْقَرَارِ فِی الْبُیُوتِ" یعنی احناف کے نزدیک رافع بن خدیج کی حدیث دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فجر روشنی میں پڑھو کہ اس میں زیادہ اجر ہے اور حدیث صدیق حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فجر کو روشنی میں پڑھو یا فرمایا: فجر کو زیادہ روشنی میں پڑھو کہ اس میں تمہارے لئے برکت ہے۔ فجر کو روشنی میں پڑھنا جماعت میں زیادتی کا باعث ہے اور جلدی اندھیرے میں پڑھنا جماعت میں کمی کا باعث ہے (کہ اتنی جلدی لوگ نیند سے بیدار نہیں ہوتے) اور جو بات جماعت میں زیادتی کا باعث ہو وہ افضل ہے اور نماز فجر کے بعد اپنی نماز کی جگہ پر طلوع آفتاب تک بیٹھنا مستحب عمل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز فجر پڑھی اور طلوع آفتاب تک اپنی جگہ بیٹھا رہا تو گویا اس نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے چار غلاموں کو آزاد کیا۔ یہ فضیلت اس وقت ممکن ہے جب فجر کو تاخیر کے ساتھ روشنی میں پڑھا جائے اگر فجر جلدی اندھیرے میں پڑھی جائے تو اتنی دیر اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا بہت مشکل ہے۔

باقی حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث (اندھیرے میں نماز پڑھنے والی) تو صحیح روایتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فجر کی نماز روشنی میں پڑھنا ثابت ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ کوئی نماز وقت سے پہلے پڑھیں مگر جمعہ کے دن فجر کی نماز کے اس دن آپ نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اکثر آپ فجر کی نماز تاخیر سے روشنی میں پڑھتے تھے۔ اگر اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھنا ثابت ہے تو وہ عذر کی وجہ سے ہے کہ سفر کے لئے نکلنے کے سبب فجر جلدی پڑھی یا جب عورتیں جماعت کے لئے حاضر ہوتی تھیں اس وقت فجر جلدی پڑھی جاتی تھی پھر جب عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کا کہا گیا تو فجر کی نماز جلدی پڑھنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔

(المبسوط، کتاب الصلوۃ، باب مواقیت الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 146، دار المعرفۃ، بیروت)

## ظہر کی نماز کا وقت

احناف کے نزدیک گرمیوں میں ظہر کو تاخیر سے ٹھنڈی کر کے پڑھنا مسنون و مستحب ہے۔ احناف کی دلیل ابوداؤد شریف کی یہ صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا یَزِیدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِیُّ، وَقُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیدٍ الثَّقَفِیُّ، أَنَّ اللَّیْثَ حَدَّثَهُمْ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ، وَأَبِی سَلَمَةَ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ:إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ، فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ(حکم الألبانی):صحیح" ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کرو۔البانی نے اس کو صحیح کہا۔

(سنن أبی داود، کتاب الصلوٰۃ،باب فی وقت صلاۃ الظہر،جلد1،صفحہ 110،المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ:حَدَّثَنَا مُهَاجِرٌ أَبُو الحَسَنِ مَوْلَى لِبَنِي تَيْمِ اللَّهِ، قَالَ:سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ الغِفَارِيِّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَرَادَ المُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ:أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ شِدَّةَ الحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ "ترجمہ:حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ مؤذن نے ارادہ کیا ظہر کی اذان پڑھنے کا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھنڈا کر۔ کچھ دیر بعد پھر جب مؤذن نے اذان کا ارادہ کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ٹھنڈا کر۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کے شعلے سے ہوتی ہے، تو جب گرمی زائد ہو نماز ٹھنڈی کرو۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلوات ،باب الإبراد بالظہر فی السفر،جلد1،صفحہ113،دار طوق النجاۃ،مصر)

اب یہاں سے مبالغہ تاخیر کا اندازہ کرنا چاہیے کہ مؤذن نے تین بار اذان کا ارادہ کیا اور ہر دفعہ ابراد (ٹھنڈا کرنے) کا حکم ہوا اور یقیناً معلوم ہے کہ ہر دو ارادوں میں اس قدر فاصلہ ضرور تھا جس کو ابراد کہہ سکیں اور وہ وقت بہ نسبت پہلے وقت کے ٹھنڈا ہو ورنہ لازم آئے کہ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیلِ حکم نہ کی اور جب اذان میں یہ تاخیر ہوئی تو نماز تو اور بھی دیر میں ہوئی ہوگی۔علما فرماتے ہیں ٹیلے غالباً بسیط اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں کہ اُن کا سایہ دوپہر کے بہت دیر بعد ظاہر ہوتا بخلاف دیوار، منار اور دیگر اشیاء کے سایہ کے۔امام ہمام احمد بن محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اور شرح مسلم میں امام اجل ابوزکریا نووی شافعی (676ھ) فرماتے ہیں "التلول منبطحة غیر منتصبة، ولا یصیر لها فیء فی العادة، الا بعد زوال الشمس بکثیر "ترجمہ: ٹیلے زمین پر پھیلے ہوتے ہیں نہ بلند عادۃً ان کا سایہ نہیں پڑتا مگر سورج ڈھلنے سے بہت دیر کے بعد۔

(المنہاج شرح صحیح مسلم ،کتاب الصلوٰۃ،باب استحباب الابراد بالظہر الخ،جلد5،صفحہ119،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

امام ابن اثیر جزری شافعی نہایہ میں فرماتے ہیں "ھی منبطحة لا یظھر لها ظل، الا اذا ذھب اکثر وقت الظھر" ترجمہ: ٹیلے پست ہوتے ہیں ان کے لئے سایہ ظاہر ہی نہیں ہوتا مگر جب ظہر کا اکثر وقت جاتا رہے۔

(فتح الباری شرح البخاری ،باب الابراد بالظہر فی السفر، جلد2، صفحہ20، دار المعرفۃ، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک ظہر جلدی پڑھنا چاہئے یہی وجہ ہے کہ گرمیوں میں بھی وہابی زوال کے فوراً بعد ساڑھے بارہ سے ایک بجے کے درمیان ظہر پڑھ لیتے ہیں۔ وہابی مولوی لکھتا ہے: ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لو یعلم الناس ما فی النداء و الصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستھموا علیہ لاستبقوا الیہ ولو یعلمون مافی التھجیر لا ستبقوا الیہ ولو یعلمون ما فی العتمۃ الصبح لاتوھما ولو حبوا" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کا ثواب معلوم ہوتا تو پھر انہیں بغیر قرعہ ڈالے اس چیز کا موقع نہ ملتا، تو ضرور قرعہ اندازی کرتے، اور اگر ظہر کے اول وقت کے ثواب کو جانتے تو اس کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ عشاء اور صبح کی نماز کا کتنا ثواب ہے تو آتے خواہ سرین کے بل گھسیٹ کر آنا پڑتا۔

امام خلیل فرماتے ہیں "المراد الاتیان الی صلوٰۃ الظھر فی اول الوقت لان التھجیر مشتق من الھاجرۃ وھی شدۃ الحر نصف النھار وھو اول وقت الظھر" یعنی تہجیر سے نماز ظہر کے لئے اول وقت میں جانا مراد ہے کیونکہ تہجیر ہاجرہ سے مشتق جو نصف النہار کی سخت گرمی کو کہتے ہیں اور یہی نماز ظہر کا اول وقت ہے۔''

(حدیث اور اہل تقلید، جلد1، صفحہ 352، مکتبہ اہل حدیث فیصل آباد)

احناف نے وہابیوں کی اس دلیل کا یہ جواب دیا کہ گرمیوں میں جلد نماز پڑھنے والی احادیث منسوخ ہیں یا یہ احادیث سردیوں کے لئے خاص ہیں کیونکہ احادیث میں گرمیوں میں تاخیر کی صراحت ہے چنانچہ شرح معانی الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي دَاوُدَ، قَالَ: ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي بَشِيرُ بْنُ أَبِي مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزِيغُ الشَّمْسُ، وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا فِي شِدَّةِ الْحَرِّ وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَجِّلُهَا فِي الشِّتَاءِ، وَيُؤَخِّرُهَا فِي الصَّيْفِ" ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور کبھی ظہر کی نماز میں تاخیر کی جب سخت گرمی ہوتی تھی۔ اسی اسناد کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نبی کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ سردیوں میں جلدی کرتے تھے اور گرمیوں میں تاخیر کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الصلوٰۃ، باب الوقت الذی یستحب أن یصلی صلاۃ الظہر فیہ، جلد1، صفحہ188، عالم الکتب)

شرح معانی الآثار کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي دَاوُدَ، قَالَ: ثنا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، وَتَمِيمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ قَالَا: ثنا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: ثنا شَرِيكٌ، عَنْ بَيَانٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْهَجِيرِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَأَخْبَرَ الْمُغِيرَةُ فِي حَدِيثِهِ هَذَا أَنَّ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ، بَعْدَ أَنْ كَانَ يُصَلِّيهَا فِي الْحَرِّ. فَثَبَتَ بِذَلِكَ، نَسْخُ تَعْجِيلِ الظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ، وَوَجَبَ اسْتِعْمَالُ الْإِبْرَادِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَأَبِي مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَجِّلُهَا فِي الشِّتَاءِ، وَيُؤَخِّرُهَا فِي الصَّيْفِ" ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز کی امامت سخت گرمی میں کروائی، پھر فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کے شعلے سے ہوتی ہے تو اسے ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ حضرت مغیرہ نے اپنی اس حدیث میں خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز تاخیر سے ٹھنڈی کرنے کا حکم دیا حالانکہ آپ نے گرمی میں نماز پڑھی تھی تو یہ حکم سے ثابت ہوا کہ سخت گرمی میں جلدی نماز پڑھنا منسوخ ہو گیا تو واجب ہوا کہ ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم سخت گرمی میں کیا جائے۔ حضرت انس بن مالک اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردیوں میں جلدی نماز پڑھتے تھے اور گرمیوں میں تاخیر سے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الصلوٰۃ، باب الوقت الذی یستحب أن یصلی صلاۃ الظہر فیہ، جلد1، صفحہ187، عالم الکتب)

تبیین الحقائق میں عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی 743ھ) فرماتے ہیں "(وَظُهْرُ الصَّيْفِ) أَيْ يُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُ الظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ لِحَدِيثِ أَنَسٍ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ رَوَاهُ النَّسَائِيّ وَالْبُخَارِيُّ بِمَعْنَاهُ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لِلْإِبْرَادِ شُرُوطٌ أَرْبَعَةٌ أَنْ يَكُونَ فِي حَرٍّ شَدِيدٍ وَأَنْ يَكُونَ فِي بِلَادٍ حَارَّةٍ وَأَنْ يُصَلِّيَ فِي جَمَاعَةٍ وَأَنْ يَقْصِدَهَا النَّاسُ مِنْ بَعِيدٍ، وَإِلَّا فَالتَّعْجِيلُ أَفْضَلُ لِحَدِيثِ خَبَّابٍ أَنَّهُ قَالَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَوْنَا لَهُ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فَلَمْ يُشْكِنَا أَيْ فَلَمْ يُزِلْ شَكْوَانَا وَلَنَا مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ وَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ

فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ لَمْ يَفْصِلْ فَيَكُونُ حُجَّةً عَلَيْهِ وَمَا رَوَاهُ مَنْسُوخٌ بَيَّنَ الْبَيْهَقِيُّ نَسْخَهُ" ترجمہ: گرمیوں میں ظہر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سبب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرمی میں ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور سردی میں جلدی۔ اس حدیث کو روایت کیا امام نسائی نے اور امام بخاری نے اسی معنی میں۔ امام شافعی کے نزدیک چار شرطوں کی وجہ سے ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنا ہے: کہ گرمی شدید ہو، گرم شہر ہوں، جماعت باجماعت پڑھنی ہو، لوگ دور سے نماز پڑھنے کے لئے آئیں۔ اگر یہ صورتیں نہیں تو نماز جلدی پڑھنا افضل ہے حدیث خباب کی وجہ سے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گرمیوں میں نماز کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری شکایت کو دور نہیں فرمایا۔ احناف کی دلیل وہ حدیث ہے جو حدیث انس سے امام بخاری نے روایت کی کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ مؤذن نے ارادہ کیا ظہر کی اذان پڑھنے کا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھنڈا کر۔ کچھ دیر بعد پھر جب مؤذن نے اذان کا ارادہ کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ٹھنڈا کر۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کے شعلے سے ہوتی ہے، تو جب گرمی زائد ہو نماز ٹھنڈی کرو۔ اس حدیث میں امام شافعی کی چار شرطوں کی تفصیل بیان نہیں کی گئی (بلکہ مطلقا گرمیوں میں نماز ٹھنڈی کرنے کا فرمایا) تو یہ حدیث امام شافعی پر حجت ہے اور جو حدیث انہوں نے حضرت خباب والی روایت کی ہے وہ منسوخ ہے امام بیہقی نے اس کا منسوخ ہونا بیان کیا ہے۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلوٰۃ، مواقیت الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 83، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، القاہرۃ)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں "واختلف العلماء في الجمع بين هذه الأحاديث المذكورة، وبين حديث خباب (شكونا إلى النبي صلى الله عليه وسلم حر الرمضاء فلم يشكنا)، رواه مسلم؛ فقال بعضهم: الإبراد رخصة والتقديم أفضل، وقال بعضهم: حديث خباب منسوخ بالإبراد، وإلى هذا مال أبو بكر الأثرم في كتاب (الناسخ والمنسوخ) وأبو جعفر الطحاوي، وقال: وجدنا ذلك في حديثين أحدهما حديث المغيرة: (كنا نصلي بالهاجرة فقال لنا صلى الله عليه وسلم أبردوا). فتبين بها أن الإبراد كان بعد التهجير، وحديث أنس، رضي الله تعالى عنه، إذا كان البرد بكروا، وإذا كان الحر أبردوا . وحمل بعضهم حديث خباب على أنهم طلبوا تأخيرا زائدا على قدر الإبراد . وقال أبو عمر في قول خباب: فلم يشكنا، يعني: لم يحوجنا إلى الشكوى، وقيل: لم يزل شكوانا، ويقال: حديث خباب كان بمكة، وحديث الإبراد بالمدينة، فإن

فیہ من روایۃ أبی ہریرۃ .وقال الخلال فی (علله) عن أحمد:آخر الأمرین من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الإبراد"اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علمائے کرام کا ان احادیث میں تطبیق دینے میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ خباب کی حدیث منسوخ ہے۔بعض نے کہا کہ حدیث خباب کا مطلب ہے کہ انہوں نے زیادہ تاخیر مانگی تھی جو ٹھنڈک کی مقدار سے زیادہ تھی۔یہ بھی کہا گیا کہ خباب کی حدیث مکہ میں تھی اور ٹھنڈک والی حدیث مدینہ میں۔

(عمدۃ القاری،کتاب مواقیت الصلوۃ،باب الإبراد بالظہر فی السفر،جلد5،صفحہ24، دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

جن احادیث میں ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا ثبوت ہے وہابی اس پر اپنا عجیب وغریب عمل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:''اس حدیث میں گرمیوں کے دنوں میں نماز ظہر کو قدرے زوال کے بعد ادا کرنے کا بیان ہے چنانچہ جماعت اہل حدیث بفضلہ تعالیٰ اس پر عامل ہے،ہماری مساجد میں جنوری کے مہینے میں تو سوا بارہ بجے اذان ہوتی ہے جبکہ جون جولائی کے دنوں میں پونے ایک اور بعض مقام پر ایک بجے اذان ہوتی ہے،یہی حدیث کا مقصد ہے۔یہ مقصد نہیں کہ جب نماز کا اول وقت ختم ہو جائے تو تب نماز ظہر کو پڑھا جائے۔''

(حدیث اور اہل تقلید،جلد1،صفحہ 356،مکتبہ اہل حدیث فیصل آباد)

گرمیوں میں تو آگے ہی زوال کا وقت سردیوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے تو وہابی تاخیر کیا کرتے ہیں؟

### وقتِ نمازِ عصر

احناف کے نزدیک نمازِ عصر کا وقت علاوہ سایۂ اصلی کے دو مثل سایہ ہونے سے آفتاب ڈوبنے تک ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عصر کا وقت ظہر سے کم ہونے کو اس حدیث پاک سے استدلال کیا ہے کہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ أَهْلِ الكِتَابَيْنِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ أُجَرَاءَ، فَقَالَ:مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ غُدْوَةَ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ اليَهُودُ، ثُمَّ قَالَ:مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى صَلاَةِ العَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى، ثُمَّ قَالَ:مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنَ العَصْرِ إِلَى أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ عَلَى قِيرَاطَيْنِ؟ فَأَنْتُمْ هُمْ، فَغَضِبَتِ اليَهُودُ، وَالنَّصَارَى، فَقَالُوا:مَا لَنَا أَكْثَرَ عَمَلًا، وَأَقَلَّ عَطَاءً؟ قَالَ:هَلْ نَقَصْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ؟ قَالُوا:لاَ، قَالَ: فَذَلِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ" ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری اور دونوں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند مزدور کام پر لگائے اور کہا کہ کون ہے جو صبح

سے دو پہر تک ایک قیراط کے عوض میرا کام کرے؟ تو یہود نے کام کیا۔ پھر اس نے کہا کہ کون ہے جو دو پہر سے عصر تک ایک قیراط کے عوض میرا کام کرے؟ تو نصاری نے کام کیا۔ پھر اس نے کہا کون ہے جو عصر سے سورج کے غروب ہونے تک دو قیراط کے عوض کام کرے؟ یہ تم ہی لوگ ہو (یعنی میری امت) اس پر یہود و نصاری کو غصہ آیا اور کہنے لگے یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں نے کام زیادہ کیا اور مزدوری کم ملی؟ تو وہ شخص کہنے لگا کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے؟ ان لوگوں نے کہا نہیں۔ تو اس نے کہا یہ میرا احسان ہے جسے چاہوں دوں۔

(صحیح البخاری ، کتاب الاجارة، باب الإجارة إلى نصف النهار، جلد3، صفحہ90، دار طوق النجاة ،مصر)

پتہ چلا کہ عصر کا وقت ظہر سے کم ہے اور یہ اسی صورت میں ہوگا جب سایہ اصلی کے علاوہ سایہ دو مثل ہو جائے۔ اگر سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل سایہ پر عصر کا وقت شروع ہونے کا کہا جائے تو اس صورت میں عصر کا وقت ظہر سے کم نہیں رہے گا۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ سال میں چند دن پاکستان و سعودیہ بلکہ ہر ملک میں ایسے آتے ہیں جس میں مثل اول پر بھی اگر عصر پڑھی جائے تو اس کا وقت ظہر سے کم ہوگا، لیکن مثل ثانی پر عصر کا وقت لیا جائے تو پوری دنیا میں عصر کا وقت ہمیشہ ظہر سے کم ہوگا۔ لہٰذا اس حدیث پر عمومی طور پر عمل تب ہی ہو سکتا ہے جب عصر کا وقت دو مثل پر لیا جائے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فقیر کے یہاں بحمد اللہ نماز تنگ وقت نہیں ہوتی بلکہ مطابق مذہب حنفی ہوتی ہے، عوام بیچارے اپنی ناواقفی سے غلط سمجھتے ہیں، مذہب حنفی میں سوا مغرب اور جاڑوں کی ظہر کے سب نمازوں میں تاخیر افضل ہے اُس حد تک کہ وقتِ کراہت نہ آنے پائے اور وہ عصر میں اُس وقت آتا ہے جب قرصِ آفتاب پر بے تکلّف نگاہ جمنے لگے اور تجربے سے ثابت کہ یہ بیس منٹ دن رہے ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے جو نمازِ عصر اُس کے وقت کا نصف اول گزار کر نصف آخر میں ہو وہ وقت مستحب ہے مثلاً آج کل تقریباً سات بجے غروب ہے اور قریب پانچ کے عصر کا وقت ہو جاتا ہے تو وقت مستحب یہ ہے کہ پانچ بج کر پچاس منٹ سے چھ بج کر چالیس منٹ تک نمازِ عصر پڑھیں اور عشا میں وقتِ کراہت آدھی رات کے بعد ہے یہ حالتیں بحمد اللہ تعالیٰ میرے یہاں نہیں مجھے پابندی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احکام کی ہے نہ جاہلوں کے خیالات واوہام کی دار قطنی سنن اور حاکم صحیح مستدرک میں بطریق عباس بن ذریح، زیاد بن عبد اللہ نخعی سے راوی "قال كنا جلوسا مع على رضى الله تعالى عنه فى المسجد الاعظم فجاء المؤذن فقال: ياامير المؤمنين! فقال: اجلس، فجلس ثم عاد فقال له ذلك، فقال رضى الله تعالى عنه، هذا الكلب يعلمنا السنة، فقام على فصلى بنا العصر، ثمّ انصرفنا، فرجعنا الى المكان الذى كنافيه جلوسا، فجثونا للركب لنزول الشمس للغروب نتراءاها " ہم کوفہ کی جامع مسجد میں مولیٰ علی کرم

اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس بیٹھے تھے، مؤذن آیا اور عرض کی: یا امیر المومنین (یعنی نمازِ عصر کو تشریف لے چلئے) امیر المومنین نے فرمایا: بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ پھر دوبارہ حاضر ہُوا اور وہی عرض کی۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، نے فرمایا: یہ کُتا ہمیں سُنّت سکھاتا ہے۔ بعدہ مولا علی کھڑے ہوئے اور ہمیں عصر پڑھائی، پھر ہم نماز کا سلام پھیر کر مسجد میں جہاں بیٹھے تھے وہیں آئے تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے اس لئے کہ وہ ڈوبنے کو اُتر گیا تھا۔

حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے" اما ان زیاد الم یرو عنه غیر العباس "رہی یہ بات کہ زیاد سے سوائے عباس کے کسی نے روایت نہیں کی"قاله الدارقطنی، فاقول :عباس ثقة، وغایته جهالة عین، فلا تضر عندنا، لاسیما فی اکابر التابعین۔ قال فی المسلّم، لاجرح بان له زاویا فقط وهو مجهول العین باصطلاح" جیسا کہ دار قطنی نے کہا ہے، تو میں کہتا ہوں: عباس ثقہ ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں ''جہالت عین'' پائی جاتی ہے اور یہ ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے، خصوصاً اکابر تابعین میں۔ مسلّم میں ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے کہ فلاں سے ایک ہی راوی ہے اور وہ اصطلاحی طور پر ''مجہول العین'' ہے۔ فواتح میں ہے کہ بعض نے کہا کہ ایسا راوی قابل قبول نہیں ہے، لیکن یہ بے دلیل بات ہے۔

اگر یہ مولیٰ علی کا صرف اپنا فعل ہوتا جب بھی حجت شرعی تھا نہ کہ وہ اسے صراحۃً سنّت بتا رہے اور مؤذن پر جو جلدی کا تقاضا کرتا تھا ایسا شدید غضب فرما رہے ہیں، اسی کی مثل امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، سے نمازِ صبح میں مروی امام طحاوی بطریق داود بن یزید الاودی عن ابیہ روایت فرماتے ہیں"قال کان علی ابن ابی طالب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه یصلی بناالفجر ونحن نتراای الشمس مخافة ان تکون قدطلعت " ترجمہ: مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہمیں نماز صبح پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں طلوع نہ کر آیا ہو۔

مناقب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ للامام حافظ الدین الکردری میں ہے"ذکر الامام الدیلمی عن زهیر ابن کیسان قال صلیت مع الرصافی العصر ثم انطلقت مسجد الامام فاخر العصر حتّٰی خفتُ فوات الوقت ثم انطلقت الٰی مسجد سفین فاذاهو لم یصلِ العصر فقلت رحم اللّٰه اباحنیفة مااخرها مثل اخر سفین " یعنی امام دیلمی نے زہیر بن کیسان سے روایت کی کہ میں رصافی کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر مسجد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گیا امام نے عصر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ مجھے خوف ہُوا کہ وقت جاتا رہے گا۔ پھر میں مسجد امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گیا تو کیا دیکھوں کہ اُنہوں نے ابھی نماز پڑھی بھی نہیں۔ میں نے کہا اللہ ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے انہوں نے تو اتنی تاخیر کی بھی نہیں جتنی

سفیان نے۔

فقیر کے یہاں سَوا گھنٹادن رہے اذانِ عصر ہوتی ہے اور گھنٹا بھردن رہے نماز ہوتی ہے اور پون گھنٹادن رہے سے پہلے ہوچکی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(فتاوی رضویہ، جلد5، صفحہ149، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اس کے علاوہ عصر کی نماز میں تاخیر بہتر ہے کہ عصر کے بعد نفل نہیں پڑھ سکتے ،اگر ایک مثل سایہ ہونے پر عصر پڑھ لی جائے گی تو اتنا دن باقی ہے جس میں نفل پڑھنا منع ہوگا۔

وہابی ایک مثل کے سایہ ہونے پر عصر کی نماز کروادیتے ہیں جو حنفی فقہ کے مطابق تقریبا ایک ڈیڑھ گھنٹہ قبل ہوتی ہے۔ وہابیوں کی دلیل یہ حدیث پاک ہے "أَخبَرَنا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا ثَوْرٌ، حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: صَلِّ مَعِي فَصَلَّى الظُّهْرَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ حِينَ كَانَ فَيْءُ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ، وَالْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ، وَالْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ .قَالَ :ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ حِينَ كَانَ فَيْءُ الْإِنْسَانِ مِثْلَهُ، وَالْعَصْرَ حِينَ كَانَ فَيْءُ الْإِنْسَانِ مِثْلَيْهِ، وَالْمَغْرِبَ حِينَ كَانَ قُبَيْلَ غَيْبُوبَةِ الشَّفَقِ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَارِثِ ثُمَّ قَالَ: فِي الْعِشَاءِ أُرَى إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز کے اوقات کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: میرے ساتھ نماز پڑھ۔ تو آپ علیہ السلام نے نماز ظہر پڑھی جب سورج ڈھل گیا اور عصر کی نماز پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوگیا اور مغرب پڑھی جب سورج غروب ہوگیا اور عشاء پڑھی جب شفق ختم ہوگیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: پھر ظہر کی نماز پڑھی جب سایہ انسان کی مثل ہوگیا اور عصر اس وقت پڑھی جب سایہ انسان کی دو مثل ہوگیا اور مغرب شفق غروب ہونے سے قبل پڑھی۔ عبداللہ بن حارث نے فرمایا کہ حضرت جابر نے عشاء کی نماز کے متعلق فرمایا میں نے آپ علیہ السلام کو عشا کی نماز تہائی رات میں پڑھتے دیکھا۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب المواقیت، أول وقت العصر، جلد1، صفحہ251، مکتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

احناف کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کی نماز مثل اول پر پڑھی جبکہ وہابیوں کے نزدیک مثل اول پر ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کی ایک حدیث حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے حوالے سے بھی پیش کرتے ہیں اور وہ بھی منسوخ ہے۔ بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی (المتوفی 587ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَخَبَرُ إمَامَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْسُوخٌ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيهِ، فَإِنَّ الْمَرْوِيَّ أَنَّهُ صَلَّى الظُّهْرَ فِي

اَلْیَوْمِ الثَّانِی فِی الْوَقْتِ الَّذِی صَلّٰی فِیہِ الْعَصْرَ فِی الْیَوْمِ الْأَوَّلِ، وَالْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلٰی تَغَایُرِ وَقْتَیِ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ، فَکَانَ الْحَدِیثُ مَنْسُوخًا فِی الْفَرْعِ" ترجمہ: حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کی امامت والی روایت مختلف ہونے کی وجہ سے منسوخ ہے کہ مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جس وقت پہلے دن عصر پڑھی تھی اور ظہر و عصر کے وقت میں تبدیلی ہونے پر اجماع منعقد ہے تو فرع میں یہ حدیث منسوخ ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الصلوۃ، فصل شرائط أرکان الصلاۃ، جلد1، صفحہ123، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

## ایک وقت میں دو اکٹھی نمازیں پڑھنا

احناف کے نزدیک ہر نماز اپنے وقت پر فرض ہے۔ جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔

(سورۃ النساء، سورۃ4، آیت103)

اس آیت سے پتہ چلا کہ ظہر کو عصر کے ساتھ اور عصر کو ظہر کے ساتھ اکٹھا نہیں پڑھ سکتے بلکہ اپنے اپنے وقت میں پڑھنا ضروری ہے۔ ہاں حج کے دنوں میں دو نمازیں ملانا حضور علیہ السلام سے ثابت ہے، اس کے علاوہ ثابت نہیں ہے۔

تحقیق مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا دو قسم ہے: جمع فعلی جسے جمع صوری بھی کہتے ہیں کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقتِ عصر آ گیا اب فوراً عصر اوّل وقت پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی ادھر فارغ ہوئے کہ شفق ڈوب گئی عشاء کا وقت ہو گیا وہ پڑھ لی۔ ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلاشبہہ جائز ہے۔ ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس کی رخصت دیتے ہیں۔ ردالمحتار میں ابن عابدین محمد امین بن عمر بن الشامی (المتوفی 1252ھ) فرماتے ہیں "لِلْمُسَافِرِ وَالْمَرِیضِ تَأْخِیرُ الْمَغْرِبِ لِلْجَمْعِ بَیْنَھَا وَبَیْنَ الْعِشَاءِ فِعْلًا کَمَا فِی الْحِلْیَۃِ وَغَیْرِھَا: أَیْ بِأَنْ تُصَلّٰی فِی آخِرِ وَقْتِھَا وَالْعِشَاءُ فِی أَوَّلِ وَقْتِھَا" ترجمہ: مسافر اور مریض مغرب میں تاخیر کر سکتے ہیں تا کہ اس کو اور عشاء کو فعلاً اکٹھا کر لیں جیسا کہ حلیہ وغیرہ میں ہے، یعنی مغرب آخری وقت میں پڑھی جائے اور عشاء اوّل وقت ہیں۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، جلد1، صفحہ369، دار الفکر، بیروت)

دوسری قسم جمع وقتی ہے جسے جمع حقیقی بھی کہتے ہیں۔ اس جمع کے یہ معنی ہیں کہ ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھی جائے جس کی دو صورتیں ہیں: جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اُس کے ساتھ ہی متصلا بلافصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً

عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں۔ اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھار رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اُس وقت کی نماز ادا کریں گے، یہ دونوں صورتیں بحالتِ اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ میں جائز ہیں اول میں جمع تقدیم اور دوم میں جمع تاخیر عام ازیں کہ وہ مسافر ہوں یا مکہ مدینہ میں رہنے والے ہوں یا کوئی بھی عذر ہو ہر صورت نماز اپنے وقتوں میں پڑھی جائے گی اگر کوئی جمع تاخیر کرے گا تو گناہ گار ہوگا عمداً نماز قضا کردینے والا ٹھہرے گا۔

احناف کا مؤقف ہے کہ جن احادیث میں دو نمازیں جمع کرنے کا ثبوت ہے اس میں یہی مراد ہے کہ نمازیں اپنے اپنے وقت میں تھیں بس فرق یہ تھا کہ ایک نماز میں تاخیر کر کے آخری وقت میں پڑھی گئی اور دوسری پہلے وقت میں چنانچہ سنن النسائی میں ابوعبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح حدیث پاک روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا جَمِيعًا وَسَبْعًا جَمِيعًا، أَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ، وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ"

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں اکٹھی آٹھ رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور سات رکعتیں بھی، آپ نے ظہر کو مؤخر کیا تھا اور عصر میں جلدی کی تھی، اسی طرح مغرب کو مؤخر کیا تھا اور عشاء میں جلدی کی تھی۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب المواقیت، الوقت الذی یجمع فیه المقیم، جلد1، صفحه286، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

امام اجل ابوداؤد صاحبِ سُنن نے فرمایا "لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم" جمع تقدیم (یعنی ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز پڑھنے) میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔

(شرح الزرقانی علی المؤطا، الجمع بین الصلاتین، جلد1، صفحه503، مکتبة الثقافة الدینیة، القاہرة)

وہابیوں کے نزدیک عذر کے سبب دو نمازوں کو اکٹھا کرنا جائز ہے یعنی بارش ہو رہی ہو یا سفر ہے تو دو نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے۔ پھر سفر بھی وہابیوں کے نزدیک نرالا ہے کہ چند کلومیٹر کا سفر ہو تو کئی وہابی ظہر کے وقت میں عصر پڑھ لیتے ہیں۔ یونیورسٹی میں میرے ساتھ ایک وہابی لیکچرار پڑھتا تھا۔ یونیورسٹی بھی اس کے اپنے شہر کی تھی اور چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھی، وہ وہابی صاحب عصر کی نماز پڑھتے ہی نہیں تھے اور کہتے تھے کہ میں نے چونکہ یونیورسٹی کا سفر کرنا تھا اس لئے ظہر کے وقت میں ہی عصر پڑھ لی تھی۔ وہابی مولوی اپنے مؤقف پر دلائل دیتا ہوا لکھتا ہے: "سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "ألا

أحدثكم عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى السفر؟ قال:قلنا:بلى، قال: كان إذا زاغت الشمس فى منزله، جمع بين الظهر، والعصر قبل أن يركب، وإذا لم تزغ له فى منزله، سار حتى إذا حانت العصر نزل، فجمع بين الظهر والعصر، وإذا حانت المغرب فى منزله، جمع بينها وبين العشاء، وإذا لم تحن فى منزله ركب، حتى إذا حانت العشاء، نزل، فجمع بينهما" کیا میں آپ کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفر کی نماز نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔تب سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب سورج ڈھل جاتا اور آپ ابھی منزل میں ہی ہوتے تو کوچ کرنے سے پہلے ظہر وعصر کی دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے اور جب منزل میں ہی ہوتے اور سورج نہ ڈھلتا تو چل پڑتے حتی کہ جب نماز عصر کا وقت آتا تو سواری سے اتر کر ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھتے تھے اور جب منزل میں مغرب کی نماز کا وقت نہ آتا تو کوچ کرتے حتی کہ جب عشا کی نماز کا وقت آتا تو تب اتر کر ان دونوں کو جمع کرتے۔"

(حدیث اور اہل تقلید،صفحہ368،مکتبہ اہل حدیث،فیصل آباد)

وہابیوں کی یہ دلیل ضعیف ہے۔وہابی مولوی صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے اس کی سند یوں ہے"حدثنا عبد الرزاق، قال:أخبرنا ابن جريج، قال:أخبرنى حسين بن عبد الله بن عبيد الله بن عباس، عن عكرمة، وعن كريب، أن ابن عباس---"

اس میں مذکور حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہے۔یحیٰی نے فرمایا:ضعیف۔

ابوحاتم رازی نے فرمایا"ضعيف، يكتب حديثه ولايحتج به "ترجمہ:ضعیف ہے،اس کی حدیث لکھی جائے مگر اس سے استدلال نہ کیا جائے۔

ابوزرعہ وغیرہ نے کہا"ليس بقوى "ترجمہ:قوی نہیں ہے۔

جوزجانی نے کہا"لايشتغل به "ترجمہ:اس کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہیے۔

ابنِ حبان نے کہا"يقلب الاسانيد ويرفع المراسيل "ترجمہ:اسنادوں کو پلٹ دیتا تھا اور مراسیل کو مرفوع بنا دیتا تھا۔

محمد بن سعد نے کہا"كان كثير الحديث، ولم ارهم يحتجون بحديثه"حدیثیں بہت بیان کرتا تھا،علماء اس کی احادیث سے استدلال نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نسائی نے فرمایا:متروک الحدیث امام بخاری نے فرمایا علی بن مدینی نے کہا"تركت حديثه"میں نے اسکی حدیث کو ترک کر دیا ہے۔

مزید وہابی مولوی صاحب اپنے مؤقف کی تائید میں لکھتے ہیں:"سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اذا کان فی السفر فزالت الشمس صلی الظھر و العصر جمیعا ثم ارتحل "یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھتے تھے پھر کوچ فرماتے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اذا کان فی سفر فزاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظھر و العصر جمیعا و ان ارتحل قبل ان یزیغ الشمس جمع بینھما فی اول وقت العصر و کان یفعل فی المغرب و العشاء" جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں ہوتے اور کوچ کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر وعصر کی دونوں نمازوں کو کوچ کرنے سے پہلے جمع کر کے پڑھتے تھے اور جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو نماز عصر کے وقت میں ظہر وعصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے۔اسی طریقہ سے مغرب وعشاء کی نمازوں میں کرتے تھے۔

ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ یہ روایت دوسری سند سے امام حاکم نے بھی الاربعین میں روایت کی ہے۔علامہ البانی اور منذری اور حافظ حجر اور علامہ العلائی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے"۔

(حدیث اور اہل تقلید، جلد1، صفحہ367، مکتبہ اہل حدیث، فیصل آباد)

یہاں وہابی مولوی صاحب نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو روایتیں بغیر سند کے ذکر کیں ہیں اور انہیں صحیح ثابت کیا ہے جبکہ یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔پہلی حدیث جو السنن الکبریٰ للبیہقی کی ہے اس کی سند میں اسحاق بن راہویہ ہیں، روایت اسحٰق پر امام ابوداؤد نے انکار کیا اسمٰعیل نے اُسے معلول بتایا جیسا کہ عمدہ وغیرھا میں ہے۔امام اسحٰق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدر اور عظمت افتخار میں کوئی شک نہیں ہے لیکن امام ابوداؤد نے تصریح کی ہے کہ وفات سے چند ماہ پہلے اس کے حافظے میں تغیر آ گیا تھا۔لاجرم امام ذہبی شافعی نے اس حدیث کو منکر کہا اور امام اسحٰق کی لغزش حفظ واشتباہ سے گنا۔

دوسری حدیث جو المعجم الاوسط کی ہے اس کی سند میں یعقوب بن محمد زہری ضعیف راوی ہے۔مسند احمد کے حاشیہ میں ہے"وإسنادها ضعيف لضعف يعقوب بن محمد الزهري، قال أحمد:ليس بشئ، ليس يسوى شيئا، وقال أبو زرعة:واهي الحديث، وقال أبو حاتم:هو على يدي عدل (يعني أنه هالك)،أدركته فلم أكتب عنه" ترجمہ:اس کی سند ضعیف ہے یعقوب بن محمد زہری کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔امام احمد نے یعقوب کے متعلق فرمایا یہ کچھ نہیں ہے کسی شے کے برابر نہیں۔ابوزرعہ نے فرمایا اس کی حدیث انتہائی کمزور ہے۔ابوحاتم نے فرمایا وہ ہلاک کرنے والا ہے، اگر میں اسے پاؤں تو

اس سے حدیث نے لکھو۔ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، جلد21، صفحہ206، مؤسسة الرسالة، بیروت)

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یعقوب بن محمد زہری کے متعلق ایسا ہی لکھا ہے۔

اس کے علاوہ یہ روایتیں دیگر صحیح احادیث کے برخلاف ہیں کہ بخاری شریف اور نسائی، ابوداؤد شریف وغیرہ میں صراحت کے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ نے سورج ڈھلنے کے بعد فقط نماز ظہر پڑھنے کی صراحت کی ہے۔ ظہر کے وقت میں عصر پڑھنے کی اس میں صراحت نہیں ہے۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا المُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ، أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ العَصْرِ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ" ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب حضور علیہ السلام کسی سفر کے لئے زوال سے پہلے نکلتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے، پھر (ظہر کے آخری وقت میں) سواری سے نیچے تشریف لاتے اور ظہر پڑھتے پھر (عصر کے ابتدائی وقت میں) عصر پڑھتے۔ اگر سورج ڈھلنے کے بعد سفر کے لئے نکلتے تو ظہر پڑھتے پھر سوار ہوتے۔

(صحيح البخاري، ابواب التقصير الصلوة، باب إذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب، جلد2، صفحہ47، دار طوق النجاة، مصر)

اس حدیث پاک میں صراحت ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد حضور علیہ السلام ظہر کے وقت میں عصر نہیں پڑھتے تھے بلکہ ظہر پڑھ کر سفر کے لئے نکلتے تھے۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا رسالہ "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین" (دو دریاؤں کو ملنے سے روکنے والا، دو نمازوں کو جمع کرنے سے بچانے والا) کا مطالعہ کریں۔ یہ رسالہ اعلیٰ حضرت نے وہابیوں کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی کے رد میں لکھا تھا کہ جب انہوں نے دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنے کا جواز لکھا، تو اعلیٰ حضرت نے حدیث اور علوم حدیث سے ایسا بہترین رد کیا کہ آج تک کوئی وہابی اس کا جواب نہیں دے سکا۔

## فجر کی نماز کے بعد سنتیں پڑھنا

احناف کے نزدیک جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ فرض نماز کے بعد سنتیں نہیں پڑھ سکتا بلکہ مستحب ہے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد قضا کے طور پر پڑھ لے۔ احناف کے دلیل سنن الترمذی کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ وَهُوَ ابْنُ زَاذَانَ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو العَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ، وَكَانَ مِنْ أَحَبِّهِمْ إِلَيَّ، أَنَّ

رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الصَّلَاۃِ بَعْدَ الفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَعَنِ الصَّلَاۃِ بَعْدَ العَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ .وَفِی البَابِ عَنْ عَلِیٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِی سَعِیدٍ، وَعُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ، وَأَبِی ھُرَیْرَۃَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَسَمُرَۃَ بْنِ جُنْدَبٍ، وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو، وَمُعَاذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، وَالصُّنَابِحِیِّ، وَلَمْ یَسْمَعْ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَسَلَمَۃَ بْنِ الأَکْوَعِ، وَزَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَعَائِشَۃَ، وَکَعْبِ بْنِ مُرَّۃَ، وَأَبِی أُمَامَۃَ، وَعَمْرِو بْنِ عَبَسَۃَ، وَیَعْلَی بْنِ أُمَیَّۃَ، وَمُعَاوِیَۃَ حَدِیثُ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ .وَھُوَ قَوْلُ أَکْثَرِ الفُقَھَاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَھُمْ أَنَّھُمْ: کَرِھُوا الصَّلَاۃَ بَعْدَ صَلَاۃِ الصُّبْحِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ العَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَأَمَّا الصَّلَوَاتُ الفَوَائِتُ فَلَا بَأْسَ أَنْ تُقْضٰی بَعْدَ العَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ" ترجمہ: ابن عباس سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی صحابیوں سے سنا جن میں عمر بن خطاب بھی ہیں جو میرے لئے ان سب میں محبوب ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا فجر کے بعد نماز پڑھنے سے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ اس باب میں حضرت علی، ابن مسعود، ابوسعید، عقبہ بن عامر، ابو ہریرہ، ابن عمر، سمرہ بن جندب، عبداللہ بن عمرو، معاذ بن عفراء اور صنابحی (اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا نہیں) سلمہ بن الاکوع، زید بن ثابت، حضرت عائشہ، کعب بن مرہ، ابوامامہ، عمرو بن عبسہ، یعلیٰ بن امیہ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حضرت عمر سے مروی روایت حسن صحیح ہے اور اکثر فقہاء صحابہ اور ان کے بعد کے علماء کا یہی قول ہے کہ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جہاں تک قضا نمازوں کا تعلق ہے تو ان کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں۔

(سنن الترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ما جاء فی کراھیۃ الصلاۃ بعد العصر وبعد الفجر، جلد1، صفحہ251، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک اگر کسی کی فجر کی سنتیں رہ جائیں تو وہ فرض کے فوراً بعد طلوع آفتاب سے پہلے پڑھ سکتا ہے۔

وہابیوں کی دلیل صحیح ابن خزیمہ کی یہ حدیث پاک ہے "ثنا أَبُو الْحَسَنِ عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، ثنا سُفْیَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِیدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاھِیمَ، عَنْ قَیْسٍ جَدِّ سَعْدٍ، أَنَّہُ صَلَّی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ، ثُمَّ قَامَ یُصَلِّی رَکْعَتَیْنِ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا ھَاتَانِ الرَّکْعَتَانِ؟ فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ رَکْعَتَا الْفَجْرِ لَمْ أَکُنْ صَلَّیْتُھُمَا، فَھُمَا ھَاتَانِ، قَالَ: فَسَکَتَ عَنْہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" ترجمہ: حضرت قیس جو جدِّ سعد ہیں ان سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی پھر نماز کے بعد کھڑے ہو کر دو رکعات (سنتیں) پڑھیں۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ دو رکعتیں کیسی ہیں؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دو رکعتیں فجر کی سنتیں ہیں جو پہلے نہ پڑھی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

(صحیح ابن خزیمة، کتاب الصلوٰة،باب الرخصة فی أن یصلی رکعتی الفجر بعد صلاة الصبح وقبل طلوع الشمس إذا فاتتا قبل صلاة الصبح،جلد2،صفحہ164،المکتب الإسلامی ،بیروت)

اس حدیث کو وہابی دلیل بناتے ہیں کہ یہاں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرض کے بعد فجر کی سنتیں پڑھی لیکن حضور علیہ السلام نے منع نہ کیا۔ وہابیوں کی یہ دلیل ضعیف ہے کہ اس کی سند میں سعد بن سعید ضعیف راوی ہے چنانچہ ابن حبان کے حاشیہ میں محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب لکھتے ہیں" ولروایة سعد بن سعید انظر أبا داود وإسنادها ضعیف"

(صحیح ابن خزیمة، کتاب الصلوٰة،باب الرخصة فی أن یصلی رکعتی الفجر بعد صلاة الصبح وقبل طلوع الشمس إذا فاتتا قبل صلاة الصبح،جلد2،صفحہ164،المکتب الإسلامی ،بیروت)

دوسرا یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم نے قیس ابن عمرو سے سماع نہیں کیا۔

وہابیوں کی دوسری دلیل یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: وَسَمِعْتُ عَبْدَ رَبِّهِ بْنَ سَعِيدٍ، أَخَا يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: خَرَجَ إِلَى الصُّبْحِ فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصُّبْحِ، وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ حِينَ فَرَغَ مِنَ الصُّبْحِ فَرَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ؟ فَأَخْبَرَهُ، فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَضَى وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا" ترجمہ: یحیٰ بن سعید اپنے جد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فجر کی نماز کے لئے نکلے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فجر کی نماز میں پایا۔ انہوں نے فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے۔ نماز کے بعد کھڑے ہو کر دو سنتیں پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا یہ نماز کیا ہے؟ انہوں نے خبر دی تو آپ علیہ السلام خاموش ہو گئے اور کچھ نہ فرمایا۔ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی راوی ثقہ ہیں۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث قیس بن عمرو رضی الله تعالی عنه، جلد39، صفحہ 174، مؤسسة الرسالة، بیروت)

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث وہابیوں کے لئے دلیل نہیں ہے لہٰذا وہابیوں کا اس حدیث کو دلیل بنانا درست نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ ممانعت سے قبل پر محمول ہے یعنی پہلے اجازت تھی کہ فجر کے بعد سنتیں پڑھ لیں لیکن بعد میں حضور علیہ السلام نے فجر اور عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے منع کر دیا۔ الإحسان فی

تقریب صحیح ابن حبان میں محمد بن حبان ابوحاتم الدارمی البُستی (المتوفی 354ھ) روایت کرتے ہیں "أَخبَرنَا أَحمَدُ بنُ يَحيَى بنِ زُهَيرٍ بِتُستَرَ، حَدَّثَنَا عَبدُ القُدُّوسِ بنُ مُحَمَّدٍ الحَبحَابِيُّ، حَدَّثَنَا عَمرُو بنُ عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنِ النَّضرِ بنِ أَنَسٍ، عَن بَشِيرِ بنِ نَهِيكٍ، عَن أَبِي هُرَيرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَن لَم يُصَلِّ رَكعَتَيِ الفَجرِ فَليُصَلِّهِمَا إِذَا طَلَعَتِ الشَّمسُ" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو وہ سورج طلوع ہونے کے بعد اسے پڑھ لے۔

(الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ، ذکر الأمر لمن فاتته رکعتا الفجر أن یصلیهما بعد طلوع الشمس، جلد6، صفحه224، مؤسسة الرسالة، بیروت)

اس کی سند شرط بخاری پر صحیح ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ صحیح احادیث سے حضور علیہ السلام کا خود اپنا عمل ثابت ہے کہ فجر کی پہلی دو سنتیں اگر کسی وجہ سے رہ جاتی تو آپ طلوع فجر کے بعد اسے پڑھتے تھے چنانچہ شرح مشکل الآثار میں ہے "فَوَجَدنَا مُحَمَّدَ بنَ عَلِيِّ بنِ دَاوُدَ قَد حَدَّثَنَا، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحيَى بنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا مَروَانُ بنُ مُعَاوِيَةَ، عَن يَزِيدَ بنِ كَيسَانَ، عَن أَبِي حَازِمٍ، عَن أَبِي هُرَيرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهُ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ عَلَيهِ السَّلَامُ إِذَا فَاتَتهُ رَكعَتَا الفَجرِ، صَلَّاهُمَا إِذَا طَلَعَتِ الشَّمسُ. فَهَذَا الحَدِيثُ أَحسَنُ إِسنَادًا وَأَولَى بِالِاستِعمَالِ مِمَّا قَد رَوَينَاهُ قَبلَهُ فِي هَذَا البَابِ وَقَد رُوِيَ عَن عَبدِ اللهِ بنِ عُمَرَ عَن نَفسِهِ مِثلُ ذَلِكَ" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر فجر کی دو رکعتیں حضور علیہ السلام کی رہ جاتیں تو آپ ان دونوں رکعتوں کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھتے تھے۔ یہ حدیث بسند حسن ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ اس باب میں جو ہم نے پیچھے روایت کیا ہے ان کی بہ نسبت اس روایت کو لیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فجر کی رہ جانے والی سنتیں طلوع آفتاب کے بعد پڑھتے تھے۔

(شرح مشکل الآثار، باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فیمن یفوته أن یصلی رکعتی الفجر حتی یصلی الفجر، أیصلیهما عقیبا لها أم بعد ذلك؟، جلد10، صفحه328، مؤسسة الرسالة، بیروت)

المعتصر من المختصر من مشکل الآثار میں یوسف بن موسیٰ ابوالمحاسن جمال الدین المَلطی الحنفی (المتوفی 803ھ) فرماتے ہیں "وروی عن أبی هریرة رضی الله عنه بإسناد أحسن من هذا أنه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم إذا فاتته رکعتا الفجر صلاهما إذا طلعت الشمس وروی عن ابن عمر والقاسم بن محمد أنهما کانا یفعلان ذلك" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر فجر کی دو رکعتیں حضور

علیہ السلام کی رہ جاتیں تو آپ ان دونوں رکعتوں کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عمر اور قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ثابت ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، کتاب الصلوٰۃ، فی سنۃ الفجر، جلد1، صفحہ 65، عالم الکتب، بیروت)

## کلمات اقامت

احناف کے نزدیک اذان کی طرح اقامت میں بھی ہر کلمہ دو مرتبہ پڑھا جائے گا۔ احناف کا مؤقف کثیر صحیح احادیث سے ثابت ہے چنانچہ سنن نسائی، المعجم الکبیر، حلیۃ الاولیاء، سنن ابوداؤد، سنن البیہقی الکبری، سنن الدارقطنی، سنن الدارمی، صحیح ابن حبان، مسند احمد بن حنبل اور سنن ابن ماجہ کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى، عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ، أَنَّ مَكْحُولًا، حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مُحَيْرِيزٍ، حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا مَحْذُورَةَ، حَدَّثَهُ قَالَ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً، وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً" ترجمہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اذان سکھائی جس میں اذان کے 19 کلمات تھے اور اقامت کے 17 کلمات تھے۔ "اَلْأَذَانُ (اذان کے کلمات یہ ہیں) (اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ)

"وَالْإِقَامَةُ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً" اقامت کے سترہ کلمات یہ ہیں (اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ)"

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاذان، باب الترجیع فی الأذان، جلد1، صفحہ235، دار الفکر، بیروت)

وہابیوں کے امام البانی نے بھی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کی حسن صحیح فرمایا چنانچہ جامع ترمذی میں محمد بن عیسی بن سَورۃ الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ

مُحَيرِيزٍ، عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الأَذَانَ تِسعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً، وَالإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ" ترجمہ: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اذان سکھائی جس میں اذان کے 19 کلمات تھے اور اقامت کے 17 کلمات تھے۔ فرمایا ابوعیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ،أبواب الصلوة،باب ما جاء في الترجيع في الأذان ،جلد1،صفحہ367،دار إحياء التراث العربي ،بيروت)

وہابیوں کے نزدیک اقامت کے کلمات طاق ہیں یعنی اذان کی طرح ہر کلمہ دو مرتبہ نہیں بلکہ ایک ایک مرتبہ پڑھنا سنت ہے۔ وہابیوں کی دلیل بخاری اور سنن النسائی شریف کی یہ حدیث پاک ہے "أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَشْفَعَ الأَذَانَ، وَأَنْ يُوتِرَ الإِقَامَةَ" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں دو مرتبہ اور اقامت میں ایک مرتبہ کلمات پڑھے۔

(السنن الصغرى للنسائي ،كتاب الاذان ،تثنية الأذان،جلد2،صفحہ 3،مكتب المطبوعات الإسلامية ،حلب)

یہ حدیث حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے پیش کی گئی ہے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی دہرے کلمات سے اقامت کہنا ثابت ہے۔ امام بخاری کے استاد محترم ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بَقِيُّ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: نا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: نا وَكِيعٌ، قَالَ: نا الأَعْمَشُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ الأَنْصَارِيَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ عَلَى جِذْمَةِ حَائِطٍ، فَأَذَّنَ مَثْنَى، وَأَقَامَ مَثْنَى، وَقَعَدَ قَعْدَةً، قَالَ: فَسَمِعَ ذٰلِكَ بِلَالٌ، فَقَامَ، فَأَذَّنَ مَثْنَى، وَأَقَامَ مَثْنَى، وَقَعَدَ قَعْدَةً" ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بھی ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے خبر دی کہ عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک آدمی دیوار کے سرے پر کھڑا ہے جس پر دو سبز چادریں ہیں۔ تو اس نے دہرے کلمات کے ساتھ اذان پڑھی اور دہرے کلمات کے ساتھ اقامت پڑھی، پھر بیٹھ گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو کھڑے ہوئے اور دہرے کلمات کے ساتھ اذان واقامت پڑھی اور بیٹھ گئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الاذان ،جلد1 ،صفحہ 203،الدار السلفیۃ، الھندیۃ)

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا أُسَامَةُ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِنَّ بِلَالًا، كَانَ يُثَنِّي الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان واقامت دومرتبہ پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الاذان ،جلد1 ،صفحہ 206،الدار السلفیۃ، الھندیۃ)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی اقامت کے کلمات دہرے پڑھنا ثابت ہے چنانچہ شرح معانی الآثار میں ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مَا ذَكَرْتُمْ عَنْ بِلَالٍ ،قَدْ رُوِيَ عَنْهُ خِلَافُ ذَلِكَ ---قَدْ رُوِيَ عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ كَانَ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَذِّنُ مَثْنَى مَثْنَى ،وَيُقِيمُ مَثْنَى مَثْنَى "ترجمہ: جوتم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے روایت نقل کی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا خلاف بھی ثابت ہے۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی حضرت بلال اذان اور اقامت کے کلمات کو دومرتبہ پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الصلوۃ،باب الاقامۃ ،جلد1 ،صفحہ134 ،دار الکتب العلمیۃ ،بیروت)

جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خود اپنا عمل اقامت میں دہرے کلمات پڑھنا ہے تو اسی کو ترجیح دی جائے گی اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔ وہابیوں کی دلیل کا احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں اقامت کے کلمات ایک مرتبہ پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ اذان کو دو آوازوں میں اور اقامت کو ایک آواز میں پڑھنے کا حکم ہے۔

یہ یاد رہے کہ اذان کے کلمات جو 19 حدیث پاک میں آئے ہیں، ان میں چار کلمے ترجیع کے ہیں یعنی شہادتیں "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ" پہلے دومرتبہ آہستہ اور پھر دومرتبہ بلند آواز سے ادا کی جائیں۔ احناف کے نزدیک ترجیع نہیں فقط ایک ہی آواز سے شہادتیں پڑھی جائیں گی جیسا کہ رائج ہے۔ احناف کے نزدیک عبداللہ بن زید کی حدیث پر مسئلہ کا مدار ہے جس میں ترجیع نہیں ہے۔ وہابیوں میں بھی ترجیع پر عمل نہیں، اس لئے اس مسئلہ پر یہاں کلام نہیں کیا گیا۔ مختصر جواب یہ ہے کہ ابومحذورہ جب ایمان لائے تو حضور علیہ السلام سے اذان سیکھی، جب کلمات شہادت پر آئے تو سابقہ زمانہ یاد آنے پر شرم کی وجہ سے آواز کو آہستہ کرلیا، حضور علیہ السلام نے دوبارہ بلند آواز سے کلمات شہادت پڑھنے کا کہا۔

## اقامت کھڑے ہوکر سننا

احناف کے نزدیک جب امام مسجد مصلیٰ پر موجود ہو جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو اس صورت میں سنت یہ ہے کہ اقامت بیٹھ کر سنی جائے اور مستحب ہے کہ حی علی الفلاح پر امام ومقتدی کھڑے ہوں۔ امام اور مقتدی کا کھڑے ہو کر اقامت سننا خلاف سنت مکروہ ہے۔ جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ:أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ:أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي خَرَجْتُ .وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ،وَحَدِيثُ أَنَسٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ .حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الْإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ .وَقَالَ بَعْضُهُمْ:إِذَا كَانَ الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَإِنَّمَا يَقُومُونَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ .وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ" ترجمہ: عبداللہ بن ابوقتادہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر نماز کی اقامت پڑھی جائے تو تم لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لو۔ اس باب میں حضرت انس سے بھی مروی ہے ان کی روایت غیر محفوظ ہے (امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں) ابوقتادہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ علماء صحابہ کی ایک جماعت لوگوں کے کھڑے ہو کر امام کا انتظار کرنے کو مکروہ سمجھتی ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر امام کے مسجد میں ہوتے ہوئے اقامت ہو تو اس وقت کھڑی ہوں جب موذن "قَدْ قَامَتُ الصَّلاةُ قَدْ قَامَتُ الصَّلاةُ" کہے ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔

(سنن الترمذی،ابواب السفر،باب کراہیة أن ینتظر الناس الإمام وہم قیام عند افتتاح الصلاة،جلد1،صفحه 731،دار الغرب الإسلامی ،بیروت)

السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو سَعْدٍ الْمَالِينِيُّ، أنبأ أَبُو أَحْمَدَ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو يَعْلَى، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْمٍ قَالَ:وَأَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ، ثنا ابْنُ صَاعِدٍ، ثنا أَزْهَرُ بْنُ جَمِيلٍ قَالَا:ثنا حَجَّاجُ بْنُ فَرُّوخَ التَّمِيمِيُّ الْوَاسِطِيُّ، ثنا الْعَوَّامُ بْنُ حَوْشَبٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ إِذَا قَالَ بِلَالٌ:قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ نَهَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ .وَهَذَا لَا يَرْوِيهِ إِلَّا الْحَجَّاجُ بْنُ فَرُّوخَ، وَكَانَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ يُضَعِّفُهُ" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد قامت الصلوٰۃ کہتے تو حضور علیہ السلام کھڑے ہو جاتے اور تکبیر تحریمہ کہتے۔ یہ روایت صرف حجاج بن فروخ سے مروی ہے اور حجاج کو یحیٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔

(السنن الکبریٰ بیہقی، کتاب الصلوٰۃ، باب من زعم انه یکبر قبل فراغ المؤذن من الاقامة، جلد2، صفحه35، دار الکتب العلمية، بیروت)

حجاج بن فروخ کو امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان پر جرح مفسر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں تو کم از کم حسن ضرور ہے اور پھر اس کی تائید دیگر آثار سے بھی ہوتی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق میں ہے "حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ، كَرِهَ إِنْ يَقُومَ الْإِمَامُ حَتَّى يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، وَكَرِهَ إِنْ يُكَبِّرَ حَتَّى يَفْرُغَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ إِقَامَتِهِ" ترجمہ: حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے امام کا کھڑے ہونا مکروہ جانتے تھے اور مکروہ جانتے تھے کہ امام مؤذن کی اقامت ختم ہونے سے پہلے تکبیر کہہ دے۔

(الكتاب المصنف فى الأحاديث والآثار، كتاب الصلوات، فى الإمام متى يكبر إذا قال المؤذن قد قامت الصلاة، جلد1، صفحه356، مكتبة الرشد، الرياض)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبۃ عبد اللہ بن محمد العبسی (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كَانَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَامَ، فَإِذَا قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ كَبَّرَ" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب مؤذن کہے حی علی الصلوٰۃ تو کھڑے ہو جاؤ اور جب کہے قد قامت الصلوٰۃ تو تکبیر کہو۔

(الكتاب المصنف فى الأحاديث والآثار، كتاب الصلوات، فى الإمام متى يكبر إذا قال المؤذن: قد قامت الصلاة، جلد1، صفحه356، مكتبة الرشد، الرياض)

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا "قد قامت الصلوٰۃ" پر کھڑے ہونا ثابت ہے جیسا کہ اخبار مکۃ فی قدیم الدہر وحدیثہ میں ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکہی (المتوفی 272ھ) روایت کرتے ہیں "فَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: ثنا هِشَامُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ رَأَيْتُهُ فِي حَوْضِ زَمْزَمَ الَّذِي يُسْقَى فِيهِ الْحَاجُّ، وَالْحَوْضُ يَوْمَئِذٍ بَيْنَ الرُّكْنِ وَزَمْزَمَ، فَأَقَامَ الْمُؤَذِّنُ الصَّلَاةَ، فَلَمَّا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَامَ حُسَيْنٌ"

(أخبار مكة فى قديم الدهر وحديثه، جلد2، صفحه70، دار خضر، بيروت)

صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی بیٹھ کر تکبیر سننا ثابت ہے بلکہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی ثابت ہے چنانچہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ابو محمد محمود بن احمد الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اخْتلف الْعلمَاء من السّلف فَمن بعدهمُ مَتى يقوم النَّاس إِلَى الصَّلَاة وَمَتى يكبر الإِمَام فَذهب الشَّافِعِي وَطَائِفَة إِلَى أَنه يُسْتَحبّ أَن لَا يقوم أحد حَتَّى يفرغ الْمُؤَذّن من الْإِقَامَة وَكَانَ

أنس يقوم إذا قَالَ الْمُؤَذِّن قد قامت الصَّلَاة وَبِه قَالَ أَحْمد وَقَالَ أَبُو حنيفَة والكوفيون يقومُونَ فِي الصَّفّ إِذا قَالَ حَيّ على الصَّلَاة'' ترجمہ: علماءِ سلف وخلف کا اس میں اختلاف ہے کہ اقامت کے کس مقام پر لوگ نماز کے لئے کب کھڑے ہوں، امام شافعی اور ایک گروہ اس طرف گیا کہ مستحب یہ ہے کہ کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ جائے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ پڑھتا۔ یہی امام احمد نے فرمایا۔ امام ابوحنیفہ اور دیگر کوفی علماء نے فرمایا جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ پڑھے اس وقت کھڑے ہوں۔

(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، كتاب الغسل، باب إذا ذكر في المسجد أنه جنب يخرج كما هو ولا يتيمم، جلد3، صفحہ225، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

اس پر تو کثیر مستند دلائل ہیں کہ اقامت بیٹھ کر سنی جائے، البتہ لوگ کب کھڑے ہوں اس پر بعض کا موقف ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں، بعض نے کہا حی علی الصلوٰۃ پر بعض نے کہا حی علی الفلاح پر۔ علماء نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ حی علی الصلوٰۃ پر اٹھنا شروع ہو اور حی علی الفلاح پر مکمل کھڑا ہو جائے۔

امام مالک کے نزدیک اقامت کے شروع سے ہی کھڑا ہونا مستحب ہے۔

وہابیوں کی طرح دیوبندی بھی اقامت کھڑے ہو کر سنتے ہیں۔ ان کے پاس کھڑے ہو کر اقامت سننے پر کوئی دلیل نہیں فقط باطل استدلال کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہو سکتا ہے جاہل وہابی دیوبندی اسے سنت سمجھتے ہوں یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی مسجد میں جب تمام نمازی بیٹھے ہوں یہ اکیلے کھڑے ہوئے ہوتے ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ جس طرح دیگر افعال (جیسے ننگے سر ہونا، مونچھ منڈوانا) بطور ضد سنت سمجھتے کر کرتے ہیں اسی طرح اقامت بھی کھڑے ہو کر سننے کو سنت سمجھتے ہیں۔

وہابی دیوبندی کھڑے ہو کر اقامت سننے کے جواز پر کہتے ہیں کہ تعمیلِ امر کی طرف مسارعت کرنا یعنی جلدی کرنا بالاتفاق مستحب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تعمیلِ امر قیام کیلئے مسارعت یعنی جلدی وہ شخص کرتا ہے جو حی علی الفلاح سنکر کھڑا ہوتا ہے یا وہ جو شروع اقامت ہی سے کھڑا ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ شروع اقامت سے کھڑا ہونے والا تعمیل امر کیلئے زیادہ مسارعت کرتا ہے لہٰذا اسے مکروہ کا مرتکب کیسے کہہ سکتے ہیں؟ وہ تو امرِ مستحب کا بجالانے والا ہے۔

اس باطل نظریے کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی دھوکہ دہی یا خود اپنی غلط فہمی ہے کیونکہ تعمیل امر کی طرف مسارعت کرنا تو بالاتفاق مستحب ہے لیکن ناقص العقل بندہ بھی یہ بات تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ تعمیل امر، امر کے بعد ہی ہو سکتی ہے امر سے پہلے کیسے ہو

سکتی ہے؟ مثلاً زید کے باپ نے زید کو کہا کھڑے ہو جاؤ، وہ فوری کھڑا ہو گیا تو اس کو کہا جائے گا کہ زید نے حکم پر فوری طور پر عمل کر کے ایک اچھا کام کیا ہے لیکن اس کے بجائے اگر زید باپ کا مذکورہ حکم ملنے سے پہلے کھڑا ہو جائے تو اسے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ زید نے بہت جلدی حکم مان لیا ہے کیونکہ باپ نے جب حکم کیا ہی نہیں تو ماننا کیسا؟ بلکہ زید کے کھڑے ہو جانے کے بعد اگر اس کا باپ زید کو کھڑے ہونے کا حکم دے تو باپ کا یہ حکم فضول ولغو ہو جائے گا بلکہ زید کو پاگل ہی کہا جائے گا کھڑے ہوئے شخص کو دوبارہ کھڑے ہونے کا کہہ رہا ہے۔ بالکل یہی صورت اقامت کہنے میں بھی ہے کہ حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح نماز کی طرف بلانے کا حکم ہے۔ اس کو سننے کے بعد جو شخص فوری کھڑا ہو اس کو یہ کہا جائے گا کہ اس نے حکم پر فوری عمل کر کے اچھا کام کیا ہے لیکن اس کے برخلاف اگر کوئی شروعِ اقامت میں ہی کھڑا ہو جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے حکم ماننے میں جلدی کی ہے بلکہ اس نے تو مکبر کا حکم لغو وفضول بنا دیا یعنی مثال کے طور پر اگر سارے ہی نمازی اقامت کے شروع میں کھڑے ہو جائیں تو مکبر حی علی لصلوۃ وحی علی الفلاح کہہ کر کس کو بلا رہا ہے؟ اور یہ بات بہت بری ہے کہ مکبر کے حکم کو لغو بنا دیا جائے۔ اسی وجہ سے فقہ حنفی میں کھڑے ہو کر تکبیر سننے کو مکروہ وممنوع قرار دیا ہے اور یہ میں نہیں کہتا بلکہ ملک العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیں علامہ کاسانی رقمطراز ہیں "أَنَّ قَوْلَهُ:حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ دُعَاءٌ إِلَى مَا بِهِ فَلَاحُهُمْ وَأَمْرٌ بِالْمُسَارَعَةِ إِلَيْهِ فَلَا بُدَّ مِنْ الْإِجَابَةِ إِلَى ذَلِكَ وَلَنْ تَحْصُلَ الْإِجَابَةُ إِلَّا بِالْفِعْلِ وَهُوَ الْقِيَامُ إِلَيْهَا، فَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يَقُومُوا عِنْدَ قَوْلِهِ:حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ لِمَا ذَكَرْنَا غَيْرَ أَنَّا نَمْنَعُهُمْ عَنْ الْقِيَامِ كَيْ لَا يَلْغُو قَوْلُهُ:حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ؛ لِأَنَّ مَنْ وُجِدَتْ مِنْهُ الْمُبَادَرَةُ إِلَى شَيْءٍ فَدُعَاؤُهُ إِلَيْهِ بَعْدَ تَحْصِيلِهِ إِيَّاهُ يَلْغُو مِنْ الْكَلَامِ" ترجمہ: مکبر کا یہ فرمان حی علی الفلاح، یہ لوگوں کے فلاح والے کام کی طرف ان کو بلانا ہے اور اس کی طرف جلدی کرنے کا حکم ہے لہٰذا اسے قبول کرنا لازم ہے۔ اور یہ قبول کرنا فعل کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے یعنی نماز کی طرف کھڑے ہونے سے، لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ جب مکبر حی علی الصلوۃ کہے تو اس وقت کھڑے ہو جائیں اس وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کی۔ ہاں ہم پہلے ہی کھڑے ہونے سے اس لئے منع کرتے ہیں تاکہ مکبر کا حی علی الفلاح کہنا لغو نہ ہو جائے کیونکہ جب چیز کی جلدی پہلے ہو چکی ہو اس کی طرف بلانا ایک فضول کلام کرنا کہلاتا ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ،فصل بیان حکم التکبیر أیام التشریق، جلد1، صفحہ200، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دیوبندی امام اعظم کی تقلید کا لبادہ اوڑھ کر ان کے مذہب حنفی کے اصول سے انحراف کر کے یوں بھی وار کرتے ہیں کہ جب مکبر قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام کو تکبیر کہہ دینے کا حکم ہے اب سوال یہ ہے کہ صفوں کا درست کرنا کہ سیدھی بھی ہوں اور

درمیان میں رخنہ بھی کوئی نہ ہو یہ بلا اختلاف سنت ہے تو اگر حی علی الفلاح پہ کھڑے ہوں اور قد قامت الصلوٰۃ پر تکبیر ہو جائے تو نمازی کھڑے کب ہوں گے؟ اور صفیں کب درست کریں گے؟ کب کندھے سے کندھا ملائیں گے؟ کب ٹخنے سے ٹخنہ سیدھا کریں گے؟ بالخصوص جب نمازی ہزاروں کی تعداد میں ہوں اتنے کثیر لوگوں کو صف بندی کیلئے وقت چاہئے اور مذکورہ صوت میں وقت بالکل نہیں ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہوئے اور قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع ہوگئی ،شروع میں کھڑے ہو کر صفیں درست کر لینی چاہیے۔

اس خود ساختہ دلیل کا جواب یہ ہے کہ صفوں کو درست کرنے کا بہانہ بے معنی اور فضول ہے کیونکہ امام اعظم اور محرر مذہب امام محمد اور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے اس بات کا پہلے ہی فیصلہ فرما دیا ہے اور یہ بات واضح کر دی ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا تسویہ صفوف کے منافی نہیں کہ اس کے لئے زیادہ وقت نہیں لگتا جیسا کہ مشاہدہ ہے چنانچہ الآ ثار لمحمد بن الحسن میں الامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی روایت کرتے ہیں "مُحَمَّدٌ، قَالَ:أَخبَرنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ مُصَرِّفٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ:إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ:حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُومُوا فَيُصَفُّوا" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب مؤذن حی علی الفلاح کہے قوم کے لئے مناسب ہے کہ وہ کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کریں۔

(الآثار لمحمد بن الحسن ،باب الأذان، جلد1 ،صفحہ107 ،دار الکتب العلمیة، بیروت)

الأصل المعروف بالمبسوط میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إذا كَانَ الإِمَامُ مَعَهم فِي الْمَسْجِد فإني أحب لَهُم أن يقُومُوا فِي الصَّفّ إِذا قَالَ الْمُؤَذّن حَيّ على الْفَلاح" ترجمہ: جب امام نمازیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں پسند کرتا ہوں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو لوگ صف میں کھڑے ہوں۔

(الأصل المعروف بالمبسوط، کتاب الصلوٰة،باب افتتاح الصلاة وما یصنع الإمام، جلد1، صفحہ18، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، کراچی)

الآثار میں امام محمد تحریر فرماتے ہیں "إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّن:حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُومُوا فَيُصَفُّوا، فَإِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، كَبَّرَ الْإِمَامُ. قَالَ مُحَمَّدٌ:وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَإِنْ كَفَّ الْإِمَامُ حَتَّى يَفْرُغَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ إِقَامَتِهِ ثُمَّ كَبَّرَ، فَلَا بَأْسَ بِهِ أَيْضًا كُلُّ ذَلِكَ حَسَنٌ" ترجمہ: جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو چاہیے کہ کھڑے ہو جائیں اور پھر صفیں درست کریں۔ پھر جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو امام تکبیر کہے۔ امام محمد فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی قول ہے۔ اور اگر مؤذن کے اقامت سے فارغ ہونے تک رک جائے اور پھر اس کے فارغ ہونے کے بعد تکبیر کہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ۔ یہ دونوں طریقے

ہی اچھے ہیں۔ (الآثار لمحمد بن الحسن،باب الأذان،جلد1،صفحہ107،دار الکتب العلمیة، بیروت)

الحاصل فقہ حنفی کے مطابق اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا مستحب ہے۔ دیو بندی جو خود کو حنفی کہتے ہیں اور فقہ کی مخالفت کرتے ہوئے کھڑے ہو کر تکبیر سنتے ہیں یہ خلاف سنت مکروہ عمل ہے۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں احمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوی الحنفی (المتوفی 1231ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" وإذا أخذ المؤذن فی الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه یقعد ولا ینتظر قائما فإنه مکروه کما فی المضمرات قهستانی ویفهم منه کراهة القیام إبتداء الإقامة والناس عنه غافلون" ترجمہ: جب مؤذن اقامت پڑھ رہا ہو اور کوئی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر اقامت ختم ہونے کا انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے۔ اسی سے اقامت کے شروع سے ہی کھڑا ہونا مکروہ ثابت ہوتا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلوٰة،فصل من آدابها،صفحه278،دار الکتب العلمیة، بیروت)

اگر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو وہ لوگوں کے غافل ہونے کی جگہ یہ لکھتے کہ دیو بندی اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

## اذان واقامت میں نام محمد ﷺ پر انگوٹھے چومنا

مسلمانوں میں رائج ہے کہ وہ اذان واقامت وغیرہ میں لفظ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں، یہ مستحب عمل ہے جسے محدثین وفقہاء نے پسند کیا ہے۔ دورانِ اذان انگوٹھے چومنے کے متعلق احادیث میں اس کی مختلف فضیلتیں بھی آئیں ہیں۔ المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ میں شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد السخاوی (المتوفی 902ھ) فرماتے ہیں" حَدِیثُ: مَسْحِ الْعَیْنَیْنِ بِبَاطِنِ أُنْمُلَتَیِ السَّبَّابَتَیْنِ بَعْدَ تَقْبِیلِهِمَا عِنْدَ سَمَاعِ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللَّه، مَعَ قَوْلِهِ :أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، رَضِیتُ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِینًا، وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا، ذَکَرَهُ الدَّیْلَمِیُّ فِی الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِیثِ أَبِی بَکْرٍ الصِّدِّیقِ أَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ قول المؤذن أشهد أن محمد رَسُولُ اللَّهِ قَالَ هَذَا، وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْأُنْمُلَتَیْنِ السَّبَّابَتَیْنِ وَمَسَحَ عَیْنَیْهِ، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیلِی فَقَدْ حَلَّتْ عَلَیْهِ شَفَاعَتِی، ولا یصح .وکذا ما أورده أبو العباس أحمد ابن أبی بکر الرداد الیمانی المتصوف فی کتابه "موجبات الرحمة وعزائم المغفرة بسند فیه مجاهیل مع انقطاعه،

عن الخضر عليه السلام أنه:من قال حين يسمع المؤذن يقول أشهد أن محمد رسول الله:مرحبا بحبيبی وقرة عينی محمد بن عبد الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثم يقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه لم يرمد أبدا، ثم روى بسند فيه من لم أعرفه عن أخی الفقيه محمد بن البابا فيما حكی عن نفسه أنه هبت ريح فوقعت منه حصاة فی عينه، فأعياهٗ خروجها، وآلمته أشد الألم، وأنه لما سمع المؤذن يقول أشهد أن محمدا رسول الله قال ذلك، فخرجت الحصاة من فوره، قال الرداد :وهذا يسير فی جنب فضائل الرسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وحكی الشمس محمد بن صالح المدنی إمامها وخطيبها فی تاريخه عن المجد أحد القدماء من المصريين أنه سمعه يقول:من صلى على النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا سمع ذكره فی الأذان وجمع أصبعيه المسبحة والإبهام وقبلهما ومسح بهما عينيه لم يرمد أبدا، قال ابن صالح:وسمعت ذلك أيضا من الفقيه محمد بن الزرندی عن بعض شيوخ العراق أو العجّم أنه يقول عندما يمسح عينيه:صلى الله عليك يا سيدی يا رسول الله يا حبيب قلبی ويا نور بصری ويا قرة عينی، وقال لی كل منهما:منذ فعله لم ترمد عينی، قال ابن صالح:وأنا ولله الحمد والشكر منذ سمعته منهما استعملته فلم ترمد عينی، وأرجو أن عافيتهما تدوم، وأنی أسلم من العمی إن شاء الله، قال وروی عن الفقيه محمد بن سعيد الخولانی قال:أخبرنی الفقيه العالم أبو الحسن علی ابن محمد بن حديد الحسينی أخبرنی الفقيه الزاهد البلالی عن الحسن عليه السلام أنه قال:من قال حين يسمع المؤذن يقول أشهد أن محمدا رسول الله:مرحبا بحبيبی وقرة عينی محمد بن عبد الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ويقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه لم يعم ولم يرمد، وقال الطاوسی:إنه سمع من الشمس محمد ابن أبی نصر البخاری خواجه حديث:من قبل عند سماعه من المؤذن كلمة الشهادة ظفری إبهاميه ومسهما على عينيه وقال عند المس:اللّٰهم احفظ حدقتی ونورهما ببركة حدقتی محمد رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ونورهما لم يعم، ولا يصح فی المرفوع من كل هذا شیء "**یعنی مؤذن سے**" اشهد انّ محمداً رسول الله "**سُن کر انگشتانِ شہادت کے پورے جانبِ باطن سے چُوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دُعا پڑھنا**" اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيناً وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيا "**اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب صدیق اکبر نے مؤذن کو**" اشهد انّ محمداً رسول الله "**کہتے سُنا یہ دُعا پڑھی اور**

دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چُوم کرآنکھوں سے لگائے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جوایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوجائے اور یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت نام رکھتے ہیں۔

ایسے ہی وہ حدیث کہ حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر رداد یمنی صوفی نے اپنی کتاب "موجبات الرحمة وعزائم المغفرہ" میں ایسی سند سے جس میں مجاہیل ہیں اور منقطع بھی ہے حضرت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کی کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں جوشخص مؤذّن سے " اشهد ان محمدا رسول الله "سن کر "مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبدالله صلى الله تعالى عليه وسلم" کہے پھر دونوں انگوٹھے چُوم کرآنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

پھر ایسی سند کے ساتھ جس کے بعض رواۃ کو میں نہیں پہچانتا فقیہ بن البابا کے بھائی سے روایت کی کہ وہ اپنا حال بیان کرتے تھے ایک بار ہوا چلی ایک کنکری ان کی آنکھ میں پڑگئی نکالتے تھک گئے ہرگز نہ نکلی اور نہایت سخت درد پہنچایا انہوں نے مؤذن کو "اشهد ان محمدارسول الله " کہتے ہوئے یہی کہا فوراً نکل گئی۔

رداد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کے حضور اتنی بات کیا چیز ہے۔ شمس الدین محمد بن صالح مدنی مسجد مدینہ طیبہ کے امام وخطیب نے اپنی تاریخ میں المجد مصری سے کہ سلف صالح میں تھے نقل کیا کہ میں نے اُنہیں فرماتے سُنا جو شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سُن کر کلمہ کی اُنگلی اور انگوٹھا ملائے اور انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے اُس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

ابن صالح فرماتے ہیں میں نے یہ امر فقیہ محمد بن زرندی سے بھی سنا کہ بعض مشائخ عراق یا عجم سے راوی تھے اور اُن کی روایت میں یوں ہے کہ آنکھوں پر مَس کرتے وقت یہ درود عرض کرے " صَلَّى اللّٰهُ عَلَيكَ يَاسَيدِىْ يا رَسُوْلَ اللّٰهِ ياحَبِيبَ قَلْبِىْ وَيانُوْرَ بَصَرِىْ وَيا قُرَّةَ عَينِىْ " اور دونوں صاحبوں یعنی شیخ مجد وفقیہ محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ جب سے ہم یہ عمل کرتے ہیں ہماری آنکھیں نہ دُکھیں۔ امام ابن صالح ممدوح نے فرمایا اللہ کے لئے حمد وشکر ہے جب سے میں نے یہ عمل اُن دونوں صاحبوں سے سُنا اپنے عمل میں رکھا آج تک میری آنکھیں نہ دُکھیں اور اُمید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہ ہوں گا اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

فقیہ محمد سعید خولانی سے مروی ہُوا کہ انہوں نے فرمایا مجھے فقیہ عالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید حسینی نے خبر دی کہ مجھے فقیہ

زاہد بلالی نے حضرت امام حسن علی جدہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے خبر دی کہ حضرت امام نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کو" اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ " کہتے سن کر یہ دعا پڑھے " مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةَ عَيْنِيْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے نہ کبھی اندھا ہو نہ آنکھیں دُکھیں۔

طاؤسی فرماتے ہیں اُنہوں نے خواجہ شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث سُنی کہ جو شخص مؤذن سے کلماتِ شہادت سُن کر انگوٹھوں کے ناخن چُومے اور آنکھوں سے ملے اور یہ دُعا پڑھے " اَللّٰهُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَيَّ وَنَوِّرْهُمَا بِبَرَكَةِ حَدَقَتَيْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَوِّرْهُمَا " اندھا نہ ہو۔ بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں۔(المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الأحادیث المشتهرة علی الألسنة،صفحه604--،دار الکتاب العربی ،بیروت)

امام سخاوی کا اتنی روایتیں پیش کر کے فرمانا کہ ان میں سے کوئی روایت بھی درجہ صحت پر فائز نہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سب روایتیں جھوٹی ہیں بلکہ علم حدیث میں جب کوئی محدث صحت کی نفی کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے وہ حدیث کی تین قسموں میں پہلی قسم درجہ صحیح پر نہیں بقیہ دو قسمیں حسن وضعیف پر ہوسکتی ہے۔ موضوعاتِ کبیر میں مولانا علی قاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں"لایصح لاینافی الحسن ملخصا"یعنی محدثین کا قول کہ یہ حدیث صحیح نہیں اُس کے حسن ہونے کی نفی نہیں کرتا۔
( الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة ،صفحه236،مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

بدر الدین زرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح پھر امام جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ پھر علامہ علی بن محمد بن عراق کنانی تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ الموضوعہ پھر علامہ محمد طاہر فتنی خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں"بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، فان الوضع اثبات الکذب و الاختلاق، وقولنا لم یصح لایلزم منه اثبات العدم، وانما هو اخبار عن عدم الثبوت، وفرق بین الامرین" یعنی ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے کہ موضوع کہنا تو اسے کذب وافتراء ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے نفیِ حدیث لازم نہیں، بلکہ اُس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے، اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

( مجمع بحار الانوار ،فصل وعلومه واصطلاحته ،جلد3،صفحه 506،نولکشور لکھنؤ)

القول المسدد فی الذب عن مسند احمد میں امام ابنِ حجر عسقلانی (المتوفی 852) فرماتے ہیں"لایلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا "یعنی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

( القول المسدد،الحدیث السابع ،صفحه45، دائرة المعارف النعمانیه حیدر آباد دکن ہند)

علامہ طاہر صاحبِ مجمع تذکرۃ الموضوعات میں امام سند الحفاظ عسقلانی سے ناقل "ان لفظ "لایثبت" لایثبت الوضع فان الثابت یشمل الصحیح فقط، والضعیف دونہ" یعنی کسی حدیث کو بے ثبوت کہنے سے اس کی موضوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ ثابت تو وہی حدیث ہے جو صحیح ہو اور ضعیف کا درجہ اس سے کم ہے۔

(مجمع تذکرۃ الموضوعات ،الباب الثانی فی اقسام الواضعین ،صفحہ7،کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)

پھر انگوٹھے چومنے کا مسئلہ فضائل میں سے ہے جس پر ایک ضعیف حدیث بھی کافی ہے جبکہ اس مسئلہ میں کثیر روایات مروی ہیں۔اسی طرح اور بھی کئی احادیث اس کے متعلق وارد ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے۔یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں لیکن محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہوتی ہیں اوراس سے مستحب ثابت ہوجاتا ہے۔ الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی (المتوفی676ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"قال العلماء من المحدثین والفقھاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا "ترجمہ:محدثین وفقہاوغیرہم علمانے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ومستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

(کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی الله تعالی علیه سلم،فصل قال العلماء من المحدثین ،صفحہ8، دار الفکر ،بیروت)

قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث میں وہابی مولوی محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم الحلاق القاسمی (المتوفی1332ھ) لکھتا ہے"قال المحقق الجلال الدوانی فی رسالته أنموذج العلوم:اتفقوا علی أن الحدیث الضعیف لا تثبت له الأحکام الشرعیة، ثم ذکروا أنه یجوز بل یستحب العمل بالأحادیث الضعیفة فی فضائل الأعمال"،ترجمہ:محقق جلال دوانی اپنے رسالہ"انموذج العلوم"میں فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس پر اتفاق کیا کہ ضعیف حدیث سے احکام شرعیہ ثابت نہیں ہوتے۔پھر کہا فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

(قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث،جلد1،صفحہ 15،دار الکتب العلمیة،بیروت)

بالفرض انگوٹھے چومنے کے مسئلہ پر تمام احادیث جھوٹی بھی ہوں تب بھی حضرت ابوبکر صدیق سمیت دیگر بزرگوں کا اس کا عمل ثابت ہونا اور انگوٹھے چومنے پر آنکھیں صحیح ہونے کے تجربات ثابت ہونا بھی انگوٹھے چومنے کے جائز ومستحب ہونے کو کافی ہے۔اسی لئے مولانا علی قاری نے عبارتِ مذکورہ کے بعد فرمایا"قلت واذاثبت رفعه الی الصدیق رضی اللہ تعالی عنه فیکفی للعمل به لقوله علیه الصلاۃ والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین"،یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے ہی اس فعل کا ثبوت عمل کو بس ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة (موضوعات کبریٰ)،صفحہ210، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وہابی دیوبندیوں کا انگوٹھے چومنے کو بدعت کہنا بالکل باطل ہے کہ جو چیز بدعت ہو اس کی تائید میں ضعیف حدیث بھی نہیں ہوتی۔ بدعت تو تب ہو کہ کسی صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھے چومنے سے منع کیا ہو۔

## قیام میں ایک دوسرے کے قدم سے قدم ملانا

احناف کے نزدیک قیام میں ایک نمازی کا دوسرے نمازی کے ساتھ قدم ملانا سنت نہیں ہے۔ وہابیوں کے نزدیک قیام میں ایک دوسرے کے ساتھ قدم ملانا سنت ہے۔ وہابیوں کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي، وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ، وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ" ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفیں سیدھی رکھو میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھوں اور قدموں کو دوسرے کے ساتھ ملالیتا تھا۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان ،باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف، جلد1، صفحہ 146، دار طوق النجاۃ، مصر)

اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ ایک دوسرے کے قدم سے قدم ملالو بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے کی سیدھ میں قدم رکھو۔ یہی محدثین نے اس کا مطلب بیان کیا ہے چنانچہ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی (المتوفی 795ھ) لکھتے ہیں "حديث أنس هذا: يدل على أن تسوية الصفوف: محاذاة المناكب والأقدام" ترجمہ: حدیث انس صف سیدھی رکھنے پر دلالت کرتی ہے کہ کندھے اور قدم ایک سیدھ میں ہوں۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الاذان ،باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف، جلد6، صفحہ 282، مکتبۃ الغرباء الأثریۃ، المدینۃ النبویۃ)

شرح صحیح البخاری لابن بطال میں ابن بطال ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک المالکی (المتوفی 449ھ) فرماتے ہیں "وفيه: دليل على أن استواء صدور القائمين فى الصف" ترجمہ: اس میں دلیل ہے کہ صف میں کھڑے ہونے کی صورت میں پاؤں بالکل ایک سیدھ میں ہوں۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الاذان ،باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف، جلد6، صفحہ 282، مکتبۃ الغرباء

الأثرية،المدينة النبوية)

اِرشادالساری لشرح صحیح البخاری میں احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک القسطلانی (المتوفی 923ھ) لکھتے ہیں "قال أنس:(و كان أحدنا) في زمنه صلى الله عليه وسلم (يلزق) بالزاى (منكبه بمنكب صاحبه، وقدمه بقدمه) المراد بذلك المبالغة فى تعديل الصف، وسد خلله" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم سے ہر ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اپنے کندھوں اور قدموں کو دوسرے سے ملالیتا تھا۔ اس حدیث سے مراد صف سیدھی کرنے اور درمیان میں وقفہ نہ رکھنے میں مبالغہ ہے۔

(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، جلد2، صفحه67، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر)

لہٰذا وہابیوں کا حدیث کے ظاہری الفاظ لے کر ایک دوسرے سے زبردستی ٹخنہ ملانا بلکہ پاؤں کا کچھ حصے دوسرے کے پاؤں پر رکھ دینا اور اسے سنت سمجھنا بالکل درست نہیں ہے۔ یہ حدیث مجازی معنی پر دلالت کرتی ہے اور اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں گھٹنے سے گھٹنہ اور کندھے سے کندھا ملانے کا بھی حکم ہے چنانچہ السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْعَبْدَوِيُّ الْحَافِظُ، أنا أَبُو أَحْمَدَ الْحَافِظُ، أنا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ خُزَيْمَةَ، ثنا سَلْمُ بْنُ جُنَادَةَ، ثنا وَكِيعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، ثنا أَبُو الْقَاسِمِ الْجَدَلِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ، يَقُولُ: أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثَلَاثًا، وَاللهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ .قَالَ :فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ، وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ، وَمَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِهِ" ترجمہ: نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف رخ انور کیا اور تین مرتبہ فرمایا: اپنی صفوں کو سیدھا رکھو۔ اللہ عزوجل کی قسم یا تو تم اپنی صفوں کو سیدھا رکھو گے یا اللہ عزوجل تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیر نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ آدمی اپنے ٹخنے کو دوسرے کے ٹخنے سے، اپنے گھٹنے کو دوسرے کے گھٹنے سے اور اپنے کندھے کو دوسرے کے کندھے سے ملالیتا تھا۔

(السنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب الدليل على أن الكعبين هما الناتيان فى جانبى القدم، جلد1، صفحه123، دار الكتب العلمية، بيروت)

اب وہابی اس حدیث کا کیا جواب دیں گے؟ کیا وہابی ٹخنوں کی طرح گھٹنے بھی ایک دوسرے سے ملاتے ہیں؟ اگر نہیں ملاتے تو کیا یہ ظاہر حدیث کے خلاف نہیں؟ پتہ چلا کہ وہابی بھی اس حدیث پر عمل پیرا نہیں ہوتے اور یہ ممکن بھی نہیں کہ اس حدیث

کو حقیقی معنی پر رکھ کر اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ناممکن ہے ٹخنوں گھٹنوں اور کندھوں کو ایک دوسرے سے ملا کر کھڑے ہونا۔لہٰذا اس حدیث کو مجاز کی طرف پھیرا جائے گا کہ اس سے مراد ایک دوسرے کے گھٹنے اور ٹخنے ایک سیدھ میں ہونا اور خوب مل کر کھڑے ہونا ہیں۔التعلیق المجد علی موطأ محمد میں محمد عبدالحی بن محمد عبدالحلیم الأنصاری اللکنوی الهندی ابوالحسنات (المتوفی 1304ھ) لکھتے ہیں"وقول النعمان بن بشیر:(رأیت الرجل منا یلزق کعبه بکعب صاحبه)زعم بعض الناس أنه علی الحقیقة، ولیس الأمر کذلك، بل المراد بذلك مبالغة الراوی فی تعدیل الصف، وسدّ الخلل کما فتح الباری، 2/176، والعمدة .2/294 وهذا یردّ علی الذین یدّعون العمل بالسنّة فی بلادنا حیث یجتهدون فی إلزاق کعابهم بکعاب القائمین فی الصف ویفرجون جداً للتفریج بین قدمیهم مما یؤدی إلی تکلّف وتصنُّع" ترجمہ:حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان:''میں نے دیکھا کہ صحابی اپنے ٹخنے کو دوسرے کے ٹخنے سے ملا لیتے تھے۔''بعض لوگوں نے گمان کیا کہ یہ فرمان حقیقت پر محمول ہے۔حالانکہ اس فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس میں راوی کا مبالغہ کرنا مراد ہے کہ اس طرح صف بندی کی جاتی تھی کہ صفیں سیدھی ہوتی تھیں اور درمیان میں کوئی جگہ خالی نہیں ہوتی تھی جیسا کہ فتح الباری، جلد2، صفحہ 176، عمدۃ القاری، جلد2، صفحہ 294، میں ہے۔اس میں ان لوگوں (یعنی وہابیوں) کا رد ہے کہ جو ہماروں شہروں میں ٹخنے سے ٹخنے ملانے کو سنت کہتے ہیں اور صف میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ ٹخنے ملانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے دونوں قدموں کے درمیان بہت زیادہ وقفہ رکھتے ہیں جو تکلف اور بناوٹ کی طرف لے جاتا ہے۔

(التعلیق الممجد علی موطأ محمد (شرح لموطأ مالك بروایة محمد بن الحسن)،جلد1،صفحه 372،دار القلم، دمشق)

اگر دیکھا جائے تو وہابیوں کا نماز میں کھڑے ہونے دیکھنے والے کو بھی بھلا نہیں لگتا کہ سر ننگا، ٹانگیں چوڑیں، ہاتھ سینے پر اور داڑھی بھی لمبی ہونے کے سبب سینے پر قیام کے دوران داڑھی سے بھی کھیلتے رہے۔

ان سب کے علاوہ ایک عقلی و تجربہ والی دلیل پیش خدمت ہے کہ دو وہابیوں کو کھڑا کر کے کہیں کہ نیچے ایک دوسرے کے قدم سے قدم ملاؤ اور ہاتھوں کو سینے پر رکھو جس طرح قیام میں رکھتے ہو، اب دونوں اپنا کندھا ملا کر دکھاؤ۔کبھی بھی کندھا نہیں مل سکتا۔اگر کسی وہابی کا مل جائے تو وہ خوش نہ ہو بلکہ کسی ڈاکٹر کو دکھائے کہ اس کے اعضاء ہی خراب ہیں۔

## تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟

• حنفیوں کے نزدیک تکبیر تحریمہ کہتے وقت مردوں کے لئے کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔احناف کی دلیل

مسلم شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنِی أَبُو کَامِلٍ الْجَحْدَرِیُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتَّى یُحَاذِیَ بِهِمَا أُذُنَیْهِ۔۔" ترجمہ: مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک اٹھاتے تھے۔

(صحیح مسلم ، کتاب الصلوٰۃ،باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین۔۔،جلد1 ،صفحہ293،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

یہ صحیح حدیث پاک ہے۔اسی طرح سنن نسائی،صحیح ابن حبان،مسند ابی یعلیٰ،السنن الکبریٰ للبیہقی،المعجم الکبیر للطبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ، میں مختلف اسناد کے ساتھ کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھانے پر احادیث موجود ہیں۔

وہابیوں کے نزدیک کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔وہابیوں کی دلیل مسلم شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا یَحْیَى بْنُ یَحْیَى التَّمِیمِیُّ، وَسَعِیدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِی شَیْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ نُمَیْرٍ، كُلُّهُمْ عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عُیَیْنَةَ، وَاللَّفْظُ لِیَحْیَى قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِیهِ، قَالَ: رَأَیْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتَّى یُحَاذِیَ مَنْكِبَیْهِ۔۔۔" ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع کی تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا۔

(صحیح مسلم ، کتاب الصلوٰۃ،باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین۔۔،جلد1 ،صفحہ292،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

احناف وہابیوں کی دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ ہاتھوں کا گٹا کندھوں تک یا تھوڑا سا اوپر ہو اور انگوٹھا کانوں کی لوتک ہو جیسا کہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں صراحت ہے "عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِیهِ، أَنَّهُ أَبْصَرَ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِینَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتَّى كَانَتَا بِحِیَالِ مَنْكِبَیْهِ وَحَاذَى بِإِبْهَامَیْهِ أُذُنَیْهِ، ثُمَّ كَبَّرَ" ترجمہ: عبدالجبار بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا اور انگوٹھوں کو کانوں کی لوتک پھر تکبیر کہی۔

(سنن ابی داود، کتاب الصلوٰۃ،باب رفع الیدین فی الصلاۃ،جلد1 ،صفحہ192،حدیث 724، المکتبة العصریة،بیروت)

یہ بھی کہا گیا کہ حضور علیہ السلام کا بعض مواقع پر کندھوں تک ہاتھ اٹھانا کسی عذر کے سبب ہے ورنہ سنت کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھانا ہے چنانچہ بدائع الصنائع میں علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں "وَأَمَّا الْحَدِيثُ فَالتَّوْفِيقُ عِنْدَ تَعَارُضِ الْأَخْبَارِ وَاجِبٌ فَمَا رُوِيَ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْعُذْرِ حِينَ كَانَتْ عَلَيْهِمُ الْأَكْسِيَةُ وَالْبَرَانِسُ فِي زَمَنِ الشِّتَاءِ فَكَانَ يَتَعَذَّرُ عَلَيْهِمُ الرَّفْعُ إلَى الْأُذُنَيْنِ يَدُلُّ عَلَيْهِ مَا رَوَى وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ أَنَّهُ قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَوَجَدْتُهُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إلَى الْآذَانِ ثُمَّ قَدِمْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ الْقَابِلِ وَعَلَيْهِمُ الْأَكْسِيَةُ وَالْبَرَانِسُ مِنْ شِدَّةِ الْبَرْدِ فَوَجَدْتُهُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إلَى الْمَنَاكِبِ" یعنی مختلف احادیث ہیں تو اس میں تطبیق دینا واجب ہے تو جو کندھوں تک ہاتھ اٹھانا مروی ہے یہ عذر کی حالت میں تھا کہ سردیوں کے دنوں میں زیادہ کپڑے اور برانس (وہ کپڑا جس کے ساتھ سر ڈھانپنے والا حصہ جڑا ہو) پہنے ہوتے تھے جس کے سبب ہاتھ کانوں تک اٹھانے سے معذور تھے۔ اس پر وہ روایت بھی دلیل ہے جو وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں مدینہ آیا تو صحابہ کو پایا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے پھر میں ان پر اگلے سال آیا تو انہوں نے سردی کی وجہ سے زیادہ کپڑے پہننے کے سبب اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی سنن حکم التکبیر أیام التشریق، جلد1، صفحہ199، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

## نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے ہاتھ رکھنا سنت ہے یا سینے پر؟

احناف کے نزدیک نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے اور یہ خشوع وخضوع اور تعظیم کے زیادہ قریب ہے کہ کسی بادشاہ کے سامنے ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا تعظیم سمجھا جاتا ہے۔ احناف کی دلیل مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث پاک ہے "حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمیر عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رایتُ النبیَ صلی اللہ لیہ وآلہ وسلم وَضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ" ترجمہ: وائل بن حجر اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام نماز میں دائیاں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر زیرِ ناف باندھتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد1، صفحہ390)

یہ حدیث صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ یہ حدیث موجودہ مصنف ابن ماجہ کے نسخوں میں موجود نہیں لیکن محدث قاسم بن قطلوبغا حنفی ثقہ راوی نے اسے نقل کیا تھا جس پر وہابی اعتراض کرتے تھے کہ یہ حدیث نسخے میں نہیں بالآخر یہ حدیث شیخ محمد عوامہ نے علامہ عابد سندھی اور علامہ مرتضی زبیدی رحمہما اللہ کے نسخوں سے نقل کی۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام فیصل خان صاحب نے اپنی کتاب "الدرۃ فی عقد الایدی تحت السرۃ" میں کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: "عرصہ دراز سے حضرت وائل بن حجر والی حدیث زیرِ بحث رہی ہے۔ طرفین کی جانب سے اس حدیث میں تحت السرۃ کے الفاظ پر اپنے تحفظات اور ثبوت کا اظہار کیا جاتا رہا

ہے۔اس حدیث میں تحت السرۃ کے الفاظ کا ذکر محدث قاسم بن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تخریج الاحادیث الاختیار، قلمی، صفحہ 27، نسخہ مکتبہ فیض اللہ استنبول، ترکی، برقم 292 میں کیا اور ایسے نسخہ پر انتباہ کیا ہے جس میں تحت السرۃ کے الفاظ موجود تھے۔مگر کچھ عرصہ سے غیر مقلدین حضرات کا مطالبہ تھا کہ ایسا نسخہ بتائیں جس میں تحت السرۃ کے الفاظ موجود ہوں۔کچھ عرصہ قبل 2006 میں مصنف ابن ابی شیبہ کا محقق نسخہ دار القلبۃ الاسلامیہ علوم القرآن سے شیخ محمد عوامہ کی تحقیق سے شائع ہوا۔جس میں شیخ محمد عوامہ نے جلد 3، صفحہ 320، مصنف ابن ابی شیبہ بتحقیقی پر ایسے نسخہ پر مطلع کیا۔جس میں تحت السرۃ کے الفاظ صریح ثابت تھے۔مگر حقیقت ماننے کی بجائے غیر مقلدین حضرات نے اس حدیث اور مصنف ابن ابی شیبہ کے قلمی نسخوں پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔ (الدرۃ فی عقد الایدی تحت السرۃ، صفحہ 29۔۔، دارالتحقیق فاؤنڈیشن، راولپنڈی)

مصنف ابن شیبہ کے علاوہ بھی کئی احادیث ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر کتب حدیث میں موجود ہیں چنانچہ سنن الدار قطنی میں ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدار قطنی (المتوفی 385ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ ثنا أَبُو كُرَيْبٍ ثنا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ وَضْعَ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ" ترجمہ: حضرت نعمان بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھا جائے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الصلوۃ، باب فی أخذ الشمال بالیمین فی الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 35، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

غیر مقلدین اس حدیث کے دوراویوں پر اعتراض کرتے ہیں: (1) نعمان بن سعد (2) عبدالرحمٰن بن اسحاق۔

نعمان بن سعد کو بعض محدثین نے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف کہا ہے جبکہ کثیر محدثین نے کی روایات کو لیا اور اس روایت کی تصحیح کی ہے۔جب کثیر محدثین نے ان کی روایات کو صحیح کہا ہے تو تراجم کتب میں ان کا ذکر نہ ہونے ان کی تعدیل کے منافی نہیں ہے۔محدثین میں سے درج ذیل نے ان کی روایات کی تصحیح کی ہے:۔امام حاکم، امام ذہبی، امام ترمذی نے ان کی حدیث و حسن غریب کہا، امام ابن خزیمہ نے ان کی روایت سے اپنی کتاب میں احتجاج کیا، ابن معین نے احتجاج کیا، امام دارمی نے اپنی کتاب میں احتجاج کیا، امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں ان سے احتجاج کیا، امام الرازی نے اپنی کتاب میں احتجاج کیا، ابن حبان نے انہیں اپنی کتاب ثقات میں ذکر کیا ہے۔وہابیوں کے امام البانی نے سنن ترمذی میں نعمان بن سعد اور عبدالرحمٰن بن اسحاق کی دو روایتوں کو حسن کہا اور ایک روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

عبدالرحمٰن بن اسحاق پر بعض نے جو جرح کی ہے وہ مبہم غیر مفسر ہے اور ایسی جرح معتبر نہیں ہوتی جبکہ دیگر محدثین نے ان کی توثیق بھی بیان کی ہے اور ان کی روایتوں کی تصحیح بھی کی ہے۔امام جوزی نے جرح مفسر بیان کی ہے جس واضح کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق پر جرح کی وجہ عبدالرحمٰن عن نعمان عن المغیر ہ کی سند پر ہے۔مذکورہ مسئلہ میں چونکہ یہ سند نہیں بلکہ عبدالرحمٰن عن نعمان عن علی ہے۔جس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے۔عبدالرحمٰن بن اسحاق کی درج ذیل محدثین نے تعدلین کی ہے:۔امام حاکم نے صحیح کہا، امام ذہبی نے صحیح کہا، امام ترمذی نے ان کی روایات کو حسن غریب کہا، امام ابن خزیمہ، ابن معین، احمد بن حنبل، بیہقی، مقدسی، مقری، رازی، ابونعیم، ابن مبارک، خطیب بغدادی، ابوداؤد، بزار، نے ان کی رایت سے احتجاج کیا۔البانی نے سنن ابی ابوداؤد میں ایک جگہ عبدالرحمٰن کی روایت کو صحیح کہا اور دوسری جگہ حسن صحیح کہا، سنن ابن ماجہ میں ان کی ایک روایت کو حسن صحیح کہا اور دوسری جگہ صحیح کہا، سنن ترمذی میں ان کی روایت دو روایتوں کو صحیح الاسناد کہا، دو روایتوں کو صحیح کہا، پانچ روایات کو حسن کہا، ایک روایت کو حسن صحیح کہا۔

جس سے پتہ چلا کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کم از کم حسن درجہ کے راوی ہیں پھر اس حدیث کے کئی شواہد و متابعات ہیں جس کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف کہنا قطعاً غلط ہے۔

التمہید لمافی الموطأ من المعانی والأسانید میں ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمر ی القرطبی (التوفی 463ھ) بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْجَحْدَرِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ صُهْبَانَ سَمِعَ عَلِيًّا يَقُولُ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَل " ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ وَانْحَرْ قَالَ وَضْعُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى تَحْتَ السُّرَّةِ" ترجمہ: عقبہ بن صبہان نے فرمایا میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ وہ اللہ عزوجل کے اس فرمان کے تحت فرماتے تھے: تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔انہوں نے فرمایا (نماز میں) دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید، تابع للحرف العین، جلد20، صفحہ78، مؤسسة القرطبه)

ایک تیسری روایت ہے جسے سنن ابی داود میں ابو داود سلیمان بن الاشعث (التوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ يَعْنِي ابْنَ أَعْيَنَ، عَنْ أَبِي بَدْرٍ، عَنْ أَبِي طَالُوتَ عَبْدِ السَّلَامِ، عَنِ ابْنِ جَرِيرٍ الضَّبِّيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُمْسِكُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ عَلَى الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّةِ" ترجمہ: حضرت ابن جریر ضبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ

کی کلائی کو پکڑ کر ناف کے نیچے رکھتے۔

(سنن أبی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، جلد1، صفحہ201، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

اس حدیث کی فنی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی میں وہابی مولوی ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ) لکھتا ہے "رَوَی أَبُو دَاوُدَ فِی سُنَنِہِ عَنْ جَرِیرٍ الضَّبِّیِّ قَالَ رَأَیْتُ عَلِیًّا یُمْسِكُ شِمَالَہُ بِیَمِینِہِ عَلَی الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّۃِ، قُلْتُ إِسْنَادُہُ صَحِیحٌ أَوْ حَسَنٌ " یعنی امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت جریر ضبی سے روایت کیا کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ کر ناف کے نیچے رکھتے۔ میں کہتا ہوں کی اس کی سند صحیح یا حسن ہے۔

(تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی، جلد2، صفحہ79، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وہابی کہتے ہیں کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا فعل ہے، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی روایت نہیں بلکہ کئی صحابہ کرام وتابعین سے اس کے متعلق آثار مروی ہے چنانچہ جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابو عیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَالعَمَلُ عَلَی ہَذَا عِنْدَ أَہْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِینَ، وَمَنْ بَعْدَہُمْ، یَرَوْنَ أَنْ یَضَعَ الرَّجُلُ یَمِینَہُ عَلَی شِمَالِہِ فِی الصَّلَاۃِ، وَرَأَی بَعْضُہُمْ أَنْ یَضَعَہُمَا فَوْقَ السُّرَّۃِ. وَرَأَی بَعْضُہُمْ: أَنْ یَضَعَہُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ، وَكُلُّ ذَلِكَ وَاسِعٌ عِنْدَہُمْ " ترجمہ: اس پر عمل ہے صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے اہل علم کا کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جائے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ناف کے اوپر باندھے اور بعض کہتے ہیں کہ ناف کے نیچے باندھے اور یہ سب جائز ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ، جلد1، صفحہ336، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ جیسی ہستی سے متصور نہیں کہ وہ کوئی ایسا فعل کریں جو سنت نہ ہو پھر ایک حدیث سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے سنت ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ ابن شاہین کے حوالہ سے کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال میں علاء الدین علی بن حسام الدین (المتوفی 975ھ) رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں "عن علی قال: ثلاثۃ من أخلاق الأنبیاء: تعجیل الإفطار، وتأخیر السحور، ووضع الأکف تحت السرۃ فی الصلاۃ" ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے: افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔
(کنز العمال، کتاب المواعظ ،الثلاثی ،جلد16،صفحہ230،مؤسسة الرسالة،بیروت)

ابوداؤد شریف کی ایک اور بسند حسن روایت میں ہے "حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ الْكُوفِيِّ، عَنْ سَيَّارٍ أَبِي الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَخْذُ الْأَكُفِّ عَلَى الْأَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ" ترجمہ: ابووائل سے مروی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نماز میں کلائی کو کلائی پر رکھ کے ناف کے نیچے ہاتھ باندھو۔

(سنن أبی داود، کتاب الصلوة، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاة، جلد1، صفحہ201، المکتبة العصریة، بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ کی بسند صحیح مروی ہے "حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ رَبِيعٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھیں۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات، وضع الیمین علی الشمال، جلد1، صفحہ343، مکتبة الرشد ،الریاض)

مصنف ابن ابی شیبہ کی بسند صحیح مروی ہے "حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَجَّاجُ بْنُ حَسَّانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مِجْلَزٍ، أَوْ سَأَلْتَهُ قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ يَصْنَعُ؟ قَالَ: يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِينِهِ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَيَجْعَلُهَا أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ" ترجمہ: حجاج بن حسان نے فرمایا میں نے ابومجلز سے سنا یا ان سے سوال کیا کہ ہاتھ کیسے رکھا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا باطن بائیں ہاتھ کے ظاہر پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھو۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات، وضع الیمین علی الشمال، جلد1، صفحہ343، مکتبة الرشد ،الریاض)

وہابیوں کے نزدیک سینے پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ وہابی سینے پر ہاتھ باندھنے پر یہ حدیث پاک پیش کرتے ہیں جو صحیح ابن خزیمة میں ابوبکر محمد بن إسحاق بن خزیمة بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسابوری (المتوفی 311ھ) نے روایت کی ہے "نا أَبُو مُوسَى، نا مُؤَمَّلٌ، نا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ" ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ علیہ السلام نے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر سینے پر رکھا۔

اس کے حاشیہ میں وہابیوں کے پیشوا البانی لکھتے ہیں "إسناده ضعيف لأن مؤملا وهو ابن اسماعيل سيء

الحفظ لكن الحديث صحيح جاء من طرق أخرى بمعناه وفي الوضع على الصدر أحاديث تشهد له" ترجمہ: اس کی سند ضعیف ہے۔ اس لئے کہ مؤمل جو ابن اسماعیل ہیں سیء الحفظ ہے۔ لیکن اسی معنی کی ایک اور صحیح حدیث آرہی ہے اور اس میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہے تو یہ حدیث اس کی شاہد ہے۔

(صحيح ابن خزيمة، كتاب الصلوٰة، باب وضع اليمين على الشمال في الصلاة قبل افتتاح القراءة، جلد1، صفحه243، المكتب الإسلامي، بيروت)

البانی صاحب کا دوسری حدیث کو صحیح کہنا بھی غلط ہے۔ دوسری حدیث بھی ضعیف ہے چنانچہ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ، حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ يَعْنِي ابْنَ حُمَيْدٍ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى، ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ (حكم الألباني): صحيح" ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھتے پھر دونوں کو سینے پر رکھتے تھے۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن أبي داود، كتاب الصلوٰة، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة، جلد1، صفحه201، المكتبة العصرية، بيروت)

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل وہابیوں کے نزدیک قابلِ عمل نہیں ہے اسلئے یہ وہابیوں کی دلیل نہ ہوئی۔ دوسرا یہ کہ البانی کا اسے صحیح کہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں الہیثم بن حمید پر ابومسہر نے کافی جرح کی ہے اور انہیں قدری فرقہ میں سے کہا ہے۔ تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی (المتوفی 852ھ) ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں "قال معاوية بن صالح قال لي أبو مسهر كان ضعيفا قدريا وقال محمد بن إسحاق الصنعاني عن أبي مسهر ثنا الهيثم بن حميد و كان ضعيفا وقال أبو بكر بن أبي خيثمة أخبرني أبو محمد التيمي ثنا أبو مسهر ثنا الهيثم بن حميد و كان صاحب كتب ولم يكن الاثبات ولا من أهل الحفظ وقد كنت أمسكت عن الحديث عنه استضعفته"

(تهذيب التهذيب، جلد11، صفحه 92، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

ایک حدیث وہابی حضرت ہلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیش کرتے ہیں جبکہ اس حدیث میں نماز میں سینے پر ہاتھ رکھنے کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال اگر اسے حدیث کو صحیح بھی مان لیں تب بھی یہ ہمارے مؤقف کا رد نہیں کرتی ہے کہ ہمارے مؤقف پر کثیر حدیث وارد ہیں جس کی وجہ سے ہمارا مؤقف ضعیف ثابت نہیں ہوتا۔ احناف کا موقف زیادہ قوی ہے جس کا اعتراف اسحاق بن راہویہ نے کیا ہے چنانچہ مسائل الامام احمد بن حنبل واسحاق بن راھویۃ میں ہے "قال اسحاق: ...تحت السرة اقوى في الحديث واقرب الى التواضع" ترجمہ: امام اسحاق نے فرمایا: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث زیادہ قوی ہے اور یہ

طریقہ تواضع کے زیادہ قریب ہے۔

(مسائل الامام احمدبن حنبل واسحاق بن راھوایة ،قلت این یضع یمینه علی شماله؟، جلد 2، صفحه 551، عمادة البحث العلمی، المملكة العربية السعودية)

احناف سینے پر ہاتھ رکھنے اور ناف کی نیچے ہاتھ رکھنے والی دونوں طرح کی احادیث پر عمل پیرا ہوتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مردوں کے لئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے اور عورتوں کے لئے سینے پر ہاتھ باندھنا ہے کہ عورتوں کے لئے اس میں زیادہ پردہ ہے۔

## نماز میں تسمیہ بالجہر پڑھنا

احناف کے نزدیک قراءت میں بسم اللہ آہستہ آواز میں پڑھنا سنت ہے اونچی آواز میں پڑھنا سنت نہیں ہے۔ سنن ابی داود میں ابوداود سلیمان بن الاشعث (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾" (حكم الألبانی): صحيح "ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ سے قراءت شروع کرتے تھے۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن أبی داود، كتاب الصلوٰة، باب من لم یر الجهر ب بسم الله الرحمن الرحيم، جلد 1، صفحه 207، المكتبة العصرية، بيروت)

یعنی ثناء اور تعوذ وتسمیہ آہستہ پڑھتے تھے اور قراءت الحمد شریف سے شروع کرتے تھے۔ سنن النسائی میں ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، وَابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهِ عَنْهُمْ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ (بِبِسْمِ اللَّهُ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) (حكم الألبانی) صحيح "ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی، میں نے ان تینوں ہستیوں میں سے کسی سے بھی "بسم الله الرحمن الرحيم" جہر کے ساتھ نہیں سنی۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح کہا۔

(السنن الصغرى للنسائی، كتاب الافتتاح، ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، جلد 2، صفحه 135، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ:حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الجُرَيْرِيُّ، عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَايَةَ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ:سَمِعَنِي أَبِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ، أَقُولُ:بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، فَقَالَ لِي:أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ إِيَّاكَ وَالحَدَثَ، قَالَ: وَلَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَبْغَضَ إِلَيْهِ الحَدَثُ فِي الإِسْلَامِ، يَعْنِي مِنْهُ، قَالَ: وَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَمَعَ عُمَرَ، وَمَعَ عُثْمَانَ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُولُهَا، فَلَا تَقُلْهَا، إِذَا أَنْتَ صَلَّيْتَ فَقُلْ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ .وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ:أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَغَيْرُهُمْ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ .وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ:لَا يَرَوْنَ أَنْ يَجْهَرَ بِ (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)، قَالُوا:وَيَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ " ترجمہ:ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بیٹے کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے نماز میں اونچی آواز سے (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) پڑھتے ہوئے سنا تو کہا اے بیٹے! یہ تو نئی چیز ہے، نئی چیزوں سے بچو۔ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ میں سے کسی کو بھی بدعات پیدا کرنے کا اپنے والد سے زیادہ دشمن نہیں دیکھا اور میرے والد نے کہا میں نے نماز پڑھی ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی ( بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) بلند آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا، پس تم بھی نہ کہو اور جب تم نماز پڑھو تو ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے شروع کرو۔امام ترمذی فرماتے ہیں عبداللہ بن مغفل کی حدیث حسن ہے اور اس پر اکثر اہل علم صحابہ کرام جن میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کا عمل ہے اور یہی قول ہے سفیان ثوری ابن مبارک احمد اور اسحاق کا کہ (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) کو اونچی آواز سے نہ پڑھا جائے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) آہستہ پڑھی جائے۔

(سنن الترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی ترک الجهر ب (بسم الله الرحمن الرحيم)، جلد1، صفحہ326، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک تسمیہ بلند آواز سے پڑھنا خلاف سنت نہیں ہے۔وہابی مولوی مبشر احمد ربانی لکھتا ہے:"سورۃ فاتحہ کے شروع میں " بسم اللہ الرحمن الرحیم " بالاتفاق پڑھنا ثابت ہے، اختلاف اس کے جہری اور سری پڑھنے میں ہے۔ کثرت سے احادیث صحیحہ اس کے سری پڑھنے کی موجود ہیں۔۔۔۔البتہ بعض صحابہ کرام سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" جہراً پڑھنا بھی ثابت ہے۔۔۔۔بہرکیف بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے دلائل زیادہ ہیں جبکہ بلند آواز سے پڑھنا بھی درست ہے۔"

(احکام و مسائل ،صفحہ173،دار الاندلس،لاہور)

چند احادیث تسمیہ بالجہر پڑھنے پر ملتی ہے جن میں بعض ضعیف ہیں اور بعض کے راوی ثقہ راویوں کے مخالف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں۔فقہائے احناف نے ان دونوں روایات میں تطبیق یوں دی ہے کہ اصل سنت تسمیہ آہستہ کہنے میں ہے اور جن روایتوں سے جہر ثابت ہے وہ تعلیم پر محمول ہیں۔العنایۃ شرح الہدایۃ میں محمد بن محمد جمال الدین الرومی البابرتی (المتوفی 786ھ) فرماتے ہیں" (قلنا هو محمول على التعليم) كما شرع الجهر بالتكبير للإعلام، كما روى عن عمر أنه جهر بالثناء بعد التكبير للتعليم؛ لأن أنسا رضى الله عنه قال صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلف أبى بكر وعمر وعثمان رضى الله عنهم فلم أسمع أحدا منهم يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم وإذا تعارضت الآثار وجب التأويل، وهو كما قلنا من الحمل على التعليم .وقيل كان الجهر فى الابتداء قبل نزول قوله تعالى ﴿ادعوا ربكم تضرعا وخفية﴾ (الأعراف55) فإنهم كانوا يجهرون بالثناء " ترجمہ:ہم نے کہا جہر کے ساتھ پڑھنا تعلیم پر محمول ہے جیسے تکبیر تحریمہ بتانے کے لئے جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تعلیم کے لئے تکبیر کے بعد ثنا بلند آواز سے پڑھی۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،حضرت ابوبکر صدیق،عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان میں سے کسی سے بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم جہر کے ساتھ نہیں سنی۔جب آثار میں تعارض آجائے تو تاویل کرنا واجب ہوتا ہے۔تو ہم نے کہا جہر کے ساتھ تسمیہ پڑھنا تعلیم پر ہے۔یہ بھی کہا گیا کہ جہر کے ساتھ تسمیہ پڑھنا ابتدا میں تھا اس آیت سے قبل:اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔صحابہ کرام اس آیت سے قبل جہر کے ساتھ ثنا پڑھتے تھے۔

(العناية شرح الهداية ، كتاب الصلوٰة،باب صفة الصلوٰة،جلد1،صفحہ291، دار الفكر،بيروت)

## نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا

احناف کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔فرض قرآن پاک کی ایک آیت پڑھنا ہے۔احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ترجمہ کنزالایمان:تو جتنا قرآن میسّر ہو پڑھو۔

(سورۃ المزمل،سورۃ73،آیت20)

اس آیت میں اللہ عزوجل مطلقا بغیر قید کے فرمایا کہ جو قرآن میں سے میسر ہو پڑھو۔اب فاتحہ پڑھنے کو فرض قرار دینا مطلق نص پر زیادتی ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔تو قرآن پاک کی ایک آیت پڑھنا فرض ہے۔

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے ایک صحابی کو نماز کا طریقہ ارشاد سکھایا تو فرمایا "إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ القُرْآنِ" ترجمہ: جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر تحریمہ پڑھ، پھر قرآن پاک میں سے جو میسر ہو پڑھ۔

(صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها۔۔، جلد1، صفحہ 152، دار طوق النجاة، مصر)

وہابیوں کے نزدیک سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ وہابیوں کی دلیل ابوداؤد شریف اور دیگر کتب میں موجود یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُنَادِيَ: أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں یہ اعلان کروں کہ فاتحہ کے بغیر قراءت نہیں۔

(سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، جلد1، صفحہ216، المكتبة العصرية، بيروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے سورۃ الفاتحہ پڑھنا فرض ثابت نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس سے سورۃ الفاتحہ پڑھنا واجب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں نفی جنس نہیں بلکہ نفی فضیلت ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد" مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں مگر صرف مسجد میں۔ اس حدیث میں بھی نفی فضیلت ہے کیونکہ اگر پڑوسی گھر میں بھی پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی البتہ جماعت چھوڑنے کا گناہ ہوگا۔ اسی طرح فاتحہ نہ پڑھنا واجب کا ترک ہے۔

احناف کے مؤقف کی تائید مزید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانے کا فرمایا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ فاتحہ بھی واجب ہے اور اس کے ساتھ سورت ملانا بھی واجب ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وَلَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِالحَمْدُ وَسُورَةٍ فِي فَرِيْضَةٍ أَوْ غَيْرِهَا" ترجمہ: اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورہ نہ پڑھی فرض نماز ہو یا نفل نماز ہو۔

(سنن الترمذي، ابواب الصلوة، باب ما جاء في تحريم الصلاة وتحليلها، جلد1، صفحہ317، دار الغرب الإسلامي، بيروت)

البنایہ میں ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) فرماتے ہیں "(فقلنا بوجوبهما) أي قلنا بوجوب قراءة الفاتحة وضم السورة حتى يأثم تاركهما إذا عمد ويلزمه سجود السهو إذا سها، والحاصل أنما نحن عملنا بالعدل باستعمالنا بالقرآن والحديث، وأثبتنا فريضة مطلق القراءة بالنص ووجوبية قراءة الفاتحة وضم

السورة بالحدیث" ترجمہ: ہم نے کہا کہ دونوں کا پڑھنا واجب ہے یعنی سورۃ الفاتحہ اور اس کے ساتھ سورت پڑھنا واجب ہے یہاں تک کہ جس نے ان دونوں کو قصداً چھوڑا گناہ گار ہوگا اور بھولے سے چھوڑا تو سجدہ سہو ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے اعتدال کے ساتھ قرآن اور حدیث دونوں پر عمل کیا۔ نص کے سبب مطلق قراءت کرنا فرض قرار دیا (اگرچہ ایک آیت ہو) اور سورۃ الفاتحہ اور اس کے ساتھ سورت ملانے کو حدیث پاک کی وجہ سے واجب قرار دیا۔

(البنایة شرح الہدایة، کتاب الصلوٰة، سنن الصلوٰة، جلد2، صفحہ210، دار الکتب العلمیة، بیروت)

## فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں قراءت

احناف کے نزدیک مغرب کی تیسری رکعت اور ظہر، عصر اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں قراءت ضروری نہیں ہے البتہ افضل یہی ہے کہ الحمد شریف پڑھی جائے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُمَا قَالَا: اقْرَأْ فِي الْأُولَيَيْنِ، وَسَبِّحْ فِي الْأُخْرَيَيْنِ" ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرو اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھو۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات، من کان یقول یسبح فی الأخریین ولا یقرأ، جلد1، صفحہ327، مکتبة الرشد، الریاض)

اسی طرح اور کئی روایات ہیں چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّهُ قَالَ: يَقْرَأُ فِي الْأُولَيَيْنِ، وَيُسَبِّحُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ" ترجمہ: حضرت حارث سے مروی ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی جائے اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھی جائے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات، من کان یقول یسبح فی الأخریین ولا یقرأ، جلد1، صفحہ327، مکتبة الرشد، الریاض)

مصنف عبد الرزاق میں ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیر ی الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: كَانَ يَعْنِي عَلِيًّا يَقْرَأُ فِي الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ، وَلَا يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ" ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن ابی رافع سے مری ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں قراءت نہیں کرتے تھے۔

(المصنف، کتاب الصلوٰة، باب کیف القراءة فی الصلاة، وہل یقرأ ببعض السور؟، جلد2، صفحہ100، المجلس العلمی، الہند)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ: مَا تَفْعَلُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ

مِنْ صَلَاةٍ؟ قَالَ:أُسَبِّحُ وَأَحْمَدُ اللَّهَ وَأُكَبِّرُ"، ترجمہ:حضرت منصور نے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ نماز کی آخری دو رکعتوں میں کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا تسبیح پڑھتا ہوں، اللہ عزوجل کی حمد کرتا ہوں اور تکبیر پڑھتا ہوں۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار،کتاب الصلوات ،من کان یقول یسبح فی الأخریین ولا یقرأ،جلد1،صفحہ327،مکتبة الرشد،الریاض)

المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد الشامی ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ثنا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ، ثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ كَانَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ يَأْخُذُ بِهِ وَكَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِذَا كَانَ إِمَامًا قَرَأَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ، وَلَا يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِشَيْءٍ"، ترجمہ:حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے اور حضرت ابراہیم اسی پر عمل پیرا تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب امامت کرواتے تو پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرتے اور آخری دو رکعتوں میں قراءت نہیں کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر،باب العین ،جلد9،صفحہ264،مکتبة ابن تیمیة،القاہرة)

الآثار میں ابو یوسف یعقوب بن إبراہیم (المتوفی 182) رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں"عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقْرَءُونَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَشَيْءٍ مَعَهَا، وَلَا يَقْرَءُونَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ شَيْئًا"، ترجمہ:امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہم سے انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اصحاب سے روایت کیا کہ وہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت نہیں پڑھتے تھے۔

(الآثار،باب افتتاح الصلاة،صفحہ23،دار الکتب العلمیة،بیروت)

وہابیوں کی نزدیک فرضوں کی آخری رکعات میں بھی الحمد شریف پڑھنا واجب ہے۔وہابیوں کی دلیل یہ حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ:حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ:أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ، وَسُورَتَيْنِ، وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ، وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، وَهَكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ"

ترجمہ:حضرت عبد اللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت کے ساتھ قراءت کرتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔اور کبھی کبھار

ایک آیت ہمیں سنا دیتے تھے۔ پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے زیادہ طول دیتے تھے۔ ایسا ہی عصر اور فجر کی نماز میں کرتے تھے۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب، جلد 1، صفحہ 155، دار طوق النجاة، مصر)

وہابیوں کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں کہا گیا اور نہ ہی اس حدیث سے واجب ثابت ہوتا ہے بلکہ آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھنا افضل ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر اس حدیث سے فاتحہ کو واجب ٹھہرایا جائے تو یہ دیگر روایتوں کے خلاف ہے جس میں حضرت علی المرتضی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما سے آخری دو رکعتوں میں تسبیحات پڑھنا ثابت ہے۔ لہٰذا تمام روایتوں پر عمل اسی صورت میں ہوگا کہ آخری دو رکعتوں میں فاتحہ افضل ہے اور تسبیحات پڑھنا بھی جائز ہے۔ بدائع الصنائع میں علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَأَمَّا فِي الْأُخْرَيَيْنِ فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَقْرَأَ فِيهِمَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَلَوْ سَبَّحَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ ثَلَاثَ تَسْبِيحَاتٍ مَكَانَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَوْ سَكَتَ أَجْزَأَتْهُ صَلَاتُهُ" ترجمہ: آخری دو رکعتوں میں افضل یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ اگر ہر رکعت میں فاتحہ کی جگہ تین تسبیحات پڑھ لیں یا اتنی دیر خاموش رہا تو اس کی نماز جائز ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الصلوٰۃ، فصل أركان الصلاة، جلد 1، صفحہ 111، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

## امام کے پیچھے قراءت

احناف کے نزدیک امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز نہیں ہے امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ احناف کی پہلی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے جس میں حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

(سورۃ الاعراف، سورت 7، آیت 204)

اگر امام کی قراءت کو مقتدی سنے نہیں بلکہ خود اپنی قراءت شروع کر دے تو یہ عمل قرآنی حکم کے خلاف ہے۔

اسی طرح احادیث میں صراحت ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے بلکہ خاموش رہا جائے۔ سنن ابن ماجہ اور نسائی شریف کی حدیث پاک جسے البانی نے بھی حسن صحیح قرار دیا ہے اس میں ہے "أَخْبَرَنَا الْجَارُودُ بْنُ مُعَاذٍ التِّرْمِذِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب تکبیر تحریمہ کہے تم تکبیر کہو جب قراءت کرے خاموش رہو۔ جب وہ کہے "سمع الله لمن حمده "تو کہو" اللهم ربنا لك الحمد"

(السنن الصغرى للنسائی، کتاب الافتتاح، تأویل قوله عز وجل (وإذا قرء القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلکم ترحمون) جلد2، صفحہ 141، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح حدیث پاک روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا یُوسُفُ بْنُ مُوسَى الْقَطَّانُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِیرٌ، عَنْ سُلَیْمَانَ التَّیْمِیِّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِی غَلَّابٍ، عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الرَّقَاشِیِّ، عَنْ أَبِی مُوسَى الْأَشْعَرِیِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا" ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

(سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلوٰة، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا، جلد1، صفحہ276، دار إحیاء الکتب العربیة، الحلبی)

جن نمازوں میں قراءت جہری ہے جیسے فجر، مغرب اور عشاء، ان نمازوں میں تو واضح ہو گیا کہ قراءت کرنا جائز نہیں کہ یہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ اب ظہر اور عصر کا کیا حکم ہو گا کہ اس میں تو بلند آواز سے قراءت نہیں کی جاتی؟ تو ظہر اور عصر میں بھی مقتدی قراءت نہیں کرے گا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ظہر اور عصر میں بھی مقتدی قراءت نہیں کرے گا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ معرفۃ السنن والآثار میں احمد بن الحسین بن علی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَکْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُرَیْشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ سُفْیَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُکْرَمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا یُونُسُ بْنُ بُکَیْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِیفَةَ، وَالْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِی عَائِشَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِأَصْحَابِهِ الظُّهْرَ، أَوِ الْعَصْرَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: مَنْ قَرَأَ خَلْفِی بِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، فَلَمْ یَتَکَلَّمْ أَحَدٌ فَرَدَّدَ ذَلِكَ ثَلَاثًا، فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا یَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: لَقَدْ رَأَیْتُكَ تُخَالِجُنِی أَوْ قَالَ: تُنَازِعُنِی الْقُرْآنَ، مَنْ صَلَّى مِنْکُمْ خَلْفَ إِمَامِهِ، فَقِرَاءَتُهُ لَهُ قِرَاءَةٌ" ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے ساتھ ظہر یا عصر کی نماز پڑھی۔ جب نماز ختم ہوئی تو فرمایا: کس نے میرے پیچھے یہ تلاوت کی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ کسی نے جواب نہ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ یہی سوال کیا تو ایک صحابی نے عرض کی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے قراءت کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ تو مجھ سے قرآن چھین رہا ہے یا فرمایا: مجھ سے قرآن کے متعلق جھگڑ رہا ہے۔ تم میں سے جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ (معرفة السنن والآثار، القراءة خلف الإمام، جلد3، صفحه74، دار الوفاء، القاہرة)

مسند امام اعظم کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "حدثنا ابو الحسن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبداللّٰہ بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم انه قال مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ" ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

(مسند الامام الاعظم، کفایة قرأة الامام للمأموم، صفحه 61، نور محمد کارخانه تجارت، کراچی)

مسند امام احمد بن حنبل کے حاشیہ میں شعیب الارنؤوط لکھتا ہے "من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة. وهو حدیث حسن روی عن جماعة من الصحابة منهم جابر بن عبد الله" ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے یہ حدیث حسن ہے صحابہ کرام کی جماعت سے جن میں سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں ان سے یہ حدیث مروی ہے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبی ہریرة رضی الله عنه، جلد2، صفحه240، مؤسسة قرطبة، القاہرة)

حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء میں ابو نعیم احمد بن عبداللہ الأصبہانی (المتوفی 430ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ مَخْلَدٍ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ الْهَيْثَمِ، ثنا أَبُو نُعَيْمٍ، ثنا الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ مَشْهُورٌ مِنْ حَدِيثِ الْحَسَنِ" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ یہ حدیث حسن مشہور ہے۔

(حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، جلد7، صفحه334، دار الکتاب العربی، بیروت)

یہی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

مؤطا امام محمد میں ہے "عن حماد بن ابراهیم ان عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه لم یقرأ خلف الامام لا فی الرکعتین الاولین ولا فی غیرهما" ترجمہ: حضرت حماد بن ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے قراءت نہ کی نہ پہلی دو رکعتوں میں نہ ان کے غیر میں۔

(المؤطا للامام محمد، باب القرأة فی الصلوٰة خلف الامام، صفحہ100، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

المختصر یہ کہ نماز چاہے جہری ہو یا سری ہر صورت مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہیں کرے گا یہی احادیث سے ثابت ہے اور جید صحابہ کرام امام کے پیچھے قراءت پر سختی سے ممانعت کرتے تھے چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي أَشْيَاخُنَا أَنَّ عَلِيًّا قَالَ "مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ" قَالَ: وَأَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، كَانُوا يَنْهَوْنَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ" ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کیا ہے۔ فرمایا: مجھے شیوخ نے خبر دی کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اس کی نماز نہیں۔ فرمایا: مجھے خبر دی موسیٰ بن عقبہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کرتے تھے۔

(المصنف، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءۃ خلف الامام، جلد2، صفحہ139، المجلس العلمی، الہند)

مزید امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: مَنْ قَرَأَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ: وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: مُلِءَ فُوهُ تُرَابًا قَالَ: وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: وَدِدْتُ أَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي فِيهِ حَجَرٌ" ترجمہ: حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ قراءت کی وہ فطرت پر نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کا منہ مٹی سے بھرا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کے منہ میں پتھر رکھ دوں۔

(المصنف، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءۃ خلف الامام، جلد2، صفحہ138، المجلس العلمی، الہند)

مؤطا امام محمد میں ہے "اخبرنا داؤد بن قیس الفراء المدنی اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انہ ذکر لہ ان سعدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ" یعنی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (کہ افاضل صحابہ وعشرہ مبشرہ ومقربانِ بارگاہ سے ہیں) منقول ہے انہوں نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارہ ہو۔

(مؤطاللامام محمد،باب القرأة فی الصلوٰۃ خلف الامام،صفحہ101،مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

مؤطا امام محمد میں ہے "اخبرنا داؤد بن قیس الفراء ثنا محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا" یعنی حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کاش جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اُسکے منہ میں پتھر ہو۔

(مؤطاللامام محمد،باب القرأة فی الصلوٰۃ خلف الامام،صفحہ102،مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس روایت کی صحت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فقیر کہتا ہے رجال اس حدیث کے برشرط صحیح مسلم ہیں۔"

(فتاوٰی رضویہ، جلد6، صفحہ246، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مؤطا امام محمد میں ہے "عن علقمة بن قیس قال لان اعض علی جمرة احب الی من ان اقرأ خلف الامام" یعنی حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ (جو کہ بہت بڑے فقیہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما کے تلامذہ میں سے ہیں) فرماتے ہیں البتہ آگ کی چنگاری منہ میں لینا مجھے اس سے زیادہ پیاری ہے کہ میں امام کے پیچھے قراءت کروں۔

(موطا امام محمد، باب القرأة فی الصلوٰۃ خلف الامام، صفحہ100، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس مسئلہ پر کثیر احادیث پیش کیں اور ان کی صحت پر بھی کلام کیا چند احادیث اور ان کی صحت پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کلام پیش خدمت ہے:۔

حدیث: "محمد فی مؤطاه من طریق سفیانین عن منصور بن المعتمر وقال الثوری نا منصور وھذا لفظ ابن عیینة عن منصور بن المعتمر عن ابی وائل قال سئل عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن القرأة خلف الامام قال انصت فان فی الصلوٰة لشغلا سیکفیك ذلك لامام" خلاصہ یہ کہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دربارہ قراءت مقتدی سوال ہوا، فرمایا خاموش رہ کہ نماز میں مشغولی ہے یعنی بیکار باتوں سے باز رہنا۔ عنقریب تجھے امام اس کام کی کفایت کردے گا یعنی نماز میں تجھے لاطائل باتیں روانہیں، اور جب امام کی قراءت بعینہٖ اُس کی قراءت ٹھہرتی ہے تو پھر مقتدی کا خود قراءت کرنا محض لغو ناشائستہ ہے۔

فقیر کہتا ہے یہ حدیث اعلیٰ درجہ صحاح میں ہے اس کے سب رواۃ ائمہ کبار و رجال صحاح ستہ ہیں۔

اثر: "محمد فی الموطا اخبرنا بکیر بن عامر مرثنا ابرھیم النخعی عن علقمة بن قیس قال لان اعض علی جمرة احب الی من ان اقرأ خلف الامام" یعنی حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں البتہ آگ کی چنگاری منہ میں لینا مجھے

اس سے زیادہ پیاری ہے کہ میں امام کے پیچھے قراءت کروں۔

اثر:"محمد ایضا اخبرنا اسرائیل من یونس ثنا منصور عن ابراهیم قال ان اول من قرأ خلف الامام رجل اتهم" یعنی ابراہیم بن سوید النخعی نے کہ رؤسائے تابعین وائمہ دین متین سے ہیں تحدیث وفقاہت ان کی آفتاب نیمروز ہے فرمایا پہلے جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا وہ ایک مرد متہم تھا۔

حاصل یہ کہ امام کے پیچھے قراءت ایک بدعت ہے جو ایک بے اعتبار آدمی نے احداث کی۔ فقیر کہتا ہے رجال اس حدیث کے رجال صحیح مسلم ہیں۔

حدیث: امام مالک اپنی مؤطا میں اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں "وهذا سباق مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالی عنهما كان اذا سئل هل يقرأ احد خلف الامام قال اذا صلى احدكم خلف امام فحسبه قرأة الامام واذا صلى وحده فليقرأ قال وكان عبدالله بن عمر رضی الله تعالی عنهما لايقرأ خلف الامام " یعنی سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب دربارہ قراءتِ مقتدی سوال ہوتا فرماتے جب کوئی تم میں امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے قراءت امام کافی ہے اور جب اکیلا پڑھے تو قراءت کرے۔ نافع کہتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے۔

فقیر کہتا ہے کہ یہ حدیث غایت درجہ کی صحیح الاسناد ہے حتی کہ مالک بن نافع عن ابن عمر کو بہت محدثین نے صحیح ترین اسانید کہا۔

حدیث:"محمد اخبرنا عبيدالله بن عمربن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی الله تعالى عنه عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالى عنه قال من صلى خلف الامام كفته قرأته" یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مقتدی کو امام کا پڑھنا کافی ہے۔

فقیر کہتا ہے یہ سند بھی مثل سابق کے ہے اور اس کے رجال بھی رجال صحاح ستہ ہیں، بلکہ بعض علماء حدیث نے روایات نافع عن عبیداللہ بن عمر کو امام مالک پر ترجیح دی۔

حدیث13:"محمد اخبرنا داؤد بن قيس ثنا عمر بن محمد بن زيد عن موسى بن سعيد بن زيد بن ثابت الانصاری يحدثه عن جده قال من قرأخلف الامام فلا صلوة له " یعنی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کی نماز جاتی رہی۔

فقیر کہتا ہے یہ حدیث حسن ہے اور دار قطنی نے بطریق طاؤس اسے مرفوعاً روایت کیا۔

(فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ243---، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اس مسئلہ پر اور بھی کثیر احادیث و آثار ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے قراءت جائز نہیں ہے۔ بس اتنے دلائل پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

وہابیوں کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ وہابیوں کی دلیل سنن نسائی کی یہ حدیث پاک ہے "أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، عَنْ صَدَقَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ حَرَامِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ مَحْمُودِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ:صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ الصَّلَوَاتِ الَّتِي يُجْهَرُ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ:لَا يَقْرَأَنَّ أَحَدٌ مِنكُمْ إِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَةِ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ(حكم الألباني)ضعيف" ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بعض نمازیں پڑھی جس میں جہر اقراءت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی قراءت نہ کرے جب جہری قراءت کی جارہی ہو مگر سورۃ فاتحہ پڑھ لو۔ البانی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے۔

(السنن الصغرى للنسائي، كتاب الافتتاح، قراءة أم القرآن خلف الإمام فيما جهر به الإمام، جلد2، صفحه 127، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

اس حدیث کو وہابیوں کے اپنے امام البانی نے ضعیف کہا ہے۔ وہابیوں کی دوسری دلیل صحیح ابن حبان کی یہ حدیث پاک ہے "أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ خُزَيْمَةَ قَالَ:حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الذُّهْلِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَا تجزىء صَلَاةٌ لَا يُقْرَأُ فِيهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.قُلْتُ:وَإِنْ كُنتُ خَلْفَ الْإِمَامِ؟ قَالَ:فَأَخَذَ بِيَدِي وَقَالَ:اقْرَأْ فِي نَفْسِكَ" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز درست نہیں۔ میں نے عرض کی اگر میں امام کے پیچھے ہوں۔ تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اس صورت میں اپنے دل میں قراءت کرلے۔

(صحيح ابن حبان، كتاب الصلوة، ذكر إيقاع النقص على الصلاة إذا لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب، جلد5، صفحه 91، مؤسسة الرسالة، بيروت)

احناف نے اس حدیث کی یہ تاویل کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کا یہ مطلب ہے کہ اپنے دل سے

امام کی قراءت فاتحہ پر غور کرو۔ دوسرا یہ کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا ذاتی قول ہے انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام سے ایسا سنا ہے۔ اب صحابی کے قول کو دیگر احادیث کے مقابل کیسے حجت بنایا جاسکتا ہے؟

تیسرا یہ ہے کہ احناف نے ان دونوں حدیثوں کی تاویل یہ کی کہ ابتدا میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کی اجازت تھی بعد میں بحکم قرآن ممانعت ہوگئی چنانچہ تبیین الحقائق کے حاشیہ الشلبی میں شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن الشِّلْبِيّ (المتوفی 1021) فرماتے ہیں "وَمَا رُوِيَ مِنْ حَدِيثِ عُبَادَةَ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ كَانَ فِي الِابْتِدَاءِ فَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةَ تَرَكُوا الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ خَلْفَهُ فَقَالَ مَا لِي أُنَازَعُ فِي الْقُرْآنِ وَقِيلَ مَحْمُولٌ عَلَى غَيْرِ الْإِمَامِ وَقَدْ جَاءَ مُصَرَّحًا بِهِ فِي رِوَايَةِ الْخَلَّالِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ صَلَاةٍ لَا يُقْرَأُ فِيهَا بِأُمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ إلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ وَرُوِيَ أَيْضًا مَوْقُوفًا عَلَى جَابِرٍ" ترجمہ: عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث مروی ہے وہ محمول ہے ابتدائی دور میں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ تو امام کے پیچھے قراءت کرنا چھوڑ دیا گیا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب آپ علیہ السلام نے صحابی کو پیچھے قراءت کرتے سنا تو فرمایا: کون ہے جو مجھ سے قرآن میں جھگڑتا ہے۔ کہا گیا کہ یہ امام کے علاوہ پر محمول ہے جیسا کہ صراحت ہے خلال کی سند کے ساتھ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نامکمل ہے مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت جابر سے بھی موقوفا مروی ہے۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلوٰۃ، آداب الصلوٰۃ، جلد1، صفحہ131، المطبعة الكبرى الأميرية، القاهرة)

اس کی تائید سنن الدار قطنی کی حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے "حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ الْأَشْعَثِ، وَأَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، قَالَا: نا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ مَزْيَدٍ، أَخْبَرَنِي أَبِي، ثنا الْأَوْزَاعِيُّ، ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَامِرٍ، حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ ﴿وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ قَالَ: نَزَلَتْ فِي رَفْعِ الْأَصْوَاتِ وَهُمْ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ. لَفْظُ ابْنِ أَبِي دَاوُدَ، عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَامِرٍ ضَعِيفٌ" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے متعلق: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ فرمایا یہ آیت تب نازل ہوئی جب صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی پیچھے نماز میں آوازیں بلند کرتے تھے۔ابن ابوداؤد کے الفاظ ہیں، عبداللہ بن عامر ضعیف ہے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الصلوۃ،باب ذکر قوله صلى الله عليه وسلم :من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة،جلد2،صفحه 107، مؤسسة الرسالة، بيروت)

مزید اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو الآثار لمحمد بن الحسن میں الامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی (المتوفی 189ھ) نے روایت کی ہے "مُحَمَّدٌ، قَالَ:أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ:صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلٌ خَلْفَهُ يَقْرَأُ، فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَاهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ:أَتَنْهَانِي عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَنَازَعَا حَتَّى ذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ صَلَّى خَلْفَ إِمَامٍ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ قَالَ مُحَمَّدٌ:وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ" ترجمہ:حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:حضور علیہ السلام نے نماز پڑھائی تو ایک صحابی نے آپ کے پیچھے قراءت کی تو دوسرے صحابی نے ان کو نماز میں قراءت کرنے سے منع کیا۔پہلے صحابی نے کہا آپ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کررہے ہو تو اس بات پر دونوں کا اختلاف ہوگیا یہاں تک کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: جو امام کے پیچھے ہے تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔امام محمد نے فرمایا یہی حدیث پر ہم نے عمل کیا اور یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

(الآثار لمحمد بن الحسن،باب القراءة خلف الإمام وتلقينه،جلد1،صفحه 168،دار الكتب العلمية، بيروت)

ایک حدیث پاک جس میں ہے کہ جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔اس حدیث کا مطلب ہے کہ امام و منفرد کے لئے فاتحہ ضروری ہے نہ کہ مقتدی کے لئے چنانچہ جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ:حَدَّثَنَا مَعْنٌ، قَالَ:حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ:مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ" ترجمہ:حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جو کوئی رکعت بے سورہ فاتحہ کے پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب امام کے پیچھے ہو۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب الصلوۃ،باب ماجاء فی ترک القرأة خلف الامام اذا جهر بالقرأة ،جلد1 ،صفحه413،دار الغرب الإسلامي ،بيروت)

## آمین بالجہر پڑھنا

احناف کے نزدیک نماز میں جب امام "ولا الضالین" پڑھے تو امام ومقتدیوں کا آہستہ آواز میں آمین کہنا سنت ہے۔

احناف کی دلیل یہ حدیث پاک ہے "أَخبَرنَا أَبُو بَكرِ بنُ إِسحَاقَ الفَقِيهُ، وَأَبُو عَبدِ اللَّهِ الصَّفَّارُ الزَّاهِدُ، وَعَلِيُّ بنُ حَمشَاذَ العَدلُ، قَالُوا:ثنا إِسمَاعِيلُ بنُ إِسحَاقَ القَاضِي، ثنا سُلَيمَانُ بنُ حَربٍ، وَأَبُو الوَلِيدِ، قَالَا:ثنا شُعبَةُ، عَن سَلَمَةَ بنِ كُهَيلٍ، قَالَ:سَمِعتُ حُجرًا أَبَا العَنبَسِ، يُحَدِّثُ عَن عَلقَمَةَ بنِ وَائِلٍ، عَن أَبِيهِ، أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ:آمِين يَخفِضُ بِهَا صَوتَه--- هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرطِ الشَّيخَينِ، وَلَم يُخَرِّجَاهُ (التعليق:من تلخيص الذهبي)على شرط البخاری ومسلم" ترجمہ: حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ تو آپ نے آمین کہا اور اپنی آواز کو آہستہ رکھا۔ یہ حدیث امام بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، من کتاب قراء ات النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما لم یخرجاہ وقد صح سندہ، جلد2، صفحہ253، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

امام طبرانی نے یہی حدیث تھوڑی مختلف صحیح سند سے روایت کی ہے "حَدَّثَنَا أَحمَدُ بنُ مُحَمَّدٍ السُّيُوطِيُّ، ثنا عَفَّانُ، ثنا شُعبَةُ، عَن سَلَمَةَ بنِ كُهَيلٍ، عَن حُجرٍ أَبِي العَنبَسِ، عَن عَلقَمَةَ بنِ وَائِلٍ، عَن أَبِيهِ: أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ: غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم، وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ: آمِينَ خَفَضَ بِهَا صَوتَهُ" ترجمہ: حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ تو آپ نے آمین کہا اور اپنی آواز کو آہستہ رکھا۔

(المعجم الکبیر، باب الواو، حجر بن العنبس، عن علقمۃ بن وائل، جلد22، صفحہ9، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

وہابیوں کے نزدیک آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔ وہابیوں کی دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا صَفوَانُ بنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا بِشرُ بنُ رَافِعٍ، عَن أَبِي عَبدِ اللَّهِ ابنِ عَمِّ أَبِي هُرَيرَةَ، عَن أَبِي هُرَيرَةَ، قَالَ: تَرَكَ النَّاسُ التَّأمِينَ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ: آمِينَ حَتَّى يَسمَعَهَا أَهلُ الصَّفِّ الأَوَّلِ، فَيَرتَجُّ بِهَا المَسجِدُ" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے فرمایا: لوگوں نے آمین پڑھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب پڑھتے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ فرماتے آمین یہاں تک کہ پہلی صف کے لوگ سنتے تھے اور پوری مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلوٰة، باب الجهر بآمين، جلد1، صفحه278، دار إحياء الكتب العربية، الحلبی)

یہ حدیث ضعیف ہے کہ اس میں بشر بن رافع ضعیف ہے۔ البانی نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ دوسرا اس میں اضطراب بھی ہے کہ ایک یہ کہا جارہا ہے کہ پہلی صف کے لوگ سنتے تھے پھر کہا جارہا ہے کہ پوری مسجد گونج اٹھتی تھی۔

وہابیوں کی دوسری دلیل ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ: آمِينَ، وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ" ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھتے تو آمین کہتے اور اپنی آواز کو بلند کرتے تھے۔

(سنن أبي داود، کتاب الصلوة، باب التأمين وراء الإمام، جلد 1، صفحه246، المكتبة العصرية، بيروت)

اس حدیث پاک سے مقتدیوں کا بلند آواز سے آمین پڑھنا ثابت نہیں ہورہا یہاں صرف حضور علیہ السلام کا بلند آواز سے آمین پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ اس حدیث کے متعلق علمائے احناف نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا بلند آواز سے آمین پڑھنا بطور تعلیم تھا تاکہ پتہ چل جائے کہ یہاں آمین پڑھنا تھا جب صحابہ کو پتہ چل گیا کہ یہاں آمین پڑھنا ہے تو اس کے بعد آپ نے آہستہ پڑھنا شروع کردیا جیسا کہ پہلی حدیث پاک میں گزرا کہ آپ نے آہستہ آمین پڑھی۔ اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب میں جمال الدین ابومحمد بن ابی یحیی زکریا بن مسعود الانصاری الخزرجی المنبجی (المتوفی 686ھ) فرماتے ہیں"قيل لَـهُ: هُوَ مَحْمُول على أنه جهر بها ليعلمها النَّاس، وَلِأَنَّهُ دُعَاء وَالسّنة فِي الدُّعَاء الْإِخْفَاء، وَالدَّلِيل على أَن آمين دُعَاء قَوْله تَعَالَى فِي سُورَة يُونُس عَلَيْهِ السَّلَام ﴿قد أجيبت دعوتكما﴾ قَالَ أَبُو الْعَالِيَة، وَعِكْرِمَة، وَمُحَمّد بن كَعْب، وَالرّبيع بن مُوسَى: كَانَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام يَدْعُو وَهَارُون يُؤمن، فسماهما الله داعيين، فَإِذا ثَبت أَنه دُعَاء فإخفاؤه أفضل من الْجَهْر بِهِ لقَوْله تَعَالَى ﴿ادعوا ربكم تضرعا وخفية﴾ "ترجمہ: اونچی آواز سے آمین پڑھنے والی حدیث اس پر محمول کہ یہاں اس لئے آواز سے آمین پڑھنا لوگوں کو تعلیم دینا تھا۔ اس لئے کہ یہ دعا ہے اور دعا میں سنت یہ ہے کہ وہ آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ آمین کے دعا ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے سورہ یونس میں فرمایا ﴿قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ ابو عالیہ، عکرمہ، محمد بن کعب اور ربیع بن موسی نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام دعا

کرتے تھے تو ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے تو اللہ عزوجل نے دونوں کو دعا کرنے والا فرمایا۔ تو جب یہ ثابت ہوگیا کہ آمین دعا ہے تو اس کو آہستہ پڑھنا اونچی آواز سے پڑھنے کی بہ نسبت افضل ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔ (اللباب فی الجمع بین السنة والكتاب، باب إذا أمن الإمام والمأموم أسر التأمين، جلد1، صفحه229، دار القلم، بیروت)

بدائع الصنائع میں علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَالسُّنَّةُ فِي الدُّعَاءِ الْإِخْفَاءُ، وَحَدِيثُ وَائِلٍ طَعَنَ فِيهِ النَّخَعِيّ وَقَالَ: أَشَهِدَ وَائِلٌ؟ وَغَابَ عَبْدُ اللَّهِ عَلَى أَنَّهُ يُحْتَمَلُ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَرَ مَرَّةً لِلتَّعْلِيمِ وَلَا حُجَّةَ فِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ؛ لِأَنَّ مَكَانَهُ مَعْلُومٌ، وَهُوَ مَا بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْفَاتِحَةِ فَكَانَ التَّعْلِيقُ صَحِيحًا" ترجمہ: آہستہ آواز میں دعا کرنا سنت ہے اور حدیث وائل میں امام نخعی نے کلام کیا ہے اور فرمایا کہ کیا حضرت وائل نے خود دیکھا ہے (کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں اونچی آواز میں آمین پڑھی) اور حضرت عبد اللہ موجود نہ تھے۔ احتمال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور تعلیم ایک مرتبہ جہر کے ساتھ آمین پڑھی ہو۔ حضرت وائل بن حجر کی حدیث دوسری حدیث (جو احناف کی دلیل ہے) پر حجت نہیں ہے اس لئے کہ دوسری میں مکان معلوم ہے (یعنی حدیث میں صراحت ہے کہ وہ نماز میں شریک تھے) اور آپ علیہ السلام نے بعد فاتحہ کے آمین پڑھی ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل فی سنن حکم التکبیر أیام التشریق، جلد1، صفحه 207، دار الکتب العلمیة، بیروت)

مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں مختلف سندوں سے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے "عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَالِاسْتِعَاذَةِ، وَآمِينَ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: چار مواقع پر امام آہستہ پڑھے گا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تعوذ، آمین، جب امام کہے سمع اللہ لمن حمدہ پڑھے ربنا لک الحمد۔

(المصنف، کتاب الصلوۃ، باب ما یخفی الإمام، جلد2، صفحه87، المجلس العلمی، الهند)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی 743ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُخْفِي الْإِمَامُ أَرْبَعًا: التَّعَوُّذَ وَالْبَسْمَلَةَ وَآمِينَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَيُرْوَى مِثْلُ قَوْلِهِ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ بَعْضُهُمْ يَقُولُ أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ خَمْسَةٌ وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ ثَلَاثَةٌ، وَكُلُّهُمْ بَعْدَ التَّأْمِينِ مِنْهَا؛ وَلِأَنَّهُ دُعَاءٌ فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِخْفَاءِ؛ وَلِأَنَّهُ لَوْ جَهَرَ بِهَا عَقِيبَ الْجَهْرِ بِالْقُرْآنِ لَأَوْهَمَ أَنَّهَا مِنَ الْقُرْآنِ فَيُمْنَعُ مِنْهُ دَفْعًا لِلْإِيهَامِ" ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: چار جگہوں پر امام آہستہ

پڑھے گا: تعوذ، تسمیہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔ اور اسی کی مثل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: چار جگہوں پر اور بعض نے فرمایا پانچ جگہوں پر اور بعض نے فرمایا تین جگہوں پر آہستہ پڑھے گا۔ البتہ تمام کے تمام نے فرمایا کہ آمین آہستہ پڑھے اسلئے کہ یہ دعا ہے اور دعا آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ اگر اسے بھی اونچی آواز میں پڑھا جائے گا تو قرآن کے بعد اسے پڑھنا یہ وہم ڈالتا ہے کہ یہ بھی قرآن ہے تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے اونچی آواز میں آمین پڑھنا منع کیا گیا۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ،جلد1،صفحہ114، كتاب الصلوٰة، آداب الصلوٰة، المطبعة الكبرى الأميرية ، القاهرة)

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم المصری (المتوفی 970ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ التَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَآمِينَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" ترجمہ: حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: چار جگہوں پر امام آہستہ پڑھے گا: تعوذ، تسمیہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلوٰة، آداب الصلوٰة، جلد1، صفحہ 328، دار الكتاب الإسلامی)

عمدۃ القاری میں ہے "حدثنا أَبُو بكر ابْن عَيَّاش عَن أبي سعيد عَن أبي وَائِل، قَالَ: لم يكن عمر وَعلي، رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُمَا، يجهران بِبسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم وَلَا بآمين" ترجمہ: حضرت ابووائل فرماتے ہیں ہے کہ حضرت عمر فاروق، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین جہر سے نہ کہتے تھے۔

(عمدة القاری ، كتاب الاذان، باب جهر الامام بالتامين، جلد6، صفحہ75، دار الكتب العلمية ،بيروت)

وہابیوں کا امام کے ساتھ مقتدیوں کا بالجہر آمین کہنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ حدیث میں صرف امام کا بالجہر کہنا ثابت ہے۔

احناف کی دلیل جو حدیث پاک ہے اس میں شعبہ ہیں اور وہابیوں کی دلیل میں سفیان ہیں۔ امام ترمذی نے اس سفیان والی حدیث کو شعبہ پر ترجیح دی ہے جبکہ علامہ عینی نے البنایہ میں اس پر کلام کرتے ہوئے شعبہ پر سفیان کی ترجیح کا انکار کیا۔

احناف کے مؤقف کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں " سمع الله لمن حمده " کے جواب میں "ربنا لك الحمد" کہنے کی فضیلت میں بھی یہی کہا گیا ہے چنانچہ صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الإِمَامُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ،

فَقُولُوا:اللّٰهُمَّ رَبَّنا لَكَ الحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ المَلائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب امام "سمع الله لمن حمده" پڑھے تو تم پڑھو "اللهم ربنا لك الحمد" جس کا پڑھنا ملائکہ کے پڑھنے کے موافق ہوگیا اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(صحيح البخاری، كتاب الاذان ،باب فضل اللهم ربنا لك الحمد،جلد1،صفحه 158، دار طوق النجاة،مصر)

اب ربنا لک الحمد اونچی آواز میں کوئی بھی نہیں کہتا اور وہی فضیلت ملتی ہے جو آمین کہنے میں ملتی ہے، تو جس طرح ربنا لک الحمد آہستہ پڑھا جائے گا اسی طرح آمین بھی آہستہ پڑھی جائے گی۔

## نماز میں رفع یدین

احناف کے نزدیک نماز میں رفع یدین نہ کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہرگز کسی حدیث میں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ رفع یدین فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا خلاف ثابت ہے۔ احادیث اس کے فعل و ترک دونوں میں وارد ہیں اور تطبیق یہ ہے کہ رفع یدین پہلے کیا گیا اور بعد میں چھوڑ دیا گیا۔ ترک رفع یدین پر احناف کے پاس کئی دلائل ہیں:

سنن ابی داؤد و سنن نسائی و جامع ترمذی وغیرہا میں ایسی صحیح سند سے جس کے رجال صحیح و مسلم ہیں، اس میں ہے "حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ:حَدَّثَنا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ:قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ:أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَصَلَّى، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ" یعنی ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے؟ یہ کہہ کر نماز کو کھڑے ہوئے تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھائے پھر نہ اُٹھائے۔

امام ترمذی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ .وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ.وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الكُوفَةِ" یعنی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن ہے اور یہی مذہب تھا متعدد علماء منجملہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تابعین کرام و امام سفیان و علمائے کوفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا۔

(جامع الترمذی ،ابواب الصلوۃ،باب رفع اليدين عند الركوع، جلد1،صفحه341،دار الغرب الإسلامی ،بيروت)

یہ حدیث وہابیوں کے گلے میں ہڈی بن کر پھنس گئی ہے سارے وہابی مولوی اسی پر اپنی توانائی ضائع کر رہے ہیں کہ کسی طرح اس حدیث کو ضعیف ثابت کر دیا جائے۔ اس کے لئے وہابیوں نے تحریفات کا بھی سہارا لیا جو کہ ان کی پرانی عادت ہے۔ کبھی اس حدیث میں موجود راوی حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو مدلس کہہ کر ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی جس کا منہ توڑ علمائے احناف نے جواب دیا۔

کبھی ترمذی شریف کے حوالے سے کہہ دیا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جبکہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا۔

کبھی امام ابوداؤد کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں "قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا حَدِيثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيثٍ طَوِيلٍ وَلَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ" ترجمہ: یہ حدیث طویل حدیث کا خلاصہ ہے اور وہ طویل حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔

جبکہ ابوداؤد شریف کے معتمد و متاخر نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔ پھر اس عبارت سے بھی اس حدیث پاک کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ امام ابوداؤد کے کلام کا مطلب ہے کہ یہ طویل حدیث کا خلاصہ ہے اور خلاصہ کرتے وقت راوی نے خطأ کی ہے جس کے سبب معنی کے لحاظ سے تو یہ حدیث صحیح ہے البتہ الفاظ کے لحاظ سے صحیح نہیں صحیح حدیث وہ ہے جو طویل ہے۔ وہابی مولوی ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام رحمانی مبارکفوری نے مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے "يعنى أن الراوى اختصر هذا الحديث من حديث طويل (رواه أبو داود قبل ذلك ويأتى لفظه) فأداه بالمعنى وأخطأ فى اختصاره" ترجمہ: راوی نے یہاں طویل حدیث کا خلاصہ بیان کیا۔ امام ابوداؤد نے اسے پہلے روایت کیا اور اس کے لفظ لائیں گے۔ تو یہ روایت معنی کا فائدہ دیتی ہے اور راوی نے خلاصہ کرنے میں خطا کی ہے۔

(مرعاۃ المفاتیح، جلد3، صفحہ84، إدارۃ البحوث العلمیۃ، الہند)

لہٰذا امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا اور اس حدیث کو البانی نے بھی صحیح کہا ہے۔

بہر حال وہابی مولوی جاہلوں کو مطمئن کرنے کے لئے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرتے ہیں اور اس پر وہابی مولوی زبیر علی زئی نے کتاب بھی لکھی ہے جس کا شدومد سے رد اہل سنت میں سے فیصل خان صاحب نے اپنی کتاب "ترویح العینین فی رد نور العینین" میں کیا ہے۔

اس حدیث کے علاوہ اور بھی کثیر احادیث و آثار ہیں جس سے ثابت ہے کہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے اور رفع یدین

پہلے تھا بعد میں ترک کردیا گیا۔مسند ابی یعلی میں ابو یعلی احمد بن علی الموصلی (المتوفی 307ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، قَالَ: سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ أَبِي زِيَادٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ اسْتَقْبَلَ الصَّلَاةَ حَتَّى رَأَيْتُ إِبْهَامَيْهِ قَرِيبًا مِنْ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا"، ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز میں قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھایا پھر رفع یدین نہیں کیا۔

(مسند أبي يعلى ،مسند البراء بن عازب،جلد3،صفحه249،دار المأمون للتراث ،دمشق)

بعضوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور ضعیف ہونے کی وجہ اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی زیاد راوی ہے کہ بعض محدثین نے اس پر جرح فرمائی ہے جبکہ کثیر محدثین نے یزید بن ابی زیاد کی توثیق کی ہے۔جن محدثین نے یزید بن ابی زیاد کو ضعیف کہا وہ آخری عمر میں اختلاط کی وجہ سے کہا ہے اور اصول حدیث میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ جس راوی کو اختلاط ہو تو اس کی اختلاط سے قبل روایات صحیح ہوں گی۔ یزید بن ابی زیاد کی ترک رفع یدین پر روایت اختلاط سے قبل ہے اور پھر اس حدیث کے کئی متابعات اور شواہد بھی ہیں چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ :نا وَكِيعٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، وَعِيسَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ، ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا حَتَّى يَفْرُغَ"، ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز ختم ہونے تک رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، كتاب الصلوات ،من كان يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود، جلد1،صفحه213،مكتبة الرشد ،الرياض)

اس حدیث کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں۔اسی طرح اور بھی احادیث مروی ہیں۔ بہر حال بعد از تحقیق یہ حدیث ضعیف نہیں ہے بلکہ صحیح ہے۔

مسند امام اعظم رضی اللہ عنہ میں ثقہ راویوں سے مروی ہے"حدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمه والاسود عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالىٰ عنه ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان لايرفع يديه الاعندافتتاح الصلوٰة ولايعود لشيء من ذلك"، ترجمہ: ہمیں حماد نے ابراہیم سے علقمہ واسود سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع یدین فرماتے پھر کسی جگہ ہاتھ نہ اُٹھاتے۔

(مسند الامام اعظم ،اجتماع الاوزاعی و ابی حنیفہ،صفحہ50،مطبوعہ نور محمد کتب خانہ ،کراچی)

المعجم الکبیر کی صحیح حدیث پاک ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں صراحت ہے کہ آپ علیہ السلام نماز کے شروع میں ہی رفع یدین کرتے تھے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي لَيْلَى، حَدَّثَنِي أَبِي، ثنا ابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ حِينَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ وَحِينَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَيَنْظُرُ إِلَى الْبَيْتِ، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الصَّفَا، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الْمَرْوَةِ، وَحِينَ يَقِفُ مَعَ النَّاسِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ وَبِجَمْعٍ، وَالْمَقَامَيْنِ حِينَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ"، ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات مقامات کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے: (1) نماز شروع کرتے وقت (2) جب مسجد حرام میں جاتے اور خانہ کعبہ پر نظر پڑھتی (3) جب صفا پر کھڑے ہوتے (4) جب مروہ پر کھڑے ہوتے (5) عرفات میں بعد از زوال جب لوگوں کے ساتھ وقوف کرتے (6) مزدلفہ میں وقوف کے وقت (7) جمرتین کی رمی کرتے وقت۔

(المعجم الکبیر،باب العین ،مقسم عن ابن عباس،جلد11 ،صفحہ385،مکتبة ابن تیمیة،القاہرة)

محمد بن عمران بن محمد بن عبدالرحمٰن بن أبی لیلی کے متعلق بعض نے جراح کی ہے جبکہ وہ ثقہ ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ حَسَنِ بْنِ عَيَّاشٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبْجَرَ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَّا حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ"، ترجمہ: حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی تو اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقط نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھائے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات ،من کان یرفع یدیہ فی أول تکبیرة ثم لا یعود، جلد1 ،صفحہ214،مکتبة الرشد ،الریاض)

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قِطَافٍ النَّهْشَلِيِّ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَلِيًّا، كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَا يَعُودُ"، ترجمہ: حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات ،من کان یرفع یدیہ فی أول تکبیرة ثم لا یعود، جلد1 ،صفحہ213،مکتبة الرشد ،الریاض)

اس کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں۔

وہابیوں کے نزدیک رکوع سے جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور دو رکعتوں کے بعد تیسری کے لئے کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کرنا چاہئے اور بعض کتب وہابیہ میں رفع یدین کو بغیر شرعی دلیل کے واجب کہا ہے جبکہ احناف اور شوافع و حنابلہ کے درمیان رفع یدین کرنے یا نہ کرنے میں سنت کا اختلاف ہے۔احناف کے نزدیک رفع یدین نہ کرنا سنت ہے اور شوافع وحنابلہ کے نزدیک کرنا سنت ہے۔وہابیوں نے رفع یدین کے مسئلہ میں اپنے مطلب کی احادیث لے کر بقیہ کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔دراصل رفع یدین کی کل سات صورتیں ہیں:

(1) تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا

(2) دونوں سجدوں کے بعد کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کرنا

(3) دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کرنا

(4) سجدے کے وقت رفع یدین کرنا

(5) دو سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا

(6) ہر تکبیر پر رفع یدین کرنا

(7) تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا

(1) رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرنا: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، موطأ امام مالک ،مصنف عبد الرزاق، السنن الکبری للنسائی، صحیح ابن خزیمہ، مستخرج أبي عوانۃ، سنن الدار قطنی، السنن الکبری کی صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ:أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ:أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ:رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوعِ، وَيَفْعَلُ ذَلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَيَقُولُ:سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا۔اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع یدین کرتے جب رکوع کی تکبیر کہتے اور اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور رفع یدین

کرتے۔آپ سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(صحیح بخاری ، کتاب الاذان،باب رفع الیدین إذا کبر وإذا رکع وإذا رفع ،جلد1 ،صفحہ148 ،دار طوق النجاۃ)

(2) دونوں سجدوں کے بعد کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کرنا: سنن الدارقطنی ،شرح معانی الآثار،شرح مشکل الآثار، السنن الکبری، صحیح ابن خزیمہ کی بسند حسن حدیث پاک ہے"نا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمُرَادِيُّ، وَبَحْرُ بْنُ نَصْرٍ الْخَوْلَانِيُّ قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَا: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ الْهَاشِمِيِّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَيَصْنَعُ مِثْلَ ذَلِكَ إِذَا قَضَى قِرَاءَتَهُ وَأَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، وَيَصْنَعُهُ إِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ، وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذَلِكَ وَكَبَّرَ (التعليق) قال الأعظمی: إسناده حسن"ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے، پھر قراءت کے بعد جب رکوع کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے، جب رکوع سے اٹھتے تب بھی کرتے۔ بیٹھنے کی حالت میں رفع یدین نہ کرتے۔ جب دوسجدوں کے بعد اٹھتے تو تکبیر اور رفع یدین کرتے۔ اعظمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ، کتاب الصلوۃ،باب رفع الیدین عند إرادۃ المصلی الرکوع---،جلد1 ،صفحہ294 ،المکتب الإسلامی ،بیروت)

اسی متن کی حدیث پاک شرح مشکل الآثار اور سنن نسائی میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے غیر مقلدوں کے جدید امام البانی نے صحیح کہا"أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ كُلَّهُ يَعْنِي: رَفْعَ يَدَيْهِ (حکم الألبانی) صحیح"

(سنن نسائی ،باب رفع الیدین عند الرفع من السجدۃ الأولی ،جلد2 ،صفحہ231 ،مکتب المطبوعات الإسلامیۃ،حلب)

(3) دورکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کرنا: صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، سنن نسائی کی صحیح روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے"أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ،

قَالَ: سَمِعْتُ عُبَيْدَ اللَّهِ وَهُوَ ابْنُ عُمَرَ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ كَذَلِكَ حَذْوَ الْمَنْكِبَيْنِ (حكم الألباني) صحيح" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو رفع یدین کرتے، اسی طرح جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو رفع یدین کرتے۔ جب دو رکعتوں کے بعد قیام کرتے تو کندھوں کے برابر ہاتھ اُٹھاتے۔

(سنن نسائی ، کتاب السھو، باب رفع اليدين للقيام إلى الركعتين الأخريين حذو المنكبين، جلد3، صفحہ3، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

**(4) سجدے کے وقت رفع یدین کرنا:** سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ حِينَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ، وَحِينَ يَرْكَعُ، وَحِينَ يَسْجُدُ (حكم الألباني) صحيح" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھاتے، پھر جب رکوع کرتے اور سجدہ کرتے تو رفع یدین کرتے۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها، باب رفع اليدين ---، جلد1، صفحہ279، دار إحياء الكتب العربية، بيروت)

یہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ مصنفِ ابن ابی شیبہ کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا الثَّقَفِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع اور سجود کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ، كتاب الصلوٰة، من كان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة، جلد1، صفحہ213، مكتبة الرشد ، الرياض)

شرح مشکل الآثار اور السنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ شُعَيْبٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ: أَنَّهُ رَأَى نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي صَلَاتِهِ، وَإِذَا رَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَإِذَا سَجَدَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ" ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو رفع یدین کرتے، جب سجدہ کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے۔

(شرح مشكل الآثار ،باب بيان مشكل ما روى عن مالك بن الحويرث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى هذا المعنى، جلد15،صفحه57،مؤسسة الرسالة،بيروت)

(5) دو سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا: السنن الکبری للنسائی، مسند ابویعلی کی ضعیف حدیث پاک ہے کہ حضرت عبداللہ بن طاوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کیا اور بعد میں فرمایا کہ میں نے اپنے والد کو ایسا کرتے پایا انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا۔ روایت پوری یوں ہے "أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُوسَى الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ كَثِيرٍ أَبُو سَهْلٍ الْأَزْدِيُّ قَالَ: صَلَّى إِلَى جَنْبِي عَبْدُ اللهِ بْنُ طَاوُسٍ، بِمِنًى فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ سَجْدَةَ الْأُولَى فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنْهَا رَفَعَ يَدَيْهِ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَأَنْكَرْتُ أَنَا ذَلِكَ، فَقُلْتُ لِوُهَيْبِ بْنِ خَالِدٍ: إِنَّ هَذَا يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ أَرَ أَحَدًا يَصْنَعُهُ، فَقَالَ لَهُ وُهَيْبٌ: تَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ نَرَ أَحَدًا يَصْنَعُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ طَاوُسٍ: رَأَيْتُ أَبِي يَصْنَعُهُ، وَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَصْنَعُهُ، وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ" ترجمہ: ابوسہل ازدی نے فرمایا: میرے پہلو میں عبداللہ بن طاوس نے منی میں مسجد خیف میں نماز پڑھی تو انہوں نے پہلے سجدہ سے اٹھنے کے بعد ہاتھوں کو چہرے کے سامنے بلند کیا میں نے اس پر انکار کیا اور وہیب بن خالد سے کہا کہ میں نے ایسا کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ وہیب نے ان سے کہا کہ آپ نے ایسا عمل کیا جو کسی نے نہیں کیا تو عبداللہ بن طاوس نے کہا میں نے ایسا کرتے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا اور ابن عباس نے فرمایا میں نے ایسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔

(السنن الكبرىٰ للنسائى ،كتاب السهو،رفع اليدين بين السجدتين تلقاء وجهه،جلد1،صفحه368،مؤسسة الرسالة ،بيروت)

(6) ہر تکبیر پر رفع یدین کرنا: سنن ابن ماجہ کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا رِفْدَةُ بْنُ قُضَاعَةَ الْغَسَّانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عُمَيْرِ بْنِ حَبِيبٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ مَعَ كُلِّ تَكْبِيرَةٍ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ (حكم الألباني) صحيح" ترجمہ: حضرت عمیر بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نماز کی ہر

تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها،باب رفع اليدين--،جلد1،صفحه279،دار إحياء الكتب العربية،بيروت)

ابن ماجہ کی ایک اور حدیث پاک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے "حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْهَاشِمِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ رِيَاحٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ كُلِّ تَكْبِيرَةٍ(حكم الألباني)صحيح" ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها،باب رفع اليدين--،جلد1،صفحه281،دار إحياء الكتب العربية،بيروت)

(7) تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا: مصنف ابن ابی شیبہ، مسند بزار، جامع ترمذی، مسند احمد، مسند ابویعلی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کی صحیح حدیث پاک ہے "أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ الْمَرْوَزِيُّ، قَالَ:حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ:حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ قَالَ:أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً" ترجمہ:حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں، پھر نماز پڑھائی تو تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔غیر مقلدوں کے امام البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن نسائى ، كتاب التطبيق ،الرخصة فى ترك ذلك،جلد2،صفحه195،مكتب المطبوعات الإسلامية،حلب)

**حاصلِ کلام**

ان ساتوں صورتوں میں سے دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنے والی صورت کو ضعیف حدیث کی وجہ سے چھوڑا جاسکتا ہے۔جبکہ بقیہ چھ صورتوں میں سے ایک کو لینا یا ایک دو کو ملا کر اس پر عمل کرنا باقی صورتوں کو صحیح احادیث سے ثابت ہونے کے باوجود چھوڑ دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ وہابیوں نے رفع یدین پر دو حدیثوں کو تو لے لیا بقیہ کو کس دلیل کے سبب چھوڑا اسکا جواب دیں!

اگر یہ کہا جائے کہ رکوع سے قبل اور بعد میں رفع یدین کرنے والی روایات زیادہ ہیں تو یہ بھی حجت نہیں۔روایات کی کثرت کا اعتبار نہیں بلکہ قوت کا اعتبار ہے چنانچہ شرح التلویح علی التوضیح میں علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی (التوفی 793ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لَا عِبْرَةَ بِكَثْرَةِ الْأَدِلَّةِ بَلْ بِقُوَّتِهَا حَتَّى لَوْ كَانَتْ فِي جَانِبٍ آيَةٌ وَفِي جَانِبٍ

آیَتَان، أَوْ فِی جَانِبٍ حَدِیثٌ وَفِی الْآخَرِ حَدِیثَانِ لَا یُتْرَکُ الْآیَۃُ الْوَاحِدَۃُ، أَوْ الْحَدِیثُ الْوَاحِدُ" ترجمہ: کثرت دلائل کا اعتبار نہیں بلکہ قوت کا اعتبار ہے۔ اگر ایک جانب ایک آیت ہو اور دوسری جانب دو آیات یا ایک جانب ایک حدیث ہو اور دوسری جانب دو احادیث تو بغیر دلیل ایک آیت و حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا۔

(شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح فی أصول الفقہ، جلد2، صفحہ 218، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث رفع یدین نہ کرنے والی چند وجوہ سے بہت قوی ہے: ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بعد تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے علم و فقاہت میں زائد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن سلطان محمد ابوالحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "ھُوَ عِنْدَ أَئِمَّتِنَا أَفْقَہُ الصَّحَابَۃِ بَعْدَ الْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَۃِ" ترجمہ: ہمارے ائمہ کے نزدیک ابنِ مسعود خلفاءِ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب جامع المناقب، الفصل الاول، جلد9، صفحہ 3997، دار الفکر، بیروت)

وہابی رفع یدین کے ثبوت میں جتنی بھی صحیح اسناد والی احادیث نقل کرتے ہیں ان میں ایک بھی راوی تفقہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رفع یدین نہ کرنے پر پیچھے روایات پیش کی گئی ہیں۔

رفع یدین نہ کرنے پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت لی جاتی ہے اور رفع یدین نہ کرنے پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت۔ محدثین نے فرمایا جب حضرت ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں باہم اختلاف ہو تو حضرت ابن مسعود کو ترجیح دی جائے گی چنانچہ المستدرک، السنن الکبریٰ للبیہقی اور سنن الدارقطنی میں ہے "إِذَا اجْتَمَعَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عُمَرَ وَاخْتَلَفَا فَابْنُ مَسْعُودٍ أَوْلَی أَنْ یُتَّبَعَ" ترجمہ: جب ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک مسئلہ میں باہم اختلاف کریں تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع اولیٰ ہے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطہارۃ، باب ما روی فی لمس القبل والدبر والذکر والحکم فی ذلک، جلد1، صفحہ273، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

دوسرا یہ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتا، معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرا یہ کہ امام

ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء وصحابہ وتابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔چوتھا یہ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔اس حدیث اور ان وجوہ کی بنا پر حضرت براء بن عازب اور دیگر رفع یدین نہ کرنی والی روایات اگر ضعیف بھی ہوں تو قابل قبول ہیں کہ وہ اس اور اس جیسی اور صحیح احادیث کی تائید میں ہیں۔

اب یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ دیگر صحیح حدیثوں کا کیا جواب ہے جس میں رفع یدین کرنے کا ثبوت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے رفع یدین کرنا سنت تھا بعد میں یہ منسوخ ہوگیا تھا،لہٰذا اب رفع یدین نہ کرنا سنت ہے۔اسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک کے بعد جب آپ کے آخری طریقے پر نماز پڑھی تو رفع یدین نہیں فرمایا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے بھی بغیر رفع یدین کے نماز پڑھی ہے۔سنن الدار قطنی،السنن الکبری للبیہقی،معرفۃ السنن والآثار اور مسند ابویعلی کی حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي إِسْرَائِيلَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ:صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ"،ترجمہ:حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،ابوبکر،عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی۔وہ سب سوائے نماز کے شروع میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(مسند ابویعلی،مسند عبد اللہ بن مسعود،جلد8،صفحہ453،دار المأمون للتراث،دمشق)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"قَالَ ابْنُ الْهُمَامِ:وَقَدْ أَخْرَجَ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَابْنُ عَدِيٍّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ:صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، فَلَمْ يَرْفَعُوا إِلَّا عِنْدَ اسْتِفْتَاحِ الصَّلَاةِ، وَرَوَى الطَّحَاوِيُّ، ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ حَدِيثِ الْحَسَنِ بْنِ عَيَّاشٍ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ:رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُودُ"،ترجمہ:امام ابن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دار قطنی اور ابن عدی نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،ابوبکر،عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی۔وہ سب سوائے نماز کے شروع میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔پھر بیہقی میں حضرت حسن بن عیاش سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت اسود نے فرمایا میں

نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ تکبیر اولیٰ کے وقت رفع یدین کرتے اسکے بعد رفع یدین نہ کرتے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوٰۃ، صفۃ الصلوٰۃ، جلد2، صفحہ669، دار الفکر، بیروت)

شرح سنن ابی داود میں ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت وائل بن حجر سے نماز میں رفع یدین کرنے والی روایت سنی تو اس کا ذکر حسن بن ابو الحسن سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا"فقال هی صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فعله من فعله، وتركه من تركه" ترجمہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تھی جس میں سے کسی فعل کو کرتے رہے اور کسی کو چھوڑ دیا۔

(شرح سنن أبی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب فی رَفع الیدین، جلد3، صفحہ306، مکتبۃ الرشد، الریاض)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے تو آپ نے جواب دیا"إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذَلِكَ، فَقَدْ رَآهُ عَبْدُ اللهِ خَمْسِينَ مَرَّةً، لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ" ترجمہ: اگر حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچاس دفعہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا ہے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الصلوٰۃ، باب التکبیر للرکوع والتکبیر۔۔، جلد1، صفحہ 224، عالم الکتب)

شارح بخاری علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَالَّذِي يَحْتَجُّ بِهِ الْخَصْم من الرّفْع مَحْمُول على أَنه كَانَ فِي ابْتِدَاء الْإِسْلَام، ثمَّ نسخ. وَالدَّلِيل عَلَيْهِ أَن عبد الله بن الزبير رأى رجلا يرفع يَدَيْهِ فِي الصَّلَاة عِنْد الرُّكُوع وَعند رفع رَأسه من الرُّكُوع، فَقَالَ لَهُ: لَا تفعل، فَإِن هَذَا شَيْء فعله رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم ثمَّ تَركه، وَيُؤَيّد النّسخ مَا رَوَاهُ الطَّحَاوِيّ بِإِسْنَاد صَحِيح: حَدثنَا ابْن أبي دَاوُد، قَالَ: أخبرنَا أَحْمد بن عبد الله ابْن يُونُس، قَالَ: حَدثنَا أَبُو بكر بن عَيَّاش عَن حُصَيْن عَن مُجَاهِد، قَالَ: صليت خلف ابْن عمر فَلم يكن يرفع يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَة الأولى من الصَّلَاة. قَالَ الطَّحَاوِيّ: فَهَذَا ابْن عمر قد رأى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فعله" ترجمہ: رفع یدین پر جو دوسرے دلیل دیتے ہیں تو وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے پھر رفع یدین کرنا منسوخ ہو گیا تھا اور اس پر دلیل حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔ منسوخ ہونے پر مزید روایت

ہے جوامام طحاوی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ امام طحاوی نے فرمایا: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

(عمدة القاری، کتاب الاذان، ابواب صفة الصلوة، باب رفع الدین فی التکبیرة الاولی مع الافتتاح سواء، جلد5، صفحہ273، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی رفع یدین کی روایت منقول ہے جبکہ ان سے رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَا يَفْتَتِحُ" ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز کے شروع کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات، من کان یرفع یدیه فی أول تکبیرة ثم لا یعود، جلد1، صفحہ214، مکتبة الرشد، الریاض)

اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں وہابیوں نے ابوبکر بن عیاش کو ضعیف کہا جبکہ وہ ضعیف نہیں ہے ثقہ اور صدوق ہیں امام بخاری نے بخاری شریف کی چار احادیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے۔ ابن حبان نے اپنی ثقات میں ذکر کیا جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے، ابوداؤد نے انہیں ثقہ کہا جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں ہے، یحیٰ بن معین نے انہیں ثقہ کہا جیسا کہ تہذیب الکمال فی أسماء الرجال میں ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ ابن مبارک نے فرمایا کہ میں نے ابوبکر عیاش سے بڑھ کر کسی کو سنتوں پر عمل پیرا ہونے والا نہیں دیکھا، خطیب بغدادی نے الطبقات الکبریٰ میں انہیں ثقہ وصدوق کہا، الجرح والتعدیل میں ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس التمیمی الحنظلی الرازی ابن ابی حاتم (المتوفی 327ھ) لکھتے ہیں "ابن حنبل قال قلت لأبی: أبو بكر بن عياش؟ قال: صدوق ثقة صاحب قرآن و خير" ترجمہ: ابن حنبل نے فرمایا: میں نے اپنے والد سے ابوبکر بن عیاش کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا وہ صدوق ثقہ، صاحب قرآن اور اچھے ہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بسند صحیح حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل فرمائی کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک رفع یدین منسوخ ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں اس کلام کو نقل کر کے فرمایا "وَيُؤَيِّدُ النَّسخ مَا رَوَاهُ الطَّحَاوِيّ بِإِسْنَاد صَحِيح: حَدثنَا ابْن أبي دَاوُد، قَالَ: أخبرنَا أَحْمد بن عبد الله ابْن يُونُس، قَالَ: حَدثنَا أَبُو بكر بن عَيَّاش عَن حُصَيْن عَن مُجَاهِد، قَالَ: صليت خلف ابْن عمر فَلم يكن يرفع يَدَيْهِ إلاّ فِي التَّكْبِيرَة

الأولی من الصَّلَاۃ .قَالَ الطَّحَاوِیّ :فَھٰذَا ابْن عمر قد رأی النَّبِی صلی الله عَلَیْہِ وَسلم فعله .وَأخرجه أَیْضا ابْن أبی شیبَة فِی (مُصَنفه):حَدثنَا أَبُو بکر بن عَیَّاش عَن حُصَیْن عَن مُجَاھِد، قَالَ:مَا رَأَیْت ابْن عمر یرفع یَدَیْہِ إِلَّا فِی أول مَا یفْتَتح، فَقَالَ الْخصم:ھَذَا حَدِیث مُنکر، لِأَن طاووسا قد ذکر إِنَّه رأی ابْن عمر یفعل مَا یُوَافق مَا روی عَنهُ عَن النَّبِی صلی الله عَلَیْہِ وَسلم من ذَلِك، قُلْنَا:یجوز أَن یکون ابْن عمر فعل مَا رَوَاهُ طَاوُوس یَفْعَله قبل أَن تقوم الْحجَّة عِنْده بنسخة، ثمَّ قَامَت الْحجَّة عِنْده بنسخة فَتَرَکه، وَفعل مَا ذکره عَنهُ مُجَاھِد" ترجمہ:منسوخ ہونے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام طحاوی نے صحیح سد کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں ے نماز میں تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔امام طحاوی نے فرمایا: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔اسی طرح ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کی کہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شروع نماز کے علاوہ رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔مخالف نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے کہ اس میں طاوس ہے کہ اس نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے جو حضور علیہ السلام سے مروی روایت کے موافق ہے۔ہم (احناف) نے کہا: جائز ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رفع یدین کرنے کا عمل طاوس نے اس وقت دیکھا ہو جب وہ منسوخ نہیں ہوا تھا، پھر جب رفع یدین منسوخ ہونے کا علم حضرت ابن عمر کو ہو گیا تو انہوں نے رفع یدین ترک کر دیا جس کا ذکر امام مجاہد نے کیا ہے۔

(عمدة القاری، کتاب مواقیت الصلوٰة، باب رفع الیدین فی التکبیرة الأولی مع الافتتاح سواء ،جلد5،صفحہ273،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

ترک رفع یدین کے ثبوت میں فیصل خان صاحب لکھتے ہیں: ”قارئین کرام! جہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اثبات رفع یدین کی مروی روایات موجود ہیں۔وہاں پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترک رفع یدین کی احادیث بھی وافر تعداد میں مروی ہیں۔اور ساتھ ہی اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے کہ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رفع یدین ترک کر دیا تھا اور اس دعویٰ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترک رفع یدین کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا ترک رفع یدین پر عمل اور دیگر ثبوت کے علاوہ اخبار الفقہاء والمحدثین، صفحہ 216 کی روایت بھی ہے "حدثنی عثمان بن محمد قال قال لی عبید الله بن یحیٰ حدثنی بن سوادة بن عباد عن حفص بن میسرة عن زید بن السلم عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال کنا مع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بمکة نرفع ایدینا فی بدء الصلوٰة و فی داخل الصلوٰة عند الرکوع فلما هاجر النبی الی المدینة ترک رفع یدین فی داخل

الصلوٰۃ عند الرکوع و ثبت رفع یدین فی بدء الصلوٰۃ" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں نماز کے شروع اور درمیان میں رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو (ایام اخیرہ) میں درمیانِ نماز رکوع کے وقت رفع یدین چھوڑ دیا اور نماز کے شروع میں رفع یدین (کے عمل) پر ثابت رہے۔۔۔اس سند کے تمام راوی ثقہ اور مضبوط ہیں۔"

(ترویح العینین فی رد نور العینین ،صفحہ299،300،دار التحقیق فاؤنڈیشن ،روالپنڈی)

المختصر یہ کہ رفع یدین کرنا اگر چہ صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن صحیح احادیث سے اس کا منسوخ ہونا بھی ثابت ہے۔ جب صحیح احادیث سے منسوخ ہونا ثابت ہے تو پھر رفع یدین کرنے والی جتنی مرضی احادیث ہوں اس سے یہ سنت نہ ہوگا۔ جید صحابہ و مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے۔ شرح صحیح البخاری لابن بطال میں ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک (المتوفی 449ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اختلف العلماء فی رفع الیدین فی الصلاۃ، فذهبت طائفة إلى رفع اليدين عند تكبيرة الافتتاح خاصة، روى ذلك عن عمر، وعلى، وابن مسعود، وابن عباس، وهو قول الثورى، وأبى حنيفة، ورواه ابن القاسم عن مالك" ترجمہ: نماز میں رفع یدین کرنے میں علماء کرام مختلف ہیں۔ ایک گروہ اس طرف گیا کہ رفع یدین صرف تکبیر اولیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت عمر فاروق، علی المرتضیٰ، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہ کرتے اور امام ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ ابن قاسم نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہ کیا جائے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ،ابواب صلوٰۃ الجماعۃ والامامۃ ،جلد2،صفحہ354،مکتبۃ الرشد ، الریاض)

علامہ عینی شرح ابوداؤد میں فرماتے ہیں "وروى عن ابن عباس أنه قال إن العشرة الذين شهد لهم رسول الله بالجنة ما كانوا يرفعون أيديهم إلا لافتتاح الصلاة" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دس عشرہ مبشرہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دیکھا جو تکبیر اولیٰ کے سوا رفع یدین نہ کرتے تھے۔

مزید علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فعلى هذا مذهب أبى حنيفة مذهب جماعة من الصحابة والتابعين ومَن بعدهم" ترجمہ: امام ابوحنیفہ اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے بعد والے اسی پر ہیں کہ تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہ کیا جائے۔ "أما من الصحابة" ترجمہ: صحابہ میں جو رفع یدین نہیں کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں: ابو بکر الصدیق، عمر الفاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عبد الرحمٰن بن

عوف، ابوعبیدۃ عامر ابن عبداللہ بن الجراح۔ یہ دس عشرہ مبشرہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں۔ باقی صحابہ میں عبداللہ بن مسعود، جابر بن سمرۃ، براء بن عازب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابوسعید الخذری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔" ومن التابعین ومن بعدهم "ترجمہ: تابعین اوران کے بعدوالوں میں ہیں: ابراہیم النخعی، ابن ابی لیلی، علقمہ، اسود، شعبی، ابی اسحاق، خیثمہ، قیس، ثوری، مالک، ابن القاسم، مغیر، وکیع، عاصم بن کلیب۔

"والجواب عن أحاديث الرفع أنها منسوخة بدليل ما روى عن ابن مسعود أنه قال رفع رسول الله فرفعنا، وترك فتركنا" ترجمہ: جورفع یدین کرنے پراحادیث ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ وہ منسوخ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی رفع یدین کیا اور انہوں نے ترک کردیا تو ہم نے بھی رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔

(شرح سنن أبی داود، کتاب الصلوٰۃ ،باب :فی رَفع الیدین، جلد3، صفحہ304، مکتبۃ الرشد ،الریاض)

جب رفع یدین کرنے اور نہ کرنے میں دونوں صحیح روایات ہیں تو نہ کرنے میں زیادہ بہتری ہے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أن ترك الرفع عند تعارض الأخبار أولى "ترجمہ: جب رفع یدین کرنے اور چھوڑنے میں اختلاف ہے تو نہ کرنا بہتر ہے۔

(شرح سنن أبی داود، کتاب الصلوٰۃ ،باب فی رَفع الیدین، جلد3، صفحہ304، مکتبۃ الرشد ،الریاض)

**اگر وہابی پھر بھی رفع یدین کرنے پر بضد ہیں تو ان کو چاہئے کہ دیگر صحیح احادیث کا جواب دیں کہ ان پر کیوں عمل نہیں؟**

## جلسہ استراحت

احناف کے نزدیک دوسرے سجدے کے بعد بغیر استراحت کے قیام کرنا سنت ہے۔ احناف کا موقف درج ذیل دلائل سے ثابت ہے:

نسائی شریف کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْمُقْرِءُ أَبُو يَحْيَى بِمَكَّةَ وَهُوَ بَصْرِيٌّ، قَالَ:حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ:حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ:حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ يَحْيَى بْنِ خَلَّادِ بْنِ مَالِكِ بْنِ رَافِعِ بْنِ مَالِكٍ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمِّهِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ:بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَنَحْنُ حَوْلَهُ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَأَتَى الْقِبْلَةَ فَصَلَّى، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى الْقَوْمِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:وَعَلَيْكَ، اذْهَبْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ،

فَذَهَبَ فَصَلَّى فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمُقُ صَلَاتَهُ، وَلَا يَدْرِى مَا يَعِيبُ مِنْهَا، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى الْقَوْمِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَعَلَيْكَ، اذْهَبْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَأَعَادَهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا عِبْتَ مِنْ صَلَاتِي؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهَا لَمْ تَتِمَّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَغْسِلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، وَيَمْسَحَ بِرَأْسِهِ وَرِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ يُكَبِّرَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَيَحْمَدَهُ وَيُمَجِّدَهُ . قَالَ هَمَّامٌ: وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: وَيَحْمَدَ اللَّهَ، وَيُمَجِّدَهُ، وَيُكَبِّرَهُ قَالَ: فَكِلَاهُمَا قَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ، قَالَ: وَيَقْرَأَ مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ مِمَّا عَلَّمَهُ اللَّهُ وَأَذِنَ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ يُكَبِّرَ وَيَرْكَعَ حَتَّى تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُهُ وَتَسْتَرْخِيَ، ثُمَّ يَقُولَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ يَسْتَوِيَ قَائِمًا حَتَّى يُقِيمَ صُلْبَهُ، ثُمَّ يُكَبِّرَ وَيَسْجُدَ حَتَّى يُمَكِّنَ وَجْهَهُ ، وَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: جَبْهَتَهُ حَتَّى تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُهُ، وَتَسْتَرْخِيَ، وَيُكَبِّرَ فَيَرْفَعَ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا عَلَى مَقْعَدَتِهِ وَيُقِيمَ صُلْبَهُ، ثُمَّ يُكَبِّرَ فَيَسْجُدَ حَتَّى يُمَكِّنَ وَجْهَهُ وَيَسْتَرْخِيَ، فَإِذَا لَمْ يَفْعَلْ هَكَذَا لَمْ تَتِمَّ صَلَاتُهُ" ترجمہ: رفاعۃ بن رافع سے مروی ہے ہمارے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ اس دوران ایک آدمی مسجد میں حاضر ہوا اور اس نے نماز ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کو دیکھ رہے تھے لیکن اس شخص کو اس کا علم نہیں تھا۔ جس وقت وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر ارشاد فرمایا جاتم نے نماز نہیں پڑھی۔ تم (دوبارہ) نماز پڑھو۔ اس شخص نے دوسری یا تیسری مرتبہ میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نماز میں کیا غلطی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک اس طرح وضو نہ کرو جس طرح اللہ عزوجل نے کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو اپنے چہرے کو دھو اور بازؤں کو کہنیوں تک دھو اور سر کا مسح کر اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھو پھر تکبیر تحریمہ کہو اور اللہ عزوجل کی ثنا بیان کرو۔ اور قرآن میں سے جو آسان ہو جو آسان لگے جو اللہ عزوجل نے سکھایا ہے اور جسے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ پھر تکبیر کہو اور اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہو اور اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر تکبیر کرو اور اطمینان سے سجدہ کرو، پھر تکبیر پڑھو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر تکبیر پڑھو اور دوبارہ اطمینان سے سجدہ کرو۔ اگر اس طرح تم نے نماز نہ پڑھی تو تمہاری نماز پوری نہیں۔

(السنن الصغرى للنسائى، كتاب التطبيق، باب الرخصة فى ترك الذكر فى السجود، جلد2، صفحه225، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے صحابی رسول کو نماز کا طریقہ بتایا لیکن اس میں رکعت پوری ہونے کے بعد بیٹھ کر

اٹھنے کا نہیں فرمایا۔اسی طرح مسلم شریف اور مسند احمد کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ حُسَيْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي بُدَيْلٌ، عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ، عَنْ عَائِشَةَ، كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ، وَالْقِرَاءَةَ بِ الْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَإِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ، وَلَمْ يُصَوِّبْهُ، وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ، وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَائِمًا، وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا، وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَفْتَرِشَ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ، وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى، وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عَقِبِ الشَّيْطَانِ، وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ. إسناده صحيح على شرط مسلم" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کے ساتھ نماز شروع کرتے تھے اور ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ سے قراءت شروع کرتے تھے، جب رکوع کرتے تھے تو سر مبارک کو نہ اونچا کرتے تھے اور نہ نیچا کرتے تھے بلکہ سیدھا رکھتے تھے۔جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو تب تک سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھا کھڑا نہ ہو جاتے، جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تب تک دوسرا سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھا بیٹھ نہ جاتے۔آپ ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھتے اور اور بائیں پاؤں کو بچھاتے اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے اور درندوں کی طرح آدمی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر بچھا دے اس سے بھی منع فرماتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کے ساتھ نماز ختم کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقبہ شیطان سے یعنی دونوں پاؤں کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔اس کی سند شرط مسلم پر صحیح ہے۔

(مسند أحمد بن حنبل ،حديث السيدة عائشة رضى الله عنها،جلد6،صفحه194،مؤسسة قرطبة ،القاهرة)

اس حدیث پاک میں بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری نماز بتائی لیکن جلسہ استراحت کا ذکر نہیں۔مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبہ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ لَا يَقْعُدُ حِينَ يُرِيدُ أَنْ يَقُومَ حَتَّى يَقُومَ" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلی رکعت کے بعد جب دوسری کے لئے کھڑا ہونا ہوتا تھا تو بیٹھ کر نہیں اٹھتے تھے۔

(الكتاب المصنف فى الأحاديث والآثار، كتاب الصلوات، من كان يقول إذا رفعت رأسك من السجدة الثانية فى الركعة الأولى فلا تجلس، جلد 1، صفحه 346، مكتبة الرشد، الرياض)

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں امام زہری سے بھی ایسا مروی ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی یہی مروی ہے چنانچہ لکھتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ قَالَ: أَدْرَكْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَالثَّالِثَةِ قَامَ كَمَا هُوَ وَلَمْ يَجْلِسْ" ترجمہ: حضرت نعمان بن ابوعیاش سے مروی ہے میں نے کثیر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو پایا تو وہ جب وہ پہلی یا تیسری رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے اٹھتے تھے تو بغیر بیٹھے قیام کرتے تھے۔

(الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، كتاب الصلوات، من كان يقول إذا رفعت رأسك من السجدة الثانية في الركعة الأولى فلا تجلس، جلد 1، صفحہ 347، مكتبة الرشد، الرياض)

مصنف عبدالرزاق اور المعجم الکبیر میں ہے "حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدَةَ بْنِ أَبِي لُبَابَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ، يَقُولُ: رَمَقْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ فِي الصَّلَاةِ فَرَأَيْتُهُ يَنْهَضُ، وَلَا يَجْلِسُ، قَالَ: يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى، وَالثَّانِيَةِ" ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی نماز کو اچھی طرح دیکھا تو میں نے دیکھا کہ وہ بغیر بیٹھے کھڑا ہوتے تھے۔ وہ پہلی اور دوسری رکعت میں قدموں کے اگلے حصے پر زور دے کر کھڑے ہوتے تھے۔ (المعجم الكبير، باب العين، جلد9، صفحہ266، مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

امام طبرانی کی اس روایت کو مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی نے نقل فرمایا ہے پھر فرمایا "ورجاله رجال الصحيح" اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

مصنف عبدالرزاق میں ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَابْنَ عُمَرَ كَانَا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ" ترجمہ: ابو عطیہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(المصنف، كتاب الصلوٰة، باب كيف النهوض من السجدة الآخرة ومن الركعة الأولى والثانية، جلد2، صفحہ178، المجلس العلمي، الهند)

وہابیوں کے نزدیک دوسرے سجدے کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر پھر کھڑا ہونا سنت ہے۔ وہابیوں کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيُّ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا" ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز

پڑھتے ہوئے دیکھا تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی یا تیسری رکعت میں کچھ دیر بیٹھ کر پھر قیام کرتے تھے۔

(صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب من استوی قاعدا فی وتر من صلاته ثم نہض، جلد1، صفحه164، دار طوق النجاة، مصر)

احناف نے اس حدیث پاک کی یہ تاویل کی کہ حضور علیہ السلام کا تھوڑی دیر بیٹھ کر قیام کرنا ضعف ومرض کی وجہ سے تھا ورنہ سنت یہی ہے کہ بغیر بیٹھے ہی قیام کے لئے کھڑے ہوں جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے۔شرح معانی الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"اِحْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ مَا فَعَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ ,لِعِلَّةٍ كَانَتْ بِهِ ,فَقَعَدَ مِنْ أَجْلِهَا ,لَا لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ ,كَمَا قَدْ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَتَرَبَّعُ بِالصَّلَاةِ فَلَمَّا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ قَالَ:إِنْ رِجْلِي لَا تَحْمِلَانِي .فَكَذَلِكَ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ مَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ الْقُعُودِ ,كَانَ لِعِلَّةٍ أَصَابَتْهُ ,حَتَّى لَا يُضَادَّ ذَلِكَ مَا رُوِيَ عَنْهُ فِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ ,وَلَا يُخَالِفُهُ" ترجمہ: حدیث اول میں جو حضور علیہ السلام کا جلسہ استراحت ثابت ہے اس میں احتمال ہے یہ مرض کے سبب ہو تو آپ نے اس صورت میں کچھ دیر استراحت فرمائی۔نہ یہ کہ کچھ دیر بیٹھنا سنت ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں چار زانوں بیٹھا کرتے تھے، پوچھنے پر بتایا کہ میرے پاؤں میں اتنی ہمت نہیں ہے۔تو احتمال ہے یہاں بھی حضور علیہ السلام نے یہ جلسہ استراحت کسی ضعف کی وجہ سے کیا ہو۔یہاں تک کہ دوسری حدیث میں تضاد ومخالفت نہ رہے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الزیادات، باب ما یفعله المصلی بعد رفعه من السجدة الأخیرة من الرکعة الأولی، جلد 4، صفحه354، عالم الکتب)

شرح مشکل الآثار میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"وَكَانَ حَدِيثُ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مَا ذُكِرَ فِيهِ مِمَّا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فَعَلَهُ مِنَ الْجِلْسَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا فِيهِ عَنْهُ كَانَ ذَلِكَ لِعِلَّةٍ كَانَتْ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ, فَفَعَلَ مِنْ ذَلِكَ مَا فَعَلَ لِتِلْكَ الْعِلَّةِ, لَا لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ سُنَّةِ صَلَاتِهِ. وَالدَّلِيلُ عَلَى ذَلِكَ أَنَّ مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ, إِنَّمَا كَانَ أَقَامَ عِنْدَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامًا, ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ" ترجمہ: یعنی مالک بن حویرث والی حدیث میں جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام کو جلسہ کرتے دیکھا اس میں احتمال ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماری کے سبب بیٹھے ہوں تو اس صورت میں حضور علیہ السلام کا بیٹھنا سنت کے طور پر نہ تھا بلکہ عذر کے طور پر تھا۔اس پر دلیل یہ ہے کہ مالک بن حویرث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند دنوں کے لئے آئے تھے اس کے بعد واپس اپنے اہل کی طرف چلے گئے تھے۔(لہٰذا ان کا ایک مرتبہ حضور کو ایسا دیکھنا اس بات کی دلیل نہیں کہ جلسہ استراحت سنت ہے۔)

(شرح مشكل الآثار،السجدة الأخيرة من الركعة التي ہي شفع صلاته أن يقعد قعدة ثم يقوم للثانية،جلد15،صفحه351،مؤسسة الرسالة،بيروت)

## تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا

احناف کے نزدیک تشہد میں شہادت کی انگلی کلمہ شہادت میں ''لا'' پر اٹھانا اور ''الا'' پر رکھ دینا مسنون ہے۔ابوداؤد شریف کی بسند صحیح حدیث پاک ہے''حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِصِّيصِيُّ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ زِيَادٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ ذَكَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ إِذَا دَعَا، وَلَا يُحَرِّكُهَا''ترجمہ:حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشہد پڑھتے تھے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اسکو حرکت نہیں دیتے تھے۔

(سنن أبي داود، كتاب الصلاة،باب الإشارة في التشهد،جلد1،صفحه260،المكتبة العصرية،بيروت)

امام نووی نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں''حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ فِي الدُّعَاءِ وَلَا يُحَرِّكُهَا''ترجمہ:حضرت ہشام بن عروہ سے مروی ہے ان کے والد تشہد میں انگلی سے اشارہ کرتے تھے لیکن حرکت نہیں دیتے تھے۔

(الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، كتاب الصلوة،في الدعاء في الصلاة بإصبع من رخص فيه،جلد2،صفحه230،مكتبة الرشد ،الرياض)

وہابیوں کے نزدیک پورے تشہد میں انگلی ہلاتے رہنا سنت ہے۔وہابی امام البانی اپنی کتاب نماز نبوی میں کہتا ہے:''میں کہتا ہوں کہ انگلی کے اشارہ کرنے اور حرکت دینے میں استمرار مسنون ہے اور سلام پھیرنے تک یہی کیفیت برقرار رہے۔امام مالک اور دیگر ائمہ کا یہی مذہب ہے۔امام احمد سے سوال کیا گیا کہ نماز میں انگلی سے اشارہ کرنا درست ہے؟اس نے اثبات میں جواب دیا کہ یہ ضروری ہے۔'' (نماز نبوی ،صفحه150،ادارة الترجمه والتاليف،فيصل آباد)

یہ البانی صاحب کا صریح جھوٹ ہے یا ان کی غلطی فہمی ہے کہ دیگر ائمہ کا بھی یہی مذہب ہے، پھر امام احمد کا جو قول پیش کیا ہے،اس میں انگلی ہلاتے رہنے کا کہاں جواز ہے؟اس میں تو صرف اشارہ کرنے کا ذکر ہے۔احناف کے علاوہ،شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی انگلی ہلاتے رہنا سنت نہیں ہے۔مالکیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں اگرچہ اکثر مشائخ اس طرف ہیں کہ مسلسل اشارہ کرتا رہے۔لہٰذا جمہور فقہائے کرام کا مذہب یہ ہے کہ انگلی مسلسل ہلانا سنت نہیں ہے۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے''ذَهَبَ

جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ إِلَى أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ لِلْمُصَلِّي فِي التَّشَهُّدِ الْإِشَارَةُ بِسَبَّابَتِهِ، وَتُسَمَّى فِي اصْطِلَاحِ الْفُقَهَاءِ الْمُسَبِّحَةَ وَهِيَ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ، وَيَرْفَعُهَا عِنْدَ التَّوْحِيدِ وَلَا يُحَرِّكُهَا لِحَدِيثِ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ إِذَا دَعَا، وَلَا يُحَرِّكُهَا وَقِيلَ يُحَرِّكُهَا، لِحَدِيثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَفَعَ أُصْبُعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا" ترجمہ: جمہور فقہائے کرام اس طرف گئے ہیں کہ نمازی کے لئے تشہد میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا مستحب ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اس کا نام "المسبحہ" ہے اور یہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی ہے۔ انگلی کو توحید کی گواہی دیتے وقت اٹھایا جائے گا اور اسے حرکت نہ دی جائے گی حدیث زبیر کی وجہ سے کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشہد میں انگلی اٹھاتے تھے لیکن حرکت نہیں دیتے تھے۔ کہا گیا کہ انگلی کو حرکت دی جائے حدیث وائل بن حجر کے سبب کہ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انگلی اٹھا کر حرکت کرتے دیکھا۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد4، صفحه282، دار السلاسل، الكويت)

حضرت وائل بن حجر کی جو روایت انگلی کو حرکت دینے کے متعلق ہے، اس کا معنی بیان کرتے ہوئے مرقاۃ المفاتیح میں ملا علی قاری (المتوفی 1014ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَيُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ مَعْنَى يُحَرِّكُهَا يَرْفَعُهَا، إِذْ لَا يُمْكِنُ رَفْعُهَا بِدُونِ تَحْرِيكِهَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ" ترجمہ: ممکن ہے کہ اس حدیث میں حرکت کے معنی انگلی اٹھانا ہو کیونکہ بغیر حرکت کے انگلی اٹھانا ممکن نہیں ہے۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلوٰة، باب التشهد، جلد2، صفحه 734، دار الفكر، بيروت)

سبل السلام میں محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسنی (المتوفی 1182ھ) فرماتے ہیں "قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ مُرَادُهُ بِالتَّحْرِيكِ الْإِشَارَةَ لَا تَكْرِيرَ تَحْرِيكِهَا، حَتَّى لَا يُعَارِضَ حَدِيثَ ابْنِ الزُّبَيْرِ" ترجمہ: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: احتمال ہے کہ حرکت دینے سے مراد اشارہ کرنا ہے نہ کہ مسلسل حرکت کرتے رہنا ہے، یہاں تک کہ یہ حدیث ابن زبیر کے مخالف ہو جائے۔

(سبل السلام، كتاب الصلوٰة، تحريك السبابة فى التشهد، جلد1، صفحه282، دار الحديث)

نیل الاوطار میں بھی وہابیوں کے امام شوکانی (المتوفی 1250ھ) نے امام بیہقی کا یہی قول پیش کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں "قَوْلُهُ: فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا قَالَ الْبَيْهَقِيّ: يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ مُرَادُهُ بِالتَّحْرِيكِ الْإِشَارَةَ بِهَا لَا تَكْرِيرُ تَحْرِيكِهَا حَتَّى لَا يُعَارِضَ حَدِيثَ ابْنِ الزُّبَيْرِ عِنْدَ أَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُد وَالنَّسَائِيُّ وَابْنِ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ بِلَفْظِ كَانَ يُشِيرُ بِالسَّبَّابَةِ وَلَا يُحَرِّكُهَا وَلَا يُجَاوِزُ بَصَرُهُ إِشَارَتَهُ"

(نیل الأوطار، ابواب صفة الصلوٰة، باب الإشارة بالسبابة وصفة وضع الیدین، جلد2، صفحہ 327، دار الحدیث، مصر)

عقلی اعتبار سے بھی دیکھیں تو انگلی مسلسل ہلاتے رہنا بے فائدہ ہے۔ درحقیقت شہادت کی انگلی اٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ زبان کے ساتھ ساتھ جسم بھی اللہ عزوجل کی وحدانیت کی گواہی دے۔ اس لئے "لا" پر انگلی اٹھا کر "الا" پر رکھنا وحدانیت کی گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔

## دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد؟

احناف کے نزدیک وتر کی تعداد تین ہے اور اس میں دعائے قنوت تیسری رکعت میں رکوع میں جانے سے پہلے تکبیر کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے پڑھی جائے گی۔ احناف کی دلیل سنن نسائی کی یہ حدیث ہے "أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ، كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ، فَإِذَا فَرَغَ، قَالَ عِنْدَ فَرَاغِهِ: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيلُ فِي آخِرِهِنَّ (حکم الألبانی) صحیح" ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور پہلی رکعت میں سورۃ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جوسب سے بلند ہے) پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۃ ﴿قُلْ يَآيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (تم فرماؤ اے کافرو) اور تیسری رکعت میں سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے) پڑھتے تھے۔ رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔ جب وتر پڑھ کر فارغ ہوتے تو یہ تین مرتبہ پڑھتے تھے "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ" تیسری مرتبہ کی تسبیح کو لمبا کرتے تھے۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب قیام اللیل، ذکر اختلاف ألفاظ الناقلین لخبر أبی بن کعب فی الوتر، جلد 3، صفحہ 235، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

شرح مشکل الآثار میں امام جعفر طحاوی (المتوفی 321ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْكُوفِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ وَكَمَا أَخْبَرَنَا هَارُونُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا نُعَيْمٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ: أَنَّهُ كَانَ يَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَأَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَعْنِي فِي الْوِتْرِ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْمَعْنَى أَيْضًا عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ" ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی وتر میں ایسا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ابی بن کعب سے بھی یہی مروی ہے۔

(شرح مشكل الآثار، باب بيان مشكل ما اختلف أهل العلم فيه من القنوت فى الوتر، جلد11، صفحه367، مؤسسة الرسالة، بيروت)

اسی طرح السنن الکبری للبیہقی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام وتروں میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے، امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے، اسی طرح رکوع سے قبل قنوت پڑھنا حضرت عمر فاروق، علی المرتضیٰ، ابن مسعود، ابوموسی، براء بن عازب، ابن عمر، ابن عباس، انس، عمر بن عبد العزیز، عبیدہ سلمانی، حمید طویل، ابن ابی لیلی، امام مالک، اسحاق، ابن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ ان روایتوں میں صحیح کے ساتھ ضعیف روایات بھی لیکن شواہد ہونے کے سبب قابل عمل ہیں۔

وہابیوں کے نزدیک دعائے قنوت رکوع سے اٹھنے کے بعد ہے اور انکی دلیل سنن ابی داود کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُسَدَّدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سُئِلَ هَلْ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ: قَبْلَ الرُّكُوعِ، أَوْ بَعْدَ الرُّكُوعِ؟ قَالَ: بَعْدَ الرُّكُوعِ" ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔ پوچھا گیا رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے یا بعد میں؟ انہوں نے فرمایا: رکوع کے بعد۔ (سنن أبى داود، كتاب الصلوة، باب القنوت فى الصلوات، جلد2، صفحه68، المكتبة العصرية، بيروت)

اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ عشاء کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔ بلکہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضور علیہ السلام فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔ لہٰذا وہابیوں کا اس حدیث کو دلیل بنا کر عشاء کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھنے درست نہیں ہے۔

دراصل کفار نے جب دھوکے سے مسلمان قاریوں کو شہید کر دیا تھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص اس موقع پر ایک مہینہ ان کفار کے خلاف دعا کی تھی اور اس میں آپ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔ اب آپ فجر میں قنوت رکوع سے قبل پڑھتے تھے یا بعد میں پڑھتے تھے اس کے متعلق دونوں قسم کی احادیث وارد ہیں۔ مختصر (قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر) ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِی (المتوفی 294ھ) لکھتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ

حَمْزَةَ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقْنُتُ بَعْدَ الرَّكْعَةِ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، حَتَّى كَانَ عُثْمَانُ قَنَتَ قَبْلَ الرَّكْعَةِ لِيُدْرِكَ النَّاسَ" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد رکوع کے قنوت پڑھتے تھے اور ابوبکر وعمر فاروق بھی ایسا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے کہ لوگ رکعت میں شامل ہوجائیں۔

(مختصر (قیام اللیل وقیام رمضان و کتاب الوتر)،باب القنوت بعد الركوع ،صفحه 317،حديث أكادمي، فيصل آباد)

اس روایت میں اضطراب ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دیگر صحیح احادیث مروی ہیں جن میں انہوں نے رکوع سے قبل بھی قنوت کا فرمایا اور بعض میں رکوع سے پہلے اور بعد دونوں کا فرمایا چنانچہ اسی مختصر کی حدیث پاک ہے "عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ، صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَأَبِي مُوسَى فَقَنَتُوا فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ الرُّكُوعِ عَنْ حُمَيْدٍ، سَأَلْتُ أَنَسًا، عَنِ الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَقَالَ: كُنَّا نَفْعَلُ قَبْلُ وَبَعْدُ" ترجمہ: حضرت حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وتر میں قنوت رکوع سے پہلے اور بعد میں پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ہم رکوع سے قبل اور بعد میں پڑھتے تھے۔

(مختصر (قیام اللیل وقیام رمضان و کتاب الوتر)،باب القنوت قبل الركوع ،صفحه 318،،حديث أكادمي، فيصل اباد)

سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سُئِلَ عَنِ الْقُنُوتِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، فَقَالَ: كُنَّا نَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ (حكم الألباني) صحيح" ترجمہ: حضرت حمید نے حضرت انس بن مالک سے فجر کی نماز میں قنوت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہم رکوع سے قبل اور بعد دونوں طریقوں سے پڑھتے تھے۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوٰة،باب ما جاء فی القنوت قبل الركوع وبعده، جلد1، صفحه374، دار إحياء الكتب العربية ،الحلبی)

الفوائد میں ابوالقاسم تمام بن محمد الجنید البجلی الرازی ثم الدمشقی (المتوفی 414ھ) روایت کرتے ہیں "حدثني أبو العباس أحمد بن منصور، ثنا الحسن بن أحمد بن المبارك، ثنا عبد الرحمن بن الحسين الإمام التستري، قال: وجدت في كتاب أبي، عن حفص بن عمر التمار، ثنا عباد بن راشد، عن داود بن أبي هند، عن أنس: أن النبي صلى الله عليه وسلم قنت شهرا يدعو قبل الركوع" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینہ رکوع سے قبل قنوت پڑھی۔

(الفوائد، جلد2، صفحہ76، مکتبۃ الرشد، الریاض)

بخاری شریف کی حدیث پاک میں صراحت ہے کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنا صرف ایک مہینہ کے لئے تھا چنانچہ امام بخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ القُنُوتِ، فَقَالَ: قَدْ كَانَ القُنُوتُ قُلْتُ: قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ: قَبْلَهُ، قَالَ: فَإِنَّ فُلاَنًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَقَالَ: كَذَبَ إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا، أُرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمُ القُرَّاءُ، زُهَاءَ سَبْعِينَ رَجُلًا، إِلَى قَوْمٍ مِنَ المُشْرِكِينَ دُونَ أُولَئِكَ، وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ، فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ" ترجمہ: حضرت عاصم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز میں قنوت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ہاں فرمایا۔ میں نے پوچھا قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے ہیں کہ بعد میں؟ انہوں نے فرمایا: رکوع سے قبل۔ میں نے کہا فلاں آپ کے حوالے سے کہتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام جنہیں قاری کہا جاتا تھا اور وہ ستر تھے، انہیں مشرکین کے ساتھ بھیجا۔ ان مشرکین اور حضور علیہ السلام کے درمیان پہلے کا معاہدہ تھا۔ ان مشرکین نے وہ عہد توڑ دیا (یعنی وہ ستر صحابہ کو شہید کر دیا) جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مشرکین کے خلاف ایک مہینہ رکوع کے بعد دعا کی۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع ۔۔، جلد5، صفحہ103، دار طوق النجاۃ، مصر)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ عَيَّاشٍ الْعَامِرِيِّ، عَنِ ابْنِ مُغَفَّلٍ، أَنَّ عُمَرَ، وَعَلِيًّا، وَأَبَا مُوسَى، قَنَتُوا فِي الْفَجْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ" ترجمہ: حضرت ابن مغفل نے فرمایا: حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فجر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات، فی قنوت الفجر قبل الرکوع أو بعدہ، جلد2، صفحہ105، مکتبۃ الرشد، الریاض)

دوسری روایت میں ہے "حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَنَتَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ الرُّكُوعِ" ترجمہ: حضرت زید بن وہب نے فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فجر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الصلوات، فی قنوت الفجر قبل الرکوع أو بعدہ، جلد2، صفحہ105، مکتبۃ الرشد، الریاض)

مختصر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام عشاء کے وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے اور رکوع کے بعد پڑھنے والی روایت کے متعلق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صراحت کردی کہ رکوع کے بعد پڑھنے والے روایت قاریوں کی شہادت کے ساتھ خاص ہیں۔ قنوت میں جو وہابی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں وہ بھی وہی روایتوں سے ثابت ہے جس میں حضور علیہ السلام نے چند دنوں کے لئے قاریوں کو شہید کرنے والے کے خلاف مانگی تھی۔ اس کے علاوہ وتروں میں ہاتھ اٹھا کر حضور علیہ السلام کا دعا مانگنا ثابت نہیں ہے۔

## تراویح کی تعداد

درحقیقت حضور علیہ السلام سے تراویح پڑھنا ثابت ہے لیکن صحیح حدیث سے ان کی رکعات ثابت نہیں ہے البتہ ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام بیس رکعات پڑھتے تھے، اس حدیث کی تقویت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے ہوتی ہے کہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورمبارک میں باجماعت بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی تھی۔

حضور علیہ السلام سے تراویح کی رکعات ثابت نہ ہونے کے باوجود جمہور علماء کرام نے حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عمل کی وجہ سے صراحت کی کہ تراویح کی رکعات بیس ہیں چنانچہ الحاوی للفتاوی میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی (المتوفی 911ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"قال السبکی فی شرح المنهاج:اعلم أنه لم ينقل كم صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك الليالى، هل هو عشرون أو أقل، قال:ومذهبنا أن التراويح عشرون ركعة ;لما روى البيهقى وغيره بالإسناد الصحيح عن السائب بن يزيد الصحابى رضى الله عنه قال:كنا نقوم على عهد عمر رضى الله عنه بعشرين ركعة" ترجمہ:امام سبکی نے شرح منہاج میں فرمایا: جان لو کہ منقول نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے، کیا بیس پڑھتے تھے یا اس سے کم۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارا مذہب ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے اس لئے کہ امام بیہقی نے اور دوسروں نے صحیح سند کے ساتھ سائب بن یزید صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورمبارک میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الصلوٰۃ، المصابیح فی صلاۃ التراویح، جلد1، صفحہ417، دار الفکر، بیروت)

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ملا علی قاری (المتوفی 1014ھ) رحمۃ اللہ علیہ وہابیوں کے امام ابن تیمیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں "قَالَ ابْنُ تَيْمِيَةَ الْحَنْبَلِيّ: اِعْلَمْ أَنَّهُ لَمْ يُوَقِّتْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّرَاوِيحِ عَدَدًا مُعَيَّنًا، بَلْ لَا يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ، وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، لَكِنْ كَانَ يُطِيلُ الرَّكَعَاتِ، فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلَى أُبَيٍّ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً، ثُمَّ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ" ترجمہ: ابن تیمیہ حنبلی نے کہا کہ جان لو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تراویح کی معین رکعات ثابت نہیں ہے بلکہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے، لیکن یہ رکعات طویل ہوتی تھی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب کو تراویح کا امام بنایا اور وہ بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر ہوتے تھے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب قیام شہر رمضان، جلد3، صفحہ972، دار الفکر، بیروت)

وہابیوں کا امام شوکانی (المتوفی 1250) نیل الاوطار میں لکھتا ہے "اَلتَّرَاوِيحِ عَلَى عَدَدٍ مُعَيَّنٍ، وَتَخْصِيصُهَا بِقِرَاءَةٍ مَخْصُوصَةٍ لَمْ يَرِدْ بِهِ سُنَّةٌ" ترجمہ: تراویح کی معین تعداد اور معین قراءت سنت سے ثابت نہیں ہے۔

(نیل الأوطار، باب ما جاء فی الصلاۃ بین العشاء ین، جلد3، صفحہ66، دار الحدیث، مصر)

اسی طرح وہابیوں کے مولوی صدیق حسن بھوپالی، وحید الزمان، نور الحسن بن صدیق خان بھوپالی سے بھی یہی مروی ہے کہ تراویح کی کوئی معین تعداد حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے۔

وہابیوں کے اپنے ان اکابر مولویوں سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام سے تراویح کی تعداد ثابت نہیں، لہٰذا وہابیوں کا یہ دعویٰ باطل ہوا کہ حضور علیہ السلام آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

اب جب حضور علیہ السلام سے تراویح کی تعداد صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو رکعات کا دارومدار صحابہ کرام کے عمل پر ہے۔ ہم جب حضرت عمر فاروق سمیت دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عمل کو دیکھتے ہیں تو صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ وہ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ پھر اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور علیہ السلام سے بیس رکعات پڑھنا ثابت ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ، عبد اللہ بن محمد العبسی (المتوفی 235ھ) اور السنن الکبری میں احمد بن الحسین ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "أَنْبَأَ أَبُو سَعْدٍ الْمَالِينِيُّ، ثنا أَبُو أَحْمَدَ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ثنا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ، ثنا أَبُو شَيْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً، وَالْوِتْرَ. تَفَرَّدَ بِهِ أَبُو شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ

بْنُ عُثْمَانَ الْعَبْسِيُّ الْكُوفِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی متفرد ہے اور ضعیف ہیں۔ (السنن الکبری، کتاب الصلوۃ، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان، جلد2، صفحہ698، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس روایت کا ضعیف ہونا بھی ہمارے مؤقف کے خلاف نہیں کیونکہ صحیح روایتوں میں حضرت عمر فاروق سمیت کئی صحابہ کرام سے بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے۔ معرفۃ السنن والآثار میں احمد بن الحسین بن علی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "أَخبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الْفَقِيهُ قَالَ: أَخبَرَنَا أَبُو عُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: أَخبَرَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ" ترجمہ: حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں: ہم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

(معرفۃ النسنن والاثار للبیہقی، کتاب الصلوۃ، باب قیام رمضان، جلد04، صفحہ207، بیروت)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روایت کی صحت کے متعلق فرماتے ہیں "قَالَ النَّوَوِيُّ فِي الْخُلَاصَةِ: إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ" یعنی امام نووی نے ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب الصلوۃ، باب قیام شھر رمضان، جلد03، صفحہ972، دار الفکر، بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي الْحَسْنَاءِ، أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً" ترجمہ: امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس (20) رکعتیں تراویح پڑھائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب صلوۃ التطوع، کم یصیلی فی رمضان من رکعۃ، جلد2، صفحہ163، مکتبۃ الرشد، الریاض)

السنن الکبری میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "أَخبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ الْقَطَّانُ بِبَغْدَادَ أنبأ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عِيسَى بْنِ عَبْدَكَ الرَّازِيُّ، ثنا أَبُو عَامِرٍ عَمْرُو بْنُ تَمِيمٍ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يُونُسَ، ثنا حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ عِشْرِينَ رَكْعَةً قَالَ: وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُوتِرُ بِهِمْ" ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن سلمی سے مروی ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان

المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر کی امامت خود کرتے تھے۔

(السنن الکبری، کتاب الصلوٰۃ، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان، جلد2، صفحہ699، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

تراویح کے پہلے امام حضرت ابی بن کعب سے بھی بیس رکعات تراویح ثابت ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ کی بسند صحیح روایت ہے "حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حَسَنٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ: كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِينَةِ عِشْرِينَ رَكْعَةً، وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ" ترجمہ: عبدالعزیز بن رفیع سے مروی ہے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو رمضان میں مدینہ میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر ہوتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب صلوۃ التطوع، کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، جلد2، صفحہ163، مکتبۃ الرشد، الریاض)

وہابیہ کے امام ابن تیمیہ (المتوفی 728ھ) نے لکھا "فانہ قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی قیام رمضان و یوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ اقامہ بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر" ترجمہ: بے شک یہ بات ثابت ہے کہ ابی بن کعب لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے، کثیر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے کیونکہ ابی بن کعب نے مہاجرین اور انصار کے درمیان نماز تراویح اسی طرح پڑھائی اور انہوں نے اس کا انکار نہ کیا۔

(فتاوی ابن تیمیہ، مسئلۃ ہل قنوت الصبح دائماً سنۃ، جلد2، صفحہ250، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے علاوہ حضرت عثمان غنی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر تابعین وائمہ کرام رحمہم اللہ سے بیس رکعات تراویح کی صراحت موجود ہے۔

وہابی تراویح کی رکعات آٹھ ہونے پر درج ذیل دلائل دیتے ہیں:

آٹھ رکعتوں کے ثبوت میں غیر مقلدین عموماً اس روایت کو پیش کرتے ہیں۔ صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ المَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كَيْفَ كَانَتْ صَلاَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلاَ تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلاَ تَسَلْ عَنْ

حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا" ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ابوسلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کیسی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رمضان میں اور دوسرے مہینوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ چار رکعت ایسی پڑھتے کہ ان کی اچھائی اور درازی سے تو پوچھو نہیں کہ کیسی عمدہ اور طویل نماز ہوتی تھی۔ پھر چار رکعتیں پڑھتے اور یہ نہ پوچھو کہ کیسی عمدہ اور طویل رکعتیں ہوتی تھیں، پھر تین رکعت نماز پڑھتے۔

(صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ، جلد2، صفحہ53، دار طوق النجاۃ، مصر)

**جواب نمبر (1):** یہ استدلال انتہائی کمزور ہے بلکہ اس استدلال کی اس روایت میں گنجائش ہی نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی نماز کا ذکر فرما رہی ہیں جو رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور غیر رمضان میں بھی، تراویح غیر رمضان میں ہوتی ہی نہیں۔

دراصل یہاں تہجد کا ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی آٹھ اور تین وتر کی رکعتیں ادا فرماتے۔

امام بخاری نے جس باب کے تحت ذکر کیا اس کا عنوان بھی یہی ہے "كِتَابُ التَّهَجُّدِ، بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ" ترجمہ: کتاب التہجد، رمضان اور غیر رمضان میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو قیام کرنا۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں "آں روایت محمول برنماز تہجد است کہ دررمضان وغیر رمضان یکساں بود غالباً بعدد یازدہ رکعات مع الوتر" ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نماز تہجد سے متعلق ہے کہ یہی نماز رمضان اور غیر رمضان میں یکساں تھی اور وتر سمیت غالباً گیارہ رکعت ہوتی تھی۔

(فتاوی عزیزی، جلد1، صفحہ119، مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

**جواب نمبر (2):** اگر اس حدیث میں تراویح کی نماز ہی مراد ہوتی تو عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضی، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس روایت سے استدلال کرتے یا کوئی ان کے سامنے پیش کرتا کہ آپ سب بیس رکعتوں پر اجماع کر رہے ہیں اور حضور آٹھ ادا فرمایا کرتے تھے، کم از کم اس حدیث کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس روایت کو پیش کرتیں، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، فقہاء کوئی تو اس حدیث سے استدلال کرتا اور اس کا مذہب آٹھ تراویح ہوتا۔

حیرت کی بات ہے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین کسی نے اس روایت کو لے کر اپنا مذہب آٹھ تراویح نہ بنایا اور آج غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ تراویح کے بارے میں ہے۔

**جواب نمبر (3):** غیر مقلدین خود اس حدیث کی دوطرح مخالفت کرتے ہیں: **اولاً** حدیث میں چار چار پڑھنے کا ذکر ہے، اور وہابی دو دو کر کے تراویح پڑھتے ہیں۔ **ثانیاً:** اس روایت میں آٹھ رکعتیں مانیں تو وتر تین بنتے ہیں اور غیر مقلدین وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں بالخصوص غیر رمضان میں۔ (اور اس روایت میں رمضان وغیر رمضان میں وتروں کی تین رکعتیں ہیں)۔

**جواب نمبر (4):** یہ روایت مضطرب ہے کہ اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کرنے والے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن ہیں، ایک روایت میں سوال کے جواب میں گیارہ رکعتیں فرماتی ہیں اور دوسری روایت تیرہ رکعتیں، ایک روایت میں چار چار کر کے پڑھنے کا بتاتی ہیں اور دوسری میں پہلے آٹھ رکعتیں پڑھنے کا بیان کرتی ہیں، پھر وتر اور دو رکعتیں پڑھنے کا بتاتی ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابوسلمہ کہتے ہیں "سَأَلْتُ عَائِشَةَ، عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي ثَمَانَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ يُوتِرُ، ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ، ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْإِقَامَةِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ" ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے (جن کی تفصیل یہ ہے کہ) پہلے آٹھ رکعتیں پڑھتے، پھر تین رکعتیں وتر کی اور پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے، جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو کر رکوع کرتے، پھر اذان اور اقامت کے درمیان صبح کی نماز کی دو رکعتیں (یعنی فجر کی سنتیں) پڑھتے۔

(صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا، باب صلاۃ اللیل، وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل۔۔، جلد1، صفحہ509، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مسلم شریف کی دوسری حدیث پاک میں ہے "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ" ترجمہ: حضرت عروہ سے مروی ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اس میں سے ایک رکعت وتر ہوتی تھی۔

(صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا، باب صلاۃ اللیل، وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی

اللیل--،جلد1،صفحہ508،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں نو رکعات کا بھی تذکرہ موجود ہے۔

لہٰذا حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "قَالَ الْقُرْطُبِیُّ أَشْکَلَتْ رِوَایَاتُ عَائِشَةَ عَلَی کَثِیرٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ حَتَّی نَسَبَ بَعْضُهُمْ حَدِیثَهَا إِلَی الِاضْطِرَابِ" ترجمہ: قرطبی نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کثیر اہل علم پر مشتبہ ہوگئی ہیں یہاں تک کہ بعض اہل علم نے اس حدیث کو مضطرب کہا ہے۔

(فتح الباری،باب کیف صلاۃ اللیل و کم کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل،جلد3،صفحہ21،دار المعرفۃ،بیروت)

وہابیوں کی دوسری دلیل یہ ہے "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُبَیْدِ اللَّهِ الطَّلْحِیُّ الْكُوفِیُّ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ حُمَیْدٍ، حَدَّثَنَا یَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْقُمِّیُّ، عَنْ عِیسَى ابْنِ جَارِیَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِی شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ" ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک میں ہمیں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔

(المعجم الصغیر،باب العین ،من اسمه عثمان،جلد1،صفحہ317،المکتب الإسلامی ،بیروت)

اس حدیث کی سند میں عیسی بن جاریہ ضعیف راوی ہے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں "قال بن أبی خیثمة عن بن معین لیس بذاك لا أعلم أحدا روى عنه غیر یعقوب وقال الدوری عن بن معین عنده مناکیر حدث عنه یعقوب القمی وعنبسة قاضی الری وقال أبو زرعة لا بأس به وقال أبو حاتم عیسى الدوری عن أبی سلمة وعنه زید بن أبی أنیسة هو عندی عیسى بن جاریة وقال الآجری عن أبی داود منکر الحدیث وقال فی موضع آخر ما أعرفه روى مناکیر وذکره بن حبان فی الثقات له عنده حدیث جابر خرج رسول الله صلى الله علیه وسلم بمکة فمر على رجل یصلی قلت وذکره الساجی والعقیلی فی الضعفاء وقال بن عدی أحادیثه غیر محفوظة" (تہذیب التہذیب،جلد8،صفحہ207،مطبعة دائرة المعارف النظامیة، الهند)

وہابیوں کی تیسری دلیل یہ ہے "حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا یَعْقُوبُ، عَنْ عِیسَى بْنِ جَارِیَةَ، حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: جَاءَ أُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ كَانَ مِنِّی اللَّیْلَةَ شَیْءٌ یَعْنِی فِی رَمَضَانَ، قَالَ: وَمَا ذَاكَ یَا أُبَیُّ؟، قَالَ: نِسْوَةٌ فِی دَارِی، قُلْنَ: إِنَّا لَا نَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَنُصَلِّی بِصَلَاتِكَ، قَالَ: فَصَلَّیْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ أَوْتَرْتُ، قَالَ: فَكَانَ شِبْهُ الرِّضَا وَلَمْ یَقُلْ شَیْئًا (حکم حسین سلیم أسد) إسناده

ضعیف" ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ رات کو میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کیا واقعہ ہے؟ عرض کیا: میرے گھر کی عورتوں نے مجھے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں لہٰذا ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گیں، میں نے انہیں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھا دیئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے اور یہ رضا کی دلیل ہے۔ حسین سلیم اسد نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا۔

(مسند أبي يعلى، مسند جابر، جلد3، صفحہ336، دار المأمون للتراث، دمشق)

**جواب نمبر (1):** یہ حدیث ضعیف ہے اس میں عیسیٰ بن جاریہ ہیں جن پر شدید جرح کی گئی ہے، اس کے علاوہ اس سند میں محمد بن حمید یعقوب قمی پر بھی بعض نے جرح کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ روایت اس وجہ سے ضعیف اور نا قابلِ استدلال ہے۔

**جواب نمبر (2):** غیر مقلدین سے جب بھی کسی مسئلہ پر گفتگو ہو تو بخاری و مسلم کا حوالہ مانگتے ہیں اور خود بخاری و مسلم تو دور کی بات ہے صحاح ستہ کی روایت بھی پیش نہیں کر سکے اور پیش وہ روایت کر رہے ہیں جس کے راویوں پر شدید جرح ہے۔

وہابیوں کی چوتھی دلیل یہ ہے: السنن الکبری میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "أنبأ أَبُو أَحْمَدَ الْمِهْرَجَانِيُّ، أنبأ أَبُو بَكْرِ بْنُ جَعْفَرٍ الْمُزَكِّي، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْعَبْدِيُّ، ثنا ابْنُ بُكَيْرٍ، ثنا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ ابْنِ أُخْتِ السَّائِبِ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ: أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَكَانَ الْقَارِءُ يَقْرَأُ بِالْمِئِينَ حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ، وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ" ترجمہ: حضرت سائب بن یزید نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ قاری ان رکعتوں میں مئین سورتیں (مئین وہ سورتیں کہلاتی ہیں جن کی آیات سو سے زیادہ ہوں جیسے سورہ بقرہ، آل عمران) پڑھا کرتا تھا یہاں تک کہ ہم طویل قیام کی وجہ سے عصا کا سہارا لیتے تھے اور طلوع فجر کے قریب لوٹتے تھے۔

(السنن الکبری، کتاب الصلوٰۃ، باب ما روی فی عدد رکعاتْ القیام فی شہر رمضان، جلد2، صفحہ698، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

**جواب نمبر (1)** یہ وہابیوں کی دلیل بنتی ہی نہیں ہے کیونکہ وہابیوں کے پیشوا بھوپالی صاحب عرف الجادی میں لکھا ہے کہ صحابہ کے اقوال وافعال دلیل بنانے کے قابل نہیں اگرچہ صحیح سندوں کے ساتھ بھی کیوں نہ مروی ہوں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کا پابند بنایا ہے۔ ملاحظہ ہو عرف الجادی، صفحہ 80، 112، 113، مطبع بھوپال۔

جواب نمبر (2) یہ روایت ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں اور اس میں تین کا ثبوت ہے۔

جواب نمبر (3) اس روایت میں چند طرح گفتگو ہے: ایک یہ کہ حدیث صحیح نہیں بلکہ مضطرب ہے، اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں انہوں نے یہاں گیارہ کی روایت کی اور محمد ابن نصر سے تیرہ کی، عبدالرزاق نے انہیں سے اکیس رکعتیں نقل کیں۔

ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہ روایت وہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو بیس رکعت کا حکم دیا۔

جواب نمبر (4) یہ وہابیوں کی یہ حدیث سائب بن یزید سے مروی ہے اور انہی سائب بن یزید سے بیس رکعات کا بھی ثبوت ہے چنانچہ السنن الکبری میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "وَقَـــــا أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ فَنْجَوَيْهِ الدِّينَوَرِيُّ بِالدَّامَغَانِ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ السُّنِّيُّ، أنبأ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، ثنا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أنبأ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً ،قَالَ:وَكَانُوا يَقْرَءُونَ بِالْمِئِينِ، وَكَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عِصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ" ترجمہ: حضرت سائب بن یزید نے فرمایا: ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مبارک میں رمضان المبارک میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ اس رکعات میں مئین سورتیں پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مبارک میں طویل قیام کے سبب لوگ اپنے عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔

(السنن الکبری، کتاب الصلوٰۃ، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان، جلد2، صفحہ698، دار الکتب العلمیة، بیروت)

دونوں روایتوں میں تطبیق یوں دی گئی کہ پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعت کا فرمایا بعد میں بیس رکعات کا حکم ہے اور پھر دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی بیس رکعات تراویح پڑھی۔ السنن الکبری میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں "أنبأ أَبُو أَحْمَدَ الْعَدْلُ، أنبأ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْمُزَكِّي، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ثنا ابْنُ بُكَيْرٍ، ثنا مَالِكٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً .وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الرِّوَايَتَيْنِ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ بِإِحْدَى عَشْرَةَ، ثُمَّ كَانُوا يَقُومُونَ بِعِشْرِينَ وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ، وَاللهُ أَعْلَمُ" ترجمہ: یزید بن رومان نے فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مبارک میں رمضان مبارک میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ دونوں روایتوں میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ پہلے گیارہ پڑھنے کا کہا بعد میں بیس تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ اللہ عزوجل زیادہ

جانتا ہے۔

(السنن الکبریٰ، کتاب الصلوٰۃ، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان، جلد2، صفحہ699، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ رَكْعَةً، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَهَكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً" ترجمہ: اکثر اہل علم کے نزدیک تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، اس کے مطابق جو کہ حضرت عمر، حضرت علی اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے اور یہی سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس (20) رکعتیں ہی پڑھتے پایا۔

(جامع ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان، ج2، ص162 دار الغرب الإسلامی، بیروت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی 743ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَالثَّانِي فِي عَدَدِ رَكَعَاتِهَا وَهِيَ عِشْرُونَ رَكْعَةً وَعِنْدَ مَالِكٍ سِتٌّ وَثَلَاثُونَ رَكْعَةً وَاحْتَجَّ عَلَى ذَلِكَ بِعَمَلِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَلَنَا مَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَعَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ مِثْلَهُ فَصَارَ إجْمَاعًا" ترجمہ: تراویح کی رکعات بیس ہیں اور امام مالک کے نزدیک چھتیس ہیں انہوں نے اہل مدینہ کے عمل سے دلیل پکڑی۔ امام بیہقی نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی رہی۔ اسی طرح حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی رہی۔ گویا کہ بیس رکعت پر صحابہ کا اجماع ہوگیا۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلوۃ، باب الوتر والنوافل، جلد01، صفحہ178، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، القاہرۃ)

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَالصَّحِيحُ قَوْلُ الْعَامَّةِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَمَعَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَصَلَّى بِهِمْ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً، وَلَمْ يُنْكِرْ أَحَدٌ عَلَيْهِ فَيَكُونُ إجْمَاعًا مِنْهُمْ عَلَى ذَلِكَ" ترجمہ: تراویح کی تعداد کے بارے درست مذہب وہی ہے جو اکثر علماء کرام کا ہے جیسا کہ روایت میں بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماہ رمضان میں ہر رات بیس رکعت تراویح پڑھانے کے لئے ابی بن کعب کی

امامت میں صحابہ کو جمع کیا جس پر کسی بھی صحابی نے اعتراض نہ کیا اور بیس رکعت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

(بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل فی قدرصلوة التراویح، جلد01، صفحہ288، دار الکتب العلمیة، بیروت)

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قَالَ ابُن عبد البر: وَهُوَ قول جُمهُور العلمَاء، وَبِه قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيّ وَأَكْثر الْفُقَهَاء، وَهُوَ الصَّحِيح عَن أبي بن كَعْب من غير خلاف من الصَّحَابَة" ترجمہ: ابن عبد البر کہتے ہیں کہ تراویح کا بیس ہونا یہی جمہور علماء کا مذہب ہے بلکہ کوفیوں، امام شافعی اور اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے اور یہی درست ہے جو کہ ابی بن کعب سے مروی ہے اس طرح کہ اس میں کسی صحابی کو اختلاف نہیں۔

(عمدة القار ی شرح صحیح البخاری، کتاب التراویح ،باب فضل من قام رمضان، جلد11، صفحہ127، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

تحقیق رکعات تراویح میں حضرت علامہ مفتی عبد المجید خاں سعیدی رضوی فرماتے ہیں "لفظ تراویح سے استدلال: لفظ تراویح بھی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ نماز تراویح صرف آٹھ رکعات مسنون نہیں کیونکہ فریقین کے نزدیک یہ لفظ "ترویحہ" کی جمع ہے اور بالاتفاق ایک ترویحہ چار رکعت کا ہوتا ہے، پس اگر تراویح آٹھ رکعات ہوتی ہے تو اس جمع کے صیغہ سے تراویح کہنے کی بجائے تثنیہ کے صیغے سے ترویحتین یا ترویحتان کہا جاتا ہے جبکہ اس کا یہ نام دورِاول کے مسلمانوں کا مقررہ کردہ ہے۔ الغرض لفظ تراویح بھی نماز تراویح کے آٹھ رکعات سے زائد ہونے کی دلیل ہے اور وہ بیس ہے جیسا کہ درج ذیل شواہد سے واضح ہے۔"

یہ وہ بیس سوالات ہیں جو کہ محدث اعظم پاکستان مفتی سردار احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دور کے غیر مقلدین کے امام مولوی ثناء اللہ امرتسری سے کئے جن کا آج تک نہ تو ان کی طرف سے اور نہ ہی ان کے ماننے والوں کی جانب سے جواب آیا ہے۔

سوال نمبر 1: بیس رکعت تراویح پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

سوال نمبر 2: اگر کوئی اہل حدیث (غیر مقلد) بیس تراویح پڑھے یہ جان کر کہ ائمہ واصحابہ کرام کا اس پر عمل تھا تو وہ اہل حدیث (غیر مقلد) گناہ گار ہو گا یا نہیں اور وہ اہل حدیث بیس تراویح پڑھنے سے اہل حدیث رہے گا یا نہیں؟

سوال نمبر 3: ایک اہل حدیث (غیر مقلد) آٹھ تراویح پڑھے اور دوسرا اہل حدیث بیس تراویح پڑھے تو زیادہ ثواب کس کو ملے گا؟

سوال نمبر 4: تراویح کی کیا معنی ہیں شرعاً اس کا اطلاق کم از کم کتنی رکعات پر حقیقۃً ہو سکتا ہے؟

سوال نمبر 5: نماز تہجد کا وقت کیا ہے اور نماز تراویح کا وقت کیا ہے؟

سوال نمبر 6: نماز تہجد کب شروع ہوئی اور نماز تراویح کب مسنون ہوئی؟

سوال نمبر 7: نماز تہجد رمضان/غیر رمضان میں ہے یا نہیں؟

سوال نمبر 8: نماز تراویح صرف رمضان میں ہے یا نہیں؟

سوال نمبر 9: ہند کے اہل حدیث کہلانے والوں کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی ایک ختم قرآن تراویح میں اور ایک ختم تہجد میں سنتے تھے جیسا کہ غیر مقلدین میں مشہور ہے۔ لہٰذا اگر تراویح اور تہجد ایک نماز ہے تو مولوی نذیر حسین دہلوی ان دونوں کو الگ الگ پڑھ کر بدعت فی الدین کے مرتکب ہوئے یا نہیں اور رمضان میں تہجد جماعت کے ساتھ پڑھنا اور اس میں ختم قرآن مجید سننا اہل حدیث کے نزدیک بدعت ہے یا سنت ہے تو اس کا کیا ثبوت ہے؟

سوال نمبر 10: صحاح ستہ یا دیگر کتب حدیث میں کیا حدیث صحیح الاسناد بالاتفاق صریح الدلالۃ مرفوع متصل ہے، جس کا یہ مضمون ہو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں 8 رکعت تراویح پڑھی ہیں۔

سوال نمبر 11: حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ماہ رمضان المبارک میں کتنی تراویح پڑھی ہیں، جس حدیث میں اس کا ذکر ہے، اس میں تعداد رکعت بیان کی ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر 12: پورے رمضان میں تراویح پڑھنا کس کی سنت فعلی ہے، صحابہ کی سنت پر عمل کرنا سنت ہے یا نہیں؟

سوال نمبر 13: بخاری و مسلم بلکہ صحاح ستہ میں تہجد کی کتنی رکعت مذکور ہیں، ہمیشہ آٹھ رکعت کم یا زیادہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات میں کتنی رکعت کا بیان ہے؟

سوال نمبر 14: صحاح ستہ میں کسی کتاب میں اکثر اہل علم جمہور صحابہ وتابعین کا تراویح کے متعلق کیا عمل بتایا ہے؟ بیس رکعت یا کم یا زیادہ؟ حضرت شیخ المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر جمہور امت کا کیا عمل بتایا ہے؟

سوال نمبر 15: کتب حدیث میں بیس تراویح کے متعلق حدیثیں ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر 16: کسی حدیث کے اسناد میں اگر بعض ضعف ہو تو جمہور امت کے تلقی بالقول کرنے سے وہ حدیث حجت قابل عمل رہتی ہے یا نہیں؟

سوال نمبر 17: صحابہ کرام کے جس قول وفعل میں اجتہاد کو دخل نہ ہو وہ حکم میں مرفوع کے ہے یا نہیں؟ اصول حدیث میں اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے؟

سوال نمبر 18: اگر حدیث کی ایسی اسناد ہوں کہ بعد کے طبقہ کا ایک راوی ضعیف ہو تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ اس طبقہ سے پہلے محدثین کے نزدیک بھی وہ حدیث ضعیف ہو؟

سوال نمبر 19: کیا کسی حدیث کے اسناد صحیح ہونے سے یہ ضروری ہے کہ اس کے متن حدیث پر عمل کیا جائے؟ یا کسی حدیث کے محض اسناد ضعیف ہونے سے لازم آتا ہے کہ وہ حدیث قابل عمل نہ ہو؟

سوال نمبر 20: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تراویح کی کتنی رکعت بتاتے ہیں؟ ابن تیمیہ نے تراویح کے عدد رکعت کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟، حضور سیدنا قطب الاقطاب غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محدث نووی شارح مسلم شریف کتنی تراویح کو مسنون فرماتے ہیں؟ (فتاوی محدث اعظم، صفحہ 70تا73، بزم رضا اکیڈمی، فیصل آباد)

## عیدین کی تکبیرات

احناف کے نزدیک عیدین کی زائد تکبیرات چھ ہیں۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے کہ آپ نے عیدین میں چھ زائد تکبیریں پڑھیں۔ الآثار لمحمد بن الحسن میں الامام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی بسند صحیح روایت کرتے ہیں "مُحَمَّدٌ، قَالَ:أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ أَنَّهُ كَانَ قَاعِدًا فِي مَسْجِدِ الْكُوفَةِ وَمَعَهُ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ وَأَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَخَرَجَ عَلَيْهِمُ الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ وَهُوَ أَمِيرُ الْكُوفَةِ يَوْمَئِذٍ فَقَالَ:إِنَّ غَدًا عِيدَكُمْ فَكَيْفَ أَصْنَعُ؟ فَقَالَا:أَخْبِرْهُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَأَمَرَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ وَأَنْ يُكَبِّرَ فِي الْأُولَى خَمْسًا وَفِي الثَّانِيَةِ أَرْبَعًا وَأَنْ يُوَالِيَ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ وَأَنْ يَخْطُبَ بَعْدَ الصَّلَاةِ عَلَى رَاحِلَتِهِ" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ حذیفہ بن یمان اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھے ہوئے تھے، ولید بن عقبہ بن ابومعیط ان کی طرف آئے اور وہ ان دنوں امیر کوفہ تھے۔ اس نے عرض کی آج آپ کی عید ہے میں کیسے نماز پڑھوں؟ حضرت حذیفہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابن مسعود سے کہا اے ابوعبدالرحمٰن اسے بتادو کیسے نماز پڑھنی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بغیر اذان و اقامت کے نماز شروع

کرو۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں پڑھو (تکبیر تحریمہ اور مزید تین زائد تکبیرات اور پانچویں تکبیر رکوع میں جانے کی) اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں پڑھو (تین زائد تکبیرات اور چوتھی تکبیر رکوع میں جانے کی)۔ قراءت پے در پے پڑھو (یعنی دونوں رکعتوں کی قراءت کے درمیان زائد تکبیرات نہ پڑھو) آپ نے فرمایا کہ بعد نماز اپنے سواری پر خطبہ دو۔

(الآثار لمحمد بن الحسن، باب صلاة العيدين، جلد1، صفحه 537، دار الكتب العلمية، بيروت)

اسی متن کو الآثار میں ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ الأنصاری (المتوفی 182ھ) نے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے "قَالَ: حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجَ الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ وَحُذَيْفَةَ، وَأَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، فَقَالَ: إِنَّ عِيدَكُمْ غَدًا، فَكَيْفَ أُصَلِّي؟ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبِرْهُ، فَقَالَ: ابْدَأْ بِالصَّلَاةِ بِلَا أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ، وَكَبِّرْ فِي الْأُولَى خَمْسًا، أَرْبَعَةً قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، ثُمَّ اقْرَأْ وَكَبِّرِ الْخَامِسَةَ، فَارْكَعْ بِهَا، ثُمَّ قُمْ فَاقْرَأْ وَوَالِ مَا بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ، ثُمَّ كَبِّرْ أَرْبَعًا، وَارْكَعْ بِآخِرِهِنَّ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَخْطُبَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بَعْدَ الصَّلَاةِ" ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ولید بن عقبہ ابن مسعود، حذیفہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض: آج آپ کی عید ہے تو میں کیسے عید کی نماز پڑھو؟ انہوں نے ابن مسعود سے کہا اے ابو عبد الرحمٰن اسے بتا دو۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بغیر اذان و اقامت کے نماز شروع کرو۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں پڑھو، چار قبل قراءت کے، پھر قراءت کرو اور پانچویں تکبیر پڑھو اور رکوع کرو۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے اور قراءت کرو۔ قراءت پے در پے پڑھو (یعنی دونوں رکعتوں کی قراءت کے درمیان زائد تکبیرات نہ پڑھو)۔ پھر چار تکبیریں پڑھو اور چوتھی تکبیر میں رکوع کرلو۔ آپ نے فرمایا کہ بعد نماز اپنے سواری پر خطبہ دو۔

(الآثار، باب صلاة العيدين، صفحه59، دار الكتب العلمية، بيروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُوسَى، وَعَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ أَمِيرًا مِنْ أُمَرَاءِ الْكُوفَةِ، قَالَ سُفْيَانُ: أَحَدُهُمَا سَعِيدُ بْنُ الْعَاصِي، وَقَالَ الْآخَرُ: الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ، بَعَثَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ، فَقَالَ: إِنَّ هَذَا الْعِيدَ قَدْ حَضَرَ فَمَا تَرَوْنَ؟ فَأَسْنَدُوا أَمْرَهُمْ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ: يُكَبِّرُ تِسْعًا تَكْبِيرَةً يَفْتَتِحُ بِهَا الصَّلَاةَ، ثُمَّ يُكَبِّرُ ثَلَاثًا، ثُمَّ يَقْرَأُ سُورَةً، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيَقْرَأُ سُورَةً، ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا، يَرْكَعُ بِإِحْدَاهُنَّ" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حذیفہ بن یمان اور عبد اللہ بن قیس کی طرف کسی آدمی کو بھیجا گیا کہ آپ عید

کی نماز کیسے پڑھتے ہیں؟ حضرت حذیفہ بن یمان اور عبد اللہ بن قیس نے یہ سوال حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف بھیج دیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: عید کی نماز میں نو تکبیرات پڑھی جائیں گی۔ پہلی تکبیر کے ساتھ نماز شروع کی جائے گی، پھر تین زائد تکبیریں پڑھی جائیں گی، پھر قراءت کی جائے گی، پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں گے۔ پھر دوسری رکعت میں سورت پڑھی جائے گی، تین زائد تکبیریں پڑھ کر چوتھی میں رکوع کیا جائے گا۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب صلوۃ العیدین، فی التکبیر فی العیدین، واختلافھم فیہ، جلد1، صفحہ494، مکتبۃ الرشد، الریاض)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "رُوِیَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ قَالَ فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ: تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى: خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا مَعَ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا. وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الكُوفَةِ. وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ" ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا عیدین کی تکبیرات کل نو ہیں۔ پہلی رکعت میں پانچ ہیں قراءت پہلے (یعنی قراءت سے پہلے چار اور پانچوں تکبیر رکوع میں جانے سے پہلے اس طرح پہلی رکعت میں کل پانچ تکبیریں ہوگئیں) دوسری رکعت میں قراءت سے ابتدا کی جائے گی، پھر رکوع کی تکبیر کے ساتھ چار تکبریں پڑھی جائیں گی (یعنی تین زائد تکبیریں اور چوتھی تکبیر رکوع کی) یہی عمل کثیر صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اور یہی قول اہل کوفہ کا ہے اور حضرت سفیان ثوری نے بھی یہی فرمایا ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب العیدین، باب فی التکبیر فی العیدین، جلد1، صفحہ671، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد الشامی ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ، وَعَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ: كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى خَمْسًا بِتَكْبِيرَةِ الرَّكْعَةِ، وَبِتَكْبِيرَةِ الِاسْتِفْتَاحِ، وَفِي الْأُخْرَى أَرْبَعًا بِتَكْبِيرَةِ الرَّكْعَةِ" ترجمہ: حضرت اسود بن یزید سے مروی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں پڑھتے تھے تین زائد اور ایک تکبیر تحریمہ اور ایک رکوع کی تکبیر اور دوسری رکعت میں کل چار تکبیریں پڑھتے تھے تین زائد اور ایک رکوع کی تکبیر۔ (المعجم الکبیر، باب العین، جلد9، صفحہ 304، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

وہابیوں کے نزدیک عید کی نماز میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے پڑھی جائیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں پڑھی جائیں۔ وہابیوں کی دلیل ترمذی شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ عَمْرٍو

أَبُو عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِينِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ الصَّائِغُ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ"

ترجمہ: حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے والد سے وہ اپنے جد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیدین میں سات تکبیریں قراءت سے قبل پڑھیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے قبل پانچ تکبریں پڑھیں۔

(سنن الترمذی، ابواب العیدین، باب فی التکبیر فی العیدین، جلد1، صفحہ670، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

اس روایت میں کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے۔ اسی طرح اور بھی روایات وہابیوں کی تائید میں ہیں لیکن وہ سب کی سب ضعیف ہیں چنانچہ البنایہ شرح الہدایہ میں ابومحمد محمود الحنفی بدرالدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فإن قلت: ما تقول فيما أخرجه الترمذي وابن ماجه عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كبر في العيدين في الأولى سبعا قبل القراءة، وفي الآخرة خمسا قبل القراءة. قال الترمذي: حديث حسن، وهو أحسن شيء روي في هذا الباب. وقال في علله الكبرى: سألت محمدا عن هذا الحديث، فقال: ليس في هذا الباب شيء أصح منه، وبه أقول. قلت: قال ابن القطان في كتابه: هذا ليس بصريح في الصحيح، فقوله: ليس في هذا الباب شيء أصح منه، يعني أقل ضعفا، وقوله: وبه أقول، يحتمل أن يكون من كلام الترمذي، أي: أنا أقول، أنا محمد، الحديث أحسن ما في الباب، قال: ونحن وإن خرجنا عن ظاهر اللفظ، ولكن كثير بن عبد الله: متروك، قال أحمد: لا يساوي شيئا وضرب على حديثه في المسند ولم يحدث به، وقال ابن معين: ليس حديثه بشيء. وقال أبو زرعة: واهي الحديث. وقال الشافعي: هو ركن من أركان الكذب. وقال ابن حبان: يروي عن أبيه عن جده نسخة موضوعة لا يحل ذكرها في الكتب إلا على سبيل التعجب. وقال ابن ماجه في كتابه "العلم المشهور" وقد حسن الترمذي في كتابه من أحاديث موضوعة وأسانيد واهية منها هذا الحديث، فإن الحسن عندهم ما نزل عن درجة الصحيح ولم يرد عليه إلا من كلامه، فإنه قال في علله التي في كتابه "الجامع" والحديث الحسن عندنا ما روي من غير وجه، ولم يكن شاذا ولا في إسناده من يتهم بالكذب. الوجه الثالث: أن قول ابن مسعود لم يضطرب وقد ساعده جماعة من الصحابة الذين ذكرناهم، وفي قول غيره اضطراب، فصار الأخذ بقوله أولى، على أنه قد نقل عن أحمد أنه ليس يروى في التكبير في العيدين حديث صحيح، قال أبو بكر بن المولى: لم يثبت في التكبير شيء يصح. فإن

قلت:ذکر البیهقی فی "سننه"أحادیث محتجا بها لمذهب إمامه وصحح بعضها، ولم یتعرض للتضعیف .منها: حدیث عائشة رضی الله عنها قالت:کان النبی صلی الله علیه وسلم یکبر فی العیدین فی الأولی بسبع تکبیرات، وفی الثانیة بخمس قبل القراء ة سوی تکبیرتی الرکوع رواه أبو داود وابن ماجه .ومنها:حدیث عبد الله بن عمرو بن العاص، قال:قال النبی صلی الله علیه وسلم :التکبیر فی الفطر سبع فی الأولی وخمس فی الثانیة والقراءة بعد کلتیهما رواه أبو داود وابن ماجه والدارقطنی ومنها:حدیث عمرو بن عوف المزنی وقد ذکرناه الآن.ومنها:حدیث عبد الرحمن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال:حدثنی أبی عن أبیه عن جده أن النبی صلی الله علیه وسلم کان یکبر فی العیدین فی الأولی سبعا قبل القراء ة، وفی الثانیة خمسا قبل القراء ة رواه ابن ماجه .ومنها:حدیث عبد الله بن محمد بن عمار عن أبیه عن جده، قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یکبر فی العیدین فی الأولی سبع تکبیرات وفی الأخری خمسا رواه الدارقطنی . ومنها:حدیث عبد الله بن عمر قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم التکبیر فی العیدین فی الأولی سبع تکبیرات وفی الأخری خمس تکبیرات ، رواه الدارقطنی أیضا .قلت:حدیث عائشة رضی الله عنها :فی سنده عبد الله بن لهیعة وأمره ظاهر.وقال الدارقطنی فی "علله"فیه اضطراب، وحدیث عبد الله بن عمرو بن العاص ضعفه جماعة، منهم ابن معین.فإن قلت:صححه البخاری والنووی.قلت:فیه عبید الله بن عبد الرحمن الطائفی، وقد ضعفه أحمد، وضعفه ابن الجوزی أیضا، وذکره فی الضعفاء والمتروکین مع کونه موافقا لمذهبه، وحدیث عمرو بن عوف ذکرنا حاله عن قریب .وحدیث مؤذن رسول الله صلی الله علیه وسلم وحدیث عبد الله بن محمد بن عمار، ضعفه أحمد به، وقال ابن معین:لیس بشیء .وحدیث عبد الله بن عمر فیه الفرج بن فضالة، قال البخاری:وهو ذاهب الحدیث .الوجه الرابع :فی قول ابن مسعود، فرجح، لأنه أثبت ولا تردد فیه ولا اضطراب، ولأن قوله یبقی الزیادة وأقوال غیره.قلت:والنفی موافق القیاس، إذ القیاس علی غیرها من الصلوات ینفی إدخال زیادة الأذکار فیها، والإثبات یخالفه، وإذا ترجح قوله فی العدد ترجح فی الموضع إذ الروایة واحدة ."اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے امام ترمذی اور ابن قطان نے جو اس حدیث کو حسن کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس باب میں اس کے متعلق جتنی احادیث گزری ہیں ان میں سے یہ حدیث زیادہ صحیح ہے، یعنی بقیہ احادیث بھی ضعیف ہیں لیکن یہ

حدیث ان کی بنسبت کم ضعیف ہے۔اس حدیث میں کثیر بن عبداللہ ضعیف متروک ہے،امام احمد،ابن معین،ابوزرعہ،امام شافعی نے اس پر کلام کیا ہے۔ابن ماجہ نے اپنی کتاب ''العلم المشھور'' میں فرمایا امام ترمذی نے اپنی کتاب میں کئی موضوع احادیث اور کمزور اسناد کو بھی حسن کہہ دیا۔امام ترمذی کے نزدیک حسن حدیث وہ ہے جو صحیح نہ ہو۔انہوں نے علل میں فرمایا ہے کہ میرے نزدیک حدیث حسن وہ ہے جس میں شاذ نہ ہو اور اس کی اسناد میں کوئی راوی جھوٹ سے متہم نہ ہو۔احناف کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی جو روایت ہے اس میں کوئی اضطراب نہیں اور صحابہ کرام سے مروی ہے تو جب اس میں کوئی اضطراب نہیں تو اسے لینا زیادہ بہتر ہے۔اسی طرح سات تکبیروں کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو روایت مروی ہے اس میں عبداللہ بن لہیعہ ضعیف ہے اور امام دارقطنی نے فرمایا اس میں اضطراب ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص والی حدیث کو ابن معین سمیت کئی محدثین نے ضعیف کہا ہے۔امام بخاری اور امام نووی نے اس حدیث کو صحیح کہا جبکہ اس میں عبیداللہ بن عبدالرحمٰن ضعیف ہے امام احمد اور امام جوزی نے اسے ضعیف کہا۔مؤذن رسول اور عبداللہ بن محمد بن عمار کی حدیث بھی ضعیف امام احمد نے ضعیف کہا اور ابن معین نے فرمایا وہ کوئی شے نہیں۔حدیث عبداللہ بن عمر میں فضالہ راوی ہے جو ضعیف ہے۔لہٰذا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث بغیر اضطراب کے ہے جس کو سب پر ترجیح ہے۔

(البناية شرح الهداية، كتاب الصلوة،باب صلاة العيدين،جلد3،صفحه 113--، دار الكتب العلمية ،بيروت)

## جمعہ کے دن عید ہو تو کیا جمعہ معاف ہے؟

احناف کے نزدیک اگر جمعہ والے دن عید ہو جائے تو عید واجب اور جمعہ پڑھنا فرض رہے گا۔جمعہ فرض قطعی ہے جسے چھوڑنا جائز نہیں ہے۔قرآن پاک میں ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ (سورة الجمعة،سورة62،آيت9)

حضور علیہ السلام اور دیگر جید صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور مبارک میں جمعہ وعید ایک دن ہوئے ہیں جن کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے چنانچہ سنن کبری للبیہقی میں ہے ''عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ:اِجْتَمَعَ عِیدَانِ عَلَی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ'' ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی،فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عید جمعہ کے دن ہوئی۔

(السنن الكبرى للبيهقى، كتاب صلوة العيدين،حديث 6287،جلد03،صفحه444،دار الكتب العلمية، بيروت)

ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے" حَدَّثَنا مُحَمَّدُ بنُ كَثِيرٍ، أَخبَرَنا إِسرَائِيلُ، حَدَّثنا عُثمَانُ بنُ المُغِيرَةِ، عَن إِيَاسِ بنِ أَبِي رَملَةَ الشَّامِيِّ، قَالَ:شَهِدتُ مُعَاوِيَةَ بنَ أَبِي سُفيَانَ، وَهُوَ يَسأَلُ زَيدَ بنَ أَرقَمَ، قَالَ:أَشَهِدتَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عِيدَينِ اجتَمَعَا فِي يَومٍ؟ قَالَ:نَعَم" ترجمہ: ایاس بن ابی رملہ سے مروی کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے کہ انہوں نے زید بن ارقم سے سوال کیا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ کسی ایسے دن کو پایا کہ اس دن عید اور جمعہ ہوں؟ وہ بولے ہاں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ،باب اذاوافق یوم الجمعة یوم عید،حدیث نمبر1070،جلد01،صفحہ281،بیروت)

اسی طرح مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جمعہ والے دن عید ہوئی، مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مبارک میں بھی ایسا ہوا، ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں یہی ہوا اور احکام العیدین میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جمعہ والے دن عید ہوئی۔

لیکن وہابی جو ہر مسئلہ میں رعایت کی طرف لپکتے ہیں، ان کا مؤقف یہ ہے کہ اگر جمعہ والے دن عید ہو جائے تو فقط عید کی جماعت کافی ہے جمعہ نہ بھی پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ فقہائے احناف نے فرمایا کہ اگر جمعہ والے دن عید ہونے کی صورت میں جمعہ معاف ہوتا تو صریح کثیر احادیث سے اس کا ثبوت، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ارشادات ہوتے، لیکن کسی ایک بھی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ عید والے دن جمعہ معاف ہوتا ہے۔ بلکہ مسلم شریف کی صحیح حدیث پاک سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن عید ہونے پر عید اور جمعہ دونوں کو جماعت کروائی چنانچہ حدیث پاک میں ہے" حَدَّثَنَا يَحيَى بنُ يَحيَى، وَأَبُو بَكرِ بنُ أَبِي شَيبَةَ، وَإِسحَاقُ، جَمِيعًا عَن جَرِيرٍ، قَالَ يَحيَى: أَخبَرَنَا جَرِيرٌ، عَن إِبرَاهِيمَ بنِ مُحَمَّدِ بنِ المُنتَشِرِ، عَن أَبِيهِ، عَن حَبِيبِ بنِ سَالِمٍ، مَولَى النُّعمَانِ بنِ بَشِيرٍ، عَنِ النُّعمَانِ بنِ بَشِيرٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقرَأُ فِي العِيدَينِ، وَفِي الجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسمَ رَبِّكَ الأَعلَى، وَهَل أَتَاكَ حَدِيثُ الغَاشِيَةِ، قَالَ:وَإِذَا اجتَمَعَ العِيدُ وَالجُمُعَةُ، فِي يَومٍ وَاحِدٍ، يَقرَأُ بِهِمَا أَيضًا فِي الصَّلَاتَينِ" ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغٰشِيَةِ﴾ پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تو یہ دونوں سورتیں دونوں نمازوں میں پڑھتے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعة،باب ما یقرأ فی صلاۃ الجمعة،جلد2،صفحہ598،حدیث878،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

وہابی اپنے موقف ابوداؤد شریف کی یہ روایت پیش کرتے ہیں "عَنْ إِيَاسِ بْنِ أَبِي رَمْلَةَ الشَّامِيِّ، قَالَ: شَهِدْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ، وَهُوَ يَسْأَلُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ، قَالَ: أَشَهِدْتَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِيدَيْنِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَكَيْفَ صَنَعَ؟ قَالَ: صَلَّى الْعِيدَ، ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَلْيُصَلِّ" ترجمہ: ایاس بن ابی رملہ سے مروی کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے کہ انہوں نے زید بن ارقم سے سوال کیا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ کسی ایسے دن کو پایا کہ اس دن عید اور جمعہ ہوں؟ وہ بولے ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دن کی ابتداء میں عید پڑھائی پھر جمعہ کی رخصت عطا فرمائی، پس فرمایا جو چاہے جمعہ پڑھے اور جو چاہے نہ آئے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب اذاوافق یوم الجمعۃ یوم عید، حدیث نمبر 1070، جلد 1، صفحہ 281، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

وہابیوں کا اس روایت سے جمعہ معاف ہونے کا استدلال کرنا بالکل باطل و مردود ہے۔ اس روایت میں جمعہ کی معافی کا ذکر محض ان لوگوں کے لئے ہے جن پر جمعہ فرض نہیں ہوتا یعنی جو مدینۃ المنورۃ کے باہر سے دور دراز، گاؤں دیہاتوں وغیرہ سے عید کی نماز کی ادائیگی کے واسطے آئے تھے، اور جو لوگ شہری نہ ہوان پر جمعہ کی حاضری لازم نہیں کہ ان پر فرض ہی نہیں۔ جس پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں، چنانچہ بخاری، مؤطا امام مالک بروایت امام محمد، مصنف عبد الرزاق میں ہے "عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، وَابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ، مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: شَهِدْتُ عُثْمَانَ وَاجْتَمَعَ فِطْرٌ وَجُمُعَةٌ، فَخَطَبَ عُثْمَانُ النَّاسَ بَعْدَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هَذَيْنِ الْعِيدَيْنِ قَدِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي فَأَحَبَّ أَنْ يَمْكُثَ حَتَّى يَشْهَدَ الْجُمُعَةَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْصَرِفَ قَدْ أَذِنَّا لَهُ" ترجمہ: عبد الرحمٰن بن عوف کے غلام ابوعبید سے مروی کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں موجود تھا کہ جمعہ وعید الفطر ایک میں جمع ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید کے بعد خطبہ دیا پھر فرمایا کہ جمعہ وعید دونوں ایک میں اکٹھے ہوئے ہیں مجھے یہ بات پسند ہے کہ جو عوالی مدینہ میں ہیں وہ یہیں رکیں تاکہ جمعہ میں حاضر ہوں سکیں جس سے بن پڑے وہ اسے رکنا چاہیے لیکن جو نہ رکنا چاہے، واپس جانا چاہے تو اسے بھی میری طرف سے اجازت ہے۔

(المصنف، کتاب صلوٰۃ العیدین، باب اجتماع العیدین، جلد 3، صفحہ 305، المجلس العلمی، الہند)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اہل العوالی کو رخصت دی کہ وہ واپس جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں اور اہل عوالی سے مراد یہ ہے کہ جو مدینہ کے اطراف سے آئے ہوں جیسا کہ مسند الإمام الشافعی میں الشافعی

ابوعبداللہ محمد بن ادریس (المتوفی 204ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عن عُمَر ابنِ عبد العزيز قال: إجتمع عِيدان على عَهد النبى صلى الله عليه وسلم فقال: مَنُ أحبَّ أنُ يَجُلِسَ مِنُ أهُلِ العَالِيَةِ (فى اللسان والعوالى أماكن بأعلى أرض المدينة على أربعة أميال وأبعدها من جهة نجد ثمانية وأراد بالعيدين هنا الجمعة والعيد) فخيرهم بين أن يبقوا إلى صلاة الجمعة أو يعودوا إلى بلدهم" ترجمہ: عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جمعہ وعید اکٹھے ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مدینہ کے باہر سے آئے ہیں۔ (لسان العرب میں ہے کہ عوالی مدینہ سے مراد وہ علاقے ہیں جو مدینہ منورہ سے چار میل اور جہت نجد کے اعتبار سے آٹھ میل کے فاصلے کی دوری پر واقع ہوں، اور عیدین سے مراد یہاں جمعہ ومعروف عید ہے) پس دور سے آنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو جمعہ کی نماز تک انتظار کریں اور چاہیں تو اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں۔

(مسندشافعی ترتیب سندی، کتاب الصلوۃ، الباب الثانی عشر، جلد01، صفحہ159، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

مذکورہ حدیث میں بھی فقط دور سے آنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ میں رکنے و نہ رکنے کا اختیار دیا، کیونکہ جمعہ صرف اس پر فرض ہے جو شہری ہو جیسا کہ شرح معانی الاثار میں جمعہ میں نہ آنے کی رخصت کی حدیث کو لکھنے کے بعد اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں " لَا جُمُعَةَ عَلَيهِم: لِأَنَّهُمُ لَيُسُوا بِمِصُرٍ مِنَ الْأَمُصَار"، ترجمہ: ان کو رخصت دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شہری نہیں اور جو شہری نہ ہو ان پر جمعہ فرض نہیں۔

(شرح مشکل الاثار، باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ فی العیدین یجتمعان، حدیث:1155، جلد3، صفحہ190، بیروت)

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی الشافعی (المتوفی 852ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قَولُهُ قَدِ اجُتَمَعَ لَكُم فِيهِ عِيدَان ------- أَنَّهُمُ لَمُ يَكُونُوا مِمَّنُ تَجِبُ عَلَيُهِمُ الُجُمُعَةُ لِبُعُدِ مَنَازِلِهِمُ عَنِ الُمَسُجِدِ"، ترجمہ: یہ ان لوگوں میں سے نہیں جن پر جمعہ واجب ہوتا ہے کیونکہ ان کے مکان مسجد سے دوری پر ہیں۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الاضاحی، باب مایؤکل من لحوم الاضاحی، جلد10، صفحہ28، دار المعرفۃ، بیروت)

المعتصر من المختصر من مشکل الآثار میں یوسف بن موسی بن محمد الحنفی (المتوفی 803ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "استعظم بعض رخصة ترك الجمعة وقد قال تعالى: ﴿فَاسَعَوُا إِلَى ذِكُرِ اللَّهِ﴾ ولكن المرخصون أهل العوالى الذى منازلهم خارجة عن المدينة ممن ليست لهم جمعة لأنهم فى غير مصر وعن على رضى الله عنه لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع ويتحقق أنه لم يقله رأيا بل توقيفا فلا استبعاد حينئذ"، ترجمہ بعض لوگوں نے جمعہ کی

رخصت دینے کی بڑی جرأت کی ہے حالانکہ جمعہ سے متعلق اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ جلدی سے اللہ کے ذکر کی طرف آؤ۔ اور رخصت تو ان کو دی گئی ہے جو مدینہ کے اطراف سے آئے تھے اور ان پر جمعہ فرض بھی نہ تھا کہ وہ شہری نہیں تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ " لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع "ترجمہ: جمعہ وتشریق نہیں مگر اس پر جو شہر کا رہائشی ہو۔ اور یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حکم اپنے پاس سے بیان نہیں کیا بلکہ ضرور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا ہوگا۔

(المعتصر، کتاب الصلوۃ ،باب اجتماع عیدین ،جلد01،صفحہ90،عالم الکتب ،بیروت)

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کی ادائیگی کا حکم اللہ جل جلالہ نے دیا اور عید کا ثبوت سنت سے ملا تو سنت سے ثابت شدہ امر اللہ عزوجل کے فرض کردہ کو کیسے ساقط و معاف کرسکتا ہے جیسا کہ مشہور محدث وفقیہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "ومقتضى هذا: الاكتفاءُ بالعيد في هذا اليوم وسقوط فَرضيّة الجمعة؛ وهو مذهب عطاء، ولم يقُلْ به أحدٌ من الجُمهور؛ لأن الفرضَ لا يَسقط بالسُّنَّة" ترجمہ: اس حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن عید کے ہونے کی صورت میں عید پڑھنے والے کو جمعہ معاف ہوجاتا ہے جو کہ عطاء کا مذہب ہے حالانکہ جمہور میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں، کیونکہ جمعہ فرض ہے اور فرض سنت سے ثابت شدہ امر پر عمل کرلینے سے معاف نہیں ہوتا۔

(شرح ابی داؤد للعینی، کتاب الصلوۃ،باب اذاوافق یوم--جلد04،صفحہ401،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

صاحب بنایہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا اور یہ ثابت کیا کہ عید پڑھنے سے جمعہ معاف نہیں ہوتا ان کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ "ومعلوم أن صلاة الجمعة فرض عين، وفرائض الأعيان لا تترك" یعنی یہ سب کو معلوم ہے کہ جمعہ فرض عین ہے اور جو عبادت فرض عین ہوں اسے چھوڑا نہیں جاسکتا۔

(البنایہ شرح ہدایہ، کتاب الصلوۃ،حکم صلوۃ العیدین ،جلد03،صفحہ97،دار الکتب العلمیۃ ،بیروت)

ردالمحتار میں ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی (المتوفی 1252ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جمعہ کے دن عید ہونے کی صورت میں دونوں ہی کی ادائیگی کو لازمی قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ وَلَا يُتْرَكُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا" ترجمہ: پہلی کا ثبوت سنت ہے اور دوسرا فرض ہے اور دونوں میں سے کسی کو بھی چھوڑنا جائز نہیں۔

( ردالمحتار، کتاب الصلوۃ ،باب صلوۃ العیدین ،جلد02،صفحہ166/68،دار الفکر،بیروت)

نیز عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک عبادت سے دوسری عبادت معاف نہیں ہوجاتی۔ عید کی ادائیگی کا حکم ایک الگ عبادت ہے

اور جمعہ الگ عبادت ہے جیسا کہ یہی علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں" وقالت عامة الفقهاء: تجب الجمعة لعموم الآية والأخبار الدالة على وجوبها؛ ولأنهما صلاتان واجبتان فلم تسقط إحداهما بالأخرى كالظهر مع العيد" ترجمہ: اکثر فقہاء نے فرمایا کہ جمعہ بدستور فرض رہے گا کہ آیت عام ہے اور عید کے جمعہ کے دن ہونے کے باوجو احادیث جمعہ کے لازمی وضروی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز وہ دونوں الگ الگ عبادتیں لہٰذا ایک کی وجہ سے دوسری ساقط نہ ہوگی جیسا کہ ظہر کی نماز عید پڑھنے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

(شرح ابی داؤد للعینی، کتاب الصلوة، باب اذاوافق یوم-- جلد04، صفحہ 297، مکتبة الرشد، الرياض)

# ☆---کتاب الجنائز---☆

## غائبانہ نمازِ جنازہ

صحتِ نماز جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میّت مسلمان ہو، طاہر ہو، جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔اسی شرط کے سبب احناف کے نزدیک کسی غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں۔مسند الإمام احمد بن حنبل میں ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی (المتوفی 241ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عَمِّهِ يَزِيدَ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ:خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا وَرَدْنَا الْبَقِيعَ، إِذَا هُوَ بِقَبْرٍ جَدِيدٍ، فَسَأَلَ عَنْهُ، فَقِيلَ:فُلَانَةُ، فَعَرَفَهَا، فَقَالَ:أَلَا آذَنْتُمُونِي بِهَا؟ قَالُوا:يَا رَسُولَ اللَّهِ، كُنْتَ قَائِلًا صَائِمًا، فَكَرِهْنَا أَنْ نُؤْذِنَكَ، فَقَالَ:لَا تَفْعَلُوا، لَا يَمُوتَنَّ فِيكُمْ مَيِّتٌ مَا كُنْتُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ أَلَا آذَنْتُمُونِي بِهِ، فَإِنَّ صَلَاتِي عَلَيْهِ لَهُ رَحْمَةٌ قَالَ:ثُمَّ أَتَى الْقَبْرَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا .إسناده صحيح إن ثبت سماع خارجة بن زيد بن ثابت عن عمه يزيد بن ثابت وإلا فمنقطع" ترجمہ: خارجہ بن زید اپنے چچا یزید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے تو جب ہم جنت البقیع آئے تو وہاں ایک نئی قبر تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نئی قبر کے متعلق پوچھا تو عرض کی گئی یہ فلاں کی قبر ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پہچان لیا اور ارشاد فرمایا: تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ عرض کی گئی کہنے والے نے کہا کہ آپ روزہ دار ہیں تو ہم نے مناسب نہیں سمجھا آپ کو تکلیف دینا۔حضور علیہ السلام نے فرمایا: ایسا نہ کرو جب تک میں تم میں تشریف فرما ہوں ہرگز کوئی میّت تم میں نہ مرے جس کی اطلاع مجھے نہ دو کہ اُس پر میری نماز موجبِ رحمت ہے۔پھر آپ اس کی قبر پر آئے اور ہم نے آپ علیہ السلام کے پیچھے صف بندی کی آپ نے اس پر چار تکبیریں پڑھیں۔اس کی سند صحیح ہے اگر خارجہ بن ثابت کا سماع اپنے چچا یزید بن ثابت سے ہے ورنہ یہ روایت منقطع ہے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل،مسند الكوفيين،حديث يزيد بن ثابت رضى الله عنه،جلد4،صفحه388،مؤسسة قرطبة،القاہرہ)

خارجہ بن زید کا سماع اپنے چچا یزید بن ثابت سے ہے چنانچہ تہذیب الأسماء واللغات میں ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی 676ھ) لکھتے ہیں "خارجة بن زيد:أحد الفقهاء السبعة،أدرك عثمان، وسمع أباه زيدًا، وعمه يزيد، وأم العلاء الأنصارية ملخصا" ترجمہ: خارجہ بن زید سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔انہوں نے حضرت عثمان غنی کو پایا اور اپنے والد زید اور اپنے چچا یزید اور ام العلاء انصاریہ سے سماع کیا ہے۔

(تہذيب الأسماء واللغات،جلد1،صفحه172،دار الكتب العلمية،بيروت)

صحیح مسلم، صحیح ابن حبان اور مسند احمد کی حدیث پاک میں ہے "إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا، وَإِنَّ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ يُنَوِّرُهَا بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ، إسناده صحيح على شرط الشيخين" ترجمہ: بیشک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر تاریکی سے بھری ہیں اور بیشک میں اپنی نماز سے انہیں روشن فرما دیتا ہوں۔ شرط شیخین پر اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضى الله عنه، جلد2، صفحه388، مؤسسة قرطبة، القاهرة)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نماز جنازہ کو خود اہتمام کرتے تھے لیکن صرف ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نماز جنازہ پڑھاتے تھے جن کا جنازہ آپ کے سامنے ہوتا تھا ورنہ زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دوسرے مقامات پر وفات پائی، کبھی کسی حدیث صریح سے ثابت نہیں کہ حضور نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ کیا وہ محتاج رحمت والا نہ تھے؟ کیا معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پر یہ رحمت و شفقت نہ تھی؟ کیا ان کی قبور اپنی نماز پاک سے پُرنور نہ کرنا چاہتے تھے؟ کیا جو مدینہ طیبہ میں مرتے انہیں کی قبور محتاج نور ہوتیں اور جگہ اس کی حاجت نہ تھی؟

یہ سب باتیں بداہۃً باطل ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام طور پر ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ہی دلیل روشن وواضح ہے کہ جنازہ غائب پر نماز ناممکن تھی ورنہ ضرور پڑھتے۔

وہابیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔ وہابیوں کی دلیل یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ تُوُفِّيَ الْيَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنَ الْحَبَشِ، فَهَلُمَّ، فَصَلُّوا عَلَيْهِ، قَالَ: فَصَفَفْنَا، فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَنَحْنُ مَعَهُ صُفُوفٌ قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ: عَنْ جَابِرٍ كُنْتُ فِي الصَّفِّ الثَّانِي" ترجمہ: حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج حبش کا ایک مرد صالح فوت ہو گیا، اس لئے آؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ ہم لوگوں نے صفیں قائم کیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم لوگ صف بستہ تھے۔ ابو زبیر نے جابر سے روایت کیا کہ میں دوسری صف میں تھا۔

(صحيح البخاری، کتاب الجنائز، باب الصفوف على الجنازة، جلد2، صفحه86، دار طوق النجاة، مصر)

اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ جنازہ غائب نہیں تھا بلکہ حاضر تھا۔ صحیح ابن حبان کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بن سلم حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي يَحْيَى

بْنُ أَبِی کَثِیرٍ حَدَّثَنِی أَبُو قِلَابَةَ عَنْ عَمِّهِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ:أَنْبَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَخَاكُمُ النَّجَاشِیَّ تُوُفِّیَ فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَیْهِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَصَفُّوا خَلْفَهُ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا وَهُمْ لَا یَظُنُّونَ إِلَّا أَنَّ جَنَازَتَهُ بَیْنَ یدیه" ترجمہ:حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،تمہارا بھائی نجاشی فوت ہوگیا،اٹھواس پرنماز پڑھو۔پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں۔حضور نے چار تکبیریں کہیں،صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان،فصل فی الصّلوة علی الجنائز،جلد7،صفحه369،موسسة الرساله،بیروت)

امام واحدی نے اسبابِ نزولِ قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ فرمایا"کشف النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم عن سریرالنجاشی حتی راہ وصلّی علیہ" ترجمہ:نجاشی کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ظاہر کردیا گیا تھا حضور نے اسے دیکھا اُس پر نماز پڑھی۔

(شرح الزرقانی علی المواہب،الفصل الثالث :فی إنبائه صلی الله علیه وسلم بالأنباء المغیبات،جلد10،صفحه127،دار الکتب العلمیة،بیروت)

اس پر حنفیہ ومالکیہ کا بھی اتفاق ہے کہ ایسے کی نمازِ جنازہ جائز ہے جولوگوں سے غائب ہواورامام اسے دیکھ رہا ہو۔ایسا کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ وہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا جیسا کہ مسند ابوداؤد طیالسی کے الفاظ ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا"إِنَّ أَخَاكُمْ مَاتَ بِغَیْرِ أَرْضِكُمْ، فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَیْهِ" ترجمہ:تمہارا بھائی تمہاری سرزمین کے علاوہ میں انتقال کرگیا،تو اٹھواس کی نماز پڑھو۔ (مسند أبی داود الطیالسی،وحذیفة بن أسید الغفاری،جلد2،صفحه395، دار ہجر،مصر)

لہٰذا خود امام شافعی المذہب ابوسلیمان خطابی نے یہ مسلک لیا کہ غائب پرنماز جائز نہیں سوااس صورت خاص کے کہ اس کا انتقال ایسی جگہ ہوا ہو جہاں کسی نے اس کی نماز نہ پڑھی ہو۔اب بھی خصوصیت نجاشی ماننے سے چارہ نہ ہوگا،جبکہ اور موتیں بھی ایسی ہوئیں اور نماز غائب کسی پر نہ پڑھی گئی۔

وہابیوں کی دوسری دلیل المعجم الاوسط کی یہ حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ سَعِیدٍ الرَّازِیُّ قَالَ:نا نُوحُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حُوَیٍّ السَّكْسَكِیُّ الْحِمْصِیُّ قَالَ:نا بَقِیَّةُ بْنُ الْوَلِیدِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِیَادٍ، عَنْ أَبِی أُمَامَةَ قَالَ:أَتَى جِبْرِیلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِتَبُوكَ، فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ، اشْهَدْ جَنَازَةَ مُعَاوِیَةَ بْنِ مُعَاوِیَةَ الْمُزَنِیِّ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَنَزَلَ جِبْرِیلُ فِی سَبْعِینَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَوَضَعَ جَنَاحَهُ الْأَیْمَنَ عَلَى الْجِبَالِ فَتَوَاضَعَتْ، وَوَضَعَ جَنَاحَهُ الْأَیْسَرَ عَلَى الْأَرَضِینَ فَتَوَاضَعْنَ، حَتَّى نَظَرَ إِلَى مَكَّةَ وَالْمَدِینَةِ فَصَلَّى عَلَیْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ

عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَجِبۡرِیلُ وَالۡمَلَائِکَۃُ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: یَا جِبۡرِیلُ، بِمَا بَلَغَ مُعَاوِیَۃُ بۡنُ مُعَاوِیَۃَ الۡمُزَنِیُّ ھَذِہِ الۡمَنۡزِلَۃَ؟ قَالَ: بِقِرَاءَۃِ قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ أَحَدٌ قَائِمًا وَقَاعِدًا وَمَاشِیًا وَرَاکِبًا" ترجمہ: حضرت ابوامامہ سے مروی ہے جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اوروہ غزوہ تبوک میں تھے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! معاویہ بن معاویہ مزنی کا جنازہ حاضر ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور جبرائیل امین علیہ السلام ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ نازل ہوئے اور جبرائیل نے اپنا داہنا پَر پہاڑوں پر رکھا وہ جھک گئے بایاں زمینوں پر رکھا وہ پست ہوگئیں یہاں تک کہ مکہ ومدینہ ہم کونظر آنے لگے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جبریل وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان پر نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضور علیہ السلام نے جبرائیل سے فرمایا: اے جبرائیل معاویہ بن معاویہ مزنی کو یہ مقام کیسے ملا؟ جبرائیل نے عرض: وہ اٹھتے بیٹھے، پیدل، چلتے، سواری پر سورۃ اخلاص تلاوت کیا کرتے تھے۔

(المعجم الأوسط، باب العین، من اسمہ علی، جلد4، صفحہ163، دار الحرمین، القاہرۃ)

اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس ہے اوراس نے عنعنہ کیا یعنی محمد بن زیاد سے اپنا سُننا نہ بیان کیا، بلکہ کہا کہ ابن زیاد سے روایت ہے معلوم نہیں راوی کون ہے؟ نیز اس کی سند میں نوح ابن عمرو ہے۔ ابن حبان نے اسے حدیث کا چور بتایا۔ پھر اسی متن کی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے جسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں محبوب بن ہلال مزنی ہے، ذہبی نے یہ کہا یہ شخص مجہول ہے اوراس کی یہ حدیث منکر۔ حضرت انس سے مروی دوسرے طریق میں علاء بن یزید ثقفی ہے امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام بخاری وابن عدی وابوحاتم نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے۔ ابوحاتم ودارقطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔ امام علی بن مدینی استاد امام بخاری نے کہا: وہ حدیثیں دل سے گھڑتا تھا، ابن حبان نے کہا: یہ حدیث بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے۔ ان احادیث پر تقریباً اسی قسم کا کلام "عون المعبود شرح سنن ابی داود" میں محمد اشرف بن امیر بن علی بن حیدر العظیم آبادی (المتوفی 1329ھ) نے کیا ہے۔

ثانیاً فرض کیجئے کہ یہ حدیث اپنے طُرق سے ضعیف نہ رہے یا بفرض غلط لذاتہ صحیح سہی پھر اس میں کیا ہے خود اسی میں تصریح ہے کہ جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر انور کر دیا گیا تھا تو نماز جنازہ حاضر پر ہوئی نہ کہ غائب پر۔ عون المعبود میں وہابی مولوی نقل کرتا ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! معاویہ بن معاویہ مزنی نے مدینہ میں انتقال کیا "أَتُحِبُّ أَنۡ أَطۡوِیَ لَکَ الۡأَرۡضَ فَتُصَلِّیَ عَلَیۡہِ قَالَ نَعَمۡ فَضَرَبَ بِجَنَاحِہِ عَلَی الۡأَرۡضِ فَرُفِعَ لَہُ سَرِیرُہُ فَصَلَّی عَلَیۡہِ وَخَلۡفُہُ صَفَّانِ مِنَ الۡمَلَائِکَۃِ فِی کُلِّ صَفٍّ سَبۡعُونَ أَلۡفَ مَلَکٍ" ترجمہ: کیا

حضور چاہتے ہیں کہ حضور کیلئے زمین لپٹ دوں تا کہ حضوران پرنماز پڑھیں، فرمایا: ہاں۔ جبریل نے اپنا پر زمین پر مارا جنازہ حضور کے سامنے ہوگیا اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی، اور فرشتوں کی دو صفیں حضور کے پیچھے تھیں، ہر صف میں ستر ہزار فرشتے۔

(عون المعبود ، کتاب الجنائز ،باب الصلاة علی المسلم یموت فی بلاد الشرک، جلد9، صفحه 13، دار الکتب العلمیة، بیروت)

بطریق علاء کے لفظ وہابی مولوی نے یوں نقل کئے ہیں "هَلْ لَكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَأَقْبِضَ لَكَ الْأَرْضَ قَالَ نَعَمْ فَصَلَّى علیه " ترجمہ: جبریل نے عرض کی حضوران پر نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین سمیٹ دوں، فرمایا: ہاں۔ جبریل نے ایسا ہی کیا، اُس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی۔

(عون المعبود ، کتاب الجنائز ،باب الصلاة علی المسلم یموت فی بلاد الشرک، جلد9، صفحه 12، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اس میں تو احناف کے موقف کی مزید تائید ہوگئی کہ نماز پڑھنے کے لئے جنازہ سامنے ہونے کی حاجت سمجھی گئی، جب تو جبریل نے عرض کی کہ حضور نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین لپیٹ دوں تا کہ حضور نماز پڑھیں۔

وہابیوں کی تیسری دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا حضرت زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب پر صلوٰۃ پڑھنا ثابت ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "واقعہ سوم: واقدی نے مغازی میں عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کی "لما التقى الناس بموتة، جلس رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على المنبر و كشف له مابينه وبين الشام، فهو ينظر الى معركتهم، فقال صلى الله تعالى عليه وسلم اخذ الراية زيد بن حارثة، فمضى حتى استشهد، وصلى عليه ودعاله وقال استغفروا له وقد دخل الجنة وهو يسعى ثم اخذ الراية جعفر بن ابى طالب فمضى حتى استشهد فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ودعا وقال استغفروا له وقد دخل الجنة فهو يطير فيهابجنا حين حيث شاء ملخصاً" ترجمہ: جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور کے لئے پردے اٹھادیئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زید بن حارثہ نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا، حضور نے انھیں اپنی صلوٰۃ ودعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو بیشک وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا۔ حضور نے فرمایا پھر جعفر بن ابی طالب نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا حضور نے ان کو اپنی صلوٰۃ ودعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوا اور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔

اوّلا: یہ دونوں طریق سے مرسل ہے اقول عاصم بن عمر اوساط تابعین سے ہیں، قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کے پوتے اور یہ عبداللہ بن ابی بکر عبداللہ بن ابی بکر محمد بن عمرو بن حزم ہیں، صغار تابعین سے عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ عنہ کے پر پوتے۔

ثانیاً: خود واقدی کو محدثین کب مانتے ہیں، یہاں تک کہ ذہبی نے ان کے متروک ہونے پر اجماع کا ادعا کیا۔"اقول و زدت ھذا مشایعة للاوّل و کلاھما الزام فالمرسل نقبله والواقدی نو ثقه" اقول ( میں کہتا ہوں ) یہ نقد، پہلے نقد کی روش پر میں نے بڑھا دیا ہے اور دونوں اعتراض الزامی ہیں ورنہ ہمارے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہے اور واقدی ثقہ ہیں۔

ثالثاً: اقول عبداللہ بن ابی بکر سے راوی شیخ واقدی عبدالجبار بن عمارہ مجہول ہے "کما فی المیزان" ( جیسا کہ میزان میں ہے۔) تو مرسل نا معتضد ہے۔( یعنی رواۃ ثقہ ہوتو یہ مرسل قوی و مقبول ہوتی، جہالت راوی کے باعث اس میں قوت نہ رہی مترجم)

رابعاً: خود اسی روایت میں صاف تصریح ہے کہ پردے اُٹھادئے گئے تھے، معرکہ حضرتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا"اقول لکن موتة بالشام علی مرحلتین من بیت المقدس وغزوتها سنة ثمان وقد حولت القبلة قبلها بزمان فکیف یکفی الرؤیة مع اشتراط کونها امام المصلی الاٰن یقال انما ارید الرد علی الاحتجاج لصلوٰة الغیب وقدتم واذا ثبت فیها قولنا ثبت ذلك الشرط لنا لان الرویة مع الاستدبار لاتمکننا" اقول لیکن مقام موتہ سرزمین شام میں بیت المقدس سے دو منزلہ پر واقع ہے( تو مدینہ سے سمتِ قبلہ میں نہیں بلکہ قبلہ سمت مخالف شمال میں ہوا، مترجم) اور غزوہ موتہ 8 ہجری میں ہوا جس سے بہت پہلے تحویل قبلہ ہو چکی تھی پھر یہ روایت کیسے کافی ہوگی جبکہ جنازہ کا مصلی کے آگے ہونا شرط ہے۔ جواباً کہا جا سکتا ہے کہ غائبانہ نماز پر استدلال کا رَد کرنا مقصود تھا وہ پورا ہو گیا، اور اس بارے میں جب ہمارا قول ثابت ہو جائیگا تو وہ شرط بھی ہمارے حق میں ثابت ہوگی اس لئے کہ پشت کی جانب جنازہ ہوتے ہوئے دیکھ لینا ہمارے لیے ناممکن ہے۔

خامساً: اقول کیا دلیل ہے کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی نماز معہود ہے بلکہ درود ہے اور دعا لہ عطفِ تفسیری نہیں بلکہ تعمیم بعد تخصیص ہے اور سوق روایت اسی میں ظاہر کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس وقت منبر اطہر پر تشریف فرما ہونا مذکور اور منبر انور دیوار قبلہ کے پاس تھا اور معتاد یہی ہے کہ منبر پر رُو بحاضرین و پشت بہ قبلہ جلوس ہو۔ اور اس روایت میں نماز کے لئے منبر پر

سے اترنے پھر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں، نیز برخلاف روایت نجاشی اس میں نماز صحابہ بھی نہیں، نہ یہ کہ حضور نے ان کو نماز کے لئے فرمایا۔ اگر یہ نماز تھی تو صحابہ کو شریک نہ فرمانے کی کیا وجہ۔ نیز اسی معرکہ میں تیسری شہادت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ہے ان پر صلوٰۃ کا ذکر نہیں، اگر نماز ہوتی تو ان پر بھی ہوتی، ہاں درود کی ان دو کے لئے تخصیص وجہ وجیہ رکھتی ہے اگر چہ وجہ کی حاجت بھی نہیں کہ وہ احکام عامہ سے نہیں، وجہ اس حدیث سے ظاہر ہوگی کہ جس میں ان دو کرام کا حضرت ابن رواحہ سے فرق ارشاد ہوا ہے اور یہ کہ ان کو جنت میں منہ پھیرے ہوئے پایا کہ معرکہ میں قدرے اعراض واقع ہو کر اقبال ہوا تھا۔ "وھو فی اخر ھذین المرسلین رواہ البیھقی عن طریق الواقدی بسندیہ والیہ اشارفی حدیث ابن سعد عن ابی عامر الصحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعا رأیت فی بعضھم اعراضا کانہ کرہ السّیف " وہ بات ان ہی دونوں مرسل کے آخر میں ہے اسے بیہقی نے بطریق واقدی اس کی دونوں سندوں سے روایت کیا ہے، اور اسی کی طرف طبقات ابن سعد کی حدیث میں اشارہ ہے جو حضرت ابو عامر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ سرکار نے فرمایا ان میں سے ایک کے اندر میں نے کچھ اعراض دیکھا گویا شمشیر سے اسے ناگواری ہوئی۔

اور سب سے زائد یہ کہ وہ شہید معرکہ ہیں، نماز غائب جائز ماننے والے شہید معرکہ پر نماز نہیں مانتے، تو باجماع فریقین یہاں صلوٰۃ بمعنی دُعا ہونا لازم، جس طرح خود امام نووی شافعی، امام قسطلانی شافعی، امام سیوطی شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ علیٰ قبور شہداء اُحد میں ذکر فرمایا کہ یہاں صلوٰۃ بمعنٰی دعا ہونے پر اجماع ہے "کما اثرناہ فی النھی الحاجز " (جیسا کہ ہم نے اسے النہی الحاجز میں نقل کیا ہے۔) حالانکہ وہاں "صلّی علی اھل احد صلوتہ علی المیّت" ( اہل اُحد پر ویسے ہی صلوٰۃ پڑھی جیسے میّت پر صلوٰۃ ہوتی ہے۔) ہے، یہاں اس قدر بھی نہیں، وہابیہ کے بعض جاہلان بیخرد مثل شوکانی صاحب نیل الاوطار ایسی جگہ اپنی اُصول دانی یوں کھولتے ہیں کہ صلوٰۃ بمعنی نماز حقیقت شرعیہ ہے اور بلا دلیل حقیقت سے عدول ناجائز۔

اقول، اولا ان مجتہد بننے والوں کو اتنی خبر نہیں کہ حقیقت شرعیہ صلوۃ بمعنی ارکان مخصوصہ ہیںیہ معنی خود نماز جنازہ میں کہاں کہ اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود نہ قراءت نہ قعود "الثالث عندنا والبواقی اجماعا" (قراءت ہمارے نزدیک اور باقی تینوں بالاجماع کسی کے یہاں نہیں۔) ولہذا علماء تشریح فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ صلوۃ مطلقا نہیں اور تحقیق یہ کہ وہ دعائے مطلق وصلوۃ مطلقہ میں برزخ ہے "کما اشارالیہ البخاری فی صحیحہ واطال فیہ" (جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے اور اس بارے میں طویل کلام کیا ہے۔) محمود عینی نے تصریح فرمائی کہ نماز جنازہ پر اطلاقِ صلوٰۃ مجاز ہے۔ صحیح بخاری

میں ہے "سماھا صلوۃ لیس فیھا رکوع ولا سجود" (اس کا نام رکھا ایسی نماز جس میں رکوع وسجود نہیں۔)''

(فتاویٰ رضویہ، جلد9، صفحہ360۔۔۔، رضا فائونڈیشن، لاہور)

بہرحال وہابیوں کی فقط ایک بخاری شریف ہے صحیح حدیث ہے بقیہ احادیث ضعیف ہیں۔ پھر بخاری شریف کو بھی لیں تو اس سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ میت جس مرضی سمت ہو نماز جنازہ پڑھ دیا جائے بلکہ حبشی کا جنازہ قبلہ کی سمت تھا کیونکہ نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے تو جنازہ غیر جہت قبلہ کو کب تھا۔ پھر اس کی اوپر صراحت کردی گئی کہ حضرت جبرائیل امین نے وہ جنازہ آپ کے سامنے پیش کردیا تھا، تو وہ نماز حاضر پر پڑھی گئی نہ کہ غائب پر۔

اگر فرض کیجئے کہ ان تینوں واقعوں میں نماز پڑھی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں کے علاوہ دیگر مواقع پر کئی صحابہ شہید ہوئے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام نے ان پر کیوں غائبانہ نماز نہیں پڑھی؟ کیا وہ اس کے حقدار نہ تھے؟ دو ایک کی دستگیری فرمانا اور صدہا کو چھوڑنا کب ان کے کرم کے شایان ہے۔

اب واقعہ بیر معونہ ہی دیکھئے! مدینہ طیبہ کے ستر جگر پاروں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص پیاروں، اجلہ علمائے کرام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کردیا۔ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا سخت وشدید غم والم ہوا۔ ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار ناہنجار پر لعنت فرماتے رہے، مگر ہرگز منقول نہیں کہ ان پیارے محبوبوں پر نماز پڑھی ہو۔ آخر اجلہ صحابہ کرام کے شہید ہونے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کی نمازِ جنازہ کو ترک فرمانا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوسکتا۔

پھر وہابی جب غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں تو وہ تکرار نماز جنازہ بھی کہلاتا ہے کہ اس میت کی نماز جنازہ پہلے پڑھی جاچکی ہوتی ہے اور تکرار نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔ فتح القدیر میں ہے "ثُمَّ اسْتَدَلَّ عَلَى عَدَمِ شَرْعِيَّةِ التَّنَفُّلِ بِتَرْكِ النَّاسِ عَنْ آخِرِهِمُ الصَّلَاةَ عَلَى قَبْرِ النَّبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ كَانَ مَشْرُوعًا لَمَا أَعْرَضَ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَالرَّاغِبِينَ فِي التَّقَرُّبِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَام بِأَنْوَاعِ الطُّرُقِ عَنْهُ، فَهَذَا دَلِيلٌ ظَاهِرٌ عَلَيْهِ فَوَجَبَ اعْتِبَارُهُ" ترجمہ: پھر نفلی کی تکرار کے ناجائز ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی۔ اگر یہ نماز بطور نفل جائز ہوتی تو مزار انور پر نماز سے تمام مسلمان اعراض نہ کرتے جن میں علماء اور صلحاء وہ بندے جو طرح طرح سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں، تو یہ نماز جنازہ کی تکرار ناجائز ہونے پر کھلی دلیل ہے جس کا اعتبار لازم۔

(فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ،فصل فی الصلوۃ علی المیت ،جلد2،صفحہ120،دار الفکر،بیروت)

## مسجد میں نماز جنازہ

احناف کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے۔احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے چنانچہ مسند احمد، مصنف عبدالرزاق، السنن الکبری للبیہقی، سنن ابن ماجہ، ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ:حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ صَالِحٍ، مَوْلَى التَّوْأَمَةِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ صَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَلَيْسَ لَهُ شَيْءٌ (حكم الألباني) حسن" ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کچھ نہیں۔البانی نے اس حدیث کو حسن کہا۔

(سنن أبی داود، کتاب الجنائز،باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد،جلد3،صفحہ207،حدیث3191، المکتبة العصرية، بيروت☆سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز،باب ما جاء فی الصلاة علی الجنائز فی المسجد،جلد1،صفحہ486،حدیث1517، دار إحياء الكتب العربية ، الحلبی)

مسند ابن الجعد کی روایت میں ہے "حَدَّثَنِي بِهِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، نَا أَبُو حُذَيْفَةَ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ صَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَيْسَ لَهُ أَجْرٌ" ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے اجر نہیں۔

(مسند ابن الجعد،من حدیث محمد بن عبد الرحمن بن أبي ذئب--،جلد1،صفحہ 404،مؤسسة نادر ،بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ صَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَلَا شَيْءَ لَهُ قَالَ:وَكَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا تَضَايَقَ بِهِمِ الْمَكَانُ رَجَعُوا وَلَمْ يُصَلُّوا" ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھا اس کے لئے کوئی (ثواب) نہیں۔جب نمازِ جنازہ میں مصلّی تنگی کرتا اس میں گنجائش نہ پاتے واپس جاتے اور نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھتے۔

(الکتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، کتاب الجنائز،من كره الصلاة على الجنازة فی المسجد،جلد3،صفحہ44،حدیث11972،مکتبة الرشد ،الرياض)

ان تمام روایتوں میں صالح راوی موجود ہے جس کے بارے میں بعض محدثین نے کہا ہے کہ وہ غیر ثقہ ہیں، ان کو آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا۔ لیکن صالح ثقہ راوی ہیں۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کر کے سکوت کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ راوی صحیح ہیں۔ یحیٰ بن معین نے صالح کو ثقہ کہا۔ اگرچہ ان کو آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا لیکن جوان سے اختلاط سے پہلے سماع کیا گیا وہ حجت ہے اور ان سے اختلاط سے قبل ابن ابی ذئب نے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے صالح سے روایت کرنے والے مقبول راویوں میں سے ابن ابی ذئب کا ذکر کیا ہے۔

ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَمْعَانَ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :لَأَعْرِفَنَّ مَا صَلَّيْتُ عَلَى جِنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ" ترجمہ: حضرت کثیر بن عباس نے فرمایا: مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی مسجد میں نماز جنازہ پڑھی ہو۔

(الكتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، كتاب الجنائز، من كره الصلاة على الجنازة فی المسجد، جلد3، صفحہ44، حدیث11973، مکتبۃ الرشد، الریاض)

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے "الصَّلَاةُ عَلَى الْجِنَازَةِ فِي الْمَسْجِدِ :مَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ يُكْرَهُ فِي الشَّارِعِ وَأَرَاضِي النَّاسِ ، وَكَذَا تُكْرَهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي تُقَامُ فِيهِ الْجَمَاعَةُ سَوَاءٌ كَانَ الْمَيِّتُ وَالْقَوْمُ فِي الْمَسْجِدِ ، أَوْ كَانَ الْمَيِّتُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ وَالْقَوْمُ فِي الْمَسْجِدِ ، أَوِ الْمَيِّتُ فِي الْمَسْجِدِ ، وَالْإِمَامُ وَالْقَوْمُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ وَقَالَ مَالِكٌ :أَكْرَهُ أَنْ تُوضَعَ الْجِنَازَةُ فِي الْمَسْجِدِ ، فَإِنْ وُضِعَتْ قُرْبَ الْمَسْجِدِ لِلصَّلَاةِ عَلَيْهَا فَلَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ مَنْ فِي الْمَسْجِدِ عَلَيْهَا بِصَلَاةِ الْإِمَامِ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْهَا إِذَا ضَاقَ خَارِجُ الْمَسْجِدِ بِأَهْلِهِ وَقَالَ الشَّافِعِيَّةُ:تُنْدَبُ الصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا أُمِنَ تَلْوِيثُهُ ، أَمَّا إِذَا خِيفَ تَلْوِيثُ الْمَسْجِدِ فَلَا يَجُوزُ إِدْخَالُهُ وَقَالَ الْحَنَابِلَةُ تُبَاحُ الصَّلَاةُ عَلَى الْجِنَازَةِ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ أَمْنِ تَلْوِيثٍ ، فَإِنْ لَمْ يُؤْمَنْ لَمْ يَجُزْ ملخصا" ترجمہ: مسجد میں نماز جنازہ: مذہب حنفیہ کے مطابق راستہ میں اور لوگوں کی ذاتی جگہ پر (بغیر مالک کی اجازت ورضا کے) نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح مسجد جس میں جماعت قائم کی جاتی ہے وہاں بھی نماز جنازہ مکروہ (تحریمی) ہے۔ برابر ہے کہ میت اور قوم دونوں مسجد میں ہوں یا میت خارج مسجد پڑی ہو اور لوگ مسجد میں ہوں یا میت مسجد میں ہو اور امام ومقتدی خارج مسجد میں ہوں۔ یہی مختار ہے۔ امام مالک نے فرمایا: کہ جنازہ کو مسجد میں رکھنا مکروہ ہے البتہ اگر مسجد سے خارج جنازہ رکھا جائے اور جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے لوگ مسجد میں آکر نماز پڑھیں تو حرج نہیں۔ شوافع نے فرمایا: مستحب ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھا جائے

جب میت سے نجاست نکلنے کا خطرہ نہ ہو اور اگر نجاست نکلنے کا خطرہ ہو تو جنازہ کو مسجد میں لانا ناجائز ہے۔ حنابلہ نے فرمایا: مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے جب کہ تلویث مسجد سے امن ہو اگر میت سے نجاست نکلنے کا خوف ہے تو جائز نہیں ہے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد16، صفحہ35، دارالسلاسل، الکویت)

شافعیوں اور حنبلیوں کے نزدیک نماز جنازہ اگرچہ مسجد میں جائز ہے لیکن انہوں نے شرط لگائی کہ جب میت سے نجاست نکلنے کا خطرہ نہ ہو۔ کئی مرتبہ ہوتا ہے کہ غسل کے بعد جب میت کے اعضاء ڈھیلے پڑھتے ہیں تو اس کے جسم سے نجاست نکل آتی ہے، پھر جب میت کو اٹھا کر چلتے ہیں تو کئی جھٹکے لگتے ہیں جس کی وجہ سے نجاست نکلنے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ جنازہ مسجد میں نہ رکھا جائے۔ فقہ حنفی میں مسجد میں جنازہ خواہ میت اندر ہو یا باہر، بہر صورت پڑھنے کی ممانعت ہے۔ سیدی و مرشدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اقول و باللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔) یہاں اطلاق ہی اوفق واحق والصق بدلیل (یعنی دلیل کے مطابق مطلق ممانعت) ہے کہ امعاء (آنتیں) غالباً فضلات (نجاست وغیرہ) سے خالی نہیں ہوتیں اور موت مزیل استمساک و موجب استرخائے تام ہے (یعنی جسم بے حس و حرکت و اعضا میں ڈھیلا پن) اور جنازہ لے چلنے کی حرکت مؤید خروج (یعنی نجاست نکلنے کا سبب)، تو ہر میت میں خوفِ تلویث (مسجد کو گندہ کرنے کا خوف) موجود۔ باقی کسی خاص وجہ سے غلبہ ظن کی کیا حاجت، ناسمجھ بچّوں کو مسجد میں لانا مطلقاً ممنوع ہُوا کہ سب میں احتمال تلویث قائم، کچھ یہ شرط نہیں کہ جس بچہ کو اسہال (پیٹ کی خرابی) وغیرہ کا عارضہ لاحق ہو وہی مسجد میں نہ لایا جائے، یونہی میت بلکہ اس سے بھی زائد، كما لا يخفى على افطن (جیسا کہ زیرک پر پوشیدہ نہیں)۔''

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ 259، رضا فائونڈیشن، لاہور)

ہاں اگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں نماز جنازہ کی اجازت ہے جیسے شدید بارش کی وجہ سے مسجد میں پڑھ سکتے ہیں مگر سخت دھوپ کی وجہ سے مسجد میں نہیں پڑھ سکتے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''جنازہ مسجد میں رکھ کر اس پر نماز مذہب حنفی میں مکروہ تحریمی ہے۔ تنویر الابصار میں ہے "كرهت تحريما في مسجد جماعة هي فيه واختلف في الخارجة والمختار الكراهة" مسجدِ جماعت میں نمازِ جنازہ مکروہ تحریمی ہے جبکہ جنازہ مسجد کے اندر ہو، اور اگر باہر ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے، مختار یہ ہے مکروہ ہے۔ نماز جنازہ بہت ہلکی اور جلد ہونے والی چیز ہے اتنی دیر دھوپ کی تکلیف ایسی نہیں کہ اُس کے لئے مکروہِ تحریمی گوارا کیا جائے اور مسجد کی بے حرمتی روا رکھیں۔ رہی نماز، وہ ادا ہو جائیگی، فرض اُتر جائے گا اور مخالفت حکم کا گناہ اور نفسِ نماز کا ثواب اللہ عزوجل کے ہاتھ، جیسے کوئی مغصوب زمین میں نمازِ پنجگانہ پڑھے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد09، صفحہ263، رضافائونڈیشن، لاہور)

وہابیوں کے نزدیک نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔وہابیوں کی دلیل سنن ابی داؤد کی یہ حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ عَجْلَانَ، وَمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّادٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: وَاللَّهِ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَى سُهَيْلِ ابْنِ الْبَيْضَاءِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ" ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اللہ عزوجل کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل ابن بیضاء کا جنازہ مسجد میں پڑھا۔

(سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، جلد3، صفحہ207، حديث3189، المكتبة العصرية، بيروت)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت پر علمائے احناف نے درج ذیل کلام فرمایا ہے:

(1) یہ حدیث منسوخ ہے چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابوداؤد کی شرح میں لکھتے ہیں"وقال الطحاوی: صلاته عليه السلام على سهيل بن البيضاء في المسجد منسوخة" ترجمہ: امام طحاوی نے فرمایا: جس حدیث میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہیل پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے وہ حدیث منسوخ ہے۔

(شرح عيني لابى داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة فى المسجد، جلد06، صفحہ127، مكتبة الرشد، الرياض)

(2) سیدہ عائشہ اباحت کی خبر دے رہی ہیں جبکہ سیدنا ابوہریرہ ممانعت کی اور ایسی صورت میں ممانعت کو ترجیح ہوتی ہے۔اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عائشہ والی روایت کا انکار فرمایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد میں لانے سے انکار کیا چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے"عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، أَمَرَتْ أَنْ يَمُرَّ بِجَنَازَةِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَتُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَأَنْكَرَ النَّاسُ ذَلِكَ عَلَيْهَا" ترجمہ: حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حکم دیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد میں لایا جائے جس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے انکار کیا۔

(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، جلد2، صفحہ668، حديث973، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

عمدۃ القاری میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"أن حَدِيث عَائِشَة إِخْبَار عَن فعل رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي حَال الْإِبَاحَة الَّتِي لم يتقدمها نهي، وَحَدِيث أبي هُرَيْرَة إِخْبَار عَن نهي رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الَّذِي قد تقدمته الْإِبَاحَة، فَصَارَ حَدِيث أبي هُرَيْرَة نَاسِخا، وَيُؤَيِّدهُ إِنْكَار الصَّحَابَة على عَائِشَة، رَضِي الله تَعَالَى عَنْهَا، لأَنهم قد كَانُوا علمُوا فِي ذَلِك خلاف مَا علمت، وَلَوْلَا ذَلِك مَا أنكروا ذَلِك عَلَيْهَا" ترجمہ: حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل مبارک کی خبر دے رہی ہے اور حالت اباحت ممانعت پر مقدم نہیں ہوتی۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ممانعت کی خبر دے رہی ہے اور ممانعت اباحت پر مقدم ہوتی ہے۔ تو حدیث ابو ہریرہ ناسخ ہوئی۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کا انکار کیا کیونکہ صحابہ مسجد میں جنازہ کی ممانعت سے آگاہ تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی روایت کا انکار نہ کرتے۔

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنازة، جلد 8، صفحہ 118، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(3) حضرت سہیل کا جنازہ مسجد میں نہ تھا بلکہ مسجد سے باہر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ معتکف تھے اس لئے آپ مسجد سے باہر نہیں جاسکتے تھے یوں آپ نے مسجد کے اندر امامت فرمائی جبکہ جنازہ مسجد سے باہر تھا۔ المبسوط میں ہے "تَأْوِيلُ حَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ مُعْتَكِفًا فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ فَلَمْ يُمْكِنْهُ أَنْ يَخْرُجَ وَأَمَرَ بِالْجِنَازَةِ فَوُضِعَتْ خَارِجَ الْمَسْجِدِ" ترجمہ: حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاویل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت معتکف تھے اس وجہ سے باہر نکلنا ممکن نہ تھا اس لئے آپ نے یہ حکم دیا اور جنازہ خارج مسجد میں رکھا گیا۔

(المبسوط، کتاب الصلوة، باب غسل المیت، جلد 2، صفحہ 68، دار المعرفة، بیروت)

موطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی میں مالک بن انس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنی (المتوفی 179ھ) لکھتے ہیں "قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يُصَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، وَكَذٰلِكَ بَلَغَنَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَمَوْضِعُ الْجِنَازَةِ بِالْمَدِينَةِ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَهُوَ الْمَوْضِعُ الَّذِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى الْجِنَازَةِ فِيهِ" ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ابو ہریرہ سے ہمیں یہی بات پہنچی ہے۔ مدینہ میں نماز جنازہ مسجد سے باہر تھی اور یہی وہ جگہ تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے۔

(موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيبانی، ابواب الصلوٰة، باب: الصلاة على الجنازة فی المسجد، جلد 1، صفحہ 111، حدیث 314، المکتبة العلمية، بیروت)

آج بھی مدینہ میں جس جگہ جنازہ رکھا جاتا ہے وہ جگہ خارج مسجد ہے۔

## جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا

احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت نہیں ہے بلکہ تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے کوئی سی بھی دعا

مانگی جائے جو احادیث سے ثابت ہو۔ ہاں جسے کوئی دعا نہیں آتی وہ بطورِ دعا سورۃ فاتحہ بھی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

جنازہ میں ہر تکبیر کے بعد کیا پڑھنا ہے اس کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استادِ محترم امام ابن شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی 235ھ) کی ایک روایت ہے جو انہوں نے مصنف ابن ابی شیبہ میں نقل کی "حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ:فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى يُبْدَأُ بِحَمْدِ اللَّهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، وَالثَّانِيَةُ صَلَاةٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالثَّالِثَةُ دُعَاءٌ لِلْمَيِّتِ، وَالرَّابِعَةُ لِلتَّسْلِيمِ" ترجمہ: حضرت امام شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جنازہ میں تکبیر اولیٰ میں حمد و ثناء پڑھی جائے اور دوسری تکبیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور تیسری میں میت کے لئے دعا اور چوتھی میں سلام پھیرا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، ما یبدأ بہ فی التکبیرۃ الأولی فی الصلاۃ ۔۔، جلد2، صفحہ490، مکتبۃ الرشد ،الریاض)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ إِذَا صَلَّى عَلَى مَيِّتٍ يَبْدَأُ بِحَمْدِ اللَّهِ، وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَقُولُ:اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَحْيَائِنَا وَأَمْوَاتِنَا، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاجْعَلْ قُلُوبَنَا عَلَى قُلُوبِ خِيَارِنَا" ترجمہ: علاء بن مسیّب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی کی نماز جنازہ پڑھتے تو اللہ عزوجل کی ثنا سے شروع کرتے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتے، پھر یہ دعا پڑھتے "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَحْيَائِنَا وَأَمْوَاتِنَا، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاجْعَلْ قُلُوبَنَا عَلَى قُلُوبِ خِيَارِنَا"

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، ما یبدأ بہ فی التکبیرۃ الأولی فی الصلاۃ ۔۔، جلد2، صفحہ490، مکتبۃ الرشد ،الریاض)

سنن ابن ماجہ اور ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَرْوَانَ الرَّقِّيُّ، حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَنَازَةٍ، فَقَالَ:اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا، وَمَيِّتِنَا، وَصَغِيرِنَا، وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِيمَانِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِسْلَامِ، اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ(حکم الألبانی):صحیح" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی تو یوں دعا مانگی "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ" اے اللہ ہمارے زندوں مردوں وحاضر، غائب،

چھوٹوں، بڑوں، مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما۔ اے اللہ ہم میں جسے زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے اور اسے ایمان پر موت دے۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن أبی داود، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت۔، جلد3، صفحہ211، المکتبة العصریة، بیروت)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَ:أَخْبَرَنَا هِقْلُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ:حَدَّثَنِي أَبُو إِبْرَاهِيمَ الأَشْهَلِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الجَنَازَةِ، قَالَ:اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا قَالَ يَحْيَى:وَحَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِكَ، وَزَادَ فِيهِ:اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الإِيمَانِ.وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي قَتَادَةَ، وَعَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، وَجَابِرٍ.حَدِيثُ وَالِدِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ۔۔ (حکم الألبانی):صحیح" ترجمہ: ابو ابراہیم اشہلی سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا" اے اللہ ہمارے زندوں مردوں وحاضر، غائب، چھوٹوں، بڑوں، مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما۔ یحیی بھی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے اور وہ ابو ہریرہ سے مرفوعا اسی کی مانند روایت کرتے ہیں کہ یہ الفاظ زیادہ نقل کرتے ہیں۔ "اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ" اے اللہ ہم میں جسے زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے اور اسے ایمان پر موت دے۔ اس باب میں عبدالرحمٰن بن عوف، ابوقتادہ، عائشہ، اور عوف بن مالک سے بھی روایت ہے۔ امام عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن الترمذی، ابواب الجنائز، باب ما یقول فی الصلاة علی المیت، جلد3، صفحہ334، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

ترمذی شریف کی دوسری حدیث پاک میں ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَالَ:حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ:سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى مَيِّتٍ، فَفَهِمْتُ مِنْ صَلَاتِهِ عَلَيْهِ:اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، وَارْحَمْهُ، وَاغْسِلْهُ بِالبَرَدِ، وَاغْسِلْهُ كَمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ.هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.قَالَ مُحَمَّدٌ:أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا البَابِ هَذَا الحَدِيثُ (حکم الألبانی):صحیح" ترجمہ: حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز

جنازہ میں دعا پڑھتے ہوئے سنا تو مجھے آپ کی یہ دعا سمجھ آئی "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاغْسِلْهُ بِالْبَرَدِ وَاغْسِلْهُ كَمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ" اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما اور اس کے گناہوں کو اولوں سے اس طرح دھودے جس طرح کپڑا دھویا جاتا ہے۔ امام عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے۔ (سنن الترمذی، ابواب الجنائز، باب ما يقول فی الصلاة علی الميت، جلد3، صفحه336، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

اسی طرح کے متن کی ایک حدیث المعجم الکبیر والاوسط میں بسند حسن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

سنن النسائی میں ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ مَسْعُودٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ وَهُوَ ابْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي إِبْرَاهِيمَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا (حكم الألبانی): صحيح" ترجمہ: حضرت ابراہیم انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے جنازہ میں یہ دعا پڑھی: اے اللہ ہمارے زندوں مردوں وحاضر، غائب، مردوں اور عورتوں، چھوٹوں، بڑوں کی بخشش فرما۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(السنن الصغری للنسائی، كتاب الجنائز، الدعاء، جلد4، صفحه 74، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

سنن نسائی میں ایک اور صحیح حدیث عوف بن مالک سے بھی ثابت ہے جس میں دعا کے الفاظ مختلف ہیں۔ مزید ایک صحیح حدیث اسی مسئلہ پر عبید بن خالد سلمی سے بھی مروی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں اسی مسئلہ پر مختلف دعا کے ساتھ ایک حدیث حضرت واثلہ بن اسقع سے مروی ہے۔ المستدرک میں ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی مروی ہے۔ اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں کئی احادیث وآثار مختلف اسناد و متن کے ساتھ اس کے ثبوت میں مروی ہیں۔

انہیں کثیر ومستند روایات کے پیشِ نظر احناف ودیگر جید صحابہ کرام وعلماء کرام نے جنازہ میں فاتحہ نہیں بلکہ دعا کو پڑھنا مشروع قرار دیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَقْرَأُ عَلَى الْجِنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ؟ قَالَ: لَا

تَـقْـرَأُ" ترجمہ: حضرت ابوسعید بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے کسی آدمی نے پوچھا کیا میں نمازِ جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھوں؟ فرمایا نہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبه، کتاب الجنائز، ما یبدأ به فی التکبیرة الأولی فی الصلاة علیه والثانیة والثالثة والرابعة، جلد3، صفحه295، الدار السلفیة ،الهندیة)

دوسری روایت میں ہے "عَنِ الثَّوْرِیِّ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَأَلْتُهُ أَيَقْرَأُ عَلَى الْمَيِّتِ إِذَا صَلَّى عَلَيْهِ؟ قَالَ: لَا" ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ جنازہ میں قراءت کی جائے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔

(المصنف، کتاب الجنائز ،باب القراءة والدعاء فی الصلاة علی المیت، جلد3، صفحه 491، المجلس العلمی، الهند)

وہابیوں کے نزدیک جنازہ میں سورۃ فاتحہ قراءت کرنا سنت ہے۔ وہابیوں کی دلیل ترمذی شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنِ الحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ .وَفِي البَابِ عَنْ أُمِّ شَرِيكٍ .حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ القَوِيِّ، إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ هُوَ أَبُو شَيْبَةَ الوَاسِطِيُّ مُنْكَرُ الحَدِيثِ" ترجمہ: حضرت عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی۔ اس باب میں ام شریک سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباس کی سند قوی ہیں۔ ابراہیم بن عثمان، یعنی ابوشیبہ واسطی منکر الحدیث ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی القراءة علی الجنازة بفاتحة الکتاب، جلد3، صفحه 337، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذی نے اسے ضعیف فرمادیا۔

وہابیوں کی دوسری دلیل سنن النسائی کی یہ حدیث پاک ہے "أَخْبَرَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ أَيُّوبَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ وَهُوَ ابْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةٍ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُورَةٍ وَجَهَرَ حَتَّى أَسْمَعَنَا، فَلَمَّا فَرَغَ أَخَذْتُ بِيَدِهِ، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: سُنَّةٌ وَحَقٌّ" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے اس میں فاتحہ پڑھی اور جہر کی یہاں تک کہ ہم نے اسے سنا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو میرا ہاتھ پکڑا۔ جب میں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ سنت وحق ہے۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب الجنائز، الدعاء، جلد4، صفحه 74، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

جہاں تک نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا تعلق ہے تو فقہائے احناف نے نمازِ جنازہ میں میت کے لئے دعا کرنے کی

حکمت یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اللہ عزوجل کی ثناء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد میت کی بخشش کی دعا مانگی جائے کہ حمد ودرود کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے جیسا کہ ایک صحابی نے جب حمد ودرود پڑھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دعا کر قبول کی جائے گی۔ اوپر کثیر صحیح احادیث پیش کی گئیں جن میں واضح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ میں میت کے لئے دعا مانگتے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی معمول رہا ہے۔

علمائے احناف نے دونوں روایتوں میں تطبیق یوں دی کہ نماز جنازہ میں دعا پڑھنا سنت ہے اور اگر کوئی دعا کی جگہ فاتحہ پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ المحیط البرہانی میں ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد (المتوفی 616ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"وما روی من الأحاديث يدل على الجواز لا على الوجوب، ونحن نقول بالجواز، فقد روى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة في صلاته أنه لو قرأ الفاتحة بدلاً عن الثناء لا بأس به، ولهذا قال ابن عباس رضي الله عنهما: إنما جهرت لتعلموا أنها سنّة لم يقل أنها واجبة، كيف وقد روى عن أبي هريرة رضي الله عنه وفضالة بن عبيد، وابن عمر رضي الله عنهم: ترك القراءة في صلاة الجنازة فيصير معارضاً لقول ابن عباس رضي الله عنهما" ترجمہ: جو روایات (نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے پر ہیں) وہ نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کے جواز میں ہیں نہ کہ وجوب میں اور ہم احناف بھی کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ اگر ثناء کے بدلے میں سورۃ فاتحہ قراءت کی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میں نے اس لئے جہراً قراءت کی ہے تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ واجب ہے اور یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جب حضرت ابو ہریرہ، حضرت فضالہ بن عبید اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نماز جنازہ میں قراءت نہ کرنے پر احادیث مروی ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے معارض ہیں۔

(المحيط البرهاني، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، جلد2، صفحه 330، دار احياء التراث العربي، بيروت)

## جنازہ میں بلند آواز سے قراءت

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں قراءت آہستہ ہونا سنت ہے۔ سنن نسائی میں ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) روایت کرتے ہیں"أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّهُ قَالَ: السُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَنْ يَقْرَأَ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى بِأُمِّ الْقُرْآنِ مُخَافَتَةً، ثُمَّ يُكَبِّرَ ثَلَاثًا، وَالتَّسْلِيمُ عِنْدَ

الُآخِـرَةِ(حکم الألبانی):صحیح"ترجمہ:حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر اولیٰ کے بعد آہستہ آواز میں ام قرآن سورۃ کی قراءت کی جائے پھر تین تکبیریں پڑھی جائیں اور آخر میں سلام پھیرا جائے۔البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(السنن الصغری للنسائی ،کتاب الجنائز،الدعاء ،جلد4،صفحہ 75،مکتب المطبوعات الإسلامیة،حلب)

مسند الشامیین میں سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) فرماتے ہیں"حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ، ثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، وَكَانَ مِنْ كُبَرَاءِ الْأَنْصَارِ وَعُلَمَائِهِمْ، وَمِنْ أَبْنَاءِ الَّذِينَ شَهِدُوا بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ السُّنَّةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ؛ أَنْ يُكَبِّرَ الْإِمَامُ، ثُمَّ يَقْرَأَ أُمَّ الْقُرْآنِ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى سِرًّا فِي نَفْسِهِ، وَيُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الثَّانِيَةِ، وَيُخْلِصَ الدُّعَاءَ لِلْمَيِّتِ فِي التَّكْبِيرَاتِ الثَّلَاثِ، لَا يَقْرَأُ فِيهِنَّ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى، وَيُسَلِّمُ سِرًّا تَسْلِيمًا خَفِيفًا حَتَّى يَنْصَرِفَ، وَيَفْعَلُ النَّاسُ مِثْلَ مَا يَفْعَلُ إِمَامُهُمْ قَالَ الزُّهْرِيُّ:فَذَكَرْتُ لِمُحَمَّدِ بْنِ سُوَيْدٍ الْفِهْرِيِّ الَّذِي أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ، عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لِي:أَنَا سَمِعْتُ الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ يُحَدِّثُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي أُمَامَةَ"ترجمہ:حضرت ابوامام بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار وعلماء میں بڑے صحابی تھی اور ان کے بیٹے بدر کے دن حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے ان سے مروی ہے کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے، پھر تکبیر اولیٰ کے بعد آہستہ آواز میں سورۃ فاتحہ پڑھے اور دوسری تکبیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے اور تیسری تکبیر میں میت کے لئے خاص دعا کرے اور ان دونوں (درود و دعا) میں سے کوئی بھی عمل تکبیر اولیٰ کے بعد نہ کرے اور سلام پھیرے آہستہ یہاں تک کہ نماز سے نکل جائے اور لوگ بھی امام کی طرح کریں۔امام زہری نے فرمایا:میں نے محمد بن سوید فہری سے ابوامامہ کی اس خبر کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے ضحاک بن قیس سے حبیب بن مسلمہ کے حوالے سے سنا کہ انہوں نماز جنازہ پر حضرت ابوامامہ کی مثل ہی ارشاد فرمایا۔

(مسند الشامیین،شعیب، عن الزہری، عن أبی أمامة بن سہل بن حنیف الأنصاری،جلد4،صفحہ160، مؤسسة الرسالة ،بیروت)

وہابیوں کے نزدیک جنازہ میں قراءت بلند آواز سے کرنا سنت ہے۔وہابیوں کی دلیل سنن النسائی کی یہ حدیث پاک ہے"أَخْبَرَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ أَيُّوبَ، قَالَ:حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ وَهُوَ ابْنُ سَعْدٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ:صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةٍ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُورَةٍ وَجَهَرَ حَتَّى أَسْمَعَنَا، فَلَمَّا فَرَغَ أَخَذْتُ بِيَدِهِ، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ:سُنَّةٌ وَحَقٌّ" ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے اس میں فاتحہ پڑھی اور جہر کی یہاں تک کہ ہم نے اسے سنا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو میرا ہاتھ پکڑا۔ جب میں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ سنت وحق ہے۔

(السنن الصغری للنسائی ،کتاب الجنائز ،الدعاء ،جلد4،صفحہ 74،مکتب المطبوعات الإسلامية،حلب)

احناف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی یہ تاویل فرمائی کہ انہوں نے بلند آواز سے قراءت اس وجہ سے کی کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس میں پڑھنا کیا ہے اور شاید پوری سورت فاتحہ بلند آواز سے قراءت نہیں کی گئی بلکہ کچھ سورۃ بلند آواز سے پڑھی۔ عمدۃ القاری میں ابو محمد محمود بن احمد الغیتابی الحنفی بدرالدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لَيسَ فِي حَدِيث ابُن عَبَّاس صفة الُقِرَاء َة بِالنِّسُبَةِ إِلَى الُجهُر والإسرار، وَعند الُبَيُهَقِيّ من طَرِيق الشَّافِعِي عَن ابُن عُيَيُنَة عَن ابُن عجلَان عَن سعيد بن أبي سعيد، قَالَ:سَمِعت ابُن عَبَّاس يجُهر بِفَاتِحَة الُكتاب فِي الصَّلَاة على الُجنَازَة، وَيَقُولُ:إِنَّمَا فعلت لِتَعُلَمُوا أَنَّهَا سنة، فقد يُستَدلّ بِهِ على الُجهُر بهَا، وَهُوَ أحد الُوَجُهَيُنِ لأَصُحَاب الشَّافِعِي فِيمَا إِذا كَانَت الصَّلَاة عَلَيُهَا لَيُلًا .قَالَ شَيخنَا زين الدّين:وَالصَّحِيح أَنه يسر بهَا لَيُلًا أَيُضا وَأما النَّهَار فاتفقوا على أَنه يسر فِيهِ .قَالَ:وَيُجَاب عَن الحَدِيث بِأَنَّهُ أَرَادَ بذلك إعلامهم بِمَا يقُرَأ ليتعلموا ذَلِك، وَلَعَلَّه جهر بِبَعُضِهَا، كَمَا صَحَّ فِي الحَدِيث أَن النَّبِي صلى الله عَلَيُهِ وَسلم كَانَ يسمعهم الُآيَة أَحُيَانًا فِي صَلَاة الظّهُر وَكَانَ مُرَاده ليعرفهم السُّورَة الَّتِي كَانَ يقُرَأ بهَا فِي الظّهر" یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث قراءت کے آہستہ اور بلند ہونے پر نہیں ہے اور امام بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے ابن عیینہ، ابن عجلان اور سعید بن ابی سعید سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نماز جنازہ میں فاتحہ جہر کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا اور انہوں نے فرمایا: میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ سنت ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ اس میں بلند آواز سے قراءت ہے اور امام شافعی کے اصحاب کے موقف کی وجوہ میں ایک وجہ یہی ہے کہ اگر رات کو نماز جنازہ پڑھی جائے تو بلند آواز سے قراءت کی جائے۔ ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ دن کی طرح رات کو بھی آہستہ آواز میں قراءت کی جائے۔ باقی رات کے وقت کے متعلق فقہاء متفق ہیں کہ آہستہ قراءت کی جائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ انہوں نے بلند آواز سے قراءت اس وجہ سے کی کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس میں پڑھنا کیا ہے اور شاید پوری سورت فاتحہ بلند آواز سے قراءت نہیں کی گئی بلکہ کچھ سورۃ بلند آواز سے پڑھی گئی جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات ظہر کی نماز میں آیت بلند آواز سے پڑھتے تھے اور اس میں ان کی یہ مراد ہوتی تھی کہ ظہر کی نماز میں سورت پڑھنا

ہے۔

(عـمـدة الـقـاری شرح صحیح البخاری، کتاب الجنائز،باب قراء ة فاتحة الکتاب علی الجنازة،جلد8،صفحه140، دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

وہابی مولوی شوکانی نے نیل الاوطار میں اسی تاویل کی تائید کی ہے "ذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلَى أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ الْجَهْرُ فِي صَلَاةِ الْجِنَازَةِ .وَتَمَسَّكُوا بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمُتَقَدِّمِ:لَمْ أَقْرَأْ:أَيْ جَهْرًا إلَّا لِتَعْلَمُوا أَنَّهُ سُنَّةٌ" ترجمہ: جمہور اس طرف گئے کہ نماز جنازہ میں جہر مستحب نہیں ہے اور ابن عباس کی حدث کو جو دلیل بنایا جاتا ہے اس میں انہوں نے جہرا قراءت نہیں کی مگر اس لئے کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ سنت ہے۔

(نیل الأوطار، کتاب الجنائز،باب القراء ة والصلاة علی رسول الله فیها،جلد4،صفحه 74، دار الحدیث، مصر)

## جنازہ کی تکبیرات میں رفع یدین

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تکبیرات کے وقت رفع یدین نہیں کیا جائے گا بلکہ فقط پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا القَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ الكُوفِيُّ، قَالَ:حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ الوَرَّاقُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْلَى، عَنْ أَبِي فَرْوَةَ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ زَيْدٍ وَهُوَ ابْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، وَوَضَعَ اليُمْنَى عَلَى اليُسْرَى.هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ .وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي هَذَا، فَرَأَى أَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ:أَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ يَدَيْهِ فِي كُلِّ تَكْبِيرَةٍ عَلَى الجَنَازَةِ، وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ .وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ:لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الكُوفَةِ.وَذُكِرَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الجَنَازَةِ:لَا يَقْبِضُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ .وَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ:أَنْ يَقْبِضَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ كَمَا يَفْعَلُ فِي الصَّلَاةِ .يَقْبِضُ أَحَبُّ إِلَيَّ" (حکم الألبانی):حسن" ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پر تکبیر پڑھی تو اس میں صرف پہلی تکبیر پر رفع یدین کیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے اکثر صحابہ کرام اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ جنازہ کی تمام تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے جائیں ابن مبارک، شافعی، احمد، اسحاق، کا

یہی قول ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ابن مبارک سے مروی ہے کہ نماز جنازہ میں ہاتھ باندھنا ضروری ہے لیکن بعض اہل علم کے نزدیک نماز جنازہ میں بھی دوسری نمازوں کی طرح ہاتھ باندھنے چاہئیں،امام ترمذی فرماتے ہیں کہ مجھے ہاتھ باندھنا زیادہ پسند ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب الجنائز،باب ما جاء فی رفع الیدین علی الجنازة،جلد3،صفحہ380، مصطفی البابی الحلبی،مصر)

اس حدیث کو البانی نے حسن کیا ہے۔اگر اس حدیث کو ضعیف بھی کہیں تب بھی اس کو معنا تقویت دوسری صحیح حدیث سے ملتی ہے۔المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح حدیث پاک روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي لَيْلَى، حَدَّثَنِي أَبِي، ثنا ابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ حِينَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ وَحِينَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَيَنْظُرُ إِلَى الْبَيْتِ، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الصَّفَا، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الْمَرْوَةِ، وَحِينَ يَقِفُ مَعَ النَّاسِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ وَبِجَمْعٍ، وَالْمَقَامَيْنِ حِينَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ"، ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات مقامات کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے: (1) جب نماز شروع کرتے وقت (2) جب مسجد حرام میں جاتے اور خانہ کعبہ پر نظر پڑھتی (3) جب صفا پر کھڑے ہوتے (4) جب مروہ پر کھڑے ہوتے (5) عرفات میں بعد از زوال جب لوگوں کے ساتھ وقوف کرتے (6) مزدلفہ میں وقوف کے وقت (7) جمرتین کی رمی کرتے وقت۔

(المعجم الکبیر،باب العین ،مقسم عن ابن عباس،جلد11،صفحہ385،مکتبۃ ابن تیمیۃ،القاہرۃ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عام نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں ہے۔

سنن الدارقطنی میں ابو الحسن علی بن عمر البغدادی الدارقطنی (المتوفی 385ھ) روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ،ثنا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ جَرِيرِ بْنِ جَبَلَةَ،ثنا الْحَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ،عَنِ الْفَضْلِ بْنِ السَّكَنِ،حَدَّثَنِي هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ،ثنا مَعْمَرٌ،عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ،عَنْ أَبِيهِ،عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عَلَى الْجِنَازَةِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ"، ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الجنائز،باب وضع الیمنی علی الیسری ورفع الأیدی عند التکبیر،جلد2،صفحہ438،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

مصنف عبد الرزاق میں ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِنَا أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى، ثُمَّ لَا يَرْفَعُ بَعْدُ، وَكَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا" ترجمہ: حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہمارے بعض اصحاب سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما چار تکبیریں پڑھتے تھے اور پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(المصنف، کتاب الجنائز، باب رفع الیدین فی التکبیر علی الجنائز، جلد3، صفحہ470، المجلس العلمی، الھند)

دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے چنانچہ عبد الرزاق نے اوپر والی حدیث کے بعد لکھتے ہیں " عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ: بَلَغَهُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، مِثْلَ ذَلِكَ" ترجمہ: حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ہم تک یہی بات پہنچی ہے (کہ وہ بھی فقط پہلی تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔)

(المصنف، کتاب الجنائز، باب رفع الیدین فی التکبیر علی الجنائز، جلد3، صفحہ470، المجلس العلمی، الھند)

وہابیوں کے نزدیک نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع یدین ہے۔ وہابیوں کی دلیل امام طبرانی المعجم الاوسط کی یہ حدیث پاک ہے "وَبِهِ (موسی بن عیسی الجزری) حَدَّثَنَا عَبَّادٌ قَالَ: نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَرَّرٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ فِي كُلِّ صَلَاةٍ، وَعَلَى الْجَنَائِزِ" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز اور نماز جنازہ میں تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔

(المعجم الأوسط، باب المیم، من بقیة من أول اسمه میم من اسمه موسی، جلد8، صفحہ208، دار الحرمین -القاہرة)

ایک تو یہ حدیث کلی طور پر وہابیوں کی دلیل نہیں ہے کہ نماز کی ہر تکبیر پر وہابی بھی رفع یدین کے قائل نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے کہ اس میں موسی بن عیسی راوی مجہول ہے چنانچہ وہابی مولوی مبشر احمد ربانی اس حدیث کو ضعیف تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے: "اس روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ اس میں کئی علتیں ہیں: امام طبرانی کے استاد موسی بن عیسی الجزری کے حالات نہیں ملتے۔ موسی بن عیسی کا استاد صہیب بن محمد بن عباد بھی مجہول ہے۔ عباد صہیب البصری متروک ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔"

(احکام و مسائل، صفحہ363، دار الاندلس، لاہور)

اپنے مؤقف پر دوسری موقوف روایت پیش کرتے ہوئے وہابی مولوی مبشر احمد ربانی لکھتا ہے: "یہ سند تو انتہائی ضعیف ہے البتہ امام دار قطنی نے ایک روایت ان لفظوں میں بیان کی ہے "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم کان إذا صلی علی الجنازة، رفع یدیه فی کل تکبیرة، وإذا انصرف سلم" سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز جنازہ ادا کرتے تو ہر تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے اور جب پھرتے تو سلام کہتے تھے۔

اس کے بعد (امام دار قطنی) خود ہی فرمایا ہے: اسی طرح عمر بن شبہ نے اسے مرفوع بیان کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے یزید بن ہارون سے اسے موقوف روایت کیا ہے اور یہی درست ہے۔"

(احکام و مسائل ،صفحہ363،دار الاندلس،لاہور)

وہابی مولوی صاحب نے خود ہی تسلیم کیا کہ اس مسئلہ میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں کہ وہ نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفع یدین کرنے والی روایت مضطرب ہے کہ حضرت ابن عمر سے ہی رفع یدین نہ کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی 743ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَلَنَا مَا رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إذَا صَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ وَالرِّوَايَةُ عَنْ ابْنِ عُمَرَ مُضْطَرِبَةٌ فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْهُ، وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُمَا قَالَا: لَا يَرْفَعُ إلَّا عِنْدَ تَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ، وَلَئِنْ صَحَّتْ فَلَا تُعَارِضُ فِعْلَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ" ترجمہ: ہماری دلیل وہ ہے جو امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز جنازہ پڑھتے تو پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور ابن عمر سے جو روایت مروی ہے وہ مضطرب ہے اس لئے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: پہلی تکبیر کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلوٰۃ، کیفیۃ صلاۃ الجنازۃ، جلد1، صفحہ241، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ ، القاہرۃ)

## قبر پکی کرنا

وہابی جن چند احادیث کی غلط تاویلات کر کے اپنے مذہب کو ترویج دیتے ہیں، ان میں سے قبر پکی کرنا، قبر پر لکھنا اور قبر پر گنبد بنانا ہے۔ صحیح مسلم میں مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (المتوفی 261ھ) روایت کرتے ہیں "عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر کو گچ (یعنی چونے یا سیمنٹ وغیرہ سے پختہ) کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم ، کتاب الجنائز ،باب النہی عن تجصیص القبر والبناء علیه ،جلد2،صفحه667،دار إحياء التراث العربي ،بیروت)

اسی حدیث کودلیل بناتے ہوئے وہابیوں کے نزدیک مطلقا پکی قبر بنانا ناجائز وحرام ہے بلکہ شرک کے اسباب میں سے ہے۔اپنی کتب میں وہابی حنفی کتب کے حوالے دیتے ہوئے بھی پکی قبر بنانے کو ناجائز کہتے ہیں جیسے فقہ حنفی کی معتبر کتاب البدائع الصنائع میں ہے "یُکْرَہُ تَجْصِیصُ الْقَبْرِ "ترجمہ: قبر کو پختہ کرنا مکروہ ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ، کتاب الصلوۃ ،فصل فی سنة الدفن ،جلد1،صفحه320، دار الكتب العلمية ،بیروت)

قبر پکی کرنے کے متعلق احناف کا موقف یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق قبر پختہ کرنا جائز نہیں ہے۔البتہ بعض صورتیں ایسی ہیں جس میں قبر کو پختہ کرنے کی اجازت ہے جیسے زمین نرم ہے جس میں کچی قبر آئے دن بیٹھ جاتی ہے تو اس صورت میں پکی قبر بنانا جائز ہے کیونکہ آئے دن قبر بیٹھ جانا اور میت کا ستر ظاہر ہونا اچھی بات نہیں ہے کیونکہ میت کا ستر واجب ہے۔اسی طرح وقف قبرستان کی جگہ پر قبضہ ہونے کا خطرہ ہو، درندوں کا خطرہ ہو یا کچی قبریں شہید کردی جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی پختہ قبر کی اجازت ہے۔

وہابی جو فقہ حنفی سے قبر پکی کرنے کو مطلقا ناجائز ثابت کرتے ہیں یہ ان کی بددیانتی اور تحریف ہے۔کتب فقہ میں صراحت ہے کہ حدیث پاک میں قبر کو پختہ کرنا اس وجہ سے منع ہے کہ یہ زینت ہے جس کی مردہ کو حاجت نہیں ،اگر ضرورت ہو تو قبر پکی کرنے میں حرج نہیں۔ تفصیل یوں ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث پاک میں جو قبر کو پختہ کرنے سے منع کیا ہے اس سے قبر کا اوپر والا حصہ مراد نہیں بلکہ زمین کے اندر میت کے اردگرد والا حصہ مراد ہے کہ قبر اسی کا نام ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:" قبر پختہ بنانے میں حاصل ارشاد علمائے امجاد رحمہم اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ اگر پکی اینٹ میّت کے متصل یعنی اس کے آس پاس کسی جہت میں نہیں کہ حقیقۃً قبر اسی کا نام ہے بلکہ گڑھا کچّا اور بالائے قبر پختہ ہے تو مطلقاً ممانعت نہیں۔"

(فتاوی رضویہ ،جلد9،صفحه 421،رضا فاؤنڈیشن ،لاہور)

الجوہرۃ النیرۃ میں ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی الزَّبِیدِیّ الیمنی الحنفی (المتوفی 800ھ) لکھتے ہیں "وَقَالَ التُّمُرْتَاشِيُّ إنَّمَا يُكْرَهُ الْآجُرُّ إذَا كَانَ مِمَّا يَلِي الْمَيِّتَ أَمَّا إذَا كَانَ مِنْ فَوْقِ اللَّبِنِ لَا يُكْرَهُ لِأَنَّهُ يَكُونُ عِصْمَةً مِنْ السَّبُعِ وَصِيَانَةً عَنْ النَّبْشِ "ترجمہ: تمرتاشی نے فرمایا کہ قبر کا وہ حصہ پختہ کرنا مکروہ ہے جو میت کے متصل ہو اگر قبر کا اوپر والا حصہ ہو تو اسے پختہ کرنا مکروہ نہیں اس لئے کہ اس میں درندوں اور اکھیڑنے سے تحفظ ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الصلوۃ ،باب الجنائز ،جلد1،صفحه109، المطبعة الخيرية)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح میں احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی (المتوفی 1231ھ) فرماتے ہیں" قال فی الخانیة یکره الآجر إذا کان مما یلی المیت أما فیما وراء ذلك فلا بأس "ترجمہ: قاضی خان نے خانیہ میں فرمایا: قبر پکی کرنا اس صورت مکروہ ہے جب میت کے متصل ہو اگر اس کے علاوہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی حملها ودفنها، صفحه610، دار الکتب العلمیة بیروت)

اندر سے بلاوجہ قبر پکی کرنے کو جو مکروہ کہا گیا اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح میں احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی (المتوفی 1231ھ) فرماتے ہیں"یفید أن ما ذکره مکروه تحریما" (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی حملها ودفنها، جلد1، صفحه611، دار الکتب العلمیة بیروت)

ان مذکورہ جزئیات سے پتہ چلا کہ میت کے اردگرد پکی قبر کی ممانعت ہے اور اس ممانعت کی وجہ جو آگے آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ایک تو تزئین ہے اور دوسرا اچھی فال نہ ہونا ہے کہ اینٹ آگ سے تیار ہوتی ہے اور میت کے قریب آگ کی چیز کو ہونا مناسب نہیں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "علماء نے تفاول کے سبب جب پکی اینٹ قبر میں لگانی مکروہ بتائی کہ وہ آگ دیکھے ہوئے ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، تصریح فرمائی کہ یہ اس صورت میں ہے کہ خاص لحد پر پختہ اینٹیں لگائیں جو قریب میّت ہے ورنہ بالائے قبر اس میں حرج نہیں، یہ خود آگ ہے۔ اس میں بالائے قبر بھی حرج ہے مگر حول میں حرج مسلم نہیں، ردالمحتار میں ہے"یسوی اللبن علیه والقصب لاالاجر المطبوخ والخشب لو حوله اما فوقه فلایکره" اس پر کچّی اینٹ اور بانس چُن دیں، پکی اینٹ اور لکڑی اس کے گرد نہ رکھیں، ہاں اوپر ہو تو حرج نہیں۔

ابن ملک بدائع میں ہے "لانه مما مسته النار فیکره ان یجعل علی المیّت تفاول" اس لیے کہ اس پر آگ کا اثر پہنچا ہوا ہے تو تفاول کے سبب میّت پر چننا مکروہ ہے۔

حلیہ میں ہے"قال الامام التمرتاشی هذا اذاکان حول المیّت فلوفوقه لایکره" امام تمرتاشی نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب خاص میّت کے گرد ہو، اوپر ہو تو مکروہ نہیں۔" (فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ518، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) فرماتے ہیں "رُوِیَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا تُجَصِّصُوا الْقُبُورَ وَلَا تَبْنُوا عَلَیْهَا وَلَا تَقْعُدُوا وَلَا تَكْتُبُوا عَلَیْهَا؛ وَلِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ بَابِ الزِّینَةِ وَلَا حَاجَةَ بِالْمَیِّتِ إلَیْهَا؛ وَلِأَنَّهُ تَضْیِیعُ الْمَالِ بِلَا فَائِدَةٍ فَكَانَ مَكْرُوهًا"، ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قبر کو پختہ نہ کرو، نہ اس پر عمارت

بناؤ اور نہ اس پر بیٹھو اور نہ اس پر لکھو۔ اس لئے کہ یہ زینت کے باب میں سے ہے جس کی میت کو حاجت نہیں ہے کہ یہ بلافائدہ مال کا ضیائع ہے۔ لہٰذا یہ مکروہ ہے۔

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الصلوة،فصل في سنة الدفن،جلد1،صفحه320، دار الكتب العلمية،بيروت)

• الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے "وَاتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى كَرَاهَةِ تَجْصِيصِ الْقَبْرِ، لِمَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ---وَحِكْمَةُ النَّهْيِ التَّزْيِينُ، وَزَادَ إِضَاعَةَ الْمَالِ عَلَى غَيْرِ غَرَضٍ شَرْعِيٍّ" ترجمہ: فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ قبر پکی کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قبر کو پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔ ممانعت کی حکمت تزئین ہے اور مال کی ضیاع ہے غیر غرض شرعی کے سبب۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد32،صفحه250،دار الصفوة،مصر)

البنایۃ شرح الہدایۃ میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) فرماتے ہیں "(ثم بالآجر أثر النار فيكره تفاؤلا) أي لأجل التفاؤل-- أن المكروه إدخال ما مسته النار في القبر" ترجمہ: پھر پکی اینٹ پر آگ کا اثر ہوتا ہے تو اچھی فال نہ ہونے کے سبب مکروہ ہے۔ مکروہ ہے کہ قبر میں ایسی چیز داخل کی جائے جسے آگ نے چھوا ہو۔

(البناية شرح الهداية،باب الجنائز، كيفية الدفن،جلد3،صفحه256، دار الكتب العلمية ،بيروت)

مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں وہابی مولوی ابو الحسن عبید اللہ بن محمد المبارکفوری (المتوفی 1414ھ) نے بھی پختہ قبر کی ممانعت کی حکمت یہی لکھی ہے چنانچہ لکھا ہے "قال العراقي: ذكر بعضهم أن الحكمة في النهي عن تجصيص القبور كون الجص أحرق بالنار، وحينئذٍ فلا بأس بالتطيين، كما نص عليه الشافعي" ترجمہ: عراقی نے فرمایا: بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ قبر پختہ کرنے کی ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ چونے کو آگ سے تیار کیا جاتا ہے۔ مٹی کا لیپ کرنے میں حرج نہیں جیسا کہ اس پر امام شافعی نے نص فرمائی ہے۔

(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز،باب دفن الميت،جلد 5،صفحه431،ادارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء - الجامعة السلفية -بنارس الهند)

ان بیان کردہ جزئیات سے یہ واضح ہوا کہ حدیث پاک میں ممانعت کی وجہ بطور تزئین بلاوجہ پختہ کرنا جس میں مال کا ضیاع ہے اور میت کے آس پاس آگ کا اثر ہونا ہے۔ اب اگر قبر کو اندر سے پختہ کرنا اگر بطور تزئین نہ ہو بلکہ کوئی اور حکمت ہو مثلا زمین نرم ہو کہ کچی قبر زیادہ دیر قائم نہ رہتی ہو جیسا کہ بعض علاقوں میں ہوتا ہے یا درندوں کا خطرہ ہو کہ وہ قبر کھود کر میت کی بے حرمتی

کرتے ہیں تو اس صورت میں اندر سے قبر پکی کرنا جائز ہے ہاں مستحب یہ ہے کہ پکی اینٹوں اور سیمنٹ کے اوپر مٹی کا لیپ کردیا جائے تاکہ میت کے آس پاس آگ کا اثر بھی زائل ہو جائے۔ مراقی میں ہے "قال بعض مشایخنا إنما یکرہ الآجر إذا أرید به الزینة أما إذا أرید به دفع أذی السباع أو شیء آخر لا یکرہ" ترجمہ: ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ پکی قبر اس صورت مکروہ ہے جب اس سے زینت کا ارادہ ہو۔ اگر پکی قبر کرنے سے مقصد درندوں کی ایذا کو دفع کرنا ہو یا کوئی اور وجہ ہو تو مکروہ نہیں۔

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی حملها ودفنها، صفحہ610، دار الکتب العلمیة بیروت)

المحیط البرہانی میں ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد البخاری الحنفی (المتوفی 616ھ) فرماتے ہیں "بعض مشایخنا قالوا: إنما یکرہ الآجر إذا أرید به الزینة أما إذا أرید به دفع أذی السباع أو شیء آخر لا یکرہ .قال مشایخ بخاری: لا یکرہ الآجر فی بلدتنا لمساس الحاجة إلیه لضعف الأراضی، حتی قال بعضهم: بأن فی هذه البلدة لو جعل تابوتاً من حدید لا یکرہ" ترجمہ: ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ پکی قبر اس صورت مکروہ ہے جب اس سے زینت کا ارادہ ہو۔ اگر پکی قبر کرنے سے مقصد درندوں کی ایذا کو دفع کرنا ہو یا کوئی اور وجہ ہو تو مکروہ نہیں۔ مشائخ بخارا نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں پکی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا: اس شہر میں اگر لوہے کے تابوت میں دفن میں کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(المحیط البرہانی، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، جلد2، صفحہ192، دار الکتب العلمیة، بیروت)

الدر المختار میں محمد بن علی بن محمد الحنفی الحصکفی (المتوفی 1088ھ) فرماتے ہیں "(وَیُسَوَّی اللَّبِنُ وَالْقَصَبُ لَا الْآجُرُّ) الْمَطْبُوخُ وَالْخَشَبُ لَوْ حَوْلَهُ، أَمَّا فَوْقَهُ فَلَا یُکْرَهُ ابْنُ مَالِكٍ.(وَجَازَ) ذَلِكَ حَوْلَهُ (بِأَرْضٍ رَخْوَةٍ) کَالتَّابُوتِ" ترجمہ: اس پر کچی اینٹیں اور بانس چن دے، پکی اینٹیں اور لکڑی اس کے گرد نہ لگائے، اوپر ہو تو مکروہ نہیں ابن الملک نے فرمایا۔ اور نرم زمین ہو تو اس کے گرد بھی جائز ہے جیسے تابوت۔

(درمختار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنائز، فی دفن المیت، جلد2، صفحہ236، دار الفکر، بیروت)

ردالمحتار علی الدر المختار میں ابن عابدین محمد امین بن عمر الدمشقی الحنفی (المتوفی 1252ھ) فرماتے ہیں "وَکَرِهُوا الْآجُرَّ وَأَلْوَاحَ الْخَشَبِ وَقَالَ الْإِمَامُ التُّمُرْتَاشِیُّ :هَذَا إذَا کَانَ حَوْلَ الْمَیِّتِ، فَلَوْ فَوْقَهُ لَا یُکْرَهُ لِأَنَّهُ یَکُونُ عِصْمَةً مِنْ السَّبُعِ .وَقَالَ مَشَایِخُ بُخَارَی: لَا یُکْرَهُ الْآجُرُّ فِی بَلْدَتِنَا لِلْحَاجَةِ إلَیْهِ لِضَعْفِ الْأَرَاضِی" ترجمہ: علماء نے پکی اینٹوں اور

لکڑی کے تختوں کو مکروہ کہا ہے اور امام تمرتاشی نے فرمایا یہ اس وقت ہے جب میّت کے گرد ہو، اور اگر اس کے اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ درندے سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، مشائخ بخارا نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں پکی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب سنۃ الجنائز، فی دفن المیت، جلد2، صفحہ236، دارالفکر، بیروت)

مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر میں عبد الرحمٰن بن محمد شیخ زادہ (المتوفی 1078ھ) فرماتے ہیں "(وَيُكْرَهُ الْآجُرُّ وَالْخَشَبُ) أَيْ كُرِهَ سَتْرُ اللَّحْدِ بِهِمَا وَبِالْحِجَارَةِ وَالْجِصِّ لَكِنْ لَوْ كَانَتْ الْأَرْضُ رَخْوَةً جَازَ اسْتِعْمَالُ مَا ذُكِرَ"
ترجمہ: پکی اینٹ اور لکڑی مکروہ ہے صرف لحد کو ان سے اور پتھروں سے اور گچ سے چھپانا مکروہ ہے لیکن اگر زمین نرم ہو تو ان سب کا استعمال جائز ہے۔

(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، سنن حمل الجنازۃ، جلد1، صفحہ186، دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''قبر پختہ بنانے میں حاصل ارشاد علمائے امجاد رحمھم اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ اگر پکی اینٹ میّت کے متصل یعنی اس کے آس پاس کسی جہت میں نہیں کہ حقیقۃً قبر اسی کا نام ہے بلکہ گڑھا کچا اور بالائے قبر پختہ ہے تو مطلقاً ممانعت نہیں، یہاں تک کہ امامِ اجل فقیہِ مجتہد اسمٰعیل زاہدی نے خاص لحد میں پکی اینٹ پر نص فرمایا جبکہ نیچے کچے چوکے کی تہ ہو اور اپنی قبر مبارک میں یونہی کرنے کی وصیت فرمائی اور متصل میّت ممنوع مکروہ، مگر جبکہ بضرورت تری ونرمی زمین ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔''

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ421، رضا فائونڈیشن، لاہور)

اتنے حصے کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاوجہ قبر کو اندر سے پکا کرنا بحکم حدیث مکروہ ہے اور اگر کوئی معقول وجہ ہو تو اندر سے بھی قبر پکا کرنا جائز ہے، اگرچہ مستحب ہے کہ اس پر مٹی کا لیپ کرلیا جائے۔ جہاں تک اوپر سے قبر پکی کرنے کا تعلق ہے تو فقہائے کرام نے اس کی مطلق اجازت دی ہے۔ بحر و حاشیہ ابی السعود الازہری علی الکنز میں ہے "وقیدہ فی شرح المجمع بان یکون حولہ امالو کان فوقہ لایکرہ لانہ یکون عصمۃ من السبع"۔ ترجمہ: شرح مجمع میں یہ قید لگائی ہے کہ اس کے گرد ہو لیکن اگر اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ اس سے درندوں سے حفاظت رہے گی۔

(فتح المعین علیٰ شرح الکنز لملامسکین باب الجنائز فصل فی الصلوۃ علی المیّت، جلد2، صفحہ194، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ہندوستان و پاکستان کے علمائے احناف نے عوام کے لئے بلاوجہ اوپر سے بھی قبر پکی کرنے کو مکروہ تنزیہی فرمایا۔ اوپر سے قبر پکی کروانا مکروہ تحریمی اس وجہ سے نہیں فرمایا کہ اس میں کوئی بُری فال نہیں اور دوسرا یہ کہ اوپر سے پختہ ہونا اپنی ذات میں بے فائدہ نہیں بلکہ درندوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ہاں اگر کوئی ضرورت ہو جیسے درندوں سے خوف ہے کہ وہ

قبر کو نقصان پہنچائیں گے یا کچی قبر کو شہید کر دیا جانے کا خطرہ ہو جیسا کہ بعض جگہوں پر یہ ہوتا ہے کہ قبرستان میں جگہ نہ ہونے کی صورت میں پرانی کچی قبروں کو شہید کر کے اس پر نئی قبر بنادی جاتی ہے تو ایسی صورت میں عوام کے لئے بھی اوپر سے پختہ کروانے کی اجازت ہے۔اسی طرح کفار کے علاقہ میں جہاں مسلمانوں کی کچی قبور کو باآسانی شہید کر کے وہاں قبضہ کرلیا جاتا ہے وہاں چند قبور کو پختہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔عوام کے علاوہ علماء واولیائے کرام کی قبور کو بوجہ تعظیم پختہ کرنا جائز ہے کہ اس میں بہت فوائد ہیں۔

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ: ''علماء مشائخ کی قبور کو اوپر سے پختہ کرنا جائز ہے عوام کے لئے مکروہ۔''
(فتاویٰ امجدیہ، جلد3، صفحہ389، مکتبہ رضویہ، کراچی)

مفتی وقارالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دینی عظمت والے لوگوں کی قبریں اوپر سے پکی بنادینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔البتہ اندر کی طرف کسی ایسی چیز کا لگانا مکروہ ہے جو آگ سے بنائی گئی ہو مثلاً سیمنٹ یا پکی اینٹیں وغیرہ۔''
(وقار الفتاویٰ ، جلد2، صفحہ362، بزم وقارالدین ، کراچی)

مفتی منیب الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں: ''عام مسلمانوں کی قبروں کو پختہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ہاں تعظیم کے لئے اولیاء کرام کی قبور کو پختہ کرنا جائز ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں عظمت واحترام قائم ہو۔''
(تفہیم المسائل، جلد7، صفحہ115، ضیاء القرآن ،لاہور)

فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علمائے متقدمین نے علماء ومشائخ کی قبروں کو صرف باہر سے پختہ بنانا جائز لکھا ہے اور عامہ مومنین کی قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔لیکن اب ہندوستان میں جبکہ کفار اور بعض دنیادار مسلمان ان قبرستانوں پر قبضہ کررہے ہیں کہ جن میں سب قبریں خام ہوتی ہیں۔اس لئے ہر قبرستان میں کچھ قبروں کے پختہ ہونے کی اجازت ہے۔''
(فتاویٰ فیض الرسول، جلد2، صفحہ531، شبیر برادرز،لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''قبر جس قدر میّت سے متصل ہوئی اس اندرونی حصہ کو پختہ کرنا ممنوع ہے اور باہر سے پختہ کرنے میں حرج نہیں، اور معظمان دینی کے لئے ایسا کرنے میں بہت مصالح شرعیہ ہیں۔''
(فتاویٰ رضویہ، جلد9، صفحہ265، رضافاؤنڈیشن،لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خیال رہے کہ قبر میں تین چیزیں ہیں: ایک اس کا اندرونی حصہ جو میت کے جسم سے ملا ہوا ہوتا ہے اسے پختہ کرنا، وہاں لکڑی یا پکی اینٹ لگانا مطلقاً ممنوع ہے خواہ ولی کی قبر ہو یا عام مسلمان کی، جسم میت مٹی میں رہنا چاہئے حتی کہ اگر کسی وقت مجبوراً میت کو تابوت یا صندوق میں دفن کرنا پڑے تب بھی اس کے اندرونی حصے میں

مٹی سے کہگل کردی جائے۔ دوسرا قبر کا بیرونی حصہ جو لوگوں کو نظر آتا ہے اس کا پختہ کرنا عوام کی قبروں میں منع، اولیاء و مشائخ و علماء کی قبور کا جائز کیونکہ عوام کے لیے یہ بیکار ہے اور خاص قبروں کی حرمت و تعظیم کا باعث اسی پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا اور ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر لگایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کے آس پاس چبوترہ پختہ ہو اور تعویذ قبر کچا یہ مطلقاً جائز ہے۔ لہٰذا یہاں قبر سے مراد قبر کا اندرونی حصہ ہے اسی لیئے عَلَی الْقَبْرِ نہ فرمایا گیا، یا عام قبریں مراد ہیں جن سے مشائخ اور علماء کی قبریں مستثنیٰ ہیں۔ ابھی اسی باب میں آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق کی قبور پر عہد صحابہ میں سرخ بجری بچھادی گئی تھی بالکل خام نہ رکھی گئی۔''

(مرأة المناجيح، جلد2، صفحه489، نعيمي كتب خانه، گجرات)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے، اور کریں تو اندر سے کڑا کچا رہے، اوپر سے پختہ کرسکتے ہیں، طول وعرض موافق قبر میّت ہو، اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو اور صورت ڈھلوان بہتر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاویٰ رضويه، جلد9، صفحه425، رضافاؤنڈيشن، لاہور)

اس پورے مسئلے کا حاصل کلام نکلا کہ بلاوجہ قبر اندر اور باہر سے پختہ نہیں کرنی چاہئے کہ یہ مکروہ عمل ہے۔ اگر ضرورت ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ ایک فعل جو بلاضرورت مکروہ ہے، لیکن قارئین وہابی شدت پسندی اور حدیث دانی کا حال دیکھیں کہ اس مسئلہ کو بغیر دلیل کے شرک کے اسباب میں داخل کردیا چنانچہ الإحکام شرح اصول الأحکام میں وہابی مولوی عبد الرحمٰن بن محمد بن قاسم العاصمی القحطانی الحنبلی النجدی (المتوفی 1392ھ) لکھتا ہے "عن جابر رضي الله عنه قال (نهى النبي صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر) أي يبيض بالجص أو بالجير وهو من البدع المحدثة ومن الوسائل المفضية إلى الشرك" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا قبر کو گچ کرنے سے۔ یعنی چونے کے ساتھ سفید کیا جائے۔ یہ نئی ایجاد کردہ بدعت ہے اور شرک کے اسباب میں سے ہے۔

(الإحكام شرح اصول الأحكام، جلد2، صفحه88)

**اعتراض:** اگر کوئی وہابی کہے کہ حدیث پاک میں یہ صراحت نہیں کہ ضرورت کے وقت پکی قبر جائز ہے، لہٰذا حدیث پاک کے مطابق ہر صورت پکی قبر ناجائز ہے۔

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی بات وہی کرسکتا ہے جس کو حدیث کی فہم نہ ہو کئی مسائل میں بغیر قید کے نص وارد ہوتی ہے لیکن ضرورۃً جواز ثابت ہوتا ہے جیسے کالے خضاب کے متعلق کئی احادیث میں وعید وارد ہیں۔ سنن ابوداؤد شریف کی صحیح

حدیث پاک ہے "عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:یَکُونُ قَوْمٌ یَخْضِبُونَ فِی آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ، کَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ، لَا یَرِیحُونَ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ" ترجمہ: آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جو بالوں کو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح کالا کرے گی (اس فعل کی وجہ سے) وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب ماجاء فی خضاب السواد، جلد04، صفحہ87، حدیث4212، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

ایک حدیث پاک میں فرمایا "مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللّٰہُ وَجْھَہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" ترجمہ: جو سیاہ خضاب کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا منہ کالا کرے گا۔ ایک اور روایت میں ہے "ان اللہ تعالی لاینظرالی من یخضب بالسواد یوم القیامۃ" ترجمہ: جو سیاہ خضاب کرے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا۔

لیکن دوران جہاد کالا خضاب جائز ہے جیسا کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی ثابت ہے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ فتاوی ذخیرہ میں فرماتے ہیں "اَلْخِضَابُ بِالسَّوَادِ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ مِنْ الْغُزَاۃِ لِیَکُونَ أَھْیَبَ فِی عَیْنِ الْعَدُوِّ فَھُوَ مَحْمُودٌ مِنْہُ، اتَّفَقَ عَلَیْہِ الْمَشَایِخُ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالَی وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لِیُزَیِّنَ نَفْسَہُ لِلنِّسَاءِ وَلِیُحَبِّبَ نَفْسَہُ إِلَیْھِنَّ فَذٰلِکَ مَکْرُوہٌ وَعَلَیْہِ عَامَّۃُ الْمَشَایِخِ وَبَعْضُھُمْ" ترجمہ: جہاد میں سیاہ خضاب کی اجازت ہے تاکہ دشمن کی نگاہ میں بارعب اور خوفناک ہو جائے اور یہ بالاتفاق اچھا ہے۔ اور اگر اپنے آپ کو عورتوں کے لئے زیب و زینت دے تو یہ مکروہ ہے اور اسی پر عام مشائخ قائم ہیں۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب العشرون فی الزینۃ واتخاذ الخادم للخدمۃ، جلد5، صفحہ359، دار الفکر، بیروت)

کالے خضاب کی بہ نسبت ضرورۃً پکی قبر زیادہ ضروری ہے کیونکہ کالے خضاب سے مجاہدین میں طاقت نہیں آجاتی فقط مشرکین پر رعب ڈالنا مقصود ہے اور جہاں پکی قبر کروانے کی اجازت ہے وہاں پکی قبر نہ ہونے کی صورت میں میت کا کاستر کھلے گا جس کو چھپانا ضروری ہے۔

یوں ہی مساجد کی آرائش ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش و نگار کہ صدرِ اول میں نہ تھے، بلکہ حدیث پاک میں اس سے منع کیا گیا اور اسے یہود و نصاری کا طریقہ کہا گیا چنانچہ سنن ابوداؤد شریف کی صحیح حدیث پاک ہے "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:مَا أُمِرْتُ بِتَشْیِیدِ الْمَسَاجِدِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ:لَتُزَخْرِفُنَّھَا کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَھُودُ وَالنَّصَارَی" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں مساجد کو بلند و پختہ کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم مسجدوں کی آرائش کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے آرائش کی۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب فی بناء المسجد، جلد 1، صفحہ122، حدیث448، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

مگراب وہابیوں کی مساجد سمیت بلانکیر مسلمانوں میں رائج ہے کہ خوبصورت اور نقش نگار سے مزین مساجد تعمیر کی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں مسجد کی تعظیم پیدا کرنے کے لئے ضرورۃً اس کی اجازت دی گئی۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی 743ھ) لکھتے ہیں "(وَلَا نَقْشُهُ بِالْجِصِّ وَمَاءِ الذَّهَبِ) أَيْ لَا يُكْرَهُ نَقْشُ الْمَسْجِدِ بِهِمَا" ترجمہ: چونے اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش بنانا مکروہ نہیں ہے۔

(تبیین الحقائق، کتاب الصلوٰۃ، فصل کرہ استقبال القبلہ، جلد 1، صفحہ 168، المطبعة الكبرى الأميرية، القاہرۃ)

ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری میں احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (المتوفی 923ھ) فرماتے ہیں "استنبط كراهية زخرفة المسجد لاشتغال قلب المصلى بذلك اولصرف المال فى غير وجهه نعم اذا اوقع ذلك على سبيل تعظيم المساجد ولم يقع الصرف عليه من بيت المال فلا باس به ولواوصى بتشييد مسجد وتحميره وتصفيره نفذت وصيّته لانه قدحدث للناس فتاوى بقدر ما احدثوا وقد احدث الناس مؤمنهم و كافرهم تشييد بيوتهم وتزيينها ولو بنينا مساجد نا باللبن وجعلنٰها متطامنة بين الدور الشاهقة و ربما كانت لاهل الذمة لكانت مستهانة" ترجمہ: حدیث سے مستنبط کیا گیا ہے کہ مسجدوں کی آرائش مکروہ ہے کہ نمازی کا خیال بٹے گا یا اس لیے کہ مال بیجا خرچ ہوگا۔ ہاں اگر تعظیم مسجد کے طور پر آرائش واقع ہو اور خرچ بیت المال سے نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، اور اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ اس کے مال سے مسجد کی گچ کاری اور اس میں سرخ وزرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی کہ لوگوں میں جیسی نئی نئی باتیں پیدا ہوتی گئیں ویسے ہی ان کے لیے فتوے نئے ہوئے کہ اب مسلمانوں کافروں سب نے اپنے گھروں کی گچکاری اور آرائش شروع کردی، اگر ہم ان بلند عمارتوں کے درمیان جو مسلمین تو مسلمین کافروں کی بھی ہوں گی کچّی اینٹ اور نیچی دیواروں کی مسجدیں بنائیں تو نگاہوں میں ان کی بے وقعتی ہوگی۔

(ارشاد الساری شرح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب بنیان المساجد، جلد 1، صفحہ 440، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر)

وہابی سمیت پوری دنیا میں مساجد کے مینار بنائے جاتے ہیں تا کہ دور سے مسجد کا پتہ چل جائے حالانکہ حدیث پاک میں اس سے منع کیا گیا تھا چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ، حلیۃ الاولیاء اور السنن الکبری کی حدیث پاک ہے "عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ابْنُوا الْمَسَاجِدَ وَاتَّخِذُوهَا جُمًّا" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسجدیں مُنڈی (بغیر مینار) بناؤ۔

(الكتاب المصنف فى الأحاديث والآثار، كتاب الصلوات، فى زينة المساجد وما جاء فيها، جلد 1، صفحہ 274، حدیث 3153، مكتبة الرشد، الرياض)

یہ چند احادیث پیش کیں ہیں مزید اس پر اور بھی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔

## قبر پر کتابت

وہابیوں کے نزدیک قبر پر کتابت مطلقا ناجائز وحرام بلکہ حسب عادت شرک کے اسباب میں سے ہے۔ قبر پر کتابت کی ممانعت پر المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ النیسابوری (المتوفی 405ھ) روایت کرتے ہیں "عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبْنَى عَلَى الْقَبْرِ، أَوْ يُجَصَّصَ، أَوْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ، وَنَهَى أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے، اسے گچ کرنے، اس پر بیٹھنے سے منع کیا اور اس پر لکھنے سے منع کیا۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب الجنائز، جلد1، صفحه525، حديث1369، دار الكتب العلمية، بيروت)

احناف کے نزدیک بحکم حدیث قبر پر کتابت مکروہ ہے۔ البتہ اگر بطور پہچان بقدر ضرورت کتابت کی جائے تو حرج نہیں۔ حضور علیہ السلام نے بطور نشانی حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پتھر رکھا تھا چنانچہ سنن ابی داود میں ابو داود سلیمان بن الأشعث (المتوفی 275ھ) روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن مظعون کا وصال ہوا تو ان کا جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو ایک پتھر لانے کو کہا۔ اس سے وہ پتھر اٹھایا نہ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کھڑے ہوئے کہنیوں تک کپڑا اچڑھایا پھر اکیلے اس پتھر کو اٹھا کر حضرت عثمان کی قبر کے سرہانے رکھا اور فرمایا "أَتَعَلَّمُ بِهَا قَبْرَ أَخِي، وَأَدْفِنُ إِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِي" ترجمہ: اس پتھر سے میں اپنی بھائی کی قبر کو پہچانوں گا اور میری اہل میں سے جو وفات پائے گا اسے اس کے پاس دفن کروں گا۔

(سنن ابى داود، كتاب الجنائز، باب فى جمع الموتى فى قبر والقبر يعلم، جلد3، صفحه212، حديث3206، المكتبة العصرية، بيروت)

پوری دنیا میں یہ رائج ہے کہ مسلمان اپنے عزیزوں کی قبر کی پہچان کے لئے قبر کے سرہانے تختی پر اس کا نام لکھتے ہیں اور یہ آج سے نہیں صدیوں سے رائج ہے، جنت البقیع اور جنت المعلی میں موجود مزارات پر بھی نام لکھے ہوتے تھے جن کو سعودی نجدی وہابیوں نے ختم کر دیا ہے۔ المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبداللہ الحاکم (المتوفی 405ھ) نے قبر پر کتابت کے متعلق حدیث پاک روایت کرنے کے بعد فرمایا "هَذِهِ الْأَسَانِيدُ صَحِيحَةٌ وَلَيْسَ الْعَمَلُ عَلَيْهَا، فَإِنَّ أَئِمَّةَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الشَّرْقِ إِلَى الْغَرْبِ مَكْتُوبٌ عَلَى قُبُورِهِمْ، وَهُوَ عَمَلٌ أَخَذَ بِهِ الْخَلَفُ عَنِ السَّلَفِ" ترجمہ: یہ اسناد صحیح ہیں لیکن اس پر عمل نہیں ہے کہ بے شک مشرق ومغرب کے ائمہ مسلمین کی قبور پر کتابت ہوتی ہے اور یہ عمل انہوں نے پچھلوں بزرگوں سے لیا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 525، حدیث 1370، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

تفصیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ حدیث پاک میں کس کتابت سے منع کیا ہے اور کس جگہ لکھنے سے منع کیا ہے، اس کے بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں: بعض علماء کہتے ہیں کہ قبر کے تعویذ پر لکھنے سے منع ہے کیونکہ اس میں بے ادبی کا خدشہ ہے۔ عین قبر کے علاوہ قبر کے سرہانے جو تختی ہوتی ہے اس پر لکھنے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ قبر پر لکھنا نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا قبر اور تختی دونوں پر لکھنے کا منع ہے اور فقہائے احناف نے فرمایا اگر بطور پہچان تختی پر میت کا نام ہو تو حرج نہیں۔ حدیث پاک کی ممانعت اس صورت پر محمول ہے جب حاجت سے زائد لکھا جائے یا قرآن پاک لکھا ہو یا میت کی حد سے زیادہ تعریف ہو، ان صورتوں میں کتابت مکروہ ہے۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم المصری (المتوفی 970) فرماتے ہیں "وَفِی الظَّهِیرِیَّةِ، وَلَوْ وُضِعَ عَلَیْهِ شَیْءٌ مِنْ الْأَشْجَارِ أَوْ کُتِبَ عَلَیْهِ شَیْءٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَ الْبَعْضِ اهـ .وَالْحَدِیثُ الْمُتَقَدِّمُ یَمْنَعُ الْکِتَابَةَ فَلْیَکُنْ الْمُعَوَّلَ عَلَیْهِ لَکِنْ فَصَّلَ فِی الْمُحِیطِ فَقَالَ: وَإِنْ اُحْتِیجَ إلَی الْکِتَابَةِ حَتَّی لَا یَذْهَبَ الْأَثَرُ وَلَا یُمْتَهَنَ فَلَا بَأْسَ بِهِ فَأَمَّا الْکِتَابَةُ مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ فَلَا اهـ" ترجمہ: ظہیریہ میں ہے کہ اگر قبر پر کوئی شے درختوں میں سے رکھ دی یا اس پر لکھا تو حرج نہیں بعض کے نزدیک۔ اور حدیث متقدم کتابت سے منع کرتی ہے لہٰذا اسے ہی معتمد ہونا چاہئے۔ لیکن محیط میں فرق کیا گیا کہ اگر کتابت کی حاجت ہو اس طرح کہ نشان نہ ختم ہو جائے اور اہانت نہ ہو تو حرج ہے۔ اگر بغیر عذر ہو تو درست نہیں ہے۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 209، دار الکتاب الإسلامی)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں احمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوی الحنفی (المتوفی 1231ھ) فرماتے ہیں "وفی النوازل لا بأس بتطیینہ وفی التجنیس والمزید لا بأس بتطیین القبور---ولا بأس أیضا بالکتابۃ" ترجمہ: نوازل میں ہے کہ قبر کو لیپ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور تجنیس والمزید میں ہے کہ قبور کو لیپ کرنے میں حرج نہیں۔ اسی طرح قبور پر کتابت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی حملھا و دفنھا، صفحہ 611، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

الدر المختار میں محمد بن علی بن محمد الحنفی الحصکفی (المتوفی 1088ھ) فرماتے ہیں "لَا بَأْسَ بِالْکِتَابَةِ إنْ اُحْتِیجَ إلَیْهَا حَتَّی لَا یَذْهَبَ الْأَثَرُ وَلَا یُمْتَهَنَ" ترجمہ: کتابت میں کوئی حرج نہیں اگر اس کی حاجت ہو تا کہ نشان ختم نہ ہو جائے اور اہانت نہ ہو۔

(درمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی دفن المیت، جلد 2، صفحہ 237، دار الفکر، بیروت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں عثمان بن علی الزیلعی الحنفی (المتوفی 743ھ) فرماتے ہیں"وَقِیلَ لَا بَأْسَ بِالْكِتَابَةِ أَوْ وَضْعِ الْحَجَرِ لِيَكُونَ عَلَامَةً لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَضَعَ حَجَرًا عَلَى قَبْرِ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ" ترجمہ: کہا گیا کہ کتابت اور پتھر رکھنے میں حرج نہیں تا کہ علامت ہو جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے عثمان بن مظعون کی قبر پر پتھر رکھا تھا۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ، کتاب الصلوٰۃ،باب الجنائز،جلد1،صفحہ246،المطبعة الكبرى الأميرية ، القاہرۃ)

البنایہ شرح الہدایہ میں ابو محمد محمود بن احمد الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ)"وكره أبو يوسف أن يكتب عليه .وفى قاضى خان ولا بأس بكتابة شیء ، أو بوضع الأحجار؛ ليكون علامة .وفى المحيط:لا بأس بالكتابة عند العذر" ترجمہ: امام ابو یوسف نے قبر پر لکھنے کو مکروہ فرمایا۔قاضی خان میں ہے کہ کتابت یا پتھر رکھنے میں کوئی حرج نہیں تا کہ علامت ہو۔محیط میں ہے کہ عذر کے تحت کتابت میں حرج نہیں۔

(البناية شرح الهداية، کتاب الصلوٰۃ،تجصيص القبر وتطيينه،جلد3،صفحہ259، دار الكتب العلمية ،بيروت)

مراقی الفلاح شرح متن نور الایضاح میں حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری الحنفی (المتوفی 1069ھ) فرماتے ہیں"وفى النوازل لا بأس بتطيينه وفى الغياثية:وعليه الفتوى ولا بأس أيضا بالكتابة"ترجمہ:نوازل میں ہے کہ لیپ کرنے میں حرج نہیں اور غیاثیہ میں ہے اسی پر فتویٰ ہے۔اسی طرح کتابت میں حرج نہیں۔

(مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح،فصل فى حملها و دفنها،صفحہ226، المكتبة العصرية)

رد المحتار علی الدر المختار میں ابن عابدین محمد امین الدمشقی الحنفی (المتوفی 1252ھ) فرماتے ہیں"(قَوْلُهُ لَا بَأْسَ بِالْكِتَابَةِ إلَخْ) لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْهَا وَإِنْ صَحَّ فَقَدْ وُجِدَ الْإِجْمَاعُ الْعَمَلِيُّ بِهَا، فَقَدْ أَخْرَجَ الْحَاكِمُ النَّهْيَ عَنْهَا مِنْ طُرُقٍ، ثُمَّ قَالَ:هَذِهِ الْأَسَانِيدُ صَحِيحَةٌ وَلَيْسَ الْعَمَلُ عَلَيْهَا، فَإِنَّ أَئِمَّةَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ الْمَشْرِقِ إلَى الْمَغْرِبِ مَكْتُوبٌ عَلَى قُبُورِهِمْ، وَهُوَ عَمَلٌ أَخَذَ بِهِ الْخَلَفُ عَنْ السَّلَفِ اهـ وَيَتَقَوَّى بِمَا أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمَلَ حَجَرًا فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَأْسِ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ وَقَالَ:أَتَعَلَّمُ بِهَا قَبْرَ أَخِي وَأَدْفِنُ إلَيْهِ مَنْ تَابَ مِنْ أَهْلِي فَإِنَّ الْكِتَابَةَ طَرِيقٌ إلَى تَعَرُّفِ الْقَبْرِ بِهَا، نَعَمْ يَظْهَرُ أَنَّ مَحَلَّ هَذَا الْإِجْمَاعِ الْعَمَلِيِّ عَلَى الرُّخْصَةِ فِيهَا مَا إذَا كَانَتْ الْحَاجَةُ دَاعِيَةً إلَيْهِ فِي الْجُمْلَةِ كَمَا أَشَارَ إلَيْهِ فِي الْمُحِيطِ بِقَوْلِهِ وَإِنْ اُحْتِيجَ إلَى الْكِتَابَةِ، حَتَّى لَا يَذْهَبَ الْأَثَرُ وَلَا يُمْتَهَنَ فَلَا بَأْسَ بِهِ .فَأَمَّا الْكِتَابَةُ بِغَيْرِ عُذْرٍ فَلَا اهـ حَتَّى إنَّهُ يُكْرَهُ كِتَابَةُ شَيْءٍ عَلَيْهِ مِنْ الْقُرْآنِ أَوْ الشِّعْرِ أَوْ

إِطْرَاءِ مَدْحٍ لَهُ وَنَحْوِ ذٰلِكَ حِلْيَةٌ مُلَخَّصًا ۔۔۔ فَالْأَحْسَنُ التَّمَسُّكُ بِمَا يُفِيدُ حَمْلَ النَّهْيِ عَلَى عَدَمِ الْحَاجَةِ كَمَا مَرَّ" ترجمہ: صاحب درمختار کا فرمانا کہ کتابت میں حرج نہیں۔ اس لئے کہ کتابت کی ممانعت اگرچہ صحیح ہے لیکن کتابت پر اجماع عملی پایا گیا ہے۔ امام حاکم نے مختلف طرق سے اس کی ممانعت پر احادیث روایت کیں پھر فرمایا: یہ اسناد صحیح ہیں اور اس پر عمل نہیں ہے کہ بے شک مشرق ومغرب کے ائمہ مسلمین کی قبور پر کتابت ہوتی ہے اور یہ عمل انہوں نے پچھلوں بزرگوں سے لیا ہے۔ اس موقف کی مزید تقویت ملتی ہے ابوداود کی اس حدیث سے جو انہوں نے بسند جید روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پتھر حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے رکھا اور فرمایا اس پتھر سے میں اپنی بھائی کی قبر کو پہچانوں گا اور میری اہل میں سے جو وفات پائے گا اسے اس کے پاس دفن کروں گا۔ تو کتابت قبر کی پہچان کا ایک طریقہ ہے۔ ہاں رخصت پر جو اجماع عملی کا ظاہر ہونا ہے یہ اس صورت میں ہے جب کتابت کی حاجت اس کی طرف داعی ہو جیسا کہ محیط میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا اس قول کے ساتھ کہ اگر کتابت کی حاجت ہو تو حرج نہیں تاکہ نشان ختم نہ ہو جائے اور مردہ کی اہانت نہ ہو۔ اگر کتابت بغیر ضرورت کے ہو تو اجازت نہیں۔ کتابت اگر قرآنی ہو یا شعر ہو یا حد سے زیادہ میت کی مدح کی ہو وغیرہ۔ حلیہ ملخص۔ احسن یہ ہے کہ کتابت کی ممانعت کو محمول کیا جائے عدم حاجت پر جیسا کہ گزرا ہے۔

(رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی دفن المیت، جلد 2، صفحہ 237، دار الفکر، بیروت)

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن (سلطان) محمد الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں

"(وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا) قَالَ الْمُظْهِرُ: يُكْرَهُ كِتَابَةُ اسْمِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْقُرْآنِ عَلَى الْقَبْرِ، لِئَلَّا يُهَانَ بِالْجُلُوسِ عَلَيْهِ، وَيُدَاسَ بِالِانْهِدَامِ، وَقَالَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا: وَكَذَا يُكْرَهُ كِتَابَةُ اسْمِ اللّٰهِ وَالْقُرْآنِ عَلَى جِدَارِ الْمَسَاجِدِ وَغَيْرِهَا. قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: وَأَخَذَ أَئِمَّتُنَا أَنَّهُ يُكْرَهُ الْكِتَابَةُ عَلَى الْقَبْرِ سَوَاءٌ اسْمُ صَاحِبِهِ أَوْ غَيْرُهُ فِي لَوْحٍ عِنْدَ رَأْسِهِ، أَوْ غَيْرِهِ، قِيلَ: وَيُسَنُّ كِتَابَةُ اسْمِ الْمَيِّتِ لَا سِيَّمَا الصَّالِحِ لِيُعْرَفَ عِنْدَ تَقَادُمِ الزَّمَانِ، لِأَنَّ النَّهْيَ عَنِ الْكِتَابَةِ مَنْسُوخٌ كَمَا قَالَهُ الْحَاكِمُ أَوْ مَحْمُولٌ عَلَى الزَّائِدِ عَلَى مَا يُعْرَفُ بِهِ حَالُ الْمَيِّتِ اهـ. وَفِي قَوْلِهِ: يُسَنُّ مَحَلُّ بَحْثٍ، وَالصَّحِيحُ أَنْ يُقَالَ: إِنَّهُ يَجُوزُ" ترجمہ: مظہر نے فرمایا: اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور قرآن کی کتابت قبر پر مکروہ ہے کہ کہیں اس قبر پر بیٹھنے کے سبب اس تحریر کی اہانت نہ ہو اور انہدام کے بعد روندا نہ جائے۔ ہمارے بعض علماء نے فرمایا: اسی طرح مکروہ ہے کہ اللہ عزوجل کا نام اور قرآن مساجد کی دیوار اور اس کے علاوہ پر لکھا جائے۔ ابن حجر نے فرمایا: ہمارے ائمہ نے لیا ہے کہ قبر پر

کتابت مکروہ ہے۔ برابر ہے کہ کتابت میں میت کا نام ہو یا کچھ اور لکھا ہو، اس کے سر کی جانب تختی پر یا اس کے علاوہ ہو۔ کہا گیا کہ مسنون ہے کہ میت کا نام لکھا جائے خاص طور پر جو صالح ہوتا کہ لمبے عرصے تک لوگ اس کو پہچانتے رہیں۔ اس لئے کہ کتابت کی ممانعت منسوخ ہے جیسا کہ امام حاکم نے فرمایا یا محمول ہے اس پر کہ کتابت میت کی پہچان سے زیادہ ہو۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) ان کا کہنا کہ یہ سنت ہے یہ محل بحث ہے صحیح یہ ہے کہ جائز کہا جائے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، جلد3، صفحہ1223، دار الفکر، بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''عام قبروں پر جہاں احتیاط نہ ہو سکے اللہ کا نام یا قرآن کی آیت لکھنا منع ہے کہ اس میں بے ادبی کا قوی احتمال ہے، لوگ بھی گزر جاتے ہیں، وہاں جانور بھی گزرتے ہیں، خواص کے مزارات جہاں ان کی بے ادبی کا احتمال نہ ہو وہاں جائز ہے۔ مرقات میں ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں قبر پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا سنت ہے اور لکھنے کی ممانعت کی حدیث منسوخ ہے جیسا کہ حاکم نے فرمایا۔ یہ تمام گفتگو قبر کے تعویذ پر لکھنے میں ہے، اگر قبر کے سرہانے پتھر کھڑا کیا جائے اس پر کچھ لکھا جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔''

(مرآۃ المناجیح، جلد2، صفحہ494، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

وہابیوں کے امام ثناء اللہ امرتسری نے بھی یہ کہا کہ عین قبر پر لکھنے کی ممانعت ہے قبر کے سرہانے جو تختی ہوتی ہے اس پر لکھنے میں حرج نہیں۔ حدیث پاک میں ممانعت عین قبر پر لکھنے میں ہے چنانچہ کہتا ہے: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پتھر ایک صحابی کی قبر پر رکھ کر فرمایا تھا، اس لئے رکھتا ہوں یہ قبر پہچان لیا کروں۔ پتھر پر نام میت لکھوا کر سرہانے کی طرف کھڑا کر دیا جائے تو میرے خیال میں منع نہیں ہے۔ مدینہ شریف کے قبرستان میں آج تک بھی امام مالک کی قبر پر انہی طرح کا ایک پتھر یا لکڑی کی تختی کھڑی ہے۔''

ثناء اللہ امرتسری کے اس جواب پر کسی نے یوں اعتراض کیا: ''مفتی صاحب! اہلحدیث نے پندرہ محرم کے پرچے پر لکھا ہے کہ قبر کے سراہنے پتھر رکھ دیا جائے اور اس پر میت کا نام وغیرہ لکھ دیا جائے تو حرج نہیں۔ حالانکہ ترمذی کی حدیث میں ہے "ینھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان تجصص القبور ویکتب علیھا" پس مطلق قبر پر لکھنا نام ہو یا سن سب منع ہے۔ عبد اللطیف از دہلی۔''

اس اعتراض کے جواب میں ثناء اللہ امرتسری نے کہا: ''آپ نے قبر کے لفظ پر غور نہیں کیا، جو حدیث کا لفظ ہے۔ قبر کوہانی شکل کا نام ہے پتھر اس سے الگ منفصل چیز ہے۔ حدیث کے صریح الفاظ حجت ہیں قیاس کسی کا حجت نہیں، باوجود اس کے میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا۔''

(فتاوی علمائے حدیث، جلد5، صفحہ 277، مکتبہ سعیدیہ، خانیوال

الفقہ المیسر فی ضوء الکتاب والسنۃ غیر مقلدین مولویوں نے بھی بقدر حاجت لکھنے کی اجازت دی ہے چنانچہ لکھا ہے
"ویرفع القبر عن الأرض قدر شبر مسنماً أی علی هیئة السنام لثبوت ذلك فی صفة قبر النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وصاحبیه لیعلم أنه قبر فلا یهان، ولا بأس بوضع أحجار أو غیرها علی أطرافه لبیان حدوده ومعرفته، ویحرم البناء علی القبور وتجصیصها والجلوس علیها، كما یكره الكتابة علیها، إلا بقدر الحاجة للإعلام"
ترجمہ: قبر کو زمین سے ایک بالشت جتنا اونچا کیا جائے گا اونٹ کی کوہان کی ہیئت پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک اور شیخین کریمین کی قبور کوہان کی طرح ہیں۔ قبر کا زمین سے بلند ہونا اس وجہ سے ہے کہ پتہ چلے کہ یہ قبر اور اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ قبر پر پتھر یا کچھ اور اس کے اطراف پر رکھنے میں حرج نہیں تا کہ قبر کی معرفت اور حدود پتہ چل جائے۔ قبور پر عمارت بنانا، اسے گچ کرنا اور اس پر بیٹھنا حرام ہے جیسا کہ اس پر کتابت مکروہ ہے مگر یہ کہ بقدر حاجت پہچان کے لئے ہو۔

(الفقہ المیسر فی ضوء الکتاب والسنۃ، 118، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف)

ان تمام جزئیات سے ثابت ہوا کہ فقہائے کرام نے بقدر حاجت کتابت کی اجازت دی ہے۔ جن فقہاء نے مطلقا کتابت کی اجازت نہیں دی ان کے نزدیک کتابت مکروہ ہے، مکروہ تحریمی ہونے پر بھی سب کا اتفاق نہیں، پھر کسی بھی عالم نے اسے شرک یا اسباب شرک میں سے نہیں کہا۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ میں ہے "اِخْتَلَفَ الْفُقَهَاءُ فِی حُكْمِ الْكِتَابَةِ وَالنَّقْشِ عَلَی الْقَبْرِ. فَیَرَی الْمَالِكِیَّةُ وَالشَّافِعِیَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ كَرَاهَتَهُ، وَقَالَ الدَّرْدِیرُ: وَیَنْبَغِی الْحُرْمَةُ لِأَنَّهُ یُؤَدِّی إِلَی امْتِهَانِهِ. وَیَرَی الْحَنَفِیَّةُ وَالسُّبْكِیُّ مِنَ الشَّافِعِیَّةِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِالْكِتَابَةِ إِنِ احْتِیجَ إِلَیْهَا" ترجمہ: فقہاء نے قبر پر کتابت اور نقش کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ مالکیہ، شوافع، حنابلہ نے مکروہ ٹھہرایا اور دردیر نے کہا کہ حرام ہونا مناسب ہے اس لئے کہ اہانت کی طرف مؤدی۔ حنفیہ اور شوافع میں امام سبکی نے کتابت میں کوئی حرج نہیں اگر اس کی حاجت ہو۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، جلد 41، صفحہ 149، طبع الوزارۃ)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے "وأما الكتابة علی القبر فمكروهة عند الجمهور، سواء اسم صاحبه أو غیره، عند رأسه أم فی غیره۔۔۔ وقال الحنفیة: لا بأس بالكتابة علی القبر إن احتیج إلیها حتی لا یذهب الأثر ولا یمتهن؛ لأن النهی عنها وإن صح، فقد وجد الإجماع العملی بها، فقد أخرج الحاكم النهی عنها من طرق، ثم قال: هذه الأسانید صحیحة، ولیس العمل علیها، فإن أئمة المسلمین من المشرق إلی المغرب مكتوب علی قبورهم، وهو عمل أخذ به الخلف عن السلف، ویتقوی بما أخرجه أبو داود بإسناد جید أن رسول الله صلّی

الله عليه وسلم حمل حجراً، فوضعها عند رأس عثمان بن مظعون، وقال:أتعلم بها قبر أخي، وأدفن إليه من مات من أهلي ، فإن الكتابة طريق تعرف القبر بها .ويباح عندهم أيضاً أن يكتب على الكفن بسم الله الرحمن الرحيم أو يرجى أن يغفر الله للميت .والخلاصة :إن النهي عن الكتابة محمول على عدم الحاجة، ، وأن الكتابة بغير عذر، أو كتابة شيء من القرآن أو الشعر أو إطراء مدح له ونحو ذلك فهو مكروه" ترجمہ:قبر پر کتابت جمہور کے نزدیک مکروہ ہے برابر ہے اس پر میت کا نام ہو یا کچھ اور لکھا ہے، میت کے سرہانے ہو یا کسی اور جگہ ہو۔حنفیہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اگر اس کی حاجت ہوتا کہ نشان ختم نہ ہوجائے اور مردہ کی اہانت نہ ہو۔اس لئے کہ کتابت کی ممانعت اگرچہ صحیح ہے اور اس پر اجماع عملی پایا گیا۔امام حاکم نے مختلف طرق سے اس کی ممانعت پر احادیث روایت کیں پھر فرمایا: یہ اسناد صحیح ہیں اور اس پر عمل نہیں ہے کہ بے شک مشرق ومغرب کے ائمہ مسلمین کی قبور پر کتابت ہوتی ہے اور یہ عمل انہوں نے یہ پچھلوں بزرگوں سے لیا ہے۔اس موقف کی مزید تقویت ملتی ہے ابوداود کی اس حدیث سے جو انہوں نے بسند جید روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پتھر حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے رکھا اور فرمایا اس پتھر سے میں اپنی بھائی کی قبر کو پہچانوں گا اور میری اہل میں سے جو وفات پائے گا اسے اس کے پاس دفن کروں گا۔تو کتابت قبر کی پہچان کا ایک طریقہ ہے۔اسی طرح احناف کے نزدیک مباح ہے کہ کفن پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا جائے اس امید پر کہ اللہ عزوجل اس کی مغفرت فرمادے۔خلاصہ میں ہے کہ کتابت کی ممانعت عدم حاجت پر محمول ہے۔اگر کتابت بغیر ضرورت کے ہو یا قرآن میں سے کچھ لکھا ہو یا شعر ہو یا حد سے زیادہ میت کی مدح کی ہو وغیرہ تو مکروہ ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد2، صفحہ666، دار الفکر، بیروت)

ایک مسئلہ جس کے جواز پر بھی دلائل ہیں اور مکروہ ہونے پر بھی دلائل ہیں وہ مسئلہ ان غیر مقلدوں کے نزدیک شرک کے اسباب میں سے ہے چنانچہ الملخص الفقہی میں وہابی مولوی صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان لکھتا ہے "وروى الترمذى وصححه من حديث جابر مرفوعا:نهى أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن توطأ ولأن هذا من وسائل الشرك " ترجمہ:امام ترمذی نے صحیح حدیث پاک حضرت جابر سے مرفوعا روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کو گچ کرنے اور اس پر لکھنے اور اسے روندنے سے منع کیا کہ یہ شرک کے اسباب میں سے ہے۔

(الملخص الفقہی ،باب فی احکام الجنائز ،جلد1 ،صفحہ312،دار العاصمۃ، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

یہ تو ان غیر مقلدوں کی حدیث دانی اور فقاہت کا حال ہے۔زبردستی ایک مسئلہ کو بغیر دلیل شرک کے اسباب میں داخل کردیا۔

## اولیائے کرام کے مزارات پر گنبد بنانا

المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ النیسابوری (المتوفی 405ھ) روایت کرتے ہیں ”عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبْنَى عَلَى الْقَبْرِ، أَوْ يُجَصَّصَ، أَوْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ، وَنَهَى أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ“ ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے، اسے گچ کرنے، اس پر بیٹھنے سے منع کیا اور اس پر لکھنے سے منع کیا۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الجنائز، جلد1، صفحہ525، حدیث1369، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے وہابی کہتے ہیں کہ کسی بھی قبر (اگرچہ قبر نبی کی ہو یا ولی یا عالم کی) اس کے اردگرد چاردیواری کرنا، چھت پر گنبد بنانا ناجائز وحرام ہے اور اس عمارت کو ختم کرنا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہابیوں کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر بنے سبز گنبد کو بھی گرانا واجب ہے اور ان کے مولوی کا آج بھی نیٹ پر بیان موجود ہے کہ وقت آئے گا تو ہم اسے ضرور گرائیں گے۔

احناف کے نزدیک علمائے کرام واولیائے کرام کے مزارات کے اردگرد چاردیواری کرنا اور چھت پر گنبد بنانا بالکل جائز ہے۔ ائمہ دین نے مزاراتِ حضرات علماء اور مشائخ کرام کے گرد اس غرض سے عمارت بنانا کہ لوگ یہاں آکر دھوپ و بارش سے بچتے ہوئے ان کے لئے اور ان کے توسل سے دعا کریں، قرآن خوانی کریں، جائز فرمایا ہے۔

دراصل دفن کے بعد تعمیر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خود نفسِ قبر پر کوئی عمارت چُنی جائے اس کی ممانعت میں اصلاً شک نہیں کہ قبر کی چھت وہوائے قبر حق میّت ہے اور اس فعل میں اس کی اہانت واذیت، یہاں تک کہ قبر پر بیٹھنا، چلنا ممنوع ہوا نہ کہ عمارت چننا۔ حدیث پاک میں جو ممانعت ہے وہ اسی معنی میں ہے کہ عین قبر پر کوئی عمارت بنائی جائے۔

دوسرے یہ کہ گردِ قبر کوئی چبوترہ یا مکان بنایا جائے، یہ اگر زمین ناجائز تصرف میں ہو جیسے ملک غیر بے اذن مالک یا ارض وقف بے شرط واقف، تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ ایسی جگہ تو مسجد بنانی بھی جائز نہیں اور عمارت تو اور ہے۔ یوں ہی اگر بہ نیت فاسدہ ہو مگر زینت وتفاخر جیسے امراء کی قبور اونچی اور کثیر مال لگا کر بنائی جاتی ہیں، تو یہ بوجہ فساد نیت ممنوع۔ اسی طرح جہاں بے فائدہ محض ہو، جیسے کوئی قبر کسی جنگل میں واقع ہو جہاں لوگوں کا گزر نہیں یا عوام غیر صلحاء کی قبور جن سے نہ کسی کو عقیدت کہ بوجہ تبرک وانتفاع ان کی مقابر پر جائیں تو ایسی صورت میں بوجہ اسراف واضاعت مال ممانعت ہے۔

علماء واولیائے کرام کی قبور پر جو عمارت وگنبد بنائے جاتے ہیں وہ ان تمام مفاسد سے خالی ہوتے ہیں اور اس میں فوائد ہوتے ہیں کہ زائرین جب ان کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں تو دھوپ، بارش سے بچتے ہوئے ان کے قرب میں آرام سے بیٹھ کر دعا وتلاوت کرتے ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے بعد آنے والوں سے اس کا ثبوت موجود ہے چنانچہ صحیح البخاری میں ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (المتوفی 256ھ) روایت کرتے ہیں "لَمَّا مَاتَ الحَسَنُ بْنُ الحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ضَرَبَتِ امْرَأَتُهُ القُبَّةَ عَلَى قَبْرِهِ سَنَةً، ثُمَّ رُفِعَتْ، فَسَمِعُوا صَائِحًا يَقُولُ: أَلاَ هَلْ وَجَدُوا مَا فَقَدُوا، فَأَجَابَهُ الآخَرُ: بَلْ يَئِسُوا فَانْقَلَبُوا" ترجمہ: جب حضرت حسن ابن حسن ابن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) فوت ہوئے تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔ پھر اٹھالیا تو کسی پکارنے والے کو سنا جو کہتا تھا: کیا انہوں نے جو کھویا تھا وہ پالیا دوسرے نے جواب دیا بلکہ مایوس ہو کر چل دیئے۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز ،باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور، جلد2، صفحہ88، دار طوق النجاۃ، مصر)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: ''مرقات نے فرمایا کہ یہ قبہ احباب کے جمع ہونے اور ان کی قبر پر تلاوت قرآن وفاتحہ پڑھنے کیلئے تھا عبث یا ناجائز نہ تھا کہ اہل بیت اطہار ایسا کام کبھی نہیں کرتے خصوصًا صحابہ کی موجودگی میں۔ اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ خود آپ کی بیوی ایک سال تک اس قبہ میں حضرت حسن کی قبر پر رہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس قبہ کے دو حصے ہوں ایک میں آپ رہتی ہوں اور دوسرے حصہ میں احباب جمع ہو کر فاتحہ پڑھتے ہوں۔ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بزرگ کے مزارات پر زائرین کی آسانی کے لیئے گنبد عمارت بنانا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں مجاوروں کا بیٹھنا درست ہے یہ دونوں کام اہل بیت نبوت نے صحابہ کرام کی موجودگی میں کیئے کسی نے منع نہ کیا لہٰذا یہ دونوں عمل سنت صحابہ وسنت اہل بیت ہے اس کی بحث پہلے ہو چکی۔

یہ آواز ہاتف غیبی کی تھی جس میں بتایا گیا کہ کسی کی موت پر بہت غم کرنا، گھر چھوڑ کر جنگل میں بیٹھ جانا مردے کو واپس نہیں لے آتا۔ خیال رہے کہ یہ نداء ہم لوگوں کو سنانے کے لئے ہے نہ کہ اہل بیت نبوت پر عتاب کے لئے، انہوں نے کوئی ناجائز کام نہ کیا تھا اسی لئے اس ندا میں ڈانٹ ڈپٹ یا ان کے اس فعل پر حرام ہونے کا فتویٰ نہیں۔''

(مرأۃ المناجیح، جلد2، صفحہ514، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) روایت کرتے ہیں "عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، أَنَّ عُمَرَ، ضَرَبَ عَلَى قَبْرِ زَيْنَبَ فُسْطَاطًا" ترجمہ: حضرت محمد بن منکدر سے مروی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

حضرت زینب (بنت جحش) کی قبر پر خیمہ بنایا۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الجنائز، فی الفسطاط یضرب علی القبر، جلد3، صفحہ24، حدیث11751، مکتبۃ الرشد، الریاض)

کنز العمال میں علاء الدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی (المتوفی 975ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ بن ابی مالک نے لوگوں سے پوچھا"هل علمتم عمر بن الخطاب ضرب على قبر زينب بنت جحش فسطاطا؟ قالوا: نعم قال: فهل سمعتم عائبا عابه؟ قالوا: لا" ترجمہ: کیا تم جانتے ہو کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زینب بنت جحش کی قبر پر خیمہ لگایا۔ لوگوں نے کہا: ہاں۔ کہا کیا تم نے سنا کہ کسی نے ان پر اعتراض کیا ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں۔

(کنز العمال، کتاب الفضائل، أم المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، جلد 13، صفحہ679، حدیث37800، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

المستدرک میں اس روایت کے بعد مزید راوی کہتا ہے" كَانَ أَوَّلَ فُسْطَاطٍ ضُرِبَ عَلَى قَبْرٍ بِالْبَقِيعِ " ترجمہ: بقیع کی یہ پہلی قبر تھی جس پر خیمہ لگایا گیا۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ذکر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، جلد4، صفحہ25، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

یہ بات اس پر دلالت ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد مزید قبور پر قبے بنائے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جنت البقیع میں صحابہ وتابعین اور دیگر بزرگوں کے مزارات تھے اور ان پر گبند ہونے کی پرانی تصاویر ملتی ہیں۔ جنت البقیع اور جنت المعلیٰ سمیت دیگر قبرستانوں کے متعلق مستند کتب بالخصوص تاریخ وتراجم میں کثیر ائمہ کرام کی قبور پر گنبد بنا ہوا ہونا ثابت ہے اور یہ نقل کرنے والے بڑے بڑے محدثین و علمائے کرام تھے جیسے تاریخ بغداد میں ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) اور سیر اعلام النبلاء میں شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (المتوفی 748ھ) نے کثیر بزرگوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان کی قبور پر گنبد بنے ہوئے ہیں۔

مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن شیبہ میں ہے"عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي عَطَاءٍ، قَالَ: شَهِدْتُ وَفَاةَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَوَلِيَهُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ فَبَنَى عَلَيْهِ بِنَاءً ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ" ترجمہ: عمران بن ابی عطا سے مروی ہے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات پر حاضر تھا، ان کے والی ابن حنفیہ نے ان کی قبر پر تین دن تک خیمہ لگایا۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الجنائز، فی الفسطاط یضرب علی القبر، جلد3، صفحہ24، حدیث11750، مکتبۃ الرشد، الریاض)

بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جو خیمہ کی ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے جب فخر وریا کے طور پر ہو چنانچہ المنتقی شرح الموطا میں ابوالولید سلیمان بن خلف القرطبی الباجی الأندلسی (المتوفی 474ھ) فرماتے ہیں "وَوَجْهُ ذَلِكَ مَنْعُ مَا قَدَّمْنَاهُ مِنْ الْمُبَاهَاةِ وَإِبَاحَةِ مَا عَرَا مِنْهَا، وَأَمَّا الْفُسْطَاطُ يُضْرَبُ عَلَى الْقَبْرِ فَقَدْ قَالَ ابْنُ حَبِيبٍ ضَرْبُهُ عَلَى قَبْرِ الْمَرْأَةِ أَفْضَلُ مِنْ ضَرْبِهِ عَلَى قَبْرِ الرَّجُلِ لِمَا يُسْتَرُ مِنْهَا عِنْدَ إقْبَارِهَا، وَقَدْ ضَرَبَهُ عُمَرُ عَلَى قَبْرِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَكَرِهَ ضَرْبَهُ عَلَى قَبْرِ الرَّجُلِ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَابْنُ الْمُسَيِّبِ وَضَرَبَتْهُ عَائِشَةُ عَلَى قَبْرِ أَخِيهَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَضَرَبَهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ ---- وَإِنَّمَا كَرِهَهُ مَنْ كَرِهَهُ لِمَنْ ضَرَبَهُ عَلَى وَجْهِ السُّمْعَةِ وَالْمُبَاهَاةِ" ترجمہ: ممانعت کی وجہ فخر ہے، جو ہم نے پیچھے ذکر کی ورنہ یہ جائز ہے۔ باقی قبر پر خیمہ لگانا تو ابن حبیب نے فرمایا کہ مرد کی بہ نسبت عورت کی قبر پر خیمہ لگانا افضل ہے کیونکہ اس سے دفنانے کے وقت پردہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر نے زینب جحش کی قبر پر خیمہ بنایا۔ حضرت ابن عمر، ابو ہریرہ اور ابوسعید خدری اور ابن مسیّب نے مرد کی قبر پر خیمہ کو مکروہ جانا۔ حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر خیمہ بنایا۔ محمد ابن حنیفہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر خیمہ بنایا۔ جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لیے جو کہ اس کو فخر وریا کے لئے بنائے۔

(المنتقی شرح الموطإ، کتاب الجنائز، جامع الصلاة علی الجنائز، جلد2، صفحہ23، مطبعة السعادة، مصر)

حدیث پاک میں جو قبر پر عمارت بنانے کی ممانعت آئی ہے وہ اس پر محمول ہے کہ جب عین قبر پر عمارت تعمیر کی جائے کہ اس میں میت کی اہانت ہے۔ شرح سنن ابی داود میں ابو محمد محمود بن احمد الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) فرماتے ہیں "قولہ: وأن یبنی علیہ أی: علی القبر" ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اس پر عمارت نہ بنائی جائے یعنی قبر پر عمارت نہ بنائی جائے۔

(شرح سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب البناء علی القبر، جلد6، صفحہ182، مکتبة الرشد، الریاض)

حاشیۃ السندی علی سنن النسائی میں محمد بن عبد الهادی التتوی نور الدین السندی (المتوفی 1138ھ) فرماتے ہیں "ان یبنی علی القبر قیل یحتمل أن المراد البناء علی نفس القبر" ترجمہ: قبر پر عمارت بنانا، کہا گیا احتمال ہے کہ یہ ممانعت نفس قبر پر عمارت بنانے پر ہے۔

(حاشیة السندی علی سنن النسائی، کتاب الجنائز، جلد4، صفحہ86، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں غیر مقلد مولوی ابوالحسن عبید اللہ بن محمد المبارکفوری (المتوفی 1414ھ) لکھتا ہے "(وأن یبنی علیہ) یحتمل أن المراد البناء علی نفس القبر" ترجمہ: قبر پر عمارت بنانا، کہا گیا احتمال ہے کہ یہ ممانعت نفس

قبر پر عمارت بنانے پر ہے۔

(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، جلد5، صفحه431، إدارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء، الهند)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس طرح کہ قبر پر دیوار بنائی جائے قبر دیوار میں آجائے یہ حرام ہے کہ اس میں قبر کی توہین ہے اسی لئے یہاں علیہ فرمایا گیا حَوْلَہٗ نہ فرمایا یا اس طرح کہ قبر کے آس پاس عمارت یا قبہ بنایا جائے یہ عوام کی قبروں پر ناجائز ہے کیونکہ بے فائدہ ہے علماء و مشائخ کی قبروں پر جہاں زائرین کا ہجوم رہتا ہے جائز ہے تاکہ لوگ اس کے سایہ میں آسانی سے فاتحہ پڑھ سکیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر عمارت اول ہی سے تھی اور جب ولید ابن الملک کے زمانہ میں اس کی دیوار گر گئی تو صحابہ نے بنائی، نیز حضرت عمر نے زینب بنت جحش کی قبر پر، حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر، محمد ابن حنیفہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس کی قبر پر قبے بنائے، دیکھو خلاصۃ الوفاء اور منتقی شرح مؤطا، مرقات نے اس مقام پر اور شامی نے دفن میت کی بحث میں فرمایا کہ مشہور علماء و مشائخ کی قبر پر قبے بنانا جائز ہیں۔

یعنی قبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے یہ حرام ہے کیونکہ اس میں قبر کی توہین ہے لیکن قبر کے پاس تلاوت قرآن کے لئے بیٹھنا یا وہاں کا انتظام کرنے کے لیئے مجاور بن کر بیٹھنا بالکل جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی مجاورہ تھیں اور کلید بردار لوگ آپ سے حجرہ کھلوا کر قبر انور کی زیارت کرتے تھے۔ اسی مشکوٰۃ کے اگلے باب میں بخاری کی روایت سے آرہا ہے کہ حضرت حسن ابن علی کی قبر پر ان کی بیوی صاحبہ نے قبہ بنایا اور وہاں ایک سال تک مجاورہ بن کر بیٹھی رہیں، اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر بہت مجاور رہتے ہیں جنہیں اغوات کہتے ہیں جن کا ایک سردار ہوتا ہے جسے شیخ الاغوات کہا جاتا ہے۔ فقیر نے دوسرے حج میں شیخ الاغوات خلیل عبدالسلام صاحب کی قدم بوسی کی اور تیسرے حج میں شیخ الاغوات خواجہ الیاس کی، ان مجاوروں کو نجدی حکومت بھی نہ ہٹا سکی۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں بیٹھنے سے استنجے کے لیے بیٹھنا مراد ہے یعنی قبر پر پیشاب پاخانہ نہ کرو۔''

(مرأة المناجيح، جلد2، صفحه489، نعيمي كتب خانه، گجرات)

بعض علماء نے حول قبر بنی عمارت کو بھی اس ممانعت میں شامل کیا ہے چنانچہ حاشیۃ السندی علی سنن النسائی میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی 911ھ) لکھتے ہیں ''نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبْنَى عَلَى الْقَبْرِ قَالَ الْعِرَاقِيُّ فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ يَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ الْبِنَاءُ عَلَى نَفْسِ الْقَبْرِ لِيُرْفَعَ عَنْ أَنْ يُنَالَ بِالْوَطْءِ كَمَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ أَوْ أَنَّ الْمُرَادَ النَّهْيُ أَنْ يُتَّخَذَ حَوْلَ الْقَبْرِ بِنَاءٌ'' ترجمہ: قبر پر عمارت بنانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ عراقی نے شرح ترمذی میں فرمایا کہ احتمال ہے کہ اس سے مراد نفس قبر پر عمارت بنانا ہے کہ اسے اونچا کیا جائے تاکہ کسی

کا پاؤں اس پر نہ پہنچ سکے جیسا کہ کثیر لوگ کرتے ہیں۔ یا اس ممانعت سے مراد قبر کے اردگرد عمارت بنانا ہے۔
(حاشیة السندی علی سنن النسائی ،کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، جلد4، صفحہ86، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

اگر حول القبر تعمیرات کو بھی اس حدیث میں لے لیا جائے تو اس سے مراد عوام کی قبور ہیں کہ ان کی قبر پر عمارت بے فائدہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح میں احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی (المتوفی 1231ھ) فرماتے ہیں "ویکره البناء علیه ظاهر إطلاقه الكراهة أنها تحریمیة" ترجمہ: قبر پر عمارت مکروہ ہے اور ظاہر مکروہ کا اطلاق تحریمی ہے۔
(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی حملها ودفنها، صفحہ611، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اسنی المطالب فی شرح روض الطالب میں زکریا بن محمد بن زکریا الأنصاری (المتوفی 926ھ) لکھتے ہیں "لِأَنَّ الْمَوْتَى صَائِرُونَ إلَى الْبِلَى فَلَا يَلِيقُ بِهِمْ الْعِمَارَةُ نَعَمْ يَنْبَغِي اسْتِثْنَاءُ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِينَ" ترجمہ: اس لئے کہ مردے گل سڑ جاتے ہیں پس ان کے لئے عمارت بے فائدہ ہے ہاں انبیاء، علماء اور صالحین (علیہم السلام والتسلیم) کی قبور کا استثنیٰ ہونا چاہئے۔
(اسنی المطالب فی شرح روض الطالب، کتاب الوقف، فصل لو وقف علی سبیل البر أو الخیر، جلد2، صفحہ461، دار الکتاب الإسلامی)

اولیائے کرام وعلمائے دین کی قبور کے اردگرد چاردیواری کر کے اور چھت پر جو گنبد بنایا جاتا ہے یہ اس حدیث پاک کے خلاف نہیں ہے۔ علمائے احناف نے اس کی اجازت دی ہے۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن (سلطان) محمد الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) "قُلْتُ: فَيُسْتَفَادُ مِنْهُ أَنَّهُ إِذَا كَانَتِ الْخَيْمَةُ لِفَائِدَةٍ مِثْلَ أَنْ يَقْعُدَ الْقُرَّاءُ تَحْتَهَا فَلَا تَكُونُ مَنْهِيَّةً .قَالَ ابْنُ الْهُمَامِ :وَاخْتُلِفَ فِي إِجْلَاسِ الْقَارِئِينَ لِيَقْرَءُوا عِنْدَ الْقَبْرِ، وَالْمُخْتَارُ عَدَمُ الْكَرَاهَةِ اهـ وَقَدْ أَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلَى قَبْرِ الْمَشَايِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالْمَشْهُورِينَ لِيَزُورَهُمُ النَّاسُ، وَيَسْتَرِيحُوا بِالْجُلُوسِ فِيهِ" ترجمہ: میں نے کہا: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر خیمہ کسی فائدہ کے لئے ہو جیسے وہاں بیٹھ کر تلاوت کی جائے گی تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ ابن ہمام نے فرمایا: قبر کے پاس بیٹھ کر قاریوں کے قراءت کرنے میں اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز فرمایا ہے تا کہ ان کی زیارت کریں۔ اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔
(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، جلد3، صفحہ1217، دار الفکر، بیروت)

رد المحتار علی الدر المختار میں ابن عابدین محمد امین الدمشقی الحنفی (المتوفی 1252ھ) فرماتے ہیں "وَقِيلَ لَا يُكْرَهُ الْبِنَاءُ

إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمَشَايِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ اهـ قُلْتُ: لَكِنْ هَذَا فِي غَيْرِ الْمَقَابِرِ الْمُسَبَّلَةِ كَمَا لَا يَخْفَى" ترجمہ: کہا گیا کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔ لیکن یہ تب جائز ہے جب وقف قبرستان میں ایسا نہ ہو جیسا کہ مخفی نہیں۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الجنائز، مطلب فی دفن المیت، جلد2، صفحہ237، دار الفکر، بیروت)

روح البیان میں اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستانبولی الحنفی (المتوفی 1127ھ) فرماتے ہیں "فبناء قباب على قبور العلماء و الاولياء و الصلحاء امر جائز اذا كان القصد بذلك التعظيم فى اعين العامة حتىٰ لا يحتقروا صاحب هذا القبر و كذا إيقاد القناديل و الشمع عند قبور الأولياء و الصلحاء من باب التعظيم و الإجلال ايضا للاولياء فالمقصد فيها مقصد حسن" ترجمہ: علماء، اولیاء اور صالحین کرام کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں صاحبِ قبر کی تعظیم پیدا کرنا ہو کہ لوگ اسے حقیر نہ سمجھیں۔ اسی طرح اولیاء اور صلحاء کے مزار کے پاس شمع اور قندیل جلانا درست ہے کہ اس میں بھی ان کی عزت و عظمت ہے جو کہ اچھا مقصد ہے۔

(روح البیان، فی التفسیر سورۃ التوبہ، سورت9، آیت18، جلد3، صفحہ400، دار الفکر، بیروت)

اس مسئلہ کو دلائل سے واضح کرتے ہوئے امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "ائمہ دین نے مزاراتِ حضرات علماء و مشائخ قدست اسرارہم کے گرد زمین جائز التصرف میں اس غرض سے کہ زائرین و مستفیدین راحت پائیں عمارت بنانا جائز رکھا اور تصریحات فرمائیں کہ علت منع نیت فاسدہ یا عدم فائدہ ہے۔ تو جہاں نیت محمود اور نفع موجود منع مفقود۔ تفصیل صور و تحقیق اغر اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر پہلے عمارت بنالی جائے بعدہ اس میں دفن واقع ہو جب تو مسئلہ بناء علی القبر سے متعلق ہی نہیں کہ یہ اقبار فی البناء ہے، نہ بناء علی القبر۔ علامہ طرابلسی برہان شرح مواہب الرحمٰن، پھر علامہ شرنبلالی غنیۃ ذوی الاحکام، پھر علامہ سید ابو السعود ازہری فتح اللہ المعین، پھر علامہ سید احمد مصری حاشیتین در و مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں "واللفظ للغنية قال قال فى البرهان يحرم البناء عليه للزينة ويكره للاحكام بعد الدفن لا الدفن مقام بنى فيه قبله لعدم كونه قبر حقيقة بدونه" الفاظ غنیۃ کے ہیں کہا کہ برہان میں ہے کہ قبر پر زینت کے لیے عمارت بنانا حرام ہے اور دفن کے بعد پختگی و مضبوطی کے لیے بنانا مکروہ ہے، جہاں پہلے سے عمارت تھی وہاں دفن مکروہ نہیں کیونکہ بغیر دفن کے وہ جگہ حقیقۃً قبر نہیں۔

اور اگر دفن کے بعد تعمیر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خود نفسِ قبر پر کوئی عمارت چنی جائے اس کی ممانعت میں

اصلاً شک نہیں کہ سقفِ قبر وہوائے قبر حق میّت ہے، معہذا اس فعل میں اس کی اہانت واذیت، یہاں تک کہ قبر پر بیٹھنا، چلنا ممنوع ہوا نہ کہ عمارت چننا، ہمارے بہت علمائے مذہب قدست اسرارہم نے احادیث وروایات نہی عن النباء سے یہی معنیٰ مراد لیے اور فی الواقع بناء علی القبر کے حقیقی معنیٰ یہی ہیں۔ گرد قبر کوئی مکان بنانا حول القبر ہے نہ کہ علی القبر۔ جیسے صلوٰۃ علی القبر کی ممانعت بجنب القبر کو شامل نہیں" کما نص علیه العلماء قاطبة و بیناه فی فتاوٰنا " (جیسا کہ علماء نے بالاتفاق اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔)

امام فقیہ النفس فخر الملۃ والدین اوزجندی خانیہ میں فرماتے ہیں"لا یجصص القبر لماروی عن البنی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم انه نهی عن التجصیص و التقضیض وعن البناء فوق القبر، قالوا اراد بالبناء السفط الذی یجعل علی القبر فی دیارنا لماروی عن ابی حنیفة رحمه اللّٰہ تعالیٰ انه قال لایحصص القبر ولا یطین ولا یرفع علیه بناء وسفط " قبر کو گچ سے پکانہ کیا جائے گا اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے گچ اور چونے سے پختہ کرنے سے اور قبر کے اوپر عمارت بنانے سے ممانعت فرمائی ہے۔علماء نے فرمایا عمارت سے مراد وہ سفط ہے جو ہمارے دیار میں قبر پر بنایا جاتا ہے اس لیے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: قبر کو گچ اور گارے سے پختہ نہ کیا جائے اور نہ اس پر عمارت اور سفط بلند کیا جائے۔

امام طاہرین بن عبدالرشید بخاری خلاصہ میں فرماتے ہیں"لا یرفع علیه بناء قالوا ارادبه السفط الذی نجعل فی دیارنا علی القبور وقال فی الفتاوی الیوم اعتاد واالسفوط " اس پر کوئی عمارت اونچی نہ کی جائے،علماء نے فرمایا: اس سے وہ سفط مراد ہے جو ہمارے دیار میں قبروں پر بنایا جاتا ہے اور فتاوٰی میں ہے کہ اس زمانے میں سفطوں کی عادت ہو چکی ہے۔

رحمانیہ میں نصاب الاحتساب سے ہے"لایجوز لاحد ان یبنی فوق القبور بیتا اومسجدا لان موضع القبر حق المقبور فلا یجوز لاحد التصرف فی هواء قبره " قبر کے اوپر گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں اس لیے کہ قبر کی جگہ میّت کا حق ہے تو کسی کے لیے اس قبر کی فضا میں تصرف روا نہ ہوگا۔

ہندیہ میں ہے"یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیّت " قبروں پر چلنے سے گنہگار ہوگا اس لیے کہ قبر کی چھت حقِ میّت ہے۔

دوسرے یہ کہ گرد قبر کوئی چبوترہ یا مکان بنایا جائے، یہ اگر زمین ناجائز تصرف میں ہو جیسے ملک غیر بے اذن مالک یا ارض

وقف بے شرط واقف، تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ ایسی جگہ تو مسجد بنانی بھی جائز نہیں اور عمارت تو اور ہے" ولـذ الـنـقـل فـی الـمـرقـاة عـن الازهاران النهى للحرمة فى المقبرة المسبلة ويجب الهدم وان كان مسجدا " اسی لیے مرقات میں ازہار سے نقل ہے کہ عام وقفی قبرستان میں تعمیر حرام ہونے کی وجہ سے نہی ہے اور اسے ڈھا دینا ضروری ہے اگر چہ مسجد ہی ہو۔

یوں ہی اگر بہ نیت فاسدہ ہو مگر زینت وتفاخر جیسے امراء کی قبور پر ابنیہ رفیعہ بمصارف وسیعہ اس غرض سے بنائے جاتے ہیں، تو یہ بوجہ فساد نیت ممنوع" كما مر عن البرهان ومثله فى نور الايضاح وغيره" (جیسا کہ برہان کے حوالے سے گزرا اور اسی کے مثل نور الایضاح وغیرہ میں ہے۔)

اسی طرح جہاں بے فائدہ محض ہو، جیسے کوئی قبر کسی بَن میں واقع ہو جہاں لوگوں کا گزر نہیں یا عوام غیر صلحا کی قبور جن سے نہ کسی کو عقیدت کہ بجہت تبرک وانتفاع ان کی مقابر پر جائیں نہ ان کے دنیادار ورثا سے امید کہ وہی جاڑے، گرمی، برسات مختلف موسموں میں بقصدِ زیارت قبر ونفع رسانیِ میّت وہاں جاکر بیٹھا کریں گے، قرآن وذکر میں مشغول رہیں گے یا بروجہ جائز قراء وذاکرین کو وہاں مقرر رکھیں گے، ایسی صورت میں بوجہ اسراف واضاعت مال نہی ہے، علامہ تورپشتی فرماتے ہیں" منـهـى لعدم الفائدة فيه "ممنوع ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔

مجمع بحار الانوار میں ہے" منهى عنه لعدم الفائدة "بے فائدہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

مرقاۃ میں ہے" وقال بعض الشراح من علمائنا ولاضاعة المال "اور ہمارے بعض علمائے شارحین نے فرمایا اور اضاعت مال کی وجہ سے بھی۔

جہاں ان سب محذورات سے پاک ہو وہاں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ ولہٰذا مولانا علی قاری نے بعد نقل کلام مذکور تورپشتی فرمایا" قـلـت فيستـفـاد منه انه اذا كانت الخيمة لفائدة مثل ان يقعد القراء تحتها فلا تكون منهية، قال ابن الهمام واختلف فى اجلاس القارئين ليقرؤوا عند القبر والمختار عدم الكراهة " میں کہتا ہوں تو اس سے مستفاد ہوا کہ جب خیمہ کسی فائدہ کے تحت ہو مثلاً یہ کہ قرآن پڑھنے والے اس کے نیچے بیٹھیں گے تو ممنوع نہ ہوگا۔ ابن ہمام نے فرمایا: قبر کے پاس بیٹھ کر پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ کراہت نہیں۔

شیخ الاسلام کشف الغطاء میں فرماتے ہیں" اگـر غـرضـے صـحـيـح داشتـه باشد دراں باك نيست بآں چنانكه دربنائے قبر به نيت آسائش مردم وچراغ افروختن درمقابر بقصد دفع ايذائے مردم از تاريكى راه ونحو آں گفته

اند، کذا یفھم من شرح الشیخ "اگر کوئی صحیح غرض ہوتو اس میں حرج نہیں جیسے لوگوں کے آرام کے لیے قبر کے پاس عمارت بنانے اور راستے کی تاریکی سے لوگوں کی تکلیف دفع کرنے کے لیے قبرستان میں چراغ جلانے اور اس طرح کے کاموں میں علماء نے فرمایا ہے۔ شیخ کی شرح سے ایسا ہی سمجھ میں آتا ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے "عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنھا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال فی مرضه الذی مات فیه لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاء ھم مسجدا قالت ولولا ذاك لابرزوا قبره" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہے کہ حضور نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا: یہود ونصاریٰ پر خدا کی لعنت ہوانہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ اگر یہ ارشاد نہ ہوتا تو حضور کی قبر انور نمایاں رکھی جاتی۔

علامہ قسطلانی ارشاد الساری میں زیر حدیث مذکور لکھتے ہیں "لکن لم یبرزوه ای لم یکشفوه بل بنوا علیه حائلا "لیکن اسے نمایاں اور منکشف نہ رکھا بلکہ اس پر ایک حائل بنادیا۔

جذب القلوب میں فرمایا "چوں دفن سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالٰی علیه وعلی آلہٖ وسلم بموجب حکمِ الٰھی ھم درحجرہ شریفه شد۔ عائشه صدیقه نیز درخانه خود ساکن می بودومیان او و قبرشریف پرده نه بود، و در آخر بسبب جرأت و عدم تحاشی مردم از درآمدن برقبرشریف وبرداشتن خاك ازاں خانه را دوقسم ساخت ودیوارے درمیان مسکن خود وقبر شریف کشید وبعد ازاں که امیر المومنین عمر درمسجد زیادت کرده حجره راازخشت خام بناکردو تازمان حدوث عمارت ولید ایں حجره ظاھر بود عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید بن عبدالملك آں راھدم کردو بحجاره منقوشه برآورد۔ برظاھر آں حظیره دیگر بناکرد وھیچکدام ازیں دودرے نگذاشت از عروه روایت می کنند که وے به عمربن عبدالعزیز گفت، اگر حجره شریفه رابرحالِ خود گزارند وعمارتے گردآں برآرند احسن باشد" جب سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم الٰہی کے باعث حجرہ شریفہ ہی میں دفن کردیا گیا عائشہ صدیقہ بھی اپنے گھر میں سکونت پذیر تھیں، ان کے اور قبر شریف کے درمیان پردہ نہ تھا، آخر میں قبر شریف کے پاس بیباکی سے لوگوں کے بے تحاشہ آنے اور وہاں کی خاک لے جانے کی وجہ سے گھر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا اور اور اپنے مسکن اور قبر شریف کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی۔ جب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

مسجد میں اضافہ کیا تو حجرہ کی عمارت کچی اینٹوں کی بنادی۔ ولید کے زمانہ کی تعمیر جدید تک یہ حجرہ ظاہر تھا۔ عمر بن عبد العزیز نے ولید بن عبد الملک کے حکم سے اسے منہدم کر کے منقش پتھروں سے بنایا اور اس کے بیرونی حصہ پر ایک اور حظیرہ بنایا اور ان دو دروازوں میں سے کوئی نہ چھوڑا۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عمر بن عبد العزیز سے کہا اگر حجرہ شریف کو اپنے حال پر رکھتے اور اس کے گرد ایک عمارت بنا دیتے تو بہتر ہوتا۔

لاجرم ائمہ کرام نے گردِ قبورِ علماء و مشائخ قدست اسرارہم اباحتِ بنا کی تصریح فرمائی۔ علامہ طاہر فتنی بعد عبارت مذکورہ فرماتے ہیں "وقد اباح السلف ان یبنی علی قبر المشایخ والعلماء المشاهیر لیزورهم الناس و یستریحوا بالجلوس فیه" سلف نے مشہور علماء و مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کی اجازت دی ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آئیں اور اس میں بیٹھ کر آرام پائیں۔

بعینہ اسی طرح علامہ علی قاری مکی نے بعد عبارت مسطورہ ذکر فرمایا کہ "وقد اباح السلف البناء" سلف نے علماء و مشائخ کی قبور پر عمارت بنانے کی اجازت کی ہے۔

کشف الغطاء میں ہے "درمطالب المومنین گفته که مباح کرده اند سلف بناء رابر قبر مشائخ علمائے مشهور تامردم زیارت کنند و استراحت نمایند بجلوس درآں ولیکن اگر برائے زینت کنند حرام است و درمدینه مطهره بنائے قبها بر قبور اصحاب درزمان پیش کرده اند ظاهر آنست که آں بتجویز آں وقت باشدو برمرقدِ منور آنحضرت صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم نیز قبه عالی ست" مطالب المومنین میں لکھا ہے کہ سلف نے مشہور علماء و مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانا مباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کریں اور اس میں بیٹھ کر آرام لیں، لیکن اگر زینت کے لیے بنائیں تو حرام ہے۔ مدینہ منورہ میں صحابہ کی قبروں پر اگلے زمانے میں قبے تعمیر کئے گئے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت جائز قرار دینے سے ہی یہ ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرقدِ انور پر بھی ایک بلند قبہ ہے۔

نور الایمان میں ہے "قدنقل الشیخ الدهلوی فی مدارج عن مطالب المومنین ان السلف اباحوا ان یبنی علی قبر المشایخ والعلماء المشهورین قبة لیحصل الاستراحة الزائرین و یجلسون فی ظلها وهکذا فی المفاتیح شرح المصابیح وقد جوزه اسمٰعیل الزاهدی الذی من مشاهیر الفقهاء" شیخ محقق دہلوی نے مدارج النبوۃ میں مطالب المومنین سے نقل کیا ہے کہ سلف نے مشہور مشائخ و علماء کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز و مباح رکھا ہے تاکہ زائرین کو آرام ملے اور

اس کے سائے میں بیٹھ سکیں۔ اسی طرح مفاتیح شرح مصابیح میں بھی ہے اور مشاہیر فقہاء میں سے اسمٰعیل زاہدی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔

علامہ سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں صراحۃً فرمایا کہ اس میں کچھ کراہت بھی نہیں "حیث قال فی مسألة الدفن فی الفساقی ان فی نحو قرافة مصر لایتأتی للحدو دفن الجماعة لتحقق الضرورة واماالبناء فقدم تقدم الاختلاف فیه، واما الاختلاط فللضرورة، فاذا فعل الحاجزبین الاموات فلا کراهة " تہ خانوں کے اندر تدفین کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: قرافہ مصر جیسی جگہ میں لحد نہیں بن پاتی اور کئی ایک آدمیوں کو ایک ساتھ دفن کرنا مجبوری کی وجہ سے ہے۔ رہی تعمیر تو اس بارے میں خلاف گزر چکا ہے، اور اختلاط تو مجبوراً ہے۔ اگر مُردوں کے درمیان آڑ کردی جائے تو کوئی کراہت نہیں۔

نہایت یہ کہ امام اجل ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی نے تنویر الابصار و جامع البحار پھر علامہ محقق علاء الدین محمد دمشقی نے شرح تنویر پھر فاضل جلیل سیّدی احمد مصری نے حاشیہ مراقی میں تصریح وتقریر فرمائی کہ قولِ جواز ہی مختار و مفتی بہ ہے۔ "وھذا لفظ العلامة الغزی لایرفع علیه بناء، وقیل لاباس به وھوالمختار " یہ علامہ غزّی کی عبارت ہے: اس پر کوئی عمارت بلند نہ کی جائے اور کہا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی مختار ہے۔

بعد تصریح صریح افتاء وترجیح، مجال کلام کیا ہے "ھذا ینبغی تحقیق المقام بتوفیق الملك المنعم العلام وبه یحصل التوفیق بین کلمات الاعلام واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم" اس مقام کی تحقیق اسی طرح ہونی چاہئے بادشاہ محسن علاّم کی توفیق سے اور اسی سے علمائے اعلام کے کلمات میں تطبیق بھی ہوجاتی ہے۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم زیادہ کمال واستحکام والا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ413۔-، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

المختصر یہ کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے مزارات پو گنبد بنانا بالکل جائز ہے اس پر کثیر دلائل پیش کئے جاچکے ہیں۔ وہابیوں کے پاس کسی ایک بھی مستند عالم کا قول نہیں جس میں ہو کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی قبور پر گنبد بنانا ناجائز وحرام ہے۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی وہابیوں کی ہٹ دھرمی ہے جو انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور اولیائے کرمزارات کو شہید کرنا جہادِ عظیم سمجھتے ہیں۔ ان نام نہاد مجاہدوں نے کبھی ڈانس کلب اور شراب خانے ختم نہیں کئے اگر کئے ہیں تو فقط مزارات ختم کئے ہیں۔ حدیث کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے اسے کھینچ تان کر دوسرے معنی میں لے جا کر مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

## انبیاء واولیائے کرام اور عوام الناس کی قبور کو شہید کرنا

اہل سنت کے نزدیک قبر زمین سے اونچی ہوتا کہ اس کی پہچان باقی رہے۔ مستحب ہے کہ ایک بالشت زمین سے اونچی ہو یا ایک بالشت سے تھوڑی زیادہ اونچی ہو جائے تو حرج نہیں لیکن زیادہ اونچی قبر ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور صدیوں سے آج تک سنت متوارثہ یہی چلی آرہی ہے کہ قبر زمین سے اونچی ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبور کے متعلق سنن ابی داود میں ابوداود سلیمان بن الأشعث (المتوفی 275ھ) روایت کرتے ہیں "عَنِ الْقَاسِمِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّهِ اكْشِفِي لِي عَنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَيْهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَكَشَفَتْ لِي عَنْ ثَلَاثَةِ قُبُورٍ لَا مُشْرِفَةٍ، وَلَا لَاطِئَةٍ مَبْطُوحَةٍ بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَاءِ" ترجمہ: حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا اے میری ماں! میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دونوں اصحاب (حضرت ابو بکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی قبر کھول دیجئے۔ پس انہوں میرے لئے تینوں قبریں کھول دیں، جو نہ تو بہت بلند تھیں اور نہ بالکل زمین سے ملی ہوئیں۔ اور ان پر میدان کی سرخ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔

(سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی تسویة القبر، جلد3، صفحه215، المکتبة العصریة، بیروت)

نیل الاوطار میں وہابی مولوی شوکانی (المتوفی 1250ھ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبور کے متعلق لکھتا ہے "قوله: (ولا لاطئة) أی ولا لازقة بالأرض "کہ زمین سے چپکی ہوئی نہ تھیں۔

(نیل الأوطار، کتاب الجنائز، باب تسنیم القبر ورشه بالماء وتعلیمه لیعرف و کراہة البناء والکتابة علیه، جلد4، صفحه 101، دار الحدیث، مصر)

کیونکہ قبر کو اگر زمین کے برابر کر دیا جائے گا تو قبر کی پہچان نہ رہنے کے سبب لوگ اس پر پاؤں رکھیں گے، جبکہ احادیث میں سختی سے قبر پر پاؤں رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لَأَنْ أَمْشِيَ عَلَى جَمْرَةٍ، أَوْ سَيْفٍ، أَوْ أَخْصِفَ نَعْلِي بِرِجْلِي، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَمْشِيَ عَلَى قَبْرِ مُسْلِمٍ" ترجمہ: چنگاری یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں۔

(سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی النهی عن المشی علی القبور، جلد1، صفحه 499، دار احیاء الکتب العربیة، الحلبی)

الترغیب والترہیب میں عبدالعظیم بن عبدالقوی زکی الدین المنذری (المتوفی 656ھ) لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا"لِأَن أَطأ علی جَمرَة أحب إِلَیّ من أَن أَطأ علی قبر مُسلم" ترجمہ: بے شک مجھے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پسند ہے۔

(الترغیب والترہیب ،الترہیب من الجلوس علی القبر الخ،جلد4،صفحہ372، مصطفی البابی مصر)

وہابیوں کے نزدیک نبی ہو یا ولی یا عوام سب کی قبور کو زمین کے برابر کردینا واجب ہے چنانچہ وہابی مولوی نواب نور الحسن خان اپنی کتاب عرف الجادی میں لکھتا ہے: ''اونچی قبروں کو زمین کے برابر کردینا واجب ہے چاہے نبی کی قبر ہو یا ولی کی۔''

(عرف الجادی، صفحہ60، ماخوذ از،رسائل اہل حدیث،حصہ اول، جمعیۃ اہل سنۃ،لاہور)

وہابیوں کا امام ابن عبدالوہاب نجدی خارجی نے تو یہاں تک کہہ دیا: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مزار گرادینے کے لائق ہے اگر میں اس کے گرادینے پر قادر ہو گیا تو گرادوں گا۔'' (اوضح البراہین)

وہابیوں نے سعودیہ پر قبضہ کرکے ابن عبدالوہاب نجدی خارجی کے خواہش کو پورا کرنے کی پوری کوشش کی گنبد خضراء کو شہید کرنے کی کوشش کی اور ناکام ہوئے آج بھی اس کوشش میں مصروفِ عمل ہیں۔ پچھلے دنوں سعودی وہابی مفتی نے سعودی حکومت سے کہا کہ حضور علیہ السلام کی قبر مبارک کو مسجد نبوی سے جنت البقیع میں منتقل کردیا جائے۔ اس پر پوری دنیا میں سعودیہ پر لعن طعن ہوئی تو وہ اس عمل سے باز رہے۔

وہابی اپنے اس باطل موقف پر جس حدیث پاک کو پیش کرتے ہیں وہ مسلم شریف کی یہ حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ يَحْيَى:أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ، قَالَ:قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ:أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ" ترجمہ: ابوہیّاج اسدی سے مروی ہے مجھ سے امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مامور فرما کر بھیجا کہ جو تصویر دیکھو اسے مٹادو اور جو قبر اونچی پاؤ اسے برابر کردو۔

(صحیح مسلم ،کتاب الجنائز ،باب الأمر بتسویة القبر،جلد2،صفحہ666،حدیث969،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

اس حدیث کی سند میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہی سفیان ثوری جب ترک رفع یدین والی حدیث میں تھے تو مدلس ضعیف تھے، اب جب اس حدیث پاک میں ہیں تو وہابیوں کے نزدیک نہ یہ حدیث صحیح بلکہ اس سے قبریں شہید کرنا واجب

ثابت ہوتا ہے۔ وہابیوں نے اس حدیث کو دلیل بنا کر مکہ و مدینہ اور دیگر مقامات پر صحابہ و بزرگان دین کی قبروں کو نہ صرف شہید کر رہے ہیں بلکہ اس کام کو بہت بڑا ثواب سمجھتے ہیں۔ داعش جیسی دہشت گرد تنظیمیں اسی نظریہ کو لے کر انبیاء کرام وصحابہ کرام کے مزارات کو شہید کر رہی ہیں۔

جبکہ اس حدیث پاک کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کی قبور کو زمین کے برابر کر دیا جائے کیونکہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن دفن کا انتظام بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ اگر اس حدیث پاک کا یہ مطلب ہوتا کہ ہر قبر کو زمین کے برابر کر دو، تو کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک زمین سے بلند نہ رکھتے۔

ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قبروں کو زمین کے برابر کر دو۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کن لوگوں کی قبروں کو توڑنے کے لئے بھیجا تھا؟ کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی قبریں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں بنائی جاتی تھیں جو ہرگز غیر شرعی نہیں ہو سکتی تھیں۔ دراصل اس حدیث پاک کا مطلب ہے کہ عیسائیوں کی قبریں حد سے زیادہ بڑی ہوتی ہیں اور ان میں تصویریں لگی ہوتی ہیں، ان کو ختم کرنے کے لئے بھیجا تھا اور کافروں کی قبروں کو زمین کے برابر کر دینے کی بھی اجازت ہے۔

اگر اس حدیث پاک کو مسلمانوں کی قبروں پر بھی منطبق کیا جائے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کی قبریں زمین کے برابر کر دی جائیں بلکہ اس کا مطلب ہے کہ جو قبر زمین سے حد درجہ بلند ہو اسے کم کر دیا جائے اور یہ کم کرنا فرض و واجب نہیں بلکہ مستحب عمل ہے۔ اس حدیث پاک کی شرح میں محدثین نے یہی فرمایا ہے۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن (سلطان) محمد الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں "فِي الْأَزْهَارِ قَالَ الْعُلَمَاءُ: يُسْتَحَبُّ أَنْ يُرْفَعَ الْقَبْرُ قَدْرَ شِبْرٍ، وَيُكْرَهُ فَوْقَ ذٰلِكَ، وَيُسْتَحَبُّ الْهَدْمُ" ترجمہ: ازہار میں ہے کہ علماء کرام نے فرمایا کہ مستحب ہے کہ قبر زمین سے ایک بالشت اونچی ہو۔ قبر کا ایک بالشت سے زیادہ ہونا مکروہ ہے۔ ایک بالشت سے زیادہ کو گرا دینا مستحب ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، جلد3، صفحہ1216، دار الفکر، بیروت)

البحر الرائق میں زین الدین بن ابراہیم بن محمد ابن نجیم المصری (المتوفی 970ھ) فرماتے ہیں "وَيُسَنَّمُ قَدْرَ شِبْرٍ وَقِيلَ قَدْرَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ، وَمَا وَرَدَ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ أَنْ لَا أَدَعَ قَبْرًا مُشْرِفًا إلَّا سَوَّيْته فَمَحْمُولٌ عَلَى مَا

زَادَ عَلَى التَّسْنِيمِ" ترجمہ: قبر کوہان نما ایک بالشت اور بعض نے کہا کہ چار انگل اونچی بنائی جائے۔ جو صحیح حدیث میں ہے کہ قبر کو برابر کر دیا جائے وہ اس پر محمول ہے کہ جو قبر سنت سے زائد اونچی ہو اسے سنت جتنا کر دیا جائے۔

(البحرالرائق، کتاب الجنائز، جلد2، صفحہ209، دار الکتاب الإسلامی، بیروت)

نیل الاوطار میں وہابیوں کے امام شوکانی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پاک کی شرح میں لکھتا ہے "(وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ) فِيهِ أَنَّ السُّنَّةَ أَنَّ الْقَبْرَ لَا يُرْفَعُ رَفْعًا كَثِيرًا مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ بَيْنَ مَنْ كَانَ فَاضِلًا وَمَنْ كَانَ غَيْرَ فَاضِلٍ .وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَفْعَ الْقُبُورِ زِيَادَةً عَلَى الْقَدْرِ الْمَأْذُونِ فِيهِ مُحَرَّمٌ" ترجمہ: سنت یہ ہے کہ قبر زمین سے زیادہ بلند نہ ہو چاہے وہ میت فاضل ہو یا غیر فاضل۔ ظاہر اس حدیث کا یہ ہے کہ ایک بالشت سے زیادہ قبر اونچی کرنا حرام ہے۔

(نیل الاوطار، کتاب الجنائز، باب تسنیم القبر--- ، جلد4، صفحہ102، دار الحدیث، مصر)

علمائے سلف وخلف جن وہابیوں کے پیشوا بھی شامل ہیں انہوں نے صراحت کی ہے کہ قبر زمین سے بلند ہونی چاہئے۔

المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج میں ابو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی 676ھ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں "(يَأْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا) وَفِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ فِيهِ أَنَّ السُّنَّةَ أَنَّ الْقَبْرَ لَا يُرْفَعُ عَلَى الْأَرْضِ رَفْعًا كَثِيرًا وَلَا يُسَنَّمُ بَلْ يُرْفَعُ نَحْوَ شِبْرٍ" ترجمہ: سنت یہ ہے کہ قبر زمین سے زیادہ اونچی نہ ہو اور نہ کوہان نما ہو بلکہ ایک بالشت اونچی ہو۔

(شرح صحیح مسلم، کتاب الجنائز، قولہ فذکرت ذلك لموسی بن طلحة-----، جلد7، صفحہ36، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

**الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ** میں ہے "لَا خِلَافَ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ فِي اسْتِحْبَابِ رَفْعِ التُّرَابِ فَوْقَ الْقَبْرِ قَدْرَ شِبْرٍ وَلَا بَأْسَ بِزِيَادَتِهِ عَنْ ذَلِكَ قَلِيلًا عَلَى مَا عَلَيْهِ بَعْضُ فُقَهَاءِ الْحَنَفِيَّةِ؛لِيُعْرَفَ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَيُتَوَقَّى وَيُتَرَحَّمَ عَلَى صَاحِبِهِ .فَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ قَبْرَهُ عَنِ الْأَرْضِ قَدْرَ شِبْرٍ" ترجمہ: فقہاء کا اس میں اختلاف نہیں کہ قبر کی مٹی کا زمین سے ایک بالشت بلند ہونا مستحب ہے۔ بعض فقہاء احناف کے موقف کے مطابق ایک بالشت سے تھوڑا زیادہ ہونے میں حرج نہیں، یہ اس لئے ہے کہ معلوم ہو کہ یہ قبر ہے اور قبر کا ادب کر کے اس پر احسان کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کو زمین سے ایک بالشت اونچا رکھا گیا۔

(الموسوعة الفقهیه الکویتیه، جلد11، صفحہ342، دار السلاسل، الکویت)

حال ہی کے سعودی وہابی مفتی عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز جو بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں انہوں

نے واضح انداز میں اس مسئلہ کے متعلق یہی لکھا ہے چنانچہ مقالات وفتاوٰی میں ہے: ''صحیح صورت یہ ہے کہ قبر کی اپنی مٹی کو اس پر ڈال دیا جائے اور قریبا ایک بالشت تک اونچی کی جائے تاکہ معلوم ہو کہ یہ قبر ہے۔قبروں کے سلسلہ میں یہی وہ سنت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کا عمل رہا۔'' (مقالات و فتاوٰی ابن باز،صفحہ 182،دار السلام ،ریاض)

کتنے صریح الفاظ میں وہابیوں کے امام نے کہہ دیا کہ سنت یہی ہے کہ قبر زمین سے اونچی ہو البتہ زیادہ اونچی نہ ہو۔ وہابی کسی ایک مستند عالم کا بھی قول اس پر پیش نہیں کرسکتے کہ مسلمانوں کی قبروں کو زمین کے برابر کردینا چاہئے۔

وہابی اپنے موقف پر ایک دوسری حدیث پیش کرتے ہیں کہ سنن ابی دواؤد میں ہے ابوعلی ہمدانی نے فرمایا''كُنَّا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ بِرُودِسَ مِنْ أَرْضِ الرُّومِ، فَتُوُفِّيَ صَاحِبٌ لَنَا، فَأَمَرَ فَضَالَةُ بِقَبْرِهِ فَسُوِّيَ، ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَأْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا'' ترجمہ:روم میں ہمارا ایک ساتھی فوت ہوگیا تو حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔

(سنن ابی داود، كتاب الجنائز،باب فی تسوية القبر،جلد3،صفحہ215،حدیث3219، المكتبة العصرية،بيروت)

اس حدیث میں موجود لفظ ''تسویہ'' کا ترجمہ وہابی زمین کے برابر ہونا کرتے ہیں جبکہ صحیح ترجمہ ہموار کرنا ہے۔ہموار کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ زمین کے برابر کردو۔اوپر واضح کیا گیا کہ قبر کا زمین سے اونچا ہونا سنت ہے۔دراصل قبر کس طرح بنائی جائے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں ہے کہ قبر اوپر سے اونٹ کی کوہان کی طرح ڈھلوان والی بنائی جائے جیسا ہمارے یہاں قبریں بنتی ہیں۔دوسری روایت یہ ہے کہ قبر ہموار (چوڑی) بنائی جائے۔حضرت فضالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث پاک سے امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے استدلال کیا اور یہ فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ قبر چوڑی بنائی جائے۔لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہرگز یہ مسلک نہیں کہ قبر ہموار اس طرح بنائی جائے کہ زمین کے برابر ہو بلکہ آپ نے صراحت فرمائی کہ قبر زمین سے اونچی ہو چنانچہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) فرماتے ہیں''وَقَالَ الشَّافِعِي:تسطح الْقُبُور وَلَا تبنى وَلَا ترفع وَتَكون على وَجه الأَرْض نَحوا من شبر'' ترجمہ:امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ قبر ہموار بنائی جائے،اس پر کوئی عمارت نہ ہو اور نہ قبر زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی ہو۔

(عمدة القاری،باب ما جاء فی قبر النبی صلى الله عليه وسلم --،جلد8،صفحہ224،دار إحياء التراث العربی ،بيروت)

امام شافعی کے علاوہ بھی جن بعض صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہ نظریہ تھا کہ قبر ہموار ہونی چاہئے وہ اس کے قائل ضرور تھے کہ قبر زمین سے اونچی ہو چنانچہ امام بخاری کے استادِ محترم امام عبد الرزاق (المتوفی 211ھ) مصنف عبد الرزاق میں

روایت نقل کرتے ہیں "عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ عُثْمَانَ أَمَرَ بِتَسْوِيَةِ الْقُبُورِ قَالَ: وَلَكِنْ يُرْفَعُ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا" ترجمہ: امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبروں کو ہموار رکھنے کا کہتے لیکن یہ فرماتے کہ قبریں زمین سے کچھ اونچی ہوں۔ (المصنف عبدالرزاق، کتاب الجنائز، باب الجدث والبنیان، جلد3، صفحہ504، المکتب الاسلامی، بیروت)

ایک صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میری قبر زمین سے اونچی رکھی جائے چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استادِ محترم امام ابن شیبہ (المتوفی 235ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: ثنا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، أَوْصَى أَنْ يَجْعَلُوا قَبْرَهُ مُرْتَفِعًا، وَأَنْ يَرْفَعُوهُ أَرْبَعَ أَصَابِعَ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ" ترجمہ: حضرت ابومیمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وصیت فرمائی کہ میری قبر کو زمین سے چار انگل بلند رکھا جائے۔

(الکتاب المصنف فی الاحادیث والاثار، کتاب الجنائز، فیمن کان یحب أن یرفع القبر، جلد3، صفحہ23، مکتبۃ الرشد، الریاض)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک زمین سے ایک بالشت اونچی ہے چنانچہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَيَّاشٍ، حَدَّثَهُمْ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ، قَالَ: رَأَيْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِبْرًا أَوْ نَحْوًا مِنْ شِبْرٍ" ترجمہ: حضرت صالح بن ابوخضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر دیکھی جو زمین سے ایک بالشت بلند تھی۔

(المراسیل، ما جاء فی الدفن، صفحہ304، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

یہاں یہ بات تو بالکل واضح ہوگئی کہ جن علماء نے قبروں کو ہموار بنانے کا کہا ہے اس بات میں وہ بھی متفق ہیں کہ قبروں کو ایک بالشت کے برابر ابلند کیا جائے۔ رہی یہ بات کہ قبر کو اوپر سے ہموار بنایا جائے تو یہ موقف انتہائی کم علماء سے منقول ہے یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور متبعین بھی ڈھلوان والی قبریں بنوانے کے قائل ہیں اور انہوں نے فرمایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ضعیف ہے چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے "وَاخْتَارَ التسنيم أَبُو عَلِيّ الطَّبَرِيّ وَأَبُو عَلِيّ بن أبي هُرَيْرَة والجويني وَالْغَزالِيّ وَالرُّويَانِيّ والسرخسي، وَذكر القَاضِي حُسَيْن اتِّفَاقهم عَلَيْهِ، وخالفوا الشَّافِعِي فِي ذَلِك، وَالْجَوَاب عَمَّا رَوَاهُ الشَّافِعِي: أَنه ضَعِيف ومرسل وَهُوَ لَا يحْتَج بالمرسل---وَقَالَ ابْن قدامَة: التسطيح هُوَ شعار أهل الْبدع، فَكَانَ مَكْرُوهاً" ترجمہ: ابوعلی طبری، ابوعلی بن ابوہریرہ، جوینی، امام غزالی، رویانی، سرخسی رحمہم اللہ نے ڈھلوان والی قبریں بنانے کو اختیار کیا، اور اس مسئلہ پر ان سب کے اتفاق کو قاضی حسین نے ذکر کیا ہے، ان سب علماء نے امام شافعی رحمۃ

اللہ علیہ کی مخالفت کی اور فرمایا کہ امام شافعی کا یہ قول ضعیف و مرسل ہے اور امام شافعی مرسل کو دلیل نہیں بناتے ۔ ابن قدامہ نے فرمایا کہ ہموار قبر بنانا بدعتیوں کا شعار ہے، تو یہ مکروہ ہے۔

(عمدة القاری ، کتاب انجنائز ،باب ما جاء فی قبر النبی صلی الله علیه وسلم ـ ـ ،جلد8،صفحه224،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شہداء احد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبریں ڈھلوان والی ہیں ۔ مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث پاک ہے ” حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ:ثنا عِيسَى بْنُ يُونُسَ ،عَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ ، قَالَ:دَخَلْتُ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَرَأَيْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَقَبْرَ أَبِي بَكْرٍ ، وَعُمَرَ مُسَنَّمَةً “ ترجمہ: حضرت سفیان تمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس حجرہ میں داخل ہوا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک ہے، تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر دیکھی کہ وہ ڈھلوان والی تھی۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الجنائز ،ما قالوا فی القبر یسنم ،جلد3،صفحه22، مکتبة الرشد،الریاض)

تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی میں وہابی مولوی محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ) نے لکھا ہے ”قَالَ الشَّافِعِيُّ أَكْرَهُ أَنْ يُرْفَعَ الْقَبْرُ إِلَّا بقدر ما يعرف أنه قبر لكيلا يُوطَأَ وَلَا يُجْلَسَ عَلَيْهِ ـ ـ ـ ثُمَّ الِاخْتِلَافُ فِي ذَلِكَ فِي أَيِّهِمَا أَفْضَلُ لَا فِي أَصْلِ الْجَوَازِ وَرَجَّحَ الْمُزَنِيُّ التَّسْنِيمَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى بِأَنَّ الْمُسَطَّحَ يُشْبِهُ مَا يُصْنَعُ لِلْجُلُوسِ بِخِلَافِ الْمُسَنَّمِ ورجحه بن قُدَامَةَ بِأَنَّهُ يُشْبِهُ أَبْنِيَةَ أَهْلِ الدُّنْيَا وَهُوَ مِنْ شِعَارِ أَهْلِ الْبِدَعِ فَكَأَنَّ التَّسْنِيمَ أَوْلَى وَيُرَجِّحُ التَّسْطِيحَ مَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ مِنْ حَدِيثِ فضالة بن عبيد أنه مر بِقَبْرٍ فَسُوِّيَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا“ ترجمہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں مکروہ جانتا ہوں کہ قبر کو زمین سے زیادہ بلند کیا جائے، مگر یہ کہ زمین سے اتنا بلند کیا جائے کہ قبر کی پہچان ہو سکے، کوئی اسے پاؤں سے نہ روندے اور اس پر نہ بیٹھے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ ہموار قبر بنانا افضل ہے کہ ڈھلوان والی۔ البتہ دونوں طرح کی قبریں بنانا جائز ہے۔ مزنی نے ڈھلوان والی قبر کو اس وجہ سے ترجیح دی کہ ہموار قبر بیٹھنے والی جگہ (مثلاً بینچ وغیرہ) کے مشابہ ہے جبکہ ڈھلوان والی قبر میں ایسا نہیں ۔ ابن قدامہ نے بھی ڈھلوان والی قبر کو ترجیح دی لیکن وجہ یہ بیان فرمائی کہ ہموار قبریں اہل دنیا کی عمارتوں کے مشابہ ہے اور بدعتیوں کا شعار ہے اس لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ ڈھلوان والی قبر ہو۔ ہموار قبر کی ترجیح حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث سے ہے کہ وہ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو اسے ہموار شکل میں کر دیا پھر فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کوقبر ہموار بنانے کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔

(تحفة الاحوذی، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی تسویة القبر، جلد4، صفحه129، دار الکتب العلمیة، بیروت)

البتہ علماء نے یہ ضرور فرمایا کہ کافروں کے ملک میں اگر کسی مسلمان کو دفن کرنا پڑ جائے اور یہ خوف ہو کہ کفار بعد میں اس کی قبر اکھاڑ دیں گے تو قبر کو زمین کے برابر کر دیا جائے تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے "(رأیت قبر النبی صلّی اللہ علیه وسلم مسنما) وكذلك قبور الصحابة من بعده، ولأن التسطيح أشبه بأبنية أهل الدنيا، واستثنى الحنابلة دار الحرب إذا تعذر نقل الميت، فالأولى تسوية القبر بالأرض وإخفاؤه، خوفاً من أن ينبش "ترجمہ: صحابی فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک دیکھی وہ ڈھلوان والی تھی جیسا کہ ان کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان کی قبریں ڈھلوان والی تھیں۔ اس لئے کہ ہموار قبریں اہل دنیا کی عمارات کے مشابہ ہیں۔ حنابلہ نے استثنیٰ کیا کہ دار الحرب میں جب میت کو منتقل کرنا ممکن نہ ہو تو قبر کو زمین کے برابر کر دیا جائے، اسے چھپا دیا جائے تا کہ میت کی بے حرمتی نہ ہو سکے۔

(الفقه الاسلامی وادلة، جلد2، صفحه665، دار الفکر، دمشق)

## ☆۔۔۔۔کتاب الصوم۔۔۔۔☆

### روزہ کی نیت رات کو کرنا کیا ضروری ہے؟

احناف کے نزدیک روزے کی نیت کے متعلق احادیث کی روشنی میں تفصیل یوں ہے کہ جو روزہ معین ہو جیسے رمضان کے روزے، معین دن میں روزہ کی منت، تو اس میں نیت رات کو کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ دن کو زوال سے پہلے کر سکتے ہیں، ہاں بہتر یہی ہے کہ رات کو نیت کی جائے۔ دلیل یہ ہے کہ دس محرم کا روزہ رمضان کی فرضیت سے پہلے فرض تھا جیسا کہ صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو اليَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ:أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ" ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو جس کی خواہش ہوتی روزہ رکھتا اور جس کی خواہش نہ ہوتی تو وہ روزہ نہ رکھتا۔

(صحيح البخاری، كتاب الصوم ،باب صيام يوم عاشوراء ،جلد3،صفحہ43،دار طوق النجاۃ،مصر)

بخاری شریف کی ہی دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے عاشوراء کے فرض روزہ میں فجر کے بعد صبح کے وقت روزہ رکھنے کا حکم دیا چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا يُنَادِي فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ إِنَّ مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ أَوْ فَلْيَصُمْ، وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ فَلاَ يَأْكُلْ" ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دے جس شخص نے کچھ کھالیا ہے وہ باقی دن تک کچھ نہ کھائے، اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ روزے رکھے، اس لئے کہ آج عاشورہ کا دن ہے۔

(صحيح البخاری، كتاب الصوم ،باب إذا نوى بالنهار صوما ،جلد3،صفحہ29،دار طوق النجاۃ،مصر)

اسی طرح نفلی روزوں کا حکم ہے کہ اگر رات کو نیت نہ کی تھی تو صبح زوال سے پہلے پہلے نفلی روزے کی نیت کر سکتے ہیں چنانچہ امام بخاری نے اسی موضوع پر باب باندھا "بَابُ إِذَا نَوَى بِالنَّهَارِ صَوْمًا" ترجمہ: باب: جب دن میں روزہ کی نیت کی جائے۔ اور اس میں لکھا "قَالَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ: كَانَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُولُ: عِنْدَكُمْ طَعَامٌ؟ فَإِنْ قُلْنَا: لاَ، قَالَ: فَإِنِّي صَائِمٌ يَوْمِي هَذَا وَفَعَلَهُ أَبُو طَلْحَةَ، وَأَبُو هُرَيْرَةَ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَحُذَيْفَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ" ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فرماتی ہیں کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کیا آپ کے پاس کھانا ہے؟ اگر ہم کہتے کہ کھانا نہیں ہے تو وہ فرماتے کہ میں آج کے دن روزہ دار ہوں اور ابوطلحہ اور ابوہریرہ اور ابن عباس اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(صحيح البخاري، كتاب الصوم ،باب إذا نوى بالنهار صوما، جلد3، صفحه29، دار طوق النجاة، مصر)

پتہ چلا کہ امام بخاری کا مذہب بھی احناف کے مطابق ہے کہ روزہ میں رات کو نیت ضروری نہیں ہے۔ وہابیوں کے نزدیک روزہ میں رات کو نیت ضروری ہے۔ وہابی مولوی لکھتا ہے: ”روزے کی نیت کا مسئلہ یہ ہے کہ فرض روزے کے لئے رات کو نیت کرنا ضروری ہے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں ”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام لہ“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کرے اس آدمی کا کوئی روزہ نہیں۔

قارئین یہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث جس میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزے کی نیت فجر سے پہلے پہلے ضروری ہے۔ مگر فقہ حنفی اس حدیث کے خلاف ہے چنانچہ فقہ حنفی کی امہات الکتب میں یوں مرقوم ہے ”فیجوز بنیة من اللیل وان لم ینو حتی اصبح اجزائتہ النیة ما بینہ و بین الزوال“ یعنی رات کو نیت کرنا جائز ہے اور اگر آدمی صبح تک نیت نہ کرے تو زوال سے پہلے پہلے نیت کر لے تو اس کو کفایت کر جائے گی۔

قارئین غور فرمائیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کہ اگر فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی جائے گی تو روزہ نہیں ہوگا، مگر فقہ حنفی کہتی ہے کہ صبح کے وقت سورج ڈھلنے کے وقت (یعنی دوپہر) سے پہلے تک نیت کرنا جائز ہے اور اس آدمی کا روزہ ہو جائے گا۔ حنفی بھائیو! آپ واقعی حدیث کو چھوڑ کر فقہ پر عمل کریں گے؟“

(احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف، صفحہ 356، ادارہ تحفظ افکار اسلام، شیخوپورہ)

وہابی مولوی نے جس حدیث کو دلیل بنا کر اتنی چیخ وپکار کی ہے اور وہابیت چمکائی ہے اس کا جواب احناف نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث کا محمل ان روزوں پر ہے جو معین نہیں ہیں جیسے رمضان کے قضاء روزے، کفارے کے روزے، غیر معین منت کے روزے وغیرہ۔ گویا احناف کا دونوں احادیث پر عمل ہو گیا اور وہابیوں کا صرف ایک اپنی مرضی کی حدیث پر عمل ہوا۔ اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب میں علی بن ابی یحیی زکریا بن مسعود الأنصاری الخزرجی المنبجی (المتوفی 686ھ) لکھتے ہیں ”وَرَوَاهُ التِّرمِذِيّ: عَن حَفصَة، عَن النَّبِي (صلى الله عَلَيهِ وَسلم) قَالَ: من لم يجمع الصّيام من اللَّيل قبل الفَجر فَلا صِيَام لَهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيث حَفصَة لَا نعرفه مَرفُوعا إِلَّا من هَذَا الوَجه، وَقد رُوِيَ عَن نَافِع، عَن ابن عمر قَوله، وَهُوَ

أصح .قَالَ الطَّحَاوِيّ رَحِمَه الله:وَلَكِن مَعَ ذَلِكَ نثبته ونجعله على خَاص من الصَّوْم وَهُوَ الصَّوْم الْفَرْض الَّذِي لَيْسَ فِي أَيَّام بِعَينهَا، مثل الصَّوْم فِي الْكَفَّارَات وَقَضَاء رَمَضَان وَمَا أشبه ذَلِك.

وروى التِّرْمِذِيّ عَن عَائِشَة أم الْمُؤمنِينَ قَالَت:دخل عَليّ رَسُول الله (صلى الله عَلَيْهِ وَسلم) يَوْمًا فَقَالَ: هَل عنْدكُمْ شَيْء ؟ قَالَت:قلت:لَا، قَالَ:فَإِنِّي صَائِم .قَالَ أَبُو جَعْفَر الطَّحَاوِيّ:فَلَمَّا جَاءَت هَذِه الْآثَار على مَا ذكرنَا لم يجز أَن نجْعَل بَعْضهَا مُخَالفا لبَعض، فحملنا حَدِيث عَائِشَة على صَوْم التَّطَوُّع، وَحَدِيث يَوْم عَاشُورَاء على الصَّوْم الْمَفْرُوض فِي الْيَوْم الَّذِي بِعَيْنِه، فَكَذَلِك حكم الصَّوْم الْمَفْرُوض فِي ذَلِك (الْيَوْم) جَائِز أَن يعْقد لَهُ النِّيَّة بعد طُلُوع الْفجْر" یعنی امام ترمذی نے روایت کیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کرے اس آدمی کا کوئی روزہ نہیں۔امام ترمذی نے فرمایا: حضرت حفصہ کی حدیث ہم مرفوع نہیں مانتے مگر اس وجہ سے اور نافع سے ابن عمر کے حوالے سے مروی ہے اور وہی زیادہ صحیح ہے۔امام طحاوی نے فرمایا: ہم اس حدیث کو خاص کرتے ہیں ان فرض روزوں کے ساتھ جو معین نہیں ہوتے جیسے کفارے کے روزے اور رمضان کے قضاء روزے اور اسی سے ملتے جلتے دیگر روزے۔

امام ترمذی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: نہیں۔آپ علیہ السلام نے فرمایا: (تو پھر) میں روزہ دار ہوں۔ابوجعفر طحاوی نے فرمایا: جب اس طرح کے آثار جنہیں ہم نے ذکر کیا ہے موجود ہیں تو جائز نہیں کہ ہم بعض کو بعض کے مخالف لائیں۔ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث کو نفل روزے اور رمضان کے معین روزوں پر محمول کیا، لہٰذا جائز ہے کہ طلوع فجر کے بعد نفل روزے اور فرض روزے کی نیت کر لی جائے۔ (اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب، جلد1، صفحہ395، دار القلم، بیروت)

## میت کی طرف سے روزہ

احناف کے نزدیک میت کی طرف سے روزے نہیں رکھے جاسکتے بلکہ فدیہ دیا جاسکتا ہے۔جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْثَرُ بْنُ الْقَاسِمِ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرٍ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ

مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا .حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ، لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ، وَالصَّحِيحُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوفٌ قَوْلُهُ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي هَذَا البَابِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ:يُصَامُ عَنِ المَيِّتِ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ قَالَا:إِذَا كَانَ عَلَى المَيِّتِ نَذْرُ صِيَامٍ يَصُومُ عَنْهُ، وَإِذَا كَانَ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ أَطْعَمَ عَنْهُ، وقَالَ مَالِكٌ، وَسُفْيَانُ، وَالشَّافِعِيُّ:لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ .وَأَشْعَثُ هُوَ ابْنُ سَوَّارٍ، وَمُحَمَّدٌ هُوَ عِنْدِي ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى(حكم الألبـانـي):ضعيف" ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اگر کوئی فوت ہو جائے اور اس پر ایک مہینے کے روزے باقی ہوں تو اس کے بدلے ہر روزے کے مقابلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔امام ابو عیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث کو ہم اس سند کے علاوہ مرفوع نہیں جانتے اور صحیح یہی ہے کہ ابن عمر پر موقوف ہے اور یہ انہی کا قول ہے۔اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ میت کی طرف سے روزے رکھے جائیں امام احمد اور اسحاق بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر میت کے ذمہ نذر کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں اور اگر رمضان کے روزے ہوں تو مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔امام مالک شافعی اور سفیان کہتے ہیں کہ کوئی کسی کی طرف سے روزے نہ رکھے اشعث سوار کے بیٹے ہیں اور محمد وہ میرے نزدیک محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ہیں۔البانی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے۔

(سنن الترمذی،ابواب الصوم ،باب ما جاء من الكفارة،جلد3،صفحه87، مصطفى البابى الحلبى ،مصر)

البانی کا اس حدیث کو ضعیف کہا جبکہ یہ حدیث حسن ہے۔اشعت بن سوار حسن راوی ہے اور ابن ماجہ کی ایک حدیث کو البانی نے بھی حسن کہا ہے۔محمد راوی جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ ابن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں جن کے متعلق امام احمد نے سی ءالحفظ کہا تو امام ذہبی (748ھ) نے الکاشف میں ابو حاتم سے روایت کیا کہ انہوں نے ان کے متعلق فرمایا"محـلـه الصدق"ترجمہ:اس کا محل صدق ہے۔

(الكاشف فى معرفة من له رواية فى الكتب الستة،جلد2،صفحه193، دار القبلة للثقافة الإسلامية -مؤسسة علوم القرآن، جدة)

جواب الحافظ ابي محمد عبد العظيم المنذری المصری عن اسئلة فی الجرح والتعدیل میں عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ، ابو محمد زکی الدین المنذری (المتوفی 656ھ) فرماتے ہیں"وإذا قيل:إنه صدوق، أو:محله الصدق، أو:لا باس به،فهو ممن يكتب حديثه وينظر فيه، وهى المنزلة الثانية"ترجمہ:جب کہا جائے کہ وہ صدوق یا اس کا محل صدق ہے یا اس میں کوئی حرج نہیں (تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ) اس کی حدیث لکھی جائے اور اس میں نظر کی جائے وہ دوسرے درجہ میں ہے۔

(جواب الحافظ أبى محمد عبد العظيم المنذرى المصرى عن أسئلة فى الجرح والتعديل،صفحه49،مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب)

بہر حال یہ حدیث حسن ہے چنانچہ عمدۃ القاری میں ابومحمد محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "قال القرطبی فی (شرح الموطأ) إسناده حسن "ترجمہ: امام قرطبی نے شرح موطا میں فرمایا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعلیه صوم، جلد11، صفحه 59، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

پھر اس کے مزید شواہد ہیں۔ السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرٍ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ، أنبأ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ ،ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ هَاشِمٍ الْبَغَوِيُّ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ، حَدَّثَنِي جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ: مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ أَيَّامًا وَهُوَ مَرِيضٌ ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ أَفْطَرَهُ مِنْ تِلْكَ الْأَيَّامِ مِسْكِينًا مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ، فَإِنْ أَدْرَكَهُ رَمَضَانُ عَامٍ قَابِلٍ قَبْلَ أَنْ يَصُومَهُ فَأَطَاقَ صَوْمَ الَّذِي أَدْرَكَ فَلْيُطْعِمْ عَمَّا مَضَى كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِينًا مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ ،وَلْيَصُمِ الَّذِي اسْتَقْبَلَ .هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جو مریض رمضان کے دنوں میں کسی دن (مرض کے سبب) روزہ توڑ لے پھر قضا رکھنے سے پہلے مر جائے تو اس کی طرف سے ہر دن کے روزہ کے بدلے میں مسکین کو ایک مد گندم دی جائے۔ اگر اس نے آئندہ سال رمضان کو پایا اور روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہے قبل اس کے کہ پچھلے روزوں کی قضا کی تو وہ آئندہ روزے رکھے اور پچھلے روزوں کے بدلے میں ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو ایک مد گندم دے۔ یہ صحیح موقوف ہے۔

(السنن الکبری، کتاب الصیام، باب من قال إذا فرط فی القضاء بعد الإمکان حتی مات أطعم عنه مکان کل یوم مسکین مدا من طعام، جلد4، صفحه424، دار الکتب العلمیة، بیروت)

ایک دوسری صحیح روایت حضرت ابن عباس سے مروی ہے "أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ السُّكَّرِيُّ بِبَغْدَادَ أنبأ إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثنا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أنبأ مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ، قَالَ: سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ رَجُلٍ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَعَلَيْهِ نَذْرُ صِيَامِ شَهْرٍ آخَرَ ،قَالَ: يُطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا" ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال ہوا کہ ایک شخص فوت ہوا ہے اور اس پر رمضان کے مہینے کے روزے اور ایک

مہینے کے منت کے روزے ہیں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔

(السنن الکبری، کتاب الصیام، باب من قال إذا فرط فی القضاء بعد الإمکان حتی مات أطعم عنه مکان کل یوم مسکین مدا من طعام، جلد4، صفحہ425، دار الکتب العلمیة، بیروت)

السنن الکبری میں ابوعبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) بسند صحیح روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ وَهُوَ ابْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ الْأَحْوَلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کوئی کسی دوسرے کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ روزہ رکھے بلکہ اس کی جگہ ہر دن کے بدلے میں ایک مُد گندم صدقہ کرے۔

(السنن الکبری، کتاب الصیام، صوم الحی عن المیت وذکر اختلاف الناقلین للخبر فی ذلک، جلد3، صفحہ 257، مؤسسة الرسالة، بیروت)

تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی میں وہابی مولوی ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ) نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ نیل الأوطار میں محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی الیمنی (المتوفی 1250) میں بھی اس حدیث کوسند کو صحیح کہا ہے۔

وہابیوں کے نزدیک میت کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ وہابی مولوی لکھتا ہے: "ام المؤمنین صدیقہ کائنات رفیقہ حیات امام اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتی ہیں "ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم قال من مات و عليه صيام صام عنه وليه" کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص فوت ہوگیا ہو اور اس کے ذمے کچھ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے۔

یہ ہے فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر فقہ حنفی اس کی بھی مخالفت کرتی ہے چنانچہ فقہ حنفی کی ام الکتب ہدایہ میں لکھا ہے "ولا یصوم عنه الولی" یعنی میت کی طرف سے اس میت کا ولی روزہ نہیں رکھ سکتا۔

حنفی دوستو! حدیث بھی آپ کے سامنے ہے اور خلاف حدیث فقہ بھی، کیا آپ سچ مچ حدیث کو چھوڑ کر خلاف حدیث فقہ پر عمل کریں گے؟"

(احناف کا رسول اللہ سے اختلاف، صفحہ356، ادارہ تحفظ افکار اسلام، شیخوپورہ)

حنفی دوستو! وہابی مولوی نے ہدایہ کی عبارت ہمیشہ کی طرح کتر کر آدھی پیش کی ہے۔ اب پوری عبارت پیش کی جاتی ہے آپ فیصلہ کریں کہ حدیث پر کس کا عمل ہے اور تخریب کاری کس کا عمل ہے۔ پوری عبارت یوں ہے "(ولا یصوم عنه الولی

ولا يصلى) لقوله صلى الله عليه وسلم لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلى أحد عن أحد" ترجمہ: میت کی طرف سے اس کا ولی نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے۔ حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے سبب: کوئی کسی دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ نماز پڑھے۔

یعنی ہدایہ میں آگے حدیث پیش کی تھی لیکن وہابی مولوی نے حدیث چھوڑ کر ہدایہ کی عبارت کو غلط رنگ میں پیش کیا۔

وہابیوں نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمان کو دلیل بنایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فتویٰ اپنی مروی روایت کے خلاف ہے یعنی آپ خود فتویٰ دیتی تھیں کہ میت کی طرف سے روزہ نہ رکھا جائے بلکہ کھانا کھلایا جائے اور صحابی کا ایسا فعل نسخ کی دلیل ہوتا ہے۔ عمدۃ القاری میں علامہ عینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وأما الجواب عن حديث الباب فقد قال مهنىء: سألت أحمد عن حديث عبيد الله بن أبى جعفر عن محمد بن جعفر عن عروة عن عائشة مرفوعا: (من مات وعليه صيام؟) فقال أبو عبد الله: ليس بمحفوظ، وهذا من قبل عبيد الله بن أبى جعفر، وهو منكر الأحاديث، و كان فقيها، وأما الحديث فليس هو فيه بذاك، وقال البيهقى: ورأيت بعض أصحابنا ضعف حديث عائشة بما روى عن عمارة بن عمير عن امرأة عن عائشة فى امرأة ماتت وعليها الصوم، قالت: يطعم عنها. قال: وروى من وجه آخر عن عائشة أنها قالت: لا تصوموا عن موتاكم وأطعموا عنهم، ثم قال: وفيهما نظر، ولم يزد عليه. قلت: قال الطحاوى: (حدثنا روح بن الفرج حدثنا يوسف بن عدى حدثنا عبيد بن حميد عن عبد العزيز بن رفيع عن عمرة بنت عبد الرحمن قلت لعائشة: إن أمى توفيت وعليها صيام رمضان، أيصلح أن أقضى عنها؟ فقالت: لا، ولكن تصدقى عنها مكان كل يوم على مسكين خير من صيامك) وهذا سند صحيح" یعنی باقی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ کہ مہنی نے فرمایا میں نے احمد سے حضرت عائشہ صدیقہ کی مرفوع حدیث کے متعلق سوال کیا تو ابو عبد اللہ نے فرمایا یہ غیر محفوظ ہے۔ اس میں عبید اللہ بن ابی جعفر ہیں اور وہ منکر الحدیث ہیں اور وہ فقیہ تھے لیکن حدیث کے معاملہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا: میں نے اپنے بعض اصحاب کو دیکھا کہ وہ حدیث عائشہ کو ضعیف کہتے تھے اس لئے کہ عمارہ بن عمیر نے عورت سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ایسی عورت کے متعلق فرمایا جو فوت ہوگئی اور اس پر روزے تھے تو آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے۔ دوسری روایت میں حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اپنے مُردوں کی طرف سے روزے نہ رکھو بلکہ کھانا کھلاؤ۔ امام بیہقی نے فرمایا ان دونوں روایتوں میں کلام ہے، اس کے علاوہ مزید امام بیہقی نے کچھ نہیں فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی نے فرمایا: حضرت عمرہ بنت عبد الرحمٰن سے مروی ہے میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا: میری والدہ فوت ہوگئی ہے اور اس پر رمضان کے روزے ہیں، کیا یہ صحیح ہے کہ میں ان کی طرف سے یہ قضا روزے رکھوں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نہیں۔ بلکہ ہر روزہ کے بدلے میں اس کی طرف سے صدقہ کرو، یہ تمہارے روزے رکھنے سے بہتر ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعلیه صوم، جلد11، صفحه59، 60دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

## ایک رات کا اعتکاف

احناف کے نزدیک ایک رات کا اعتکاف نہیں ہوتا کیونکہ اعتکاف میں روزہ ہونا ضروری ہے۔ سنن ابی داود میں ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ إِسْحَاقَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ: أَنْ لَا يَعُودَ مَرِيضًا، وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً، وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً، وَلَا يُبَاشِرَهَا، وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ، إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ، وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ، وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: غَيْرُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ لَا يَقُولُ فِيهِ: قَالَتْ: اَلسُّنَّةُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: جَعَلَهُ قَوْلَ عَائِشَةَ (حکم الألبانی): حسن صحیح" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: معتکف کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ مریض کی عیادت کو نہ جائے، جنازہ میں نہ جائے، بیوی سے صحبت ومباشرت نہ کرے، بغیر حاجت کے مسجد سے نہ نکلے، **بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں** اور اعتکاف نہیں مگر جامع مسجد میں۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عبد الرحمٰن اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ کا قول کہتے تھے وہ لفظ ''سنت'' نہیں کہتے تھے۔ البانی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔

(سنن أبی داود، کتاب الصوم، باب المعتکف یعود المریض، جلد2، صفحه333، المکتبة العصریة، بیروت)

السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَأَبُو سَعِيدِ بْنُ أَبِي عَمْرٍو، قَالَا: ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، ثنا يَحْيَى بْنُ أَبِي طَالِبٍ، أنبأ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ، أنبأ سَعِيدٌ يَعْنِي ابْنَ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ

عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنها،أَنَّهَا قَالَتْ:لَا اِعْتِكَافَ إِلَّا بِصَومٍ. كَذَا رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ، وَرَوَاهُ الزُّهرِيُّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ فِي حَدِيثٍ ذَكَرَهُ وَفِي آخِرِهِ، وَالسُّنَّةُ فِيمَنِ اعْتَكَفَ أَنْ يَصُومَ قَدْ مَضَى ذِكْرُهُ فِي هَذَا الْجُزْءِ، كَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهرِيِّ" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہے، اسی طرح ہشام بن عروہ نے اپنے والد اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا اور امام زہری نے عروہ کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ سے حدیث ذکر ہے اور اس کے آخر میں ہے: سنت یہ ہے کہ جو اعتکاف کرے وہ روزہ رکھے۔ اس جزء کا ذکر پیچھے گزرا ہے۔ اسی طرح کئی محدثین نے امام زہری سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(السنن الکبری، کتاب الصیام ،باب المعتکف یصوم ،جلد4،صفحہ521،دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

تیسری صحیح روایت میں ہے "أَخبَرَنَا أَبُو عَبدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ، وَأَبُو سَعِيدِ بْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَا:ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ،ثنا أَسِيدُ بْنُ عَاصِمٍ، ثنا الْحُسَيْنُ بْنُ حَفْصٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ عُمَرَ أَنَّهُمَا قَالَا:الْمُعْتَكِفُ يَصُومُ" ترجمہ: حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: معتکف روزہ رکھے گا۔

(السنن الکبری، کتاب الصیام ،باب المعتکف یصوم ،جلد4،صفحہ522،دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابراہیم، زہری، ابن عمر سے بھی مختلف کتب میں روایات مروی ہے ہیں کہ اعتکاف میں روزہ ضروری ہے۔

وہابیوں کے نزدیک اعتکاف میں روزہ ہونا ضروری نہیں اور ایک رات کا اعتکاف ہوسکتا ہے۔ وہابی مولوی صاحب لکھتے ہیں:"اعتکاف اور حنفیت کی حدیث سے مخالفت: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں "ان عمر سأل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال کنت نذرت فی الجاھلیۃ ان اعتکف لیلۃ فی المسجد الحرام قال فاوف بنذرك" کہ بیشک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو اپنی نذر کو پورا کر(یعنی ایک رات کا اعتکاف کر)

قارئین اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کا اعتکاف کرنا جائز ہے اور رات کو روزہ نہیں رکھا جاتا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کرنے کے لئے روزہ شرط نہیں ہے۔ مگر فقہ حنفی کے بزرگ فرماتے ہیں "والصوم من شرطه عندنا" یعنی ہمارے (احناف کے) نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔

قارئین حدیث بھی آپ کے سامنے ہے اور فقہ حنفی بھی! کیا اب بھی ایسی فقہ کو جو حدیث کی مخالف ہوگی قرآن وحدیث کا نچوڑ کہا جائے گا۔" (احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ،صفحہ360،ادارہ تحفظ افکار اسلام،شیخوپورہ)

مولوی صاحب نے حسب عادت پھر ہیرا پھیری کا عمدہ مظاہرہ کر کے وہابیوں کو بیوقوف بنایا ہے۔ ہدایہ کی پیش کردہ عبارت کے آگے ہیں حدیث پاک یوں لکھی تھی"ولنا قول علیہ الصلاۃ والسلام:لا إعتکاف إلا بالصوم" ترجمہ:ہمارے نزدیک حضور علیہ السلام کا یہ فرمان دلیل ہے کہ بغیر اعتکاف کے روزہ نہیں ہے۔

وہابیوں نے حدیث کا نہ ذکر کیا اور نہ احناف کے دلائل کا جواب بلکہ ہمیشہ کی طرح اپنے مطلب کی بات لے کر احناف پر چڑھ دوڑے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کو جو وہابیوں نے دلیل بنایا اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری صحیح روایت میں حضور علیہ السلام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روزہ رکھنے کا فرمایا تھا چنانچہ ابوداؤد کی حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُدَيْلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، جَعَلَ عَلَيْهِ أَنْ يَعْتَكِفَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَيْلَةً، أَوْ يَوْمًا عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِعْتَكِفْ وَصُمْ"ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ (والد بزرگوار) حضرت عمر نے زمانہ جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں کعبہ کے پاس ایک دن (یا ایک رات) کا اعتکاف کروں (اسلام لانے کے بعد) انہوں نے اس کے متعلق حضور سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اعتکاف کر اور روزہ رکھ۔

(سنن أبی داود، کتاب الصوم،باب المعتکف یعود المریض ،جلد2،صفحہ334،المکتبة العصرية، بيروت)

# ☆---کتاب الحج---☆

## حج کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر

احناف کے نزدیک حج میں ترتیب ضروری ہے یعنی پہلے قربانی کرنا ہے پھر سر منڈوانا ہے ورنہ دم لازم آئے گا۔قرآن پاک میں ہے ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُ وْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّه﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔

(سورۃ البقرہ،سورۃ2،آیت196)

شرح معانی الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبد الملک بن سلمۃ الأزدی الحجری المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) روایت کرتے ہیں" حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ شَيْبَةَ ،قَالَ:ثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى ،قَالَ:ثنا أَبُو الْأَحْوَصِ،عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُهَاجِرٍ ،عَنْ مُجَاهِدٍ ،عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:مَنْ قَدَّمَ شَيْئًا مِنْ حَجِّهِ أَوْ أَخَّرَهُ،فَلْيُهْرِقْ لِذَلِكَ دَمًا" ترجمہ:حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جس نے حج کی ترتیب کو آگے پیچھے کیا تو وہ اس کے بدلے میں دم دے۔

(شرح معانی الآثار،کتاب المناسک،باب من قدم من حجه نسكا قبل نسك،جلد2،صفحه238،عالم الكتب)

یہ روایت بالکل صحیح ہے۔اسی طرح ایک صحیح مرسل روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "أَبُو بَكْرٍ قَالَ:حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ:مَنْ قَدَّمَ مِنْ حَجِّهِ شَيْئًا قَبْلَ شَيْءٍ، أَوْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ، فَعَلَيْهِ دَمٌ يُهَرِيقُهُ" یعنی حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس نے حج میں کوئی کام بغیر ترتیب کے کیا یا ذبح سے پہلے حلق کروایا تو اس پر دم لازم ہے۔

(الكتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، كتاب الحج ،فی الرجل يحلق قبل أن يذبح،جلد3،صفحه363،مكتبة الرشد ،الرياض)

تیسری روایت بسند صحیح میں ہے "أَبُو بَكْرٍ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ:إِذَا حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ، أَهْرَاقَ لِذَلِكَ دَمًا، ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ "ترجمہ:حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب ذبح سے پہلے حلق کروایا تو دم دے۔پھر آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی: اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔

(الكتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، كتاب الحج ،فی الرجل يحلق قبل أن يذبح،جلد3،صفحه363،مكتبة الرشد ،الرياض)

وہابیوں کے نزدیک حج میں ترتیب ضروری نہیں ہے۔وہابیوں کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا

إِسْمَاعِيلُ، قَالَ:حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُونَهُ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ:لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ؟ فَقَالَ:اذْبَحْ وَلاَ حَرَجَ فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ:لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ؟ قَالَ:ارْمِ وَلاَ حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلاَ أُخِّرَ إِلَّا قَالَ:افْعَلْ وَلاَ حَرَجَ" ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوادع میں لوگوں کے لئے منیٰ میں ٹھہر گئے، اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ نادانستگی کی وجہ سے میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوالیا۔ آپ نے فرمایا اب ذبح کرلے کچھ حرج نہیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ نادانستگی میں میں رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی ہے۔ آپ نے فرمایا اب رمی کرلے، کچھ حرج نہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ (اس دن) آپ سے جس چیز کی بابت پوچھا گیا خواہ مقدم کردی ہو یا موخر کردی گئی، تو آپ نے یہی فرمایا کہ کرلے کچھ حرج نہیں۔

(صحیح البخاری ، کتاب العلم ،باب الفتیا وہو واقف علی الدابۃ وغیرہا،جلد1،صفحہ28،دار طوق النجاۃ،مصر)

احناف نے اس حدیث کی تاویل یہ کی کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ''لاحرج'' کوئی حرج نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دم لازم نہیں ہوگا بلکہ اس کا مطلب ہے تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ابتدا میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حج کے مسائل کا پتہ نہ تھا اس لئے حضور علیہ السلام نے لاعلمی میں ہونے والی غلطیوں پر فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک حدیث پاک مروی ہے کہ جس میں آپ علیہ السلام نے تقدم وتاخیر ہونے پر فرمایا تھا کوئی حرج نہیں۔ پھر بعد میں حضرت ابن عباس ہی تقدیم وتاخیر پر دم لازم ہونے کا فتویٰ دیتے تھے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ جانتے تھے کہ آپ علیہ السلام نے جو کوئی حرج نہیں فرمایا ہے یہ گناہ کی نفی پر ہے قربانی کی نفی پر نہیں ہے۔ اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب میں علی بن ابی یحیی زکریا بن مسعود الأنصاری الخزرجی المنبجی (المتوفی 686ھ) فرماتے ہیں''الطَّحَاوِيّ:عَن ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ:من قدم شَيْئا من حجه أَو أَخّرهُ (فليهريق لذَلِك دَمًا ، فَهَذَا ابْن عَبَّاس يُوجب على من قدم شَيْئا من نُسكه أَو أَخّرهُ دَمًا، وَهُوَ أحد من روى عَن رَسُول الله (صلى الله عَلَيْهِ وَسلم):أَنه مَا سُئِلَ يؤمئذ عَن شَيْء قدم وَلَا أخر من أَمر الْحَج إِلَّا قَالَ لَا حرج. فَهَذَا يدل على أَن ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا فهم من قَوْله عَلَيْهِ السَّلَام''لَا حرج''أَي لَا إِثْم، أَي لَا حرج عَلَيْكُم فِيمَا فعلتموه من هَذَا، لأنكم فعلتموه على الْجَهْل مِنْكُم لَا على التعمد''یعنی امام طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا کہ جو حج میں کوئی فعل وقت سے پہلے یا بعد میں کرے تو اس پر دم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول وجوب میں ہے کہ جو ترتیب کے خلاف عمل کرے اس پر دم لازم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ایک راوی ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ علیہ السلام سے جب حج کے موقع پر اس دن جس نے تاخیر و تقدیم کے متعلق پوچھا تو آپ علیہ السلام نے یہی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ علیہ السلام کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کوئی حرج نہیں اس کا مطلب ہے کوئی گناہ نہیں اس لئے کہ تم حج کا طریقہ سیکھ رہے ہو اور لاعلمی میں یہ کام کر رہے ہو نہ کہ قصدا۔

(اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب، باب من قدم نسکا علی نسك فعلیه دم، جلد1، صفحه445، دار القلم، بیروت)

## مدینہ کا حرم

احناف کے نزدیک مدینہ منورہ کے حرم کے وہی احکام نہیں ہیں جو حرمِ مکہ کے ہیں یعنی مدینہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے جبکہ مکہ میں نہیں، اسی طرح وہ وہاں شکار کرنے پر وہی احکام نہیں جو حرم مکہ میں ہیں جیسا کہ سب کو پتہ ہیں۔ احناف کے دلیل ایک صحیح مشہور حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَدْخُلُ عَلَيْنَا وَلِي أَخٌ صَغِيرٌ يُكْنَى أَبَا عُمَيْرٍ وَكَانَ لَهُ نُغَرٌ يَلْعَبُ بِهِ، فَمَاتَ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَرَآهُ حَزِينًا، فَقَالَ: مَا شَأْنُهُ؟ قَالُوا: مَاتَ نُغَرُهُ، فَقَالَ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟ (حكم الألباني): صحيح" ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کی کنیت ابوعمیر تھی۔ اس کی ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ وہ چڑیا مرگئی۔ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس گئے تو اسے دیکھا کہ غمگین بیٹھا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا اس کی چڑیا مرگئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوعمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھوٹی چڑیا کو کیا کیا۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن أبی داود، کتاب الادب، باب ما جاء فی الرجل یتکنی ولیس له ولد، جلد4، صفحه293، المکتبة العصرية، بیروت)

اگر مدینہ حرم ہوتا تو حضور علیہ السلام اس طرح جانور پکڑنے کی اجازت نہ دیتے۔

وہابیوں کے نزدیک مدینہ کا حرم بھی مکہ کے حرم کی طرح ہے، ان کی دلیل بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الأَحْوَلُ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا، وَلَا يُحْدَثُ فِيهَا حَدَثٌ، مَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مدینہ یہاں سے وہاں تک حرم ہے، اس کا درخت نہ کاٹا جائے اور نہ اس میں کوئی بدعت کی جائے، جس نے اس میں کوئی بدعت کی، تو اس پر اللہ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینۃ، باب حرم المدینۃ، جلد3، صفحہ20، دار طوق النجاۃ، مصر)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ کی طرح مدینہ بھی حرم ہے کہ جس میں شکار کرنا، درخت کاٹنا حرام ہے بلکہ مقصود مدینہ کو مکہ کی طرح تعظیم دینا ہے ورنہ حرم جیسے احکام اس میں نہیں ہے مثلا بغیر احرام مدینہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن سلطان محمد ابو الحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "أَرَادَ بِذَلِكَ تَحْرِيمَ التَّعْظِيمِ دُونَ مَا عَدَاهُ مِنَ الْأَحْكَامِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْحَرَمِ، وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَيْهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ مُسْلِمٍ: لَا يُتَخَبَّطُ مِنْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا لِعَلَفٍ، وَأَشْجَارُ حَرَمِ مَكَّةَ لَا يَجُوزُ خَبْطُهَا بِحَالٍ، وَأَمَّا صَيْدُ الْمَدِينَةِ وَإِنْ رَأَى تَحْرِيمَهُ نَفَرٌ يَسِيرٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فَإِنَّ الْجُمْهُورَ مِنْهُمْ لَمْ يُنْكِرُوا اصْطِيَادَ الطُّيُورِ بِالْمَدِينَةِ، وَلَمْ يَبْلُغْنَا فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهْيٌ مِنْ طَرِيقٍ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ .اهـ. كَلَامُهُ.----فِي الصَّحِيحَيْنِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَخَذَهُ كَانَ نَخْلٌ وَقُبُورٌ لِلْمُشْرِكِينَ وَخُرَّبٌ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّخْلِ فَقُطِعَ الْحَدِيثَ. وَقَوْلُهُ: أَخَذَهُ أَيْ مَكَانَ الْمَسْجِدِ، فَعِنْدَهُمْ لَا يَجُوزُ قَطْعُ نَخْلِ الْحَرَمِ، فَلَوْ كَانَ حَرَمًا لَمَا أَمَرَ بِالْقَطْعِ عَلَى أَصْلِهِمْ" یعنی حضور علیہ السلام نے مدینہ کی تعظیم کے ارادے سے یہ فرمایا وہ تعظیم جو حرم کے متعلق احکام سے الگ ہے۔ اس پر دلیل مسلم شریف کی حدیث ہے کہ آپ نے مدینہ کے درخت کاٹنے سے منع فرمایا لیکن جانوروں کے چارہ کے لئے اجازت دی۔ اگر مدینہ مکہ کی طرح حرم ہوتا تو چارہ کی بھی اجازت نہ ہوتی کہ مکہ میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ جہاں تک مدینہ میں شکار کا تعلق ہے تو چند صحابہ نے اسے حرام کہا ہے لیکن جمہور صحابہ نے مدینہ میں پرندوں کے شکار کو حرام نہیں فرمایا اور ہم تک کوئی ایک معتمد راویت نہیں پہنچی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق ممانعت ثابت ہو۔ بخاری و مسلم کی حدیث پاک ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں مسجد نبوی کے لئے مشرکین کی قبوروں کو ختم کیا اور درخت اکھاڑا۔ اگر مدینہ حرم ہوتا تو آپ علیہ السلام درخت نہ کاٹتے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الحج، باب حرم المدینۃ، جلد5، صفحہ 1871--، دار الفکر، بیروت)

## زیارتِ روضہ رسول اور وہابی نظریات

وہابیوں کے نزدیک حضور علیہ السلام کے روضہ مبارک کی زیارت بلکہ کسی بھی نبی یا صحابی یا ولی کے مزار کی زیارت کے لئے سفر کرنا ناجائز و شرک ہے۔ کتاب التوحید میں ہے: ''محمد کی قبر، ان کے دوسرے متبرک مقامات، تبرکات یا کسی نبی ولی کی قبر یا ستون وغیرہ کی طرف سفر کرنا بڑا شرک ہے۔'' (کتاب التوحید، محمد ابن عبدالوہاب، صفحہ 124)

پتہ چلا کہ وہابی جو مدینہ منورہ جاتے ہیں اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روضہ پاک کی زیارت کی نیت نہیں ہوتی کہ یہ ان کے نزدیک ناجائز و شرک ہے۔ جبکہ احادیث میں صراحت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پاک کی حاضری کی نیت سے آنے کا نہ صرف ثبوت ہے بلکہ اس کے فضائل بھی موجود ہیں۔ چند احادیث پیش خدمت ہیں:

سنن الدارقطنی میں ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدارقطنی (المتوفی 385ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "ثنا الْقَاضِي الْمَحَامِلِيُّ، نا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَرَّاقُ، نا مُوسَى بْنُ هِلَالٍ الْعَبْدِيّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔ (سنن الدارقطنی، کتاب الحج، باب المواقیت، جلد3، صفحہ333، مؤسسة الرسالة، بیروت)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ موسیٰ بن بلال العبدی کو بعض نے مجہول کہا ہے جبکہ وہ ثقہ راوی ہیں امام ذہبی نے انہیں صالح الحدیث کہا۔ ابن عدی نے ان کے متعلق فرمایا "أرجو أنه لا بأس به" ترجمہ: میں امید کرتا ہوں ان میں کوئی حرج نہیں۔ (تراجم رجال الدارقطنی، صفحہ457، دار الآثار، صنعاء)

بالفرض موسیٰ بن ہلال ضعیف بھی ہو تو بھی یہ متفرد نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دیگر راوی اس کے متابع ہیں۔ موسیٰ بن بلال عبدی نے عبید اللہ بن عمر (اسے عمری صغیر بھی کہا جاتا ہے) اور عبد اللہ بن عمر (اسے عمری کبیر بھی کہا جاتا ہے) دونوں سے روایت کیا ہے۔ العمری الکبیر میں اگرچہ کچھ کلام ہے لیکن وہ حسن الحدیث ہے اور امام ابن معین نے اس کی روایت عن نافع میں فرمایا کہ یہ صالح اور ثقہ ہے۔

لہٰذا یہ حدیث ضعیف نہیں ہے بلکہ بسند حسن ہے۔ محدثین نے اس حدیث کو حسن بھی کہا ہے اور صحیح بھی کہا ہے چنانچہ عبد الحق اشبیلی نے اس کو صحیح کہا۔ امام سبکی نے شفاء السقام میں اس کو صحیح یا حسن کہا۔ امام سیوطی نے ''مناہل الصفاء فی تخریج احادیث

الشفاء" میں حسن کہا ہے۔ان کے بعد کے متاخرین نے بھی اس کی تحسین کی ہے۔اس حدیث میں بعض علتیں بیان کی گئی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی علت صحیح نہیں ہے۔ (ماخوذ از زیارت روضہ رسول ،صفحہ81،عالمی دعوتِ اسلامیہ،لاہور)

مزید اس حدیث اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت پر موجود احادیث کی صحت پر مدلل کلام پڑھنے کے لئے فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح کی کتاب بنام "رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ" کا مطالعہ کریں،جس کا اردو ترجمہ علامہ محمد عباس رضوی صاحب نے بنام "زیارتِ روضہ رسول" کیا ہے۔

زیارتِ روضہ رسول کے متعلق تقریبا چودہ احادیث ہیں جس میں دو موضوع ہیں بقیہ میں کوئی حسن ہے اور کوئی ضعیف ہیں۔یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر کثرت کے ساتھ ضعیف روایتیں بھی ہوں تو وہ باہم مل کر قوی بن جاتی ہیں۔زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احادیث پیشِ خدمت ہیں:

المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَبَّادِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثنا مُسْلِمُ بْنُ سَالِمٍ الْجُهَنِيُّ، حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا يَعْلَمُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جو میری زیارت کو آیا کہ اسے سوا زیارت کے کچھ کام نہ تھا مجھ پر حق ہو گیا کہ روز قیامت اس کا شفیع ہوں۔ (المعجم الکبیر ،باب العین ،سالم عن ابن عمر ،جلد12،صفحہ291،مکتبۃ ابن تیمیۃ ،القاہرۃ)

المغنی عن حمل الأسفار فی الأسفار، فی تخریج ما فی الإحیاء من الأخبار میں ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی (المتوفی 806ھ) فرماتے ہیں "حَدِيث من جَاءَنِي زائراً لَا تهمه إِلَّا زيارتي كَانَ حَقاً عَلَى الله أَن أكون لَهُ شَفِيعاً أخرجه الطَّبَرَانِيّ من حَدِيث ابْن عمر وَصَححهُ ابْن السكن" ترجمہ:حدیث:جو میری زیارت کو آیا کہ اسے سوا زیارت کے کچھ کام نہ تھا مجھ پر حق ہو گیا کہ روز قیامت اس کا شفیع ہوں۔اسے امام طبرانی نے حضرت ابن عمر کے حوالے سے روایت کیا اور ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ (المغنی عن حمل الأسفار فی الأسفار،صفحہ306،دار ابن حزم، بیروت)

حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ میں محمد بن عبد الہادی التتوی نور الدین السندی (المتوفی 1138ھ) فرماتے ہیں "قَالَ الدَّمِيرِيُّ:فَائِدَةُ زِيَارَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَفْضَلِ الطَّاعَاتِ وَأَعْظَمِ الْقُرُبَاتِ؛ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: مَنُ زَارَ قَبرِی وَجَبَتُ لَهُ شَفَاعَتِی رَوَاهُ الدَّارَقُطُنِیُّ وَغَیرُهُ وَصَحَّحَهُ عَبدُ الحَقِّ وَلِقَولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: مَنُ جَاءَنِی زَائِرًا لَا تَحمِلُهُ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِی، كَانَ حَقًّا عَلَیَّ أَنُ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَومَ القِيَامَةِ رَوَاهُ الجَمَاعَةُ مِنهُمُ الحَافِظُ أَبُو عَلِیِّ بنُ السَّكَنِ فِی كِتَابِهِ المُسَمَّى بِالسُّنَنِ الصِّحَاحِ، فَهَذَانِ إِمَامَانِ صَحَّحَا هَذَينِ الحَدِيثَينِ وَقَولُهُمَا أَولَى مِنُ قَولِ مَنُ طَعَنَ فِی ذَلِكَ" ترجمہ: امام دمیری نے فرمایا: فائدہ: زیارت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل طاعات اور اعظم قربات میں سے ہے کہ نبی کریم سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔اسے روایت کیا امام دار قطنی وغیرہ نے اور عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔حضور علیہ السلام نے فرمایا: جو میری زیارت کو آیا کہ اسے سوائے زیارت کے کچھ کام نہ تھا مجھ پر حق ہو گیا کہ روز قیامت اس کا شفیع ہوں۔اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا جن میں حافظ ابو علی بن سکن نے اپنی کتاب سنن صحاح میں اسے ذکر کیا۔ان دونوں اماموں نے ان دونوں حدیثوں کو صحیح فرمایا تو ان کا قول لینا اولیٰ ہے جو ان احادیث پر جرح کرتے ہیں۔

(حاشیة السندی علی سنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب فضل المدینة، جلد2، صفحه 268، دار الجیل، بیروت)

المعجم الاوسط کی روایت ہے "حَدَّثَنَا جَعفَرُ بنُ بُجَيرٍ قَالَ: ثَنَا مُحَمَّدُ بنُ بَكَّارِ بنِ الرَّيَّانِ قَالَ: نَا حَفصُ بنُ سُلَيمَانَ، عَنُ لَيثِ بنِ أَبِی سُلَيمٍ، عَنُ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: مَنُ حَجَّ فَزَارَ قَبرِی بَعدَ مَوتِی كَانَ كَمَنُ زَارَنِی فِی حَيَاتِی لَمُ يَرُوِ هَذَا الحَدِيثَ عَنُ لَيثٍ إِلَّا حَفصٌ" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو میرے انتقال کے بعد میری زیارت کرے گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(المعجم الأوسط، من اسمه جعفر، جلد3، صفحه 351، دار الحرمین، القاہرة)

حفص بن سلیمان کو ائمہ کرام نے ضعیف کہا جبکہ وکیع نے توثیق کی امام احمد نے صالح فرمایا۔اسی متن کی دوسری حدیث جسے امام سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں جید کہا ہے وہ یہ ہے جسے امام بیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے "أَخبَرَنَا أَبُو بَكرِ بنُ الحَارِثِ الأَصبَهَانِیُّ الفَقِيهُ، أَخبَرَنَا أَبُو الحَسَنِ عَلِیُّ بنُ عُمَرَ الحَافِظُ، حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيدٍ، وَالقَاضِی أَبُو عَبدِ اللهِ، وَابنُ مَخلَدٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ الوَلِيدِ البُسرِیُّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بنُ أَبِی خَالِدٍ، وَابنُ عَونٍ، عَنِ الشَّعبِی وَالأَسوَدِ بنِ مَيمُونٍ، عَنُ هَارُونَ أَبِی قَزعَةَ، عَنُ رَجُلٍ مِنُ آلِ حَاطِبٍ، عَنُ حَاطِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: مَنُ زَارَنِی بَعدَ مَوتِی فَكَأَنَّمَا زَارَنِی فِی حَيَاتِی، وَمَنُ مَاتَ بِأَحَدِ الحَرَمَينِ بُعِثَ مِنَ الآمِنِينَ يَومَ القِيَامَةِ" ترجمہ: حضرت حاطب سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس

نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ جو مکہ مدینہ میں فوت ہوا وہ قیامت والے دن امن والوں میں سے اٹھایا جائے گا۔

(شعب الإيمان، كتاب المناسك، فصل الحج والعمرة، جلد6، صفحه46، مكتبة الرشد، الرياض)

فتح الغفار الجامع لأحكام سنة نبينا المختار میں الحسن بن احمد الرُّباعی الصنعانی (المتوفی 1276ھ) فرماتے ہیں "وأخرج ابن عدى والدارقطني وابن حبان عن ابن عمر مرفوعًا: من حج ولم يزرني فقد جفاني وفي إسناده النعمان بن شبل وثقه عمران بن موسى وضعفه غيره وله شواهد ضعيفة والجميع بعضها يقوى بعضا، وعليه عمل المسلمين في جميع الأمصار ويعدون ذلك من أفضل الأعمال" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا مروی ہے جس نے حج کیا اور میری (قبر کی) زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر جفا کیا۔ اس کی سند میں نعمان بن شبل ہے جس کی عمران بن موسیٰ نے توثیق بیان کی ہے اور دوسروں نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس حدیث کے ضعیف شواہد ہیں اور تمام ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں اور اسی پر مسلمانوں کا تمام شہروں میں عمل ہے اور اسے افضل اعمال میں شمار کیا جاتا ہے۔

(فتح الغفار الجامع لأحكام سنة نبينا المختار، جلد2، صفحه 784، دار عالم الفوائد)

علماء کرام نے ابن تیمیہ کے اس گمان فاسد کا رد کیا کہ اس موضوع پر مشتمل تمام احادیث ضعیف وموضوع ہیں۔ موطا امام مالک کی شرح میں عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" من زيارة قبره اختلف فيه بعد ما اتفقوا على أن زيارة قبره صلى الله عليه وسلم من أعظم القربات وأفضل المشروعات ومن نازع في مشروعيته فقد ضل وأضل. فقيل: إنه سنة ذكره بعض المالكية وقيل: إنه واجب وقيل قريب من الواجب وهو في حكم الواجب مستدلا بحديث "من حج ولم يزرني فقد جفاني "أخرجه ابن عدي والدارقطني وغيرهما وليس بموضوع كما ظنه ابن الجوزي وابن تيمية بل سنده حسن عند جمع وضعيف عند جمع وقيل: إنه مستحب بل أعلى المستحبات وقد ورد في فضله أحاديث فمن ذلك "من زار قبري وجبت له شفاعتي "أخرجه الدارقطني وابن خزيمة وسنده حسن وفي رواية الطبراني "من جاء ني زائرا لا تعلمه ( هكذا في الأصل وفي مجمع الزوائد لا يعلم له حاجة ) حاجة إلا زيارتي كان حقا على أن أكون له شفيعا" وعند ابن أبي الدنيا عن أنس "من زارني محتسبا كنت له شفيعا وشهيدا" وأكثر طرق هذه الأحاديث وإن كانت ضعيفة لكن بعضها سالم عن الضعف القادح وبالمجموع يحصل القوة كما حققه الحافظ ابن حجر في "التلخيص الحبير" والتقي السبكي في كتابه "شفاء

الأسقام في زيارة خير الأنام" وقد أخطأ بعض معاصريه وهو ابن تيمية حيث ظن أن الأحاديث الواردة في هذا الباب كلها ضعيفة بل موضوعة "یعنی حضور علیہ السلام کے روضہ مبارک کی زیارت کرنے میں اختلاف کیا گیا بعد اس کے کہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ عظیم قربات میں ہے اور افضل مشروعات میں سے ہے اور جو اس کی مشروعیت میں جھگڑا کرے وہ خود گمراہ ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ کہا گیا کہ روضہ مبارک کی زیارت سنت ہے بعض مالکیہ نے اس کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ واجب ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ قریب واجب ہے اور اس کا واجب ہونا اس حدیث پاک سے ثابت کیا گیا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر جفا کی۔ اس حدیث کو ابن عدی دارقطنی اور دیگر محدثین نے روایت کیا اور یہ حدیث موضوع نہیں ہے جیسا کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے گمان کیا بلکہ اس کی سند حسن ہے متعدد طرق کی وجہ سے۔ کہا گیا کہ یہ مستحب ہے بلکہ مستحبات میں سے اعلیٰ ہے اور اس کی فضیلت میں کئی احادیث موجود ہیں جس میں سے ایک یہ ہے کہ یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اس حدیث کو دارقطنی اور ابن خزیمہ نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے اور امام طبرانی نے روایت کیا: جو میری زیارت کو آیا اور اسے سوائے زیارت کے اور کوئی غرض نہیں تو مجھ پر حق ہے کہ میں اس کی شفاعت کروں۔ ابن ابی دنیا کے نزدیک روایت یوں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس نے طلب ثواب کے لئے میری زیارت کی میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں۔ ان احادیث کے اکثر طرق اگرچہ ضعیف ہیں لیکن بعض احادیث غیر ضعیف ہیں اور ان سب کے مجموعہ سے قوت حاصل ہوجاتی ہے جیسا کہ تحقیق کی حافظ ابن حجر نے "التلخیص الخبیر" میں اور امام سبکی نے اپنی کتاب "شفاء الاسقام فی زیارۃ خیر الانام" میں۔ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ میں خطا کی اور گمان کیا کہ اس فضیلت میں وارد تمام احادیث ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔

(موطأ الإمام مالك، باب قبر النبي صلى الله عليه وسلم وما يستحب من ذلك، جلد3، صفحه448، دار القلم، دمشق)

وہابیوں کا نیا مولوی البانی جس کی پندرہویں صدی کے تمام وہابی تقلید کرتے ہیں اس نے بھی تیمیہ کی تقلید میں اندھا دھند ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ وسوعۃ العلامۃ الإمام مجدد العصر محمد ناصر الدين الألباني موسوعة تحتوي على أكثر من عملا ودراسة حول العلامة الألباني وتراثه الخالد میں ابو عبد الرحمٰن محمد ناصر الدين بن الحاج نوح بن نجاتي بن آدم الألباني (المتوفى 1420ھ) کہتا ہے "واعلم أنه قد جاءت أحاديث أخرى في زيارة قبره صلى الله عليه وآله وسلم وقد ساقها كلها السبكي في "الشفاء" وكلها واهية وبعضها أو هي من بعض۔۔۔وقال شيخ الإسلام ابن تيمية في القاعدة الجليلة وأحاديث زيارة قبره صلى الله عليه وآله وسلم كلها ضعيفة لا يعتمد على شيء منها في الدين،

ولهذا لم يروأهلِ الصحاح والسنن شيئا منها، وإنما يرويها من يروى الضعاف كالدارقطنى والبزار وغيرهما" ترجمہ: جان لو کہ دوسری احادیث جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت پر موجود ہیں جنہیں امام سبکی نے شفاء میں بیان کیا ہے وہ تمام کی تمام انتہائی ضعیف ہیں اور بعض بعض سے بھی زیادہ زیادہ ضعیف ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے قاعدہ جلیلہ اور احادیث زیارت قبر میں فرمایا: یہ تمام احادیث ضعیف ہیں ان میں سے کسی پر دین میں اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح وسنن میں ان احادیث کا ذکر نہیں اور اس طرح کی احادیث دار قطنی، بزار جیسی ضعیف کتب میں ہیں۔

(وسوعة العلامة الإمام مجدد العصر محمد ناصر الدين الألباني ،جلد 2،صفحه 551،مركز النعمان للبحوث والدراسات الإسلامية وتحقيق التراث والترجمة، صنعاء،اليمن)

وہابی جو فروعی مسائل میں تقلید کو شرک کہتے ہیں، لیکن خود عقائد کے مسائل بھی تیمیہ اور البانی جیسے نا اہلوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں وہابیوں نے ابن تیمیہ کی تقلید کی اور روضہ مبارک کی زیارت کے لئے سفر کو ناجائز وشرک کہا۔ وہابیوں کے فتاوٰی اسلامیہ میں ہے" لا يجوز السفر بقصد زيارة قبر النبى صلى الله عليه وسلم أو قبر غيره من الناس "ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی اور کی قبر کی زیارت کے لئے سفر جائز نہیں۔ (فتاوى إسلامية، جلد1، صفحه79، دار الوطن ، الرياض)

ہمیشہ کی طرح وہابیوں نے اپنے اس مردود عقیدہ پر بھی ایک حدیث سے باطل استدلال کیا، وہ حدیث یہ ہے" حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور کی طرف سفر نہ کرو: مسجد حرام، مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسجد اقصیٰ۔

(صحيح بخاری ،كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة،باب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة،جلد 2،صفحه60،دار طوق النجاة،مصر)

یہ روایت مسجد مکہ اور مسجد مدینہ اور اقصیٰ کی فضیلت کے متعلق ہے جیسا کہ امام بخاری نے اسی نام پر باب باندھ کر واضح کیا ہے۔ یہ حدیث زیارت کی نیت سے سفر کرنے کی ممانعت پر نہیں ہے۔ محدثین نے کتب احادیث میں زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر باب باندھے اور اس میں زیارت کی فضیلت پر احادیث لکھی ہیں۔

اس بات کی تائید میں ایک صریح حدیث ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں بسند حسن یوں روایت کی" حَدَّثَنَا هَاشِمٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ، حَدَّثَنِي شَهْرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ

الْخُدرِيّ، وَذُكِرَتْ عِندَهُ صَلاَةٌ فِي الطُّورِ فَقَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَا يَنْبَغِي لِلْمَطِيِّ أَنْ تُشَدَّ رِحَالُهُ إِلَى مَسْجِدٍ يُبْتَغَى فِيهِ الصَّلَاةُ، غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِي هَذَا" ترجمہ: ناقہ (اونٹ) کو سزاوار نہیں کہ اس کے کجاوے کسی مسجد کی طرف بغرض نماز کسے جائیں سوائے مسجد حرام و مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے۔ (مسند احمد بن حنبل ،مروی از ابو سعید خدری ،جلد3،صفحہ63،دار الفکر،بیروت)

چلو ایک لمحے کے لئے وہابیوں کا مردود استدلال صحیح مان لیا جائے کہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے اپنی قبر مبارک می سفر کرنے کے لئے منع کیا ہے تو اس سے شرک کیسے ثابت ہو گیا؟ کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کام سے منع کیا ہو وہ کام کرنا شرک ہو جاتا ہے؟ شریعتِ وہابیہ اتنی عجیب وغریب ہے کہ خود باطل موقف کو اپنائے ہوتے ہیں لیکن مسلمانوں کو ڈھکوسلوں سے بدعتی اور مشرک ٹھہرارہے ہوتے ہیں۔ اللہ عزوجل وہابیوں کے فتنوں سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

## روضہ رسول ﷺ کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا

وہابیوں کے نزدیک روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا ناجائز و شرک ہے جبکہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا نہ تو اصولاً ناجائز و شرک ہے اور نہ ہی کسی حدیث یا کسی مستند عالم نے اسے ناجائز کہا ہے۔ بلکہ صحابہ سمیت کئی علماء سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ موطأ الإمام مالک میں صحیح سند کے ساتھ مالک بن انس بن مالک بن عامر الأصبحي المدني (المتوفی 179ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ قَالَ:رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقِفُ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيدعو لأَبِي بَكْرٍ،وَعُمَرَ رضي الله عنهما" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہوتے اور آپ علیہ السلام کو سلام کرتے اور دعا مانگتے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے دعا مانگتے۔

(موطأ الإمام مالك ، كتاب الحمعة،باب ما جاء في الصلاة على النبي صلى عليه الله وسلم،جلد1،صفحه196،مؤسسة الرسالة، بيروت)

شرح مسند ابی حنیفہ میں علی بن سلطان محمد ابو الحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "(عن نافع عن ابن عمر قال من السنة) أی سنة الصحابة و من تبعهم من الأمة (أن تأتی) أیها المخاطب قبر

النبی صلی اللہ علیہ و سلم من قبل القبلة و تجعل ظھرك إلی القبلة و تستقبل القبر بو جھك )ھذا تأکید لما قبلہ (ثم تقول:السلام علیك أیھا النبی و رحمة اللہ و بر کاتہ )وھذا أخص ما یکون من آداب الزیارة" ترجمہ:حضرت نافع سے مروی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: سنت یہ ہے یعنی صحابہ کرام اور ان کے بعد امت کی سنت یہ ہے کہ اے زائر تو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قبلہ کی طرف سے آ اور قبلہ کو پیٹھ کر کے روضہ مبارک کی طرف منہ کر پھر کہہ: اے نبی آپ پر سلام اور اللہ عز وجل کی رحمت و برکت ہو۔ یہ آداب زیارت میں سے زیادہ خاص ہے۔

(شرح مسند أبی حنیفة،حدیث زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم،صفحہ 201،دار الکتب العلمیة، بیروت)

روضہ رسول صلی اللہ علہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کر کے دعا مانگنے پر ایک صریح روایت امام مالک سے ملتی ہے جسے الشفا بتعریف حقوق المصطفی میں عیاض بن موسی بن عیاض (المتوفی 544ھ) نے لکھا ہے کہ ابو جعفر منصور خلیفہ ثانی خاندانِ عباسیہ نے ایک دفعہ حضرت امام مالک عالم مدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا "یا أَبا عَبدِ اللّٰہِ أَستَقبِلُ القِبلَةَ وَأَدعُو أَم أَستَقبِلُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَقالَ:وَلِمَ تَصرِفُ وَجھَكَ عَنہُ وَھُوَ وَسِیلَتُكَ وَوَسِیلَةُ أَبِیكَ آدَمَ عَلَیہِ السَّلامُ إِلَی اللّٰہِ تَعالَی یَومَ القِیامة!بل اِستقبلہ واستشفع بِہِ فَیُشَفِّعَہُ اللّٰہُ قالَ اللّٰہُ تَعالَی ﴿وَلَوْ أَنَّھُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَھُمْ﴾ الآیَة" ترجمہ: اے ابو عبد اللہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کروں یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے دعا کروں؟ تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنا چہرہ نہ پھیر کیونکہ وہ تیرا اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ ہیں، ان کی طرف منہ کر اور ان سے شفاعت مانگ اللہ عز وجل قبول فرمائے گا۔ اللہ عز وجل نے فرمایا: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفی ،الفصل الثالث حرمتہ وتوقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم،جلد2،صفحہ 92، دار الفیحاء ،عمان)

وہابی حسب عادت حضور علیہ السلام کے روضہ مبارک کی طرف منہ کر کے دعا مانگنے کو شرک کہتے ہیں اور وہابی شریعت میں یہ ایسا شرک ہے جس پر ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں ۔ یہاں وہابیوں نے شرک یوں ثابت کیا کہ کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے، تو وہابی شریعت میں جو کام کسی صحابی سے ثابت نہ ہو وہ بھی شرک ٹھہرا۔ اس اصول سے وہابیوں کا بڑا مولوی حافظ سعید بھی پھر مشرک ٹھہرا کہ اخبار میں اس کی تصویر موجود ہے جب سیلاب زدگان کے لئے بھیجے جانے والے سامان کے وقت دعا مانگ رہا تھا۔

وہابی اس آخری بیان کردہ روایت کا انکار کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ جھوٹی ہے۔ وہابی اپنی دلیل میں کہتے ہیں کہ **المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ** میں **احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک القسطلانی (المتوفی 923ھ)** اس روایت کے بعد لکھتے ہیں "لكن رأيت منسوبا للشيخ تقى الدين بن تيمية فى منسكه:أن هذه الحكاية كذب على مالك.وأن الوقوف عند القبر بدعة، قال:ولم يكن أحد من الصحابة يقف عنده ويدعو لنفسه، ولكن كانوا يستقبلون ويدعون فى مسجده صلى الله عليه وسلم قال:ومالك من أعظم الأئمة كراهية لذلك" **یعنی میں نے تقی الدین ابن تیمیہ کی طرف منسوب کتاب منسک میں دیکھا کہ اس نے کہا: یہ حکایت امام مالک پر جھوٹ ہے۔ روضہ رسول پر وقوف بدعت ہے۔ صحابہ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں کہ وہ روضہ رسول پر کھڑے ہو کر اپنے لئے دعا مانگتے ہوں بلکہ وہ مسجد نبوی میں رہ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگتے تھے۔ امام مالک بڑے ائمہ میں سے ہے وہ اس فعل کو مکروہ جانتے تھے۔**

(المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة،الفصل الثانی فی زیارة قبره الشریف ومسجده المنیف،جلد3،صفحہ594،المکتبة التوفیقیة، القاہرة)

**ابن تیمیہ کے اس کلام کا رد کرتے ہوئے شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن شہاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی (المتوفی 1122ھ) فرماتے ہیں** "هذا تهوّر عجيب، فإن الحكاية رواها أبو الحسن على بن فهر فى كتابه:فضائل مالك،بإسنادٍ لا بأس به، وأخرجها القاضى عياض فى الشفاء من طريقه،عن شيوخ عدة من ثقات مشايخه، فمن أين أنها كذب،وليس فى إسنادها وضّاع ولا كذّاب،وأنّ الوقوف عند القبر بدعة، قال:ولم يكن أحد من الصحابة يقف عنده ويدعو لنفسه،نفيه مردود عليه من قصوره أو مكابرته، ففى الشفاء قال بعضهم:رأيت أنس بن مالك أتى قبر النبى صلى الله عليه وسلم، فوقف فرفع يديه،حتى ظننت أنه افتتح الصلاة،فسلّم على النبى صلى الله عليه وسلم ثم انصرف،ولكن كانوا يستقبلون القبلة ويدعون فى مسجده صلى الله عليه وسلم،قال:ومالك من أعظم الأئمة كراهيةً لذلك كذا قال،وهو خطأ قبيح،فإن كتب المالكية طافحة باستحباب الدعاء عند القبر مستقبلًا له مستدبر القبلة،ومِمّنْ نَصَّ على ذلك أبو الحسن القابسى،وأبو بكر بن عبد الرحمن،والعلامة خليل فى مناسكه، ونقله فى الشفاء عن ابن وهب عن مالك، قال:إذا سلّم على النبى صلى الله عليه وسلم ودعا،يقف ووجهه إلى القبر لا إلى القبلة،ويدنو ويسلِّم،ولا يمسّ القبر بيده انتهى .وإلى هذا ذهب الشافعى والجمهور، ونقل عن أبى حنيفة، قال ابن الهمام، وما نُقِلَ عنه أنه يستقبل القبلة مردود بما روى عن ابن عمر:من السُّنَّة أن يستقبل القبر المكرَّم،ويجعل ظهره للقبلة،وهو

الصحیح من مذهب أبی حنیفة .وقول الکرمانی :مذهبه خلافه لیس بشیء ؛ لأنه حیّ، ومن یأتی لحیّ إنما یتوجّه إلیه .انتهی.ولکن هذا الرجل ابتدع له مذهبًا وهو عدم تعظیم القبور" یعنی یہ عجیب ہٹ دھرمی میں ہے اس حکایت کو ابوالحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب ''فضائل مالک'' میں ایسی سند کے ساتھ روایت کی جس میں کوئی حرج نہیں۔اس حکایت کو قاضی عیاض نے شفا شریف میں اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے جنہیں ثقات میں شمار کیا جاتا ہے تو ان میں جھوٹا کون آ گیا؟ اس سند میں کوئی روای وضاع اور کذاب نہیں ہے۔ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ قبر مبارک کے پاس کھڑے ہونا بدعت ہے اور یہ کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ اس نے روضہ رسول پر کھڑے ہو کر اپنے لئے دعا مانگی ہو۔ابن تیمیہ کا اس بات کی نفی کرنا خود ان کا اپنا قصور اور حق بات سے مخالفت ہے۔شفا شریف میں ہے بعض نے فرمایا: میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آتے اس کے پاس کھڑے ہوتے اور اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ نماز شروع کرنے لگے ہیں،تو وہ آپ علیہ السلام کو سلام کرتے پھر وہاں سے پھرتے،لیکن اپنا چہرہ قبلہ کی طرف رکھتے اور دعا مسجد نبوی میں مانگتے۔ابن تیمیہ نے کہا امام مالک بڑے ائمہ میں سے ہیں جو اسے مکروہ سمجھتے تھے۔یہ سب قبیح خطا ہے۔اس لئے کہ کتب مالکیہ اس سے بھری پڑی ہیں کہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کر کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے دعا مانگنا مستحب ہے۔اس پر نص فرمائی ابوحسن قابسی اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور علامہ خلیل نے اپنی مناسک میں اور شفا شریف میں ابن وہب کے حوالے سے امام مالک سے روایت کیا گیا کہ آپ نے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کیا جائے اور دعا مانگی جائے تو چہرہ قبر انور کی طرف ہو نہ کہ قبلہ کی طرف اور روضہ مبارک کے قریب ہو کر سلام کرو اور قبر مبارک کو ہاتھ سے نہ چھوا جائے۔انتہی۔اسی طرف امام شافعی اور جمہور ائمہ کرام گئے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا ابن ہمام نے فرمایا۔وہ جو نقل کیا گیا کہ قبلہ کی طرف منہ کیا جائے یہ مردود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: سنت یہ ہے کہ قبر مکرم کی طرف منہ کیا جائے اور پیٹھ قبلہ کی طرف کی جائے یہی مذہب ابوحنیفہ میں صحیح ہے۔کرمانی کا قول ہے جو اس بات کے خلاف بات ہے وہ صحیح نہیں ہے،اسلئے کہ آقا علیہ السلام زندہ ہیں اور جو ان کی بارگاہ میں جو زندہ حاضر ہوا اسے چاہئے کہ ان کی طرف منہ کرے انتہی۔لیکن ابن تیمیہ نے یہ مردو عقیدہ ایجاد کیا اور یہ شخص قبروں کی تعظیم کرنے والا نہیں ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة،الفصل الثانی :فی زیارة قبره الشریف ومسجده المنیف،جلد 12،صفحہ 194،دار الکتب العلمیة،بیروت)

لیکن وہابیوں اس مسئلہ میں بھی اپنی عادت سے مجبور ہو کر اور ہٹ دھرمی پر قائم ہو کر شرک شرک کرتے ہیں اور روضہ

رسول پر آئے زائرین کو نہایت بُرے انداز سے دھتکارتے ہیں، اونچی آوازیں کرتے ہیں۔

# ☆۔۔۔کتاب الزکوٰۃ۔۔۔☆

## عشر کی مقدار

احناف کے نزدیک زمین میں جتنی بھی پیداوار ہو اس پر عشر ہے۔ احناف کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اے ایمان والو اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ (سورة البقرہ، سورة2، آیت267)

دوسری جگہ ہے ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ترجمہ کنز الایمان: کھاؤ اس کا پھل جب پھل لائے اور اس کا حق دو جس دن کٹے۔ (سورة الانعام، سورة6، آیت141)

سنن النسائی میں ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْهَيْثَمِ أَبُو جَعْفَرٍ الْأَيْلِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْأَنْهَارُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي وَالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (حکم الألبانی) صحيح" ترجمہ: سالم اپنے والد سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو غلہ بارش نہر اور چشموں کے پانی سے پیدا ہو یا زمین کی تری سے اس کی پیداوار ہو تو اس میں دسواں حصہ وصول کیا جائے گا اور جو کچھ اونٹوں سے سینچا جائے یا ڈول سے سینچائی کی جائے تو اس میں بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(السنن الصغرى للنسائی، کتاب الزکوٰۃ، باب ما یوجب العشر وما یوجب نصف العشر، جلد5، صفحہ41، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب)

اسی متن کی ایک اور حدیث دوسری سند سے حضرت جابر بن عبد اللہ سے بھی مروی ہے جسے البانی نے صحیح کہا ہے۔ ایک حدیث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں محمد بن سالم ہمدانی راوی ضعیف ہے۔ ایک حدیث پاک یوں ہے "أَخْبَرَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مُعَاذٍ، قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ مِمَّا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرَ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالدَّوَالِي نِصْفَ الْعُشْرِ (حکم الألبانی) حسن صحيح" ترجمہ: ابو وائل حضرت معاذ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملک یمن کی جانب روانہ فرمایا اور حکم فرمایا جو پیداوار بارش کے پانی سے پیدا ہو تو اس میں دسواں حصہ وصول کرنے کا

اور جو پیداوار ڈول کے پانی سے پیدا ہو تو اس میں سے بیسواں حصہ وصول کرنے کا۔ البانی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب الزکوۃ، باب ما یوجب العشر وما یوجب نصف العشر، جلد5، صفحہ42، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب)

شرح معانی الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) فرماتے ہیں "فَفِـی هٰـذِهِ الـآثَارِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ مَا ذُكِرَ فِيهَا، وَلَمْ يُقَدِّرْ فِي ذٰلِكَ مِقْدَارًا. فَفِي ذٰلِكَ مَا يَدُلُّ عَلَى وُجُوبِ الزَّكَاةِ فِي كُلِّ مَا خَرَجَ مِنَ الْأَرْضِ، قَلَّ أَوْ كَثُرَ" ترجمہ: ان آثار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارش کے ذریعے ہونے والے پیداوار میں عشر رکھا اور مقدار کو معین نہیں کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ زمین سے پیدا ہو تھوڑا ہو یا زیادہ سب پر عشر فرض ہے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ، باب زکاۃ ما یخرج من الأرض، جلد2، صفحہ 37، عالم الکتب)

الآثار میں ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتہ الأنصاری (المتوفی 182ھ) روایت کرتے ہیں "قَالَ: حَدَّثَنَا يُوسُفُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ: فِي كُلِّ مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ زَكَاةٌ" ترجمہ: حضرت حماد سے مروی ہے حضرت ابراہیم نے فرمایا: جو کچھ زمین سے پیداوار ہو تھوڑی ہو یا زیادہ اس پر زکوٰۃ ہے۔

(الآثار، باب الزکوۃ، صفحہ90، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّقِّيُّ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: فِيمَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ فِيمَا قَلَّ مِنْهُ، أَوْ كَثُرَ الْعُشْرُ، أَوْ نِصْفُ الْعُشْرِ" ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو کچھ زمین سے پیداوار ہو تھوڑی ہو یا زیادہ اس پر عشر یا نصف عشر ہے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الزکوۃ، فی کل شیء أخرجت الأرض زکاۃ، جلد2، صفحہ371، مکتبۃ الرشد، الریاض)

المصنف میں ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں "عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ الْفَضْلِ قَالَ: كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: أَنْ يُؤْخَذَ مِمَّا أَنْبَتَتِ الْأَرْضُ مِنْ قَلِيلٍ، أَوْ كَثِيرٍ الْعُشْرُ" ترجمہ: سماک بن فضل سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا: جو کچھ زمین سے پیدا ہو تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں عشر لیا جائے۔

(المصنف، کتاب الزکوۃ، باب الخضر، جلد4، صفحہ 121، المجلس العلمی، الہند)

وہابیوں کے نزدیک پانچ وسق سے کم پر عشر نہیں۔ وہابیوں کی دلیل یہ ہے "أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا

عَبْدُ الرَّحْمنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَيْسَ فِي حَبٍّ وَلَا تَمْرٍ صَدَقَةٌ حَتَّى تَبْلُغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، وَلَا فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ، وَلَا فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ" ترجمہ: کھجوروں اور دانوں میں اس وقت تک صدقہ واجب نہیں جب تک وہ پانچ وسق تک نہ پہنچ جائیں۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب الزکوۃ، باب زکاۃ الحبوب، جلد5، صفحہ40، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

احناف نے اس حدیث کی تاویل یہ کی کہ اس کا تعلق عشر کے ساتھ نہیں بلکہ تجارت کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی کھجوروں یا سبزیوں وغیرہ کی تجارت کرے تو اس کی تجارت پر اس وقت زکوٰۃ فرض ہوگی جب وہ نصاب تک پہنچ جائے اور اس کا نصاب پانچ وسق اس زمانہ میں تھا جو دوسو درہم کے برابر تھا۔ المبسوط میں محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الأئمۃ السرخسی (المتوفی 483ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَأَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ: تَأْوِيلُ الْحَدِيثِ زَكَاةُ التِّجَارَةِ فَإِنَّهُمْ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِالْأَوْسَاقِ كَمَا وَرَدَ بِهِ الْحَدِيثُ فَقِيمَةُ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِائَتَا دِرْهَمٍ" ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث کی تاویل تجارت کی زکوٰۃ ہے صحابہ کرام اوساق کے ساتھ خرید وفروخت کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں بیان ہے۔ تو پانچ وسق کی قیمت دوسو درہم ہے۔

(المبسوط، کتاب الزکوۃ، باب عشر الأرضین، جلد3، صفحہ2، دار المعرفة، بیروت)

بدائع الصنائع میں علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ الصَّدَقَةِ الزَّكَاةُ؛ لِأَنَّ مُطْلَقَ اسْمِ الصَّدَقَةِ لَا يَنْصَرِفُ إِلَّا إِلَى الزَّكَاةِ الْمَعْهُودَةِ وَنَحْنُ بِهِ نَقُولُ أَنَّ مَا دُونَ خَمْسَةِ، أَوْسُقٍ مِنْ طَعَامٍ، أَوْ تَمْرٍ لِلتِّجَارَةِ لَا يَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ مَا لَمْ يَبْلُغْ قِيمَتُهَا مِائَتَيْ دِرْهَمٍ" ترجمہ: اس سے مراد صدقہ زکوٰۃ ہے، اس لئے کہ مطلق لفظ صدقہ معہودہ زکوٰۃ کی طرف پھیرا جاتا ہے اور ہم احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ تجارت کا مال کھانا یا کھجوریں اگر پانچ وسق سے کم ہیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ مالِ تجارت دوسو درہم تک نہ پہنچ جائے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الزکوۃ، فصل زکاۃ الزروع والثمار، جلد2، صفحہ59، دار الکتب العلمیة، بیروت)

## صدقہ فطر ہر مسلمان پر لازم نہیں

احناف کے نزدیک غنی پر صدقہ فطر واجب ہے فقیر پر نہیں۔ صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابوعبد اللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى" یعنی غنی کے علاوہ کسی پر صدقہ نہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب تأویل قول اللہ تعالی ﴿من بعد وصیة یوصی بہا أو دین﴾، جلد4، صفحہ5، دار طوق النجاة، مصر)

اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب میں جمال الدین ابو محمد علی بن ابی یحیی الأنصاری الخزرجی المنبجی (المتوفی 686ھ) فرماتے ہیں"البُخارِیّ وَمُسلم:عَن أبی هُرَیْرَة رَضِی الله عَنهُ قَالَ:قَالَ رَسُول الله (صلی الله عَلَیْهِ وَسلم):إِنَّمَا الصَّدَقَة عَن ظهر غنی .وَلِأَن الله تَعَالَی لم یَأْمر بِأخذ الصَّدَقَة من الْفُقَرَاء بل بدفعها إِلَیْهِم .فَإِن قیل:فقد روی أَبُو دَاوُد، عَن عبد الله بن ثَعْلَبَة أَو ثَعْلَبَة بن عبد الله بن أبی صعیر، عَن أَبِیه قَالَ:قَالَ رَسُول الله (صلی الله عَلَیْهِ وَسلم):صَاع من بر أَو قَمح علی کل اثْنَیْنِ صَغِیر أَو کَبِیر، حر أَو عبد، ذکر أَو أُنْثَی، أما غنیکم فیزکیه الله تَعَالَی وَأما فقیرکم فیرد الله تَعَالَی عَلَیْهِ أَکثر مِمَّا (أعْطی)قیل لَهُ:فِی سَنَده، النُّعْمَان بن رَاشد وَلَا یُحْتَج بحَدِیثه"

ترجمہ: بخاری ومسلم کی حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صدقہ غنا کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فقراء سے صدقہ لینے کا نہیں بلکہ فقراء کو صدقہ دینے کا حکم دیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ابوداؤد نے عبداللہ بن ثعلبہ یا ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صعیر سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک صاع گندم ہر چھوٹے بڑے، غلام آزاد، مرد وعورت پر ہے۔ تمہارے اغنیاء کے صدقہ دینے پر اللہ عزوجل ان کے مال کو پاک کرے گا اور تمہارے فقراء کے صدقہ دینے پر اللہ عزوجل ان مزید عطا فرمائے گا۔ اس حدیث کے متعلق کہا گیا کہ اس سند میں نعمان بن راشد ہے جس کی حدیث کو دلیل نہیں بنایا جاتا ہے۔

(اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب،باب لا تجب صدقة الفطر إلا علی من یملك نصابا من أی مال کان،جلد1،صفحه387،دار القلم،سوریا)

ابوداؤد شریف کی اس حدیث پاک کو البانی نے بھی ضعیف کہا ہے۔

وہابیوں کے نزدیک صدقہ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّکَنِ،حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَهْضَمٍ،حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِیهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ:فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَکَاةَ الفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیرٍ عَلَی العَبْدِ وَالحُرِّ، وَالذَّکَرِ وَالأُنْثَی، وَالصَّغِیرِ وَالکَبِیرِ مِنَ المُسْلِمِینَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّی قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَی الصَّلاَةِ"

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا جو فرض ہے ہر مسلمان غلام وآزاد پر، مرد وعورت پر، چھوٹے وبڑے پر۔ اور حکم دیا کہ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کیا جائے۔

(صحیح بخاری، کتاب الزکوة،باب فرض صدقة الفطر،جلد2،صفحه130،دار طوق النجاة،مصر)

احناف نے اس حدیث کی تاویل یہ کی کہ یہ حکم ابتدائے اسلام پر محمول ہے بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔ البنایہ شرح الہدایہ

میں ابو محمد محمود بن احمد الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قلنا: حدیث ابن عمر محمول إما علی ما کان فی الابتداء ثم انتسخ لقوله: لا صدقة إلا عن ظهر غنی، و إما علی الندب فإنه قال فی آخره: أما غنیکم فیزکیه الله، وأما فقیر کم فیعطیه الله أفضل مما أعطی" ترجمہ: ہم نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ابتدائے اسلام پر محمول ہے پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے: صدقہ نہیں ہے مگر غنی پر۔ باقی جو حضور علیہ السلام کے فرمان کا آخر ہے کہ غنی کے مال کو اللہ عزوجل پاک فرمائے گا اور فقیر کو بہتر عطا فرمائے گا تو یہ مستحب ہے۔ (یعنی اگر فقیر بھی صدقہ فطر دے اگرچہ اس پر واجب نہیں لیکن مستحب ہے۔)

(البنایة شرح الهدایة، کتاب الزکوٰة، باب صدقة الفطر، جلد3، صفحه485، دار الکتب العلمیة، بیروت)

## صدقہ فطر کی مقدار

وہابیوں کے نزدیک صدقہ فطر میں وزن ایک صاع گندم ہے جیسا کہ اوپر بخاری شریف کی حدیث پاک میں بیان ہوا۔ احناف کے نزدیک نصف صاع گندم (تقریبا دو کلو سے 80 گرام کم) ہے۔ احناف کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ، حَدَّثَنَا أَیُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: فَرَضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الفِطْرِ أَوْ قَالَ: رَمَضَانَ عَلَی الذَّکَرِ، وَالأُنْثَی، وَالحُرِّ، وَالمَمْلُوكِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیرٍ فَعَدَلَ النَّاسُ بِهِ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ فطر یا فرمایا صدقہ رمضان فرض کیا مرد وعورت، آزاد وغلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو جسے لوگوں نے برابر کیا نصف صاع گندم کے۔

(صحیح بخاری، جلد2، صفحه131، کتاب الزکوٰة، باب فرض صدقة الفطر، دار طوق النجاة، مصر)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابو عیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُکْرَمٍ البَصْرِیُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ نُوحٍ، عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ، عَنْ أَبِیهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِیًا فِی فِجَاجِ مَکَّةَ: أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَی کُلِّ مُسْلِمٍ ذَکَرٍ أَوْ أُنْثَی، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِیرٍ أَوْ کَبِیرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ. هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ" ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجاج مکہ میں ایک منادی بھیجا کہ جان لو کہ

صدقہ فطر واجب ہر مسلمان مرد و عورت، آزاد و غلام، چھوٹے و بڑے پر دو مُد (نصف صاع) گندم یا ایک صاع طعام کے برابر۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن الترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ما جاء فی صدقۃ الفطر، جلد2، صفحہ 53، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

سنن النسائی میں ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ وَهُوَ ابْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَنْبَأَنَا حُمَيْدٌ، عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ خَطَبَ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ: أَدُّوا زَكَاةَ صَوْمِكُمْ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ: مَنْ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، قُومُوا إِلَى إِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ (حكم الألباني) صحيح المرفوع منه" ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس نے ایک مرتبہ بصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اپنے روزوں کی زکوۃ دیا کرو۔ یہ سن کر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے فرمایا یہاں اہل مدینہ میں سے کون کون ہیں؟ اٹھو اور اپنے بھائیوں کو بتاؤ۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ فطر ہر چھوٹے بڑے آزاد و غلام اور مرد و عورت پر فرض کیا ہے۔ اس کی مقدار نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کی ہے۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت ابن عباس سے مرفوعا مروی ہے۔

(السنن الصغرى للنسائی، کتاب صلوة العيدين، حث الإمام على الصدقة فی الخطبة، جلد3، صفحہ 190، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ عُثْمَانَ، قَالَ: صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ" ترجمہ: حضرت ابوقلابہ سے مروی ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک صاع کھجور یا نصف صاع گندم ہے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الزکوۃ، فی صدقۃ الفطر من قال: نصف صاع بر، جلد2، صفحہ 395، مکتبۃ الرشد، الریاض)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ أَدَّى إِلَى أَبِي بَكْرٍ صَدَقَةُ الْفِطْرِ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ" ترجمہ: حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے خبر دی اس نے جس نے حضرت ابوبکر کی طرف سے نصف صاع طعام صدقہ فطر دیا۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الزکوۃ، فی صدقۃ الفطر من قال: نصف صاع بر، جلد2، صفحہ 396، مکتبۃ الرشد، الریاض)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَلِيٍّ

فِی صَدَقَةِ الْفِطْرِ قَالَ: صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ" ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقہ فطر کے متعلق فرمایا کہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا نصف صاع گندم ہے۔

(الكتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، كتاب الزكوة، فی صدقة الفطر من قال: نصف صاع بر، جلد2، صفحہ397، مكتبة الرشد، الرياض)

٣ مصنف عبد الرزاق میں ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: زَكَاةُ الْفِطْرِ عَلَى كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ، ذَكَرٍ وَأُنْثَى: صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ، غَنِيٍّ وَفَقِيرٍ، صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ. قَالَ مَعْمَرٌ: وَبَلَغَنِي، أَنَّ الزُّهْرِيَّ، كَانَ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: صدقہ فطر ہر آزاد و غلام، مرد و عورت، چھوٹے و بڑے، غنی و فقیر پر ہے۔ ایک صاع کھجور یا نصف صاع گندم۔ حضرت معمر نے فرمایا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ امام زہری اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے۔

(المصنف، كتاب صلوة العيدين، باب زكاة الفطر، جلد3، صفحہ311، المجلس العلمی، الهند)

مصنف عبد الرزق میں ہے "عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدِ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ" ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: دو مُد (نصف صاع) گندم یا ایک صاع کھجور یا جو (صدقہ فطر کی مقدار) ہے۔

(المصنف، كتاب صلوة العيدين، باب زكاة الفطر، جلد3، صفحہ313، المجلس العلمی، الهند)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، أَنَّهُ سَأَلَ الْحَكَمَ، وَحَمَّادًا، فَقَالَا: نِصْفُ صَاعٍ مِنْ حِنْطَةٍ. قَالَ: وَسَأَلْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْقَاسِمِ، وَسَعْدَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَا: مِثْلَ ذَلِكَ" ترجمہ: حضرت شعبہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم اور حماد رحمہما اللہ سے (صدقہ فطر کے متعلق) پوچھا تو ان دونوں نے فرمایا: نصف صاع گندم۔ فرمایا: میں نے عبد الرحمٰن بن قاسم اور سعد بن ابراہیم سے پوچھا تو انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا۔

(الكتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، كتاب الزكوة، فی صدقة الفطر من قال: نصف صاع بر، جلد2، صفحہ396، مكتبة الرشد، الرياض)

اسی طرح دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات مروی ہیں کہ نصف صاع گندم صدقہ فطر واجب ہے۔

## ☆۔۔۔۔کتاب النکاح۔۔۔۔☆

### حرمتِ مصاہرت

احناف کے نزدیک جس عورت سے زنا کیا ہو یا شہوت سے چھوا ہو تو اس عورت کی ماں اور بیٹی (اصول وفروع) حرام ہو جاتی ہے، اگر باپ نے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا یا شہوت سے چھوا تو بیٹے پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی، اگر بیٹے نے باپ کی بیوی کو شہوت سے چھوا یا زنا کیا تو باپ پر اسکی بیوی حرام ہو جائے گی۔قرآن پاک میں ہے ﴿ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكُمۡ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: (حرام ہوئیں تم پر) ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں اُن بی بیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو تو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں۔ (سورۃ النساء، سورۃ4، آیت23)

حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے کسی نے کسی طرح صحبت کی اگر چہ بلا نکاح اگر چہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی اس پر حرام ہوگئی، یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق وحضرت علامہ صحابہ عبداللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبداللہ بن عباس وحضرت ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت مفتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ رب العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین و جماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری وافضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمن بن یسار وامام حماد اور اکابر مجتہدین مثل امام عبدالرحمٰن اوزاعی وامام احمد بن حنبل وامام اسحٰق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "جَرِيرٌ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، وَعَامِرٍ، فِي رَجُلٍ وَقَعَ عَلَى ابْنَةِ امْرَأَتِهِ قَالَا: حُرِّمَتَا عَلَيْهِ كِلَاهُمَا وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَكَانُوا يَقُولُونَ إِذَا اطَّلَعَ الرَّجُلُ عَلَى الْمَرْأَةِ، عَلَى مَا لَا تَحِلُّ لَهُ، أَوْ لَمَسَهَا لِشَهْوَةٍ، فَقَدْ حُرِّمَتَا عَلَيْهِ جَمِيعًا" ترجمہ: حضرت ابراہیم اور عامر اس مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے بیوی کی بیٹی سے زنا کیا تو اس شخص پر یہ دونوں عورتیں (بیوی اور اس بیوی کی بیٹی) حرام ہوگئیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وہ فرماتے تھے اگر آدمی عورت سے صحبت کرے جو اس کے لئے حلال نہیں یا شہوت کے ساتھ چھوئے تو اس پر سب حرام ہوں جائیں گی۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب النکاح ،الرجل یقع علی أم امرأتہ أو ابنة امرأتہ ما حال امرأتہ،جلد3،صفحہ481،مکتبة الرشد،الریاض)

کئی ایسی احادیث بھی ہیں جس سے یہی مؤقف ثابت ہوتا ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"عَنِ ابُنِ جُرَیُجٍ قَالَ:أُخُبِرُتُ، عَنُ أَبِی بَکُرِ بُنِ عَبُدِ الرَّحُمَنِ بُنِ أُمِّ الُحَکَمِ، أَنَّهُ قَالَ:قَالَ رَجُلٌ:یَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّی زَنَیُتُ بِامُرَأَةٍ فِی الُجَاهِلِیَّةِ وَابُنَتِهَا، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ:لَا أَرَی ذَلِكَ، وَلَا یَصُلُحُ ذَلِكَ:أَنُ تَنُکِحَ امُرَأَةً تَطَّلِعُ مِنَ ابُنَتِهَا عَلَی مَا اطَّلَعُتَ عَلَیُهِ مِنُهَا" ترجمہ: ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک عورت سے زنا کیا تھا اس کی بیٹی سے نکاح کرلوں، فرمایا: میری یہ رائے نہیں اور نہ ایسا نکاح جائز ہے کہ تو بیٹی کی اس چیز پر مطلع ہو جس چیز پر اس کی ماں کی مطلع تھا۔

(المصنف، کتاب الطلاق، باب الرجل یزنی بأم امرأتہ، وابنتہا، وأختہا،جلد7،صفحہ 201،المجلس العلمی،الہند)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے"جَرِیرُ بُنُ عَبُدِ الُحَمِیدِ، عَنُ حَجَّاجٍ، عَنُ أَبِی هَانِءٍ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ:مَنُ نَظَرَ إِلَی فَرُجِ امُرَأَةٍ، لَمُ تَحِلَّ لَهُ أُمُّهَا، وَلَا ابُنَتُهَا" ترجمہ: حضرت ابوہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کسی عورت کی فرج (داخل) کو شہوت سے دیکھے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائیں۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب النکاح ،الرجل یقع علی أم امرأتہ أو ابنة امرأتہ ما حال امرأتہ،جلد3،صفحہ480،مکتبة الرشد،الریاض)

مصنف عبد الرزاق میں ہے"عَنُ عُثُمَانَ بُنِ سَعِیدٍ، عَنُ قَتَادَةَ، عَنُ عِمُرَانَ بُنِ حُصَیُنٍ فِی الَّذِی یَزُنِی بِأُمِّ امُرَأَتِهِ، قَدُ حَرُمَتَا عَلَیُهِ جَمِیعًا" ترجمہ: حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساس سے زنا کرنے والے کی نسبت فرمایا کہ اس پر ساس اور عورت دونوں حرام ہو گئیں۔

(المصنف، کتاب الطلاق، باب الرجل یزنی بأم امرأتہ، وابنتہا، وأختہا،جلد7،صفحہ 200،المجلس العلمی،الہند)

سنن سعید بن منصور میں ابو عثمان سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی الجوزجانی (المتوفی 227ھ) ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں"أَخُبَرَنَا سَعِیدٌ، نا سُفُیَانُ، عَنِ ابُنِ أَبِی نَجِیحٍ، عَنُ مُجَاهِدٍ، قَالَ:یُحَرِّمُ الُوَالِدُ عَلَی وَلَدِهِ أَنُ یُقَبِّلَهَا، أَوُ یَضَعَ یَدَهُ عَلَی فَرُجِهَا، أَوُ فَرُجَهُ عَلَی فَرُجِهَا، أَوُ یُبَاشِرَهَا" ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: والد بیٹے کی بیوی یا لونڈی کا بوسہ لے (شہوت کے ساتھ یا ہونٹ کا بلا شہوت) یا اپنا ہاتھ اس کی شرمگاہ پر رکھے یا اس کی شرمگاہ سے اپنی شرمگاہ ملائے یا اس سے مباشرت کرے تو وہ عورت بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب جامع الطلاق،جلد2،صفحہ122، الدار السلفیة ،الہند)

دوسری روایت بھی ثقہ راویوں سے مروی ہے "أَخبَرَنَا سَعِيدٌ، ثنا إِسمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، نا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: إِذَا مَسَّ الرَّجُلُ فَرْجَ الْأَمَةِ أَوْ مَسَّ فَرْجُهُ فَرْجَهَا حُرِّمَتْ عَلَى أَبِيهِ وَابْنِهِ" ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب کسی مرد نے (باپ یا بیٹے کی) لونڈی کی شرمگاہ کو چھوا یا لونڈی نے مرد کی شرمگاہ کو چھوا یا دونوں کی شرمگاہیں باہم ملیں تو وہ عورت باپ اور بیٹے پر حرام ہو جائے گی۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب جامع الطلاق، جلد2، صفحہ123، الدار السلفية ،الهند)

اسی طرح دوسری روایت میں ہے "شَرِيكٌ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: إِذَا أَتَى الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ حَرَامًا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ ابْنَتُهَا، وَإِنْ أَتَى ابْنَتَهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا" ترجمہ: حضرت عطاء نے فرمایا: جب مرد نے عورت سے صحبت کی تو اس عورت کی بیٹی اس مرد پر حرام ہوگئی اور مرد نے کسی کی بیٹی سے زنا کیا تو اس کی ماں اس مرد پر حرام ہوگئی۔

(الكتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، كتاب النكاح ،الرجل يقع على أم امرأته أو ابنة امرأته ما حال امرأته، جلد3، صفحہ481، مكتبة الرشد، الرياض)

وہابیوں کے نزدیک جس سے عورت کو شہوت سے چھوا جائے یا اس سے زنا بھی کر لیا جائے تو اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام نہیں ہوتی ہے۔ وہابیوں کی دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُعَلَّى بْنِ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عن النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُحَرِّمُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ (حكم الألباني) ضعيف" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حرام حلال کو حرام نہیں کرتا۔ البانی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب النكاح ،باب لا يحرم الحرام الحلال، جلد1، صفحہ649، دار إحياء الكتب العربية، الحلبي)

اس حدیث میں عبد اللہ بن عمر وضعیف ہے۔ اسی طرح کی اور ضعیف روایات حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''مخالف کے پاس اس کی حلت پر کوئی دلیل نہیں مگر حدیث "لایحرم الحرام الحلال" حرام حلال کو حرام نہیں کرتا۔ مگر یہ حدیث کس طرح مخالف کی دلیل ہو سکے جبکہ سخت ضعیف وساقط و نا قابل احتجاج ہے۔ بیہقی با آنکہ انتصار شافعیت میں اہتمام شدید رکھتے ہیں اسے حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کر کے تضعیف کر دی "کما فی التیسیر شرح الجامع الصغیر" (جیسا کہ جامع صغیر کی شرح تیسیر میں ہے۔)

اقول دلیل ضعف کو یہی کافی کہ ام المومنین خود قائل حرمت "کما تقدم" (جیسا کہ گزرا۔) اگر اس باب میں خود ارشاد

اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنے ہوتے تو خلاف کے کیا معنی تھے، لاجرم امام احمد نے فرمایا نہ وہ ارشاد اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے نہ اثر ام المومنین، بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے " کما فی الفتح "(جیسا کہ فتح میں ہے۔)

روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا" ترکوہ "محدثین نے اسے متروک کردیا۔

امام ابوداؤد نے فرمایا" لیس بشیء "کوئی چیز نہیں۔

امام علی بن مدینی نے سخت ضعیف فرمایا۔ نسائی ودار قطنی نے کہا متروک ہے۔ حتی کہ امام یحیٰی بن معین نے فرمایا "یکذب" جھوٹ بولتا ہے۔

اقول یہی عثمان حدیث ام المومنین صدیقہ کا بھی راوی ہے۔ روایت ابن حبان کتاب الضعفاء میں یوں ہے" حدثنا الحسن بن سفٰین نا اسحٰق بن بھلول نا عبداللّٰہ بن نافع نا المغیرہ بن اسمٰعیل بن ایوب بن سلمة عن عثمان بن عبدالرحمٰن عن ابن شہاب الزہری عن عروہ عن عائشہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا قالت سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم عن الرجل یتبع المرأۃ حراما اینکح ابنتھا اویتبع الابنة حراما اینکح امھا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لایحرم الحرام الحلال انما یحرم ماکان بنکاح حلال" ہمیں حدیث بیان کی حسن بن سفیان نے انھوں نے اسحاق بن بہلول سے، انھوں نے عبداللہ بن نافع سے، انھوں نے مغیرہ بن اسمٰعیل بن ایوب بن سلمہ سے، انھوں نے عثمان بن عبدالرحمان سے، انھوں نے امام ابن شہاب زہری سے، انھوں نے عروہ سے۔ انھوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص کسی عورت سے حرامکاری کرے تو کیا وہ اس عورت کی بیٹی یا ماں سے نکاح کرسکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا حرام، حلال کو حرام نہیں بناتا۔ حلال نکاح ہی حرام بناتا ہے۔

ابن حبان نے اسے روایت کرکے کہا"عثمان بن عبدالرحمان ھو الوقاصی یروی عن الثقات الاشیاء الموضوعات لایجوز الاحتجاج بہ " عثمان بن عبدالرحمان وہی وقاصی ہے ثقات سے موضوع خبریں روایت کردیتا ہے اس سے سند لانا حلال نہیں۔

ہاں سنن ابن ماجہ میں روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یوں آئی "حدثنا یحیی بن معلی بن منصور

ثنا اسحق بن محمد الفروی ثنا عبداللّٰہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال لایحرم الحرام الحلال ''ہمیں حدیث بیان کی یحییٰ بن معلیٰ بن عثمان بن منصور نے انھوں نے اسحٰق بن محمد فروی سے انھوں نے نافع سے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حرام حلال کو حرام نہیں بناتا۔

اولا اس میں اسحٰق بن ابی فروہ متکلم فیہ ہیں، امام عبدالحق نے احکام میں حدیث کو ذکر کر کے فرمایا "فی اسناده اسحق بن ابی فروه وهو متروك" (اس کی سند میں اسحاق بن ابی فروہ ہے اور وہ متروک ہے)" نقله عنه المحقق فی الفتح" (اسے فتح میں شیخ محقق نے اس سے نقل کیا ہے۔)

امام ابوالفرج نے علل متناہیہ میں فرمایا "قد رواه اسحق بن محمد الفروی عن عبداللّٰہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم لایحرم الحرام الحلال قال یحیی الفروی کذاب وقال البخاری ترکوه انتهی" یعنی یہ حدیث اسحٰق بن محمد فروی نے بسند خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: فروی کذاب ہے۔ امام بخاری نے فرمایا محدثین کے نزدیک متروک ہے۔ انتہی

"وانا اقول وباللّٰہ التوفیق سبحٰن من لاینسی" (اور میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق ہے پاک ہے وہ ذات جو بھولتی نہیں۔) حافظین جلیلین عبدالحق وابی الفرج کو التباس واقع ہوا اسحٰق بن ابی فروہ خواہ اسحٰق فروی۔ دو ہیں: ایک اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ تابعی معاصر وتلمیذ امام زہری رجال ابوداؤد، وترمذی وابن ماجہ ہے۔ یہی متروک ہے، اسی کو امام بخاری نے ترکوہ فرمایا "کما فی تهذیب التهذیب و میزان الاعتدال وغیرهما" (جیسا کہ تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہما میں ہے۔) تہذیب التہذیب میں ہے "قال ابو زرعة وجماعة متروك" (ابوزرعہ اور ایک جماعتِ ائمہ نے فرمایا: متروک ہے۔)

میزان میں ہے "لم ارا احدامشاه وقال ابن معین وغیره لایکتب حدیثه" (میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ اسے رواں کیا یعنی اس کی روایت کو کچھ بھی معتبر سمجھا ہو۔) امام ابن معین وغیرہ نے فرمایا اس کی حدیث لکھی تک نہ جائے۔

دونوں کتابوں میں ہے "نهی احمد بن حنبل عن حدیثه وقال ابراهیم الجوزجانی سمعت احمد بن

حنبل یقول لاتحل الروایة عندی عن اسحق بن ابی فروہ "(امام احمد بن حنبل نے اس کی حدیث نقل کرنے سے منع فرمایا: ابراھیم جوزجانی نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے سنا کہ میرے نزدیک اسحٰق بن ابی فروہ سے روایت حلال نہیں۔)

امام ترمذی نے ابواب الفرائض، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل میں حدیث "القاتل لایرث بطریق اسحق بن عبداللہعن الزھری عن حمید بن عبدالرحمن عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ" قاتل وارث نہیں ہوگا، اس حدیث کو اسحٰق بن عبداللہ، انھوں نے زہری انھوں نے حمید بن عبدالرحمٰن انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرکے فرمایا" ھذا حدیث لا یصح واسحق بن عبداللہبن ابی فروة قد ترکه بعض اهل العلم منهم احمد بن حنبل " یہ حدیث صحیح نہیں کہ اسحٰق بن عبداللہ بن ابوفروہ کو بہت سے اہل علم نے متروک قرار دیا ہے ان میں سے امام احمد بن حنبل ہیں۔

ابوالفرج نے موضوعات میں حدیث "الصبحة تمنع الزرق بطریق اسمعیل بن ابی عیاش عن ابی فروة عن محمد بن یوسف عن عمر و بن عثمن بن عفان عن ابیه رضی اللہ تعالیٰ عنه" صبح کوسونا زرق کی (برکت) کے لیے مانع ہے) والی حدیث کو اسماعیل بن عیاش انھوں نے ابن ابی فروہ انھوں نے محمد بن یوسف انھوں نے عمرو بن عثمان بن عفان انھوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرکے کہا" ھذا حدیث لایصح وابن ابی فروة متروك ملخصا" یہ صحیح نہیں کیونکہ ابن ابی فروہ متروک ہے ملخصا۔

امام خاتم الحفاظ نے لآ لی میں اس پر تقریر فرمائی اور تعقبات میں بھی اس جرح پر جرح کی، غرض یہ بالاتفاق متروک ہے مگر یہ قدیم ہے 136ھ میں انتقال کیا" قاله ابن ابی فدیك " (یہ ابن ابی فدیک نے کہا ہے۔) یا 144ھ میں "کماقاله ابن سعد وغیرہ واحمد وھذا ھوالصحیح کمافی تھذیب التھذیب " (جیسا کہ اس کو ابن سعد اور بہت سے حضرات نے بیان کیا ہے یہی صحیح ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔) یحیٰی بن معلّٰی نے کہ طبقہ حادیہ عشرہ سے ہیں اسے کہاں پایا۔

دوم اس کے بھائی کے پوتے اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ یہ تبع تابعین سے بھی نہیں، ان کے تلامذہ سے ہیں، رجال بخاری وترمذی وابن ماجہ سے، امام بخاری کے استاذ ہیں، 326ھ میں انتقال کیا یہ ہرگز متروک نہیں، امام بخاری نے خود جامع صحیح میں ان سے روایت کی تو وہ ان کی نسبت "ترکوہ" کیونکر فرماتے، ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا، اور ابو

حاتم وغیرہ نے صدوق کہا، البتہ کلام سے خالی یہ بھی نہیں، امام نسائی نے کہا ثقہ نہیں، امام دار قطنی نے کہا ضعیف ہیں، ائمہ مجتہدین امام بخاری پران سے روایت کرنے میں معترض ہیں، امام ابو حاتم نے کہا مضطرب الحدیث ہیں آنکھیں جانے کے بعد بار ہا ہوتا کہ جیسا کوئی سکھادیتا ویسے ہی روایت کرنے لگتے۔ عقیلی نے کہا امام مالک سے بکثرت وہ حدیثیں روایت کیں جن پران کا کوئی متابع نہیں، امام ابوداؤد نے سخت ضعیف کہا، امام الشان نے فرمایا آنکھیں جاکر حفظ خراب ہو گیا تھا۔

امام حافظ عبدالعظیم منذری کی ترغیب میں ہے"اسحق بن محمد بن اسمعیل بن ابی فروہ الفروی صدوق روی عنہ البخاری فی صحیحہ، وقال ابو حاتم وغیرہ صدوق، وذکرہ ابن حبان فی الثقات و وھاہ ابو داؤد وقال النسائی لیس بثقۃ" اسحٰق بن محمد بن اسمعیل بن ابی فروہ الفروی صدوق ہے، اس سے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور ابو حاتم وغیرہ نے کہا یہ صدوق ہے، اس کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، اور ابوداؤد نے اس کو کمزور بتایا ہے اور نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے"ھو صدوق فی الجملۃ، صاحب حدیث، قال ابو حاتم صدوق ذھب بصرہ فربما لقن و کتبہ صحیحۃ، وقال مرۃ مضطرب، وقال العقیلی جاء عن مالک باحادیث کثیرۃ لایتابع عن مالک باحادیث کثیرۃ لایتابع علیھا، وذکرہ ابن حبان فی الثقات، وقال النسائی لیس بثقہ، وقال الدارقطنی لایترک، وقال ایضا ضعیف قدروی عنہ البخاری ویوبّخونہ علی ھذا، و کذا ذکرہ ابو داؤد و وھاہ جدا" وہ مجموعی طور پر صدوق ہے اور صاحب حدیث ہے، ابو حاتم نے کہا یہ صدوق ہے اور اس کی نظر ضائع ہو گئی تھی اور بعض اوقات دوسرے کی بات مان لیتا تھا اور اس کی کتب حدیث صحیح ہیں، اور انھوں نے کبھی اس کو مضطرب قرار دیا ہے، اور عقیلی نے کہا کہ اس نے امام مالک سے کثیر روایات ذکر کیں لیکن ان کی تائید نہ ہوئی، اور اس کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے، اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے، اور دار قطنی نے کہا کہ یہ متروک نہیں، اور ضعیف قد روی بھی کہا ہے، اور بخاری نے اس سے روایت کیا ہے اس وجہ سے امام بخاری پر طعن بھی ہوا ہے، ابوداؤد نے یوں ہی کہا اور اس کو بہت کمزور قرار دیا۔

تقریب میں ہے"صدوق کف فساء حفظہ" (صدوق ہے۔ اس کا حفظ کمزور ہو گیا تھا۔)

تہذیب التہذیب میں ہے"قال البخاری مات 236" (امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ 236 میں فوت ہوا)

پر ظاہر کہ اس حدیث کے راوی یہی اسحٰق بن محمد فروی متکلم فیہ ہیں نہ کہ وہ اسحٰق بن عبداللہ فروی متروک، بہر حال ایک موضع کلام تو اس کی سند میں یہ ہے۔

ثانیاً اقول دوسرا محل کلام اسحٰق مذکور کے شیخ عبداللہ میں ہے ائمہ محدثین کا ان میں کلام معروف ہے، امام ترمذی نے "باب فيمن يستيقظ بللا ولا يذكر احتلاما" (باب جو نیند سے بیدار ہو کر کپڑے پر رطوبت پائے مگر احتلام یاد نہ ہو۔) میں ایک حدیث ان سے روایت کر کے فرمایا "عبدالله ضعفه يحيى بن سعيد من قبل حفظه فى الحديث" عبداللہ کو امام یحیٰی بن سعید قطان نے نقصانِ حافظہ کی رو سے حدیث میں ضعیف بتایا۔

اسی کے ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل میں ہے "عبدالله بن عمر العمرى ليس هو بالقوى عند اهل الحديث" عبداللہ بن عمر العمری محدثین کے نزدیک چنداں قوی نہیں۔

امام نسائی نے کہا قوی نہیں، امام علی بن مدینی نے کہا ضعیف ہیں، ابن حبان نے کہا "كان ممن غلب عليه الصلاح والعبادة حتى غفل عن حفظ الاخبار وجودة الحفظ للآثار فلما فحش خطؤه استحق الترك" صلاح وعبادت نے ان پر یہاں تک غلبہ کیا کہ حفظِ احادیث سے غافل ہوئے حدیثیں خوب یاد نہ رہیں جب خطا بکثرت واقع ہوئی ترک کے مستحق ہو گئے۔

امام احمد و یحیٰی سے ان کی توثیق کے اقوال بھی ہیں مگر قول فیصل یہ قرار پایا کہ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا "ضعيف عابد" کمزور عابد ہے۔

ثالثاً اقول اس حدیث سے جواب کو وہی آیہ کریمہ و مسئلہ زن مظاہرہ کافی ظہار میں جماع حرام تھا پھر اس نے مظاہرہ کی دختر حلال کو کیونکر حرام کر دیا۔

رابعاً یہ حدیث جس طرح ابن ماجہ نے روایت کی کہ اگر کچھ قابل ذکر ہے تو یہی۔ اگر اس کے ضعف سند سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس میں کوئی قصہ سوال اس حدیث متروک و ساقط کی طرح نہیں صرف اتنا بیان ہے کہ حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، یہ اپنے ظاہر پر تو یقیناً صحیح نہیں، کیا اگر قلیل پانی یا گلاب میں شراب یا پیشاب ڈال دیں تو اسے حرام نہ کر دیں گے!

اقول کیا کوئی اگر زنا سے جنب ہو تو اسے نماز و قراءت و دخول مسجد و طواف کعبہ کہ حلال تھے حرام نہ ہو جائیں گے! کیا اگر کوئی ظالم کسی مظلوم کی بکری کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے تو اس کا یہ فعل کہ اگر اپنے مال کے ساتھ ہوتا جب بھی بوجہ اضاعت مال

حرام تھا اور مال غیر کے ساتھ ظلماً حرام در حرام اس حلال جانور کو حرام نہ کر دے گا! کیا اگر کوئی شخص اپنی عورت کو ایک ہفتہ میں تین طلاقیں دے خصوصاً ایام حیض میں تو اس فعل حرام در حرام سے وہ زن حلال اس پر حرام نہ ہو جائے گی! صدہا صورتیں ہیں جن میں حرام حلال کو حرام کر دیتا ہے، تو یہ اطلاق کیونکر مراد ہو سکتا ہے، لاجرم تاویل سے چارہ نہیں کہ حرام من حیث ہو حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔

اقول یعنی بول وشراب نے جو آب وگلاب کو حرام کیا نہ بوجہ اپنی حرمت کے بلکہ اس جہت سے کہ یہ نجس تھے اس سے مل کر اسے بھی نجس کر دیا، اب اس کی نجاست باعث حرمت ہوئی اور اگر کوئی شئی طاہر حرام کسی حلال میں ایسی مل جائے کہ تمیز ناممکن ہو تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ حلال خود حرام ہو گیا بلکہ حلال اپنی حلت پر باقی ہے اور مخلوط کا تناول اس لیے ناجائز کہ بوجہ اختلاط اس کا تناول تناول حرام سے خالی نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اگر جدا ہو سکے اور جدا کر لیں تو حلال بدستور اپنی حلت پر ہو "کما لایخفی" (جیسا کہ مخفی نہیں۔) یونہی زنا سے نماز وغیرہ کو اس حیثیت سے حرام نہ کیا کہ وہ زنا ہے کہ خصوصیت زنا کو اس میں کیا دخل، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ فرج مشتہی میں ایلاج مشتہی ہے "وقس علی ذلك البواقی" (باقی کو اس پر قیاس کرو۔) اب ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور حدیث ہم پر وارد نہیں، یہاں بھی عورت سے زنا کرنے سے دختر زن کو اس بنا پر حرام نہ کیا کہ وہ زنا ہے کہ خصوصیت زنا کو اس میں بھی دخل نہیں بلکہ اسی حیثیت سے حرام کیا کہ وہ وطی وادخال ہے تو ﴿دخلتم بهن﴾ صادق آیا اور دختر موطوہ کی حرمت لایا تو اس حدیث ضعیف میں بھی مخالف کے لیے اصلا حجت نہیں وللہ الحمد۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 11، صفحہ 357---، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اگر کہا جائے کہ ثبوت مصاہرت پر بھی احادیث ہیں اور عدم پر بھی احادیث کثیرہ ہیں پھر آپ ثبوت پر کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں عورت کے ساتھ نکاح میں حرمت ہے جب تک اس کے ساتھ نکاح کے جواز پر صحیح دلیل نہ ہو جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ دوسرا یہ کہ جب حلال وحرام اکٹھے ہو جائیں تو ترجیح حرام کو ہوتی ہے۔

## مدتِ رضاعت

احناف کے نزدیک رضاعت کی مدت دو سال ہے اور اڑھائی سال کی عمر میں اگر کسی نے دودھ پیا تو حرمت ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مدتِ رضاعت اڑھائی سال بتائی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو دودھ پلانے کی عمر ڈھائی سال فرمائی وہ قرآن پاک کی اس آیت کی روشنی میں فرمائی۔ ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ ترجمہ

کنز الایمان: اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔ (سورۃ الاحقاف، سورت 46، صفحہ 15)

اس میں حمل اور دودھ چھڑانے دونوں کی الگ الگ مدت بیان کی گئی ہے۔ المبسوط للسرخسی میں محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الأئمۃ السرخسی (المتوفی 483ھ) فرماتے ہیں "وَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى اسْتَدَلَّ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ وَظَاهِرُ هَذِهِ الْإِضَافَةِ يَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ جَمِيعُ الْمَذْكُورِ مُدَّةً لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا إلَّا أَنَّ الدَّلِيلَ قَدْ قَامَ عَلَى أَنَّ مُدَّةَ الْحَبَلِ لَا تَكُونُ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ فَبَقِيَ مُدَّةُ الْفِصَالِ عَلَى ظَاهِرِهِ، وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ﴾ الْآيَةَ فَاعْتَبَرَ التَّرَاضِيَ وَالتَّشَاوُرَ فِي الْفَصْلَيْنِ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ فَذَلِكَ دَلِيلٌ عَلَى جَوَازِ الْإِرْضَاعِ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ"، ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت سے استدلال فرمایا: اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔ یہ اضافت حمل اور رضاعت دونوں کی الگ الگ مدت کو بیان کرتی ہے۔ البتہ حمل کے متعلق حدیث پاک میں دوسال کی مدت بیان فرمادی گئی تو مذکورہ آیت میں بیان کردہ صورت مدت رضاعت کے لئے خاص ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا: پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کی رضا اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں۔۔اس آیت میں دوسال کے بعد باہم مشورے سے دودھ چھڑانے کے متعلق فرمایا گیا، جس سے دوسال کے بعد دودھ پلانے کا جواز ثابت ہوا۔ (المبسوط، کتاب النکاح، باب الرضاع، جلد5، صفحہ136، دار المعرفۃ، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت دوسال ہے۔ وہابیوں کی دلیل یہ آیت ہے ﴿وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس اس کے لئے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہئے۔ (سورۃ البقرۃ، سورۃ2، آیت233)

احناف کے نزدیک اس آیت کا تعلق اجرت رضاع کے ساتھ ہے کہ دوسال تک باپ پر اجرت پر دودھ پلانا لازم ہے، اس کے بعد دودھ پلانا لازم نہیں۔ الاختیار لتعلیل المختار میں عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلی (المتوفی 683ھ) فرماتے ہیں "وَالْآيَةُ الْأُولَى مَحْمُولَةٌ عَلَى مُدَّةِ الِاسْتِحْقَاقِ حَتَّى لَا يَكُونَ لِلْأُمِّ الْمَبْتُوتَةِ الْمُطَالَبَةُ بِأُجْرَةِ الرَّضَاعِ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ، فَعَمِلْنَا بِالْآيَةِ الْأُولَى فِي نَفْيِ الْأُجْرَةِ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ، وَبِالثَّانِيَةِ فِي الْحُرْمَةِ إِلَى ثَلَاثِينَ شَهْرًا أَخْذًا بِالِاحْتِيَاطِ فِيهِمَا" ترجمہ: پہلی آیت مدت استحقاق پر محمول ہے کہ دوسال کے بعد طلاق بائنہ والی کے لئے پیسے لے کر دودھ پلانے کا مطالبہ درست نہیں۔ پہلی آیت کے متعلق ہمارا عمل یہ ہے کہ دوسال کے بعد دودھ اجرت پر پلانا باپ پر لازم نہیں اور تیس ماہ دودھ پلانے

کی مدت میں حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اس میں احتیاط ہے۔

(الاختيار لتعليل المختار، كتاب الرضاع، جلد3، صفحه118، مطبعة الحلبي، القاهرة)

البدائع الصنائع میں بھی اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے "وَأَمَّا الْآيَةُ الْأُولَى فَفِيهَا أَنَّ الْحَوْلَيْنِ مُدَّةُ الرَّضَاعِ فِي حَقِّ مَنْ أَرَادَ تَمَامَ الرَّضَاعَةِ وَهَذَا لَا يَنْفِي أَنْ يَكُونَ الزَّائِدُ عَلَى الْحَوْلَيْنِ مُدَّةَ الرَّضَاعِ فِي حَقِّ مَنْ لَمْ يُرِدْ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ مَعَ مَا أَنَّ ذِكْرَ الشَّيْءِ بِالتَّمَامِ لَا يَمْنَعُ مِنْ احْتِمَالِ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ .أَلَا تَرَى إِلَى قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَهَذَا لَا يَمْنَعُ زِيَادَةَ الْفَرْضِ عَلَيْهِ فَإِنَّ طَوَافَ الزِّيَارَةِ مِنْ فُرُوضِ الْحَجِّ عَلَى أَنَّ فِي الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ أَنَّ الْحَوْلَيْنِ تَمَامُ مُدَّةِ الرَّضَاعِ لَكِنَّهَا تَمَامُ مُدَّةِ الرَّضَاعِ فِي حَقِّ الْحُرْمَةِ أَوْ فِي حَقِّ وُجُوبِ أَجْرِ الرَّضَاعِ عَلَى الْأَبِ فَالنَّصُّ لَا يَتَعَرَّضُ لَهُ۔۔۔وَأَمَّا الْآيَةُ الثَّالِثَةُ فَتَحْتَمِلُ مَا ذَكَرْتُمْ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ الْحَمْلِ هُوَ الْحَمْلُ بِالْبَطْنِ وَالْفِصَالُ هُوَ الْفِطَامُ فَيَقْتَضِي أَنْ تَكُونَ مُدَّةُ الرَّضَاعِ سَنَتَيْنِ وَمُدَّةُ الْحَمْلِ سِتَّةَ أَشْهُرٍ كَمَا رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَتَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ مِنَ الْحَمْلِ الْحَمْلَ بِالْيَدِ وَالْحِجْرِ، فَيَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ الثَّلَاثُونَ مُدَّةَ الْحَمْلِ وَالْفِصَالِ جَمِيعًا؛ لِأَنَّهُ يُحْمَلُ بِالْيَدِ وَالْحِجْرِ فِي هَذِهِ الْمُدَّةِ غَالِبًا لَا أَنْ يَكُونَ بَعْضُ هَذِهِ الْمُدَّةِ مُدَّةَ الْحَمْلِ وَبَعْضُهَا مُدَّةَ الْفِصَالِ؛ لِأَنَّ إِضَافَةَ السَّنَتَيْنِ إِلَى الْوَقْتِ لَا تَقْتَضِي قِسْمَةَ الْوَقْتِ عَلَيْهِمَا بَلْ تَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ جَمِيعُ ذَلِكَ الْوَقْتِ مُدَّةً لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَقَوْلِ الْقَائِلِ:صَوْمُكَ وَزَكَاتُكَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ .هَذَا لَا يَقْتَضِي قِسْمَةَ الشَّهْرِ عَلَيْهِمَا بَلْ يَقْتَضِي كَوْنَ الشَّهْرِ كُلِّهِ وَقْتًا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَيَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ الثَّلَاثُونَ شَهْرًا مُدَّةَ الرَّضَاعِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ فَلَا يَكُونُ حُجَّةً مَعَ الِاحْتِمَالِ" اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں مدت رضاعت کا دوسال ہونا اس کے لئے ہے جو رضاعت کے مکمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ یہ اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ دوسال کے بعد دودھ سے حرمت نہ ہوگی جب تک وہ دودھ پلانے کے ارادہ کو ختم نہیں کرتا۔ کسی شے کا تمامیت کے ساتھ ذکر کرنا زیادتی کے احتمال کو منع نہیں کرتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے عرفہ کو پالیا اس کا حج پورا ہو گیا۔ یہ حکم حاجی پر دوسرے فرض طواف زیارت کو نہیں روکتا کیونکہ طوافِ زیارت بھی حج کے فرائض میں سے ہے۔ تو آیت کریمہ دوسال مدت رضاعت کے متعلق ہے لیکن اس مدت رضاعت کے متعلق ہے جس میں دودھ کے سبب حرمت ہوتی ہے یا اس کے متعلق ہے کہ باپ پر دوسال کے دودھ کی اجرت لازم ہے لہذا اس میں تعارض نہیں۔ آیت میں جو تیس ماہ کا ذکر ہے ان تیس ماہ کو دودھ اور حمل میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ دونوں کے لئے کل وقت کا ذکر ہے جیسے کوئی کہے تیرا روزہ اور زکوۃ

رمضان کے مہینے میں ہے تو یہ بات اس کا تقاضہ نہیں کرتی کہ رمضان کے مہینے کو دونوں میں تقسیم کر دیا جایا بلکہ دونوں کے لئے پورے مہینے کا وقت مراد لیا جائے گا۔ اسی طرح مدت رضاعت میں پورے تیس مہینے مراد لئے جائیں گے۔

(البدائع الصنائع، کتاب الرضاع، فصل فی صفۃ الرضاع المحرم، جلد4، صفحہ 6، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

احناف کا مفتیٰ بہ مذہب یہ ہے کہ بچہ کو دو برس تک دودھ پلایا جائے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ دودھ پینے والا لڑکا ہو یا لڑکی اور یہ جو بعض عوام میں مشہور ہے کہ لڑکی کو دو برس تک اور لڑکے کو ڈھائی برس تک پلا سکتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ یہ حکم دودھ پلانے کا ہے اور نکاح حرام ہونے کے لیے ڈھائی برس کا زمانہ ہے یعنی دو برس کے بعد اگر چہ دودھ پلانا حرام ہے مگر ڈھائی برس کے اندر اگر دودھ پلا دے گی، حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد اگر پیا، تو حرمت نکاح نہیں اگر چہ پلانا جائز نہیں۔

## مقدارِ حرمتِ رضاعت

احناف کے نزدیک مدتِ رضاعت میں ایک گھونٹ دودھ پینے سے بھی حرمت ہو جاتی ہے۔ احناف کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے ﴿اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ ترجمہ کنز الایمان: (حرام ہوئیں تم پر) تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا۔

(سورۃ النساء، سورۃ4، آیت23)

اس آیت میں مطلقا فرمایا کہ جس عورت نے دودھ پلایا ہو۔ لہٰذا دودھ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ حرمت ہو جائے گی۔ سنن النسائی میں ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَزِيعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: كَتَبْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ بْنِ يَزِيدَ النَّخَعِيِّ، نَسْأَلُهُ عَنِ الرَّضَاعِ، فَكَتَبَ أَنَّ شُرَيْحًا، حَدَّثَنَا أَنَّ عَلِيًّا، وَابْنَ مَسْعُودٍ، كَانَا يَقُولَانِ: يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ (حكم الألبانی) صحیح الإسناد" ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے حضرت ابراہیم بن یزید نخعی کی طرف لکھ کر بھیجا اور ان سے رضاعت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے لکھا کہ شریح نے مجھے بتایا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے: رضاعت کا تھوڑا یا کثیر ہونا حرمت کرتا ہے۔ البانی نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب النکاح، القدر الذی یحرم من الرضاعۃ، جلد6، صفحہ 101، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب)

یہی مصنف ابن ابی شیبہ میں ثقہ راویوں سے مروی ہے "حدثنا ابن نمیر، عن حجاج، عن قتادة، قال: كتبت إلى إبراهيم أسأله عن الرضاع، فكتب إلي، أن عليا، وعبد الله كانا يقولان :قليله و كثيره حرام"

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب النکاح، من قال: یحرم قلیل الرضاع و کثیرہ، جلد3، صفحہ548، مکتبۃ الرشد، الریاض)

اسی طرح مصنف عبد الرزاق میں ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عن الثوری، عن لیث، عن مجاهد، عن علی، و ابن مسعود، قالا فی الرضاع: یحرم قلیله و کثیره. فحدثت معمرا، فقال: صدق" ترجمہ: حضرت مجاہد سے مروی ہے حضرت علی المرتضیٰ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رضاعت کے متعلق فرمایا کہ اس کا تھوڑا اور زیادہ ہونا حرام کرتا ہے۔ میں نے یہ معمر کو بتایا تو انہوں نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا۔

(المصنف، کتاب الطلاق، باب القلیل من الرضاع، جلد7، صفحہ468، المجلس العلمی، الھند)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ لیث بن ابی سلیم پر بعض محدثین نے جرح فرمائی بعض نے توثیق کی، امام ترمذی نے محمد بن اسماعیل کے حوالے سے صدوق کہا۔ وہابیوں کے امام البانی نے لیث کی کئی روایات کو صحیح کہا۔ امام ذہبی نے "دیوان الضعفاء والمتروکین وخلق من المجهولین وثقات فیهم لین" میں ان کو حسن الحدیث فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: الْمَرَّةُ الْوَاحِدَةُ تُحَرِّمُ" ترجمہ: حضرت طاوس نے فرمایا: میں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ بھی دودھ پینا حرمت کرتا ہے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب النکاح، من قال: یحرم قلیل الرضاع و کثیرہ، جلد3، صفحہ549، مکتبۃ الرشد، الریاض)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ حجاج بن ارطاۃ پر محدثین نے توثیق و جرح کی ہے اور انہیں مدلس کہا ہے۔ البانی نے ابن ماجہ میں ان کی احادیث کو صحیح کہا ہے۔ لہٰذا یہ صحیح نہیں تو کم از کم حسن کے درجہ میں ضرور ہے۔

وہابیوں کے نزدیک پانچ مرتبہ سے کم دودھ پینے سے حرمت نہیں ہوتی۔ وہابیوں کی دلیل مسلم شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ: عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ، بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُنَّ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ان باتوں کا ذکر کر رہی تھیں جو رضاعت کی وجہ سے حرمت کا ذریعہ ہیں عمرہ نے کہا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا قرآن میں دس مقررہ گھونٹ نازل ہوئے پھر پانچ مقرر شدہ بھی نازل ہوئے۔ تو حضور علیہ السلام وصال پا گئے اور قرآن میں یہ آیات تلاوت کی جاتی تھیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الرضاع،باب التحریم بخمس رضعات، جلد2،صفحہ1075،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

احناف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کا جواب دیا کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔اسلئے کہ اس میں حضور علیہ السلام کے بعد منسوخ کا کہا جارہا ہے جبکہ حضور علیہ السلام کے بعد قرآنی آیت کا منسوخ ہونا ناممکن ہے۔اگر حضور علیہ السلام کے بعد یہ قرآن پاک میں موجود تھا تو پھر آج یہ آیت کیوں نہیں ملتی۔ایسا تو ناممکن ہے کہ کوئی آیت قرآن پاک سے کوئی نکال دے۔المبسوط میں ہے"حُجَّتُنَا قَوْلُہ تَعَالَی ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُم﴾ أَثْبَتَ الْحُرْمَةَ بِفِعْلِ الْإِرْضَاعِ فَاشْتِرَاطُ الْعَدَدِ فِيهِ يَكُونُ زِيَادَةً عَلَى النَّصِّ، وَمِثْلُهُ لَا يَثْبُتُ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ .وَفِي حَدِيثِ عَلِيٍّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:اَلرَّضَاعُ قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ سَوَاءٌ يَعْنِي فِي إيجَابِ الْحُرْمَةِ، وَلِأَنَّ هَذَا سَبَبٌ مِنْ أَسْبَابِ التَّحْرِيمِ، فَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ الْعَدَدُ كَالْوَطْءِ، أَمَّا حَدِيثُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فَضَعِيفٌ جِدًّا؛ لِأَنَّهُ إذَا كَانَ مَتْلُوًّا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ، وَنَسْخُ التِّلَاوَةِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجُوزُ" ترجمہ:ہماری دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے(حرام ہوئیں)اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا۔اس آیت میں رضاعت پر حرمت ثابت کی گئی ہے تو اس میں عدد کی شرط رکھنا نص پر زیادتی ہے اور خبر واحد سے اس قسم کی زیادتی نہیں ہوسکتی۔اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:رضاعت کا تھوڑا اور بہت ہونا برابر ہے یعنی حرمت واجب کرنے میں برابر ہے۔اس لئے کہ رضاعت تحریم کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور اس میں عدد کی کوئی شرط نہیں ہے جیسے وطی کرنے میں(حرمت ایک مرتبہ کرنے سے ہوجاتی ہے۔)باقی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت زیادہ ضعیف ہے اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام کے بعد تلاوت کی جاتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آیت کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہے۔

(المبسوط، کتاب النکاح،باب الرضاع، جلد5،صفحہ134،دار المعرفة ،بیروت)

صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت پر اعتماد نہیں کیا چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں صحیح روایت ہے"عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ:أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ:أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ سَأَلَهُ رَجُلٌ، أَتُحَرِّمُ رَضْعَةٌ أَوْ رَضْعَتَانِ؟ فَقَالَ:مَا نَعْلَمُ الْأُخْتَ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا حَرَامًا، فَقَالَ رَجُلٌ:إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يُرِيدُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَزْعُمُ أَنَّهُ لَا تُحَرِّمُ رَضْعَةٌ، وَلَا رَضْعَتَانِ .فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ:قَضَاءُ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ قَضَائِكَ وَقَضَاءِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ" ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی شخص نے سوال کیا کہ کیا ایک یا دو گھونٹ دودھ پینے سے حرمت ہوجاتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہم اسے حرام جانتے ہیں۔اس شخص نے کہا امیر المومنین یعنی ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گمان

کرتے ہیں کہ ایک یا دو گھونٹ سے حرمت نہیں ہوتی۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: رب تعالیٰ کا فیصلہ تیرے اور امیر المؤمنین کے فیصلے سے بہتر ہے۔ (المصنف، کتاب الطلاق، باب القلیل من الرضاع، جلد7، صفحہ467، المجلس العلمی، الھند)

مصنف عبدالرزاق میں صحیح روایت ہے "عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ: أَتَيْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ صَبِيٍّ شَرِبَ قَلِيلًا مِنْ لَبَنِ امْرَأَةٍ؟ فَقَالَ لِي عُرْوَةُ: كَانَتْ عَائِشَةُ، تَقُولُ: لَا يُحَرِّمُ دُونَ سَبْعِ رَضَعَاتٍ، أَوْ خَمْسٍ. قَالَ: فَأَتَيْتُ ابْنَ الْمُسَيِّبِ، فَسَأَلْتُهُ قَالَ: لَا أَقُولُ قَوْلَ عَائِشَةَ، وَلَا أَقُولُ قَوْلَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَكِنْ لَوْ دَخَلَتْ بَطْنَهُ قَطْرَةٌ بَعْدَ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّهَا دَخَلَتْ بَطْنَهُ حَرُمَ" ترجمہ: حضرت ابراہیم بن عقبہ نے فرمایا میں عروہ بن زبیر کے پاس آیا اور مسئلہ پوچھا اس بچے کے متعلق جس نے تھوڑا سا دودھ عورت کا پیا تھا؟ عروہ نے مجھے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں: سات یا پانچ سے کم پر حرمت نہیں۔ کہتے ہیں کہ میں ابن مسیب کے پاس آیا اور یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں نہ حضرت عائشہ صدیقہ والا قول کہتا ہوں نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والا۔ اگر ایک قطرہ پیٹ میں داخل ہو گیا بعد اس کے کہ جانا جائے کہ پیٹ میں قطرہ چلا گیا ہے تو حرمت ہو گئی۔

(المصنف، کتاب الطلاق، باب القلیل من الرضاع، جلد7، صفحہ468، المجلس العلمی، الھند)

## بغیر ولی کے نکاح

احناف کے نزدیک اگر بالغہ عورت بغیر ولی کے اپنا نکاح خود کرلے تو نکاح ہو جائے گا۔ عورت کا خود اپنا نکاح کر لینا قرآن پاک کی درج ذیل آیتوں سے ثابت ہے:

سورۃ البقرہ میں ہے ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے والیو تم پر مؤاخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں۔ (سورۃ البقرہ، سورۃ2، آیت234)

سورۃ البقرہ میں ہے ﴿وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہو جائے تو اے عورتوں کے والیو انہیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں۔ (سورۃ البقرہ، سورۃ2، آیت232)

ان دونوں آیتوں سے عورت کا خود نکاح کرنے کا جواز ہے۔ المبسوط میں ہے "وَأَمَّا مَنْ جَوَّزَ النِّكَاحَ بِغَيْرِ وَلِيٍّ

اسْتَدَلَّ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ﴾ وَبِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه﴾ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ أَضَافَ الْعَقْدَ إِلَيْهِنَّ فِي هَذِهِ الْآيَاتِ فَدَلَّ أَنَّهَا تَمْلِكُ الْمُبَاشَرَةَ" ترجمہ: باقی عورت کا بغیر ولی کے نکاح کرنے کو اللہ عزوجل کے اس فرمان سے استدلال کیا گیا ہے: تو اے والیوتم پر مؤاخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں کریں۔ اور اللہ عزوجل کے اس فرمان سے: یہاں تک کہ عورت دوسرے سے نکاح کرے۔ اللہ عزوجل کے اس فرمان سے: اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں۔ ان آیات میں عقد کی اضافت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ یہ آیات دلیل ہیں اس پر کہ عورت اپنے نفس کی مالک ہے۔ (المبسوط، کتاب النکاح ،باب النکاح بغیر ولی ،جلد5،صفحه 11،دار المعرفة،بیروت)

مزید مسلم شریف، ابوداؤد، نسائی شریف اور ترمذی شریف کی یہ حدیث پاک دلیل ہے "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الفَضْلِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، رَوَاهُ شُعْبَةُ، وَالثَّوْرِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَقَدْ اِحْتَجَّ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِجَازَةِ النِّكَاحِ بِغَيْرِ وَلِيٍّ بِهَذَا الحَدِيثِ۔۔۔" ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بالغہ عورت اپنے نفس کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی سے بھی نکاح کی اجازت لی جائے اور اس کی اجازت خاموش رہنا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ شعبہ اور سفیان ثوری نے اسے مالک بن انس سے روایت کیا ہے۔ بعضوں نے بغیر ولی نکاح جائز ہونے پر اسی حدیث کو دلیل بنایا ہے۔ (سنن الترمذی، ابواب النکاح ،باب ما جاء فی استئمار البکر والثیب، جلد2، صفحه 407، دار الغرب الإسلامی ،بیروت)

البنایہ میں ہے "استدل به أصحابنا ما رواه الدارقطنی من حديث ابن عباس رضی الله تعالى عنهما عن النبی صلى الله عليه وسلم أنه قال: ليس للولی من الثيب أمر، والبكر يستأمرها أبوها فی نفسها. ومنه ما رواه أبو بكر بن أبی شيبة فی مصنفه أن رجلا زوج ابنته وهی كارهة، فقال صلى الله عليه وسلم: لا نكاح لك فانكحی ما شئت. وروى أيضا من حديث عكرمة، عن ابن عباس أن جارية بكرا أتت النبی صلى الله عليه وسلم وقد ذكرت أن أباها زوجها وهی كارهة فخيرها النبی صلى الله عليه وسلم قيل: رجاله ثقات، وأعله بالإرسال. قلت: المرسل عندنا حجة، ومنه ما روى عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رد نكاح بكر وثيب أنكحهما أبوهما وقال الدارقطنی: الصواب عن المهاجر عن عكرمة مرسل. قلت: المرسل حجة به ما

رواہ الدارقطنی عن أبی سلمة قال:أنکح رجل من بنی المنذر ابنته وھی کارھة، فرد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نکاحھا .وروی الدارقطنی أیضا عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنه أنه علیه السلام قال:لا تنکحوھن إلا بإذنھن .وعن الحکم قال: کان علی رضی اللہ تعالی عنه إذا رفع إلیه رجل تزوج امرأة بغیر ولی، فدخل بھا أمضاہ، فلو کان وقع باطلا کما زعم الشافعی لما أمضاہ" ترجمہ: ہمارے اصحاب نے استدلال کیا جو امام دارقطنی نے حدیث پاک روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ولی کے لئے ثیبہ کے لئے اختیار نہیں اور باکرہ سے اس کا والد اجازت لے گا۔ اسی طرح ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا: ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا جسے اس کی بیٹی پسند نہیں کرتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیرا نکاح نہیں ہے تو جس سے چاہتی ہے نکاح کرلے۔ اسی طرح مروی ہے حدیث عکرمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ایک لونڈی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس نے ذکر کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کیا ہے اور یہ اس نکاح کو پسند نہیں کرتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لونڈی کو اختیار دیا (نکاح فسخ کرنے کا)۔ کہا گیا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور یہ روایت مرسل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ احناف کے نزدیک مرسل حجت ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باکرہ اور ثیبہ کا نکاح ختم کیا جسے ان کے والد نے کیا تھا۔ دارقطنی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا: صحیح یہ ہے کہ مہاجر نے عکرمہ سے اس کو مرسل روایت کیا۔ میں کہتا ہوں مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔ دارقطنی نے ابو سلمہ سے روایت کیا کہ بنو منذر میں سے ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا جسے اس کی بیٹی پسند نہیں کرتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کو ختم کردیا۔ دارقطنی نے اسی طرح ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کا نکاح اس کی مرضی سے کرو۔ حکم سے مروی ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایسا مسئلہ آتا جس میں مرد نے عورت کے ولی کے بغیر نکاح کیا ہوتا اور عورت سے صحبت کرلی ہوتی تو آپ اس نکاح کو نافذ فرمادیتے۔ اگر بغیر ولی کی اجازت کے نکاح باطل ہوتا جیسا کہ امام شافعی نے سمجھا ہے تو پھر حضرت علی المرتضیٰ ایسے نکاح کو کوئی باقی رکھتے؟

(البنایة شرح الھدایة، کتاب النکاح ،باب فی الأولیاء والأکفاء ،جلد5،صفحه 70، دار الکتب العلمیة،بیروت)

وہابیوں کے نزدیک بغیر ولی کے عورت کا نکاح نہیں ہوگا۔ وہابیوں کی دلیل سنن ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ أَعْيَنَ، حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ يُونُسَ، وَإِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي

بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ"، ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بغیر ولی کے نکاح نہیں ہے۔

(سنن أبي داود، كتاب النكاح ،باب في الولي ،جلد2،صفحه 229،المكتبة العصرية،بيروت)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا المَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنْ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ"، ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے، باطل ہے، پھر اگر خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا کیونکہ مرد نے اس کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھایا اگر ان کے درمیان کوئی جھگڑا ہو جائے تو بادشاہ وقت اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی (وارث) نہ ہو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذي،ابواب النكاح ،باب ما جاء لا نكاح إلا بولي ،جلد2،صفحه 398،دار الغرب الإسلامي ،بيروت)

احناف نے ان دونوں طرح کی احادیث میں یوں تطبیق دی کہ بغیر ولی کے نکاح نہ ہونے کا تعلق لونڈی، نابالغہ اور مجنونہ کے ساتھ ہے کہ اگر لونڈی بغیر ولی کے نکاح کرے گی تو نکاح نہ ہوگا، اسی طرح نابالغہ عورت یا مجنونہ اگر بغیر ولی کے نکاح کرے گی تو نکاح نہ ہوگا۔

یوں بھی تطبیق دی گئی ہے کہ جو آزاد بالغہ عورت ولی کے بغیر غیر کفو (کفو کے یہ معنی ہیں کہ مرد عورت سے نسب، مال، پیشہ، دیانت وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح عورت کے اولیا کے لئے بے عزتی و رسوائی کا سبب ہو) سے نکاح کرے تو وہ نکاح نہ ہوگا۔ البحر الرائق میں زین الدین بن ابراہیم بن محمد، المعروف بابن نجیم المصری (المتوفی 970ھ) فرماتے ہیں "وَمَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُد لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ فَضَعِيفَانِ أَوْ مُخْتَلَفٌ فِي صِحَّتِهِمَا فَلَنْ يُعَارِضَا الْمُتَّفَقَ عَلَى صِحَّتِهِ أَوْ الْأَوَّلُ مَحْمُولٌ عَلَى الْأَمَةِ وَالصَّغِيرَةِ وَالْمَعْتُوهَةِ أَوْ عَلَى غَيْرِ الْكُفْءِ، وَالثَّانِي مَحْمُولٌ عَلَى نَفْيِ الْكَمَالِ۔۔۔وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ الْإِمَامِ أَنَّهُ إنْ كَانَ الزَّوْجُ كُفُؤًا نَفَذَ نِكَاحُهَا وَإِلَّا فَلَمْ يَنْعَقِدْ أَصْلًا وَفِي الْمِعْرَاجِ مَعْزِيًّا إلَى قَاضِي خَانْ وَغَيْرِهِ وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى فِي زَمَانِنَا رِوَايَةُ الْحَسَنِ"، ترجمہ: امام ابوداؤد نے جو حدیث پاک روایت کی کہ بغیر ولی کے نکاح

نہیں تو یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں یا اس کی صحت میں اختلاف ہے تو یہ روایتیں صحیح روایت (جس میں عورت کو خود نکاح کی اجازت ہے) کے مقابل نہیں آسکتیں۔ یا یہ (بغیر ولی کے نکاح کے باطل ہونے کی احادیث) اولا محمول ہیں لونڈی، نابالغہ اور پاگل عورت پر یا غیر کفو میں نکاح کرنے پر۔ دوسرا یہ کہ نکاح نہ ہونے کی نفی کمال کی نفی ہے (یعنی بغیر ولی کے نکاح باطل نہ ہوگا بلکہ عورت کا ایسا کرنا مناسب نہیں) امام حسن سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مروی ہے کہ اگر عورت کفو میں نکاح کرے تو نافذ ہے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ معراج معزیا میں قاضی خان وغیرہ سے ہے کہ موجودہ زمانہ میں فتویٰ امام حسن کی روایت پر ہے (یعنی غیر کفو میں عورت بغیر ولی کے نکاح کرے گی تو نکاح نہ ہوگا۔)

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب النكاح ،باب الأولياء والأكفاء فى النكاح ،جلد3،صفحه117،دار الكتاب الإسلامى)

بغیر ولی کے کفو میں نکاح صحیح ہو جانے پر بھی آثار موجود ہیں چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى، أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، وَلَهَا مَهْرُهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا، فَإِنِ اشْتَجَرُوا، فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ فَذَكَرْتُهُ لِمَعْمَرٍ، فَقَالَ: سَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ عَنِ الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ بِغَيْرِ وَلِيٍّ قَالَ: إِنْ كَانَ كُفُوًا لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا" ترجمہ: عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے خبر دی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے، باطل ہے، پھر اگر خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا کیونکہ مرد نے اس کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھایا اگر ان کے درمیان کوئی جھگڑا ہو جائے تو بادشاہ وقت اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی (وارث) نہ ہو۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتائی تو انہوں نے فرمایا: میں نے امام زہری سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جس نے بغیر ولی کے نکاح کر لیا۔ انہوں نے فرمایا: اگر مرد اس کا کفو تھا تو دونوں میں جدائی نہ کی جائے۔

(المصنف، كتاب النكاح ،باب النكاح بغير ولى ،جلد6،صفحه195،المجلس العلمى ،الهند)

دوسری صحیح سند کے ساتھ روایت ہے "عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ الْأَسَدِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا كَانَ كُفُوًا جَازَ النِّكَاحُ" ترجمہ: امام شعبی نے فرمایا: جب مرد عورت کا کفو ہو تو نکاح جائز ہے۔

(المصنف، كتاب النكاح ،باب النكاح بغير ولى ،جلد6،صفحه197،المجلس العلمى ،الهند)

اس مسئلہ کا خلاصہ یوں ہے کہ آزاد بالغہ عورت کا اپنا نکاح خود کرنے کی اجازت ہے جبکہ اپنے ہم پلہ مرد سے کرے اور اگر غیر کفو میں کرے تو نکاح اصلاً منعقد نہیں ہوگا۔ پھر کفو میں کرنے سے اگرچہ نکاح ہو جائے گا لیکن والدین کی دل آزادی اور رسوائی کا وبال ضرور سر پر رہے گا۔

# ☆۔۔۔کتاب الطلاق۔۔۔☆

## طلاقِ ثلاثہ اور وہابی موقف

چاروں ائمہ کرام کے نزدیک ایک وقت میں اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں واقع ہوجاتی ہیں اور یہ قرآن پاک اور کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

ترجمہ کنز الایمان: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

(سورۃ بقرہ، سورت 2، آیت 230)

اپنی مدخولہ بیوی کو چاہے ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دی جائیں یا متفرق طور پر دونوں صورتوں میں واقع ہوجاتی ہیں۔ مذکورہ آیت مبارک سے پہلے دو طلاق کا ذکر ہے ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ یعنی دو طلاق تک تو رجوع جائز ہے۔ پھر اس کے بعد ہے ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ یعنی پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی۔ اس آیت طیبہ کے شروع میں ''فا'' ہے۔ اور فاء عربی زبان میں تعقیب کے لیے آتی ہے خواہ تراخی کے ساتھ ہو یا بغیر تراخی۔ تو آیت اپنے اطلاق کے اعتبار سے اس صورت کو بھی شامل ہوئی کہ اسی مجلس میں تیسری طلاق دے۔

صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ''بَابُ مَنْ أَجَازَ طَلَاقَ الثَّلَاثِ'' اس میں درج ذیل احادیث نقل کیں: ''قَالَ سَهْلٌ: فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا فَرَغَا، قَالَ عُوَيْمِرٌ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا، قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لعان کیا اور میں بھی لوگوں کے ساتھ موجود تھا۔ پس جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہوگئے تو حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب اگر میں اسے اپنے پاس رکھوں تو جھوٹا ہوں۔ لہٰذا انہوں نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے ہی تین طلاقیں دیدیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، جلد 7، صفحہ 42، دار طوق النجاۃ، مصر)

بخاری شریف کی اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ صحابی رسول حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں اور حضور علیہ السلام نے انہیں نافذ فرمادیا۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن سلطان محمد ابو الحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ''قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: قَالَ

الشَّافِعِيُّ: عُوَيْمِرٌ حِينَ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا كَانَ جَاهِلًا بِأَنَّ اللِّعَانَ فُرْقَةٌ عَلَيْهِ، وَظَنَّ أَنَّ اللِّعَانَ لَا يُحَرِّمُهَا عَلَيْهِ، فَأَرَادَ تَحْرِيمَهَا بِالطَّلَاقِ" ترجمہ: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا: حضرت عویمر نے جب تین طلاقیں دیں وہ اس مسئلہ سے ناواقف تھے کہ لعان سے ان کی بیوی سے جدائی ہو جائے گی۔ انہوں نے گمان کیا کہ لعان سے حرمت نہیں ہوتی اسلئے انہوں نے تین طلاقوں کے ساتھ حرمت کا ارادہ کیا۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب اللعان، جلد5، صفحہ2158، دار الفکر، بیروت)

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ امْرَأَةَ رِفَاعَةَ القُرَظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي، وَإِنِّي نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الزَّبِيرِ القُرَظِيَّ، وَإِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الهُدْبَةِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لَا، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رفاعہ قرظی کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں رفاعہ کے پاس تھی انہوں نے مجھے طلاق بتہ یعنی تین طلاقیں دے دیں پھر میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا لیکن ان کے پاس کپڑے کی طرح ہے (یعنی صحبت نہیں کر سکتے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو رفاعہ کے پاس پھر جانا چاہتی ہے یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تو عبدالرحمٰن سے اور وہ تجھ سے لطف اندوز نہ ہو لے۔

(صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، جلد7، صفحہ42، دار طوق النجاۃ، مصر)

یہاں رفاعہ کو اس کے شوہر نے ایک کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دی تھیں چنانچہ شرح صحیح البخاری لابن بطال میں ابن بطال ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک (المتوفی 449ھ) فرماتے ہیں "إن رفاعة طلقني فبت طلاقي، فحمله البخاري على أن ذلك كان في كلمة واحدة" یعنی بے شک رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ دی۔ امام بخاری نے لفظ بتہ کو اس پر محمول کیا کہ رفاعہ نے ایک کلمہ میں تین طلاقیں دیں تھیں۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، جلد7، صفحہ393، مکتبۃ الرشد، الریاض)

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي القَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الأَوَّلُ" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں، تو اس عورت نے (دوسرا) نکاح کرلیا پھر اس نے بھی طلاق دے دی تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ اس کا (دوسرا) شوہر اس سے لطف اندوز نہ ہولے جس طرح پہلا شوہر لطف اندوز ہوا تھا۔

(صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، جلد7، صفحہ43، دار طوق النجاة، مصر)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو اس باب کے تحت لائے "بَابُ مَنْ أَجَازَ طَلَاقَ الثَّلَاثِ" باب جس نے تین طلاقیں دینے کو جائز کہا۔ بعض صحابہ وفقہائے کرام کا یہ قول ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ نہیں ہے، امام بخاری اس کی تائید میں یہ حدیث پاک لائے ہیں کہ ایک شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دے اور حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا آپ نے اس کے فعل کی مذمت نہیں فرمائی۔ احناف کے نزدیک ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دینا ناجائز ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔

اسی طرح امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا "بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ" باب جس نے ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دیں۔ اس کے تحت آپ حدیث پاک روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ: أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: قُلْتُ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ: حَدِّثِينِي عَنْ طَلَاقِكِ، قَالَتْ: طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا، وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْيَمَنِ، فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(حكم الألباني)صحيح" ترجمہ: عامر شعبی نے فرمایا: میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا تم اپنی طلاق کو حدیث بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ میرے خاوند نے مجھ کو تین طلاقیں دیں اور وہ یمن کو جانے والا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس (طلاق) کو برقرار رکھا۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب من طلق ثلاثا في مجلس واحد، جلد1، صفحه652، دار إحياء الكتب العربية، الحلبي)

سنن الدارقطنی میں ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدارقطنی (المتوفی 385ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح حدیث پاک روایت کرتے ہیں "ثنا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْجُرْجَانِيُّ ،نا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى بْنِ مُجَاشِعٍ السَّخْتِيَانِيُّ ،نا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ ،نا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ ،عَنْ سَلَمَةَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ،عَنْ أَبِيهِ،أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تُمَاضِرَ بِنْتَ الْأَصْبَغِ الْكَلْبِيَّةَ وَهِيَ أُمُّ أَبِي سَلَمَةَ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ فِي كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ فَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ عَابَ ذَلِكَ" ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی تماضر بنت اصبغ کلبیہ جو کہ ابوسلمہ کی والدہ تھیں انہیں ایک کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دیں اور ہمارے تک کوئی خبر نہیں پہنچی کہ ان کے اصحاب نے اس عمل کو معیوب سمجھا ہو۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإيلاء وغيره، جلد5، صفحه23، مؤسسة الرسالة، بيروت)

دوسری صحیح روایت میں ہے "قَالَ: وَنا سَلَمَةُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ حَفْصَ بْنَ الْمُغِيرَةِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ فِي كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ، فَأَبَانَهَا مِنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَابَ ذَلِكَ عَلَيْهِ نا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، نا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَطَرٍ، نا شَيْبَانُ، نا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ، بِإِسْنَادِهِ مِثْلَهُ فِي الْقَضِيَّتَيْنِ جَمِيعًا" ترجمہ: حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو حضور علیہ السلام کے دور میں اکٹھی تین طلاقیں دیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی اور ہمارے تک یہ بات نہیں پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکٹھی تین طلاقیں دینے پر کوئی عیب لگایا ہو۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإيلاء وغيره، جلد5، صفحه23، مؤسسة الرسالة، بيروت)

سنن الدارقطنی کی ایک اور حدیث پاک ہے "نا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ صَاعِدٍ، نا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ الْبَاقِي الْأَذَنِيُّ ح. وَنا عُثْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ الدَّقَّاقُ، نا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ الْبَاقِي الْأَذَنِيُّ، نا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْقَاسِمِ الصَّنْعَانِيُّ، نا عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ فَلَاحٍ الصَّنْعَانِيُّ، نا مُحَمَّدُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْوَلِيدِ الْوَصَّافِيِّ، وَصَدَقَةَ بْنِ أَبِي عِمْرَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: طَلَّقَ بَعْضُ آبَائِي امْرَأَتَهُ أَلْفًا فَانْطَلَقَ بَنُوهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَانَا طَلَّقَ أُمَّنَا أَلْفًا فَهَلْ لَهُ مِنْ مَخْرَجٍ؟، فَقَالَ: إِنَّ أَبَاكُمْ لَمْ يَتَّقِ اللَّهَ فَيَجْعَلَ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ مَخْرَجًا، بَانَتْ مِنْهُ بِثَلَاثٍ عَلَى غَيْرِ السُّنَّةِ، وَتِسْعُمِائَةٍ وَسَبْعَةٌ وَتِسْعُونَ إِثْمٌ فِي عُنُقِهِ. رُوَاتُهُ مَجْهُولُونَ وَضُعَفَاءُ إِلَّا شَيْخُنَا وَابْنُ عَبْدِ الْبَاقِي" ترجمہ: حضرت ابراہیم بن عبید اللہ بن عبادہ بن صامت اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میرے بعض آباؤ اجداد میں سے کسی نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں اسکے بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے باپ نے ہماری ماں کو ہزار طلاقیں دی ہیں، اس کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا باپ اللہ عزوجل سے نہیں ڈرا تو اللہ عزوجل اپنے حکم سے اس کے لئے نکلنے کی کیا صورت پیدا کرے؟ اس کی بیوی تین طلاقوں کے ساتھ اس سے علیحدہ ہوگئی خلافِ سنت طریقہ پر اور باقی نو سو ستانوے طلاقوں کا گناہ اس کی گردن پر ہے۔ یہ روایت مجہول اور ضعیف راویوں سے مروی ہے مگر ہمارے شیخ ابن عبد الباقی ثقہ ہیں۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإيلاء وغيره، جلد5، صفحه36، مؤسسة الرسالة، بيروت)

سنن الدار قطنی کی حدیث پاک ہے "نا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ ،نا يَحْيَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْجُرَيْرِيّ،نا حُسَيْنُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْجُرَيْرِيُّ،نا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ ،نا عَمْرُو بْنُ شِمْرٍ ،عَنْ عِمْرَانَ بْنِ مُسْلِمٍ ،وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الْأَعْلَى،عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ،قَالَ:لَمَّا مَاتَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَاءَتْ عَائِشَةُ بِنْتُ خَلِيفَةَ الْخَثْعَمِيَّةُ امْرَأَةُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ،فَقَالَتْ لَهُ:لِتَهْنِكَ الْإِمَارَةُ،فَقَالَ لَهَا:تُهَنِّينِي بِمَوْتِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ انْطَلِقِي فَأَنْتِ طَالِقٌ فَتَقَنَّعَتْ بِثَوْبِهَا، وَقَالَتْ:اللَّهُمَّ إِنِّي لَمْ أُرِدْ إِلَّا خَيْرًا فَبَعَثَ إِلَيْهَا بِمُتْعَةٍ عَشَرَةِ آلَافٍ وَبَقِيَّةِ صَدَاقِهَا فَلَمَّا وُضِعَ بَيْنَ يَدَيْهَا بَكَتْ، وَقَالَتْ:مَتَاعٌ قَلِيلٌ مِنْ حَبِيبٍ مُفَارِقٍ فَأَخْبَرَهُ الرَّسُولُ ،فَبَكَى وَقَالَ:لَوْلَا أَنِّي أَبَنْتُ الطَّلَاقَ لَهَا لَرَاجَعْتُهَا ،وَلَكِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:أَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيقَةً أَوْ عِنْدَ رَأْسِ كُلِّ شَهْرٍ تَطْلِيقَةً أَوْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا جَمِيعًا لَمْ تَحِلَّ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" ترجمہ: حضرت سوید بن غفلہ سے روایت ہے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا، تو حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیوی عائشہ بنت خلیفہ خثعمیہ حاضر ہوئیں اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کو خلیفہ بننے کی مبارک ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے اور تو خوشی کا اظہار کرتی ہے۔ جاؤ تمہیں تین طلاق۔ حضرت عائشہ نے کہا میں نے تو اچھے ارادے سے کہا تھا پھر زینت و آرائش چھوڑ کر عدت میں بیٹھ گئیں۔ جب عدت پوری ہوئی تو امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دس ہزار درہم اور مہر کی بقیہ رقم بھیجی تو عائشہ نے کہا حبیب کی جدائی کی نسبت یہ مال قلیل ہے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک عائشہ کا یہ قول پہنچا تو آپ رو پڑے اور فرمایا اگر میں نے اپنے جد امجد سے یہ نہ سنا ہوتا یا فرمایا میرے والد ماجد نے مجھ سے بیان کیا اور انہوں نے میرے جد امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا "کوئی شخص اگر اپنی بیوی کو ہر طہر پر ایک ایک کر کے تین طلاقیں دیں یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک ایک کر کے تین طلاقیں دیں یا اکٹھی تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے"، تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(سنن الدارقطنی ، کتاب الطلاق والخلع والإیلاء وغیرہ، جلد5، صفحہ56، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اس حدیث کو نقل کر کے امام قطنی نے سکوت فرمایا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام دار قطنی کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے لیکن محدثین نے عمرو بن شمر کوفی کو ضعیف کہا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مصنف میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَنَسٍ،

قَالَ: كَانَ عُمَرُ إِذَا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ أَوْجَعَهُ ضَرْبًا وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا"، ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اکٹھی تین طلاقیں دینے والا حاضر ہوتا تو آپ اسے مارتے اور میاں بیوی کو الگ کر دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، من کرہ ان یطلق الرجل امرأتہ ثلاثا۔۔۔، جلد4، صفحہ61، مکتبۃ الرشد، الریاض)

دوسری صحیح سند سے مروی ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، أَنَّ رَجُلًا بَطَّالًا كَانَ بِالْمَدِينَةِ، طَلَّقَ امْرَأَتَهُ أَلْفًا، فَرَجَعَ إِلَى عُمَرَ فَقَالَ: إِنَّمَا كُنْتُ أَلْعَبُ، فَعَلَا عُمَرُ رَأْسَهُ بِالدُّرَّةِ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا"، ترجمہ: زید بن وہب سے مروی ہے ایک جو فارغ تھا مدینہ کا رہنے والا تھا، اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو کہنے لگا میں تو مذاق کر رہا تھا (یعنی طلاق دینا مقصود نہ تھا) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے سر پر درہ مارا اور میاں بیوی میں جدائی کر دی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفا فی قول واحد، جلد4، صفحہ62، مکتبۃ الرشد، الریاض)

ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا وَكِيعٌ، وَالْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي يَحْيَى قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُثْمَانَ فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِائَةً قَالَ: ثَلَاثٌ تُحَرِّمُهَا عَلَيْكَ، وَسَبْعَةٌ وَتِسْعُونَ عُدْوَانٌ"، ترجمہ: ایک آدمی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں فرمایا تین سے وہ تجھ پر حرام ہو گئی اور ستانوے نافرمانی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفا فی قول واحد، جلد4، صفحہ62، مکتبۃ الرشد، الریاض)

صحیح مرسل روایت ہے "نا ابْنُ صَاعِدٍ، نا مُحَمَّدُ بْنُ زُنْبُورٍ، نا فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا، قَالَ عَلِيٌّ: يُحَرِّمُهَا عَلَيْكَ ثَلَاثٌ وَسَائِرُهُنَّ اقْسِمْهُنَّ بَيْنَ نِسَائِكَ"، ترجمہ: حبیب بن ابی ثابت نے فرمایا: ایک شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تین کے ساتھ وہ تجھ پر حرام ہو گئی اور بقیہ اپنی بیویوں کے درمیان تقسیم کر لے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والایلاء وغیرہ، جلد5، صفحہ38، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي تِسْعَةً وَتِسْعِينَ مَرَّةً، قَالَ:

فَمَا قَالُوا لَكَ؟ قَالَ: قَالُوا: قَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْكَ، قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: لَقَدْ أَرَادُوا أَنْ يُبْقُوا عَلَيْكَ، بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ، وَسَائِرُهُنَّ عُدْوَانٌ" ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ننانوے 99 طلاقیں دیں ہیں۔ تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: علماء نے تیرے لئے کیا حکم ارشاد فرمایا۔ اس شخص نے کہا کہ انہوں نے فرمایا ہے تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اب تو میرے پاس اس ارادے سے آیا ہے کہ شاید کو بچت تیرے لئے ہو۔ تین سے وہ تجھ پر حرام ہوگئی اور باقی تجھ پر گناہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفا فی قول واحد، جلد4، صفحہ61، مکتبۃ الرشد، الریاض)

دوسری صحیح سند کے ساتھ ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا حَفْصٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ مِائَةَ تَطْلِيقَةٍ، قَالَ: حَرَّمَتْهَا ثَلَاثٌ وَسَبْعَةٌ وَتِسْعُونَ عُدْوَانٌ" ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا میں نے اپنی بیوی کو سو مرتبہ طلاق دی ہے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تین سے وہ تجھ پر حرام ہوگئی اور باقی 97 نافرمانی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفا فی قول واحد، جلد4، صفحہ61، مکتبۃ الرشد، الریاض)

تیسری صحیح سند میں ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، وَالْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِائَةً فَقَالَ: بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ، وَسَائِرُهُنَّ مَعْصِيَةٌ" ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو سو مرتبہ طلاق دی ہے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تین سے وہ تجھ پر حرام ہوگئی اور باقی تجھ پر گناہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفا فی قول واحد، جلد4، صفحہ61، مکتبۃ الرشد، الریاض)

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا وَكِيعٌ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ دَلْهَمٍ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى الْحَسَنِ فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا قَالَ: بَانَتْ مِنْكَ الْعَجُوزُ" ترجمہ: ایک آدمی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں ہیں۔ آپ نے فرمایا بڑھیا تجھ پر حرام ہوگئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفا فی قول واحد، جلد4، صفحہ62، مکتبۃ الرشد، الریاض)

فضل بن دلہم کی توثیق اکثر ائمہ نے کی ہے اگرچہ بعض نے جرح کی ہے۔

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ وَاقِعِ بْنِ سَحْبَانَ، قَالَ: سُئِلَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ، قَالَ: أَثِمَ بِرَبِّهِ، وَحُرِّمَتْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ" ترجمہ: آدمی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دیں (تو کیا حکم ہے)؟ فرمایا اپنے رب کا نافرمان ہوا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، من کرہ ان یطلق الرجل امرأته ثلاثا ـــ، جلد4، صفحہ60، مكتبة الرشد، الرياض)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا جو "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، فِي رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا جَمِيعًا، قَالَ: إِنَّ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ عَصَى رَبَّهُ، وَبَانَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ" ترجمہ: اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے۔ آپ نے فرمایا جس نے ایسا کیا اس نے اپنے رب کی نافرنی کی اور اس کی بیوی بائنہ ہوگئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، من کرہ ان یطلق الرجل امرأته ثلاثا ـــ، جلد4، صفحہ61، مكتبة الرشد، الرياض)

ان تمام احادیث میں جہاں تین اکٹھی طلاقیں نافذ ہونے کا ثبوت ہے وہاں اکٹھی تین طلاقیں دینے کے گناہ ہونے کا بھی ثبوت ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔

وہابیوں کی طرح شیعہ بھی اکٹھی تین طلاقوں کو ایک ہی تصور کرتے ہیں جبکہ اہل بیت سے اکٹھی تین طلاقیں تین ہی ہونے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے "أَخْبَرَنَا أَبُو سَعْدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَالِينِيُّ أنا أَبُو أَحْمَدَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ، نا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ هِشَامٍ، نا عَلِيُّ بْنُ سَلَمَةَ اللَّبَقِيُّ، ثنا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: كَانَ بِالْكُوفَةِ شَيْخٌ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ يُرَدُّ إِلَى وَاحِدَةٍ ، وَالنَّاسُ عُنُقًا وَاحِدًا إِذْ ذَاكَ يَأْتُونَهُ وَيَسْمَعُونَ مِنْهُ قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَقَرَعْتُ عَلَيْهِ الْبَابَ فَخَرَجَ إِلَيَّ شَيْخٌ ، فَقُلْتُ لَهُ: كَيْفَ سَمِعْتَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ فِيمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِذَا طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ يُرَدُّ إِلَى وَاحِدَةٍ . قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: أَيْنَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ؟ قَالَ: أُخْرِجُ إِلَيْكَ كِتَابًا فَأَخْرَجَ فَإِذَا فِيهِ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا مَا سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ وَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ .

قَالَ:قُلتُ:وَیُحکَ هٰذَا غیرُ الَّذِی تَقُولُ قَالَ:الصَّحِیحُ هُوَ هٰذَا وَلٰکِنَّ هٰؤُلَاءِ أَرَادُونِی عَلَی ذٰلِكَ" ترجمہ:اعمش سے مروی ہے کہ کوفہ کے ایک شیخ نے کہا: میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا فرماتے ہیں جب شوہر اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دیدے تو عورت کو ایک طلاق ہوگی۔لوگ جب اسکے پاس آتے اور وہ انہیں یہی بات کہتا تو وہ اس کو مان کر عمل کرتے۔اعمش فرماتے ہیں میں اس کے پاس آیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔وہ باہر آیا تو میں نے کہا تو نے کیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ جو اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں؟ شیخ نے کہا: میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا فرماتے ہیں جب شوہر اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دیدے تو عورت کو ایک طلاق ہوگی۔میں نے کہا یہ تم نے کہاں حضرت علی المرتضیٰ سے سنا ہے۔شیخ نے کہا میں تجھ پر تحریر پیش کرتا ہوں تو اس نے ایک تحریر نکالی جس میں مذکور تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ ہے جو میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ جو شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے تو اس کی بیوی اس پر بائنہ ہوجائے گی اور بغیر حلالہ کے اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔اعمش نے کہا تیرے لئے خرابی ہو اس تحریر میں وہ نہیں جو تو کہتا ہے۔شیخ نے کہا یہ تحریر صحیح ہے لیکن اہل کوفہ نے میری اس کے خلاف رہنمائی کی ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الخلع والطلاق،باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فی خلاف ذلك ،جلد7،صفحه555، دار الکتب العلمية، بیروت)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے "أَخبَرَنَا أَبُو عَبدِ اللهِ الحَافِظُ، نا أَبُو عَمرٍو عُثمَانُ بنُ أَحمَدَ بنِ السَّمَّاكِ بِبَغدَادَ أنا حَنبَلُ بنُ إِسحَاقَ بنِ حَنبَلٍ، نا مُحَمَّدُ بنُ عِمرَانَ بنِ مُحَمَّدِ بنِ عَبدِ الرَّحمٰنِ بنِ أَبِی لَیلَی، نا مَسلَمَةُ بنُ جَعفَرٍ الأَحمَسِیُّ قَالَ:قُلتُ لِجَعفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ:إِنَّ قَومًا یَزعُمُونَ أَنَّ مَن طَلَّقَ ثَلَاثًا بِجَهَالَةٍ رُدَّ إِلَی السُّنَّةِ یَجعَلُونَهَا وَاحِدَةً، یَروُونَهَا عَنکُم قَالَ:مَعَاذَ اللهِ مَا هٰذَا مِن قَولِنَا:مَن طَلَّقَ ثَلَاثًا فَهُوَ کَمَا قَالَ" ترجمہ:مسلمہ بن جعفر احمسی نے فرمایا: میں نے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا قوم گمان کرتی ہے جو تین طلاقیں جہالت میں دے اسے سنت کی طرف پھیر دیا جائے گا جو کہ ایک طلاق ہے اور عورت واپس پھیر دی جائے گی۔حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی پناہ! یہ کیسا قول ہے؟ ہمارا یہ قول ہے کہ جو تین طلاقیں دے تو یہ تین ہی ہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الخلع والطلاق،باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فی خلاف ذلك ،جلد7،صفحه556، دار الکتب العلمية، بیروت)

مسلمہ بن جعفر ثقہ ہے ابن حبان نے ثقات میں نقل کیا، امام بخاری نے نقل کیا لیکن جرح نہیں فرمائی۔

دوسری روایت میں ہے "وَأَخبَرَنَا أَبُو عَبدِ اللهِ الحَافِظُ، نا أَبُو مُحَمَّدٍ الحَسَنُ بنُ سُلَیمَانَ الکُوفِیُّ، بِبَغدَادَ نا

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَضْرَمِيُّ، نا إِسْمَاعِيلُ بْنُ بَهْرَامَ، نا الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ بَسَّامٍ الصَّيْرَفِيِّ قَالَ:سَمِعْتُ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ، يَقُولُ:مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا بِجَهَالَةٍ أَوْ عِلْمٍ فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ" ترجمہ: بسام صیرفی نے کہا میں نے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا آپ فرماتے ہیں: جس نے جہالت یا جانتے ہوئے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الخلع والطلاق، باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فی خلاف ذلک، جلد7، صفحہ556، دار الکتب العلمیة، بیروت)

صحیح سند کے ساتھ ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ:نا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ قَالَ:نا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ:يَا أَبَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ، إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ مِائَةَ مَرَّةٍ، قَالَ:بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ، وَسَبْعَةٌ وَتِسْعُونَ يُحَاسِبُكَ اللَّهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" ترجمہ: حضرت سعید مقبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن اس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: تیری بیوی تین طلاقوں کے ساتھ تجھ پر حرام ہوگئی اور باقی ستانوے طلاقوں کے متعلق اللہ عزوجل قیامت والے دن تجھ سے حساب لے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، فی الرجل یطلق امراتہ مائة او الفا فی قول واحد، جلد4، صفحہ62، مکتبة الرشد، الریاض)

وہابیوں کے نزدیک ایک شخص اگر اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین یا تین سے زیادہ طلاقیں دیں وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ وہابیوں کی دلیل یہ دو ضعیف روایتیں ہیں۔ مسند احمد کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ أَخُو بَنِي الْمُطَّلِبِ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا، قَالَ:فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ:طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا، قَالَ:فَقَالَ:فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ:نَعَمْ قَالَ:فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَأَرْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ قَالَ:فَرَجَعَهَا فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ:يَرَى أَنَّمَا الطَّلَاقُ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ إسناده ضعيف ...وقال الخطابي:و كان أحمد بن حنبل يضعف هذه الأحاديث كلها" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رکانہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں اور پھر اس بات سے غمگین ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر اس بارے میں دریافت کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے کیسے طلاق دی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تین طلاقیں اکٹھی دی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک

طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو اپنی زوجہ سے رجوع کر لو۔ تو انہوں نے رجوع کر لیا۔ حضرت ابن عباس کا یہ موقف ہو کہ طلاق ہر طہر پر دی جائے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ امام خطابی نے کہا امام احمد بن حنبل اس مضمون کی تمام احادیث کو ضعیف کہتے تھے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب عن النبي صلى الله عليه و سلم، جلد1، صفحه265، مؤسسة قرطبة، القاهرة)

دوسری روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبد یزید ابو رکانہ نے عرض کی "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي بَعْضُ بَنِي أَبِي رَافِعٍ، مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ أَبُو رُكَانَةَ، وَإِخْوَتِهِ أُمَّ رُكَانَةَ، وَنَكَحَ امْرَأَةً مِنْ مُزَيْنَةَ، فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: مَا يُغْنِي عَنِّي إِلَّا كَمَا تُغْنِي هَذِهِ الشَّعْرَةُ، لِشَعْرَةٍ أَخَذَتْهَا مِنْ رَأْسِهَا، فَفَرِّقْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، فَأَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِيَّةٌ، فَدَعَا بِرُكَانَةَ، وَإِخْوَتِهِ، ثُمَّ قَالَ لِجُلَسَائِهِ: أَتَرَوْنَ فُلَانًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا؟، مِنْ عَبْدِ يَزِيدَ، وَفُلَانًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَبْدِ يَزِيدَ: طَلِّقْهَا فَفَعَلَ، ثُمَّ قَالَ: رَاجِعِ امْرَأَتَكَ أُمَّ رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ؟ قَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا وَتَلَا ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ "ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ اس سے رجوع کر لو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، جلد2، صفحه259، المكتبة العصرية، بيروت)

یہ حدیث بھی ضعیف ہے چنانچہ عون المعبود شرح سنن أبي داود میں وہابی مولوی محمد اشرف بن امیر العظیم آبادی (المتوفی 1329ھ) لکھتا ہے "قَالَ الْمُنْذِرِيُّ قَالَ الْخَطَّابِيُّ فِي إِسْنَادِ هَذَا الْحَدِيثِ مَقَالٌ لِأَنَّ بن جُرَيْجٍ إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ بَعْضِ بَنِي أَبِي رَافِعٍ وَلَمْ يُسَمِّهِ وَالْمَجْهُولُ لَا تَقُومُ بِهِ الْحُجَّةُ وَحُكِيَ أَيْضًا أَنَّ الْإِمَامَ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ كَانَ يُضَعِّفُ طُرُقَ هَذَا الْحَدِيثِ كُلَّهَا انْتَهَى" ترجمہ: علامہ منذری نے کہا علامہ خطابی نے کہا اس حدیث کی سند میں کلام ہے اس لئے کہ ابن جریج نے بعض بنی ابی رافع سے روایت کیا ہے اور اس کا نام نہیں لیا اور مجہول کی روایت کو حجت نہیں بنایا جاتا اور اسی طرح امام احمد بن حنبل سے حکایت کیا گیا کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔

(عون المعبود شرح سنن أبي داود، ومعه حاشية ابن القيم تهذيب سنن أبي داؤد، جلد6، صفحه 193، دار الكتب العلمية، بيروت)

ان دو ضعیف احادیث کو دلیل بنا کر وہابیوں کا صحیح احادیث چھوڑ کر یہ موقف اختیار کرنا کہ اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو

ایک ہوتی ہے شریعت سے روگردانی ہے۔ دراصل حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی تھی جو تین اور ایک کا احتمال رکھتی تھی جیسے کوئی اپنی بیوی کو کنایہ الفاظ کے ساتھ کہے تو میری طرف سے آزاد ہے اور اس میں تین طلاقوں کی نیت کرے یا ایک طلاق کی نیت کرے تو جو اس کی نیت ہوگی اس کے مطابق قسم لے کر طلاق کا حکم دیا جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے ان سے ان کی نیت پوچھی انہوں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں نے ایک کا ارادہ کیا تھا تب آپ نے ایک طلاق کا حکم دیا چنانچہ امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام ابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا "حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ الْكَلْبِيُّ أَبُو ثَوْرٍ، فِي آخَرِينَ قَالُوا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ الشَّافِعِيُّ، حَدَّثَنِي عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ شَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ، أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ، فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ، وَقَالَ: وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَاللَّهِ مَا أَرَدْتَ إِلَّا وَاحِدَةً؟، فَقَالَ رُكَانَةُ: وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِي زَمَانِ عُمَرَ، وَالثَّالِثَةَ فِي زَمَانِ عُثْمَانَ" ترجمہ: نافع بن عُجَیر بن عبد یزید بن رکانہ سے مروی ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سُہیمہ کو طلاقِ بتہ دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کی قسم کھا کہ تو نے ایک کا ارادہ کیا۔ حضرت رکانہ نے کہا اللہ عزوجل کی قسم میں نے ایک کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بیوی اس کو لوٹا دی۔ حضرت رکانہ نے دوسری طلاق حضرت عمر فارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں دی۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی البتۃ، جلد2، صفحہ263، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

محدثین وفقہاء نے صراحت فرمائی کہ صحیح یہی ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی جو ایک اور تین کا احتمال رکھتی تھی، اسی وجہ سے حضور علیہ السلام نے ان سے قسم لے کر نیت پوچھی ورنہ اگر تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہوں تو نیت وقسم کا پوچھنا بے فائدہ ہے۔ امام داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَحَدِيثُ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رُكَانَةَ، طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ، لِأَنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ، وَأَهْلَهُ أَعْلَمُ بِهِ، إِنَّ رُكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ، فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً" ترجمہ: حدیث نافع بن عجیر اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اپنے والد سے وہ اپنے جد سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بیوی اسے واپس پھیر دی یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ آدمی کا بیٹا اور اس کے اہل اسے

زیادہ جانتے ہیں۔ رکانہ نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی تھا تو حضور علیہ السلام نے اسے ایک قرار دیا۔

(سنن ابودائود، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث، جلد2، صفحہ259، المکتبة العصریة، بیروت)

اگر حضرت رکانہ کہہ دیتے کہ میں نے بتّہ سے ایک طلاق کا نہیں بلکہ تین طلاقوں کا ارادہ کیا تھا تو حضور علیہ السلام یقیناً تین طلاقیں ہونے کا حکم ارشاد فرماتے جیسا کہ ایک حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا بھی ہے چنانچہ سنن الدارقطنی کی روایت ہے "نا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ، نا أَحْمَدُ بْنُ يَحْيَى الصُّوفِيُّ، نا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ الْقُرَشِيُّ، نا عُثْمَانُ بْنُ مَطَرٍ، عَنْ عَبْدِ الْغَفُورِ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ زَاذَانَ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا طَلَّقَ الْبَتَّةَ فَغَضِبَ، وَقَالَ: تَتَّخِذُونَ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا، أَوْ دِينَ اللَّهِ هُزُوًا وَلَعِبًا، مَنْ طَلَّقَ الْبَتَّةَ أَلْزَمْنَاهُ ثَلَاثًا لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ هَذَا كُوفِيٌّ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ" ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی ہے تو آپ غصہ میں آگئے اور فرمایا: تم اللہ عزوجل کی آیتوں سے مذاق کرتے ہو یا یہ فرمایا اللہ عزوجل کے دین کے ساتھ مذاق کرتے اور کھیلتے ہو۔ جس نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تو ہمیں اسے تین طلاقیں قرار دیں گے اور اس کی بیوی اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے شوہر کے پاس نہ رہے۔ اسماعیل بن ابی امیہ کوفی ضعیف ہے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإیلاء وغیرہ، جلد5، صفحہ37، مؤسسة الرسالة، بیروت)

وہابی ابوداؤد شریف کی ایک اور حدیث کو دلیل بنا کر تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔ وہ حدیث پاک یوں ہے "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَتَعْلَمُ أَنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَثَلَاثًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَعَمْ" ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالصہباء نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی تین سالوں میں (ایک دفعہ میں دی گئی) تین طلاقیں ایک ہی سمجھیں جاتی تھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں۔

(سنن أبی داود، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث، جلد2، صفحہ261، المکتبة العصریة، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فرمان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک

ہے، بلکہ ان کے فرمان کا مطلب ہے کہ غیر مدخولہ (جس سے خلوت وصحبت نہ کی ہو) کو اگر تین متفرق طور پر طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک ہوگی چنانچہ ابوداؤد شریف کی ہی ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت یوں ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، أَنَّ رَجُلًا، يُقَالُ لَهُ: أَبُو الصَّهْبَاءِ كَانَ كَثِيرَ السُّؤَالِ لِابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ؟، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَلَى، كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ، فَلَمَّا رَأَى النَّاسَ قَدْ تَتَابَعُوا فِيهَا، قَالَ: أَجِيزُوهُنَّ عَلَيْهِمْ" ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالصہباء نامی ایک شخص حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کثرت سے مسائل پوچھا کرتا تھا ایک دن اس نے پوچھا کہ کیا آپکو اس بات کا علم ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد خلافت میں جب کوئی شخص دخول سے قبل عورت کو تین طلاقیں دیتا تھا تو وہ ایک ہی شمار ہوتی تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں مجھے معلوم ہے جب کوئی شخص دخول (جماع) سے قبل عورت کو طلاق دیتا تھا تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی عہد رسالت میں عہد صدیقی میں اور عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں لیکن جب عمر فاروق نے یہ دیکھا کہ لوگ اکٹھی تین طلاقیں دینے لگے ہیں تو انہوں نے فرمایا میں ان تینوں کو ان پر نافذ کروں گا۔

(سنن أبي داود، كتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، جلد2، صفحه 261، المكتبة العصرية، بيروت)

اس میں تو اختلاف نہیں کہ جس عورت سے فقط نکاح کیا ہو اس عورت کے ساتھ شوہر کی نہ خلوت ہوئی ہو نہ صحبت اور وہ متفرق طلاق کے الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں تو پہلے لفظ کے ساتھ عورت نکاح سے نکل جائے گی اور بقیہ دو طلاقیں لغو جائیں گے جیسے شوہر غیر مدخولہ کو کہے میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی۔ تو صرف ایک طلاق ہوگی۔ لیکن اگر شوہر نے اکٹھی تین طلاقیں ان الفاظ کے ساتھ دیں کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں تو تینوں طلاقیں ہو جائیں گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں یہی رائج ہو گیا تھا کہ لوگ غیر مدخولہ عورت کو اکٹھی تین طلاقیں متفرق طور پر نہیں دیتے تھے بلکہ ایک لفظ میں دیتے تھے تو آپ نے اس پر تین طلاقیں ہونے کا فتویٰ دیا۔ معرفۃ السنن والآثار میں احمد بن الحسین الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "قَالَ أَحْمَدُ: وَقَدْ قِيلَ يُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ مَعْنَى الْحَدِيثِ مُنْصَرِفًا إِلَى طَلَاقِ الْبَتَّةِ، وَذَلِكَ أَنَّهُ قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ رُكَانَةَ أَنَّهُ جَعَلَ الْبَتَّةَ وَاحِدَةً، وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَرَاهَا وَاحِدَةً، ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ فَأَلْزَمَهُمُ الثَّلَاثَ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، مِنْهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ" ترجمہ: امام احمد نے فرمایا تحقیق اس حدیث میں کہا گیا کہ یہ طلاق بتہ کے مسئلہ کے مشابہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے حدیث رکانہ میں مروی ہے کہ انہوں نے بتہ کو واحد فرمایا تھا اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے واحد قرار دیا پھر جب لوگ اس سے تین کا التزام کرنے لگے تو آپ نے تین طلاقوں کا حکم دیا اور اسی طرف حضرت علی المرتضیٰ سمیت کثیر صحابہ کرام علیہم الرضوان گئے ہیں۔ (معرفة السنن والآثار، كتاب الخلع والطلاق ،طلاق الثلاث مجموعة،جلد11 ،صفحه39،جامعة الدراسات الإسلامية، كراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا موقف تھا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں ہو جاتی ہیں چنانچہ دار قطنی کی صحیح سند کے ساتھ روایت میں ہے "نا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، نا أَبُو الْأَزْهَرِ، نا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أنا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عِكْرِمَةُ بْنُ خَالِدٍ ،عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ أَلْفًا ،فَقَالَ: يَكْفِيكَ مِنْ ذَلِكَ ثَلَاثٌ وَتَدَعُ تِسْعَمِائَةٍ وَسَبْعًا وَتِسْعِينَ "ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں تو آپ نے فرمایا: تجھے ان میں سے تین کافی ہیں اور باقی نوسوستانوے چھوڑ دے۔

(سنن الدارقطنی، كتاب الطلاق والخلع والإيلاء وغيره، جلد5، صفحه24، مؤسسة الرسالة، بيروت)

ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَجَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، قَالَ: فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ رَادُّهَا إِلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَنْطَلِقُ أَحَدُكُمْ، فَيَرْكَبُ الْحُمُوقَةَ ثُمَّ يَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، وَإِنَّ اللَّهَ قَالَ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللَّهَ فَلَمْ أَجِدْ لَكَ مَخْرَجًا، عَصَيْتَ رَبَّكَ، وَبَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ، وَإِنَّ اللَّهَ قَالَ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ﴾ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ۔۔۔(حكم الألباني): صحيح"

ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ میں عبد اللہ بن عباس کے پاس تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور بولا کہ میں نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدی ہیں۔ عبد اللہ بن عباس یہ سن کر خاموش ہو گئے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو رجعت کا حکم دیں گے مگر پھر آپ نے کہا کہ تم میں سے ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور حماقت پر سوار ہو جاتا ہے پھر نادم ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ اے ابن عباس۔ اے ابن عباس (کوئی خلاصی کی تدبیر بتاؤ) حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے (مشکل سے نکلنے کے لیے) کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرمائے گا جبکہ تو نے خوف خدا کو ملحوظ نہیں

رکھا پس میں تیرے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں پاتا۔تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی (یعنی ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دے ڈالیں) اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت (یعنی طہر) کے آغاز میں دو۔البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن أبی داود، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، جلد2، صفحه260، المكتبة العصرية، بيروت)

ثقہ راویوں سے مروی ہے "وَقَدْ رَوَى يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ الْقَاضِي، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، أَنَّهُ قَالَ:شَهِدْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ جَمَعَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَتِهِ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، أُتِيَ بِرَجُلٍ قَالَ لِامْرَأَتِهِ:أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً، وَأُتِيَ بِرَجُلٍ قَالَ:لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَحْمَدُ:وَهَذَا إِنَّمَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ حَالِ الْمَرْأَةِ، بِأَنْ تَكُونَ الَّتِي جَعَلَهَا فِيهَا وَاحِدَةً غَيْرَ مَدْخُولٍ بِهَا فَبَانَتْ بِالْأُولَى فَلَمْ يَلْحَقْهَا مَا بَعْدَهَا، وَالَّتِي جَعَلَهَا فِيهَا ثَلَاثًا مَدْخُولًا بِهَا فَلَحِقَهَا الثَّلَاثُ، وَقَدْ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ نِيَّةِ الرَّجُلِ فِي الْمَدْخُولِ بِهَا بِأَنْ يَكُونَ فِي إِحْدَى الْحَالَيْنِ أَرَادَ تَبْيِينَ الْأُولَى، وَفِي الْأُخْرَى أَرَادَ إِحْدَاثَ طَلَاقٍ بَعْدَ الْأُولَى "،ترجمہ:حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے طلاقِ ثلاثہ میں دو طرح کے مختلف فتوے دیئے۔ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو کہا تو طلاق والی ہے،تو طلاق والی ہے،تو طلاق والی ہے۔حضرت ابن عباس نے ان تینوں طلاقوں کو ایک شمار کیا۔دوسرا آدمی آیا اس نے اپنی بیوی کو کہا تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے،تو طلاق والی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کے درمیان تفریق کردی یعنی تینوں طلاقیں نافذ کردیں۔امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں مسئلوں میں اختلاف کی وجہ عورت کے دو مختلف حال ہیں جس مسئلہ میں تین کو ایک شمار کیا گیا وہ اس عورت کے لئے تھا جس سے نکاح کے بعد ہمبستری نہیں کی گئی تھی۔ جب اسے پہلی طلاق دی گئی تو وہ بائنہ ہوگی اور باقی دو طلاقیں پہلی کے ساتھ لاحق نہیں ہوئیں۔دوسری صورت میں عورت وہ تھی جس سے ہمبستری کی جاچکی تھی۔اسی طرح جس عورت سے ہمبستری کی جاچکی ہو اس کے طلاق دینے میں نیت کے ساتھ طلاق کے نافذ ہونے میں اختلاف ہوسکتا ہے اسکی دو حالتیں ہونگی شوہر نے دو کنایہ الفاظ کہے اور پہلی یا دوسرے سے طلاق کی نیت کی تو جس میں طلاق کی نیت کی وہ واقع ہوجائے گی۔

(معرفة السنن والآثار، كتاب الخلع والطلاق ،طلاق الثلاث مجموعة، جلد11، صفحه40، جامعة الدراسات الإسلامية، كراچی)

سنن الدارقطنی کی روایت ہے "نا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ صَاعِدٍ، نا بَحْرُ بْنُ نَصْرٍ الْخَوْلَانِيُّ بِمِصْرَ ،نا يَحْيَى بْنُ

حَسَّانَ ،نـا مَـنْـصُورُ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ ،عَنْ مُسْلِمِ الْأَعْوَرِ الْمُلَائِيِّ ،عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ،وَمُجَاهِدٍ ،عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ عَدَدَ النُّجُومِ ،فَقَالَ:أَخْطَأَ السُّنَّةَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ" ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر اور مجاہد سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دی تھیں تو آپ نے فرمایا: اس نے خلاف سنت عمل کیا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإیلاء وغیرہ، جلد5، صفحہ38، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

سنن الدارقطنی میں ہے "نـا أَبُو بَـكْرٍ ،نا أَبُو حُمَيْدٍ الْمِصِّيصِيُّ ،نا حَجَّاجٌ ،نا شُعْبَةُ ،أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، قَالَ:سَمِعْتُ مَاهَانَ يَسْأَلُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا ،فَقَالَ سَعِيدٌ:سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ مِائَةً ،فَقَالَ:ثَلَاثٌ تُحَرِّمُ عَلَيْكَ امْرَأَتَكَ وَسَائِرُهُنَّ وِزْرٌ ،اتَّخَذْتَ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا" ترجمہ: حضرت سعید سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں تو آپ نے فرمایا: تیری بیوی تجھ پر تین طلاقوں کے ساتھ حرام ہوگئی اور باقی گناہ ہیں تو نے اللہ عزوجل کی آیات سے مذاق کیا۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإیلاء وغیرہ، جلد5، صفحہ24، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

سنن الدارقطنی میں ہے "نـا دَعْـلَـجٌ ،نا الْحَسَنُ بْنُ سُفْيَانَ،نا حَبَّانُ ،نا ابْنُ الْمُبَارَكِ ،أنا سَيْفٌ،عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ:جَاءَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ ،فَقَالَ:يَا ابْنَ عَبَّاسٍ إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي ثَلَاثًا وَأَنَا غَضْبَانُ ،فَقَالَ:إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَحِلَّ لَكَ مَا حُرِّمَ عَلَيْكَ عَصَيْتَ رَبَّكَ وَحُرِّمَتْ عَلَيْكَ امْرَأَتُكَ" ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ایک شخص قریش میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اور کہا: اے ابن عباس میں نے اپنی بیوی کو غصے میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اب یہ رخصت نہیں کہ اسے تیرے لئے حلال کر دیا جائے جو تجھ پر حرام ہو چکی ہے اور تو نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ تیری بیوی تجھ پر حرام ہے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإیلاء وغیرہ، جلد5، صفحہ25، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اسی طرح اور بھی کثیر روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں جن میں انہوں نے تین طلاقیں اکٹھی ہونے کو تین ہی قرار دیا۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں امام ابن حجر عسقلانی (المتوفی 852ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس کے اس قول کے کئی معنی بیان کئے اور ایک معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "الْجَوَابُ الْخَامِسُ دَعْوَى أَنَّهُ وَرَدَ فِي صُورَةٍ خَاصَّةٍ فَقَالَ بن سُرَيْجٍ وَغَيْرُهُ يُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ وَرَدَ فِي تَكْرِيرِ اللَّفْظِ كَأَنْ يَقُولَ أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ

طَالِقٌ وَ كَانُوا أَوَّلا عَلَى سَلَامَةِ صُدُورِهِمْ يُقْبَلُ مِنْهُمْ أَنَّهُمْ أَرَادُوا التَّأْكِيدَ فَلَمَّا كَثُرَ النَّاسُ فِي زَمَنِ عُمَرَ وَ كَثُرَ فِيهِمُ الْخِدَاعُ وَنَحْوُهُ مِمَّا يَمْنَعُ قَبُولَ مَنِ ادَّعَى التَّأْكِيدَ حَمَلَ عُمَرُ اللَّفْظَ عَلَى ظَاهِرِ التَّكْرَارِ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ وَهَذَا الْجَوَابُ ارْتَضَاهُ الْقُرْطُبِيُّ وَقَوَّاهُ بِقَوْلِ عُمَرَ إِنَّ النَّاسَ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ وَ كَذَا قَالَ النَّوَوِيُّ إِنَّ هَذَا أَصَحُّ الْأَجْوِبَةِ " ترجمہ: پانچواں جواب یہ ہے دیا گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول کسی خاص صورت میں ہے۔ابن سریج اور دیگر علماء نے فرمایا یہ مشابہ کہ لفظ کی تاکید میں ہو یعنی شوہر کہتا: تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے۔ پہلے دور میں لوگ بقیہ دو الفاظ میں تاکید مراد لیتے تھے، پھر جب لوگوں کی کثرت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوئی اور دھوکہ دہی وغیرہ زیادہ ہوئی تو آپ نے تاکید کا دعویٰ منع کر دیا اور ظاہر الفاظ کے مطابق طلاقوں کا حکم نافذ کیا۔ یہ جواب امام قرطبی نے پسند فرمایا اور اس جواب کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی تقویت ملتی ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگوں نے اس کام میں جلدی کی جس میں ان کے لئے رعایت تھی۔اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور یہی جواب زیادہ صحیح ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری،قولہ باب من جوز الطلاق الثلاث، جلد9،صفحہ364، دار المعرفۃ،بیروت)

ان کثیر روایات سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا بالکل واضح مطلب معلوم ہوا کہ جو آپ نے فرمایا حضور علیہ السلام کے دور میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں وہ غیر مدخولہ کے متعلق ہے یا لوگ ایک طلاق دے کر بقیہ دو مرتبہ تاکید اد ہراتے تھے۔موجودہ دور میں لوگ جو تین طلاقیں دیتے ہیں اس میں وہ تینوں ہی طلاقوں کا ارادہ کرتے ہیں ایک طلاق دے کر بقیہ دو مرتبہ تاکید کی نیت نہیں ہوتی۔لہٰذا تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا اور اس پر اپنے گمان فاسد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پیش کرنا صراط مستقیم سے بھٹکنا ہے۔کثیر روایتوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس اور دیگر جید صحابہ کرام تین اکٹھی دی گئی طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے تھے کوئی مائی کا لال وہابی ان دلائل کا جواب نہیں دے سکتا۔تین کو ایک ماننے والے وہابی اپنی کتب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت علی المرتضیٰ و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما تین کو ایک مانتے ہیں۔یہ ان صحابہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔

محدثین وفقہائے کرام نے فرمایا جو تین طلاقوں کو ایک کہے وہ گمراہ ہے۔شرح صحیح البخاری لابن بطال میں ابن بطال ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک (المتوفی 449ھ) فرماتے ہیں"اتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع طلاق الثلاث في كلمة واحدة، فإن ذلك عندهم مخالف للسنة، وهو قول جمهور السلف، والخلاف في ذلك شذوذ، وإنما

تعلق به أهل البدع---عن ابن عباس فيمن طلق امرأته ثلاثا انه قدعصى ربه و بانت منه امرأته و لا ينكحها الا بعد زوج روى هذا عن عمر ،وعلى،و ابن مسعود، و ابن عمر، وابى هريرة، وعمران بن حصين،ذكر ذلك الطحاوى بالاسانيد عنهم" ترجمہ: ائمہ فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ایک وقت میں تین اکٹھی طلاقیں دی جائیں تو نافذ ہو جاتی ہیں اور اکٹھی تین طلاقیں دینا سنت کے خلاف ہے اور یہ قول جمہور اسلاف کا ہے اور تین طلاقوں کے ایک ہونے کا قول شاذ اور اہل بدعت سے متعلق ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے اس نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اسکی بیوی بائنہ ہوگی اور بغیر حلالہ کے اس سے نکاح جائز نہیں۔ایسا ہی حضرت عمر فاروق، وعلی المرتضیٰ، وابن مسعود، وابن عمر، وابی ہریرۃ، وعمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے مروی ہے جسے امام طحاوی نے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(شرح صحيح البخارى لابن بطال، كتاب الطلاق،باب من أجاز طلاق الثلاث، جلد7، صفحه390، مكتبة الرشد ، الرياض)

صاحب تفسیر صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قد رد عليه أئمة مذهبه حتى قال العلماء انه الضال المضل " ترجمہ: ائمہ کرام نے اس کا رد کیا ہے یہاں تک کہ علماء نے فرمایا جو تین کو ایک سمجھے وہ گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

(تفسير صاوى، جلد1، صفحه 195، مكتبه رحمانيه ،لاہور)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "من خالف فِيهِ فَهُوَ شَاذ مُخَالف لأهل السّنة، وَإِنَّمَا تعلق بِهِ أهل الْبدع" ترجمہ جو اس مذہب (تین اکٹھی طلاقوں کے واقع ہونے) کی مخالفت کرے وہ مذہب شاذ اور اہل سنت کے مخالف ہے اور بدعتیوں کے گروہ سے ہے۔

(عمدة القارى، كتاب الطلاق،باب من أجاز طلاق الثلاث، جلد20، صفحه233، دار إحياء التراث العربى ،بيروت)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں "وَقَدْ أَثْبَتْنَا النَّقْلَ عَنْ أَكْثَرِهِمْ صَرِيحًا بِإِيقَاعِ الثَّلَاثِ، وَلَمْ يَظْهَرْ لَهُمْ مُخَالِفٌ، فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ" ترجمہ: پس ہم نے صراحت کے ساتھ کثیر صحابہ وتابعین سے نقل کر دیا کہ اکٹھی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور اس کی مخالفت کسی نے نہیں کی۔اس حق کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔

(مرقاة المفاتيح، كتاب الطلاق،باب الخلع والطلاق، جلد5، صفحه 2147، دار الفكر، بيروت)

ان کثیر احادیث ودلائل کو وہابی نام نہاد اہل حدیث یکسر نظر انداز کرتے ہیں۔ایک وہابی اپنی مکارانہ تصنیف "احناف کا رسول اللہ سے اختلاف" میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: "قارئین غور فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو

تین کو ایک شمار کریں مگرار باب اقوال حنفی اس کو بدعت ماننے کے باوجود نافذ کررہے ہیں، گویا کہ بدعت کو اسلام میں جائز قرار دے رہے ہیں۔اب حنفی دوستوں کی مرضی ہے کہ وہ حدیث پر عمل کریں یا بدعت پر۔''

(احناف کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اختلاف،صفحہ377،ادارہ تحفظ افکار اسلام،شیخوپورہ)

قارئین اس وہابی مولوی کی پراعتماد بے شرمی پر داد دیں اور یہ ضرور کہیں :''جب تو وہابی ہوجائے تو جو مرضی کر۔''

## حلالہ

احناف کے نزدیک حلالہ کی شرط پر نکاح جائز نہیں ہے لیکن اگر حلالہ کی شرط پر نکاح کرلیا تو نکاح ہوجائے گا اگرچہ گناہ ہے۔اگر نکاح میں حلالہ کی شرط نہ لگائی لیکن حلالہ کے قصد سے نکاح کیا تو نکاح بالکل صحیح ہے اور گناہ بھی نہیں ہے۔ثقہ راویوں سے مروی ہے''عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ:قُلْتُ لِعَطَاءٍ:إِنْسَانٌ نَکَحَ امْرَأَۃً مُحَلِّلًا عَامِدًا، ثُمَّ رَغِبَ فِیھَا، فَأَمْسَکَھَا .قَالَ:لَا بَأْسَ بِذَلِكَ'' ترجمہ:ابن جریج نے فرمایا:میں نے عطاء سے پوچھا:آدمی نے عورت سے قصداً حلالہ کی نیت سے نکاح کیا،پھر اس عورت میں اسے رغبت ہوئی تو اس عورت کو رکھ لیا۔عطاء نے فرمایا:اس میں کوئی حرج نہیں۔

(المصنف، کتاب النکاح،باب التحلیل،جلد6،صفحہ267،المجلس العلمی،الھند)

دوسری روایت میں ہے''عَنْ ھِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِیرِینَ قَالَ:أُرْسِلَتِ امْرَأَۃٌ إِلَی رَجُلٍ فَزَوَّجَتْہُ نَفْسَھَا لِیُحِلَّھَا لِزَوْجِھَا، فَأَمَرَہُ عُمَرُ:أَنْ یُقِیمَ عَلَیْھَا وَلَا یُطَلِّقَھَا، وَأَوْعَدَہُ بِعَاقِبَۃٍ إِنْ طَلَّقَھَا۔۔عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَیُّوبَ، عَنِ ابْنِ سِیرِینَ مِثْلَہُ'' ترجمہ:ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:ایک(طلاق یافتہ)عورت ایک مرد کے پاس حلالہ کے لئے بھیجی گئی کہ یہ مرد اس سے نکاح کرلے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اس عورت کو رکھے رکھے اور اسے طلاق نہ دے۔اور اسے کہا کہ اگر تم نے اسے طلاق دی تو سزا دی جائے گی۔یہی روایت دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے۔

(المصنف، کتاب النکاح،باب التحلیل،جلد6،صفحہ267،المجلس العلمی،الھند)

اگر حلالہ کی شرط پر کیا گیا نکاح باطل ہوتا تو کبھی بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکاح کو قائم رکھنے کا حکم نہ دیتے۔

السنن الکبری میں احمد بن الحسین الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں''وَأَخْبَرَنَا أَبُو سَعِیدٍ، ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ، أنبأ الرَّبِیعُ، أنبأ الشَّافِعِیُّ، أنبأ سَعِیدُ بْنُ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ:أُخْبِرْتُ عَنِ ابْنِ سِیرِینَ، أَنَّ امْرَأَۃً طَلَّقَھَا زَوْجُھَا ثَلَاثًا، وَکَانَ مِسْکِینٌ أَعْرَابِیٌّ یَقْعُدُ بِبَابِ الْمَسْجِدِ فَجَاءَتْہُ امْرَأَۃٌ فَقَالَتْ: ھَلْ لَكَ فِی امْرَأَۃٍ تَنْکِحُھَا

فَتَبِيتُ مَعَهَا اللَّيْلَةَ ،وَتُصْبِحُ فَتُفَارِقُهَا؟ فَقَالَ:نَعَم،فَكَانَ ذَلِكَ فَقَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ:إِنَّكَ إِذَا أَصْبَحْتَ فَإِنَّهُمْ سَيَقُولُونَ لَكَ فَارِقْهَا فَلَا تَفْعَلْ ذَلِكَ،فَإِنِّي مُقِيمَةٌ لَكَ مَا تَرَى وَاذْهَبْ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَلَمَّا أَصْبَحْتَ أَتَوْهُ وَأَتَوْهَا،فَقَالَتْ: كَلِّمُوهُ فَأَنْتُمْ جِئْتُمْ بِهِ فَكَلَّمُوهُ فَأَبَى ،فَانْطَلَقَ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ:الْزَمِ امْرَأَتَكَ فَإِنْ رَابُوكَ بِرِيبَةٍ فَأْتِنِي :وَأَرْسَلَ إِلَى الْمَرْأَةِ الَّتِي مَشَتْ لِذَلِكَ فَنَكَّلَ بِهَا،ثُمَّ كَانَ يَغْدُو عَلَى عُمَرَ وَيَرُوحُ فِي حُلَّةٍ فَيَقُولُ:الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَاكَ يَا ذَا الرُّقْعَتَيْنِ حُلَّةً تَغْدُو فِيهَا وَتَرُوحُ :قَالَ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ:وَسَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيثَ مُسْنَدًا شَاذًّا مُتَّصِلًا عَنِ ابْنِ سِيرِينَ يُوصِلُهُ عَنْ عُمَرَ مِثْلَ هَذَا الْمَعْنَى "ترجمہ: حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں۔ایک مسکین اعرابی مسجد کے دروازے پر بیٹھا کرتا تھا۔ایک عورت اس کے پاس آئی اور کہا کیا تم ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو جس سے ایک رات صحبت کرنے کے بعد صبح اسے چھوڑ دو؟ اس مسکین اعرابی نے کہاہاں۔چنانچہ نکاح ہوگیا۔اس عورت (جس سے نکاح ہوا) نے کہا کہ صبح کو لوگ تجھے کہیں گے کہ اس عورت کو طلاق دیدو۔تم ایسا نہ کرنا میں تیرے ساتھ رہوں گی اور تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضر ہوجانا۔جب صبح ہوئی تو لوگ ان دونوں کے پاس آئے۔عورت نے کہا اس مرد سے بات کرو جسے تم حلالہ کے لئے لائے ہو۔ اس نے طلاق دینے سے انکار کردیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوکر سارا معاملہ پیش کردیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اپنی بیوی کو اختیار کئے رکھو اگر لوگ تمہیں تنگ کریں تو میرے پاس آجانا۔پھر آپ نے اس عورت کو بلایا جس نے یہ سارا عمل کیا تھا اور اسے سزادی۔پھر وہ اعرابی صبح شام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک قیمتی جوڑے میں آنے لگا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کے لئے تعریف ہے جس نے اے دوٹکڑوں والے! تجھے قیمتی جوڑا پہنایا جس میں تو صبح وشام آتا ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے یہ حدیث مسند شاذ متصل حضرت ابن سیرین سے سنی جو اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی معنی میں روایت کرتے تھے۔

(السنن الکبری، کتاب النکاح،باب من عقد النکاح مطلقا لا بشرط فیه فالنکاح ثابت وإن کانت نیتهما أو نیة أحدهما التحلیل، جلد7،صفحہ341،دار الکتب العلمیة، بیروت)

اسی طرح کی دوسری روایت ہے "أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدِ بْنُ أَبِي عَمْرٍو، ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، أنبأ الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ، أنبأ الشَّافِعِيُّ، أنبأ مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سَيْفِ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ:طَلَّقَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ امْرَأَةً لَهُ فَبَتَّهَا، فَمَرَّ بِشَيْخٍ وَابْنٍ لَهُ مِنَ الْأَعْرَابِ فِي السُّوقِ قَدِمَا لِتِجَارَةٍ لَهُمَا،فَقَالَ لِلْفَتَى :هَلْ فِيكَ

مِنْ خَيْرٍ؟ ثُمَّ مَضَى عَنْهُ ثُمَّ كَرَّ عَلَيْهِ فَكَمِثْلِهَا،ثُمَّ مَضَى عَنْهُ ثُمَّ كَرَّ عَلَيْهِ فَكَمِثْلِهَاقَالَ:نَعَمْ قَالَ:فَأَرِنِي يَدَكَ فَانْطَلَقَ بِهِ فَأَخْبَرَهُ الْخَبَرَ وَأَمَرَهُ بِنِكَاحِهَا فَنَكَحَهَا فَبَاتَ مَعَهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ اسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لَهُ فَإِذَا هُوَ قَدْ وَلَّاهَا الدُّبُرَ ،فَقَالَتْ وَاللهِ لَئِنْ طَلَّقَنِي لَا أَنْكِحُكَ أَبَدًا،فَذُكِرَ ذَلِكَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَدَعَاهُ فَقَالَ:لَوْ نَكَحْتَهَا لَفَعَلْتَ بِكَ كَذَا وَكَذَا وَتَوَاعَدَهُ ،وَدَعَا زَوْجَهَا فَقَالَ:الزَمْهَا:وَزَادَ فِيهِ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ فَقَالَ وَقَالَ:وَإِنْ عَرَضَ لَكَ أَحَدٌ بِشَيْءٍ فَأَخْبِرْنِي بِهِ'' ترجمہ:حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ قریش کے ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔پھر وہ شخص ایک بوڑھے آدمی اور اس کے بیٹے کے پاس سے گزرا جو تجارت کے لئے بازار میں آئے ہوئے تھے۔اس نے اس کے بیٹے سے کہا کیا تجھ میں کوئی بھلائی ہے؟ یہ کہہ کر وہاں سے گزر گیا۔پھر واپس آیا اور یہی سوال کیا ایسا دو مرتبہ کیا تو اس نے کہا ہاں ہے۔اُس نے اِس کا ہاتھ پکڑا اور اسے طلاق کی خبر دی اور عورت سے نکاح کرنے کا کہا۔(یعنی حلالہ کے لئے تیار کیا۔)اس نے نکاح کیا اور رات صحبت کے بعد صبح جانے کی اجازت مانگی تو سابقہ شوہر نے اجازت دے دی۔جب وہ چلا گیا تو عورت نے اپنی سابقہ شوہر سے کہا اگر اس شخص نے مجھے طلاق دیدی تو میں تجھ سے کبھی نکاح نہیں کروں گی۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کے سابقہ شوہر کو بلایا اور کہا اگر تم نے اس سے نکاح کیا تو تجھے سزا دوں گا۔اس کے موجودہ شوہر(جو حلالہ کے لئے آیا تھا)کو بلایا اور کہا کہ اس بیوی کو رکھو اور دوسرے موقع پر یہ زائد کیا اگر تجھے کوئی مسئلہ ہو تو مجھے خبر کرنا۔

(السنن الكبرى،كتاب النكاح،باب من عقد النكاح مطلقا لا بشرط فيه فالنكاح ثابت وإن كانت نيتهما أو نية أحدهما التحليل، جلد7،صفحہ340،دار الكتب العلمية،بيروت)

صحیح مرسل روایت ہے۔مصنف عبد الرزق کی روایت یوں ہے''عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ:قَالَ مُجَاهِدٌ:طَلَّقَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ امْرَأَةً فَبَتَّهَا وَمَرَّ بِشَيْخٍ، وَابْنٍ لَهُ مِنَ الْأَعْرَابِ بِالسُّوقِ قَدِمَا لِتِجَارَةٍ لَهُمَا، فَقَالَ لِلْفَتَى:هَلْ فِيكَ خَيْرٌ؟ ثُمَّ مَضَى عَنْهُ، ثُمَّ كَرَّ عَلَيْهِ وَكَلَّمَهُ قَالَ:نَعَمْ، فَأَرِنِي يَدَكَ، فَانْطَلَقَ بِهِ فَأَخْبَرَهُ الْخَبَرَ، وَأَمَرَهُ بِنِكَاحِهَا فَبَاتَ مَعَهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ اسْتَأْذَنَ لَهُ فَأَذِنَ لَهُ، وَإِذَا هُوَ قَدْ وَالَاهَا، فَقَالَتْ:وَاللهِ لَئِنْ هُوَ طَلَّقَنِي لَا أَنْكِحُكَ أَبَدًا، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِعُمَرَ، فَدَعَاهُ، فَقَالَ:لَوْ نَكَحْتَهَا لَفَعَلْتُ بِكَ، فَتَوَاعَدَهُ فَدَعَا زَوْجَهَا، فَقَالَ:الْزَمْهَا'' ترجمہ:ابن سرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے امام مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:قریش کے ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔پھر وہ شخص ایک بوڑھے آدمی اور اس کے بیٹے کے پاس سے گزرا جو تجارت کے لئے بازار میں آئے ہوئے تھے۔اس نے اس کے بیٹے سے کہا کیا تجھ میں کوئی بھلائی ہے؟ یہ کہہ کر وہاں سے گزر گیا پھر واپس آیا اور یہی سوال کیا ایسا دو مرتبہ کیا تو اس نے کہا ہاں ہے۔اُس نے

اِس کا ہاتھ پکڑا اور اسے طلاق کی خبر دی اور اپنی سابقہ زوجہ سے نکاح کرنے کا کہا۔ (یعنی حلالہ کے لئے تیار کیا۔) اس نے نکاح کیا اور رات صحبت کے بعد صبح جانے کی اجازت مانگی تو سابقہ شوہر نے اجازت دے دی۔ جب وہ چلا گیا تو عورت نے اپنی سابقہ شوہر سے کہا اگر اس شخص نے مجھے طلاق دیدی تو میں تجھ سے کبھی نکاح نہیں کروں گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کے سابقہ شوہر کو بلایا اور کہا اگر تم نے اس سے نکاح کیا تو تجھے سزا دوں گا۔ اس کے موجودہ شوہر کو بلایا اور کہا کہ اس بیوی کو رکھو۔ (المصنف، کتاب النکاح، باب التحلیل، جلد6، صفحہ267، المجلس العلمی، الهند)

امام مجاہد کی مرسل تو ویسے ہی مقبول ہے چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں "قال يحيى القطان مرسلات مجاهد أحب إلى من مرسلات عطاء" ترجمہ: یحییٰ قطان نے مرسلات مجاہد کے متعلق فرمایا: ان کی مرسلات مجھے عطاء سے زیادہ پیاری ہیں۔ (تهذيب التهذيب، جلد10، صفحہ42، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

وہابیوں کے نزدیک حلالہ کے لئے نکاح کرنا ناجائز ہے۔ وہابیوں کی دلیل سنن ابی داؤد کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ، عَنْ عَامِرٍ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ إِسْمَاعِيلُ: وَأُرَاهُ قَدْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الْمُحَلِّلَ، وَالْمُحَلَّلَ لَهُ" ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر اللہ عزوجل کی لعنت۔

(سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في التحليل، جلد2، صفحہ227، المكتبة العصرية، بيروت)

احناف کے نزدیک یہ لعنت اس صورت میں ہے جب نکاح میں حلالہ کی شرط ہو۔ اگر نکاح میں حلالہ کی شرط نہیں بلکہ نکاح عام طور پر ہوا جس طرح ہوتا ہے اگرچہ دل میں نیت ہو کہ میں بعد میں چھوڑ دوں گا تو ایسا نکاح درست ہے اور کرنے والا اس لعنت میں نہیں آتا جیسا کہ اوپر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت نقل کی ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک حلالہ کی نیت سے کیا گیا نکاح درست نہیں، بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک باطل ہے۔ شرح السنۃ میں محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی (المتوفی 516ھ) فرماتے ہیں "وَرَوَى هُزَيْلُ بْنُ شُرَحْبِيلَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحِلَّ، وَالْمُحَلَّلَ لَهُ وَأَرَادَ بالمُحِلِّ المُحَلِّل، وأراد بِهِ أن يطلّق الرجل امْرَأَته ثَلَاثًا، فنكحت زوجا آخر حَتَّى يُصيبها، فتحل للأول، ثُمَّ يفارقها، فهَذَا منهيٌّ عَنهُ. فَإِن شرط فِي العقد مفارقتها، فَالنِّكَاح بَاطِل عِندَ الأَكْثَرين، كَنِكَاح المُتعَة، وسمِّي محللا لقصده إِلَيهِ، وَإِن كَانَ لَا يحصل التَّحلِيل بِهِ، وَقيل: يصحُّ النِّكَاح، ويفسُد الشَّرط، ولها صَداقُ مثلها، فَأما إِذا لم يكن ذَلِك فِي العقد شرطا، وَكَانَ

نِیَّة وعقیدة، فَھُوَ مَکْرُوہ غیر أَن النِّکَاح صَحِیح، وَإِن أَصَابَھَا، ثُمَّ طَلقھَا، وَانْقَضَت عدتھَا، حلت للأولِ عِند أَکثر أھل العلم.وَقَالَ إِبْرَاھِیم النَّخعی:لَا تحِل إِلا أَن یکون نِکَاح رَغْبَة، فَإِن کَانَت نِیَّة أحد الثَّلَاثَة:إِمَّا الزوجُ الأول، أَو الثَّانِی، أَو الْمَرْأَة التحلیلَ، فالنکاحُ باطلٌ، وَقَالَ سُفْیَان الثَّوْرِیّ:إِذا تزَوجھَا علی نِیَّة التَّحْلِیل للأولِ، ثُمَّ بدا لَهُ أَن یُمسکھا لَا یُعجبنِی إِلا أَن یُفارقھا، ویستأنف نِکَاحا جَدِیدا، وَکَذَلِكَ قَالَ أَحْمَد بْن حَنْبَل، وَقَالَ مالكٌ :یُفرق بَینھمَا بِکُل حَال" ترجمہ:حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعن فرمائی حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حلالہ کرنے والا تین طلاقوں والی عورت سے اس نیت سے نکاح کرے کہ وہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے اور یہ بعد میں اسے چھوڑ دے یہ ممنوع ہے۔اگر عقد میں طلاق کی شرط ہوتو نکاح باطل ہے اکثر علماء کے نزدیک جیسا کہ متعہ کا نکاح باطل ہے۔اس کا نام حلالہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس میں اس کا حلالہ کی طرف قصد ہوتا ہے اگرچہ نکاح میں شرط ہونے کی صورت میں اس کا مقصود پورا نہیں ہوتا۔کہا گیا کہ حلالہ کی نیت سے کیا گیا نکاح صحیح ہے اور شرط فاسد ہے اور عورت کے لئے حق مہر ہوگا۔اگر عقد میں حلالہ کی شرط نہ ہولیکن نیت ہوتو یہ مکروہ ہے لیکن نکاح صحیح ہوجائے گا۔اگر صحبت کے بعد اسے طلاق دے اور عورت اس دوسرے شوہر کی عدت پوری کرلے تو وہ پہلے کے لئے حلال ہوجائے گی اکثر اہل علم کے نزدیک۔ابراہیم نخعی نے فرمایا وہ حلال نہیں ہوگی کیونکہ نکاح رغبت کے ساتھ ہوتا ہے اگر سابقہ شوہر،عورت اور حلالہ کرنے والے کی نیت فقط حلالہ کرنا ہوتو نکاح باطل ہے۔سفیان ثوری نے فرمایا:اگر حلالہ کی نیت سے نکاح کیا اور بعد میں اس نکاح کو قائم رکھنا چاہتا ہے تو کہتا ہوں کہ اسے چھوڑ دے اور دوبارہ تجدید نکاح کرے۔اسی طرح امام احمد بن حنبل نے فرمایا اور امام مالک نے فرمایا ہر حال میں دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔

(شرح السنة، کتاب النکاح،باب نکاح المحلل،جلد9،صفحہ101، المکتب الإسلامی ، بیروت)

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں ابوالحسن نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی (المتوفی 807ھ)نقل کرتے ہیں

"وَعَنْ نَافِعٍ مَوْلَی ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ:إِنَّ خَالِی فَارَقَ امْرَأَتَهُ فَدَخَلَهُ مِنْ ذَلِكَ ھَمٌّ وَأَمْرٌ وَشُقَّ عَلَیْهِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَھَا، وَلَمْ یَأْمُرْنِی بِذَلِكَ، وَلَمْ یَعْلَمْ بِهِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ:لَا إِلَّا نِکَاحَ غِبْطَةٍ إِنْ وَافَقَتْكَ أَمْسَکْتَ، وَإِنْ کَرِھْتَ فَارَقْتَ، وَإِلَّا فَإِنَّا نَعُدُّ ھَذَا فِی زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سِفَاحًا .رَوَاهُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْأَوْسَطِ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِیحِ"،ترجمہ:حضرت نافع مولی ابن عمر فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ میرے ماموں نے اپنی بیوی کو(تین طلاقیں دے کر)چھوڑ دیا ہے۔اب وہ اس پر غمگین وپریشان ہے۔میں نے

ارادہ کیا ہے کہ اس کی سابقہ بیوی سے نکاح کرلو (حلالہ کے لئے)۔ میرے ماموں نے مجھے ایسا کرنے کا نہیں کہا ہے اور نہ ہی اسے یہ معلوم ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نکاح نہیں ہے مگر رغبت کے ساتھ۔ اگر وہ نکاح برقرار رکھنا چاہتی ہے تو تو بھی نکاح قائم رکھ اور اگر وہ نہیں چاہتی تو تو اسے چھوڑ دے۔ ورنہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اس فعل کو سفاحت (بدکاری) شمار کرتے تھے۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب النکاح، باب نکاح التحلیل، جلد4، صفحہ491، دار الفکر، بیروت)

بعض ائمہ نے حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح کو باطل نہیں ٹھہرایا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ الْحَكَمَ وَحَمَّادًا، عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لِيُحِلَّهَا لِزَوْجِهَا؟ فَقَالَ الْحَكَمُ: يُمْسِكُهَا وَقَالَ حَمَّادٌ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُفَارِقَهَا" ترجمہ: شعبہ فرماتے ہیں میں نے حکم اور حماد سے پوچھا کہ ایک شخص نے عورت سے نکاح کیا تا کہ وہ اسے پہلے شوہر کے لئے حلال کر دے؟ حکم نے کہا وہ اسے اپنے نکاح میں رکھے اور حماد نے کہا کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اسے چھوڑ دے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب النکاح، فی الرجل یطلق امرأته فیتزوجها رجل لیحلها له، جلد3، صفحہ533، مکتبۃ الرشد، الریاض)

دوسری روایت میں ہے "حدثنا أبو داود، عن حبيب، عن عمرو، عن جابر بن زيد، في رجل تزوج امرأة ليحلها لزوجها، وهو لا يعلم، فقال الحكم: يمسكها، وقال حماد: أحب إلى أن يفارقها" ترجمہ: جابر بن زید نے اس شخص کے متعلق سوال کیا جس نے عورت سے جانتے ہوئے اس لئے نکاح کیا تا کہ وہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے۔ حکم نے کہا وہ اسے اپنے نکاح میں رکھے اور حماد نے کہا کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اسے چھوڑ دے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب النکاح، فی الرجل یطلق امرأته فیتزوجها رجل لیحلها له، جلد3، صفحہ533، مکتبۃ الرشد، الریاض)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حنفی علمائے کرام ہرگز مشروط حلالہ کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ احناف کا یہ مؤقف ہے کہ مشروط حلالہ نہیں کرنا چاہئے البتہ اگر کسی نے کرلیا تو نکاح ہو جائے گا اور کرنے والے گناہگار ہونگے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا جیسے اگر کوئی اس شرط پر نکاح کرے کہ ایک سال تک شوہر بیوی سے قربت نہیں کرے گا تو یہ شرط باطل ہے نکاح صحیح ہو جائے گا۔ یہی صورت مشروط حلالہ میں کہ اگر کسی مطلقہ عورت نے ان الفاظ سے ایجاب کیا کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ پہلے کے لئے حلال ہو جاؤ تو یہ مشروط حلالہ ہے جس پر لعنت کی گئی ہے، لیکن نکاح ہو جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے پاس کیا دلیل ہے کہ حلالہ کی شرط پر کیا ہوا نکاح ہو جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت عمر فاروق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے۔نیل الاوطار میں وہابیوں کا امام شوکانی (المتوفی 1250ھ) لکھتا ہے"وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَّ امْرَأَةً أَرْسَلَتْ إِلَى رَجُلٍ فَزَوَّجَتْهُ نَفْسَهَا لِيُحِلَّهَا لِزَوْجِهَا، فَأَمَرَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنْ يُقِيمَ مَعَهَا وَلَا يُطَلِّقَهَا، وَأَوْعَدَهُ أَنْ يُعَاقِبَهُ إِنْ طَلَّقَهَا فَصَحَّحَ نِكَاحَهُ وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِاسْتِئْنَافِهِ" ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ ایک عورت ایک شخص کے پاس بھیجی گئی کہ اس سے حلالہ کروائے تا کہ پہلے کے لئے حلال ہو جائے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے شوہر کو حکم دیا کہ اس عورت کو اپنے پاس رکھ لے، اسے طلاق نہ دے اور فرمایا کہ اگر تو نے اسے طلاق دی تو سزا دوں گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (حلالہ کی شرط پر کئے ہوئے) نکاح کو قائم رکھا، انہیں دوبارنکاح کرنے کا حکم نہ دیا۔

(نیل الأوطار، جلد6، صفحہ166، دار الحدیث، مصر)

پتہ چلا کہ امام ابوحنیفہ کا یہ مؤقف حضرت عمر فاروق کے مؤقف کے مطابق ہے۔پھر یہ یادرہے کہ فی زمانہ حلالہ کی شرط پر کوئی بھی نکاح نہیں کرتا بلکہ یہاں جب حلالہ کیا جاتا ہے تو نکاح عام طریقہ سے ہوتا ہے کہ اس میں حلالہ کا ذکر نہیں ہوتا، ہاں دل میں یہ نیت بعض اوقات ہوتی ہے کہ میں بعد میں اسے چھوڑ دوں گا، یہ طریقہ بالکل جائز ہے کہ اصل ناجائز و گناہ نکاح میں حلالہ کی شرط ہونا تھا وہ یہاں موجود نہیں ہے۔بغیر حلالہ کی شرط پر نکاح صحیح ہونے کا ثبوت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔السنن الصغیر للبیہقی میں احمد بن الحسین بن علی البیہقی (المتوفی 458ھ) روایت کرتے ہیں"وَرُوِّينَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، مَا دَلَّ عَلَى صِحَّةِ النِّكَاحِ إِذَا خَلَا عَقْدُهُ عَنِ الشَّرْطِ" یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہم نے روایت کی جو اس پر دلالت ہے کہ جو نکاح شرط کے بغیر ہو وہ نکاح جائز ہے۔

(السنن الصغیر ،باب فی نکاح المحلل، جلد3، صفحہ61، جامعة الدراسات الإسلامیة، کراچی)

الفقہ الاسلامی میں ہے"قال الحنفية والشافعية تحل المطلقة ثلاثاً لزوجها الأول بنكاح التحليل، لكن يكره عند الحنفية تحريماً التزوج الثاني إن كان بشرط التحليل، مثل: تزوجتك على أن أحلك .لحديث: لعن رسول الله صلّى الله عليه وسلم المحلّل والمحلّل له، ويصح الزواج، ويبطل الشرط، فلا يجبر الثاني على الطلاق. فإن أضمر الزوج الأول والثاني التحليل، أو كان الثاني مأجوراً لقصد الإصلاح، لا مجرد قضاء الشهوة ونحوها، لا يكره. وذكر الشافعية أن نكاح المحلل باطل إن نكحها على أنها إذا وطئها فلا نكاح بينهما، أو أن يتزوجها على أن يحلل للزوج الأول، لما روى هزيل عن عبد الله قال: لعن رسول الله صلّى الله عليه وسلم الواصلة والموصولة، والواشمة والموشومة، والمحلّل والمحلّل له، وآكل الربا ومطعمه ولأنه نكاح شرط

انقطاعه، دون غايته، فأشبه نكاح المتعة .وأما إن تزوجها واعتقد أنه يطلقها إذا وطئها، فيكره ذلك، لما روى الحاكم والطبراني في الأوسط عن عمر :أنه جاء إليه رجل، فسأله عن رجل طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجها أخ له عن غير مؤامرة ليحلها لأخيه، هل تحل للأول؟ قال:لا، إلا بنكاح رغبة وروى أبو مرزوق التجيبي مثله عن عثمان، أي إن تزوج على نية التحليل بدون شرط صح النكاح؛ لأن العقد إنما يبطل بما شرط، لا بما قصد.

والخلاصة :إن زواج المحلل بلا شرط، أي بدون شرط صريح في العقد على التطليق، وإنما بالنية والقصد الباطن صحيح مكروه عند الشافعية؛ لأن العقد استوفى أركانه وشروطه في الظاهر، ولا يتأثر العقد بالباعث الداخلي أي أنهم لا يقولون بمبدأ سد الذرائع بالقصد الداخلي .وقال المالكية والحنابلة إن نكاح المحلل أو نكاح التيس المستعار ولو بلا شرط:وهو الذي يتزوجها ليحلها لزوجها حرام باطل مفسوخ، لا يصح ولا تحل لزوجها الأول، والمعتبر نية المحلل لا نية المرأة، ولا نية المحلل له ودليلهم الحديث السابق عن ابن مسعود:لعن رسول الله صلّى الله عليه وسلم المحلّل والمحلل له وحديث عقبة بن عامر:ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا:بلى، يارسول الله ، قال:هو المحلِّل، لعن الله المحلل والمحلل له فهذا يدل على تحريم التحليل؛ لأن اللعن إنما يكون على ذنب كبير .وهذا يتفق مع مبدئهم بسد الذرائع، وهو الراجح لدي .وخص الفريق الأول التحريم والإبطال بما إذا شرط الزوج أنه إذا نكحها الثاني بانت منه، أو شرط أنه يطلقها أو نحو ذلك"خلاصہ یہ ہے کہ حنفیوں اور شافعیوں نے کہا کہ حلالہ کی نیت سے کیا گیا نکاح صحیح ہو جائے گا اور احناف کے نزدیک حلالہ کی شرط پر کیا گیا نکاح مکروہ تحریمی ہے اگر بغیر شرط کے نکاح کرے لیکن دل میں نیت ہو کر صحبت کے بعد طلاق دے دے گا تو یہ نکاح صحیح ہے بلکہ باعث ثواب ہے جبکہ قضائے شہوت کی نیت نہ ہو بلکہ اصلاح کا قصد ہو۔ شوافع کے نزدیک حلالہ کی شرط پر نکاح باطل ہے اور اگر دل میں نیت ہو کہ بعد میں طلاق دے دوں گا تو مکروہ ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر بغیر شرط بھی نکاح کرے اور مرد کا مقصد یہ ہو کہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے تو یہ نکاح باطل ہے وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی۔

(الفقه الاسلامی وادلته، جلد9، صفحه136---، دار الفکر، بیروت)

المختصر یہ کہ حلالہ کے متعلق احناف کا موقف خود ساختہ نہیں بلکہ اس پر روایات موجود ہیں۔ وہابیوں نے اپنی وہابیت چمکانے کے لئے حلالہ کو اس قدر ناپسند قرار دے دیا ہے کہ لوگ اس نام کو پسند نہیں کرتے۔ بلکہ وہابی یہاں تک فریب کاری کرتے ہیں کہ حلالہ کے اصل مسئلہ کو ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ حلالہ پر جو لعنت ہے صرف اس کا ذکر کر کے لوگوں کو حلالہ سے نفرت دلاتے

ہیں جبکہ حلالہ کا ثبوت قرآن پاک میں واضح ہے جس کا مطلقاً انکار کرنے والا کافر ہے۔ اللہ عزوجل قرآن پاک میں فرمایا ہے ﴿اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

(سورۃ بقرہ، سورت 2، آیت 230)

اس آیت میں ایک لفظ ''تنکح'' ہے اور ایک لفظ ''زوجا'' یہ دونوں لفظ نکاح کے معنیٰ میں نہیں بلکہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ لفظ نکاح یہاں پر لغوی معنی یعنی ہمبستری کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور خود آیت مبارک نے بیان کیا ہے کہ عورت اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرا شوہر ہمبستری نہ کرلے چنانچہ چنانچہ تفسیر صاوی میں ہے ''﴿حتی تنکح﴾ المراد به هنا العقد مع الوطء کما بين ذلك في الحديث والاجماع عليه'' ترجمہ: نکاح سے مراد یہاں نکاح کے بعد وطی کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور اس بات پر اجماع ہے۔ (تفسیر صاوی، جلد1، صفحہ195، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

وہابیوں کو چاہئے کہ خدا کا خوف کریں مسلمانوں کو طلاقوں پر جری نہ کریں۔ تم اپنی کتابوں میں حلالہ کے بارے میں لکھتے ہو کہ اپنی بیوی غیر کے آگے پیش کرنا ہے۔ ارے جاہلو! تمہاری شریعت میں تین طلاقوں کے باوجود بھی کیا عورت پہلے شوہر کی بیوی رہتی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حلالہ کا حکم شرع نے طلاقوں کی شرع کم کرنے کے لئے دیا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ تم لوگوں نے حلالہ پر لعن طعن کر کے اور تین طلاقوں کو ایک قرار دے کر طلاقوں کو عام کر دیا ہے اور اپنی آخرت کے ساتھ مسلمانوں کی آخرت بھی خراب کر دی۔ تین طلاقوں کے بعد جو تمہارے فتوی پر عمل کر کے رجوع کرتا ہے وہ خود بھی زانی ہے اور زنا کا گناہ تمہارے نامہ اعمال میں بھی لکھا جاتا رہے گا۔

### زبردستی طلاق

احناف کے نزدیک زبردستی زبان سے طلاق ہو جاتی ہے اور یہ احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ''حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَرْدَكَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ مَاهَكَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ:ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ:النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالرَّجْعَةُ:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ(حكم الألباني):حسن" ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں جن میں سنجیدگی اور مذاق سنجیدگی ہے نکاح، طلاق اور طلاق کے بعد رجوع کرنا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے، اس پر اہل علم صحابہ کرام وغیرہ کا عمل ہے۔البانی نے اس حدیث کوحسن کہا۔ (سنن الترمذی،ابواب الطلاق،باب ما جاء فی الجد والھزل فی الطلاق،جلد2،صفحہ481، دار الغرب الإسلامی،بیروت)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ وقوع طلاق میں رضا شرط نہیں ہے، دیکھیں مذاق میں طلاق دینے والا طلاق پر راضی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اسی طرح زبردستی بھی طلاق ہوجاتی ہے۔جس شخص پر زبردستی کی گئی وہ کلام کرنے کا اختیار رکھتا لیکن حکم پر راضی نہیں ہوتا جیسا کہ مذاق کرنے والا ہو حکم پر راضی نہیں ہوتا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ:نا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ:كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ"، ترجمہ:حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:ہر طلاق جائز ہے سوائے پاگل کے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الطلاق،ما قالوا :فی طلاق المعتوہ،جلد4،صفحہ72،مکتبۃ الرشد،الریاض)

اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ سوائے پاگل کے ہر طلاق اگرچہ وہ زبردستی ہو نافذ ہوجاتی ہے۔زبردستی طلاق نافذ ہونے کا موقف جید صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے جن میں حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن جبیر، حضرت شعبی، حضرت نخعی، زہری، حضرت ابن المسیب، حضرت شریح، حضرت قتادۃ، حضرت ثوری، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم ہیں۔

اکراہ کی طلاق نافذ ہونے پر کثیر روایتیں ہیں۔سنن سعید بن منصور میں ابوعثمان سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی الجوزجانی (المتوفی 227ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ:نا فَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ:حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ شَرَاحِيلَ الْمَعَافِرِيُّ، قَالَ: كَانَتِ امْرَأَةٌ مُبْغِضَةً لِزَوْجِهَا فَأَرَادَتْهُ عَلَى الطَّلَاقِ فَأَبَى فَجَاءَتْ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَلَمَّا رَأَتْهُ نَائِمًا، قَامَتْ وَأَخَذَتْ سَيْفَهُ، فَوَضَعَتْهُ عَلَى بَطْنِهِ ثُمَّ حَرَّكَتْهُ بِرِجْلِهَا فَقَالَ:وَيْلَكِ مَا لَكِ؟ قَالَتْ:وَاللَّهِ لَتُطَلِّقَنِّي وَإِلَّا أَنْفَذْتُكَ بِهِ، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا، فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَشَتَمَهَا، فَقَالَ:مَا حَمَلَكِ عَلَى مَا صَنَعْتِ؟ قَالَتْ بُغْضِي إِيَّاهُ فَأَمْضَى طَلَاقَهَا" ترجمہ:شراحیل معافری سے مروی ہے ایک عورت کو اپنا شوہر پسند نہ تھا اس نے

شوہر سے طلاق لینے کا ارادہ کیا تو شوہر نے طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ وہ عورت ایک رات سوئے ہوئے شوہر کے پاس آئی اور تلوار شوہر کے پیٹ پر رکھ کر پاؤں سے شوہر کو حرکت دی۔ شوہر نے کہا تیرے لئے خرابی ہو کیا کر رہی ہو؟ بیوی نے کہا: خدا کی قسم میں تجھے قتل کر دوں گی اگر تو نے مجھے طلاق نہ دی۔ شوہر نے تین طلاقیں دے دیں۔ یہ معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارگاہ میں پیش ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورت کو بلایا اور اس پر ناراض ہوئے۔ آپ نے عورت سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا ناپسندیدگی کی وجہ سے۔ حضرت عمر فاروق نے ان طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق المکرہ، جلد1، صفحہ313، الدار السلفیة، الھند)

سنن سعید بن منصور میں ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ: حَدَّثَنِي الْغَازُ بْنُ جَبَلَةَ الْجُبْلَانِيُّ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عِمْرَانَ الطَّائِيِّ، أَنَّ رَجُلًا كَانَ نَائِمًا مَعَ امْرَأَتِهِ فَقَامَتْ فَأَخَذَتْ سِكِّينًا فَجَلَسَتْ عَلَى صَدْرِهِ وَوَضَعَتِ السِّكِّينَ عَلَى حَلْقِهِ وَقَالَتْ: لَتُطَلِّقَنِّي ثَلَاثًا الْبَتَّةَ وَإِلَّا ذَبَحْتُكَ، فَنَاشَدَهَا اللَّهَ، فَأَبَتْ عَلَيْهِ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَذُكِرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا قَيْلُولَةَ فِي الطَّلَاقِ" ترجمہ: صفوان بن عمران طائی سے مروی ہے ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ سویا ہوا تھا کہ بیوی نے چاقو پکڑا اور شوہر کے سینے پر بیٹھ گئی اور چاقو اس کے حلق پر رکھ دیا اور کہا مجھے تین طلاقیں دو ورنہ تجھے ذبح کر دوں گی۔ شوہر نے عورت کو رب تعالیٰ کی قسم کھلائی لیکن عورت نہ مانی۔ شوہر نے تین طلاقیں دے دیں۔ اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہوا تو آپ نے فرمایا: طلاق میں قَیْلُولَہ نہیں (یعنی وقوع کے بعد رجوع اور فسخ کا اختیار نہیں۔)

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق المکرہ، جلد1، صفحہ314، الدار السلفیة، الھند)

سنن سعید بن منصور میں ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْغَازِ بْنِ جَبَلَةَ الْجُبْلَانِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ صَفْوَانَ الْأَصَمَّ، يَقُولُ: بَيْنَا رَجُلٌ نَائِمٌ لَمْ يَرُعْهُ إِلَّا وَامْرَأَتُهُ جَالِسَةٌ عَلَى صَدْرِهِ، وَاضِعَةً السِّكِّينَ عَلَى فُؤَادِهِ وَهِيَ تَقُولُ: لَتُطَلِّقَنِّي أَوْ لَأَقْتُلَنَّكَ، فَطَلَّقَهَا، ثُمَّ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: لَا قَيْلُولَةَ فِي الطَّلَاقِ، وَلَا قَيْلُولَةَ فِي الطَّلَاقِ" یعنی صفوان اصم نے کہا ایک شخص سویا ہوا تھا کہ اس کی بیوی اس کے سینے پر بیٹھ گئی اور اس کے دل پر چھری رکھ کر بولی مجھے طلاق دو ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گی۔ شوہر نے طلاق دے دی۔ شوہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ عرض کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں۔ (یعنی شوہر کی زبردستی دی گئی طلاق نافذ کر دی۔)

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق المکرہ، جلد1، صفحہ314، الدار السلفیۃ، الھند)

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوا تو آپ نے طلاق کو نافذ فرمایا چنانچہ سنن سعید بن منصور میں ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا فَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ تَزَوَّجَ أُخْتَ يَزِيدَ بْنِ مُهَلَّبٍ زَمَنَ الْحَجَّاجِ، وَأَهْلُهَا كَارِهُونَ، فَلَمَّا وَلِيَ يَزِيدُ بْنُ الْمُهَلَّبِ الْعِرَاقَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ، وَقَالَ: طَلِّقْهَا فَأَبَى، فَضَرَبَهُ يَزِيدُ، وَقَالَ: وَاللَّهِ لَا أَرْفَعُ عَنْكَ السِّيَاطَ حَتَّى تُطَلِّقَهَا، فَطَلَّقَهَا، فَلَمَّا كَانَ زَمَنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَتَاهُ فَاسْتَغَاثَ بِهِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَمَّا ضَرْبُهُ إِيَّاكَ فَسَيَلْقَى اللَّهَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَمَّا الطَّلَاقُ فَقَدْ مَضَى" یعنی معاویہ بن صالح فرماتے ہیں ایک شخص نے یزید بن مہلب کی بہن سے حجاج کے زمانہ میں نکاح کیا۔ لڑکی کے گھر والے اس رشتہ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ جب یزید بن مہلب عراق کا ولی بنا اس نے اسے بلایا اور بیوی کو طلاق دینے کا کہا۔ شوہر نے انکار کیا تو یزید نے اسے مارا اور کہا خدا کی قسم میں تجھ سے کوڑا نہیں اٹھاؤں گا جب تک تو اسے طلاق نہیں دیتا۔ شوہر نے طلاق دے دی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا دور تھا کہ اس نے استغاثہ کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: جو یزید بن مہلب نے تجھے مارا اس کا حساب تو قیامت والے دن رب تعالیٰ لے گا۔ جہاں تک طلاق کا تعلق ہے تو طلاق ہوگئی۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق المکرہ، جلد1، صفحہ315، الدار السلفیۃ، الھند)

بسند صحیح مروی ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا هُشَيْمٌ، قَالَ: أنا مُغِيرَةُ، وَالْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَانَ يَرَى طَلَاقَ الْمُكْرَهِ جَائِزًا" ترجمہ: اعمش نے فرمایا حضرت ابراہیم مکرہ (جس پر زبردستی کی گئی ہو) کی طلاق کو جائز جانتے تھے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق المکرہ، جلد1، صفحہ315، الدار السلفیۃ، الھند)

امام ابن ابن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: طَلَاقُ الْمُكْرَهِ جَائِزٌ" ترجمہ: ابوقلابہ نے فرمایا: زبردستی کی طلاق جائز ہے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الطلاق، من کان یری طلاق المکرہ جائزا، جلد4، صفحہ83، مکتبۃ الرشد، الریاض)

وہابیوں کے نزدیک زبردستی طلاق نہیں ہوتی ہے۔ وہابی مولوی مبشر احمد ربانی لکھتا ہے: "زبردستی طلاق شرعاً کالعدم ہے۔ اس کا وقوع نہیں ہوتا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان اللہ تجاوز لامتی عما توسوس بہ صدورھا ما لم تعمل او تتکلم بہ و ما استکرھو علیہ" یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت کے سینوں کے خیالات و وساوس کو معاف کر دیا ہے۔ جب تک وہ ان خیالات کو عملی جامہ نہیں پہنا لیتے یا بات نہیں کر لیتے اور اس بات کو بھی معاف کر دیا ہے جس پر انہیں مجبور کر دیا گیا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبراً طلاق دلوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا طلاق و لا عتاق فی اغلاق" طلاق اور آزادی زبردستی نہیں ہوتی ۔۔۔۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "طلاق السکران و المستکرہ لیس بجائز" نشے والے آدمی اور مجبور کی طلاق جائز نہیں۔

(احکام ومسائل ،صفحہ495،دارالاندلس،لاہور)

وہابی مولوی نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی روایت پیش کی وہ ضعیف ہے چنانچہ مسند احمد میں ہے "حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ الْكَلَاعِيُّ، وَكَانَ ثِقَةً عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ الْمَكِّيِّ، قَالَ: حَجَجْتُ مَعَ عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ الْكِنْدِيِّ فَبَعَثَنِي إِلَى صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ بْنِ عُثْمَانَ صَاحِبِ الْكَعْبَةِ أَسْأَلُهَا عَنْ أَشْيَاءَ، سَمِعَتْهَا مِنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيمَا حَدَّثَتْنِي أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ. إسناده ضعيف لضعف محمد بن عبيد بن أبی صالح المكی" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں: زبردستی طلاق اور آزادی نہیں۔ اس کی سند ضعیف ہے محمد بن عبید بن ابی صالح مکی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل،حديث السيدة عائشة رضى الله عنها،جلد6،صفحہ276،مؤسسة قرطبة ،القاہرة)

وہابی مولوی نے جو بھول ونسیان اور زبردستی پر طلاق نہ ہونے پر دلیل پیش کی اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اس کے احکام نافذ ہوں گے البتہ اخروی طور پر اس پر گرفت نہیں ہوگی۔ البنایہ میں ہے "أجاب أصحابنا عنه بأنه ليس المراد منه حقيقة الخطأ والنسيان، والإكراه، لأنها ليست بمرفوعة حقيقة بدليل وقوعها حسا، وإنما المراد منه الحكم وهو إما حكم الدنيا أو حكم الآخرة، والأول بدليل وجوب الكفارة والدية فی القتل الخطأ، وهو من أحكام الزنا. وكذا يجب الغسل مما إذا جامع المكره على الزنا يفسد حجه وصومه، وذلك من أحكام الدنيا فتعين الثانی هو رفع الإثم" ترجمہ: ہمارے اصحاب نے جواب دیا کہ اس حدیث سے حقیقۃً بھول وغلطی اور زبردستی مراد نہیں ہے بلکہ حکم مراد ہے۔ اس لئے کہ حسی طور پر انسان ہی کے ہاتھوں یہ فعل سرزد ہوتا ہے۔ اب یہ حکم دنیاوی طور پر ہے یا اخروی طور پر۔ تو دنیاوی معاملات میں کفارہ اور دیت قتل خطا میں واجب ہوتی ہے اور وہ احکام زنا میں سے ہے۔ اسی طرح زبردستی اگر کسی کو زنا

کروایا جائے تو اس پر غسل فرض ہو جائے گا، حج و روزہ فاسد ہو جائے گا، یہ دنیاوی احکام ہیں تو اخروی احکام متعین ہو گئے کہ اس سے مراد گناہ نہ ہونا ہے۔

(البناية شرح الهداية، كتاب الايمان،القاصد فى اليمين والمكره والناسى سواء ،جلد6،صفحه 117،، دار الكتب العلمية،بيروت)

تطبیق یوں بھی ہے کہ زبردستی طلاق زبان سے ہو جاتی ہے، تحریر سے نہیں۔ جبکہ وہ اکراہِ شرعی (یعنی جان جانے یا ہاتھ پاؤں ٹوٹنے کا خطرہ) ہو اور شوہر بغیر طلاق کی نیت سے طلاق لکھے یا طلاق نامہ پر دستخط کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ المحیط البرہانی میں ہے "وفی فتاوی أهل سمرقند إذا أكره الرجل بالحبس والضرب على أن يكتب طلاق امرأته فكتب فلانة بنت فلان طالق لا تطلق" ترجمہ: فتاوی اہل سمرقند میں ہے کہ اگر شوہر کو مار اور قید کا خوف دلاتے ہوئے کہا کہ اپنے بیوی کو طلاق لکھ اور اس نے اس ڈر سے لکھا کہ فلاں بنت فلاں طلاق والی ہے تو طلاق نہ ہو گی۔

(المحيط البرہانی ،كتاب الطلاق ،الفصل السادس فی إيقاع الطلاق بالكتابات، جلد3،صفحه276،دار الكتب العلمية، بيروت)

البحر الرائق اور ردالمحتار میں ہے "المراد الاكراه على تلفظ بالطلاق فلواكره على ان يكتب طلاق امرأته فكتب لاتطلق لان الكتابه اقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا" ترجمہ: جبر سے مراد لفظِ طلاق کہنے پر جبر کیا گیا ہو اور اگر اس کو اپنی بیوی کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے مجبور ہو کر لکھ دی تو طلاق نہ ہو گی کیونکہ کتابت کو تلفظ کے قائم مقام محض حاجت کی بنا پر کیا گیا ہے اور یہاں خاوند کو حاجت نہیں ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق ،فی الاكراه على التوكيل بالطلاق--،جلد4،صفحه236،دار الفكر ،بيروت)

## نشے میں طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟

احناف کے نزدیک شوہر اگر نشے کی حالت میں طلاق دے گا تو طلاق ہو جائے گی۔ البنایہ شرح الہدایہ میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدرالدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ومعظم العلماء صاروا إلى وقوع طلاق السكران وفى المغنى وهو قول سعيد بن المسيب ومجاهد وعطاء والحسن البصرى وإبراهيم النخعى والأوزاعى وميمون بن مهران والحكم وشريح وسليمان بن يسار ومحمد بن سيرين وابن شبرمة وسليمان بن حرب وابن عمر وعلى وابن عباس ومعاوية رضى الله تعالى عنهم" یعنی سعید بن میسب، مجاہد، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، اوزاعی، میمون بن مہران، حکم، شریح، سلیمان بن یسار، محمد بن سیرین، ابن شبرمہ، سلیمان بن حرب، ابن عمر، علی المرتضی، ابن عباس، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک نشے میں دی ہوئی طلاق نافذ ہو جاتی ہے۔

(البنایة شرح الهدایة، کتاب الطلاق، طلاق السکران ،جلد5،صفحه300،دار الکتب العلمیة ،بیروت)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسیٰ الترمذی ابوعیسیٰ (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ قَالَ:أَنْبَأَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الفَزَارِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ المَخْزُومِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ، إِلَّا طَلَاقَ المَعْتُوهِ المَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ:هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ عَجْلَانَ، وَعَطَاءُ بْنُ عَجْلَانَ ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الحَدِيثِ،وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ:أَنَّ طَلَاقَ المَعْتُوهِ المَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعْتُوهًا يُفِيقُ الأَحْيَانَ فَيُطَلِّقُ فِي حَالِ إِفَاقَتِهِ" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے سوائے مدہوش جس کی عقل مغلوب ہو۔

(ترمذی، کتاب الطلاق و اللعان ،ماجاء فی طلاق المعتوه،جلد2،صفحه487،دار الغرب الإسلامی ،بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ:نا وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ:كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ المَعْتُوهِ" ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہر طلاق جائز ہے سوائے پاگل کے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الطلاق ،ما قالوا:فی طلاق المعتوه،جلد4،صفحه72،مکتبة الرشد،الریاض)

ان روایتوں سے پتہ چلا کہ جو پاگل ہے اس کی طلاق نہیں ہوتی اس کے سوا جو نشے میں ہے وہ شرعی احکام میں پاگل کی طرح نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نشے کی حالت میں قتل کرنا پاگل پن کی حالت میں قتل کرنے کی طرح نہیں ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ:يَجُوزُ طَلَاقُ السَّكْرَانِ، إِنَّهُ لَيْسَ كَالْمَرِيضِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ، إِنَّمَا أَتَى مَا أَتَى وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَقُولُ:مَا لَا يَصْلُحُ وَيَعْلَمُهُ" ترجمہ: حضرت عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا انہوں نے عطا سے کہ نشے کی حالت میں دی گئی طلاق جائز ہے کیونکہ یہ وہ اس مریض کی طرح نہیں جو مغلوب العقل ہے اور بے شک جو وہ لایا ہے وہ اس طور پر لایا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ وہ بات کہہ رہا ہے جو اس کے لئے درست نہیں ہے اور اسے جانتا ہے۔

(المصنف، کتاب الطلاق،باب طلاق السکران، جلد7، صفحه82،المجلس العلمی ،الهند)

معرفۃ السنن والآثار میں احمد بن الحسین بن علی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) فرماتے ہیں "قَالَ الشَّافِعِيُّ:وَيَجُوزُ

طَلَاقُ السَّكْرَانِ مِنَ الشَّرَابِ الْمُسْكِرِ وَعِتْقُهُ، وَقَدْ قَالَ بَعْضُ مَنْ مَضَى مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ: لَا يَجُوزُ طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَكَأَنَّهُ ذَهَبَ إِلَى أَنَّهُ مَغْلُوبٌ عَلَى عَقْلِهِ. قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَأَكْثَرُ مَنْ لَقِيتُ مِنَ الْمُفْتِينَ عَلَى أَنَّ طَلَاقَهُ يَجُوزُ. وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رُفِعَ الْقَلَمُ، عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَبْلُغَ، وَالْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ، وَالنَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَالسَّكْرَانُ لَيْسَ وَاحِدًا مِنْ هَؤُلَاءِ، وَلَا فِي مَعْنَاهُ" ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا کہ شراب و نشے کی حالت میں دی جانے والی طلاق و آزادی جائز ہے اور اہل حجاز کے بعض علماء جو گزر چکے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نشے کی حالت میں دی گئی طلاق جائز نہیں بسبب مغلوب العقل ہونے کے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اکثر مفتیان اکرام سے ملا وہ اس کے جواز کے قائل تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قلم اٹھالیا گیا ہے بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون جب تک ہوش میں نہ آجائے اور سونے والا جب تک کہ جاگ جائے۔ اور نشے والا ان تینوں میں سے نہیں ہے اور نہ اس معنی میں ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار، کتاب الخلع و الطلاق، جلد 11، صفحہ 76، جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، کراچی)

سنن سعید بن منصور میں ابوعثمان سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی الجوزجانی (المتوفی 227ھ) بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا حَزْمُ بْنُ أَبِي حَزْمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ، رَجُلٌ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَارِحَةَ ثَلَاثًا وَهُوَ شَارِبٌ؟ فَقَالَ: يُجْلَدُ ثَمَانِينَ، وَبَرِئَتْ مِنْهُ" ترجمہ: حزم بن ابی حزم نے فرمایا: میں نے حسن بصری سے سنا کہ ان سے ایک شخص نے سوال کیا: اے ابوسعید! ایک شخص نے گزشتہ رات نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اسے اسی کوڑے لگیں گے اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق السکران ومن لم یرہ ومن أجازہ، جلد 1، صفحہ 308، الدار السلفیۃ، الهند)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا هُشَيْمٌ، قَالَ: أنا يُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، وَابْنِ سِيرِينَ أَنَّهُمَا كَانَا يُجِيزَانِ طَلَاقَ السَّكْرَانِ وَيَرَيَانِ أَنْ يُضْرَبَ الْحَدَّ" ترجمہ: حضرت حسن بصری اور ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نشے والے کی طلاق کو نافذ جانتے تھے اور اس پر حد لگانے کو جائز کہتے تھے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق السکران ومن لم یرہ ومن أجازہ، جلد 1، صفحہ 308، الدار السلفیۃ، الهند)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: طَلَاقُ السَّكْرَانِ جَائِزٌ" ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نے فرمایا نشے والے کی طلاق نافذ ہے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق السکران ومن لم یرہ ومن أجازہ، جلد 1، صفحہ 308، الدار السلفیۃ، الهند)

صحیح سند کے ساتھ ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا هُشَيْمٌ، قَالَ: أنا مُغِيرَةُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: طَلَاقُ السَّكْرَانِ جَائِزٌ،

وَيُضْرَبُ الْحَدَّ لِأَنَّهُ فِي عُدْوَانٍ" ترجمہ: حضرت ابراہیم نے فرمایا: نشے والے کی طلاق جائز ہے اور اسے حد لگے گی اسلئے کہ یہ نافرمانی میں ہے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق السکران ومن لم یره ومن أجازه، جلد1، صفحه308، الدار السلفية، الهند)

صحیح سند کے ساتھ ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا هُشَيْمٌ، قَالَ: أنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّهُ كَانَ يُجِيزُ طَلَاقَ السَّكْرَانِ" ترجمہ: امام شعبی نشے والے کی طلاق جائز جانتے تھے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق السکران ومن لم یره ومن أجازه، جلد1، صفحه308، الدار السلفية، الهند)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مِقْسَمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، يَقُولُ: إِنَّ رَجُلًا مِنْ آلِ الْبَخْتَرِيِّ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهُوَ سَكْرَانُ فَضَرَبَهُ عُمَرُ الْحَدَّ وَأَجَازَ عَلَيْهِ طَلَاقَهُ" ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار نے فرمایا: آل بختری میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کو نشے کی حالت میں طلاق دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر حد لگائی اور اس کی طلاق نافذ فرمائی۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق السکران ومن لم یره ومن أجازه، جلد1، صفحه309، الدار السلفية، الهند)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے "حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: نا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حَرْمَلَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّهُ كَانَ يَرَى طَلَاقَ السَّكْرَانِ جَائِزًا" ترجمہ: عبدالرحمٰن بن حرملہ سے مروی ہے سعید بن مسیب نشے والے کی طلاق جائز سمجھتے تھے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی طلاق السکران ومن لم یره ومن أجازه، جلد1، صفحه309، الدار السلفية، الهند)

السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "وَأَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ الْمِهْرَجَانِيُّ، نا أَبُو بَكْرِ بْنُ جَعْفَرٍ الْمُزَكِّي، نا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْبُوشَنْجِيُّ، نا ابْنُ بُكَيْرٍ، نا مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ سُئِلَا عَنْ طَلَاقِ السَّكْرَانِ، فَقَالَا: إِذَا طَلَّقَ السَّكْرَانُ جَازَ طَلَاقُهُ وَإِنْ قَتَلَ قُتِلَ. قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا وَرُوِّينَا عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَعِتْقُهُ جَائِزٌ وَعَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ قَالَ: السَّكْرَانُ يَجُوزُ طَلَاقُهُ وَعِتْقُهُ" یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ سے نشے میں دی گئی طلاق کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: نشے میں دی ہوئی طلاق ہو جاتی ہے اور اگر نشے میں کوئی قتل کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی نشے میں طلاق ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نشے میں طلاق و غلام کی آزادی ہو جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

سے مروی ہے کہ نشے میں طلاق و آزادی واقع ہو جاتی ہے۔

(السنن الکبری، باب من قال یجوز طلاق السکران وعتقه، جلد7، صفحه589، دار الکتب العلمية، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک نشے میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ وہابی مولوی مبشر احمد ربانی لکھتا ہے: ''صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ''طلاق السکران والمستکرہ لیس بجائز'' نشے والے آدمی اور مجبور کی طلاق جائز نہیں۔

(احکام ومسائل، صفحه495، دار الاندلس، لاہور)

احناف کے دلائل اوپر گزر چکے کہ صحابہ و تابعین سے ثابت ہے کہ نشے میں دی ہوئی طلاق ہو جاتی ہے۔ جن روایتوں سے ثابت ہے کہ نشے میں طلاق نہیں ہوتی ان کو اگر اس پر محمول کر لیا جائے کہ اگر زبردستی کسی کے شراب پلانے یا مباح چیز کھانے سے عقل برقرار نہ رہنے کی صورت میں طلاق دی جائے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوتی اور جہاں قصداً کسی نے نشے والی چیز کھائی یا پی تو اس صورت میں طلاق ہو جائے گی۔ اس صورت میں دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جائے گی۔ یہی احناف کا موقف ہے۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی 743ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''وَلِأَنَّهُ زَالَ عَقْلُهُ بِسَبَبٍ هُوَ مَعْصِيَةٌ فَيُجْعَلُ بَاقِيًا زَجْرًا لَهُ بِخِلَافِ مَا إذَا زَالَ بِالْمُبَاحِ'' ترجمہ: اس لئے کہ عقل کسی گناہ والی چیز کے سبب سلامت نہ رہے تو اس میں ہونے والے فعل کو سزا کے طور پر باقی رکھا جائے گا بخلاف اس چیز کے جو مباح ہو۔

(تبيين الحقائق، کتاب الطلاق، جلد2، صفحه196، المطبعة الكبرى الأميرية، القاہرة)

بحر الرائق، فتح القدیر، عنایہ، ہندیہ، رد المحتار میں یہی ہے کہ نشے والی چیز کو بطور علاج استعمال کرنے سے اگر عقل سلامت نہ رہے تو ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی (المتوفی 1252ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''وَالْحَقُّ التَّفْصِيلُ، وَهُوَ إنْ كَانَ لِلتَّدَاوِي لَمْ يَقَعْ لِعَدَمِ الْمَعْصِيَةِ، وَإِنْ لِلَّهْوِ وَإِدْخَالِ الْآفَةِ قَصْدًا فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَتَرَدَّدَ فِي الْوُقُوعِ .وَفِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ عَنْ الْجَوَاهِرِ:وَفِي هَذَا الزَّمَانِ إذَا سَكِرَ مِنْ الْبَنْجِ وَالْأَفْيُونِ يَقَعُ زَجْرًا، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَتَمَامُهُ فِي النَّهْرِ (قَوْلُهُ زَجْرًا) أَشَارَ بِهِ إلَى التَّفْصِيلِ الْمَذْكُورِ، فَإِنَّهُ إذَا كَانَ لِلتَّدَاوِي لَا يُزْجَرُ عَنْهُ لِعَدَمِ قَصْدِ الْمَعْصِيَةِ'' ترجمہ: حق تفصیل یہ ہے کہ اگر علاج کے طور پر اس کا استعمال کیا تو معصیت نہ ہونے کی وجہ سے طلاق نہیں ہوگی اور اگر لہو کے طور پر اس کا استعمال کیا اور اس کا قصداً ارتکاب کیا تو مناسب یہ ہے کہ طلاق واقع ہونے میں تردد نہیں ہونا چاہئے۔ اور تصحیح قدوری میں ہے جواہر سے ہے کہ موجودہ زمانہ میں اگر چرس اور افیون سے نشہ ہو تو اس حالت میں دی گئی طلاق نافذ ہوگی زجراً اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی تمام بحث نہر میں ہے۔ ان کا زجر کا فرمانا اس

مذکورہ تفصیل کی طرف اشارہ ہے کہ اگر علاج کے طور پر اس کا استعمال کیا تو عدمِ معصیت کی وجہ سے زجراً طلاق کا نہیں کہا جائے گا۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی تعریف السکران و حکمہ، جلد4، صفحہ42، دارالفکر، بیروت)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نشے والے کے وہ احکام نہیں جو مجنون کے ہوتے ہیں کہ مجنون پر نماز معاف ہے جبکہ نشہ کرنے والا گناہگار ہوتا ہے اور حالت نشے میں نماز معاف نہیں اگر وقت گزر جائے گا تو نماز چھوڑنے کا گناہ ہوگا۔ اگر کسی کو زبردستی شراب پلادی جائے تو اس حالت میں دی گئی طلاق عدم قصد گناہ کے سبب واقع نہ ہوگی۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن سلطان محمد ابوالحسن نورالدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "اُخْتُلِفَ فِی طَلَاقِ السَّکْرَانِ، فَذَهَبَ عُثْمَانُ وَابْنُ عَبَّاسٍ إِلَى أَنَّ طَلَاقَهُ لَا يَقَعُ؛ لِأَنَّهُ لَا عَقْلَ لَهُ كَالْمَجْنُونِ، وَقَالَ عَلِيٌّ وَغَيْرُهُ يَقَعُ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالثَّوْرِيِّ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَظَاهِرُ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ وَأَبِي حَنِيفَةَ؛ لِأَنَّهُ عَاصٍ لَمْ يَزُلْ عَنْهُ الْخِطَابُ، وَلَا الْآثِمُ بِدَلِيلِ أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَوَاتِ وَيَأْثَمُ بِإِخْرَاجِهَا عَنْ وَقْتِهَا۔۔۔مَنْ أُكْرِهَ عَلَى شُرْبِ الْخَمْرِ وَالْأَشْرِبَةِ الْأَرْبَعَةِ الْمُحَرَّمَةِ أَوِ اضْطُرَّ، لَا يَقَعُ طَلَاقُهُ وَعَتَاقُهُ" ترجمہ: نشے والے کی طلاق میں اختلاف ہے، حضرت عثمان غنی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس طرف گئے ہیں کہ نشے والے کی طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ مجنون کی طرح نشے والے کی عقل سلامت نہیں ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام وتابعین نے فرمایا نشے والے کی طلاق نافذ ہوگی اور یہی قول امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی اور ظاہر مذہ ۔۔ ام شافع ۔۔ ہم اللہ کا ہے اسلئے کہ نشے والا گناہ گار ہے اور اس سے گناہ اور شرعی ۔۔ ۔۔ یہ نہ ۔۔ ی گئی نماز ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور وقت میں نماز نہ پڑھنے کا اسے گناہ ۔۔ یا گیا یا وہ حالت اضطرار میں تھا (یعنی پینے کے لئے پانی نہ تھا اور جان بچانے کے۔ ۔۔ س حالت میں دی گئی طلاق وآزادی واقع نہ ہوگی۔

۔۔تاب النکاح، باب الخلع و الطلاق، جلد5، صفحہ2141، دار الفکر، بیروت)

# ☆---کتاب البیوع---☆

## دارالحرب میں سود

احناف کے نزدیک مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود نہیں یعنی مسلمان کسی کافر سے قرض پر نفع لے تو وہ سود نہیں بشرطیکہ اس کے کاروبار میں کسی مسلمان کا شیئر بھی نہ ہو۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس نفع کو سود نہ سمجھ کر لے بلکہ یہ سمجھے کہ کافر کا مال معصوم نہیں اور وہ اپنی رضامندی سے نفع دے رہا ہے۔ شرح مشکل الآ ثار میں ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) بسند حسن روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَبَّاسِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالدِّينَارِ بِالدِّينَارَيْنِ فِي دَارِ الْحَرْبِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَبَيْنَ أَهْلِ الْحَرْبِ" ترجمہ: حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: دارالحرب میں مسلمانوں اور اہل حرب کے مابین ایک دینار کو دو کے بدلے دینے میں حرج نہیں۔

(شرح مشکل الآثار، اب بیان مشکل ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما استدل بہ محمد بن الحسن مما کان أبو حنیفۃ یقولہ فی إباحۃ الربا بین المسلمین وبین المشرکین فی دار الحرب، جلد8، صفحہ249، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

المبسوط میں محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الأئمۃ السرخسی (المتوفی 483ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا رِبَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، وَبَيْنَ أَهْلِ دَارِ الْحَرْبِ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَهَذَا الْحَدِيثُ، وَإِنْ كَانَ مُرْسَلًا فَمَكْحُولٌ فَقِيهٌ ثِقَةٌ، وَالْمُرْسَلُ مِنْ مِثْلِهِ مَقْبُولٌ، وَهُوَ دَلِيلٌ لِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ فِي جَوَازِ بَيْعِ الْمُسْلِمِ الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ مِنَ الْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ" ترجمہ: حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں اور اہل حرب کے درمیان دارالحرب میں سود نہیں ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، لیکن مکحول فقیہ اور ثقہ راوی ہے اور یہ مرسل اس کی مثل ہے جو مقبول ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کی دلیل ہے کہ مسلمان کا دارالحرب میں حربی کے ساتھ ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں بیچنا جائز ہے۔

(المبسوط، کتاب الصرف، باب الصرف فی دار الحرب، جلد14، صفحہ56، دار المعرفۃ، بیروت)

وہابی مولوی لکھتا ہے: "فقہ نے سود حلال کر دیا:۔ اسلام میں سود کو جس نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سود کا کاروبار کرنے والے لوگ اگر سود کے کاروبار سے باز نہیں آتے تو انہیں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے پر، اس کی وکالت کرنے والے پر، اس کا حساب لکھنے والے پر اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور آپ نے فرمایا کہ سب سود کے گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ سود کے ستر ۷۰ درجے ہیں اور ان میں سب سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح کرے۔سود کا کاروبار اتنا بڑا جرم ہے مگر فقہ حنفی کہتی ہے "ولا بین المسلم والحربی فی دارالحرب" یعنی مسلم اور حربی (کافر) اگر دارالحرب میں سودی کاروبار کریں تو سود نہیں (یعنی ان پر کوئی جرم نہیں۔"

(احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف، صفحہ 387، 388، ادارہ تحفظ افکار اسلام، شیخوپورہ)

یہاں وہابی نے بغیر مسئلہ سمجھے ہوئے اپنی جہالت جھاڑ دی ہے۔سود یقیناً حرام قطعی ہے۔اور احناف نے سود کو حلال نہیں ٹھہرایا بلکہ یہ کہا ہے کہ کافر اور مسلمان کے درمیان سود ہے ہی نہیں اور اس پر حدیث پاک موجود ہے اور یہ حدیث پاک ہے وہابی کی پیش کردہ عبارت کے بالکل ساتھ تھی لیکن وہابی کو یا تو نظر نہیں آئی یا نظر آئی لیکن دلی بغض کی وجہ سے نظر انداز کر دی۔ہدایہ کی عبارت یوں ہے "وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا رِبَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلِأَنَّ مَالَهُمْ مُبَاحٌ فِي دَارِهِمْ فَبِأَيِّ طَرِيقٍ أَخَذَهُ الْمُسْلِمُ أَخَذَ مَالًا مُبَاحًا إذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ غَدْرٌ" ترجمہ: احناف کی دلیل حضور علیہ السلام کا وہ فرمان ہے کہ آپ نے فرمایا: مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں سود نہیں ہے۔اسلئے کی کافروں کا مال ان کے ممالک میں مباح ہے جسے جس طرح چاہیں لے لیں۔

(الهداية فی شرح بداية المبتدی، کتاب البیوع، باب الربا، جلد3، صفحہ 65، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

وہابیوں کے امام ابن تیمیہ نے بھی احناف کے موقف کی تائید کرتے ہوئے مسلمان اور کافر کے درمیان سود ہونے کی نفی کی ہے چنانچہ اختلاف الدارین وآثارہ فی احکام الشریعۃ الاسلامیۃ میں عبدالعزیز بن مبروک الأحمدی لکھتے ہیں "قال مجد الدین ابن تیمیة: الربا محرم فی دار الإسلام والحرب إلا بین مسلم وحربی لا أمان بینهما" ترجمہ: دین کے مجدد ابن تیمیہ نے کہا: دارالحرب اور دارالاسلام میں سود حرام ہے، مگر مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں جن کے مابین کوئی امان نہیں ہے۔

(اختلاف الدارین وآثارہ فی أحکام الشریعة الإسلامیة، جلد2، صفحہ 210، عمادۃ البحث العلمی بالجامعة الإسلامیة، المدینة المنورۃ)

## عددی اور ناپ تول چیزوں کی خرید وفروخت

احناف کے نزدیک کیلی وموزونی چیزوں کے علاوہ عددی چیزوں کی خرید وفروخت میں برابری ضروری نہیں۔کمی بیشی جائز ہے۔یعنی ایک انڈے کے بدلے دو انڈے خریدنا،ایک روپے کے بدلے دو روپے لینا جائز ہے جبکہ ہاتھوں ہاتھ خرید و فروخت ہو ادھار نہ ہو۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں" حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِالْفَلْسِ بِالْفَلْسَيْنِ يَدًا بِيَدٍ. حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ طَاوُسٍ، مِثْلَهُ" ترجمہ: حضرت مجاہد نے فرمایا: ایک فلس کو دو فلس کے بدلے میں ہاتھوں ہاتھ بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔حضرت طاؤس نے بھی یہی کہا ہے۔

(الكتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، كتا ب البيوع،فی الفلس بالفلسين،جلد4،صفحه503،مكتبة الرشد ،الرياض)

دوسری روایت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے" حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِالْفَلْسِ بِالْفَلْسَيْنِ يَدًا بِيَدٍ" ترجمہ: حضرت حماد نے فرمایا: ایک فلس کو دو فلس کے بدلے میں ہاتھوں ہاتھ بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

(الكتاب المصنف فی الأحاديث والآثار، كتا ب البيوع،فی الفلس بالفلسين،جلد4،صفحه503،مكتبة الرشد ،الرياض)

وہابیوں کے نزدیک عددی چیزوں میں بھی برابری ہونا سود ہے یعنی ایک انڈے کو دو انڈوں کے بدلے بیچنا سود ہے۔وہابی مولوی فاروق الرحمٰن یزدانی لکھتا ہے:"قارئین آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ سودی کاروبار کتنا بڑا جرم ہے۔اس لئے محسنِ انسانیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کی طرف جانے والے تمام راستے بند کرتے ہوئے اجناس میں بھی سودی تجارت سے منع فرمایا ہے چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں"قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل يدا بيد فمن زاد او استزاد فقد اربى الاخذ والمعطى فيه سواء" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر ہو اور نقد ونقد ہو، جس شخص نے زیادہ لیا یا زیادہ کا مطالبہ کیا تو اس نے سود لیا۔سود لینے والا اور دینے والا دونوں ہی (اس سود لینے دینے کے جرم میں) برابر کے شریک ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو ہم جنس ہو اس میں اگر آدمی لین دین کرے تو برابر برابر کرے، اس سے زائد لینا دینا سود بن جائے گا جو کہ ناجائز اور حرام ہے مگر فقہ حنفی کہتی ہے "ویجوز بیع البیضة بالبیضتین والتمرة بالتمرتین والجوزة بالجوزتین" یعنی ایک انڈے کے بدلے دو انڈے، ایک کھجور کے بدلے دو کھجوریں اور ایک اخروٹ کے بدلے دو اخروٹوں کی بیع جائز ہے۔" (احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف، صفحہ 388، ادارہ تحفظ افکار اسلام، شیخوپورہ)

وہابی مولوی صاحب نے اپنی جہالت سے ہی حدیث پاک سے باطل استدلال کرلیا کہ ہر وہ چیز جو ہم جنس ہو اس کا برابر لین دین ہونا ضروری ہے جبکہ حدیث پاک میں جو ممانعت کی گئی وہ ناپ اور تول کے متعلق تھی نہ کہ عددی چیزوں کے متعلق۔ انڈے، اخروٹ اور کھجوروں کا جو جواز کہا گیا وہ عددی اعتبار سے ہے۔ الفقہ الاسلامی میں ہے "وأما الذی لا یباع بالکیل ولا بالوزن کالمعدود والمذروع فإنه لا یشتمل علی ربا الفضل، فیصح بیع البیضة بالبیضتین، والذراع من قماش بذراعین من قماش من جنسه، بشرط القبض" ترجمہ: جو ناپ اور تول کے علاوہ بکتی ہو جیسے گز اور عدد کے اعتبار سے تو اس میں سود شامل نہیں ہے۔ تو ایک انڈہ دو انڈوں کے عوض اور ایک ایک جنس کے گز کو اسی جنس کے دو گز کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد5، صفحہ365، دار الفکر، بیروت)

## کتے کی خرید وفروخت

احناف کے نزدیک کتے کی خرید وفروخت جائز ہے۔ وہابیوں کے نزدیک کتے کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔ وہابیوں کی دلیل سنن ترمذی کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَارِظٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَسْبُ الحَجَّامِ خَبِيثٌ، وَمَهْرُ البَغِيِّ خَبِيثٌ، وَثَمَنُ الكَلْبِ خَبِيثٌ وَفِي البَابِ عَنْ عُمَرَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ: حَدِيثُ رَافِعٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ، كَرِهُوا ثَمَنَ الكَلْبِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ فِي ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ" ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پچھنے لگانے کی اجرت زنا کی اجرت اور کتے کی قیمت حرام ہے۔ اس باب میں حضرت عمر، ابن مسعود، جابر، ابوہریرہ، ابن عباس، ابن عمر اور عبد اللہ بن جعفر رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث رافع بن خدیج حسن صحیح ہے

اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کتے کی قیمت مکروہ ہے امام شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم نے شکاری کتے کی قیمت کو جائز قرار دیا ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب البیوع، باب ما جاء فی ثمن الکلب، جلد 2، صفحہ 565، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

احناف کے نزدیک پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں سے مطلقاً نفع حاصل کرنے کو منع فرمادیا اور اسی وجہ سے ان کو گھر میں رکھنے، ان کی خرید وفروخت کرنے اور ان کی کمائی کو ممنوع قرار دیا بلکہ ان کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تا کہ ان سے انتفاع (نفع لینا) بالکل ممکن نہ رہے لیکن بعد میں ان کو قتل کرنے کا حکم منسوخ فرمادیا اور کھیت وگھر وغیرہ کی حفاظت اور شکار کے لئے کتے رکھنے اور ان سے نفع لینے کی اجازت عطا فرمائی اور اسی بنا پر اس کی خرید وفروخت کے ممنوع ہونے کا حکم بھی منسوخ ہوگیا کیونکہ ان کی خرید وفروخت کے بغیر ان سے انتفاع ممکن نہیں۔ اس حکم کے منسوخ ہونے پر بہت سے دلائل موجود ہیں جن میں سے چندایک ذکر کئے جاتے ہیں:

(1) صحیح مسلم میں پورا ایک باب اسی حوالے سے باندھا گیا "بَابُ الْأَمْرِ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، وَبَيَانِ نَسْخِهِ، وَبَيَانِ تَحْرِيمِ اقْتِنَائِهَا إِلَّا لِصَيْدٍ، أَوْ زَرْعٍ، أَوْ مَاشِيَةٍ وَنَحْوِ ذَلِكَ" کتوں کے مارڈالنے کے حکم اور اس کے منسوخ ہونے کے بیان میں شکار کھیتی یا جانوروں کی حفاظت وغیرہ کے علاوہ کتے پالنے کی حرمت کے بیان میں۔ پھر اس باب کے تحت مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (المتوفی 261ھ) رحمۃ اللہ علیہ صحیح حدیث پاک روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، سَمِعَ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ الْمُغَفَّلِ، قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُهُمْ وَبَالُ الْكِلَابِ؟، ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ، وَكَلْبِ الْغَنَمِ" ترجمہ: حضرت ابن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے قتل کا حکم دیا پھر فرمایا لوگوں کا اور کتوں کا کیا معاملہ ہے؟ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے اور بکریوں کی حفاظت کے لئے رکھے گئے کتے کی رخصت عطا فرمائی۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الامر بقتل الکلاب، جلد3، صفحہ 1200، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) سنن النسائی میں ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِقْسَمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ، وَالْكَلْبِ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ --- (حكم الألباني) صحيح" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی

بلی اور کتے کی قیمت لینے سے لیکن شکاری کتے کی (یعنی شکاری کتے کی قیمت درست ہے)۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب الصید والذبائح، الرخصة فی ثمن کلب الصید، جلد7، صفحه190، مکتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

تو اس مذکورہ روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کی کمائی کو حلال قرار دیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ پہلے جو حکم تھا وہ منسوخ فرما دیا گیا۔

(3) اسی طرح ایسی روایات بھی موجود ہیں کہ جن میں یہ مضمون موجود ہے کہ جید صحابہ کرام مثلاً حضرتِ سیدنا عثمان غنی اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے شکاری اور حفاظت کے لئے رکھے گئے کتے کو قتل کرنے کے بدلے میں قاتل کو تاوان ادا کرنے کا فیصلہ ارشاد فرمایا جس سے اس حکم کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے ورنہ تاوان کا حکم نہ ہوتا چنانچہ السنن الکبری للبیہقی، معرفۃ السنن والاثار، شرح معانی الاٰ ثار اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "أَنَّـهُ قَضَى فِي كَلْبِ صَيْدٍ ،قَتَلَهُ رَجُلٌ ،بِأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا ،وَقَضَى فِي كَلْبِ مَاشِيَةٍ ،بِكَبْشٍ " یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو شکاری کتے کے قتل کرنے کے بدلے میں چالیس درہم ادا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے رکھے گئے کتے کے قتل کے بدلے میں ایک مینڈھا دینے کے فیصلہ ارشاد فرمایا۔

(شرح معانی الآثار، کتاب البیوع، باب ثمن الکلب، جلد4، صفحه58، عالم الکتب)

معرفۃ السنن والاٰ ثار اور السنن الکبری للبیہقی میں ہے "أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَغْرَمَ رَجُلًا ثَمَنَ كَلْبٍ قَتَلَهُ عِشْرِينَ بَعِيرًا" یعنی بے شک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کتے کے قتل کرنے کے بدلے میں بیس اونٹ ادا کرنے کا حکم دیا۔

(السنن الکبری للبیہقی، کتاب البیوع، باب النهی عن ثمن الکلب، جلد6، صفحه 11، دار الکتب العلمیه، بیروت)

(4) عظیم تابعی بزرگ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ واضح طور پر فرماتے ہیں "لَا بَأْسَ بِثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ" شکاری کتے کے ثمن میں کوئی حرج نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبة، کتاب البیوع والاقضیه، جلد4، صفحه348، مکتبة الرشد، الریاض)

(5) اسی طرح ایک اور تابعی بزرگ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لَا بَأْسَ بِثَمَنِ الْكَلْبِ السَّلُوقِيِّ ترجمہ: شکاری کتے کے ثمن میں کوئی حرج نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه، کتاب البیوع والاقضیة، جلد4، صفحه348، مکتبة الرشد، الریاض)

تو ان تمام روایات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے جو کتے سے مطلقاً نفع حاصل کرنا منع تھا اور اسی بنا پر اس کی خرید و فروخت بھی ممنوع تھی، وہ بعد میں منسوخ کر دیا گیا چنانچہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن سلطان محمد ابو الحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) اسی حدیث پاک کی شرح جس میں کتے کی بیع سے منع کیا گیا ہے اس کی شرح

کرتے ہوئے فرماتے ہیں "هُوَ مَحْمُولٌ عِندَنا علَى ما كَانَ فِي زَمَنِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَمَرَ بِقَتلِهِ، وَكَانَ الِانتِفَاعُ بِهِ يَومَئِذٍ مُحَرَّمًا، ثُمَّ رُخِّصَ فِي الِانتِفَاعِ بِهِ حَتّٰى رُوِيَ أَنَّهُ قَضٰى فِي كَلبِ صَيدٍ قَتَلَهُ رَجُلٌ بِأَربَعِينَ دِرهَمًا، وَقَضٰى فِي كَلبِ مَاشِيَةٍ بِكَبشٍ" ترجمہ: وہ روایت (جس میں کتے کے ثمن سے منع فرمایا گیا ہے) اس وقت پر محمول ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا اور اس وقت کتے سے فائدہ اٹھانا حرام تھا پھر بعد میں اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دی گئی حتی مروی ہے کہ ایک مرد کو شکاری کتے کے قتل کرنے کے بدلے میں چالیس درہم ادا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا گیا اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے رکھے گئے کتے کے قتل کے بدلے میں ایک مینڈھا دینے کے فیصلہ ارشاد فرمایا گیا۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، جلد5، صفحہ1894، دار الفکر، بیروت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ابو محمد محمود بن احمد المعروف بدر الدین العینی الحنفی (المتوفی 855) اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں "هٰذا كَانَ فِي زمن كَانَ النَّبِي، عَلَيهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام، أمر فِيهِ بقتل الْكلاب، وَكَانَ الِانتِفَاع بهَا يَومَئِذٍ محرما، ثمَّ بعد ذٰلِك رخص فِي الِانتِفَاع بهَا" یعنی یہ (یعنی کتے کمائی کے حرام) ہونے کا حکم اس وقت تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا اور اس وقت ان سے نفع لینا بھی حرام تھا پھر اس کے بعد اس سے نفع لینے کی رخصت عطا فرما دی۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل بہ، جلد3، صفحہ40، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شرح معانی الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) نے "کتے کی کمائی" کے حوالے سے ایک باب قائم فرمایا جس میں سب سے پہلے وہ روایات ذکر فرمائیں جن میں کتے کی خرید وفروخت کو منع فرمایا گیا اور ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا "فَكَانَ هٰذَا حُكمُ الكِلَابِ أَن تُقتَلَ، وَلَا يَحِلُّ إِمسَاكُهَا وَلَا الِانتِفَاعُ بِهَا. فَمَا كَانَ الِانتِفَاعُ بِهِ حَرَامًا وَإِمسَاكُهُ حَرَامًا فَثَمَنُهُ حَرَام فَإِن كَانَ نَهيُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَن ثَمَنِ الكَلبِ كَانَ وَهٰذَا حُكمُهَا، فَإِنَّ ذٰلِكَ قَد نُسِخَ، فَأُبِيحَ الِانتِفَاعُ بِالكِلَابِ" یعنی ان مذکورہ روایات میں کتوں کے متعلق یہ حکم تھا کہ انہیں قتل کیا جائے اور انہیں رکھنا اور ان سے نفع اٹھانا حلال نہیں تو جب کتے سے نفع لینا اور اس کو رکھنا حرام تھا تو اس وقت اس کی کمائی بھی حرام تھی پس جب کتے کی کمائی کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت تھی تو اس کا حکم یہی (ناجائز) تھا پس بے شک یہ حکم منسوخ ہو گیا اور کتوں سے نفع لینا مباح قرار دے دیا گیا۔

(شرح معانی الآثار، کتاب البیوع، باب ثمن الکلب، جلد4، صفحہ54، عالم الکتب)

اور پھر اس گفتگو کے بعد بہت سی ایسی روایات ذکر فرمائیں کہ جن میں کتوں سے نفع لینے کو مباح قرار دیا گیا (جن میں سے کچھ اوپر بھی ذکر کی گئیں) اور پھر ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا "لَمَّا أُبِيحَ الِانْتِفَاعُ بِهَا، حَلَّ بَيْعُهَا وَأَكْلُ ثَمَنِهَا .وَيَكُونُ مَا رُوِيَ فِي حُرْمَةِ أَثْمَانِهَا كَانَ وَقْتَ حُرْمَةِ الِانْتِفَاعِ بِهَا،وَمَا رُوِيَ فِي إِبَاحَةِ الِانْتِفَاعِ بِهَا، دَلِيلٌ عَلَى حِلِّ أَثْمَانِهَا .وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ ،وَأَبِي يُوسُفَ،وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ" ترجمہ: جب ان سے نفع لینا مباح ہوگیا تو اب ان کی خرید وفروخت اور ان کی کمائی بھی حلال ہوگئی اور جو روایات کتے کی کمائی کھانے کے حرام ہونے کے متعلق مروی ہیں وہ اس وقت تک تھیں جب ان سے نفع لینا حرام تھا اور جو روایات اس سے نفع اٹھانے کے مباح ہونے کے متعلق موجود ہیں وہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ اس کی کمائی بھی حلال ہے۔ اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے۔ (شرح معانی الآثار ، کتاب البیوع، باب ثمن الکلب، جلد4، صفحہ56، عالم الکتب)

تو مذکورہ دلائل واضح طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف حدیث پاک کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس میں تمام احادیث کی رعایت رکھی گئی ہے ورنہ جن روایتوں میں کتے کی کمائی سے منع فرمایا گیا ہے اگر صرف ان پر عمل کیا جائے تو ان روایتوں کا کیا جواب ہوگا کہ جن میں شکاری کتے کو قتل کرنے کے بدلے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے تاوان ادا کرنے کا فیصلہ ارشاد فرمایا؟ کیا ان صحابہ کے بارے میں بھی یہی کیا جائے گا کہ احادیث میں کتوں کو قتل کرنے اور ان کی کمائی کھانے کو منع فرمایا گیا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان قتل کرنے والے پر تاوان اور قیمت ادا کرنے کا فیصلہ کر رہے ہیں؟ اور ان احادیث کا کیا جواب ہوگا کہ جن میں شکاری اور حفاظت کے لئے کتے رکھنے کی اجازت عطا فرمائی؟ کیا ان کا مطلب یہ ہے کہ ان کتوں کے رکھنے کی اجازت تو ہے لیکن انہیں خریدنا جائز نہیں، لہٰذا جس کو ضرورت ہے وہ کسی جنگل وغیرہ میں جا کر ایسا کتا تلاش کرے؟

الغرض امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا موقف عین احادیث کے مطابق ہے۔

# ☆---کتاب الاشربة---☆

## کیا فقہ حنفی میں شراب حلال ہے؟

وہابی مولوی فقہ حنفی پر الزام تراشی کرتے ہوئے کہتا ہے:''فقہ میں شراب بھی حلال: ناطق وحی امام اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر قسم کی شراب کو حرام قرار دیا ہے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم قال کل مسکر خمر و کل مسکر حرام'' بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی شراب حرام ہے مگر فقہ حنفی اس حدیث کی مخالفت ان الفاظ میں کرتی ہے''ما یتخذ من الحنطة و الشعیر و العسل و الذرة حلال عند ابی حنیفة و لا یحد شاربه عنده و ان سکر منه'' یعنی جو شراب گندم، جو، شہد اور جوار سے بنائی جائے وہ حلال ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے پینے والے کو حد بھی نہیں لگائی جائے گی، اگرچہ اس کے پینے کی وجہ سے نشہ ہو جائے۔''

(احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف، صفحہ 381، ادارہ تحفظ افکار اسلام، شیخوپورہ)

وہابی مولوی کا یہ کلام بغض و جہالت پر مبنی ہے۔درحقیقت شریعت نے بعینہ جس کو شراب کہا ہے وہ کھجور اور انگور کی ہے چنانچہ جامع ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ اور مسلم شریف کی صحیح حدیث ہے''حَدَّثَنِی زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ بْنُ إِبْرَاهِیمَ، أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِی عُثْمَانَ، حَدَّثَنِی یَحْیَى بْنُ أَبِی كَثِیرٍ، أَنَّ أَبَا كَثِیرٍ، حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلْخَمْرُ مِنْ هَاتَیْنِ الشَّجَرَتَیْنِ: اَلنَّخْلَةِ وَالْعِنَبَةِ'' ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شراب ان دو درختوں کھجور اور انگور سے ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب بیان أن جمیع ما ینبذ مما یتخذ من النخل --، جلد 3، صفحہ 1573، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

ان دو کے علاوہ جس چیز سے نبیذ بنائے جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا پینا مطلقا جائز نہیں بلکہ امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں جائز ہے جبکہ نشہ نہ ہونے کا غلبہ ظن ہو ورنہ حرام ہے۔مسند سیدنا الانام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں صحیح روایت ہے''ابو حنیفه عن ابی عون عن عبداللہ بن شداد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال حرمت الخمر لعینها قلیلها و کثیرها و السکر من کل شراب'' ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعون سے انہوں نے عبد اللہ ابن شداد سے انہوں نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی آپ نے فرمایا خمر لعینہ حرام کی گئی چاہے قلیل ہو یا کثیر، باقی ہر شراب میں سے نشہ آور مقدم حرام ہے۔

(مسندالامام الاعظم ،کتاب الاطعمة والاشربة الخ ،صفحہ202،نورمحمد کارخانہ کتب خانہ کراچی )

یہی روایت سنن نسائی شریف میں ہے جسے البانی نے صحیح کہاہے۔

نشہ نہ ہونے کی ساتھ ساتھ امام اعظم نے صراحت فرمائی کہ بغیر نشہ کی نیت سے اور بغیر لہو ولعب کے ہو۔یعنی اجازت کی صورت یہ ہے کہ بطور علاج ،تقویٰ اور کھانے کے ہضم ہونے کے لئے استعمال کی جائے چنانچہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے"وعلی قول ابی حنیفة و ابی یوسف الآخر یحل شربه للتداوی و التقویٰ واستمراء الطعام دون اللهو واللعب والسکر" ترجمہ:امام ابوحنفیہ اورامام ابو یوسف کا آخری قول یہ ہے کہ یہ علاج اور تقویٰ اور کھانے کے ہاضمے کے طور پر حلال ہے نہ کہ لہو ولعب اور نشے کے طور پر ہو۔

(فتاوٰی قاضی خان بہامش علی الهندیه، کتاب الاشربة،فصل فی معرفة الاشربة،جلد3،صفحہ230،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ان کو حلال کہنے کی ایک دلیل یہ تھی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے نبیذ کا ثبوت موجود ہے۔فتح اللہ المعین میں ہے"من ادلة حله ماقال فی الاختیار، عن ابن ابی لیلی قال اشهد علی البدریین من اصحاب رسول صلی الله تعالی علیه وسلم انهم یشربون النبیذ فی الجرار الخضر وقد نقل ذلك عن اکثر الصحابة ومشاهیرهم قولا وفعلا حتی قال ابو حنیفة انه مما یجب اعتقاد حله لئلا یؤدی الی تفسیق الصحابة رضی الله تعالی عنهم "ترجمہ:اس کے حلال ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ ہے جواختیار میں ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدری صحابہ کرام کے بارے میں گواہی دیتاہوں کہ وہ سبز صراحیوں میں نبیذ پیتے تھے اور یہ بات اکثر مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قولاً اور فعلاً منقول ہے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے تاکہ صحابہ کرام کو فسق کی طرف منسوب کرنا لازم نہ آئے۔

( فتح المعین ،کتاب الاشربہ،جلد3،صفحہ423،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی )

فتاوٰی قاضی خان میں ہے"لابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی الآثار التی وردت فی اباحة النبیذ الشدید قولا وفعلا ذکرها محمدرحمه الله تعالی فی الکتاب وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالی فی الکتاب وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالی انه قال من شرائط السنة والجماعة ان لایحرم النبیذ الجرلان فی تحریمه تفسیق کبارالصحابة رضی الله تعالی عنهم، وعنه انه قال لااحرم النبیذ الشدید دیانة ولااشربه مروئة، اجمع کبار الصحابة رضی الله تعالی عنهم علی اباحة النبیذ واحتاطوا فی شربه لاجل الاختلاف و کذا

السلف عدهم كانوا يشربون نبيذ الجر بحكم الضرورة لاستمراء الطعام" ترجمہ: امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل وہ آثار ہیں جو قولاً اور فعلاً گاڑھی نبیذ کی اباحت پر وارد ہیں۔ اس کو امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب میں ذکر فرمایا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گھڑوں میں بنائی ہوئی نبیذ کو حرام نہ قرار دینا سنت و جماعت کی شرائط میں سے ہے کیونکہ اس کو حرام قرار دینے میں صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف فسق کو منسوب کرنا لازم آتا ہے، اور انہی سے منقول ہے کہ میں گاڑھی نبیذ کو از راہ دیانت حرام قرار نہیں دیتا اور بطور مروّت اس کو نہیں پیتا۔ نبیذ کی اباحت پر صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے مگر وہ بسبب اختلاف کے اس کو پینے میں احتیاط کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے بعد اسلاف کسی ضرورت کے تحت گھڑوں میں بنائی ہوئی نبیذ پیتے تھے مثلاً کھانا ہضم کرنے کے لئے۔

(فتاوی قاضی خاں بہامش علی الہندیہ، کتاب الاشربۃ، فصل فی معرفۃ الاشربۃ، جلد3، صفحہ230، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے "قال شيخ الاسلام خواهرزاده رحمه الله تعالى فى شرحه ذكر ابن قتيبة فى كتاب الاشربة باسناده عن زيد بن على بن الحسين على رضى الله تعالى عنهم انه شرب هو واصحابه نبيذا شديدا فى وليمة فقيل له يا ابن رسول الله حدّثنا بحديث سمعته من ابائك عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فى النبيذ فقال حدثنى ابى عن جدى على بن ابى طالب رضى الله تعالى عنهم عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم انه قال ينزل امتى على منازل بنى اسرائيل حذوا لقذة بالقذة والنعل بالنعل ان الله تعالى ابتلى بنى اسرائيل بنهر طالوت واحل لهم منه الغرفة وحرم منه الرّىّ وان الله ابتلاكم بهذه النبيذ و احل منه الرى وحرم منه السكر وحديث ابن زياد الذى رويناه عن ابن عمر فى مسئلة الخليطين من ادل ادلائل وان المراد ماروا ه الخصم القدر المسكر لاالقليل لان احد رواة الحديث الذى احتج به الخصم ابن عمر فلو كان القليل هو المراد لم يعمل بخلاف مارواه ولم يفسقه ابن زياد و كذلك قول ابن عباس رضى الله تعالى عنهما حرمت الخمر بيعنها والسكر من كل شراب دليل على ان المراد من حديث الخصم القدر المسكر لاالمسكر لان احد رواة ذلك الحديث ابن عباس رضى الله تعالى عنهما فيبعد فى العقول ان يروى ابن عباس حديثا ثم يقول بخلافه، وقد اطنب الكرخى رحمه الله فى رواية الآثار عن الصحابة والتابعين بالاسانيد الصحاح فى مختصره فى تحليل النبيذ الشديد تركنا ذكرها مخافة التطويل و الحاصل ان الاكابر من اصحاب النبى صلى الله تعالى عليه وسلم واهل بدر كعمر وعلى وعبدالله بن مسعود وابى مسعود رضى الله تعالى عنهم كانوا يحللون شرب

النبیذ وکذاالشعبی وابراهیم النخعی وقال فی شرح لاقطع، وقدسلك بعض الجهال فی هذه المسئلة طریقة قصدبها الشنیع والفسوق عندالعوام، لما ضاق علیه طریق الحجة فقال روی عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انه قال لیشربن ناس من امتی الخمر ویسمونها باسماء قال هذا القائل وهم اصحاب ابی حنیفة وهذا کلام جاهل بالاحکام والنقل والآثار ومتعصب قلیل الورع لایبالی ماقال ثم یقال لهذا القائل مارمیت بهٰذا القول اصحاب ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه وانما السلف الصالح اردت ولم یمکنك التصریح بذلك لان اصحاب ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه ما ابتدعوا فی ذلك قولا بل قالوا ماقاله اصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و وجوه التابعین وزهادهم و کیف یظن بعمر وعلی وابن مسعود وابن عباس و عمار بن یاسر وعلقمه بن الاسود انهم شربوالخمر غلطا فی اسمها حتی استدرك علیهم هذالقائل حقیقة الاسم ویحسن الظن بنفسه ویسیء الظن بلسفه، ان هذه الجرأة فی الدین، وقال شیخ الاسلام خواهر زاده فی شرحه روی ان رجلا سال ابراهیم الحربی فی مدینة الاسلام فی جامع المنصور بالجانب الغربی فقال لنا امام یشرب النبیذا فأصلی خلفه فقال، له ابراهیم ارأیت لوادرکت علقمة والاسودا کنت تصلی خلفهما قال نعم ولم یفهم السائل الجواب فاعاد السوال فقال له ابراهیم قد اجبتك، والقیاس مع ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالیٰ لان الله تعالیٰ لم یحرم شیئا یقصده الناس من المحرمات فی الدنیا الاباح مایغنی عنه الاتری انه لما حرم لحم الخنزیر والمیتة اباح انواعا من اللحوم تغنی عنها ولما حرم نکاح المحارم والجمع بین المحارم اباح من الاجنبیات کذٰلك ههنا فالشراب المطرب شیء یقصده الناس فلما حرم منه انواعا یجب ان یکون نوع منه مباحا یغنی عنه ویقوم مقامه وذلك فیما قالاه، فاما من حرم جمیع انواع الاشربة المطربة بحیث لایوجد من جنسه مباح یکون ذلك خلاف الاصول وخلاف الاصول لایجوز اه باختصار" شیخ الاسلام خواہرزادہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ابن قتیبہ نے کتاب الاشربہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں ذکر کیا کہ انہوں نے اوران کے ساتھیوں نے ایک ولیمہ میں گاڑھی نبیذ پی تو ان سے کہا گیا اے ابن رسول! ہمیں نبیذ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائیں جو آپ نے اپنے آباؤاجداد سے سنی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے والد نے انہوں نے میرے جد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ میری امت بنی اسرائیل کے طور طریقے اپنا کریوں ان کے برابر ہو جائے گی جیسے تیر تیر کے اور جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا امتحان نہر طالوت کے ساتھ لیا کہ ان کے لئے چلوبھر پانی حلال اور سیر ہو کر پینا حرام کیا اور تمہارا امتحان اللہ تعالیٰ نے اس نبیذ کے ساتھ لیا، اس کو سیر ہو کر پینا حلال اور حد نشہ تک پینا حرام کیا ہے۔ حدیث ابن زیاد جس کو ہم نے مسئلہ خلیطین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا وہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اور مخالف نے جو روایت کیا ہے اس سے مراد قدر مسکر ہے نہ کہ قلیل، کیونکہ مخالف نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کے راویوں میں سے ایک سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اگر اس سے قلیل مراد ہوتا وہ اپنی روایت کے خلاف نہ کرتے اور نہ ہی ابن زیاد ان کی طرف فسق کو منسوب کرتے۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول کہ خمر تو بعینہٖ حرام ہے جبکہ باقی شرابوں سے نشہ آور حرام ہے اس بات کی دلیل ہے کہ مخالف کی روایت کردہ حدیث سے مراد قدر مسکر ہے نہ کہ قلیل کیونکہ حدیث مذکور کے راویوں میں سے ایک سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں اور یہ بات عقل سے بعید ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک حدیث روایت فرمائیں، پھر خود اس کے خلاف فرمائیں۔ گاڑھی نبیذ کے حلال ہونے سے متعلق صحابہ وتابعین کے آثار کو صحیح سند کے ساتھ روایت کرنے میں امام کرخی علیہ الرحمۃ نے اپنی مختصر میں بہت طوالت فرمائی ہم نے طوالت کے ڈر سے ان کے ذکر کو ترک کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ اکابر اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہل بدر جیسے حضرت عمر، علی، عبداللہ ابن مسعود اور ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبیذ کے پینے کو حلال قرار دیتے تھے اور یہی موقف ہے شعبی اور ابراہیم نخعی کا۔ شرح اقطع میں ہے کہ ایک جاہل نے اس مسئلہ میں ایسا راستہ اختیار کیا جس سے اس کا مقصد لوگوں کے ہاں برائی اور فسق کو رائج کرنا ہے، جب اس کے لئے دلیل کا راستہ تنگ ہو گیا تو اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے میری امت میں سے کچھ لوگ ضرور شراب پئیں گے اور اس کے مختلف نام رکھ لیں گے، وہ لوگ امام ابوحنیفہ کے اصحاب ہیں۔ یہ اس کا کلام ہے جو احکام، نقل اور آثار سے جاہل اور متعصب اور تقوی میں بہت گھٹیا ہے، اس کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پھر اس قائل کو کہا جائے کہ جو کچھ تو نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کے اصحاب کی طرف منسوب کیا ہے اس سے تیرا ارادہ سلف صالحین ہیں جس کی تصریح کرنا تیرے لئے ممکن نہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ وہی کچھ کہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ اور معزز وزاہد تابعین نے کہا ہے۔ اس کا کیا گمان ہے حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس، عمار بن یاسر اور علقمہ بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں، کیا انہوں نے نام تبدیل کر کے شراب پی۔ حتی کہ اس قائل نے ان پر حقیقی نام

کے ساتھ اصلاح کی اور اپنے بارے میں حسن ظن جبکہ اسلاف کے بارے میں برا گمان کیا، بلاشبہہ یہ دین میں جسارت ہے۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اپنی شرح میں کہا مروی ہے کہ ایک شخص نے مدینۃ الاسلام کی جامع منصور کی جانب غربی میں ابراہیم حربی سے سوال کیا کہ ہمارا امام نبیذ پیتا ہے کیا ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں؟ تو ابراہیم نے کہا تیرا کیا خیال ہے اگر تو علقمہ واسود کو پالے تو کیا تو ان کے پیچھے نماز پڑھے گا؟ اس نے کہا ہاں، حالانکہ وہ سائل ابراہیم حربی کے جواب کو نہ سمجھ سکا چنانچہ اس نے دوبارہ وہی سوال کیا تو ابراہیم نے فرمایا بیشک میں تجھے جواب دے چکا ہوں۔ قیاس امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا مؤید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں محرمات میں سے کوئی چیز حرام نہ فرمائی جس کا قصد لوگ کرتے ہیں مگر اس میں سے اتنا کچھ مباح فرمایا جس سے لوگوں کی حاجت پوری ہوتی ہو۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب خنزیر ومردار کا گوشت حرام فرمایا تو کچھ اقسام گوشت کی حلال بھی فرما دیں جس سے لوگ اپنی حاجت پوری کرتے ہیں اور جب محرمات سے نکاح اور دو آپس میں محرم عورت کو نکاح میں جمع کرنا حرام کیا تو غیر محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال فرمایا۔ اسی طرح یہاں شراب کے مسئلہ میں ہوگا کیونکہ فرحت بخش شراب بھی ایک شیء ہے جس کا لوگ قصد کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کی کچھ انواع کو حرام کیا تو اس کی کوئی قسم حلال بھی ضرور ہوگی جس سے لوگ نفع اُٹھائیں اور وہ اس کے قائم مقام ہو جائے اور یہ بات شیخین کے قول میں حاصل ہوتی ہے، لیکن جنہوں نے شراب کی فرحت بخش تمام اقسام کو حرام قرار دیا کہ اس کی جنس میں سے کوئی نوع بھی مباح نہیں پائی جاتی تو یہ خلاف اصول ہے اور خلاف اصول جائز نہیں۔

(غاية البيان ماخوذ از، فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 120۔۔، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شرح معانی الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا فَهْدٌ، قَالَ: ثنا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: ثنا مِسْعَرُ بْنُ كِدَامٍ، عَنْ أَبِي عَوْنٍ الثَّقَفِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حُرِّمَتِ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا، وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ فَأَخْبَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ الْحُرْمَةَ وَقَعَتْ عَلَى الْخَمْرِ بِعَيْنِهَا، وَعَلَى السُّكْرِ مِنْ سَائِرِ الْأَشْرِبَةِ سِوَاهَا. فَثَبَتَ بِذَلِكَ أَنَّ مَا سِوَى الْخَمْرِ الَّتِي حُرِّمَتْ مِمَّا يُسْكِرُ كَثِيرُهُ، قَدْ أُبِيحَ شُرْبُ قَلِيلِهِ الَّذِي لَا يُسْكِرُ، عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِبَاحَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ تَحْرِيمَ الْخَمْرِ، وَأَنَّ التَّحْرِيمَ الْحَادِثَ، إِنَّمَا هُوَ فِي عَيْنِ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِ مِمَّا فِي سِوَاهَا مِنَ الْأَشْرِبَةِ. فَاحْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ الْخَمْرُ الْمُحَرَّمَةُ، هِيَ عَصِيرُ الْعِنَبِ خَاصَّةً، وَاحْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ كُلُّ مَا خَمَرَ، مِنْ عَصِيرِ الْعِنَبِ وَغَيْرِهِ. فَلَمَّا احْتَمَلَ ذَلِكَ، وَكَانَتِ الْأَشْيَاءُ قَدْ تَقَدَّمَ تَحْلِيلُهَا جُمْلَةً، ثُمَّ حَدَثَ تَحْرِيمٌ فِي بَعْضِهَا، لَمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ مِمَّا قَدْ أُجْمِعَ عَلَى

تَحلِيلِه، إلَّا بِإِجمَاعٍ يَأتِي عَلَى تَحرِيمِهِ. وَنَحنُ نَشهَدُ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجلَّ، أنَّهُ حَرَّمَ عَصِيرَ العِنَبِ إذَا حَدَثَت فِيهِ صِفَاتُ الخَمرِ، وَلَا نَشهَدُ عَلَيهِ أنَّهُ حَرَّمَ مَا سِوَى ذٰلِكَ إذَا حَدَثَ فِيهِ مِثلُ هٰذِهِ الصِّفَةِ. فَالَّذِي نَشهَدُ عَلَى اللهِ بتَحرِيمِهِ إيَّاهُ هُوَ الخَمرُ الَّذِي آمَنَّا بتَأوِيلِهَا، مِن حَيثُ قَد آمَنَّا بتَنزِيلِهَا. وَالَّذِي لَا نَشهَدُ عَلَى اللهِ أنَّهُ حَرَّمَ هُوَ الشَّرَابَ الَّذِي لَيسَ بخَمرٍ. فَمَا كَانَ مِن خَمرٍ، فَقَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ حَرَامٌ، وَمَا كَانَ مِمَّا سِوَى ذٰلِكَ مِنَ الأشرِبَةِ، فَالسُّكرُ مِنهُ حَرَامٌ، وَمَا سِوَى ذٰلِكَ مِنهُ مُبَاحٌ. هٰذَا هُوَ النَّظرُ عِندَنَا، وَهُوَ قَولُ أبِي حَنِيفَةَ، وَأبِي يُوسُفَ، وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللهُ. غَيرَ نَقِيعِ الزَّبِيبِ وَالتَّمرِ خَاصَّةً، فَإنَّهُم كَرِهُوا. وَلَيسَ ذٰلِكَ عِندَنَا فِي النَّظَرِ كَمَا قَالُوا، لِأنَّا وَجَدنَا الأصلَ المُجمَعَ عَلَيهِ أنَّ العَصِيرَ وَطَبِيخَهُ سَوَاءٌ، وَأنَّ الطَّبخَ لَا يَحِلُّ بِهِ، مَا لَم يَكُن حَلَالًا قَبلَ الطَّبخِ، إلَّا الطَّبخَ الَّذِي يُخرِجُهُ مِن حَدِّ العَصِيرِ، إلَى أن يَصِيرَ فِي حَدِّ العَسَلِ، فَيَكُونُ بِذٰلِكَ حُكمُهُ حُكمَ العَسَلِ. فَرَأينَا طَبِيخَ الزَّبِيبِ وَالتَّمرِ مُبَاحًا باتِّفَاقِهِم. فَالنَّظرُ عَلَى ذٰلِكَ أن يَكُونَ فِيهِمَا كَذٰلِكَ، فَيَستَوِي نَبِيذُ التَّمرِ وَالعِنَبِ، النِّيءُ وَالمَطبُوخُ، كَمَا استَوَى العَصِيرُ وَطَبِيخُهُ. فَهٰذَا هُوَ النَّظرُ، وَلَكِنَّ أصحَابَنَا خَالَفُوا ذٰلِكَ، لِلتَّأوِيلِ الَّذِي تَأَوَّلُوا عَلَيهِ حَدِيثَ أبِي هُرَيرَةَ وَأنَسٍ اللَّذَينِ ذَكَرنَا، وَشَيءٍ رَوَوهُ عَن سَعِيدِ بنِ جُبَيرٍ. أنَّهُ قَالَ فِي ذٰلِكَ: هِيَ الخَمرُ فَاجتَنِبُوهَا" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں ابن عباس نے فرمایا کہ خمر پر تو بعینہٖ حرمت واقع ہوئی اور اس کے ماسوا دیگر شرابوں کی نشہ آور مقدار حرام ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر دی کہ بیشک حرمت خمر پر تو بعینہٖ واقع ہوئی جبکہ باقی شرابوں کی اتنی مقدار حرام ہے جو نشہ آور ہو چنانچہ ثابت ہو گیا کہ خمر کے علاوہ جس کی زیادہ مقدار نشہ لائے وہ حرام ہے اور اس کی قلیل مقدار جو نشہ نہ لائے وہ حسب سابق مباح ہے جیسا کہ خمر کے حرام ہونے سے پہلے مباح تھی اور جو حرمت نئی نازل ہوئی وہ عین خمر اور دیگر شرابوں کے نشہ کے بارے میں ہے چنانچہ اس بات کا احتمال ہے کہ حرام شدہ خمر خاص کھجوروں کا رس ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خمر بنے وہ حرام ہے چاہے وہ انگور کا رس ہو یا کچھ اور، تو جب اس بات کا احتمال موجود ہے اور تمام اشیاء شروع میں حلال تھیں پھر بعد میں تحریم وارد ہوئی تو جس شیء کے حلال ہونے پر اجماع ہے وہ حلال ہونے سے اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک اس کے حرام ہونے پر اجماع واقع نہ ہو اور ہم اس بات پر گواہی دیتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انگور کے رس کو حرام فرمایا جب اس میں خمر کی صفات پیدا ہو جائیں اور ہم یہ گواہی نہیں دیتے کہ انگور کے رس کے علاوہ جن اشیاء میں یہ صفت پیدا ہو جائے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے حرام

کیا لہٰذا جس چیز کے حرام ہونے پر ہم گواہی دیتے ہیں وہ خمر ہے جس کے معنی پر ہم یقین رکھتے ہیں جیسا کہ اس کے نازل کئے جانے پر ہمارا ایمان ہے اور جس چیز کی حرمت پر ہم گواہی نہیں دے سکتے کہ اس کو اللہ نے حرام کیا ہے وہ خمر کے علاوہ دوسری شرابیں ہیں، چنانچہ جو خمر ہے اس کا قلیل اور کثیر سب حرام ہے اور جو اس کے ماسوا دیگر شرابیں ہیں ان میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے باقی مباح ہے ہمارے نزدیک یہی قیاس ہے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، جبکہ کشمش اور کھجور کے رس کو انہوں نے مکروہ قرار دیا اور ہمارے نزدیک قیاس میں ایسا نہیں جیسا کہ انہوں نے کہا (اس لئے کہ جو بات ہم متفق علیہ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ رس چاہے کچا ہو یا پکا دونوں صورتوں میں برابر ہے اور پکانے سے وہ حلال نہیں ہوسکتا جبکہ وہ پکانے سے پہلے حلال نہیں تھا البتہ ایسا پکانا جو اس کو رس کی حد سے نکال دے اور وہ شہد کی تعریف میں داخل ہو جائے تو اب اس کا حکم وہی ہوگا جو شہد کا ہے۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ کشمش اور کھجور کا پکا ہوا رس بالاتفاق مباح ہے۔ اب قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں میں بھی حکم ایسا ہی ہو لہٰذا کھجور اور انگور کا نبیذ اور پکا ہوا رس برابر ہو گئے جس طرح انگور کا کچا رس اور اس کا پکایا ہوا برابر ہے یہی قیاس ہے) لیکن ہمارے اصحاب نے اس میں اختلاف کیا اس تاویل کی بنیاد پر جو انہوں نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں بیان کی جن کو ہم ذکر کر چکے اور اس حدیث کی بنیاد پر بھی جو انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ خمر ہے لہٰذا اس سے بچو۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الاشربہ، باب الخمر المحرمۃ ماھی، جلد 4، صفحہ 214، عالم الکتب)

مزید امام طحاوی فرماتے ہیں "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ نَافِعٍ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ: إِنَّ أَهْلَنَا يَنْبِذُونَ نَبِيذًا فِي سِقَاءٍ، لَوْ أَنْهَكْتُهُ لَأَخَذَ فِي؟ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِنَّمَا الْبُغْيُ عَلَى مَنْ أَرَادَ الْبُغْيَ، شَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ هَذَا الرُّكْنِ، وَأَتَاهُ رَجُلٌ بِقَدَحٍ مِنْ نَبِيذٍ. ثُمَّ ذَكَرَ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي أُمَيَّةَ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَاكْسِرُوهَا بِالْمَاءِ فَفِي هَذَا إِبَاحَةُ قَلِيلِ النَّبِيذِ الشَّدِيدِ. وَأَوْلَى الْأَشْيَاءِ بِنَا، إِذْ كَانَ قَدْ رُوِيَ عَنْهُ هَذَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرُوِيَ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ أَنْ نَجْعَلَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الْقَوْلَيْنِ عَلَى مَعْنًى غَيْرِ الْمَعْنَى الَّذِي عَلَيْهِ الْقَوْلُ الْآخَرُ. فَيَكُونُ قَوْلُهُ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ عَلَى الْمِقْدَارِ الَّذِي يُسْكِرُ مِنْهُ مِنَ النَّبِيذِ، وَيَكُونُ مَا فِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ، عَلَى إِبَاحَةِ قَلِيلِ النَّبِيذِ الشَّدِيدِ" ترجمہ: ہمیں محمد بن عمرو بن یونس نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ عبدالملک بن نافع نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے گھر والے مشکیزے میں نبیذ بناتے ہیں اگر میں اس کو زیادہ پی

لوں تو وہ میرے اندر نشہ پیدا کرتی ہے۔ تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا گناہ اس پر ہے جو گناہ کا ارادہ کرے میں اس رکن کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے پاس ایک شخص نبیذ کا پیالہ لایا پھر ابن عمر نے حدیث ابن اُمیہ کی مثل ذکر فرمایا سوائے اس کے اس کی تیزی کو پانی کے ساتھ توڑو۔ اس حدیث میں تیز نبیذ کی قلیل مقدار کی اباحت ہے، جب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرمائی تو انہی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے، تو ہمارے لئے اولیٰ یہ ہے کہ ہم ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک کو دوسری کے مفہوم کے غیر پر محمول کریں، چنانچہ آپ کا یہ ارشاد کہ "ہر نشہ آور حرام ہے" اس مقدار پر محمول ہوگا جو نشہ دیتی ہے اور دوسری حدیث نبیذ شدید کی قلیل مقدار کے مباح ہونے پر محمول ہوگی۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الاشربۃ، باب مایحرم من النبیذ، جلد4، صفحہ219، عالم الکتب)

پھر فقہائے احناف نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا اور صراحت کی کہ ہمارے زمانے میں اصح و مختار یہ ہے کہ مذکورہ نشہ آور شرابوں میں سے علی العموم ہر ایک کا قلیل و کثیر حرام ہے اور یہ ہی امام محمد کا قول ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے۔

درمختار میں علامہ حصکفی (1088ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حَرَّمَهَا مُحَمَّد مُطْلَقًا قَلِيلَهَا وَ كَثِيرَهَا وَ بِهِ يُفْتَى وَهُوَ نَجِسٌ أَيْضًا وَلَوْ سَكِرَ مِنْهَا الْمُخْتَارُ فِي زَمَانِنَا أَنَّهُ يُحَدُّ وَ بِهِ يُفْتَى أَمَّا عِنْدَ قَصْدِ التَّلَهِّي فَحَرَامٌ إِجْمَاعًا ملتقطا" ترجمہ: امام محمد نے اس کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر، اور اسی پر فتویٰ ہے، اور وہ نجس بھی ہے، اگر اس سے نشہ آئے تو ہمارے زمانے میں مختار یہ ہے کہ اس پر حد جاری کی جائے گی اسی پر فتویٰ ہے اور لہو و لعب کے ارادے سے پینا بالاجماع حرام ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الاشربۃ، جلد6، صفحہ455، دارالفکر، بیروت)

## شراب سے سرکہ بنانا

احناف کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا جائز ہے۔ سنن ابی داود میں ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السِّجِسْتانی (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ (حكم الألباني): صحيح" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہترین سالن

سرکہ ہے۔البانی نے اس حدیث کوصحیح کہا۔ (سنن أبی داود، کتاب الاطعمة،باب فی الخل،جلد3،صفحہ359،المکتبة العصریة،بیروت)

المعجم الاوسط میں سلیمان بن احمد الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ خُلَيْدٍ قَالَ:نا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الطَّبَّاعُ قَالَ:نا فَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا كَانَتْ لَهَا شَاةٌ تَحْلُبُهَا، فَفَقَدَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عَنْهَا أُمَّ سَلَمَةَ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ:مَاتَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ:أَفَلَا انْتَفَعْتُمْ بِإِهَابِهَا؟ قَالُوا:يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهَا مَيِّتَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:يُحِلُّهَا دِبَاغُهَا، كَمَا يَحِلُّ خَلُّ الْخَمْرِ" ترجمہ:حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ان کی ایک دودھ دینے والی ایک بکری تھی،حضور علیہ السلام نے جب اس بکری کونہیں پایا تو حضرت ام سلمہ سے اس کے متعلق پوچھا۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بکری مرگئی ہے۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے اس بکری کی کھال سے انتفاع حاصل کیا؟ عرض کی:یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بکری مردہ تھی۔حضور علیہ السلام نے فرمایا:دباغت اس کھال کوحلال کردیتی ہے جس طرح سرکہ شراب کوحلال کردیتا ہے۔ (المعجم الأوسط،باب الالف،من اسمه أحمد،جلد1،صفحه 133،دار الحرمين،القاہرة)

السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو الْحُسَيْنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدِّهْقَانُ بِالْكُوفَةِ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ حَازِمِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ، أنبأ الْحَسَنُ بْنُ قُتَيْبَةَ، ثنا مُغِيرَةُ هُوَ ابْنُ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَا أَقْفَرَ أَهْلُ بَيْتٍ مِنْ أُدُمٍ فِيهِ خَلٌّ، وَخَيْرُ خَلِّكُمْ خَلُّ خَمْرِكُمْ" ترجمہ:حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جس گھر میں سرکہ ہو اس گھر میں سالن ختم نہیں ہوا اور تمہارا بہترین سرکہ وہ ہے جو تمہاری شراب کوسرکہ کردے۔

(السنن الکبری،کتاب الرہن،باب ذکر الخبر الذی ورد فی خل الخمر،جلد6،صفحہ63،دار الکتب العلمیة، بیروت)

دوسری روایت میں ہے"وَرُوِيَ عَنْ مُسْرَبَلٍ الْعَبْدِيِّ، عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ:لَا بَأْسَ بِخَلِّ الْخَمْرِ" ترجمہ:حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:شراب کوسرکہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

(السنن الکبری،کتاب الرہن،باب ذکر الخبر الذی ورد فی خل الخمر،جلد6،صفحہ63،دار الکتب العلمیة، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک شراب کوسرکہ بنانا جائز نہیں۔وہابیوں کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث پاک ہے"حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ

يَحْيَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، ح وحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ السُّدِّيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ تُتَّخَذُ خَلًّا، فَقَالَ: لَا" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب کو سرکہ بنانے کا پوچھا گیا تو آپ نے منع فرمایا۔ (صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب تحريم تخليل الخمر، جلد3، صفحه1573، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

الہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی میں علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی (المتوفی 593ھ) فرماتے ہیں "وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَام خَيْرُ خَلِّكُمْ خَلُّ خَمْرِكُمْ وَلِأَنَّ بِالتَّخْلِيلِ يَزُولُ الْوَصْفُ الْمُفْسِدُ وَتَثْبُتُ صِفَةُ الصَّلَاحِ مِنْ حَيْثُ تَسْكِينُ الصَّفْرَاءِ وَكَسْرُ الشَّهْوَةِ، وَالتَّغَذِّي بِهِ وَالْإِصْلَاحُ مُبَاحٌ، وَكَذَا الصَّالِحُ لِلْمَصَالِحِ اعْتِبَارًا بِالْمُتَخَلِّلِ بِنَفْسِهِ وَبِالدِّبَاغِ وَالِاقْتِرَابُ لِإِعْدَامِ الْفَسَادِ فَأَشْبَهَ الْإِرَاقَةَ، وَالتَّخْلِيلُ أَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنْ إحْرَازِ مَالٍ يَصِيرُ حَلَالًا فِي الثَّانِي فَيَخْتَارُهُ مَنْ ابْتُلِيَ بِهِ" ترجمہ: ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ سرکہ کیا ہی عمدہ سالن ہے۔ اس لئے کہ سرکہ بنانے سے وصف مفسد زائل ہو جائے گا اور درستگی کا وصف پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی صفراء کو تسکین دینا اور شہوت کو توڑنا اور ایسے ہی اس کے ذریعہ غذاء حاصل ہونا اور ایسی اصلاح مباح ہے۔ ایسے ہی حلال ہے وہ چیز جو مصلحتوں کے اندر کام آنے کے قابل ہو جائے قیاس کرتے ہوئے خود بخود شراب ہونے والی پر اور ایسے ہی حلال ہو جاتا ہے دباغت دینے سے اور نزدیکی فساد کو زائل کرنے کے لئے ہے تو یہ بہانے کے مشابہ ہو گیا۔ اور سرکہ بنانا اولیٰ ہے بوجہ اس کے کہ اس میں ایسے مال کا احراز ہے جو آئندہ زمانہ میں حلال ہو جائے گا تو اس کو اختیار کرے وہ جو اس میں مبتلا ہوا۔

(الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الاشربة، جلد4، صفحه398، دار احياء التراث العربي، بيروت)

جو ممانعت ہے اسے ابتدائی دور پر محمول کیا گیا ہے کہ جب شراب کے برتن رکھنے سے بھی منع کر دیا گیا تھا۔ حاشیۃ الشلبی میں شہاب الدین احمد بن محمد الشِّلْبِیُّ (المتوفی 1021ھ) فرماتے ہیں "(قَوْلُهُ مَا رُوِيَ عَنْ أَنَسٍ إلَخْ) فِي طَرِيقِهِ السُّدِّيّ اهـ. (قَوْلُهُ وَالْمَنْهِيُّ عَنْهُ بِمَا رُوِيَ إلَخْ) قَالَ الْأَتْقَانِيُّ وَالْجَوَابُ عَنْ حَدِيثِ أَبِي طَلْحَةَ فَنَقُولُ إنَّمَا أَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْإِرَاقَةِ قَلْعًا وَقَمْعًا لَهُمْ عَنْ أَنْ يَحُومُوا حَوْلَ الْخُمُورِ وَيَعْتَادُوا عَلَى ذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ كَانَ فِي ابْتِدَاءِ تَحْرِيمِ الْخَمْرِ لَمْ يَأْمَنْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَنْ يَشْرَبُوهَا إذَا لَمْ يُرِيقُوهَا فَأَمَرَ بِالْإِرَاقَةِ حَسْمًا لِمَادَّةِ الْفَسَادِ كَمَا نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الِانْتِبَاذِ فِي الْأَوْعِيَةِ ثُمَّ لَمَّا حَصَلَ لَهُمْ الْفِطَامُ عَنْ الْمُسْكِرَاتِ رَخَّصَ لَهُمْ فِي

جَمِیعِ الْأَوْعِیَةِ اھ" خلاصہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلع قمع کے طور پر شراب کو بہانے کا حکم دیا تھا۔ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیة الشِّلْبِیِّ، جلد6، صفحہ48، المطبعة الکبری الأمیریة، القاہرة)

بدائع الصنائع میں علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یُحمَلُ عَلَی النَّھیِ عَنْ التَّخْلِیلِ لِمَعْنًی فِی غَیْرِہِ وَھُوَ دَفْعُ عَادَةِ الْعَامَّةِ، لِأَنَّ الْقَوْمَ کَانُوا حَدِیثِی الْعَھْدِ بِتَحْرِیمِ الْخَمْرِ فَکَانَتْ بُیُوتُھُمْ لَا تَخْلُو عَنْ خَمْرٍ وَفِی الْبَیْتِ غِلْمَانٌ وَجَوَارٍ وَصِبْیَانٌ، وَکَانُوا أَلِفُوا شُرْبَ الْخَمْرِ وَصَارَ عَادَةً لَھُمْ وَطَبِیعَةً، وَالنُّزُوعُ عَنْ الْعَادَةِ أَمْرٌ صَعْبٌ فَقَیِّمُ الْبَیْتِ إنْ کَانَ یَنْزَجِرُ عَنْ ذَلِکَ دِیَانَةً فَقَلَّ مَا یَسْلَمُ الْأَتْبَاعُ عَنْھَا لَوْ أَمَرَ بِالتَّخْلِیلِ إذْ لَا یَتَخَلَّلُ مِنْ سَاعَتِھَا بَلْ بَعْدَ وَقْتٍ مُعْتَبَرٍ فَیُؤَدِّی إلَی فَسَادِ الْعَامَّةِ وَھَذَا لَا یَجُوزُ، وَقَدْ انْعَدَمَ ذَلِکَ الْمَعْنَی فِی زَمَانِنَا لِیُقَرَّرَ التَّحْرِیمُ وَیَأْلَفَ الطَّبْعُ تَحْرِیمَھَا؛ حَمَلْنَاہُ عَلَی ھَذَا دَفْعًا لِلتَّنَاقُضِ عَنْ الدَّلِیلِ، وَبِہِ تَبَیَّنَ أَنْ لَیْسَ فِیمَا قُلْنَاہُ احْتِمَالُ الْوُقُوعِ فِی الْفَسَادِ" یعنی شراب کو سرکہ بنانے والی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ عمومی طور لوگوں کی عادت کو ختم کرنا تھا، اسلئے کہ یہ احادیث اس دور کی ہیں جب شراب حرام ہو چکی تھی اور لوگوں کے گھروں میں شراب تھی اور گھروں میں غلام اور پڑوسی اور بچے تھے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الاشربة، جلد5، صفحہ113، دار الکتب العلمیة، بیروت)

## ☆---کتاب الاضحیة---☆

### مسافر پر قربانی

احناف کے نزدیک مسافر پر جمعہ کی طرح قربانی بھی واجب نہیں ہے اسلئے کہ شریعت نے دفع حرج کے لئے مسافر پر جمعہ کو فرض قرار نہیں دیا تو مسافر پر قربانی کا وجوب بہت مشقت والا عمل ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: لَا جُمُعَةَ، وَلَا تَشْرِيقَ، وَلَا صَلَاةَ فِطْرٍ وَلَا أَضْحَى، إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ، أَوْ مَدِينَةٍ عَظِيمَةٍ قَالَ حَجَّاجٌ: وَسَمِعْتُ عَطَاءً، يَقُولُ: مِثْلَ ذَلِكَ" ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمٰن نے فرمایا: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جمعہ، تشریق، عیدین اور قربانی جامع شہر یا بڑے شہر میں ہے۔ حضرت عطاء سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الجمعة، من قال لا جمعة، ولا تشریق إلا فی مصر جامع، جلد1، صفحه 439، مکتبة الرشد، الریاض)

مصنف عبدالرزاق میں ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی 211ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ" ترجمہ: حضرت حارث سے مروی ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جمعہ اور تشریق صرف جامع شہر میں ہے۔

(المصنف، کتاب الجمعة، باب القری الصغار، جلد3، صفحه 167، المجلس العلمی، الهند)

اس کے مزید اور بھی متابعات ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے "حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ بُرْدٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسَافِرِ أَضْحَى، وَلَا فِطْرٌ، وَلَا جُمُعَةٌ" ترجمہ: حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مسافر پر جمعہ، عید اور قربانی نہیں ہے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الجمعة، من قال لیس علی المسافر جمعة، جلد1، صفحه 442، مکتبة الرشد، الریاض)

وہابیوں کے نزدیک مسافر پر قربانی واجب ہے۔ وہابیوں کی دلیل یہ ہے کہ حج کے موقع پر حضور علیہ السلام نے قربانی کی تھی "ضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَزْوَاجِهِ بِالْبَقَرِ" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

(صحیح البخاری، کتاب الاضاحی ،باب الأضحية للمستافر والنساء ،جلد7،صفحہ 99، دار طوق النجاۃ ،مصر)

وہابیوں کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قربانی عید کی قربانی نہیں تھی بلکہ ازواجِ مطہرات نے جو حج تمتع کیا تھا اس حج کی قربانی تھی۔

وہابیوں کی دوسری دلیل یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا الحُسَیْنُ بْنُ حُرَیْثٍ، وَغَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: حَدَّثَنَا الفَضْلُ بْنُ مُوسَی، عَنْ حُسَیْنِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ عِلْبَاءَ بْنِ أَحْمَرَ، عَنْ عِکْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی سَفَرٍ، فَحَضَرَ الأَضْحَی، فَاشْتَرَکْنَا فِی البَقَرَةِ سَبْعَةً، وَفِی الجَزُورِ عَشَرَةً: هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ غَرِیبٌ"، ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے اور عید قرباں آگئی تو حضور علیہ السلام نے ہم سات کو ایک گائے میں شریک کیا اور اونٹ میں دس کو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی،ابواب الحج ،باب ما جاء فی الاشتراك فی البدنة والبقرة،جلد2،صفحہ241، دار الغرب الإسلامی ،بیروت)

اس حدیث سے بھی سفر میں قربانی کرنا واجب ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ حج اور اسکے علاوہ گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ احناف کے نزدیک بھی سفر میں قربانی کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

## کیا ایک بکری کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے کافی ہے؟

احناف کے نزدیک ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں بلکہ جس پر قربانی واجب ہے وہ اپنی طرف سے الگ قربانی کرے گا۔ وہابیوں کے نزدیک ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے کافی ہے۔ وہابیوں کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک بکری ذبح فرمائی تو یوں فرمایا "بِسْمِ اللهِ، اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ ضَحَّی بِهِ" (ترجمہ: اللہ کے نام سے، اے اللہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد کی طرف سے قبول فرما اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما۔ پھر اس جانور کو ذبح کرتے)

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی ،باب استحباب الضحیة، وذبحها مباشرة بلا توکیل، والتسمیة والتکبیر، جلد 3،صفحہ 1557، حدیث 1967 ،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

احناف کے نزدیک اس حدیث میں اہل بیت اور امت کی طرف سے قربانی کا مطلب انہیں ثواب پہچانا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قربانی گھر کے ہر فرد پر واجب ہو اور ایک بھی قربانی دیدے تو سب کی ادا ہو جائے گی۔ البنایۃ شرح الہدایۃ میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "(قال: ويذبح عن كل واحد منهم

شاة):أی قال القدوری:من کل واحد عن نفسه وأولاده شاة:(أو یذبح بقرة أو بدنة عن سبعة):أی سبعة أنفس، واعلم أن الشاة لا تجزء إلا عن واحد وأنها أقل ما تجب، وذکر الأترازی أن هذا إجماع وقال الکاکی:وقال مالك وأحمد واللیث والأوزاعی:یجوز الشاة عن أهل بیت واحد، وکذا بقرة أو بدنة؛ لأنه صلی الله علیه وسلم لما ضحی کبشین وقرب أحدهما، قال:اللهم هذا عن محمد، وأهل بیته .وقرب الآخر وقال:إن هذا منك ولك عمن وجد من أمتی .وعن أبی هریرة لما ضحی بالشاة جاء ت ابنته وتقول:عنی فقال:وعنك .قلت:هذا لا یدل علی وقوعه من اثنین بل هذا هبته ثوابه .وقد روی عن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما أنه قال:الشاة عن واحد، انتهی" ترجمہ: امام قدوری نے فرمایا: ہر کوئی اپنی اور اولاد کی طرف سے الگ بکری قربانی کرے گا اور گائے اور اونٹ میں سات لوگ شریک ہو سکتے ہیں۔ جان لو کہ ایک بکری فقط ایک کی طرف سے جس پر قربانی واجب ہے کافی ہے اور اترازی نے کہا کہ اس پر اجماع ہے۔ کاکی نے کہا امام مالک اور امام احمد اور لیث اور اوزاعی نے کہا ایک بکری سارے گھر کی طرف سے کافی ہے اور اسی طرح اونٹ اور گائے اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دو بکریوں کو ذبح کیا اور ایک بکری پر فرمایا: اے اللہ اسے محمد اور اہل بیت کی طرف سے قبول فرما اور دوسری بکری پر فرمایا: (یا اللہ) یہ تیری طرف سے اور تیرے لئے اور میرے ہر امتی کی طرف سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب آپ نے بکری ذبح کی اور آپ کی شہزادی آئیں اور عرض کی میری طرف سے تو آپ نے فرمایا اور تیری طرف سے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ احادیث اس پر دلیل نہیں کہ ایک بکری دو کی طرف سے کافی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بکری کا ثواب دوسروں کو ایصال کر سکتے ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ایک بکری ایک کی طرف سے ہے۔

(البنایة شرح الهدایة، کتاب الاضحیة، من تجزیء عنه الأضحیة وحکم الإشتراك فی الأضحیة، جلد 12، صفحه 14، 15، دار الکتب العلمیة، بیروت)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابو عیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الحَنَفِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ:حَدَّثَنِي عُمَارَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ:سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ: سَأَلْتُ أَبَا أَيُّوبَ الأَنْصَارِيَّ: كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعِمُونَ حَتَّى تَبَاهَى النَّاسُ، فَصَارَتْ كَمَا تَرَى:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعُمَارَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَدِينِيٌّ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا

عِنۡدَ بَعۡضِ أَهۡلِ العِلۡمِ، وَهُوَ قَوۡلُ أَحۡمَدَ، وَإِسۡحَاقَ، وَاحۡتَجَّا بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ضَحَّى بِكَبۡشٍ، فَقَالَ: هَذَا عَمَّنۡ لَمۡ يُضَحِّ مِنۡ أُمَّتِي، وَقَالَ بَعۡضُ أَهۡلِ العِلۡمِ: لَا تُجۡزِي الشَّاةُ إِلَّا عَنۡ نَفۡسٍ وَاحِدَةٍ، وَهُوَ قَوۡلُ عَبۡدِ اللَّهِ بۡنِ المُبَارَكِ، وَغَيۡرِهِ مِنۡ أَهۡلِ العِلۡمِ" ترجمہ: عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوایوب سے پوچھا کہ رسول اللہ کے زمانے میں قربانیاں کیسے ہوا کرتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک آدمی اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی کیا کرتا تھا۔ وہ اس سے خود بھی کھاتے اور لوگوں کو بھی کھلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ فخر کرنے لگے اور اس طرح تم آج کل دیکھ رہے ہو۔ (یعنی ایک گھر میں کئی قربانیاں کی جاتی ہیں) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عمارہ بن عبداللہ مدینی ہیں۔ مالک بن انس نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے ان کی دلیل نبی اکرم کی وہی حدیث ہے کہ آپ نے ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا یہ میری امت میں سے ہر اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک بکری صرف ایک آدمی کے لئے کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک اور دیگر اہل علم کا یہی قول ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الاضاحی، باب ما جاء أن الشاة الواحدة تجزی عن أهل البيت، جلد3، صفحه143، دار الغرب الإسلامی، بيروت)

جامع ترمذی کی اس روایت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایک بکری تمام گھر والوں کو کفایت کرتی تھی بلکہ حضور علیہ السلام کے دور مبارک میں غیر غنی یعنی جس پر قربانی واجب نہ ہوتی تھی وہ بھی قربانی کیا کرتا تھا اور خود بھی قربانی کا گوشت کھاتا اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلاتا تھا۔ موطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی میں صحیح سند کے ساتھ ہے "أَخۡبَرَنَا مَالِكٌ، أَخۡبَرَنَا عُمَارَةُ بۡنُ صَيَّادٍ، أَنَّ عَطَاءَ بۡنَ يَسَارٍ أَخۡبَرَهُ، أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ، صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ أَخۡبَرَهُ، قَالَ: كُنَّا نُضَحِّي بِالشَّاةِ الۡوَاحِدَةِ يَذۡبَحُهَا الرَّجُلُ عَنۡهُ وَعَنۡ أَهۡلِ بَيۡتِهِ، ثُمَّ تَبَاهَى النَّاسُ بَعۡدَ ذَلِكَ، فَصَارَتۡ مُبَاهَاةً، قَالَ مُحَمَّدٌ: كَانَ الرَّجُلُ يَكُونُ مُحۡتَاجًا فَيَذۡبَحُ الشَّاةَ الۡوَاحِدَةَ يُضَحِّي بِهَا عَنۡ نَفۡسِهِ، فَيَأۡكُلُ وَيُطۡعِمُ أَهۡلَهُ، فَأَمَّا شَاةٌ وَاحِدَةٌ تُذۡبَحُ عَنِ اثۡنَيۡنِ، أَوۡ ثَلَاثَةٍ أُضۡحِيَةً فَهَذَا لَا يُجۡزِءُ، وَلَا يَجُوزُ شَاةٌ إِلَّا عَنِ الۡوَاحِدِ، وَهُوَ قَوۡلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَالۡعَامَّةِ مِنۡ فُقَهَائِنَا" ترجمہ: حضرت ابوایوب صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم ایک بکری ذبح کرتے جسے ایک شخص اپنے اور گھر والوں کی طرف سے کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد لوگ فخر کرنے لگے تو یہ قربانی فخر ہوگئی۔ امام محمد نے فرمایا: آدمی محتاج ہوتا تھا تو وہ ایک بکری اپنی طرف سے قربانی کرتا تھا اور اس کا گوشت خود کھاتا اور گھر والوں کو کھلاتا تھا۔ باقی ایک بکری دو کی طرف سے یا تین کی طرف قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک بکری صرف ایک کی طرف سے قربان ہوگی یہ امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہائے کرام کا قول

ہے۔ (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني ،باب :ما يجزء من الضحايا عن أكثر من واحد،صفحه216،المكتبة العلمية،بيروت)

شرح معانی الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی (المتوفی 321ھ) اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں "وَافْتَرَقَ أَهْلُ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ عَلَى فِرْقَتَيْنِ: فَقَالَتْ فِرْقَةٌ: لَا تُجْزِءُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الَّذِينَ يُضَحَّى بِهَا عَنْهُمْ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَاحِدٍ. وَقَالَتْ فِرْقَةٌ: إِنَّ ذٰلِكَ تُجْزِءُ، كَانَ الْمُضَحَّى بِهَا عَنْهُمْ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَاحِدٍ، أَوْ مِنْ أَهْلِ أَبْيَاتٍ شَتَّى، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحَّى بِالْكَبْشِ الَّذِي ضَحَّى بِهِ عَنْ جَمِيعِ أُمَّتِهِ، وَهُمْ أَهْلُ أَبْيَاتٍ شَتَّى، فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ ثَابِتًا، لِمَنْ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ يُجْزِءُ عَمَّنْ أَجْزَأَهُ، بِذَبْحِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَثَبَتَ بِهٰذَا، قَوْلُ الَّذِينَ قَالُوا: يُضَحَّى بِهَا عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ، وَعَنْ غَيْرِهِمْ. ثُمَّ كَانَ الْكَلَامُ بَيْنَ أَهْلِ هٰذَا الْقَوْلِ وَبَيْنَ الْفِرْقَةِ الَّتِي تُخَالِفُ هٰؤُلَاءِ جَمِيعًا، وَتَقُولُ: إِنَّ الشَّاةَ لَا تُجْزِءُ عَنْ أَكْثَرَ مِنْ وَاحِدٍ، وَتَذْهَبُ إِلَى أَنَّ مَا كَانَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا احْتَجَّتْ بِهِ الْفِرْقَتَانِ الْأُولَيَانِ لِقَوْلِهِمَا، مَنْسُوخٌ أَوْ مَخْصُوصٌ. فَمِمَّا دَلَّ عَلَى ذٰلِكَ أَنَّ الْكَبْشَ، لَمَّا كَانَ يُجْزِءُ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ، لَا وَقْتَ فِي ذٰلِكَ وَلَا عَدَدَ، كَانَتِ الْبَقَرَةُ وَالْبَدَنَةُ أَحْرَى أَنْ تَكُونَا كَذٰلِكَ، وَأَنْ تَكُونَا تَجْزِيَانِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ، لَا وَقْتَ فِي ذٰلِكَ وَلَا عَدَدَ. ثُمَّ قَدْ رَوَيْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ دَلَّ عَلَى خِلَافِ ذٰلِكَ، مِمَّا قَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْبَابِ الَّذِي قَبْلَ هٰذَا، مِنْ نَحْرِ أَصْحَابِهِ مَعَهُ الْجَزُورَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ عَلَى التَّوْقِيفِ مِنْهُ لَهُمْ، عَلَى أَنَّ الْبَقَرَةَ وَالْبَدَنَةَ، لَا تُجْزِءُ وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا عَنْ أَكْثَرَ مِمَّا ذُبِحَتْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ، وَتَوَاتَرَتْ عَنْهُمُ الرِّوَايَاتُ بِذٰلِكَ" ترجمہ: اس مسئلہ میں دو گروہ ہیں ایک گروہ نے کہا کہ جائز ہے کہ ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے قربانی کی جائے اور دوسرے گروہ نے کہا یہ جائز ہے کہ ایک بکری ایک یا دیگر گھروں کی طرف سے کی جائے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام امت اور متفرق اہل بیت کی طرف سے قربانی کی ہے۔ اگر یہ اسی طرح ثابت ہو تو وہ ان لوگوں کی طرف سے کفایت کرے گی جن کے لئے آپ کے ذبح کرنے سے کافی ہوئی۔ پس اس سے ان لوگوں کی بات ثابت ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ایک گھر والوں اور ان کے علاوہ دوسروں کی طرف سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ جو ایک بکری کو ایک آدمی سے زائد کی طرف سے نہیں مانتے ہیں وہ ان دو گروہوں کی روایات کو منسوخ قرار دیتے ہیں یا آپ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور اس پر دلالت یہ ہے جب مینڈھا ایک سے زائد افراد کی طرف سے بغیر وقت جائز ہے تو گائے اور اونٹ کا کثیر افراد کے لئے ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔ پھر ہم نے پچھلے باب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

طرف سے اس کے خلاف روایات بیان فرمائی کہ آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر اونٹ و گائے سات کی طرف سے ذبح کیا اور آپ کا یہ عمل اس بات کی وضاحت کے لئے تھا کہ اونٹ اور گائے میں ان سات سے ایک فرد بھی اضافی نہیں ہو سکتا جتنوں کی طرف سے ان کو ذبح کیا گیا چنانچہ اس سلسلہ کی متواتر روایات نقل کی جاتی ہیں۔

(شرح معاني الآثار، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، باب الشاة عن كم تجزء أن يضحى بها؟، جلد4، صفحہ178، عالم الكتب)

## اونٹ کی قربانی میں کتنے شریک ہو سکتے ہیں؟

احناف کے نزدیک قربانی میں گائے کی طرح اونٹ میں بھی فقط سات شریک ہو سکتے ہیں۔ جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابو عیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الحُدَيْبِيَةِ البَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ. حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِم: يَرَوْنَ الجَزُورَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَد" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے قربانی کی، گائے سات کی طرف سے اور اونٹ سات کی طرف سے۔ اس باب میں ابن عمر، ابو ہریرہ، عائشہ اور ابن عباس سے بھی ایسا مروی ہے۔ حدیث جابر صحیح حسن حدیث ہے اور اس پر اہل علم صحابہ کرام اور دیگر کا عمل ہے کہ وہ اونٹ اور گائے میں سات حصے کہتے ہیں۔ یہی قول سفیان ثوری، امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الحج، باب ما جاء فی الاشتراك فی البدنة والبقرة، جلد2، صفحہ240، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

صحیح مسلم میں مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (المتوفی 261ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، ح وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُهِلِّينَ بِالْحَجِّ: فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْتَرِكَ فِي الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ، كُلُّ سَبْعَةٍ مِنَّا فِي بَدَنَةٍ" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اونٹ اور گائے میں سات کے شریک ہونے کا فرمایا۔ ہم سات بدنہ میں شریک تھے۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الاشتراك فی الهدی وإجزاء البقرة والبدنة كل منهما عن سبعة، جلد2، صفحہ955، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

شرح معانی الآثار میں ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا فَهْدٌ، قَالَ: ثنا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: ثنا إِسْرَائِيلُ، عَنْ عِيسَى بْنِ أَبِي عَزَّةَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ اللهِ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَا: الْبَدَنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَقَدْ رُوِيَ مِثْلُ ذَلِكَ أَيْضًا، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَحْكِيهِ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِيَ عَنْهُمْ" ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: گائے میں اور بدنہ (حج میں کئے جانے والے اونٹ یا گائے میں) سات شریک ہوسکتے ہیں اور اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الصید والذبائح والاضاحی، باب البدنة ,عن کم تجزء فی الضحایا والهدایا، جلد4، صفحه174، عالم الکتب)

وہابیوں کے نزدیک اونٹ میں دس شریک ہوسکتے ہیں۔ وہابیوں کی دلیل سنن الترمذی کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: حَدَّثَنَا الفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ عِلْبَاءَ بْنِ أَحْمَرَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَحَضَرَ الأَضْحَى، فَاشْتَرَكْنَا فِي البَقَرَةِ سَبْعَةً، وَفِي الجَزُورِ عَشَرَةً" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ہم ایک سفر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے اور عید قرباں آگئی تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس شریک ہوئے۔

(سنن الترمذی، ابواب الحج، باب ما جاء فی الاشتراک فی البدنة والبقرة، جلد2، صفحه241، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

احناف کے نزدیک اونٹ میں دس کے شریک ہونے کا حکم منسوخ ہے۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن سلطان محمد ابو الحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "(وَفِي الْبَعِيرِ عَشَرَةٌ) قَالَ الْمُظْهِرُ: عَمِلَ بِهِ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ، وَقَالَ غَيْرُهُ: إِنَّهُ مَنْسُوخٌ مِمَّا مَرَّ مِنْ قَوْلِهِ: الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْجَزُورُ عَنْ سَبْعَةٍ اهـ. قَالَ الْأَظْهَرُ أَنْ يُقَالَ: إِنَّهُ مُعَارَضٌ بِالرِّوَايَةِ الصَّحِيحَةِ، وَأَمَّا مَا وَرَدَ: فِي الْبَدَنَةِ سَبْعَةٌ أَوْ عَشَرَةٌ فَهُوَ شَاكٌّ، وَغَيْرُهُ جَازِمٌ بِالسَّبْعَةِ" ترجمہ: اونٹ میں دس کا حصہ ہونا، مظہر نے کہا کہ اس پر اسحاق بن راہویہ اور دوسروں کا عمل ہے۔ یہ منسوخ ہے جیسا کہ پیچھے گزرا اس قول سے کہ گائے اور اونٹ سات کی طرف سے ہے۔ فرمایا اظہر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ دس کا اونٹ میں شریک ہونا صحیح روایتوں کے معارض ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب فی الأضحیة، جلد3، صفحه1086، دار الفکر، بیروت)

منسوخ ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہیں کہ وہ اونٹ میں دس شرکت

کرتے ہوں بلکہ ان سے ثابت ہے کہ وہ سات شرکت کرتے تھے چنانچہ شرح معانی الآثار میں ہے "حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی دَاوُد، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: ثنا أَبُو هِلَالٍ، قَالَ: ثنا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَشْتَرِكُونَ سَبْعَةً فِی الْبَدَنَةِ مِنَ الْإِبِلِ، وَالسَّبْعَةُ فِی الْبَدَنَةِ مِنَ الْبَقَرِ فَهَذَا مَذْهَبُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِیَ عَنْهُمْ، فِی الْبَدَنَةِ، یُوَافِقُ مَا رُوِیَ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدنہ اونٹ میں سات شریک ہوتے تھے اور بدنہ گائے میں سات شریک ہوتے تھے اور یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا مذہب تھا بدنہ کے بارے میں۔ اس کے موافق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الصید والذبائح والاضاحی، باب البدنة عن کم تجزء فی الضحایا والهدایا، جلد4، صفحہ175، عالم الکتب)

وہابیوں کی دلیل کی دوسری تاویل یہ ہے کہ اونٹ میں دس کی شرکت قربانی کے اعتبار سے نہیں بلکہ تقسیم کرنے کے اعتبار سے ہے۔ البنایۃ شرح الہدایۃ میں ابومحمد محمود بن احمد الحنفی بدرالدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قلت: قال البیهقی: حدیث أبی الزبیر عن جابر رضی الله تعالی عنه فی اشتراكهم وهم مع النبی صلی الله علیه وسلم فی الجزور سبعة أصح، أخرجه مسلم، علی أن اشتراكهم فی العشرة محمول علی أنه فی القسمة لا فی التضحية" ترجمہ: میں کہتا ہے کہ امام بیہقی نے فرمایا کہ حدیث ابی زبیر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساتھ اونٹ میں سات حصوں کے ساتھ شرکت کی یہ حدیث اصح ہے۔ امام مسلم نے جو دس حصوں کے شریک ہونے کی روایت کی وہ محمول تقسیم کرنے کے اعتبار سے ہے قربانی کے اعتبار سے نہیں ہے۔

(البنایة شرح الهدایة، کتاب الاضحیة، جلد12، صفحہ15، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اس کے علاوہ وہابیوں کی دلیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت ہے جبکہ احناف کی دلیل میں حضور نے سات کی صراحت کے ساتھ شرکت کا حکم دیا ہے اب اصولی طور پر صحابی کے مقابل جب فرمانِ مصطفیٰ ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔

## قربانی کے جانور میں عمر کا اعتبار ہے یا دانتوں کا؟

چاروں ائمہ کرام کے نزدیک قربانی کے جانور میں عمر کا اعتبار ہے، جانور کے دانتوں کا اعتبار نہیں ہے یعنی عمر دیکھی جائے گی جانور کا دوندا (دو دانت والا) ہونا نہیں دیکھا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لَا تَذْبَحُوا إِلَّا

مُسِنَّةً، إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ" ترجمہ: صرف مسنہ (ایک سال کی بکری، دوسال کی گائے اور پانچ سال کے اونٹ) کی قربانی کرو، ہاں اگر تم کو دشوار ہو تو چھ ماہ کا دنبہ یا مینڈھا ذبح کر دو۔

(صحیح مسلم، کتاب الصید، باب سن الأضحیة، جلد3، صفحه1555، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج میں ابوزکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی676ھ) اس کے تحت لکھتے ہیں "قَالَ الْعُلَمَاءُ الْمُسِنَّةُ هِيَ الثَّنِيَّةُ مِنْ كل شئ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ فَمَا فَوْقَهَا" ترجمہ: علماء نے فرمایا مسنہ یہ ہے کہ بکرا، گائے اور اونٹ ثنیہ ہوں یا اس سے اوپر۔

(شرح الکامل للنووی علی صحیح مسلم، جلد2، صفحه155، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ثنیہ کا مطلب دو دانت نہیں ہوتے بلکہ اس سے مراد عمر ہوتی ہے۔ تمام ائمہ کرام نے یہی مراد لی ہے۔ البتہ ان ائمہ میں ثنیہ اور جذع کی عمروں کے متعلق اختلاف ہے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے "والمسنة من كل الأنعام هى الثنية فما فوقها حكاه النووى عن أهل اللغة ولقوله صلى الله عليه وسلم نعمت الأضحية الجذع من الضأن وهذا الشرط متفق عليه بين الفقهاء، ولكنهم اختلفوا فى تفسير الثنية والجذعة فذهب الحنفية والحنابلة إلى أن الجذع من الضأن ما أتم ستة أشهر، وقيل ما أتم ستة أشهر وشيئا .وأيا ما كان فلا بد أن يكون عظيما بحيث لو خلط بالثنايا لاشتبه على الناظرين من بعيد والثنى من الضأن والمعز ابن سنة، ومن البقر ابن سنتين، ومن الإبل ابن خمس سنين وذهب المالكية إلى أن الجذع من الضأن ما بلغ سنة(قمرية)ودخل فى الثانية ولو مجرد دخول، وفسروا الثنى من المعز بما بلغ سنة، ودخل فى الثانية دخولا بينا، كمضى شهر بعد السنة، وفسروا الثنى من البقر بما بلغ ثلاث سنين، ودخل فى الرابعة ولو دخولا غير بين، والثنى من الإبل بما بلغ خمسا ودخل فى السادسة ولو دخولا غير بين وذهب الشافعية إلى أن الجذع ما بلغ سنة، وقالوا :لو أجذع بأن أسقط مقدم أسنانه قبل السنة وبعد تمام ستة أشهر يكفى، وفسروا الثنى من المعز بما بلغ سنتين، و كذلك البقر" خلاصہ یہ ہے کہ مسنہ ہر جانور میں ثنیہ یا اس کے اوپر ہے امام نووی نے اسے اہل لغت سے حکایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے سبب کہ قربانی میں جذع ضان سے اچھا ہے۔ یہ شرط فقہائے کرام میں متفق علیہ ہے۔ البتہ ثنیہ، جذعہ میں اختلاف ہے۔ احناف اور حنابلہ اس طرف گئے ہیں کہ بھیڑ جب چھ ماہ کی ہو جائے تو جذع ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ چھ ماہ سے کچھ زیادہ ہو، جب دیکھنے میں سال کی لگے کہ اگر اس ثنایا سے ملا دیا جائے تو دیکھنے والوں کو دور سے اسی کی مشابہ لگے۔ ثنیہ بھیڑ بکری میں سال کی ہے،

گائے میں دو سال اور اونٹ میں پانچ سال ہے۔ مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جذع بھیڑ میں سے وہ ہے جو قمری سال کا ہو چکا ہے اور دوسرے سال میں داخل ہو جائے اگرچہ صرف ایک سال کی ہو۔ ثنیہ میں بکری جو سال کی ہو جائے اور دوسرے سال میں داخل ہو جائے کہ دوسرے سال کا ایک ماہ گزر جائے، گائے جو تین سال کی ہو جائے اور چوتھے میں داخل ہو جائے اگرچہ چوتھے سال میں داخلہ غیر واضح ہو تو ثنیہ ہے اور اونٹ پانچ سال کا ہو جائے اور چھٹے میں داخل ہو جائے تو ثنیہ ہے اگرچہ غیر واضح ہو۔ شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ جذع وہ ہے جو سال کی ہو جائے اگر جذع سال سے قبل مکمل چھ ماہ کے بعد دودھ کے دانت گرا دے تو کافی ہے۔ گائے اور بکری میں ثنیہ وہ ہے جو دو سال کی ہے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد5، صفحه83، دار السلاسل، الكويت)

القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا میں الدکتور سعدی ابو حبیب لکھتے ہیں "الثنی من الابل عند المالكية والحنفية والشافعية، والحنابلة، والظاهرية، والجعفرية:هو ما استكمل خمس سنين، ودخل فى السادسة وعن الشافعى:ما استكمل ست سنين، ودخل فى السابعة .الثنى من البقر عند المالكية، والحنفية، والشافعية، والحنابلة، والظاهرية ما استكمل سنتين، ودخل فى الثالثة .وعن الشافعى:ما استكمل ثلاث سنين، ودخل فى الرابعة .والمشهور من نصوص الشافعى مثل قول الجمهور من الفقهاء" ترجمہ: مالکیوں، احناف، شوافع، حنابلہ، ظاہریہ (غیر مقلد) جعفریہ کے نزدیک اونٹ جب پانچ سال کا مکمل ہو جائے اور چھٹے میں داخل ہو جائے تو ثنیہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب پانچ سال کا پورا ہو جائے اور ساتویں میں داخل ہو جائے تو ثنیہ ہے۔ مالکیوں، احناف، شوافع، حنابلہ، ظاہریہ (غیر مقلد) میں گائے جب دو سال کی مکمل ہو جائے اور تیسری میں داخل ہو جائے تو ثنیہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جب گائے تین سال کی مکمل ہو جائے اور چوتھی میں داخل ہو جائے تو ثنیہ ہے۔ مشہور نصوص شافعی جمہور فقہاء کی مثل ہیں۔

(القاموس الفقهى لغة واصطلاحا، صفحه54، دار الفكر، دمشق)

علامہ علاء الدین حصکفی علیہ الرحمہ درمختار میں فرماتے ہیں "صح (الثنى هو ابن خمس من الابل و حولين من البقر والجاموس وحول من الشاة)" ترجمہ: ثنی کی قربانی صحیح ہے اور ثنی اونٹوں میں پانچ سال والے، گائے اور بھینس وغیرہ میں سے دو سال والی اور بکریوں میں سے ایک سال والی کو کہتے ہیں۔

(درمختار مع ردالمحتار، جلد9، صفحه466، دار الكتب العلميه، بيروت)

وہابیوں کی نزدیک قربانی کے جانور کے لئے عمر ضروری نہیں بلکہ دو دانت والا (دوندا) ہونا ضروری ہے چنانچہ وہابی

مولوی ڈاکٹر فضل الٰہی قربانی کے مسائل پر لکھی گئی کتاب میں لکھتا ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو قربانی کے لئے دو دانتا جانور ذبح کرنے کی تلقین فرمائی۔ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن" دو دانت والے کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی نہ کرو، ہاں اگر دشواری پیش آجائے، تو دو دانت سے کم عمر کا دنبہ بھی ذبح کر لو''

(مسائل قربانی، صفحہ 41، دار النور، اسلام آباد)

وہابی لفظ " مُسِنَّة '' سے دانت مراد لیتے ہیں جبکہ لغت میں اس کا معنی دانت نہیں بلکہ بڑی عمر میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ عربی لغت کی کتاب المنجد میں ہے "المسن من الدواب" "بڑی عمر والا جانور۔"

(المنجد، مادہ س ن، صفحہ 397، خزینہ علم وادب، لاہور)

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں علی بن سلطان محمد ابو الحسن نور الدین الملا الھروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "(وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً): وَهِيَ الْكَبِيرَةُ بِالسِّنِّ" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صرف مسنہ کی قربانی کرو۔ مسنہ وہ ہے جو عمر کے اعتبار سے بڑی ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الأضحیۃ، جلد3، صفحہ1079، دار الفکر، بیروت)

عون المعبود شرح سنن ابی داود میں وہابی مولوی محمد اشرف بن امیر العظیم آبادی (المتوفی 1329ھ) لکھتا ہے "قَالَ ابن الْمَلَكِ الْمُسِنَّةُ هِيَ الْكَبِيرَةُ بِالسِّنِّ فَمِنَ الْإِبِلِ الَّتِي تَمَّتْ لَهَا خَمْسُ سِنِينَ وَدَخَلَتْ فِي السَّادِسَةِ وَمِنَ الْبَقَرِ الَّتِي تَمَّتْ لَهَا سَنَتَانِ وَدَخَلَتْ فِي الثَّالِثَةِ وَمِنَ الضَّأْنِ وَالْمَعَزِ مَا تَمَّتْ لَهَا سَنَةٌ انْتَهَى" ترجمہ: ابن ملک نے کہا کہ مسنہ وہ ہے جو عمر کے اعتبار سے بڑا جانور ہو تو اونٹ میں وہ مسنہ ہے جو پانچ سال کا مکمل ہو جائے اور چھٹے میں داخل ہو اور گائے میں مسنہ وہ ہے جو دو سال کی ہو اور تیسری میں داخل ہو جائے اور ضان اور معز وہ ہے جسے سال پورا ہو جائے۔

(عون المعبود شرح سنن أبی داود، کتاب الضحایا، باب ما یجوز فی الضحایا من السن، جلد7، صفحہ352، دار الکتب العلمیة، بیروت)

الذخیرہ میں ہے "فقال الجوهری لیس باعتبار سن تسقط و لا تطلع ولکن باعتبار الزمان" ترجمہ: جوہری نے فرمایا: دانت گرنے اور اگنے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اعتبار عمر کا ہے۔

(الذخیرة، الباب الخامس فی زکاة النعم، جلد3، صفحہ115، دار الغرب، بیروت)

اہل عرب میں مسنہ کا معنی بڑی عمر لیا جاتا ہے اسی لئے بوڑھی عورت کو المرأۃ المسنۃ کہا جاتا ہے۔ المصباح المنیر فی

غریب الشرح الکبیر میں احمد بن محمد بن علی (المتوفی 770ھ) لکھتے ہیں "وَالْعَجُوزُ الْمَرْأَةُ الْمُسِنَّةُ" ترجمہ: اور بوڑھی ایسی عورت ہے جو بڑی عمر والی ہو۔ (المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، کتاب العین، جلد2، صفحہ393، المکتبة العلمية، بیروت)

لسان العرب میں محمد بن مکرم بن علی (المتوفی 711ھ) لکھتے ہیں "الأزهری: أهل اليَمَنِ يُسَمّون المرأةَ المُسِنَّة قَحبة. ويُقال لِلعَجوز: القَحبةُ والقَحمَةُ؛ قَالَ: وكذلك يُقالُ لِكُلِّ كَبِيرةٍ مِنَ الْغَنَمِ مُسِنَّةٍ؛ قَالَ ابنُ سِيدَهُ: القَحبةُ المُسنة مِنَ الْغَنَمِ وَغَيْرِهَا" ترجمہ: ازہری نے فرمایا: اہل یمن مسنہ عورت سے مراد بڑی عمر والی لیتے ہیں اور بوڑھی عورت کے لئے قحبہ اور قحمہ (سن رسیدہ) کہا جاتا ہے۔ کہا اسی طرح ہر بڑی عمر کے جانور کو مسنہ کہا جاتا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا: جانور اور غیر جانور میں مسنہ بڑی عمر کو کہا جاتا ہے۔ (لسان العرب، فصل القاف، جلد1، صفحہ661، دار صادر، بیروت)

ہاں دو دانتوں کو بطور معرفت لیا جائے تو درست ہے۔ البحر الرائق میں زین الدین بن ابراہیم بن محمد ابن نجیم المصری (المتوفی 970ھ) فرماتے ہیں "لِأَنَّ السِّنَّ مِمَّا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى عُمُرِ الدَّوَابِّ" ترجمہ: دانت سے چوپائے کی عمر کو استدلال کیا جاتا ہے۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الزکوٰۃ، زکاة الحملان والفصلان والعجاجیل، جلد2، صفحہ238، دار الکتاب الإسلامی)

جانو پالنے والوں کا بیان ہے کہ جو جانور چر کر کھاتے ہیں ان کے دانت سال سے پہلے آ جاتے ہیں۔

ثنی بمعنی مسنہ ہے چنانچہ وہابی مولوی عظیم آبادی نقل کرتا ہے "الثَّنِيُّ بِوَزْنِ فَعِيلٍ هو بمعنى المسنة" ترجمہ: الثنی بوزن فعیل ہے اور یہ مسنہ کے معنی میں ہے۔

(عون المعبود شرح سنن أبی داود، کتاب الضحایا، باب ما یجوز فی الضحایا من السن، جلد7، صفحہ356، دار الکتب العلمية، بیروت)

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے "والثنی فی اصطلاح الفقهاء خلافا لما عند أهل اللغة ما تم له سنة فما زاد" ترجمہ: ثنی اصطلاح فقہاء میں اہل لغت کے خلاف وہ ہے جسے سال مکمل ہو جائے اور سال سے زائد ہو جائے۔

(الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد23، صفحہ259، دار السلاسل، الكويت)

اب غیر مقلدوں کے حوالے بھی پیش خدمت ہیں کہ ان کے بڑوں نے صراحت کے ساتھ ثنیہ سے مراد عمر لی ہے دانت نہیں:۔

غیر مقلدوں کے فتاوٰی "اَرشیف ملتقی اَہل الحدیث 1 میں ہے "قربانی کے جانوروں کی عمروں کا اعتبار کیا اور اس پر کلام کرتے ہوئے صراحت کی "ومن المعز ثنی، وهو ما استكمل سنتين وطعن فی الثالثة وقيل سنة ودخل فی الثانية

وهو المشهور ومن البقر ما استكمل سنتين وطعن فى الثالثة ومن الإبل ما استكمل خمس سنين ودخل فى السادسة" ترجمہ: ثنی بکرے میں یہ ہے کہ دوسال کی مکمل ہوجائے اور تیسری میں داخل ہوجائے اور کہا گیا کہ سال کی ہوجائے اور دوسرے میں داخل ہوجائے اور یہ مشہور ہے۔گائے میں ثنی یہ ہے کہ دوسال کی پوری ہوجائے اور تیسری میں داخل ہوجائے۔اونٹ میں یہ ہے کہ پانچ سال کا مکمل ہوجائے اور چھٹے میں داخل ہوجائے۔

پھر آخر میں صاف لکھا کہ اگر عمر کم ہے تو جائز نہیں "ومما يجب التنبيه عليه أن التقدير بهذه الأسنان لمنع النقصان لا الزيادة فلو ضحى بسن أقل لا يجوز وبأكبر يجوز"

(أرشيف ملتقى أبل الحديث 1، جلد42، صفحه321، المكتبة الشامله)

اضواء البیان فی إیضاح القرآن بالقرآن میں مشہور غیر مقلد محمد الأمین الشنقیطی لکھتا ہے "وأما الثنى من الإبل فما استكمل خمس سنين، ودخل فى السادسة۔۔ وأما الثنى من البقر فهو ما استكمل سنتين، ودخل فى الثالثة۔۔۔والثنى من المعز فيه عندهم وجهان أصحهما :ما استكمل سنتين والثانى:ما استكمل سنة" ترجمہ: ثنی اونٹوں میں پانچ سال مکمل اور چھٹے میں داخل ہونا ہے۔گائے میں ثنی دوسال مکمل ہونا اور تیسرے میں داخل ہونا ہے۔بکری میں ثنی کے متعلق دوروایتیں ہیں ایک دوسال مکمل ہونا ہے اور ایک میں ایک سال مکمل ہونا ہے۔

(أضواء البيان فى إيضاح القرآن بالقرآن، جلد5، صفحه209، دار الفكر ،بيروت)

نیل الأوطار میں غیر مقلدوں کا امام محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی لکھتا ہے "قوله:(مسنة) حكى فى النهاية عن الأزهرى أن البقرة والشاة يقع عليهما اسم المسن إذا كان فى السنة" ترجمہ: نہایہ میں ازہری سے روایت کیا گیا کہ گائے اور بکری مسنہ تب ہوتی ہے جب سال کی ہوجائے۔ (نيل الأوطار، جلد4، صفحه158، دار الحديث، مصر)

عون المعبود شرح سنن ابی داود میں غیر مقلد محمد اشرف بن امیر بن العظیم آبادی (المتوفی 1329ھ) لکھتا ہے "(إلا مسنة) بضم الميم وكسر السين والنون المشددة قال بن الملك المسنة هى الكبيرة بالسن فمن الإبل التى تمت لها خمس سنين ودخلت فى السادسة ومن البقر التى تمت لها سنتان ودخلت فى الثالثة ومن الضأن والمعز ما تمت لها سنة" ترجمہ: اونٹ میں مسنہ یہ ہے کہ پانچ سال کا مکمل ہوجائے ،گائے دوسال کی مکمل ہو اور بھیڑ بکری جب سال کی ہوجائے تو مسنہ ہے۔ (عون المعبود شرح سنن أبى داود ،جلد7، صفحه 352، دار الكتب العلمية ،بيروت)

غیر مقلدوں کے بڑے پیشواؤں کے ان جزئیات سے ثابت ہوا کہ وہ جانوروں کی عمروں کا اعتبار احناف کے مطابق

کیا کرتے تھے۔ دانتوں کا اعتبار نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج کل کے جدید وہابیوں میں وہ وہابی ہی کیا جو ہر مسئلے میں فتنے فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کرے، لہٰذا غیر مقلدوں نے حسب عادت لوگوں میں اختلاف ڈالنے کے لئے ایک نئی بات اور نکال لی ہے کہ عمر کا اعتبار نہیں دانتوں کا اعتبار ہوتا ہے۔ پھر اپنے اس نئے مؤقف پر تحریفوں کے ساتھ حوالے پیش کئے جانے لگے۔

اگر مسنہ کا مطلب دوندا ہے تو جذع کا مطلب پھر کھیرا ہونا چاہئے تھا جبکہ لغت میں جذع کا معنی یہ نہیں ہے۔ ثنی کی طرح جذع میں بھی عمر کا اعتبار کیا جاتا ہے چنانچہ المعجم الوسیط میں ہے ''الجذع من الرجال: نوجوان، نوعمر۔ حدیث میں ہے "یالیتنی فیھا جذع" من الابل: اونٹ کا وہ بچہ جس کی عمر کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو۔ من الخیل والبقر: گھوڑے یا گائے کا وہ بچہ جس کی عمر کا تیراسال شروع ہو گیا ہو۔ من الضأن: بکری کا وہ بچہ جو آٹھ یا نو ماہ کا ہو گیا ہو۔''

(المعجم الوسیط، صفحہ133، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

## قربانی کی دن تین ہیں یا چار؟

احناف کے نزدیک قربانی کے ایام تین ہیں۔ احکام القرآن الکریم میں ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) روایت بسند صحیح روایت کرتے ہیں ''قَدْ حَدَّثَنَا فَهْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ مَيْسَرَةَ، عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: الْأَضْحَى ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ'' ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: قربانی کے دن تین ہیں۔

(أحكام القرآن الكريم، جلد2، صفحہ205، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركی، استنبول)

احکام القرآن الکریم میں امام طحاوی روایت کرتے ہیں ''قَدْ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي عِمْرَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ التَّيْمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ حَجَّتِهِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: النَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ'' ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قربانی کے دن تین ہیں۔

(أحكام القرآن الكريم، جلد2، صفحہ205، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركی، استنبول)

مزید احکام القرآن الکریم میں امام طحاوی (المتوفی 321ھ) روایت کرتے ہیں ''قَدْ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ السَّدُوسِيُّ عَارِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَارِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو هِلَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: يُضَحَّى بَعْدَ النَّحْرِ بِيَوْمَيْنِ'' ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قربانی کے دن پہلے دن کے بعد دو ہیں۔

(أحكام القرآن الكريم، جلد2، صفحہ205، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركی، استنبول)

بقیہ راوی ثقہ ہیں۔ابو عارم کے متعلق کچھ ملا نہیں،لیکن محمد بن الفضل نے ابو ہلال سے بھی روایت کیا ہے اور السنن الکبری للبیہقی میں ایک دوسری سند سے بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے "أَخبَرَنا أَبُو نَصرِ بْنُ قَتادَة، أنبأ أَبُو عَمرِو بْنُ نُجَيدٍ، أنبأ أَبُو مُسلِمٍ، ثنا عَبدُ الرَّحمٰنِ بْنُ حَمَّادٍ، ثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَة، عَنْ قَتادَة، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ:اَلذَّبحُ بَعدَ النَّحرِ يَومَانِ"

(السنن الكبرى، كتاب الضحايا،باب من قال الأضحى يوم النحر ويومين بعده،جلد9،صفحه500،دار الكتب العلمية، بيروت)

موطأ الإمام مالک میں مالک بن انس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنی (المتوفی 179ھ) میں صحیح سند کے ساتھ ہے "أخبرنا أَبُو مُصعَبٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كان يقول:الأَضحَى يَومَانِ بَعدَ يَومِ الأَضحَى.قَالَ مَالِكٌ:إِنَّهُ بَلَغَهُ أن عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كان يقول ذٰلِكَ" ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:قربانی کے دن پہلے دن کے بعد دو ہیں۔امام مالک نے فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

(موطأ الإمام مالك، كتاب المناسك ،باب أيام الأضحى ،جلد1 ،صفحه536،مؤسسة الرسالة،بيروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو بکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَبُو بَكرٍ قَالَ:حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ مَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ أَوْ مَالِكِ بْنِ مَاعِزٍ الثَّقَفِيِّ کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اَلنَّحرُ فِي هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ أَيَّامٍ" ترجمہ:قربانی ان تین دنوں میں ہے۔

(الكتاب المصنف فى الأحاديث والآثار، كتاب الحج ،فى الرجل يشترى البدنة فتضل فيشترى غيرها،جلد3،صفحه 304،مكتبة الرشد ،الرياض)

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت مکحول،حضرت سلیمان بن موسیٰ،حضرت حسن بصری،حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی روایات مروی ہیں کہ قربانی کے دن تین ہیں۔

وہابیوں کے نزدیک قربانی کے دن چار ہیں اور ان کی دلیل ضعیف حدیث پر ہے۔مسند احمد کی روایت ہے "حَدَّثَنَا أَبُو اليَمَانِ، قَالَ:حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبدِ العَزِيزِ، عَنْ سُلَيمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنْ جُبَيرِ بْنِ مُطعِمٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ مِثلَهُ، وَقَالَ: كُلُّ أَيَّامِ التَّشرِيقِ ذَبحٌ.قال إسناده ضعيف" ترجمہ:حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے روایت کیا کہ تمام ایام تشریق میں قربانی کر سکتے ہیں۔کہا اس کی سند ضعیف ہے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل،مسند المدنيين ،حديث جبير بن مطعم رضى الله تعالى عنه،جلد 4،صفحه82، مؤسسة قرطبة،القاہرة)

اس کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ منقطع حدیث ہے،سلیمان نے جبیر بن مطعم کو نہیں پایا۔اس کے اور بھی جو

متابعات ہیں سب ضعیف ہیں۔

عمدۃ القاری میں ابومحمد محمود بن احمد الحنفی بدرالدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مــن قــالَ: الْأَضُحَى يَوْم النَّحر وَثَلَاثَة أَيَّام بِمَا رُوِىَ فِى صَحِيح ابُن حبَان من حَدِيث جُبَير بن مطعم: أَن النَّبِى صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، قَالَ: (كل فجاج منى منحر وَفِى كل أَيَّام التَّشرِيق ذبح). قلت: هَذَا رَوَاهُ أَحْمد وَابُن حبَان من حَدِيث عبد الرَّحمَن بن أبى حُسَين عَن جُبَير بن مطعم، وَقَالَ الْبَزَّار فِى مُسْنده لم يلق ابُن أبى حُسَين جُبَير بن مطعم فَيكون مُنْقَطِعًا. فَإِن قلت: أخرجه أَحْمد أَيْضا وَالْبَيْهَقِىّ عَن سُلَيْمَان بن مُوسَى عَن جُبَير عَن النَّبِى صلى الله عَلَيْهِ وَسلم. قلت: قَالَ الْبَيْهَقِىّ: سُلَيْمَان بن مُوسَى لم يدُرك جُبَير بن مطعم. فَيكون مُنْقَطِعًا. فَإِن قلت: أخرج ابُن عدى فِى (الْكَامِل) عَن مُعَاوِيَة بن يحيى الصَّدَفِى عَن الزُّهرِىّ عَن ابُن الْمسيب عَن أبى سعيد الْخُدرِىّ، رَضِى الله عَنهُ، عَن النَّبِى صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: أَيَّام التَّشرِيق كلهَا ذبح. قلت: مُعَاوِيَة بن يحيى ضعفه النَّسَائِىّ وَابُن معِين وعلى بن الْمَدِينِىّ، وَقَالَ ابُن أبى حَاتِم فِى (كتاب الْعِلَل) قَالَ أبى هَذَا حَدِيث مَوْضُوع بِهَذَا الْإِسْنَاد. فَإِن قلت: أخرج الْبَيْهَقِىّ من حَدِيث طَلْحَة بن عَمرو عَن عَطاء عَن ابُن عَبَّاس. قَالَ: الْأَضُحَى ثَلَاثَة أَيَّام بعد يَوْم النَّحر. قلت: خرج الطَّحَاوِىّ بِسَنَد جيد عَن ابُن عَبَّاس، رَضِى الله تَعَالَى عَنهُمَا. قَالَ: الْأَضُحَى يَوْمَانِ بعد يَوْم النَّحر، ولأصحابنا الْحَنَفِيَّة مَا رَوَاهُ الْكَرْخِى فِى (مُختَصره) حَدثنَا أَبُو بكر مُحَمَّد بن الْجُنَيْد قَالَ: حَدثنَا أَبُو خَيْثَمَة قَالَ: حَدثنَا هشيم قَالَ: أخبرنَا ابُن أبى ليلى عَن الْمنْهَال بن عَمرو عَن زر بن حُبَيْش وَعبادَة بن عبد الله الْأَسدى عَن عَلى، رَضِى الله تَعَالَى عَنهُ، أَنه كَانَ يَقُول أَيَّام النَّحر ثَلَاثَة أَيَّام أولهن أفضلهن، وَعَن ابُن عَبَّاس وَابُن عمر رَضِى الله تَعَالَى عَنهُم، قَالَا: النَّحر ثَلَاثَة أَيَّام أولهَا أفضلهَا" ترجمہ: جو کہے کہ قربانی پہلے دن اور مزید بعد کے تین دن تک ہے کہ صحیح ابن حبان میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام درہ منیٰ ہے قربان گاہ ہے اور تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث امام احمد اور ابن حبان نے عبدالرحمٰن بن ابی حسین کے طریق سے حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کی ہے اور امام بزار نے اپنی مسند میں فرمایا کہ ابن ابی حسین حضرت جبیر بن مطعم سے نہیں ملا تو یہ حدیث منقطع ہوگئی۔ اگر تو کہتا ہے کہ امام احمد نے اسی طرح اور بیہقی نے سلیمان بن موسیٰ کے طریق سے حضرت جبیر بن مطعم کے حوالے سے حضور علیہ السلام سے مروی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے فرمایا: سلیمان بن موسیٰ نے جبیر بن مطعم کو نہیں پایا تو

یہ حدیث بھی منقطع ہوئی۔ اگر تو کہتا ہے کہ ابن عدی نے کامل میں معاویہ بن یحیٰ صدفی سے زہری سے ابن میسّب کے حوالے سے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہے۔ میں کہتا ہوں: معاویہ بن یحیٰ ضعیف ہے امام نسائی اور ابن معین اور علی بن مدینی نے ضعیف کہا۔ ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں فرمایا کہ میرے والد نے فرمایا: یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔ اگر تو کہتا ہے کہ امام بیہقی نے روایت کیا حدیث طلحہ بن عمرو میں عطاء کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا: قربانی کے دن پہلے دن کے بعد تین دن ہیں۔ میں کہتاں ہے امام طحاوی نے جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: قربانی کے دن پہلے دن کے بعد دو دن ہیں اور ہمارے اصحاب حنفیہ نے جو امام کرخی نے اپنی مختصر میں روایت کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے: قربانی کے دن تین ہیں پہلا دن افضل ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: قربانی کے ایام تین دن ہیں، پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب من قال الأضحی یوم النحر، جلد21، صفحہ148، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

## بھینس کی قربانی

اہل سنت کے نزدیک بھینس یا کٹے کی قربانی جائز ہے اور وہابیوں کے نزدیک بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ وہابیوں کی دلیل یہ ہے کہ بھینس کی قربانی کا جواز قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ جبکہ یہ ان کی کم علمی ہے۔ قرآن پاک کے لفظ ''الانعام'' اور حدیث پاک کے لفظ ''بقرۃ'' کے عموم کے تحت بھینس بھی آتی ہے۔ لہٰذا ''انعام'' یا ''بقرۃ'' کے تحت جو بھی جانور آئیں گے ان کی قربانی جائز ہوگی۔ اس پر شروع سے امت کا اجماع ہے۔ الإجماع میں ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری (المتوفی 319ھ) فرماتے ہیں ''وأجمعوا علی أن حکم الجوامیس حکم البقر'' ترجمہ: اس پر اجماع ہے کہ بھینس کا حکم گائے کی طرح ہے۔

(الإجماع، کتاب الزکوۃ، صفحہ45، دار المسلم)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں بھینس کی قربانی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں بھینس نہیں پائی جاتی تھی بلکہ اونٹ، گائے یا بکری ہی ہوا کرتی تھی۔ جب تابعین کا دور آیا اور بھینس سے وہ متعارف ہوئے تو انہوں نے اسے بھی گائے میں شمار کیا۔

اس مسئلہ پر تفصیلی کلام پیشِ خدمت ہے:

قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے جب قربانی کا ذکر فرمایا تو اس میں ''بھیمۃ الانعام (بے زبان چوپائے)'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور ہرامت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر۔''

(سورۃ الحج، آیت نمبر34)

دوسرے مقام پر الانعام کی تفصیل بیان فرمائی کے اس میں جانوروں کے 4 جوڑے شامل ہیں چنانچہ سورۃ انعام میں ارشادفرماتا ہے ﴿وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ ترجمہ: اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اُٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے۔ کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ آٹھ نر اور مادہ ایک جوڑا بھیڑ کا اور ایک جوڑا بکری کا۔ تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں، کسی علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو، اور ایک جوڑا اُونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا۔

(سورۃ الانعام، آیت نمبر4-142)

اس آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل نے گائے کو ''انعام'' میں شمار کیا ہے۔ اور تفاسیر میں اس کے تحت لکھا ہے کہ بھینس بھی ''انعام'' یعنی انہیں آٹھ جانوروں میں داخل ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر در منثور میں ہے ''حَدَّثَنَا أَبِي ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ صَالِحٍ الْعَتَكِيُّ ثنا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الرُّؤَاسِيُّ عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ لَيْثِ بْنِ أَبِي سُلَيْمٍ قَالَ الْجَامُوسُ وَالْبُخْتِيُّ مِنَ الْأَزْوَاجِ الثَّمَانِيَةِ'' ترجمہ: حضرت لیث بن ابی سلیم سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ: بھینس اور بختی اونٹ ازواجِ ثمانیہ (یعنی آٹھ نر اور مادہ) میں سے ہے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، جلد5، صفحہ1403، مکتبۃ نزار مصطفی الباز ،المملكة العربية السعودية)

مشہور محدث علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بھینس ''انعام'' کے تحت داخل ہے اور اس کی قربانی جائز ہے۔ چنانچہ اپنی المجموع شرح المہذب میں لکھتے ہیں ''فَشَرْطُ الْمُجْزِءِ فِي الْأُضْحِيَةِ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْأَنْعَامِ وَهِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ سَوَاءٌ فِي ذَلِكَ جَمِيعُ أَنْوَاعِ الْإِبِلِ مِنَ الْبُخَاتِيِّ وَالْعِرَابِ وَجَمِيعُ أَنْوَاعِ الْبَقَرِ مِنَ الْجَوَامِيسِ وَالْعِرَابِ وَالدَّرْبَانِيَةِ'' ترجمہ: امام نووی نے المجموع میں فرمایا: قربانی میں جو جانور کفایت کرتا ہے اس کے لئے شرط ہے کہ وہ ''انعام'' کے

قبیل سے ہو اور اس سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہے۔ اس حکم میں اونٹ کی تمام اقسام یعنی بخاتی اور عربی اور گائے کی تمام انواع یعنی بھینسیں، عربی گائے اور دربانی وغیرہ شامل ہیں۔ (المجموع شرح المهذب، جلد8، صفحه393، دار الفكر، بيروت)

الموسوعہ فقہیہ کویتیہ میں الانعام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے "وهو اسم يتناول ثلاثة أنواع هى الإبل والبقر والغنم سواء أكانت البقر عرابا أم جواميس" ترجمہ: اور الانعام وہ اسم (لفظ) ہے جو تین قسموں یعنی اونٹ، گائے اور بکری کو شامل ہے برابر ہے وہ گائے عربی ہو یا بھینس ہو۔ (الموسوعه فقهيه كويتيه، جلد5، صفحه133، دار السلاسل، كويت)

تو معلوم ہوا کہ "الانعام" جس کی قربانی اللہ عزوجل نے جائز فرمائی اس میں بھینس بھی داخل ہے لہذا اس کی قربانی بھی درست ہے۔ کئی آثار میں اس کی صراحت ہے چنانچہ مسند الفردوس میں امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار دیلمی ہمدانی (المتوفی 509) روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "عن على بن ابى طالب :الجاموس تجزى عَن سَبعَة فِي الْأُضحِية" ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بھینس قربانی میں سات افراد کی طرف سے کافی ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب، باب الجيم، جلد2، صفحه124، دار الكتب العلميه، بيروت)

اسی طرح تابعین و تبع تابعین مثلاً حضرت عمر بن عبد العزیز، امام سفیان ثوری، امام مالک اور امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے چنانچہ المدونۃ میں مالک بن انس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنی (المتوفی 179ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قَالَ سُفْيَانُ وَمَالِكٌ: إنَّ الْجَوَامِيسَ مِنْ الْبَقَرِ .قَالَ ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ رَجُلٍ عَنْ الْحَسَنِ مِثْلَهُ" ترجمہ: امام سفیان ثوری اور امام مالک فرماتے ہیں کہ بھینس بھی گائے (کی قسم) میں سے ہے۔ ابن مہدی نے عبد الوارث بن سعید سے وہ ایک اور شخص سے اور وہ حسن بصری اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔

(المدونة، كتاب الزكاة الثانى ،زكاة البقر، جلد1، صفحه355، درا لكتب العلميه، بيروت)

مصنف عبد الرزاق میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے "عن الثورى، عن يونس قال--- وتحسب الجواميس مع البقر" ترجمہ: بھینس کو گائے کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔

(المصنف، كتاب الزكوة، باب البقر، جلد4، صفحه24، المجلس العلمى ،الهند)

الأموال لابن زنجویہ میں ابو احمد حمید بن مخلد بن قتیبۃ بن عبد اللہ الخرسانی المعروف بابن زنجویہ (المتوفی 251ھ) روایت کرتے ہیں "عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، كَتَبَ أَنْ تُؤْخَذَ، صَدَقَةُ الْجَوَامِيسِ كَمَا تُؤْخَذُ صَدَقَةُ الْبَقَرِ" ترجمہ: ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ بھینس میں بھی زکوۃ لی جائے گی جیسے گائے میں لی

جاتی ہے۔ (الأموال لابن زنجویه، جلد2، صفحه851، مرکز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية، السعودية)

مزید روایت کرتے ہیں "سُئِلَ عَطاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ عَنْ صَدَقَةِ الْجَوَامِيسِ، فَقَالَ: هِيَ بِمَنْزِلَةِ الْبَقَرِ" ترجمہ: عطاء خراسانی سے بھینس کی زکوٰۃ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ بمنزلہ گائے کے ہے۔

(الأموال لابن زنجویه، جلد2، صفحه851، مرکز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية، السعودية)

اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ بھینس بھی بقرۃ یعنی گائے کی جنس سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی ایک نوع وقسم ہے یعنی لفظِ بقرۃ گائے اور بھینس دونوں کو شامل ہے چنانچہ عربی زبان کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے "والجاموس: نَوْعٌ مِنَ البَقَر" ترجمہ: بھینس گائے کی ایک نوع (یعنی قسم) ہے۔ (لسان العرب، جلد6، صفحه43، دار صادر، بیروت)

تاج العروس میں ہے "الجَامُوسُ: نَوْعٌ من البَقَرِ" ترجمہ: بھینس گائے کی ایک نوع ہے۔

(تاج العروس، جلد15، صفحه513، دار الهدايه)

یونہی المعجم الوسیط میں ہے "(الجاموس) حَيَوَان أَهلِي من جنس الْبَقر" ترجمہ: بھینس ایک پالتو جانور ہے جو گائے کی جنس سے تعلق رکھتا ہے۔ (المعجم الوسيط، جلد1، صفحه134، دار الدعوة)

اسی طرح فقہاء کرام بھی بھینس کو گائے کی جنس سے ہی شمار کرتے ہیں چنانچہ ہدایہ اور اس کی شرح البنایہ میں ہے "(والثنی منها ومن المعز ابن سنة ومن البقر ابن سنتين ومن الإبل ابن خمس سنين ويدخل فی البقرة الجاموس؛ لأنه من جنسه) ... وقال فی خلاصة الفتاوى والجاموس يجوز فی الهدايا والضحايا استحسانا" ترجمہ: بھیڑ اور بکری میں سے ثنیہ جانور وہ ہوتا ہے جو ایک سال کا ہو جائے اور گائے وہ جو دو سال کی ہو جائے اور اونٹ وہ جو پانچ سال کا ہو جائے۔ اور گائے میں بھینس بھی داخل ہے کیونکہ بھینس بھی گائے کی جنس میں سے ہے۔ اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے: ہدی یا قربانی میں استحساناً بھینس بھی جائز ہے۔ (البنايه، كتاب الاضحيه، جلد 12، صفحه 48، دار الكتب العلميه، بيروت)

تمام مذاہب والوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ بھینس کی قربانی جائز ہے چنانچہ الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے "(الشرط الأول) وهو متفق عليه بين المذاهب أن تكون من الأنعام وهى الإبل عرابا كانت أو بخاتى والبقرة الأهلية ومنها الجواميس"، ترجمہ: قربانی کی پہلی شرط وہ ہے کہ جو تمام مذاہب میں متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کا جانور انعام (یعنی چوپایہ) کی قسم میں سے ہونا چاہیے اور وہ اونٹ ہے چاہے عربی ہو یا بخاتی، اور گھریلو (پالتو) گائے ہے جس میں بھینس بھی ہے۔ (الموسوعه الفقهيه كويتيه، جلد5، صفحه 81، دار السلاسل، كويت)

نیز بھینس کی قربانی جائز ہونے کا غیر مقلدین کے پیشوا خود بھی اعتراف کرتے ہیں چنانچہ ابن تیمیہ صاحب لکھتے ہیں "وَالْجَوَامِيسُ: بِمَنْزِلَةِ الْبَقَرِ حَكَى ابْنُ الْمُنْذِرِ فِيهِ الْإِجْمَاعَ "ترجمہ: بھینس بمنزلہ گائے ہیں۔ ابن منذر نے حکایت کی کہ اس میں اجماع ہے۔

(مجموع الفتاوی، جلد25، صفحہ37، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية)

مجموع فتاوی ورسائل فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین میں عثیمین صاحب فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں "الجاموس نوع من البقر۔ الجاموس ليس معروفًا عند العرب "ترجمہ: بھینس گائے کی قسم ہے۔ عرب میں بھینس معروف نہیں تھی۔

(مجموع فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين، جلد25، صفحه34، دار الوطن، دار الثريا)

فتاوی ثنائیہ میں ہے: "عرب کے لوگ بھینس کو بقر (گائے) میں داخل ہیں۔ تشریح: حجاز میں بھینس کا وجود ہی نہ تھا، پس اس کی قربانی نہ سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ تعامل صحابہ سے۔ ہاں اگر اس کو جنس بقر سے مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کا قیاس ہے (کما فی الھدایہ) یا عموم "بھیمۃ الانعام" پر نظر ڈالی جائے تو حکم جواز قربانی کے لئے علت کافی ہے۔"

(فتاوی ثنائیہ، جلد1، صفحہ810، ماخوذ از قربانی، صفحہ183، اویسی بک اسٹال، گوجرانوالہ)

حافظ محمد گوندلوی صاحب سے بھینس کی قربانی کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے کہا: "بھینس بھی بقر میں شامل ہے۔ اس کی قربانی جائز ہے۔"

(ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور، ستمبر 1968ء)

وہابیوں کی ویب سائیٹ پر ہے:

کیا بھینس کی قربانی جائز ہے؟

شروع از M Aamir بتاریخ 04 June 2013 08:15 AM

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا بھینس کی قربانی جائز ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحۃ السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد! جائز ہے کیونکہ بھینس اور گائے کا ایک ہی حکم ہے۔ (فتاوی ستاریہ جلد3، ص2)

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد 13،ص 47

محدث فتویٰ

(http://www.urdufatwa.com/index.php?/Knowledgebase/Article/View/3407/0/)

# ☆۔۔۔۔کتاب الحدود۔۔۔۔☆

## محرم سے نکاح کرنے پر حد

احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی محرم عورت (جیسے بہن، ماں، بھانجی، بھتیجی) سے نکاح کر لے تو اس پر شرعی حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔اس پر شرعی حد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا خبیث فعل ہے کہ حد سے بھی پاک نہیں ہوگا۔حدود تو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے رکھی گئی ہیں۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا:''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محرماتِ ابدی یعنی ماں، بہن وغیرہ سے جو جان بوجھ کر نکاح اور صحبت کرے تو اس پر حدِ شرعی نہیں آتی۔یہ مسئلہ ہدایہ، جلد نمبر 1، ص 496، کنز اردو، ص 175، ہدایہ مترجم فارسی، جلد 2، ص 34، میں ہے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟''

جواباً فرماتے ہیں:''گناہ تین قسم کے ہیں:

ایک ہلکے کہ حد کی حد تک نہ پہنچے، جیسے اجنبیہ سے بوس و کنار، ان پر حد مقرر نہیں ہوگی کہ ان کی مقدار سے زیادہ ہے اور مولیٰ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کسی مجرم کو اس کی حدِ جرم سے زیادہ سزا دے۔ایسے گناہوں پر تعزیر رکھی جاتی ہے۔

دوسرے وہ اخبث درجہ کے گناہ کہ حد کی حد سے گزرے ہوئے ہیں جیسے صورۃ مذکورہ سوال۔ان پر بھی حد نہیں رکھی جاتی کہ حد اس گناہ سے پاک کر دینے کی ہوتی ہے اور ایسا خبیث گناہ اس حد سے پاک نہیں ہوتا۔

تیسرے متوسط درجہ، ان پر حدود ہیں۔اس کی نظیر پیشاب اور شراب، پیشاب شراب سے خبیث تر ہے کہ کبھی شریعت میں اس کی ایک بوند حلال یا طاہر نہ ٹھہر سکی، بایں وجہ شراب پینے پر حد ہے اور پیشاب پینے پر حد نہیں، یونہی اجنبیہ سے زنا پر حد ہے اور محارم سے نکاح پر نہیں کہ وہ خبیث کام ہے جسے حد سنبھال نہیں سکتی، واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 13، صفحہ 625، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

الجوہرۃ النیرۃ میں ابو بکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی الزَّبِیدِیّ الیمنی الحنفی (المتوفی 800ھ) فرماتے ہیں "قَوْلُهُ: (وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا فَوَطِئَهَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْحَدُّ) وَيُعَزَّرُ إنْ كَانَ يَعْلَمُ ذَلِكَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا يُحَدُّ إذَا كَانَ عَالِمًا بِذَلِكَ لِأَنَّهُ عَقْدٌ لَمْ يُصَادِفْ مَحِلَّهُ فَيَلْغُو وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَيْسَ بِزِنًا لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يُبِحْ الزِّنَا فِي شَرِيعَةِ أَحَدٍ مِنْ الْأَنْبِيَاءِ وَقَدْ أَبَاحَ نِكَاحَ ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ فِي شَرِيعَةِ بَعْضِ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّمَا عُزِّرَ لِأَنَّهُ أَتَى مُنْكَرًا" ترجمہ: یہ قول کہ جو ایسی عورت سے نکاح کرے جس سے نکاح حلال نہیں اور مرد نے اس عورت سے صحبت کر لی تو

اس پر حد واجب نہیں ۔اسے تعزیراسزا دی جائے گی اگروہ اس کے ناجائز ہونے کو جانتا ہو۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک اس پر حد ہے جبکہ وہ اس کی حرمت کو جانتا ہو اسلئے کہ یہ ایسا عقد ہے جو اپنے صحیح محل میں پایا نہیں گیا تو یہ عقد لغو ہوا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ زنا نہیں ہے اسلئے یہ زنا کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں تھا البتہ محارم سے نکاح بعض انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں جائز تھا تو ایسے شخص کو تعزیراسزا دی جائے گی کہ اس نے غیر شرعی فعل کیا۔

(الجوہرة النیرة، کتاب الحدود، جلد2، صفحہ155، المطبعة الخیریة)

وہابیوں کے نزدیک جو کوئی محارم سے نکاح کرلے تو اس پر حد جاری ہوگی۔ وہابیوں کی دلیل سنن نسائی کی یہ حدیث پاک ہے "أَخبَرَنَا أَحمَدُ بنُ عُثمَانَ بنِ حَکِیمٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو نُعَیمٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا الحَسَنُ بنُ صَالِحٍ، عَنِ السُّدِّیِّ، عَن عَدِیِّ بنِ ثَابِتٍ، عَنِ البَرَاءِ، قَالَ:لَقِیتُ خَالِی وَمَعَهُ الرَّایَةُ، فَقُلتُ:أَینَ تُرِیدُ؟ قَالَ:أَرسَلَنِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ إِلَی رَجُلٍ تَزَوَّجَ امرَأَةَ أَبِیهِ مِن بَعدِهِ أَن أَضرِبَ عُنُقَهُ، أَو أَقتُلَهُ" ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں سے ملاقات کی تو ان کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے عرض کیا کہ تم کس طرف جارہے ہو انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اس قسم کے شخص کی گردن اتارنے کے واسطے روانہ فرمایا ہے کہ جس نے اپنے والد کی وفات کے بعد اس کی اہلیہ سے نکاح کرلیا ہے۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب النکاح، نکاح ما نکح الآباء، جلد6، صفحہ109، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

احناف کے نزدیک اس حدیث پاک میں شرعی حد نہیں لگائی گئی بلکہ یہ بطور تعزیر قتل کیا گیا یا اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ اس مرد نے سوتیلی ماں سے نکاح کو حلال سمجھا اور سوتیلی ماں سے نکاح کو حلال سمجھنا قطعی کفر ہے جس کا قائل مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ ورنہ زنا کی سزا قتل نہیں بلکہ رجم کرنا ہے۔ شرح معانی الآثار میں ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا فَهدٌ قَالَ: ثنا أَبُو نُعَیمٍ قَالَ: سَمِعتُ سُفیَانَ یَقُولُ فِی رَجُلٍ تَزَوَّجَ ذَاتَ مَحرَمٍ مِنهُ فَدَخَلَ بِهَا قَالَ: لَا حَدَّ عَلَیهِ. وَکَانَ مِنَ الحُجَّةِ عَلَی الَّذِینَ احتَجُّوا عَلَیهِمَا بِمَا ذَکَرنَا أَنَّ فِی تِلکَ الآثَارِ أَمرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ بِالقَتلِ وَلَیسَ فِیهَا ذِکرُ الرَّجمِ، وَلَا ذِکرُ إِقَامَةِ الحَدِّ. وَقَد أَجمَعُوا جَمِیعًا أَنَّ فَاعِلَ ذَلِکَ لَا یَجِبُ عَلَیهِ قَتلٌ إِنَّمَا یَجِبُ عَلَیهِ فِی قَولِ مَن یُوجِبُ عَلَیهِ الحَدَّ عَلَیهِ الرَّجمُ إِن کَانَ مُحصَنًا. فَلَمَّا لَم یَأمُرِ النَّبِیُّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ الرَّسُولَ بِالرَّجمِ، وَإِنَّمَا أَمَرَهُ بِالقَتلِ ثَبَتَ بِذَلِکَ أَنَّ ذَلِکَ القَتلَ لَیسَ بِحَدٍّ لِلزِّنَا، وَلَکِنَّهُ لِمَعنًی خِلَافَ ذَلِکَ. وَهُوَ أَنَّ ذَلِکَ المُتَزَوِّجَ، فَعَلَ مَا فَعَلَ مِن ذَلِکَ عَلَی الِاستِحلَالِ کَمَا کَانُوا

يَفْعَلُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَصَارَ بِذَلِكَ مُرْتَدًّا، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُفْعَلَ بِهِ مَا يُفْعَلُ بِالْمُرْتَدِّ. وَهَكَذَا كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ وَسُفْيَانُ رَحِمَهُمَا اللهُ، يَقُولَانِ فِي هَذَا الْمُتَزَوِّجِ إِذَا كَانَ أَتَى فِي ذَلِكَ عَلَى الِاسْتِحْلَالِ أَنَّهُ يُقْتَلُ. فَإِذَا كَانَ لَيْسَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ مَا يَنْفِي مَا يَقُولُ أَبُو حَنِيفَةَ وَسُفْيَانُ، لَمْ يَكُنْ فِيهِ حُجَّةٌ عَلَيْهِمَا" ترجمہ: ابونعیم نے کہا میں نے حضرت سفیان ثوری سے سنا کہ آپ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے اپنی محرم عورت سے نکاح کیا اور صحبت کر لی تو آپ نے جوابا فرمایا: اس پر حد نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں پر حجت ہے جو اس اثر سے دلیل پکڑتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جبکہ اس میں رجم کا ذکر نہیں اور نہ ہی اس پر زنا کی حد لگائی گئی۔ اس پر سب کا اجماع ہے سزا کرنے والا اگر شادی شدہ ہے تو اس کو رجم کیا جائے نہ کہ قتل۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کا نہیں بلکہ قتل کرنے کا حکم دیا تو ثابت ہوا کہ یہ زنا کی حد نہیں بلکہ اس مطلب کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ شادی کرنے والے نے اس حرام فعل کو حلال سمجھا جیسا کہ جاہلیت کے دور میں مشرکین سمجھتے تھے تو یہ اس سبب مرتد ہو گیا اس لئے حضور علیہ السلام نے اس کے ساتھ وہ کیا جو مرتد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو محارم سے نکاح کو حلال سمجھتے اسے قتل کیا جائے گا۔ جب نسائی شریف کی حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری کے قول کی نفی نہیں تو یہ حدیث ان پر حجت نہیں ہے۔ (شرح معانی الآثار، کتاب الحدود، باب: من تزوج امرأة أبيه أو ذات محرم منه فدخل بها، جلد3، صفحه148، عالم الكتب)

## لواطت کی سزا

احناف کے نزدیک لواطت کی کوئی حد احادیث وآثار میں متعین نہیں ہے۔ احادیث وآثار میں مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ابن ماجۃ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی 273ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَاصِمُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ قَالَ: ارْجُمُوا الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلَ، ارْجُمُوهُمَا جَمِيعًا (حكم الألباني) حسن لغيره" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم لوط والا عمل کرنے والے کے متعلق فرمایا: اسے بلندی سے نیچے پھینک دو اور اس پر پتھر مارو۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، جلد2، صفحه856، دار إحياء الكتب العربية، الحلبي)

معرفۃ السنن وآثار اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے 'حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غَسَّانُ بْنُ مُضَرَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ

یَزِیدَ، عَنْ أَبِی نَضْرَةَ، قَالَ: سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا حَدُّ اللُّوطِیِّ؟، قَالَ: یُنْظَرُ أَعْلَی بِنَاءٍ فِی الْقَرْیَةِ فَیُرْمَی بِهِ مُنَكَّسًا، ثُمَّ یُتْبَعُ بِالْحِجَارَةِ" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوطی کی سزا کے متعلق فرمایا: اسے آبادی کی سب سے اونچی جگہ سے اوندھا نیچے گرادیا جائے اور پھر اس پر پتھر مارے جائیں۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الحدود، فی اللوطی حد کحد الزانی، جلد5، صفحہ496، مکتبة الرشد، الریاض)

بعض صحابہ کرام کے نزدیک شادی شدہ ہو تو رجم ہے ورنہ نہیں اور حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ وعلماء کے نزدیک مطلقا رجم ہے۔ السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "وَأَخْبَرَنَا أَبُو سَعِیدِ بْنُ أَبِی عَمْرٍو، ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ یَعْقُوبَ، أنبأ الرَّبِیعُ، قَالَ: قَالَ الشَّافِعِیُّ: عَنْ رَجُلٍ، عَنِ ابْنِ أَبِی ذِئْبٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ الْوَلِیدِ، عَنْ یَزِیدَ، أُرَاهُ ابْنَ مَذْكُورٍ، أَنَّ عَلِیًّا، رَضِیَ اللهُ عَنْهُ رَجَمَ لُوطِیًّا قَالَ الشَّافِعِیُّ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ یُرْجَمُ اللُّوطِیُّ مُحْصَنًا كَانَ أَوْ غَیْرَ مُحْصَنٍ، وَهَذَا قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: وَسَعِیدُ بْنُ الْمُسَیِّبِ یَقُولُ: السُّنَّةُ أَنْ یُرْجَمَ اللُّوطِیُّ، أُحْصِنَ أَوْ لَمْ یُحْصَنْ، وَعِكْرِمَةُ یَرْوِیهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، یَعْنِی مَا ذَكَرْنَاهُ" ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لواطت کرنے والے کو رجم کیا۔ امام شافعی نے فرمایا اسی کو ہم لیتے ہیں کہ لواطت کرنے والے کو رجم کیا جائے، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ لوطی چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اسے رجم کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(السنن الکبری، کتاب الحدود، باب ما جاء فی حد اللوطی، جلد8، صفحہ 404، دار الکتب العلمیة، بیروت)

دوسری روایت میں ہے "وَأَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ، وَأَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِیمَ الْفَارِسِیُّ، قَالَا: ثنا أَبُو عَمْرِو بْنُ مَطَرٍ، ثنا إِبْرَاهِیمُ بْنُ عَلِیٍّ، ثنا یَحْیَی بْنُ یَحْیَی، أنبأ عَبْدُ الْعَزِیزِ بْنُ أَبِی حَازِمٍ، أنبأ دَاوُدُ بْنُ بَكْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ، أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیدِ، كَتَبَ إِلَی أَبِی بَكْرٍ الصِّدِّیقِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا فِی خِلَافَتِهِ یَذْكُرُ لَهُ أَنَّهُ وَجَدَ رَجُلًا فِی بَعْضِ نَوَاحِی الْعَرَبِ یُنْكَحُ كَمَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُمْ عَنْ ذَلِكَ، فَكَانَ مِنْ أَشَدِّهِمْ یَوْمَئِذٍ قَوْلًا عَلِیُّ بْنُ أَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ هَذَا ذَنْبٌ لَمْ تَعْصِ بِهِ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ إِلَّا أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ، صَنَعَ اللهُ بِهَا مَا قَدْ عَلِمْتُمْ، نَرَی أَنْ

نُحَرِّقَهُ بِالنَّارِ، فَاجْتَمَعَ رَأْيُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنْ يُحَرِّقَهُ بِالنَّارِ، فَكَتَبَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ يَأْمُرُهُ أَنْ يُحَرِّقَهُ بِالنَّارِ هَذَا مُرْسَلٌ" ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مبارک میں انہیں خط لکھا ہے کہ بعض نواحی عرب میں مرد مرد سے وطی کرتے ہیں جیسے عورت سے کی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو جمع کیا اور اس مسئلہ کے بارے میں مشورہ کیا تو سب سے سخت قول حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا کہ یہ ایسا گناہ ہے جو ایک امت کے علاوہ کسی امت نے نہیں کیا ہے اور اس قوم لوط کے ساتھ جو اللہ عزوجل نے کیا وہ آپ سب جانتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے اتفاق کرلیا کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً حضرت خالد بن ولید کو خط لکھا کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے۔ یہ روایت مرسل ہے۔

(السنن الکبری، کتاب الحدود، باب ما جاء فی حد اللوطی، جلد8، صفحہ405، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک لواطت کرنے والے اور کروانے والے کی سزا یہ ہے کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الفَاعِلَ وَالمَفْعُولَ بِهِ" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے تم قوم لوط والا عمل (یعنی لواطت کرتے) پاؤ تو کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دو۔

(سنن الترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء فی حد اللوطی، جلد3، صفحہ109، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

احناف نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان لواطت کی حد کی تعیین کے لئے نہیں ہے بلکہ بطور سیاست تھا یا جو لواطت کو جائز سمجھے اس کے لئے تھا۔ فقہائے احناف نے فرمایا ہے کہ حاکم اسلام لواطت کرنے اور کروانے والے کو جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے، اگر کوئی شخص لواطت سے باز نہیں آتا تو حاکم اسلام اسے تعزیراً قتل بھی کرسکتا ہے اور جو لواطت کو جائز سمجھے وہ کافر ہو جائے گا۔ العنایۃ شرح الہدایۃ میں محمد بن محمد بن محمود الرومی البابرتی (المتوفی 786ھ) فرماتے ہیں "(وَمَا رَوَاهُ) مِنْ قَتْلِهِمَا أَوْ رَجْمِهِمَا (مَحْمُولٌ عَلَى السِّيَاسَةِ أَوْ عَلَى الْمُسْتَحِلِّ) لِلْكُفْرِ بِذَلِكَ (إلَّا أَنَّهُ يُعَزَّرُ عِنْدَهُ) أَيْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ" ترجمہ: جن دو احادیث میں قتل اور رجم کا فرمایا گیا ہے وہ محمول ہیں سیاست پر یا جو لواطت کو حلال سمجھے تو کفر کرنے کی وجہ سے اسے قتل کیا جائے گا ورنہ لواطت کرنے والے کو امام ابوحنیفہ کے نزدیک تعزیراً سزا دی جائے گی۔

(العناية شرح الهداية، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه، جلد5، صفحه262، دار الفكر، بيروت)

بہارِ شریعت میں صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اغلام یعنی پیچھے کے مقام میں وطی کی تو اس کی سزا یہ ہے اس کے اوپر دیوار گرادیں یا اونچی جگہ سے اُسے اوندھا کر کے گرائیں اور اُس پر پتھر برسائیں یا اُسے قید میں رکھیں یہاں تک کہ مرجائے یا توبہ کرے یا چند بار ایسا کیا ہو تو بادشاہ اسلام اُسے قتل کر ڈالے۔ الغرض یہ فعل نہایت خبیث ہے بلکہ زنا سے بھی بدتر ہے اسی وجہ سے اس میں حد نہیں کہ بعضوں کے نزدیک حد قائم کرنے سے اُس گناہ سے پاک ہو جاتا ہے اور یہ اتنا برا ہے کہ جب تک توبہ خالصہ نہ ہو اس میں پاکی نہ ہوگی اور اغلام کو حلال جاننے والا کافر ہے یہی مذہب جمہور ہے۔''

(بہارِ شریعت، جلد2، حصہ9، صفحہ380، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

## جانور سے وطی کرنے کی سزا

احناف کے نزدیک جانور سے وطی کرنے والے پر کوئی شرعی حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، أَنَّ شَرِيكًا، وَأَبَا الْأَحْوَصِ، وَأَبَا بَكْرِ بْنَ عَيَّاشٍ حَدَّثُوهُمْ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي رَزِينٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَيْسَ عَلَى الَّذِي يَأْتِي الْبَهِيمَةَ حَدٌّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَا قَالَ عَطَاءٌ، وَقَالَ الْحَكَمُ: أَرَى أَنْ يُجْلَدَ، وَلَا يُبْلَغَ بِهِ الْحَدَّ وَقَالَ الْحَسَنُ: هُوَ بِمَنْزِلَةِ الزَّانِي قَالَ أَبُو دَاوُدَ: حَدِيثُ عَاصِمٍ يُضَعِّفُ حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو (حكم الألباني) حسن" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے جانور سے وطی کرنے والے پر حد نہیں۔ ابوداؤد نے فرمایا اسی طرح عطاء نے فرمایا ہے۔ حکم نے کہا میں کہتا ہوں ایسے کو کوڑے مارے جائیں اور اتنے کوڑے مارے جائیں جو حد تک نہ پہنچیں۔ حسن بصری نے فرمایا: ایسا شخص زانی کی طرح ہے۔ ابوداؤد نے فرمایا: حدیث عاصم حدیث عمر و بن ابی عمرو کو ضعیف کرتی ہے۔ البانی نے اس کو حسن کہا۔

(سنن أبى داود، كتاب الحدود، باب فيمن أتى بهيمة، جلد4، صفحه159، المكتبة العصرية، بيروت)

جامع ترمذی میں محمد بن عیسی الترمذی ابوعیسی (المتوفی 279ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي رُزَيْنٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَتَى بَهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ حَدَّثَنَا بِذَلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَهَذَا أَصَحُّ مِنَ الحَدِيثِ الأَوَّلِ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جانور کے ساتھ وطی کرنے والے پر حد نہیں۔ اسی طرح سفیان ثوری سے مروی ہے اور یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور اس پر اہل علم کا

عمل ہے اور یہی امام احمد بن حنبل اور اسحاق کا قول ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء فیمن یقع علی البهیمة، جلد3، صفحه109، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، فِي الَّذِي يَأْتِي الْبَهِيمَةَ، قَالَ: يُعَزَّرُ" ترجمہ: حضرت عطا نے فرمایا کہ جانور سے وطی کرنے والے کو تعزیراً سزا دی جائے گی۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الحدود، من قال: لا حد علی من أتی بهیمة، جلد 5، صفحه512، مکتبة الرشد، الریاض)

تیسری روایت ثقہ راویوں سے مروی ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: لَيْسَ عَلَى مَنْ أَتَى بَهِيمَةً حَدٌّ" ترجمہ: حضرت عمر نے فرمایا: جانور سے وطی کرنے والے پر حد نہیں۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الحدود، من قال: لا حد علی من أتی بهیمة، جلد 5، صفحه513، مکتبة الرشد، الریاض)

چوتھی روایت صحیح سند کے ساتھ ہے میں ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: مَنْ أَتَى بَهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ" ترجمہ: حضرت ابراہیم نے فرمایا: جانور سے وطی کرنے والے پر حد نہیں۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الحدود، من قال: لا حد علی من أتی بهیمة، جلد 5، صفحه513، مکتبة الرشد، الریاض)

وہابیوں کے نزدیک جانور سے وطی کرنے والے کو بطور حد قتل کیا جائے گا۔ وہابی مولوی لکھتا ہے: "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من وجدتموه وقع على بهيمة فاقتلوه، واقتلوا البهيمة، فقيل لابن عباس: ما شأن البهيمة؟ قال: ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك شيئا، ولكن أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم كره أن يؤ كل من لحمها، أو ينتفع بها" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو دیکھو تم کہ اس نے جانور سے بدفعلی کی ہے تو اس آدمی کو اور اس چوپائے کو قتل کردو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ جانور کا کیا جرم ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کے متعلق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو کچھ نہیں سنا مگر میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے کوئی نفع حاصل کیا جائے۔

یہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانور سے بدفعلی کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے مگر فقہ حنفی کہتی ہے "من وطی بهيمة فلا حد عليه" جو شخص چوپائے (جانور) سے وطی کرے اس پر کوئی حد نہیں۔ قارئین غور

فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے بدنصیب شخص کے متعلق جو جانور سے وطی کرے اس کے قتل کرنے کا حکم دیں مگر فقہ حنفی کہے کہ اس پر حد نہیں ہے۔اب آپ ہی حنفی دوستوں سے پوچھیں کہ عمل حدیث پر کیا جائے گا یا کہ فقہ حنفی پر۔''

(احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف، صفحہ 395، ادارہ تحفظِ افکارِ اسلام، شیخوپورہ)

وہابی صاحب! الحمدللہ عزوجل احناف تمام احادیث کو مدنظر رکھ کر صحیح اور قابل ترجیح احادیث پر عمل کرنے والے ہیں آپ کی طرح مطلب کی حدیث پر عمل کرنے والے نہیں ہیں۔جس حدیث پاک میں جانور کے ساتھ وطی کرنے والے پر قتل کا حکم ہے یہ اس صورت میں جب کوئی معاذ اللہ اسے حلال سمجھ کر کرے۔المبسوط میں ہے ”لَیْسَ عَلٰی وَاطِءِ الْبَھِیمَۃِ حَدٌّ عِنْدَنَا، وَلٰکِنَّہُ یُعَزَّرُ، وَمِنْ النَّاسِ مَنْ أَوْجَبَ عَلَیْہِ الْحَدَّ لِحَدِیثٍ رُوِیَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَتٰی بَھِیمَۃً فَاقْتُلُوہُ، وَلٰکِنَّ الْحَدِیثَ شَاذٌّ لَا یَثْبُتُ الْحَدُّ بِمِثْلِہٖ، وَلَوْ ثَبَتَ فَتَأْوِیلُہُ فِی حَقِّ مَنْ اسْتَحَلَّ ذٰلِکَ الْفِعْلَ، ثُمَّ لَیْسَ لِفَرْجِ الْبَھِیمَۃِ حُکْمُ الْفَرْجِ حَتّٰی لَا یَجِبُ سَتْرُہُ وَالْإِیلَاجُ فِیہِ بِمَنْزِلَۃِ الْإِیلَاجِ فِی کُوزٍ أَوْ کُوَّۃٍ، وَلِھٰذَا قُلْنَا أَنَّہُ لَا تَنْتَقِضُ طَھَارَتُہُ بِنَفْسِ الْإِیلَاجِ مِنْ غَیْرِ إنْزَالٍ، وَلِأَنَّ الْحَدَّ مَشْرُوعٌ لِلزَّجْرِ، وَلَا یَمِیلُ طَبْعُ الْعُقَلَاءِ إلَی إتْیَانِ الْبَھِیمَۃِ، فَإِنَّھَا لَیْسَتْ بِمُشْتَھَاۃٍ فِی حَقِّ بَنِی آدَمَ وَقَضَاءُ الشَّھْوَۃِ یَکُونُ مِنْ غَلَبَۃِ الشَّبَقِ أَوْ فَرْطِ السَّفَہِ، کَمَا یَحْصُلُ قَضَاءُ الشَّھْوَۃِ بِالْکَفِّ وَالْأَلْیَۃِ، وَلٰکِنَّہُ یُعَزَّرُ لِارْتِکَابِہٖ مَا لَا یَحِلُّ. (قَالَ) فِی الْأَصْلِ بَلَغَنَا عَنْ عَلِیِّ بْنِ أَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ أَنَّہُ أُتِیَ بِرَجُلٍ أَتٰی بَھِیمَۃً فَلَمْ یُحِدَّہُ وَأَمَرَ بِالْبَھِیمَۃِ فَذُبِحَتْ وَأُحْرِقَتْ بِالنَّارِ“ ترجمہ: ہمارے نزدیک چوپائے سے وطی کرنے والے پر حد نہیں بلکہ اسے تعزیرا سزا دی جائے گی اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اس پر حد ہوگی اس حدیث کے سبب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو چوپائے سے وطی کرے اسے قتل کردو۔لیکن یہ حدیث شاذ ہے اس سے حد ثابت نہیں ہوتی کسی مثال کے ساتھ۔اگر حدیث ثابت بھی ہو تو اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ اس شخص کے لئے جو چوپائے سے وطی کو حلال سمجھے۔پھر چوپائے کی شرمگاہ انسانوں کی شرمگاہ کی طرح نہیں ہے۔کیونکہ چوپائے اپنی شرمگاہ کو چھپا نہیں سکتے اور چوپائے کی شرمگاہ میں دخول کرنا ایسے ہے جیسے کوزہ یا روشندان میں داخل کرنا ہے، اسی لئے ہم احناف نے کہا کہ چوپائے کی شرمگاہ میں دخول سے غسل فرض نہیں ہوگا جب تک انزال نہ ہو۔حد زجر کے لئے مشروع ہے اور عقلاء کی طبیعت پسند نہیں کرتی چوپائے سے وطی کرنے کو کیونکہ بنی آدم کے حق میں چوپایا کی شرمگاہ شہوت والی نہیں ہے اور قضائے شہوت اس وقت نکالی جاتی ہے جب شہوت کا غلبہ ہو یا جہالت میں آگے بڑھنے سے جیسا کہ قضائے شہوت مشت زنی یا پیٹھ کے ساتھ پوری کی جاتی ہے۔لیکن جو چوپائے کے ساتھ وطی کرے اسے تعزیرا سزا دی جائے گی جب تک کہ وہ اسے حلال نہ سمجھے۔اصل میں ہم تک حضرت علی المرتضی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے پاس ایسا شخص لایا گیا جس نے چوپائے سے وطی کی تھی تو آپ نے اس پر حد جاری نہ کی اور چوپائے کے متعلق حکم دیا کہ جانور ذبح کر کے اسے جلا دو۔
(المبسوط، کتاب الحدود، واطء البهيمة، جلد9، صفحه102، دار المعرفة، بيروت)

## حد اور جلاوطنی

احناف کے نزدیک زانی جو شادی شدہ نہ ہو اس کی سزا صرف سو کوڑے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے ﴿اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ترجمہ کنز الایمان: جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔
(سورة النور، سورة24، آيت2)

وہابیوں کے نزدیک سو کوڑوں کے ساتھ جلاوطنی بھی دی جائے گی۔ وہابیوں کی دلیل بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الجُهَنِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصَنْ: جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ"
ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ وہ باکرہ عورت کو سو کوڑے مارتے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا دیتے۔
(صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب البكران يجلدان وينفيان، جلد8، صفحه 171، دار طوق النجاة، مصر)

احناف کے نزدیک جلاوطنی حد میں داخل نہیں بلکہ حاکم اگر مناسب سمجھے تو وہ حکمت عملی کے سبب زانی کو جلاوطن کر سکتا ہے۔ جلاوطنی کو حد میں داخل کرنا قرآنی حکم پر زیادتی ہوگی اور خبر واحد کے ذریعے قرآنی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ بدائع الصنائع میں علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "(وَلَنَا) قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ وَالِاسْتِدْلَالُ بِهِ مِنْ وَجْهَيْنِ: أَحَدُهُمَا أَنَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَمَرَ بِجَلْدِ الزَّانِيَةِ وَالزَّانِي، وَلَمْ يَذْكُرْ التَّغْرِيبَ، فَمَنْ أَوْجَبَهُ فَقَدْ زَادَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ نَسْخٌ، وَلَا يَجُوزُ نَسْخُ النَّصِّ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ، وَالثَّانِي أَنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى جَعَلَ الْجَلْدَ جَزَاءً، وَالْجَزَاءُ اسْمٌ لِمَا تَقَعُ بِهِ الْكِفَايَةُ مَأْخُوذٌ مِنْ الِاجْتِزَاءِ وَهُوَ الِاكْتِفَاءُ فَلَوْ أَوْجَبْنَا التَّغْرِيبَ لَا تَقَعُ الْكِفَايَةُ بِالْجَلْدِ، وَهَذَا خِلَافُ النَّصِّ؛ لِأَنَّ التَّغْرِيبَ تَعْرِيضٌ لِلْمُغَرَّبِ عَلَى الزِّنَا؛ لِأَنَّهُ مَا دَامَ فِي بَلَدِهِ يَمْتَنِعُ عَنْ الْعَشَائِرِ وَالْمَعَارِفِ حَيَاءً مِنْهُمْ، وَبِالتَّغْرِيبِ يَزُولُ هَذَا الْمَعْنَى فَيَعْرَى الدَّاعِي عَنْ الْمَوَانِعِ فَيُقْدِمُ عَلَيْهِ، وَالزِّنَا قَبِيحٌ فَمَا أَفْضَى إلَيْهِ مِثْلُهُ، وَفِعْلُ الصَّحَابَةِ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُمْ رَأَوْا ذَلِكَ مَصْلَحَةً عَلَى طَرِيقِ التَّعْزِيرِ، أَلَا يُرَى أَنَّهُ رُوِيَ عَنْ سَيِّدِنَا عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ نَفَى رَجُلًا فَلَحِقَ بِالرُّومِ

فَقَالَ:لَا أَنْفِی بَعْدَهَا أَبَدًا .وَعَنْ سَيِّدِنَا عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كَفَى بِالنَّفْيِ فِتْنَةً فَدَلَّ أَنَّ فِعْلَهُمْ كَانَ عَلَى طَرِيقِ التَّعْزِيرِ، وَنَحْنُ بِهِ نَقُولُ:إِنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَنْفِيَ إِنْ رَأَى الْمَصْلَحَةَ فِي التَّغْرِيبِ، وَيَكُونُ النَّفْيُ تَعْزِيرًا لَا حَدًّا، وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى "یعنی ہماری دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ اس آیت سے استدلال دو وجوہ سے ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے زانی اور زانیہ کو کوڑے مارنے کا کہا، جلاوطنی کا ذکر نہیں کیا۔ جو جلاوطنی کو واجب کرے تو اس نے کتاب للہ پر زیادتی کی اور یہ زیادتی نسخ ہوگی اور خبر واحد سے قرآن کے حکم کا منسوخ نہیں ہوسکتا۔ دوسرا یہ کہ اللہ عزوجل نے کوڑے کو سزا بنایا اور جب کوڑے کی سزا دی گئی تو یہ کفایت کرے گی اور ہم جلاوطنی کو واجب کردیں تو کوڑے کی سزا ناکافی ہوگی اور یہ خلافِ نص ہے۔ جس انسان پر زنا کی حد جاری ہوئی ہو وہ اپنے شہر میں حیا کے طور پر دیگر گناہوں سے بچے گا، اگر اسے شہر بدر کردیا جائے گا تو یہ اسے پھر زنا پر پیش کرنا ہے تو جس طرح زنا قبیح فعل ہے اسی طرح اس کے اسباب بھی قبیح ہیں۔

صحابہ کرام کا عمل اس پر محمول ہے کہ وہ بطور مصلحت جلاوطنی کرتے تھے، دیکھا نہیں کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جلاوطن کیا تو وہ مرتد ہو کر روم کے ساتھ مل گیا۔ آپ نے فرمایا: آج کے بعد میں کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جلاوطنی فتنہ کے لئے کافی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا جلاوطنی کرنا بطور تعزیر تھا اور یہی ہم کہتے ہیں کہ امام اگر مصلحت دیکھے تو وہ جلاوطن کرسکتا ہے اور یہ جلاوطنی تعزیر ہوگی نہ کہ حد۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الحدود، فصل فی أنواع الإحصان، جلد7، صفحہ39، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے "(إِلَّا أَنْ يَرَاهُ الْإِمَامُ مَصْلَحَةً فَيَفْعَلُهُ بِمَا يَرَاهُ) فَيَكُونُ سِيَاسَةً وَتَعْزِيرًا لَا حَدًّا، وَهُوَ تَأْوِيلُ مَا رُوِيَ مِنَ التَّغْرِيبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ نَفَى رَجُلًا فَلَحِقَ بِالرُّومِ فَقَالَ:لَا أَنْفِي بَعْدَهَا أَحَدًا؛ وَلَوْ كَانَ النَّفْيُ حَدًّا لَمْ يَجُزْ تَرْكُهُ، قَالَ تَعَالَى ﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ فَدَلَّ أَنَّهُ كَانَ سِيَاسَةً وَتَعْزِيرًا، وَلِأَنَّهُ لَوْ كَانَ حَدًّا لَاشْتَهَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ كَسَائِرِ الْحُدُودِ، وَلَوِ اشْتَهَرَ لَمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ؛ وَقَدِ اخْتَلَفُوا لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ قَوْلِ عَلِيٍّ وَرُجُوعِ عُمَرَ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ بِحَدٍّ" ترجمہ: اگر امام جلاوطنی میں مصلحت دیکھے تو جلاوطن کردے تو یہ جلاوطنی کرنا سیاسۃً اور تعزیراً ہوگا نہ کہ حد اور یہی تاویل ہے اس حدیث کی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے اور

حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جلاوطن کیا تو وہ روم کے ساتھ مل گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں آج کے بعد کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ اگر جلاوطنی حد ہوتی تو حضرت عمر فاروق کبھی بھی اس کو ترک نہ کرتے۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر۔ تو ثابت ہوا کہ یہ جلاوطنی کی سزا سیاسۃً اور تعزیرا ہے۔ اگر یہ حد ہوتی تو ضرور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں مشہور ہوتی جیسے بقیہ حدود مشہور ہیں اور اگر یہ مشہور ہوتی تو اس میں اختلاف نہ ہوتا جبکہ اس میں اختلاف ہے جیسا کہ پیچھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش کیا گیا اور حضرت عمر فاروق نے اس سے رجوع کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جلاوطنی حد نہیں ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الحدود، فصل حد الزنا، جلد4، صفحہ86، مطبعة الحلبی، القاہرة)

## شادی شدہ کی سزا سو کوڑے اور رجم

احناف کے نزدیک رجم کے ساتھ کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَاذَانُ، وَعَفَّانُ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ وَلَمْ يَذْكُرْ جَلْدًا" ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماعز بن مالک کو رجم کیا اور کوڑے نہ لگائے۔

(الکتاب المصنف في الأحادیث والآثار، کتاب الحدود، فی البکر والثیب، ما یصنع بہما إذا فجرا؟، جلد 5، صفحہ 541، مکتبة الرشد، الریاض)

المعجم الکبیر للطبرانی کی روایت اس سند سے ہے "حدثنا العباس بن الفضل الأسفاطی، حدثنا أبو الولید الطیالسی، ثنا أبو عوانة، عن سماك، عن جابر---".

مسند ابوداؤد طیالسی میں یہی حدیث اس سند کے ساتھ ہے "حدثنا أبو داود قال: حدثنا حماد بن سلمة، عن سماك بن حرب، عن جابر---"

مسند الامام احمد بن حنبل میں ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی (المتوفی 241ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا بَهْزٌ، وَعَفَّانُ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ جَلْدًا. صحیح لغیرہ وھذا إسناد حسن " ترجمہ: ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماعز بن مالک کو رجم کیا اور کوڑے نہ لگائے۔ یہ حدیث صحیح

لغیرہ ہے اور یہ سند حسن ہے۔

(مسند الإمام أحمد بن حنبل ،مسند الكوفيين ،حديث جابر بن سمرة رضى الله عنه،جلد5،صفحہ92،مؤسسة قرطبة ،القاہرة)

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے کی سزا نہیں دی چنانچہ شرح معانی الآ ثار میں ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى ،قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ ،أَنَّ مَالِكًا حَدَّثَهُ ،عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ،عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ ،عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ ،أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ،أَتَاهُ رَجُلٌ وَهُوَ بِالشَّامِ فَذَكَرَ لَهُ أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا ،فَبَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ إِلَى امْرَأَتِهِ لِيَسْأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ ،فَأَتَاهَا وَعِنْدَهَا نِسْوَةٌ حَوْلَهَا فَذَكَرَ لَهَا الَّذِي قَالَهُ زَوْجُهَا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ،وَأَخْبَرَهَا أَنَّهَا لَا تُؤْخَذُ بِقَوْلِهِ ،وَجَعَلَ يُلَقِّنُهَا أَشْبَاهَ ذَلِكَ لِتَنْتَزِعَ فَأَبَتْ أَنْ تَنْتَزِعَ وَتَبَتَتْ عَلَى الِاعْتِرَافِ فَأَمَرَ بِهَا عُمَرُ ،فَرُجِمَتْ فَهَذَا عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِحَضْرَةِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْلِدْهَا قَبْلَ رَجْمِهِ إِيَّاهَا" ترجمہ: ابو واقد لیثی سے مروی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شام سے ایک شخص آیا اور ان کو بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو پایا (یعنی زنا کرتے ہوئے) پس عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو واقد لیثی کو اس کی بیوی کے پاس بھیجا تاکہ اس سے اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔ پس وہ اس کے پاس گئے جبکہ اس عورت کے پاس عورتیں بیٹھیں تھیں۔ ابو واقد نے اس کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا جو اس کے شوہر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہی تھی اور اس عورت کو بتلایا کہ اس مرد کی بات کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور اس کو اسی طرح کی باتوں کی تلقین کرنے لگے تاکہ وہ عورت زنا کا اقرار نہ کرے۔ مگر اس عورت نے زنا کا اقرار کیا اور اس پر قائم رہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو رجم کا حکم دیا چنانچہ اس کو رجم کیا گیا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں اس عورت کو رجم سے پہلے کوڑے نہیں لگا رہے۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الحدود، باب حد الزانی المحصن ما ہو؟، جلد3، صفحہ138، عالم الکتب)

وہابیوں کے نزدیک رجم کے ساتھ سو کوڑے بھی ہیں۔ وہابیوں کی دلیل مسلم شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ، وَالرَّجْمُ" ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ سے حاصل کرلو مجھ سے حاصل کرلو۔ تحقیق اللہ نے عورتوں کے لیے راستہ بنایا ہے کنوارا مرد کنواری عورت سے جو زنا کرنے والا ہو تو ان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے ملک بدر کرو اور شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے مارو اور رجم یعنی سنگسار کرو۔

(صحيح مسلم ،كتاب الحدود،باب حد الزنى ،جلد3،صفحه1316،دار إحياء التراث العربى ،بيروت)

احناف کے نزدیک رجم کے ساتھ کوڑے کا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ العنایۃ شرح الھدایۃ میں محمد بن محمد بن محمود الشیخ جمال الدین الرومی البابرتی (المتوفی 786ھ) فرماتے ہیں "قَالَ (وَلَا يَجْمَعُ فِي الْمُحْصَنِ بَيْنَ الْجَلْدِ وَالرَّجْمِ) وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ أَحْمَدَ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا لِمَا رَوَى عُبَادَةَ بْنُ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَرَمْيٌ بِالْحِجَارَةِ وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا فِي مَاعِزٍ وَلَا فِي الْغَامِدِيَّةِ وَلَا الصَّحَابَةُ بَعْدَهُ. وَحَدِيثُ عُبَادَةَ بَيَانٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ وَحَدِيثُ مَاعِزٍ بَعْدَهُ فَيَكُونُ نَاسِخًا" ترجمہ: شادی شدہ پر کوڑے اور رجم کی سزا کو جمع نہیں کیا جائے گا اور حضرت احمد کی جو روایت ہے کہ ان دونوں سزاؤں کو جمع کیا گیا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کنوارا مرد کنواری عورت سے جو زنا کرنے والا ہو تو ان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے ملک بدر کرو (مصلحت کے تحت) اور شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے مارو اور رجم یعنی سنگسار کرو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماعز پر دونوں سزاؤں کو جمع نہیں کیا اور نہ غامدیہ پر اور نہ ہی بعد میں کسی صحابی نے ایسا کیا۔ حدیث عبادہ بن کی حدیث اللہ عزوجل کے اس فرمان کی تشریح ہے: یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے۔ اور حدیث ماعز اس حدیث کے بعد ہے تو یہ عبادہ کی حدیث کی ناسخ ہو گئی۔ (العناية شرح الهداية، كتاب الحدود، فصل فى كيفية الحد وإقامته، جلد5، صفحه 240، دار الفكر، بيروت)

البنایۃ شرح الھدایۃ میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" فإن قلت: كيف يصح دعوى النسخ وحديث على يرد هذا. قلت: قد ثبت إجماع الصحابة قبل ذلك بخلافه فى خلافة عمر رضى الله عنه فإجماعهم أولى من تفرده بحكم بعد الإجماع المصون، وذلك عن عمر رضى الله عنه فى خلافته رجم ولم يجلد بحضرة أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يخالفه أحد، فحل محل الإجماع"، ترجمہ: اگر تو کہے کہ منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے صحیح ہے اور حدیث اس پر موجود ہے تو میں کہتا ہوں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اس کے برخلاف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اس پر اجماع ثابت ہے۔ تو صحابہ کرام علیہم

الرضوان کا اجماع تفرد کے برخلاف زیادہ اولیٰ ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ نے رجم کیا اوراصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کوڑے نہیں لگائے اور کسی صحابی نے اس کے خلاف نہیں کیا تو اس پر اجماع ہوگیا۔ (البنایة شرح الهدایة، کتاب الحدود، الجمع بین الجلد والرجم، جلد6، صفحه286، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اللباب فی شرح الکتاب میں عبد الغنی بن طالب الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی (المتوفی 1298ھ) فرماتے ہیں"قد أجمع الأئمة الأربعة أبو حنیفة ومالك والشافعی وأحمد فی أشهر الروایات عنه أن حکم هذا الحدیث فی هذه المسألة منسوخ "ترجمہ: ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی زیادہ مشہور روایات جو ان سے مروی ہیں اس میں ان تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ اس حدیث پاک کا حکم منسوخ ہے۔

(اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الحدود، جلد3، صفحه187، المکتبة العلمیة، بیروت)

## کتنے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟

احناف کے نزدیک ایک دینار یا دس درہم پر یا اس سے زائد چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر دس درہم سے کم کی کسی نے چوری کی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مسند الامام احمد بن حنبل میں ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل (المتوفی 241ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا نَصرُ بْنُ بَابٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَا قَطْعَ فِيمَا دُونَ عَشَرَةِ دَرَاهِم "ترجمہ: نصر بن باب نے حجاج سے انہوں نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے جد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دس درہم سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (مسند احمد، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص، جلد11، صفحه502، مؤسسة الرسالة، بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ بعض محدثین نے نصر بن باب کو ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ مسند احمد کے حاشیہ میں احمد محمد شاکر نے بھی اس حدیث کو سنداً صحیح کہا اور نصر بن باب کی توثیق بیان کی ہے۔ اگر یہ ضعیف بھی ہو تو کوئی حرج نہیں کہ اس کے کئی شواہد ہیں۔

المعجم الاوسط میں سلیمان بن احمد الشامی ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ نُوحٍ، نَا خَالِدُ بْنُ مِهْرَانَ، ثَنَا أَبُو مُطِيعٍ الْبَلْخِيُّ، عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا قَطْعَ إِلَّا فِي عَشَرَةِ دَرَاهِمَ"ترجمہ: حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دس درہم سے کم پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

(معجم أوسط،باب الميم ،من اسمه محمد،جلد7،صفحه155،دار الحرمين ،قاہرة)

شرح معانی الآثار میں ابوجعفر احمد بن محمد المعروف بالطحاوی (المتوفی 321ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ ،قَالَ:ثنا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ ،عَنِ الْمَسْعُودِيِّ ،عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ،أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ ،قَالَ لَا تُقْطَعُ الْيَدُ إِلَّا فِي الدِّينَارِ أَوْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے مگر ایک دینار یا دس درہم پر۔ (شرح معاني الآثار ،باب المقدار الذي يقطع فيه السارق،جلد3،صفحه163،عالم الكتب)

مصنف عبدالرزاق میں ہے "أخبرنا عبد الرزاق، عن الحسن بن عمارة ،عن الحكم بن عتيبة،عن يحيى بن الجزار ،عن علي ،قال:لا يقطع في أقل من دينار أو عشرة دراهم" ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک دینار یا دس درہم سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(المصنف، كتاب اللقطة،باب في كم تقطع يد السارق،جلد10،صفحه233،المجلس العلمي ،الهند)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ الْقَاسِمِ، قَالَ:أُتِيَ عُمَرُ بِسَارِقٍ فَأَمَرَ بِقَطْعِهِ، قَالَ عُثْمَانُ:إِنَّ سَرِقَتَهُ لَا تُسَاوِي عَشَرَةَ دَرَاهِمَ، قَالَ:فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ فَقُوِّمَتْ ثَمَانِيَةَ دَرَاهِمَ فَلَمْ يَقْطَعْهُ" ترجمہ: قاسم نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چور لایا گیا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان غنی نے فرمایا: اس نے دس درہم سے کم چورایا ہے۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس چیز کا ریٹ لگوایا تو وہ آٹھ درہم تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ نہ کاٹا۔

(الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، كتاب الحدود،من قال :لا تقطع في أقل من عشرة دراہم،جلد5،صفحه 476،مكتبة الرشد ،الرياض)

وہابیوں کے نزدیک چوری کا نصاب تین درہم ہے۔ وہابی مولوی خواجہ محمد قاسم اپنی کتاب میں فتاوی عالمگیری کے ایک جزئیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اقل النصاب فی السرقة عشرة دراهم" ترجمہ: چوری کا کم از کم نصاب دس درہم ہے۔ (عالمگیری) یعنی اس سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" لا تقطع يد السارق الابربع دينار فصاعدا ربع دينار" یعنی چوتھائی دینار (تین درہم) سے کم میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ (فتاوی عالمگیری پر ایک نظر، صفحہ54، آزاد بک ہائوس)

دراصل حضور علیہ السلام کے دور مبارک میں ڈھال کی قیمت کے برابر چیز پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا جیسا کہ بخاری شریف کی

حدیث پاک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِی شَیْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِیهِ، قَالَ:أَخْبَرَتْنِی عَائِشَةُ:أَنَّ یَدَ السَّارِقِ لَمْ تُقْطَعْ عَلَى عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا فِی ثَمَنِ مِجَنٍّ"، ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت کے برابر پر کاٹا جاتا تھا۔

(صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب قول الله تعالى ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما﴾ وفي كم يقطع ؟، جلد 8، صفحہ 161، دار طوق النجاة، مصر)

اب ڈھال کی قیمت کے متعلق مختلف روایتیں ہیں بعض میں کہا گیا کہ ڈھال کی قیمت تین درہم ہوتی تھی، بعض میں پانچ درہم ہے اور بعض میں دس درہم ہے۔ صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری (المتوفی 256ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ، حَدَّثَنِی مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ فِی مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلاَثَةُ دَرَاهِمَ"، ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈھال کی قیمت تین دراہم پر ہاتھ کاٹا۔

(صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب قول الله تعالى ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما﴾ وفي كم يقطع ؟، جلد 8، صفحہ 161، دار طوق النجاة، مصر)

سنن النسائی میں ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی (المتوفی 303ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِیدِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا مَخْلَدٌ، قَالَ:حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ، قَالَ:سَمِعْتُ نَافِعًا، قَالَ:سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ یَقُولُ:قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی مِجَنٍّ قِیمَتُهُ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ"، ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈھال کی پانچ دراہم قیمت پر ہاتھ کاٹا۔

(السنن الصغرى للنسائي، كتاب قطع السارق، القدر الذى إذا سرقه السارق قطعت يده، جلد 8، صفحہ 76، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

دوسری روایت میں ہے "أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْوَلِیدِ، قَالَ:حَدَّثَنَا سُفْیَانُ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ:قَطَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ فِی مِجَنٍّ قِیمَتُهُ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ هَذَا الصَّوَابُ (حكم الألباني) حسن صحيح"، ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ درہم ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹا۔ یہی صحیح ہے۔ البانی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔

(السنن الصغرى للنسائي، كتاب قطع السارق، القدر الذى إذا سرقه السارق قطعت يده، جلد 8، صفحہ 77، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

سنن ابی داود میں ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السِّجِسْتانی (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي السَّرِيِّ الْعَسْقَلَانِيُّ، وَهَذَا لَفْظُهُ، وَهُوَ أَتَمُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ رَجُلٍ فِي مِجَنٍّ قِيمَتُهُ دِينَارٌ، أَوْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ ایسی ڈھال کی (چوری کے سبب اس کی) قیمت پر کاٹا اور جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم ہے۔

(سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب ما يقطع فيه السارق، جلد4، صفحه136، المكتبة العصرية، بيروت)

اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ نسائی شریف میں ہے "أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمِّي، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ: ثَمَنُهُ يَوْمَئِذٍ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ آج ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔

(السنن الصغرى للنسائي، كتاب قطع السارق، القدر الذى إذا سرقه السارق قطعت يده، جلد8، صفحه83، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب)

ان روایتوں کے کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے احناف نے فرمایا کہ چوری کا نصاب دس درہم لینے میں زیادہ احتیاط ہے کہ دس درہم میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے اور حدود میں شبہات کو دور کرنے کا حکم ہے۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی 743ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَلَمَّا اخْتَلَفُوا فِي قِيمَةِ الْمِجَنِّ مَعَ اتِّفَاقِهِمْ أَنَّ النِّصَابَ مُقَدَّرٌ بِهِ مَالَ مَالِكٌ إِلَى الْأَقَلِّ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ وَمَالَ أَصْحَابُنَا إِلَى الْأَكْثَرِ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ لِأَنَّ أَحَدًا لَمْ يَقُلْ إِنَّ الْعَشَرَةَ لَمْ يُقْطَعْ بِهَا وَمَا دُونَهُ مُخْتَلَفٌ فِيهِ فَلَا يَجِبُ بِالشَّكِّ إِذْ الْحُدُودُ تُدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ" ترجمہ: جب ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ چوری کا نصاب ڈھال کی قیمت ہے۔ امام مالک اس طرف ہیں کہ کم (تین درہم) میں یقین ہے اور ہمارے اصحاب (احناف) اس طرف ہیں کہ اکثر (دس درہم) میں یقین ہے اس لئے کہ کسی نے بھی یہ نہیں فرمایا دس درہم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور دس درہم کے علاوہ پر مختلف روایات ہیں تو شک ہونے کی صورت میں دس درہم سے کم پر ہاتھ نہ کاٹنا واجب نہیں کہ حدود میں شبہات کو دور کیا جاتا ہے۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب السرقة، جلد3، صفحه213، المطبعة الكبرى الأميرية، القاهرة)

# ☆---کتاب الشتیٰ---☆

## گھوڑا حلال ہے یا حرام؟

احناف کے نزدیک گھوڑا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑے کا مکروہ تحریمی ہونا قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿وَالْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے۔

(سورۃ النحل،سورۃ16،آیت 8)

اس آیت میں احسان جتانے کے طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے اور کھانا اعلیٰ منافع ہے۔سواری اور زینت ادنیٰ احسان ہے اور اس ادنیٰ کو اعلیٰ نعمت یعنی کھانے پر ترک نہیں کیا جا سکتا۔الهداية فی شرح بداية المبتدی میں علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی (المتوفی 593ھ) فرماتے ہیں" (وَيُكْرَهُ لَحْمُ الْفَرَسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ)وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ:لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ لِحَدِيثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُه تَعَالَى ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ خَرَجَ مَخْرَجَ الِامْتِنَانِ وَالْأَكْلُ مِنْ أَعْلَى مَنَافِعِهَا، وَالْحَكِيمُ لَا يَتْرُكُ الِامْتِنَانَ بِأَعْلَى النِّعَمِ وَيَمْتَنُّ بِأَدْنَاهَا، وَلِأَنَّهُ آلَةُ إرْهَابِ الْعَدُوِّ فَيُكْرَهُ أَكْلُهُ احْتِرَامًا لَهُ وَلِهَذَا يُضْرَبُ لَهُ بِسَهْمٍ فِي الْغَنِيمَةِ، وَلِأَنَّ فِي إبَاحَتِهِ تَقْلِيلَ آلَةِ الْجِهَادِ، وَحَدِيثُ .جَابِرٍ مُعَارَضٌ بِحَدِيثِ خَالِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَالتَّرْجِيحُ لِلْمُحَرِّمِ .ثُمَّ قِيلَ:الْكَرَاهَةُ عِنْدَهُ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ .وَقِيلَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهٍ .وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ"، ترجمہ:گھوڑے کا گوشت امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام یوسف اور امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اس کے کھانے میں میں کوئی حرج نہیں کہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع کیا اور گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے۔اور اس آیت میں احسان جتانے کے طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے اور کھانا اعلیٰ منافع ہے۔سواری اور زینت ادنیٰ احسان ہے اور اس ادنیٰ کو اعلیٰ نعمت یعنی کھانے پر ترک نہیں کیا جا سکتا جبکہ احسان ادنیٰ پر جتایا گیا ہے۔گھوڑا دشمن پر خوف طاری کرنے والا آلہ ہے اور اس کا کھانا مکروہ ہے احترام کے طور پر، یہی وجہ ہے کہ غنیمت میں گھوڑے کا الگ حصہ رکھا جاتا ہے۔گھوڑے کا جائز ہونا جہادی آلہ میں کمی کا باعث ہے اور حدیث جابر حدیث خالد

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے معارض ہے اور حرام کو ترجیح ہوتی ہے۔ پھر کہا گیا کہ گھوڑا کھانا امام اعظم کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور بعض نے کہا کہ تنزیہی ہے اور اول یعنی مکروہ تحریمی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

(الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الذبائح،فصل فيما يحل أكله وما لا يحل،جلد4،صفحه 352،دار احياء التراث العربي،بيروت)

اس آیت کا یہ مطلب فقط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی فرمایا ہے چنانچہ الآثار میں ابو یوسف یعقوب بن إبراہیم الأنصاری (المتوفی 182ھ) روایت کرتے ہیں "قَالَ: حَدَّثَنَا يُوسُفُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنِ الْهَيْثَمِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ لُحُومَ الْخَيْلِ، وَيَقْرَأُ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا﴾ "ترجمہ: ہم سے بیان کیا یوسف نے اور انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے امام ابوحنیفہ سے انہوں نے ہیثم سے انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گھوڑے کے گوشت کو مکروہ جانتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرماتے تھے: اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو۔

(الآثار،فی الخضاب والأخذ من اللحية والشارب،صفحه 237،دار الكتب العلمية،بيروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ مَوْلَى نَافِعِ بْنِ عَلْقَمَةَ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَكْرَهُ لُحُومَ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ، وَكَانَ يَقُولُ: قَالَ اللَّهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ ﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ فَهَذِهِ لِلْأَكْلِ ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا﴾ فَهَذِهِ لِلرُّكُوبِ "ترجمہ: حضرت مولیٰ نافع بن علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گھوڑے، خچر اور گدھے کے گوشت کو مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اور چوپائے پیدا کئے ان میں تمہارے لئے گرم لباس اور منفعتیں ہیں اور ان میں سے کھاتے ہو۔ یہ کھانے کے لئے ہیں (دوسری جگہ اللہ عزوجل نے فرمایا) اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو۔ تو یہ سواری کے لئے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه، کتاب الاطعمة،ما قالوا فی أكل لحوم الخيل،جلد5،صفحه121،مكتبة الرشد،الرياض)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ شرح مشکل الآثار میں ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی (المتوفی 321ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ أَنَّهَا لَا تُؤْكَلُ، لِأَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ "یعنی حضرت یونس بن عبدالاعلی نے روایت کی کہ ہمیں خبر دی عبداللہ بن وہب نے کہ انہوں

نے کہا مجھے خبر دی مالک بن انس نے کہ انہوں نے فرمایا: زیادہ احسن ہے جو میں نے گھوڑے، خچر اور گدھے کے متعلق سنا کہ انہیں نہ کھایا جائے، اسلئے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے۔

(شرح مشکل الآثار، حديث جابر بن عبد الله في لحوم الخيل من كراهة ومن إباحة، جلد8، صفحه72، مؤسسة الرسالة، بيروت)

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور معرفۃ السنن والآثار کی حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى، حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، حَدَّثَنِي ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ يَحْيَى بْنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُحُومِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ" ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن گھوڑے، خچر اور گدھے کو کھانے سے منع کیا۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الذبائح، باب لحوم البغال، جلد2، صفحه1066، دار إحياء الكتب العربية، الحلبي)

اس حدیث پاک کو محدثین نے سند مجہول ہونے کے سبب ضعیف کہا جبکہ اس کی سند صحیح ثابت ہے چنانچہ عمدۃ القاری میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فإن قلت: حديث جابر صحيح، وحديث خالد متكلم فيه اسنادا ومتنا، والاعتماد على أحاديث الإباحة لصحتها و كثرة رواياتها۔ قلت: سند حديث خالد جيد، ولهذا لما أخرجه أبو داود سكت عنه، فهو حسن عنده، وقال النسائي: أخبرنا إسحاق بن إبراهيم أخبرني بقية حدثني ثور بن يزيد عن صالح .فذكره بسنده، وقد صرح فيه بقية بالتحديث عن ثور، وثور حمصي أخرج له البخاري وغيره، وبقية إذا صرح بالتحديث كان السند حجة ۔۔فإن قلت: قال ابن حزم في حديث خالد دليل الوضع لأن فيه عن خالد غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم، خيبر، وهذا باطل، لأنه لم يسلم خالد إلا بعد خيبر بلا خلاف، قلت: ليس كما قال، بل فيه خلاف، فقيل :هاجر بعد الحديبية، وقيل: بل كان إسلامه بين الحديبية وخيبر، وقيل سنة ست، وخيبر بعدها سنة سبع" یعنی اگر تو کہے کہ حدیث جابر (جس میں اس کے کھانے کی اجازت ہے) وہ صحیح ہے اور حدیث خالد کی سند اور متن پر کلام کیا گیا اور اعتماد اس کی اباحت پر اس کی صحت اور کثرت روایات کے سبب کیا گیا ہے تو میں کہوں گا: حدیث خالد جید ہے۔ اسی لئے امام ابوداؤد نے اسے نقل کیا اور اس پر سکوت فرمایا اور یہ ان کے نزدیک حسن ہونے کی دلیل ہے اور امام نسائی نے فرمایا: ہمیں خبر دی اسحاق بن ابراہیم نے کہ انہیں خبر دی بقیہ نے اور انہیں روایت کی ثور بن یزید نے اور انہوں نے صالح سے اور اس کی سند ذکر کی اور اس میں بقیہ راوی نے تحدیث کی صراحت کی ثور سے اور ثور حمصی وہ ہیں جن سے امام بخاری اور دیگر ائمہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ امام بقیہ جب تحدیث کی

صراحت کردیں تو اس کی سند حجت ہوتی ہے۔ اگر تو یہ کہے کہ ابن حزم نے حدیث خالد کو جھوٹی کہا کہ خالد بن ولید غزوہ خیبر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے، کیونکہ وہ بلا خلاف خیبر کے بعد اسلام لائے تھے تو میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں اختلاف ہے، کہا گیا کہ انہوں نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان مسلمان ہوئے تھے اور کہا گیا کہ وہ چھ ہجری کو اسلام لائے تھے اور غزوہ خیبر چھ ہجری کے بعد سات کو ہوا تھا۔

(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خيبر، جلد17، صفحه248، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح میں اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں "أن قول النسائی: حديث الإباحة أصح صريح فی أن حديث التحريم صحيح، وإذا ثبت أنه صحيح عند المجتهدين فلا يلتفت إلى قول أحد من المتأخرين " یعنی امام نسائی کا قول ہے کہ حدیث اباحت حدیث تحریم سے زیادہ صحیح ہے اس پر دلیل ہے کہ حدیث تحریم بھی صحیح ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ حدیث مجتہدین کے نزدیک صحیح ہے تو متاخرین کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائیگا۔

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصيد و الذبائح، باب ما يحل أكله وما يحرم، جلد7، صفحه2663، دار الفكر، بيروت)

ثابت ہوا کہ یہ حدیث عند المجتہدین ضعیف نہیں اور پھر اس حدیث پاک کی تائید ایک اور صحیح سند کی حدیث جو امام طبرانی نے المعجم الأوسط حدیث پاک میں نقل کی ہے وہ کرتی ہے "حدثنا عمر بن حفص السدوسی قال: نا عاصم بن علی قال: نا عكرمة بن عمار، عن يحيى بن أبی كثير، عن أبی سلمة بن عبد الرحمن، عن جابر بن عبد الله قال---حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم لحوم الحمر الإنسية، ولحوم الخيل والبغال، وكل ذی ناب من السباع---" ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پالتو گدھے کے گوشت، گھوڑے اور خچر کے گوشت اور درندوں میں کیل والے جانوروں کو حرام فرمایا۔

(المعجم الأوسط، باب العين، من اسمه عمر، جلد4، صفحه93، دار الحرمين، القاهرة)

وہابیوں کے نزدیک گھوڑا کھانا حلال ہے۔ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ میں ہے "لا يخفى أن الخيل يباح أكلها على الصحيح من المذهب" ترجمہ: یہ مخفی نہیں ہے کہ گھوڑا کھانا صحیح مذہب پر مباح ہے۔

(فتاوى اللجنة الدائمة، جلد26، صفحه188، رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء، الرياض)

وہابیوں کی دلیل یہ ہے کہ صحیح البخاری میں محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِی فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ، امْرَأَتِی، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِی بَكْرٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَتْ: نَحَرْنَا عَلَى عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا فَأَكَلْنَاهُ" ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں گھوڑے کو نحر کیا اور اسے کھایا۔

(صحیح البخاری ، کتاب الذبائح والصید، باب النحر والذبح، جلد 7، صفحہ 93، دار طوق النجاۃ، مصر)

اہل علم حضرات کا یہ اصول ہے کہ جب ایک مسئلہ پر دونوں طرح کی روایات ہوں تو جب ایک روایت کو لیتے ہیں تو دوسری روایات کا محمل بھی بیان کرتے ہیں۔ مذکور مسئلہ میں علماء کرام نے گھوڑے کا گوشت کھانے کے جواز پر جو احادیث ہیں انہیں ضرورت (جہاد وسفر) پر محمول کیا ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْكُلُونَ لُحُومَ الْخَيْلِ فِي مَغَازِيهِمْ" ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علی نے فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے کا گوشت غزوات میں کھایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الاطعمة، ما قالوا فی أكل لحوم الخيل، جلد 5، صفحہ 120، مکتبة الرشد، الریاض)

بدائع الصنائع میں علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی 587ھ) فرماتے ہیں "وَمَا رُوِيَ فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ عَنْ جَابِرٍ وَمَا فِي رِوَايَةِ سَيِّدَتِنَا أَسْمَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا يُحْتَمَلُ أَنَّهُ كَانَ ذَلِكَ فِي الْحَالِ الَّتِي كَانَ يُؤْكَلُ فِيهَا الْحُمُرُ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِنَّمَا نَهَى عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَكَانَتْ الْخَيْلُ تُؤْكَلُ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ ثُمَّ حُرِّمَتْ يَدُلُّ عَلَيْهِ مَا رُوِيَ عَنْ الزُّهْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ: مَا عَلِمْنَا الْخَيْلَ أُكِلَتْ إِلَّا فِي حِصَارٍ، وَعَنْ الْحَسَنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ الْخَيْلِ فِي مَغَازِيهِمْ فَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُمْ كَانُوا يَأْكُلُونَهَا فِي حَالِ الضَّرُورَةِ كَمَا قَالَ الزُّهْرِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ" ترجمہ: جو بعض روایات حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے مروی ہیں اور سیدتنا اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی اس میں احتمال ہے کہ اس حالت پر مبنی ہیں جس میں گدھے کا گوشت کھایا گیا تھا، اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن گدھے کا گوشت کھانے سے منع کیا اور اس وقت گھوڑے کا گوشت کھایا گیا، پھر حرام کر دیا گیا۔ اس پر دلیل امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم نے جانتے کہ گھوڑے کا گھوشت کھایا گیا مگر محاصرہ (تنگی و مجبوری کی حالت) میں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوات میں گھوڑے کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ صحابہ کرام ضرورت کے تحت اس کا گوشت کھاتے تھے جیسا کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الذبائح والصيود، المأكول وغير المأكول من الحيوانات، جلد 5، صفحہ 38، دار الکتب العلمیة، بیروت)

قرآن پاک کی آیت اور ان احایث سے حکم واضح ہے اور پھر جو علت بیان کی گئی کہ اس میں آلہ جہاد میں کمی ہونا بھی ہے ہوسکتا ہے اس وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے ذبح کرنے سے منع کیا ہو چنانچہ السنن الکبریٰ للبیہقی میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْفَرَسِ فِي الذَّبِيحَةِ" ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھوڑا ذبح کرنے سے منع کیا ہے۔

(السنن الکبری، کتاب الضحایا، باب کراہیۃ النخع والفرس، جلد9، صفحہ469، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

یہ یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر اباحت والے دلائل بھی تھے لیکن آپ نے قوی دلائل کی روشنی میں اس کا گوشت کھانے کو مکروہ تحریمی کہا اور اباحت والے دلائل کا لحاظ رکھتے ہوئے اس گوشت کو حرام نہیں فرمایا چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے "(وَأَمَّا) عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ يُكْرَهُ أَكْلُهُ وَلَمْ يُطْلَقِ التَّحْرِيمُ لِاخْتِلَافِ الْأَحَادِيثِ الْمَرْوِيَّةِ فِي الْبَابِ وَاخْتِلَافِ السَّلَفِ فَكُرِهَ أَكْلُ لَحْمِهِ احْتِيَاطًا لِبَابِ الْحُرْمَةِ" یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے، حرام نہیں اس وجہ سے کہ احادیث اس پر مختلف ہیں اور اسلاف کا بھی اس میں اختلاف ہے۔ لہٰذا اس کا گوشت کھانا مکروہ ہے جہتِ حرمت کی رعایت کرتے ہوئے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الذبائح والصیود، المأکول وغیر المأکول من الحیوانات، جلد5، صفحہ 39، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

قرآن، حدیث کے دلائل اور ائمہ کرام کے اقوال سے گھوڑے کا گوشت کھانا ناجائز ثابت ہوا۔ پھر اس تمام بحث کے علاوہ بھی طبیعت سلیمہ گھوڑے کا گوشت کھانے پر راضی نہیں ہوتی۔ بدائع الصنائع میں ہے "وَلَحْمُ الْخَيْلِ لَيْسَ بِطَيِّبٍ بَلْ هُوَ خَبِيثٌ؛ لِأَنَّ الطِّبَاعَ السَّلِيمَةَ لَا تَسْتَطِيبُهُ بَلْ تَسْتَخْبِثُهُ ۔۔۔ وَبِهِ تَبَيَّنَ أَنَّ الشَّرْعَ إِنَّمَا جَاءَ بِإِحْلَالِ مَا هُوَ مُسْتَطَابٌ فِي الطَّبْعِ لَا بِمَا هُوَ مُسْتَخْبَثٌ" یعنی گھوڑے کا گوشت طیب نہیں ہے بلکہ خبیث ہے۔ اس لئے کہ طبیعت سلیمہ اس پسند نہیں بلکہ ناپسند کرتی ہے۔ بے شک شرع نے ان چیزوں کو حلال کیا جن کو طبیعت پسند کرتی ہے نہ یہ کہ جنہیں طبیعت ناپسند کرتی ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الذبائح والصیود، المأکول وغیر المأکول من الحیوانات، جلد5، صفحہ 38، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

## داڑھی کی حد

اہل سنت کے نزدیک داڑھی کم از کم ایک مشت رکھنا واجب ہے اور زائد کاٹنا جائز ہے۔ اہل سنت کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ.

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ:إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ“ ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو داڑھی بڑھاؤ اور موچھیں پست کرو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی مٹھی میں لیتے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے تھے۔

(صحيح بخارى، كتاب اللباس،تقليم الاظفار،جلد7،صفحه160 ،دار طوق النجاة،مصر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے ثابت ہوا کہ داڑھی ایک مٹھی سے کم نہ ہو اور ایک مٹھی سے زائد کٹوانا جائز ہے۔حدیث پاک میں جو مشرکین سے مخالفت کا حکم دیا گیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک مشت سے زائد بھی داڑھی نہ کٹواؤں بلکہ مشرکین کی مخالفت یہ ہے کہ مشرکین داڑھی بالکل مونڈتے تھے۔البنایۃ شرح الہدایۃ میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں”أن المراد بإعفاء (اللحى أن لا تحلق كلها كما يفعله المجوس، والدليل عليه ما جاء في رواية مسلم من)رواية أبى هريرة، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جزوا الشوارب واعفو اللحى، خالفوا المجوس فإن المجوس كانوا يحلقون لحاهم ويتركون شواربهم. منها شيئا أصلا“ ترجمہ:بے شک داڑھی کو معافی دینے سے مراد یہ ہے کہ اسے منڈوایا نہ جائے جیسا کہ مجوسی کرتے ہیں اور اس پر مسلم شریف کو وہ حدیث دلیل ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: موچھیں کٹواؤ اور داڑھیوں کو معاف دو، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔ مجوسی اپنی داڑھیوں کو منڈواتے تھے اور مونچھوں کو چھوڑ دیتے تھے ،اسے نہیں کٹواتے تھے۔ (البناية شرح الهداية، كتاب الصوم،الاكتحال والسواك للصائم،جلد4،صفحه73،دار الكتب العلمية،بيروت)

وہابیوں کے نزدیک داڑھی ایک مٹھی سے زائد کٹوائی نہ جائے بلکہ جس حال میں ہو اسے میں چھوڑی رکھیں اگرچہ جتنی مرضی بڑی ہو جائے۔وہابی اپنی دلیل میں مسلم شریف کی یہ حدیث پاک پیش کرتے ہیں”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ ح، وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، جَمِيعًا عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى“ ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا موچھیں پست کرو اور داڑھی کو معافی دو۔

(صحيح مسلم ، كتاب الطهارت، خصال الفطرة،جلد1،صفحه222،دار إحياء التراث العربى ،بيروت)

تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی میں وہابی مولوی ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ) لکھتا ہے”(وَاعْفُوا اللِّحَى)مِنَ الْإِعْفَاءِ وَهُوَ التَّرْكُ وَقَدْ حَصَلَ مِنْ مَجْمُوعِ الْأَحَادِيثِ خَمْسُ

--وَمَعنَاهَا كُلُّهَا تَركُهَا عَلَى حَالِهَا" ترجمہ: داڑھی کو معافی دو، یہ معافی دینا چھوڑنا ہے (جس حال میں ہے اسی حال میں یعنی کاٹی نہ جائے۔) ان پانچ مجموعی روایات سے یہ حاصل ہوا کہ تمام کا معنی یہ ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

(تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي، باب ما جاء في إعفاء اللحية، جلد8، صفحه 38، دار الكتب العلمية، بيروت)

وہابی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل فقط حج وعمرہ کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ حج وعمرہ کے تخصیص کے علاوہ بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مشت سے زائد کٹوانے کا دوسری سند سے ثابت ہے چنانچہ سنن ابی داود میں ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَبدُ اللَّهِ بنُ مُحَمَّدِ بنِ يَحيَى أَبُو مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بنُ الحَسَنِ، أَخبَرَنِي الحُسَينُ بنُ وَاقِدٍ، حَدَّثَنَا مَروَانُ يَعنِي ابنَ سَالِمٍ المُقَفَّعَ، قَالَ: رَأَيتُ ابنَ عُمَرَ يَقبِضُ عَلَى لِحيَتِهِ، فَيَقطَعُ مَا زَادَ عَلَى الكَفِّ" (حكم الألباني): حسن" ترجمہ: ابن سالم مقفع نے فرمایا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ آپ نے اپنی داڑھی اپنی مٹھی میں لی اور مٹھی سے زائد کو کٹوا دیا۔ البانی نے اس حدیث کو حسن کہا۔

(سنن أبي داود، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، جلد2، صفحه306، المكتبة العصرية، بيروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَلِيُّ بنُ هَاشِمٍ، وَوَكِيعٌ، عَنِ ابنِ أَبِي لَيلَى، عَن نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ يَأخُذُ مَا فَوقَ القُبضَةِ، وَقَالَ وَكِيعٌ: مَا جَاوَزَ القُبضَةَ" ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مٹھی سے زائد داڑھی کو کٹواتے تھے۔ وکیع نے فرمایا: جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کٹواتے۔

(الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، كتاب الادب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، جلد5، صفحه225، مكتبة الرشد، الرياض)

الآثار میں ابو یوسف یعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة الأنصاری (المتوفی 182ھ) بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا يُوسُفُ عَن أَبِيهِ عَن أَبِي حَنِيفَةَ، عَنِ الهَيثَمِ، عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَقبِضُ عَلَى لِحيَتِهِ، فَيَأخُذُ مِنهَا مَا جَاوَزَ القُبضَةَ"

(الآثار، صفحه234، دار الكتب العلمية، بيروت)

اس کے علاوہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوہریرہ سے بھی ایک مشت کی تخصیص ثابت ہے۔ جامع الترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی "حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بنُ هَارُونَ، عَن أُسَامَةَ بنِ زَيدٍ، عَن عَمرِو بنِ شُعَيبٍ، عَن أَبِيهِ، عَن جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأخُذُ مِن لِحيَتِهِ مِن عَرضِهَا وَطُولِهَا. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ" ترجمہ: حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے بال عرض وطول سے لیتے تھے۔ یہ

حدیث غریب ہے۔ (جامع الترمذی،ابواب الآداب، باب ماجاء فی الاخذ من اللحیۃ ،جلد4،صفحہ391،دار الغرب الإسلامی،بیروت)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے"حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَيُّوبَ، مِنْ وَلَدِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، قَالَ :كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا فَضَلَ عَنِ الْقُبْضَةِ" ترجمہ:ابوزرعہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں لیتے اور مٹھی سے زائد کٹوادیتے تھے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الادب،ما قالوا فی الأخذ من اللحیۃ،جلد5،صفحہ225، مکتبۃ الرشد ،الریاض)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے"حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ زَمْعَةَ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ:كَانَ عَلِيٌّ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِمَّا يَلِي وَجْهَهُ" ترجمہ:حضرت سماک بن یزید سے مروی ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی داڑھی میں سے کچھ لیتے تھے جوان کے چہرہ مبارک کے ساتھ ہوتی تھی۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الادب،ما قالوا فی الأخذ من اللحیۃ،جلد5،صفحہ225، مکتبۃ الرشد ،الریاض)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔البتہ زمعۃ بن صالح کو بعض نے توثیق کی ہے اور کئی ائمہ نے ان پر جرح کی ہے۔اسی طرح صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔"حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبِي هِلَالٍ، قَالَ:سَأَلْتُ الْحَسَنَ، وَابْنَ سِيرِينَ فَقَالَا:لَا بَأْسَ بِهِ أَنْ تَأْخُذَ مِنْ طُولِ لِحْيَتِكَ" ترجمہ:ابوہلال سے مروی ہے میں نے حسن بصری اور ابن سیرین رحمہما اللہ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:داڑھی کے طول میں سے تجھے لینا جائز ہے۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، کتاب الادب،ما قالوا فی الأخذ من اللحیۃ،جلد5،صفحہ226، مکتبۃ الرشد ،الریاض)

شرح صحیح البخاری لابن بطال میں ابن بطال أبوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک (المتوفی449ھ) ایک مشت داڑھی رکھنے پر مختصر اور جامع کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں"وروی عن عمر أنه رای رجال قد ترك لحيته حتى كثرت فأخذ بحديها ثم قال:ائتونى بجلمين ثم امر رجلا فجز ما تحت يده ثم قال:اذهب فأصلح شعرك أو أفسده، يترك أحدكم نفسه حتى كأنه سبع من السباع و كان أبو هريرة يقبض على لحيته فيأخذ مافضل، وعن ابن عمر مثله---روى مروان بن معاوية، عن سعيد بن أبى راشد المكى، عن أبى جعفر محمد بن على قال:(كان رسول الله يأخذ اللحية، فما طلع على الكف جزه)، وهذا الحديث وإن كان فى إسناده نظر فهو جميل من الأمر وحسن من الفعال" ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی داڑھیوں کو چھوڑا ہوا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑھ گئیں۔تو آپ نے ان کی داڑھی کے اگنے کی جگہ کو پکڑا پھر فرمایا:میرے پاس قینچی کو لاؤ۔پھر آدمی کو حکم دیا تو

اس نے مٹھی کے نیچے جو داڑھی تھی اسے کاٹ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: چلا جا اپنے بالوں کو چاہو تو صحیح رکھو یا خراب کرو۔ تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے (یعنی حد سے زیادہ داڑھی بڑھا دیتا ہے) یہاں تک ایسا لگتا ہے جیسے کوئی درندہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مٹھی سے زائد داڑھی کٹواتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔ جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مٹھی سے زائد داڑھی کو کم کرتے تھے۔ یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن عمل میں اچھی ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، کتاب اللباس، باب :إعفاء اللحی ،جلد6،صفحہ146، مکتبة الرشد ، الریاض)

وہابیوں کے اپنے مولویوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ زیادہ طول فاحش داڑھی نہ رکھی جائے جو دیکھنے میں اچھی نہ لگے۔ تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی میں وہابی مولوی ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ) لکھتے ہیں" إِنَّ الرَّجُلَ لَوْ تَرَكَ لِحْيَتَهُ لَا يَتَعَرَّضُ لَهَا حَتَّى أَفْحَشَ طُولُهَا وَعَرْضُهَا لَعَرَضَ نَفْسَهُ لِمَنْ يَسْخَرُ بِهِ" ترجمہ: اگر آدمی نے داڑھی کو چھوڑے رکھے ایک مٹھی سے زائد داڑھی کو بھی نہ کٹوایا تو اسے تعرض نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ اس کا طول وعرض بہت زیادہ ہو جائے کہ لوگ اس پر ہنسیں۔

(تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی،باب ما جاء فی إعفاء اللحیة،جلد8،صفحہ 38،دار الکتب العلمیة،بیروت)

وہابیوں کے چہرے پر ایک تو ویسے بھی رونق نہیں ہوتی متشدد پن ان کے چہرے پر چھایا ہوتا ہے یہاں تک کہ مقدس مقامات پر امامت ودیگر کام سرانجام دینے کے باوجود چہروں پر نور نہیں ہوتا۔ پھر اوپر سے ان کی لمبی داڑھی یہاں تک کہ ناف تک ان کی داڑھیاں دیکھی گئی ہیں شکل کو مزید خراب کر دیتی ہیں۔ وہابی لوگ اتنی لمبی لمبی داڑھی رکھ کر جب موٹر سائیکل چلاتے ہیں تو انتہائی عجیب لگتے ہیں، داڑھی ہوا میں دائیں بائیں اڑ رہی ہوتی ہے گویا وہابی صاحب یہ بتا رہے ہوتے ہیں کہ دائیں بائیں ہو جاؤ۔ وہابیوں کے اس حلیے نے عوام الناس کو مولوی لائن سے دور کیا ہے۔

## تعویذ پہننا جائز ہے یا شرک ہے؟

اہل سنت کے نزدیک آیاتِ قرآنیہ یا اسماء الٰہیہ یا دعائیہ کلمات کا تعویذ پہننا جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ معرفة الصحابة لأبی نعیم الاصفہانی میں ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الأصبہانی (المتوفی 430ھ) بسند صحیح حدیث پاک روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الْحَجَّاجِيُّ الْحَافِظُ، فِي كِتَابِهِ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي دَاوُدَ، ثنا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، ثنا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ سُلَيْمٍ أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ جَابِرٍ، عَنِ ابْنِ ثَعْلَبَةَ، أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، فَقَالَ:يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ لِي بِالشَّهَادَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:ائْتِنِي بِشَعَرَاتٍ قَالَ: فَأَتَاهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اكْشِفْ عَنْ عَضُدِكَ قَالَ:فَرَبَطَهُ فِي عَضُدِهِ، ثُمَّ نَفَثَ فِيهِ، فَقَالَ:اللَّهُمَّ حَرِّمْ دَمَ ابْنِ ثَعْلَبَةَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ الْمُنَافِقِينَ "ترجمہ:حضرت ابن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے توانہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !اللہ عزوجل سے میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس چند بال لاؤ۔وہ بال لائے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفرمایا اپنی کلائی کھولو۔آپ نے ان کی کلائی پر یہ بال باندھ دیئے۔پھراس میں پھونک ماری، پھر فرمایا اے اللہ عزوجل !ابن ثعلبہ کا خون مشرکین،منافقین پر حرام فرمادے۔

(معرفة الصحابة لأبي نعيم الاصفهاني،ذكر من عرف بالآباء دون أسمائهم، وذكر لهم صحبة،جلد6،صفحه3056،دار الوطن للنشر، الرياض)

ابوداؤد،مشکوۃ اور ترمذی شریف میں ہے"حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ:حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:إِذَا فَزِعَ أَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ:أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ .فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، يُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَهَا فِي صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ .هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ "ترجمہ:روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبراجائے تو کہہ لے میں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ لیتاہوں اس کی ناراضی اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کی شر اور شیطانوں کے وسوسوں سے اوران کی حاضری سے،تو تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بالغ اولاد کو یہ سکھادیتے تھے اوران میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کرڈال دیتے تھے۔یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(جامع ترمذی، كتاب الدعوات،باب القول عند الفزع من النوم، جلد5،صفحه429،دار الغرب الإسلامي ،بيروت)

البانی نے بھی اس حدیث کوحسن کہا۔

السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَأَبُو سَعِيدِ بْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَا:ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ،ثنا هَارُونُ بْنُ سُلَيْمَانَ، ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ:لَيْسَ التَّمِيمَةُ مَا يُعَلَّقُ قَبْلَ الْبَلَاءِ،إِنَّمَا التَّمِيمَةُ مَا

يُعلَّقُ بَعْدَ الْبَلَاءِ لِيُدْفَعَ بِهِ الْمَقَادِيرُ" ترجمہ: اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: تعویذ یہ نہیں کہ اسے بلا سے پہلے پہنا جائے بلکہ تعویذ وہ ہے جسے بلا (آزمائش، بیماری وغیرہ) کے بعد پہنا جائے تا کہ تقدیر بدل جائے۔

(السنن الكبرى، ابواب كسب الحجام، باب التمائم جلد9، صفحه 589، دار الكتب العلمية، بيروت)

السنن الکبریٰ میں ہے "وَرَوَاهُ عَبْدَانُ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، وَقَالَ فِي مَتْنِهِ: إِنَّهَا قَالَتْ: اَلتَّمَائِمُ مَا عُلِّقَ قَبْلَ نُزُولِ الْبَلَاءِ، وَمَا عُلِّقَ بَعْدَ نُزُولِ الْبَلَاءِ فَلَيْسَ بِتَمِيمَةٍ. أَنْبَأَنِيهِ أَبُو عَبْدِ اللهِ إِجَازَةً، أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ حَلِيمٍ، أَنْبَأَ أَبُو الْمُوَجِّهِ، أَنْبَأَ عَبْدَانُ، أَنْبَأَ عَبْدُ اللهِ فَذَكَرَهُ. وَهَذَا أَصَحُّ" ترجمہ: ابن مبارک سے مروی ہے انہوں نے اس متن میں فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: تعویذات وہ ہیں جو بلا نازل ہونے سے قبل پہنے جائیں جو بلا نازل ہونے کے بعد پہنے جائیں وہ تعویذ نہیں۔ یہ زیادہ صحیح ہے۔

(السنن الكبرى، ابواب كسب الحجام، باب التمائم جلد9، صفحه 589، دار الكتب العلمية، بيروت)

المستدرک علی الصحیحین میں ابوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ (المتوفی 405ھ) رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ حَلِيمٍ الْمَرْوَزِيُّ، أَنْبَأَ أَبُو الْمُوَجِّهِ، أَنْبَأَ عَبْدَانُ، أَنْبَأَ عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنِي طَلْحَةُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: اَلتَّمَائِمُ مَا عُلِّقَ قَبْلَ نُزُولِ الْبَلَاءِ، وَمَا عُلِّقَ بَعْدَهُ فَلَيْسَ بِتَمِيمَةٍ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (التعليق: من تلخيص الذهبي) صحيح" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: تعویذات وہ ہیں جو بلا نازل ہونے سے پہلے پہنے جائیں جو بعد میں پہنے جائیں وہ تعویذ نہیں۔ یہ حدیث امام بخاری و مسلم کی شرط پر بسند صحیح ہے۔ انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب الطب، كتاب الرقى والتمائم، جلد4، صفحه463، دار الكتب العلمية، بيروت)

بعض وہابی مولوی تعویذ کو ناجائز کہتے ہیں اور بعض اپنی عادت سے مجبور ہو کر اسے شرک کہتے ہیں اور بعض فقط منع کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ تعویذ اس صورت میں پہننا شرک ہے جب اس میں شرکیہ کلمات ہوں۔ وہابی مولوی مبشر احمد ربانی لکھتا ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "من علق شيئا و كل اليه" جس نے کوئی بھی چیز لٹکائی اسے اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس مفہوم کی اور بھی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری سے بچنے کے لئے کچھ بھی نہیں لٹکانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے شفا کی درخواست کرتے رہنے چاہئے۔ شرکیہ دم اور تعویذات لٹکانا تمام شرک ہے۔"

(احکام و مسائل، صفحہ78، دار الاندلس، لاہور)

وہابیوں کے اپنے بڑے مولویوں سے تعویذ کا جواز ثابت ہے۔ وہابیوں کے امام ابن تیمیہ نے لکھا"وَيَجُوزُ أَنْ يَكْتُبَ لِلْمُصَابِ وَ غَيْرِهِ مِنْ الْمَرْضَى شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَذِكْرُهُ بِالْمِدَادِ الْمُبَاحِ وَيُغْسَلُ وَيُسْقَى كَمَا نَصَّ عَلَى ذَلِكَ أَحْمَد وَغَيْرُهُ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَد :قَرَأْتُ عَلَى أَبِي ثَنَا يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ؛ ثَنَا سُفْيَانُ؛ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ الْحَكَمِ؛ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ؛ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:(إذَا عَسِرَ عَلَى الْمَرْأَةِ وِلَادَتُهَا فَلْيَكْتُبْ" ترجمہ: جائز ہے کہ مصیبت زدہ اور دوسرے مریضوں کے لیے کتاب اللہ اور اس کے ذکر میں سے کچھ مباح روشنائی کے ساتھ تعویذ لکھا جائے، اسے دھویا جائے اور پلایا جائے جیسا کہ اس پر امام احمد اور دیگر علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

عبداللہ بن احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) پر پڑھا، یعلی بن عبید سے روایت ہے، انہوں نے سفیان سے اور انہوں نے محمد بن ابی لیلی سے، انہوں نے حکم سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ جب عورت پر بچے کی ولادت مشکل ہو تو یہ تعویذ لکھا جائے "بِسْمِ اللَّهِ لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ؛ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ؛ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ﴾"

علی نے کہا"يُكْتَبُ فِي كاغدة فَيُعَلَّقُ عَلَى عَضُدِ الْمَرْأَةِ قَالَ عَلِيٌّ:وَقَدْ جَرَّبْنَاهُ فَلَمْ نَرَ شَيْئًا أَعْجَبَ مِنْهُ فَإِذَا وَضَعَتْ تُحِلُّهُ سَرِيعًا ثُمَّ تَجْعَلُهُ فِي خِرْقَةٍ" یہ تعویذ کاغذ میں لکھا جائے پھر عورت کے بازو میں باندھا جائے۔ یہی علی بن حسین بن شقیق کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو آزمایا تو اس سے عجیب (نفع مند) چیز نہ پائی۔ پھر جب بچہ پیدا ہو جائے تو تعویذ فوراً اتار کر محفوظ کر لیا جائے۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیہ، فصل فی جواز ان یکتب للمصاب الخ، جلد19، صفحہ64، مجمع الملک الفہد، مدینہ منورہ)

ممانعت اس دم اور تعویذ کی ہے جس میں شرکیہ کلمات ہوں یا کوئی تعویذ کو ہی فاعل حقیقی سمجھے۔ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے "عن عوف بن مالك الأشجعي قال كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا:يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَرَى فِي ذَلِكَ؟ فَقَالَ:اعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لم يكن فِيهِ شرك" ترجمہ: حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں دم کرتے تھے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے عالی ہے تو فرمایا ہم پر پیش کرو جھاڑ پھونک (یعنی اپنا دم سناؤ اس میں کیا کلمات ہیں۔ پھر آپ نے وہ دم سن کر فرمایا دم) میں کوئی حرج نہیں جب

تک کہ اس میں شرک نہ ہو۔ (صحیح مسلم، کتاب السلام ،باب لاباس بالرقی مالم یکن فیہ شرک،جلد7،صفحہ19 ،دار الجیل ،بیروت)

السنن الکبری میں امام بیہقی روایت کرتے ہیں "وَأَخبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، وَأَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ قَالَا :ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ ،ثنا بَحْرُ بْنُ نَصْرٍ، ثنا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ أَنَّ خَالِدَ بْنَ عُبَيْدٍ الْمَعَافِرِيَّ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي الْمُصْعَبِ مِشْرَحِ بْنِ هَاعَانَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ:سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ:سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللهُ لَهُ ،وَمَنْ عَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللهُ لَهُ .قَالَ الشَّيْخُ:وَهَذَا أَيْضًا يَرْجِعُ مَعْنَاهُ إِلَى مَا قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ،وَقَدْ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ وَمَا أَشْبَهَهُ مِنَ النَّهْيِ وَالْكَرَاهِيَةِ فِيمَنْ تَعَلَّقَهَا وَهُوَ يَرَى تَمَامَ الْعَافِيَةِ وَزَوَالَ الْعِلَّةِ مِنْهَا عَلَى مَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَصْنَعُونَ،فَأَمَّا مَنْ تَعَلَّقَهَا مُتَبَرِّكًا بِذِكْرِ اللهِ تَعَالَى فِيهَا وَهُوَ يَعْلَمُ أَنْ لَا كَاشِفَ إِلَّا اللهُ وَلَا دَافِعَ عَنْهُ سِوَاهُ فَلَا بَأْسَ بِهَا إِنْ شَاءَ اللهُ"ترجمہ:عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: جس نے تعویذ پہننا اللہ عزوجل اس کی خواہش پوری نہ کرے گا۔جس نے تعویذ (مسائل سے چھٹکارے) کے لئے پہنا اللہ عزوجل اسے چھٹکارا نہ دے گا۔شیخ نے فرمایا یہ وہی معنیٰ کی طرف لوٹتا ہے جو ابوعبید نے فرمایا اور یہ اس کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ اس صورت کے مشابہ ہے جس میں ممانعت وکراہیت ہے کہ اس لئے تعویذ پہنا جائے کہ پہننے والا گمان کرے کہ اس تعویذ کی وجہ سے مجھے عافیت ملی جیسا کہ اہل جاہلیت کرتے تھے۔اگر اس نے اللہ عزوجل کے ذکر سے برکت لینے کے لئے تعویذ پہنا اور وہ جانتا ہے کہ سوائے اللہ عزوجل کے کوئی شفا دینے والا نہیں تو تعویذ پہننے میں ان شاء اللہ عزوجل کوئی حرج نہیں۔

(السنن الکبری،ابواب کسب الحجام،باب التمائم جلد9،صفحہ 588، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

السنن الکبریٰ میں ہے"أَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَسَنِ قَالَا:ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ، ثنا بَحْرُ بْنُ نَصْرٍ، ثنا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ، أَنَّهُ سَأَلَ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنِ الرُّقَى وَتَعْلِيقِ الْكُتُبِ، فَقَالَ: كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ يَأْمُرُ بِتَعْلِيقِ الْقُرْآنِ وَقَالَ:لَا بَأْسَ بِهِ .قَالَ الشَّيْخُ رَحِمَهُ اللهُ:وَهَذَا كُلُّهُ يَرْجِعُ إِلَى مَا قُلْنَا مِنْ أَنَّهُ إِنْ رَقَى بِمَا لَا يُعْرَفُ أَوْ عَلَى مَا كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ إِضَافَةِ الْعَافِيَةِ إِلَى الرُّقَى لَمْ يَجُزْ ،وَإِنْ رَقَى بِكِتَابِ اللهِ أَوْ بِمَا يُعْرَفُ مِنْ ذِكْرِ اللهِ مُتَبَرِّكًا بِهِ وَهُوَ يَرَى نُزُولَ الشِّفَاءِ مِنَ اللهِ تَعَالَى فَلَا بَأْسَ بِهِ" ترجمہ:یحیٰ بن سعید سے دم اور تعویذ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: سعید بن مسیّب حکم دیتے تھے کہ قرآن پاک کا تعویذ بناؤ اس میں کوئی حرج نہیں۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سب وہی بات ہے جو ہم نے کہی کہ جو دم معروف نہ ہو یا اہل جاہلیت کا ہو یا عقیدہ ہو کہ اسی دم سے

شفاملتی ہے تو وہ جائز نہیں۔اگر دم قرآن پاک سے ہو یا معروف ذکر اللہ کے ساتھ بطور برکت ہو اور بندہ جانتا ہو کہ شفارب تعالیٰ دینے والا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(السنن الکبری، ابواب کسب الحجام، باب التمائم جلد9، صفحہ 590، دار الکتب العلمیة، بیروت)

تفسیر القرطبی میں ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر شمس الدین القرطبی (المتوفی 671ھ) فرماتے ہیں "فَإِنْ قِيلَ: فَقَدْ رُوِیَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ (مَنْ عَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ) وَرَأَى ابْنُ مَسْعُودٍ عَلَى أُمِّ وَلَدِهِ تَمِيمَةً مَرْبُوطَةً فَجَبَذَهَا جَبْذًا شَدِيدًا فَقَطَعَهَا وَقَالَ: إِنَّ آلَ ابْنِ مَسْعُودٍ لَأَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ التَّمَائِمَ وَالرُّقَى وَالتِّوَلَةَ مِنَ الشِّرْكِ. قِيلَ: مَا التِّوَلَةُ؟ قَالَ: مَا تَحَبَّبَتْ بِهِ لِزَوْجِهَا، وَرُوِیَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللَّهُ له وَمَنْ عَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللَّهُ لَهُ قَلْبًا. قَالَ الْخَلِيلُ بْنُ أَحْمَدَ: التَّمِيمَةُ قِلَادَةٌ فِيهَا عُوَذٌ، وَالْوَدَعَةُ خَرَزٌ۔۔۔وَهَذَا كُلُّهُ تَحْذِيرٌ مِمَّا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَصْنَعُونَهُ مِنْ تَعْلِيقِ التَّمَائِمِ وَالْقَلَائِدِ، وَيَظُنُّونَ أَنَّهَا تَقِيهِمْ وَتَصْرِفُ عَنْهُمُ الْبَلَاءَ، وَذَلِكَ لَا يَصْرِفُهُ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُوَ الْمُعَافِي وَالْمُبْتَلِي، لَا شَرِيكَ لَهُ، فَنَهَاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا كَانُوا يَصْنَعُونَ مِنْ ذَلِكَ فِي جَاهِلِيَّتِهِمْ۔۔۔وَمَا رُوِیَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ يَجُوزُ أَنْ يُرِيدَ بِمَا كُرِهَ تعليقه غير القرآن أشياء مأخوذة عن العراقيين وَالْكُهَّانِ، إِذِ الِاسْتِشْفَاءُ بِالْقُرْآنِ مُعَلَّقًا وَغَيْرَ مُعَلَّقٍ لَا يَكُونُ شِرْكًا، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (مَنْ عَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ) فَمَنْ عَلَّقَ الْقُرْآنَ يَنْبَغِي أَنْ يَتَوَلَّاهُ اللَّهُ وَلَا يَكِلَهُ إِلَى غَيْرِهِ، لِأَنَّهُ تَعَالَى هُوَ الْمَرْغُوبُ إِلَيْهِ وَالْمُتَوَكَّلُ عليه فى الاستشفاء بالقرآن. وسئل ابْنُ الْمُسَيَّبِ عَنِ التَّعْوِيذِ أَيُعَلَّقُ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ فِي قَصَبَةٍ أَوْ رُقْعَةٍ يُحْرَزُ فَلَا بَأْسَ بِهِ. وَهَذَا عَلَى أَنَّ الْمَكْتُوبَ قُرْآنٌ. وَعَنِ الضَّحَّاكِ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَرَى بَأْسًا أَنْ يُعَلِّقَ الرَّجُلُ الشَّيْءَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ إِذَا وَضَعَهُ عِنْدَ الْجِمَاعِ وَعِنْدَ الْغَائِطِ، وَرَخَّصَ أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ فِي التَّعْوِيذِ يُعَلَّقُ عَلَى الصِّبْيَانِ. وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ لَا يَرَى بَأْسًا بِالشَّيْءِ مِنَ الْقُرْآنِ يُعَلِّقُهُ الْإِنْسَانُ" ترجمہ: اگر کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی چیز لٹکائی اسی کے سپرد کر دیا گیا، اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ام ولد (باندی کی ایک قسم) پر تمیمہ (تعویذ) بندھا ہوا دیکھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے کھینچ کر توڑ دیا، اور فرمایا: ابن مسعود کی آل شرک سے بیزار ہے، پھر فرمایا: تمائم (تعویذات)، رقی (دم) اور تولہ شرک ہے، پوچھا گیا: تولہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: جس کے ذریعہ اپنے شوہر کی محبت حاصل کی جائے۔عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا: جو تمیمہ لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ فرمائے، جو گھونگا لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف کو دور نہ فرمائے۔ خلیل بن احمد کہتے ہیں: تمیمہ اس ہار کو کہتے ہیں جس میں تعویذ ہوتا ہے اور ودعہ گھونگے کو کہتے ہیں۔ یہ تمام احادیث ان سے ڈرانے کے لیے ہیں جو تمائم (تعویذات) اور گھونگے اہل جاہلیت لٹکاتے تھے۔ اور گمان یہ کرتے تھے کہ یہ چیزیں انہیں بیماری سے بچاتی ہیں اور ان سے بلاؤں کو پھیرتی ہیں حالانکہ بلاؤں کا رخ اللہ تعالیٰ پھیرتا ہے، وہی عافیت دینے والا اور بیماری میں مبتلا کرنے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا جو اہل جاہلیت زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے۔

جو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے نزدیک جس چیز سے تعویذ کرنا مکروہ ہے وہ چیز ہے جو قرآن کے علاوہ نجومیوں اور کاہنوں سے لی گئی ہو کیونکہ قرآن کے ساتھ شفا حاصل کرنا چاہے لٹکا کر ہو یا بغیر لٹکائے ہو شرک نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو فرمان ہے کہ جس نے جو چیز لٹکائی وہ اسی کے سپرد کر دیا گیا، تو جس نے قرآن سے تعویذ لٹکایا تو مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کام کا ضامن ہو جائے کسی اور کے سپرد نہ فرمائے کیونکہ قرآن مجید سے شفا حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کی جاتی ہے اور اسی پر توکل کیا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب سے تعویذ لٹکانے کے بارے میں سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا: تعویذ کسی ڈبیہ میں یا کسی کاغذ میں محفوظ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ مکتوب قرآن ہے۔ حضرت ضحاک اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ آدمی کتاب اللہ سے بنا ہوا تعویذ لٹکائے بشرطیکہ جماع کے وقت اور بیت الخلا میں جاتے وقت اتار دے۔ امام ابو جعفر محمد بن علی نے بچوں کو تعویذ لٹکانے کی اجازت دی ہے اور امام ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ قرآن میں سے تعویذ لکھ لٹکایا جائے۔ (تفسیر قرطبی، سورۃ الاسراء تحت الآیۃ 82، جلد 10، صفحہ 310، دار کتب المصریہ، القاہرہ)

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "قَالَ الشَّيْخُ :وَالَّذِي رُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، مَرْفُوعًا إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ فَإِنَّمَا أَرَادُوا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ، مَا كَانَ مِنَ الرُّقَى وَالتَّمَائِمِ بِغَيْرِ لِسَانِ الْعَرَبِيَّةِ مِمَّا لَا يُدْرَى مَا هُوَ وَأَمَّا التِّوَلَةُ بِكَسْرِ التَّاءِ :فَهُوَ الَّذِي يُحَبِّبُ الْمَرْأَةَ إِلَى زَوْجِهَا، وَهُوَ مِنَ السِّحْرِ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ" ترجمہ: شیخ فرماتے ہیں: یہ جو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رقی (دم)، تمائم (تعویذات) اور تولہ شرک ہیں، اس سے مراد وہ دم اور تعویذات ہیں جو عربی زبان کے علاوہ ہو، پتا نہ چلے کہ اس کا کیا مطلب ہے اور تولہ یعنی وہ جس سے عورت شوہر کی محبت حاصل کرے وہ ایک سحر (جادو) (جادو) ہے اور جادو جائز نہیں۔

(السنن الصغری للبیہقی، باب فی التداوی، والاکتواء، ج 4، ص 74، جامعۃ الدراسات الاسلامیہ، کراچی)

مرقاۃ المفاتیح میں ملاعلی قاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "(وَعَقدَ التَّمَائِمِ) جَمعُ تَمِيمَةٍ، وَالمُرَادُ بِهَا التَّعَاوِيذُ الَّتِي تَحتَوِي عَلَى رُقَى الجَاهِلِيَّةِ مِن أَسمَاءِ الشَّيَاطِينِ وَأَلفَاظٍ لَا يُعرَفُ مَعنَاهَا، وَقِيلَ: التَّمَائِمُ خَرَزَاتٌ كَانَتِ العَرَبُ فِي الجَاهِلِيَّةِ تُعَلِّقُهَا عَلَى أَولَادِهِم يَتَّقُونَ بِهَا العَينَ فِي زَعمِهِم، فَأَبطَلَهُ الإِسلَامُ لِأَنَّهُ لَا يَنفَعُ وَلَا يَدفَعُ إِلَّا اللّٰهُ تَعَالَى" ترجمہ: تمائم تمیمہ کی جمع ہے، اوراس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو زمانہ جاہلیت کے ایسے دموں پر مشتمل ہوں جن میں شیاطین کے نام ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن کے معنی معلوم نہیں ہوتے۔ اور کہا گیا کہ تمائم وہ گھونگے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اپنی اولاد کے گلوں میں ڈالتے کہ یہ ان کے زعم میں ان کو نظر بد سے بچاتے تھے، اسلام نے اس کو باطل قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی چیز نفع نہیں پہنچا سکتی اور نہ ہی مصیبت دور کر سکتی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الخاتم، جلد7، صفحہ2803، دار الفکر، بیروت)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "وَالمُرَادُ مِنَ التَّمِيمَةِ مَا كَانَ مِن تَمَائِمِ الجَاهِلِيَّةِ وَرُقَاهَا، فَإِنَّ القِسمَ الَّذِي اختَصَّ بِأَسمَاءِ اللّٰهِ تَعَالَى وَكَلِمَاتِهِ غَيرُ دَاخِلٍ فِي جُملَتِهِ، بَل هُوَ مُستَحَبٌّ مَرجُوُّ البَرَكَةِ عُرِفَ ذَلِكَ مِن أَصلِ السُّنَّةِ، وَقِيلَ: يُمنَعُ إِذَا كَانَ هُنَاكَ نَوعُ قَدحٍ فِي التَّوَكُّلِ" ترجمہ: تمیمہ سے مراد زمانہ جاہلیت کے تعویذات اور دم ہیں، لہذا جو تعویذات اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کے کلمات پر مشتمل ہوتے ہیں وہ ان میں داخل نہیں، بلکہ وہ مستحب ہیں ان سے برکت کی امید کی جاتی ہے اور ان کی اصل سنت سے ثابت ہوئی ہے۔ اور کہا گیا کہ ممانعت وہاں ہے جہاں توکل میں کسی قسم کا مسئلہ ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، جلد7، صفحہ2881، دار الفکر، بیروت)

بہار شریعت میں صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے، جبکہ وہ تعویذ جائز ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ یا اسماء الٰہیہ یا ادعیہ سے تعویذ کیا جائے اور بعض حدیثوں میں جو ممانعت آئی ہے، اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو ناجائز الفاظ پر مشتمل ہوں، جو زمانہ جاہلیت میں کیے جاتے تھے، اسی طرح تعویذات اور آیات واحادیث و ادعیہ کو رکابی میں لکھ کر مریض کو بہ نیت شفا پلانا بھی جائز ہے۔ جب وحائض ونفسا بھی تعویذات کو گلے میں پہن سکتے ہیں، بازو پر باندھ سکتے ہیں جبکہ غلاف میں ہوں۔"

(بہار شریعت، جلد3، حصہ16، صفحہ652، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

## تعظیما کھڑے ہونا

اہل سنت کے نزدیک کسی کی تعظیم میں کھڑے ہونا جائز ہے۔ سنن ابی داود میں ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق

السجستانی (المتوفی 275ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ أَهْلَ قُرَيْظَةَ لَمَّا نَزَلُوا عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ أَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَلَى حِمَارٍ أَقْمَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ أَوْ إِلَى خَيْرِكُمْ، فَجَاءَ حَتَّى قَعَدَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (حكم الألباني): صحيح" ترجمہ: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ بنو قریظہ جب حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا تو حضرت سعد ایک سفید گدھے پر سوار تشریف لائے تو رسول اللہ نے فرمایا کہ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ فرمایا اپنے میں سے ایک بہتر شخص کے لیے کھڑے ہو جاؤ حتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن أبي داود، كتاب الادب، باب ما جاء في القيام، جلد4، صفحه355، المكتبة العصرية، بيروت)

سنن ابی داود میں ہے "حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ مَيْسَرَةَ بْنِ حَبِيبٍ، عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا. وَقَالَ الْحَسَنُ: حَدِيثًا، وَكَلَامًا، وَلَمْ يَذْكُرِ الْحَسَنُ السَّمْتَ، وَالْهَدْيَ، وَالدَّلَّ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهَا كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا فَأَخَذَ بِيَدِهَا، وَقَبَّلَهَا، وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ، وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ، فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ، وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا (حكم الألباني): صحيح" ترجمہ: حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے چال چلن، گفتگو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ حضرت فاطمہ کے کسی کو نہیں دیکھا جب وہ آپ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے ان کی طرف ان کا ہاتھ پکڑتے انہیں بوسہ دیتے اور انہیں اپنی خاص نشست پر بٹھاتے اور جب آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو وہ بھی آپ کی طرف کھڑی ہوتیں آپ کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن أبي داود، كتاب الادب، باب ما جاء في القيام، جلد4، صفحه355، المكتبة العصرية، صيدا -بيروت)

ابوداؤد شریف کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ هِلَالٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ، يُحَدِّثُ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَهُوَ يُحَدِّثُنَا: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَجْلِسِ يُحَدِّثُنَا، فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتَّى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوتِ أَزْوَاجِهِ" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ تشریف فرما ہو کر باتیں کرتے، جب آپ کھڑے ہوتے ہم بھی کھڑے ہو جاتے یہاں تک کھڑے رہتے کہ دیکھتے رہتے کہ آپ اپنی بعض ازواج مطہرات کے گھر داخل ہو جاتے۔

(سنن أبی داود، کتاب الادب، باب فی الحلم وأخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد2، صفحہ247، المکتبة العصریة، صیدا، بیروت)

محمد بن ہلال اور ان کے والد ثقہ ہیں تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان دونوں کی توثیق ذکر کی گئی ہے۔

وہابیوں کے نزدیک قیامِ تعظیمی ناجائز ہے۔ وہابی اپنے مؤقف پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں "حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ:أَخبرَنَا عَفَّانُ قَالَ:أَخبرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ:لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَلِكَ:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں تھا لیکن اس کے باوجود وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پسند نہیں کرتے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن الترمذی، ابواب الادب، باب ما جاء فی کراہیة قیام الرجل للرجل، جلد4، صفحہ387، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

یہ حضور علیہ السلام کی عاجزی ہوگی ورنہ اس روایت سے بطور تعظیم کھڑا ہونا ناجائز ثابت نہیں ہو رہا۔ فقہائے کرام نے اس مسئلہ پر موجود تمام روایات کو مدنظر رکھ کر کسی اہل علم، بزرگ ہستی کے لئے قیام تعظیمی کو جائز فرمایا اور ممانعت والی روایات کو فخر وتکبر پر محمول کیا ہے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے "ورد النهی عن القیام للقادم إذا کان بقصد المباهاة والسمعة والکبریاء، قال النبی صلى الله علیه وسلم :من سره أن یتمثل له الرجال قیاما، فلیتبوأ مقعده من النار وثبت جواز القیام للقادم إذا کان بقصد إکرام أهل الفضل، لحدیث أبی سعید الخدری :أن أهل قریظة نزلوا علی حکم سعد بن معاذ سید الأوس فأرسل رسول الله صلى الله علیه وسلم إلى سعد، فأتاه على حمار، فلما دنا من المسجد، قال للأنصار:قوموا إلى سیدکم أو خیرکم قال النووی فی شرح صحیح مسلم معلقا على هذا الحدیث:فیه إکرام أهل الفضل، وتلقیهم بالقیام لهم، إذا أقبلوا، واحتج به جماهیر العلماء لاستحباب القیام، قال القاضی عیاض:ولیس هذا من القیام المنهی عنه، وإنما ذلك فیمن یقومون علیه، وهو جالس، ویمثلون قیاما طوال جلوسه، وأضاف النووی :قلت:القیام للقادم من أهل الفضل مستحب، وقد جاء فیه أحادیث، ولم یصح فی النهی عنه شیء صریح .ویستحب القیام لأهل الفضل کالوالد والحاکم ؛ لأن احترام هؤلاء مطلوب

شرعا و أدبا .وقال الشيخ وجيه الدين أبو المعالی فی شرح الهداية :و إكرام العلماء و أشراف القوم بالقيام سنة مستحبة---وقال ابن القيم :وقد قال العلماء :يستحب القيام للوالدين و الإمام العادل و فضلاء الناس-- واستحباب هذا فی حق القائم لا يمنع الذی يقام له أن يكره ذلك "ترجمہ:احادیث میں جو قیام کی ممانعت آئی ہے وہ اس صورت میں ہے جب قیام فخر وتکبر اور ریا کاری کے طور پر ہو۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لئے بت بن کر کھڑے رہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔اہل فضل کے اکرام کے لئے قیام کا جواز حدیث ابی سعید خدری کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ جب اہل قریظہ حضرت سعد بن معاذ اوس کے سردار کے حکم پر نیچے آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ کو بلایا آپ دراز گوشت پر سوار ہو کر حاضر ہوئے تو جب مسجد کے قریب ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو فرمایا: اپنے سردار یا بہتر کے لئے کھڑے ہو۔امام نو ووی نے شرح مسلم میں اس حدیث پر حاشیہ لگایا کہ اس میں اہل فضل کے لئے اکرام ہے اور ان کے لئے قیام کی تلقین ہے جب وہ آئے۔اس سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی کہ کسی اہل فضل کی تعظیم میں قیام مستحب ہے۔قاضی عیاض نے فرمایا: یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔منع اس قیام سے کیا گیا ہے کہ جب لوگ اس کے گرد بت بنے کھڑے ہوں اور یہ دیر تک بیٹھا رہے۔امام نو وی نے مزید فرمایا: اہل فضل کے لئے قیام مستحب ہے اور اس پر کئی احادیث مروی ہے کسی حدیث میں صریح اس کی ممانعت نہیں ہے۔اہل فضل جیسے والد، حاکم کے لئے قیام مستحب ہے کیونکہ شرع میں ان کا احترام وادب مطلوب ہے۔شیخ وجیہ الدین ابو معالی نے شرح ہدایہ میں فرمایا: علماء، قوم کے باعزت لوگوں کے لئے قیام سنت مستحبہ ہے۔ابن قیم نے کہا: علمانے فرمایا ہے کہ والدین، امام عادل، عوام میں اہل فضل حضرات کے لئے قیام مستحب ہے۔غیر اہل کے لئے قیام مکروہ ہونے کی وجہ سے جن کے حق میں قیام مستحب ہے انہیں قیام سے منع نہیں کیا جائے گا۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية، جلد34، صفحه116---، دار الصفوة، مصر)

المدخل الی السنن الکبری میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) فرماتے ہیں "وَقَرَأْتُ فِی كِتَابِ أَبِی سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِیِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِی مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ :فِيهِ مِنَ الْعِلْمِ أَنَّ يَقُولَ الرَّجُلُ لِصَاحِبِهِ يَا سَيِّدِی غَيْرُ مَحْظُورٍ إِذَا كَانَ صَاحِبُهُ خَيِّرًا فَاضِلًا، وَإِنَّمَا جَاءَتِ الْكَرَاهِيَةُ فِی تَسْوِيدِ الرَّجُلِ الْفَاجِرِ، وَفِيهِ أَنَّ قِيَامَ الْمَرْءِ بَيْنَ يَدَی الرَّئِيسِ الْفَاضِلِ وَالْوَالِی الْعَادِلِ وَقِيَامَ الْمُتَعَلِّمِ لِلْعَالِمِ مُسْتَحَبٌّ غَيْرُ مَكْرُوهٍ وَإِنَّمَا جَاءَتِ الْكَرَاهِيَةُ فِيمَنْ كَانَ بِخِلَافِ أَهْلِ هَذِهِ الصِّفَاتِ" ترجمہ: میں نے ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں اس حدیث کے معنی کے

متعلق پڑھا انہوں نے فرمایا: اگر کوئی آدمی دوسرے سے کہا یا سیدی اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ آدمی نیک فاضل ہو۔ کراہیت جو آئی ہے وہ اس کے متعلق آئی ہے جو فاجر شخص ہو۔ اگر قیام فاضل رئیس، والی، عادل کے لئے ہو، متعلم کا عالم کے لئے قیام مستحب غیر مکروہ ہے۔ جو کراہیت آئی ہے وہ ان لوگوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے ہے جو ان صفات کے حامل نہ ہوں۔

(المدخل إلى السنن الكبرى، باب ما يذكر في القيام لأہل العلم۔۔، جلد1، صفحہ 397، دار الخلفاء للكتاب الإسلامي، الكويت)

وہابیوں کی دوسری دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ أَبِي مَرْزُوقٍ، عَنْ أَبِي الْعَدَبَّسِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَّكِءٌ عَلَى عَصًا، فَلَمَّا رَأَيْنَاهُ قُمْنَا، فَقَالَ: لَا تَفْعَلُوا كَمَا يَفْعَلُ أَهْلُ فَارِسَ بِعُظَمَائِهَا۔۔" (حكم الألباني) ضعيف" ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے سامنے تشریف لائے ایک عصا پر سہارا لگا کر تو ہم آپ کی طرف کھڑے ہو گئے تعظیما آپ نے فرمایا کہ تم لوگ عجمیوں کی طرح کھڑے مت ہوا کرو وہ ایک دوسرے کی تعظیم میں کھڑے ہوتے ہیں۔ البانی نہ کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(سنن ابن ماجہ، كتاب الدعاء، باب دعاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، جلد2، صفحہ 1261، دار إحياء الكتب العربية، الحلبي)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی بزرگ ہستی کی تعظیم میں کھڑے ہونا ناجائز ہے بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک بیٹھا ہے اور بقیہ اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ سنن ابی داؤد میں ہے "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، وَوَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: رَكِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا بِالْمَدِينَةِ فَصَرَعَهُ عَلَى جِذْمِ نَخْلَةٍ فَانْفَكَّتْ قَدَمُهُ، فَأَتَيْنَاهُ نَعُودُهُ، فَوَجَدْنَاهُ فِي مَشْرُبَةٍ لِعَائِشَةَ يُسَبِّحُ جَالِسًا، قَالَ: فَقُمْنَا خَلْفَهُ فَسَكَتَ عَنَّا، ثُمَّ أَتَيْنَاهُ مَرَّةً أُخْرَى، نَعُودُهُ فَصَلَّى الْمَكْتُوبَةَ جَالِسًا، فَقُمْنَا خَلْفَهُ فَأَشَارَ إِلَيْنَا، فَقَعَدْنَا، قَالَ: فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ، قَالَ: إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا، وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَلَا تَفْعَلُوا كَمَا يَفْعَلُ أَهْلُ فَارِسَ بِعُظَمَائِهَا (حكم الألباني): صحيح" ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک درخت کی جڑ میں گرا دیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں چوٹ آ گئی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی غرض سے گئے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما ہیں اور بیٹھے بیٹھے تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ پس ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو (اپنے پیچھے کھڑے ہونے سے) منع

نہیں فرمایا جب ہم دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرض نماز بیٹھ کر پڑھائی ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو (بیٹھنے کا) اشارہ کیا تو ہم بیٹھ گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو اور جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور تم ایسا مت کرو جیسا کہ اہل فارس اپنے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں (یعنی وہ بیٹھے رہتے ہیں اور لوگ کھڑے رہتے ہیں۔) البانی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن أبي داود، كتاب الصلوٰة، باب الإمام يصلي من قعود، جلد4، صفحه355، المكتبة العصرية، بيروت)

## ☆---کتاب القصاص---☆

### قصاص تلوار سے لیا جائے گا

احناف کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ احناف کی دلیل سنن ابن ماجہ کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْعُرُوقِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ أَبِي عَازِبٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ" ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قصاص صرف تلوار کے ساتھ ہے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب لا قود إلا بالسیف، جلد2، صفحہ889، دار إحیاء الکتب العربیة، الحلبی)

ابن ماجہ کی دوسری روایت میں ہے "حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحُرُّ بْنُ مَالِكٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ" ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قصاص صرف تلوار کے ساتھ ہے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب لا قود إلا بالسیف، جلد2، صفحہ889، دار إحیاء الکتب العربیة، الحلبی)

المعجم الکبیر میں سلیمان بن احمد الشامی ابو القاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ السَّمَيْدَعِ الْأَنْطَاكِيُّ، ثنا مُوسَى بْنُ أَيُّوبَ النَّصِيبِيُّ، ثنا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ" ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قصاص صرف تلوار کے ساتھ ہے۔

(المعجم الکبیر، باب العین، باب من روی عن ابن مسعود---، جلد10، صفحہ89، مکتبة ابن تیمیة، القاہرة)

السنن الکبریٰ میں احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی (المتوفی 458ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "أَخْبَرَنَا أَبُو سَعْدٍ الْمَالِينِيُّ، أنبأ أَبُو أَحْمَدَ بْنُ عَدِيٍّ، أنبأ عُمَرُ بْنُ سِنَانٍ، ثنا ابْنُ مُصَفًّى، ثنا بَقِيَّةُ، حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قصاص صرف تلوار کے ساتھ ہے۔ (السنن الکبری، کتاب الجنایات، باب ما روی فی أن لا قود إلا بحدیدة، جلد 8، صفحہ110، دار الکتب العلمیة، بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوبکر بن ابی شیبہ (المتوفی 235ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ:

حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ أَشْعَثَ، وَعَمْرٍو، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ" ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قصاص صرف تلوار کے ساتھ ہے۔ (الكتاب المصنف فى الأحاديث والآثار، كتاب الديات، من قال لا قود إلا بالسيف، جلد5، صفحه432، مكتبة الرشد، الرياض)

یہ تمام احادیث ضعیف بھی ہوں تو متعدد طرق ہونے کے سبب حسن کے درجہ میں ہے۔ عمدۃ القاری میں ابو محمد محمود بن احمد الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی 855ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وَهَذَا الحَدِيث كَمَا رَأَيْت قد رُوِيَ عَن النُّعْمَان بن بشير وَأبي بكرَة وَأبي هُرَيْرَة وَعبد الله بن مَسْعُود وَعلي بن أبي طَالب وَأبي سعيد الْخُدْرِيّ، رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُم، وَلَا شكّ أَن بَعْضهَا يشْهد لبَعض، وَأَقل أَحْوَاله أَن يكون حسنا، فَإِذا كَانَ حسن صَحَّ الِاحْتِجَاج بِهِ" ترجمہ: یہ حدیث جیسا کہ آپ نے دیکھا حضرت نعمان بن بشیر، ابوبکرہ، ابوہریرہ، عبد اللہ بن مسعود، علی بن ابی طالب، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان کا بعض بعض کے لئے شاہد ہے اور اس کا کم تر حال حسن ہے۔ جب یہ حسن ہے تو اس کو دلیل بنانا صحیح ہے۔

(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، كتاب الخصومات، باب ما يذكر فی الأشخاص، والخصومة بين المسلم واليهودی، جلد12، صفحه253، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

وہابیوں کے نزدیک جس نے جس چیز سے قتل کیا ہوگا قاتل کو بطورِ قصاص اسی چیز سے قتل کیا جائے گا۔ وہابیوں کی دلیل یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ يَهُودِيًّا قَتَلَ جَارِيَةً عَلَى أَوْضَاحٍ لَهَا، فَقَتَلَهَا بِحَجَرٍ، قَالَ: فَجِيءَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِهَا رَمَقٌ، فَقَالَ لَهَا: أَقَتَلَكِ فُلَانٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا، ثُمَّ قَالَ لَهَا الثَّانِيَةَ، فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا، ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ، فَقَالَتْ: نَعَمْ، وَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا، فَقَتَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَجَرَيْنِ" ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے کسی لڑکی کو اس کے زیورات کی وجہ سے پتھر کے ساتھ قتل کیا۔ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور اس میں کچھ جان باقی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کہا کیا تجھے فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنے سر سے نہیں میں اشارہ کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دوسرے کا کہا تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں پھر اس سے تیسرے کا پوچھا تو اس نے کہا ہاں اور اپنے سر سے اشارہ کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دو پتھروں کے درمیان قتل کر دیا۔

(صحیح مسلم، کتاب القسامة والدیات، باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر وغیرہ من المحددات، والمثقلات، وقتل الرجل بالمرأة، جلد3، صفحہ1299، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

احناف نے اس حدیث کے متعلق کہا کہ یہاں یہودی ڈاکو تھا کہ اس نے زیور کی خاطر عورت کو قتل کیا تھا اس نے حضور علیہ السلام نے اسے اس طرح قتل کیا کہ ڈاکوؤں کو چاہے تو تلوار سے قتل کیا جائے یا جس طرح حاکم چاہے قتل کردے۔ عمدۃ القاری میں ہے "وَأَجَابُوا عَن حَدِيث البَاب بِأَنَّهُ صلی الله عَلَيْهِ وَسلم رأى أَن ذَلِكَ القَاتِل يجب قَتله إِذا كَانَ إِنَّمَا قتل على مَال ـ كَمَا يجب دم قَاطع الطَّرِيق، فَكَأَن لَهُ أَن يقْتله كَيفَ شَاءَ، بِسَيْف أَو بِغَيْرِهِ" ترجمہ: اس حدیث کی تاویل یہ کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا کہ اس کا قتل واجب ہے کہ اس نے مال کے لئے دوسرے کا قتل کیا ہے جیسا کہ راہ گیروں کو لوٹنے والوں کے لئے قتل واجب ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ کو اختیار تھا کہ جیسے چاہیں اس کا قتل کریں تلوار یا تلوار کے علاوہ۔

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الأشخاص، والخصومة بین المسلم والیهودی، جلد12، صفحہ253، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

## ذمی کے بدلے میں مسلمان سے قصاص

احناف کے نزدیک اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو اس مسلمان کو بھی قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا۔ مسند الإمام أبی حنیفة روایة أبی نعیم میں ابونعیم احمد بن عبداللہ الأصبہانی (المتوفی 430ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَخْلَدٍ، أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ شُعَيْبٍ، ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ اللَّجْلَاجُ، ثَنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْبَصْرِيُّ، ثَنا هِلَالُ بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِي يُوسُفَ، عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَالْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْبَيْلَمَانِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتَلَ نَفْسًا بِمُعَاهِدٍ، وَقَالَ: أَنَا أَحَقُّ مَنْ وَفَى بِذِمَّتِهِ" ترجمہ: عبدالرحمٰن بیلمانی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا: میں زیادہ حق رکھتا ہوں جس نے ذمی کا عہد پورا کیا۔

(مسند الإمام أبی حنیفة روایة أبی نعیم، باب الراء، روایته، عن ربیعة بن أبی عبد الرحمن مولی التمیمیین، صفحہ 104، مکتبة الکوثر، الریاض)

یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن السلمانی پر محدثین نے جرح فرمائی ہے لیکن ابن السلمانی ثقہ ہے ابن حبان نے اپنی ثقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن سلمانی معروف تابعی بزرگ تھے۔

پھر اس کی تائید مزید روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مسند الشافعی میں ابو عبد اللہ محمد بن ادریس القرشی المکی (المتوفی 204ھ) روایت کرتے ہیں "أَخبرَنا مُحمَّدُ بنُ الحَسنِ، أَخبرَنا إِبراهِيمُ بنُ مُحمَّدٍ، عَنْ مُحمَّدِ بنِ المُنكَدِرِ، عَنْ عَبدِ الرَّحمٰنِ بنِ البَيلَمانِيِّ، أَنَّ رَجُلًا، مِنَ المُسلِمِينَ قَتَلَ رَجُلًا مِن أَهلِ الذِّمَّةِ فَرُفِعَ ذٰلِكَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَنَا أَحَقُّ مَنْ أَوفَى بِذِمَّتِهِ. ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَقُتِلَ" ترجمہ: عبد الرحمٰن بن بیلمانی سے مروی ہے ہے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان نے ذمی کا قتل کیا۔ مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: میں زیادہ حق رکھتا ہوں کہ عہد کو پورا کروں۔ پھر آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

(مسند الإمام الشافعی، کتاب القتل والقصاص والدیات والقسامة، باب الوفاء لأہل الذمة والقصاص لہم، جلد 3، صفحہ 298، شرکة غراس للنشر والتوزیع، الکویت)

المراسیل میں ابو داود سلیمان بن الأشعث بن اسحاق بن بشیر السِّجِستانی (المتوفی 275ھ) روایت کرتے ہیں "حَدَّثَنَا وَهبُ بنُ بَيَانٍ، وَأَحمَدُ بنُ سَعِيدٍ الهَمدَانِيُّ، وَابنُ السَّرحِ، قَالُوا: أَخبرَنَا ابنُ وَهبٍ، أَخبرَنِي عَبدُ اللّٰهِ بنُ يَعقُوبَ، حَدَّثَنَا عَبدُ اللّٰهِ بنُ عَبدِ العَزِيزِ بنِ صَالِحٍ الحَضرَمِيُّ، قَالَ: قَتَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَومَ خَيبَرَ مُسلِمًا بِكَافِرٍ قَتَلَهُ غِيلَةً، وَقَالَ: أَنَا أَولَى أَوْ أَحَقُّ مَنْ وَفَى بِذِمَّتِهِ" ترجمہ: عبد العزیز بن صالح حضرمی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن مسلمان کو (قصاصا) قتل کیا کافر کے بدلہ میں جس نے کافر کو دھوکہ سے قتل کیا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں زیادہ حق رکھتا ہوں جو عہد کو پورا کروں۔

(المراسیل، باب الدیات فی المسلم یقاد بالکافر إذا قتلہ، صفحہ 208، مؤسسة الرسالة، بیروت)

وہابیوں کے نزدیک مسلمان اگر ذمی کو بھی قتل کردے تو بطورِ قصاص قتل نہیں کیا جائے گا۔ وہابیوں دلیل ترمذی شریف کی یہ حدیث پاک ہے "حَدَّثَنَا عِيسَى بنُ أَحمَدَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابنُ وَهبٍ، عَنْ أُسَامَةَ بنِ زَيدٍ، عَنْ عَمرِو بنِ شُعَيبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُقتَلُ مُسلِمٌ بِكَافِرٍ" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(سنن الترمذی، ابواب الدیات، باب ما جاء فی دیة الکفار، جلد 3، صفحہ 77، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

احناف نے کہا کہ اس حدیث سے مراد کافر حربی ہے یعنی کافر حربی کو مسلمان قتل کردے تو بطورِ قصاص قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر احناف کے موقف کو اپنایا جائے تو دونوں احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ پھر احناف کے موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "وَلَا يُقتَلُ مُسلِمٌ

بِكَافِرٍ" ترجمہ: مسلمان کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا۔

(صحيح البخاری، کتاب العلم، باب كتابة العلم، جلد1، صفحہ33، دار طوق النجاة، مصر)

جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ذمی کے بدلے میں قصاص لینا ثابت ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بخاری شریف کی حدیث میں مذکور کافر سے مراد حربی کافر ہے۔ مسند الشافعی میں ہے "أخبرنا محمد بن الحسن، قال:أخبرنا قيس بن الربيع الأسدی، عن أبان بن تغلب، عن الحسين بن ميمون، عن عبد الله بن عبد الله مولى بنی هاشم، عن أبی الجنوب الأسدی، قال:أتی علی بن أبی طالب رضی الله عنه برجل من المسلمين قتل رجلا من أهل الذمة، قال:فقامت عليه البينة فأمر بقتله--- قال:أنت أعلم .من كان له ذمتنا فدمه كدمنا وديته كديتنا" ترجمہ: ابوجنوب اسدی سے مروی ہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مسلمان لایا گیا جس نے ذمی کا قتل کیا تھا۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جرم ثابت ہونے پر اس کے قتل کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا: تو زیادہ جانتا ہے کہ جو ہمارا ذمی ہے تو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔

(مسند الإمام الشافعی، کتاب القتل والقصاص والديات والقسامة، باب الوفاء لأہل الذمة والقصاص لهم، جلد 3، صفحہ298، شركة غراس للنشر والتوزيع، الكويت)

اس روایت کی سند میں حسین بن میمون پر محدثین نے جرح فرمائی ہے لیکن ابن حبان نے اسے اپنی ثقات میں لکھا ہے۔

یہ احادیث نہ بھی ہوں تب بھی یہ واضح ہے کہ قصاص اس صورت میں ہوتا ہے جب عصمت مساوی ہو اور ذمی کی عصمت مسلمان کے مساوی ہے۔ لہٰذا جس طرح مسلمان کے قتل کے بدلے میں قصاص لیا جائے گا اسی طرح ذمی کے بدلے میں بھی قصاص لیا جائے گا۔

## حرفِ آخر

الحمد للہ عزوجل ! قارئین پر یہ کتاب پڑھ کر واضح ہو گیا ہو گا کہ اہل سنت کے عقائد اور فقہ حنفی کا دارومدار قصے کہانیوں اور قیاس آرائیوں پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث پر مبنی ہے۔ دیگر ائمہ کرام کی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو مسائل ارشاد فرمائے وہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں۔ احناف ہرگز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ترجیح نہیں دیتے، یہ تو کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت سیدی عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وقد تتبعت بحمد الله تعالى ادلة المجتهدين فلم اجد فرعاً من فروع مذاهبهم الا وهو مستند الى دليل اما آية او حديث او قياس صحيح و كلها مقتبسة من شعاع نور الشريعة التى هو الاصل و محال ان يوجد فرع من غير اصل "ترجمہ: میں نے تتبع کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم نے جو بیان کیا ہے کسی نہ کسی دلیل شرعی آیت، حدیث یا قیاس صحیح سے بیان کیا ہے اور یہ سب ماٰخذ نورِ شریعت کی شعاعوں سے ہے جن کی اصل ثابت ہے۔ یہ بات محال ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ ان مقدس ہستیوں نے بیان کیا ہو جس کی اصل شریعت میں نہ ملتی ہو۔

(الیواقیت والجواہر، جلد2، صفحہ475، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت)

ان ائمہ کی تقلید ہزاروں محدثین وفقہائے کرام اور صوفیائے کرام نے اس وجہ سے کی ہے کہ ان ائمہ نے قرآن وحدیث کی شرح کی ہے، اگر یہ ائمہ نہ ہوتے تو ہم قرآن وحدیث پر صحیح طرح عمل پیرا نہ ہو پاتے۔ امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں" ان الشارع بين لنا بسنته ما اجمل فى القران و كذلك الائمة المجتهدين بينوا لنا ما اجمل فى احاديث الشريعة ولو لابيانهم لنا ذلك لبقيت الشريعة على اجمالها وهكذا القول فى اهل كل دور بالنسبة للدور الذين قبلهم الى يوم القيمة فان الاجمال لم يزل ساريا فى كلام علماء الامة الى يوم القيمة ولو لا ذلك ماشرحت الكتب ولاعمل على الشروح حواش كما مر " ترجمہ: شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی سنت کے ساتھ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل کی ہے اور ایسے ائمہ مجتہدین نے ہمارے لئے احادیث شریعت کے اجمال کا بیان فرمایا ہے اور بالفرض ان کا بیان نہ ہوتا تو شریعت اپنے اجمال پر باقی رہتی، اور یہی بات ہر اہل دور کی بہ نسبت اپنے پہلے دور والوں کی ہے قیامت تک، اس لئے کہ اجمال علماء امت کے کلام میں قیامت تک جاری رہتا، اگر ایسا نہ ہوتا تو کتابوں کی شرحیں اور شرحوں پر حواشی نہ لکھے جاتے جیسا کہ گزر چکا۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ فصل فی بیان استحالہ خروج شیء الخ، جلد1، صفحہ46، مصطفی البابی مصر)

لہٰذا دو چار احادیث پڑھ کر ائمہ کرام بالخصوص امام اعظم کی حدیث دانی پر طعن کرنا عقل مندی نہیں بلکہ ناسمجھی اور تکبر پن ہے جو باعثِ ہلاکت ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں الشریعہ میں امام شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہ الباری کا قول نقل کرتے ہیں "ایا کم ان تبادروا الی الانکار علی قول مجتهد او تخطئته الابعد احاطتكم بِادِلّة الشريعة كلّها و معرفتكم بجميع لغات العرب التى احتوت عليها الشريعة و معرفتكم بمعانيها و طرقها" ترجمہ: خبردار مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اُسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا، جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کرلو، جب تک تمام لغتِ عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو، جب تک ان کے معانی اُن کے راستے جان نہ لو۔ اور ساتھ ہی فرمادیا "و انّى لكم بذلك" بھلا کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ۔

(ميزان الشريعة الكبرىٰ، فصل فان ادعى احد من العلماء ذوق هذه الميزان ،جلد1 ،صفحه39 ،دارالكتب العلمية، بيروت)

امام اعظم کے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جن کے مدارجِ رفیعہ حدیث کو موافقین ومخالفین مانے ہوئے ہیں۔ امام مزنی تلمیذ جلیل امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا "هو اتبع القوم للحديث" وہ سب قوم سے بڑھ کر حدیث کے پیروکار ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا "منصف فى الحديث" وہ حدیث میں منصف ہیں۔ امام یحییٰ بن معین نے باوجود تشدّد وشدید فرمایا "ليس فى اصحاب الراى اكثر حديثا و لااثبت من ابى يوسف" اصحاب رائے میں امام ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی محدث نہیں اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی مستحکم ہے۔ نیز فرمایا "صاحب حديث و صاحب سُنّة" وہ صاحبِ حدیث وصاحبِ سُنّت ہیں۔ امام ابن عدی نے کامل میں کہا "ليس فى اصحاب الرّأى اكثر حديثا منه" اصحاب رائے میں امام ابو یوسف سے زیادہ بڑا کوئی محدث نہیں۔ امام عبداللہ ذہبی شافعی نے اس جناب کو حفاظِ حدیث میں شمار اور کتاب تذکرۃ الحفاظ میں بعنوان "الامام العلامة فقيه العراقين" (امام بہت علم والا عراقیوں کا فقیہ) ذکر کیا۔ یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث دانی کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں اپنے سے زیادہ علم والے جانتے ہیں۔ امام ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان میں فرماتے ہیں "عن ابى يوسف ما رأيت احدا اعلم بتفسير الحديث و مواضع النكت التى فيه من الفقة من ابى حنيفة وقال ايضا ماخالفته فى شىء قط فتدبرته الارايت مذهبه الذى ذهب اليه انجى فى الاخرة و كنت ربما ملت الى الحديث فكان هو ابصر بالحديث الصحيح منى وقال كان اذا صمم على قوله درت على مشائخ الكوفة هل اجد فى تقوية قوله حديثا او اثرا فربما و جدت الحديثين و الثلاثة فاتيته بها فمنها مايقول فيه هذا غير صحيح اوغير معروف فاقول له وما علمك بذلك مع انه يوافق قولك فيقول انا عالم بعلم اهل الكوفة"

ترجمہ: حضرت ابو یوسف سے روایت ہے کہ میں نے احادیث کی تشریح اور فقہ کی نکتہ آفرینی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ جانکار شخص نہیں دیکھا۔ نیز انھوں نے فرمایا میں نے جب بھی کسی مسئلہ میں ان سے مخالفت کی پھر میں نے اس میں غور وخوض کیا تو مجھے یہی محسوس ہوا کہ آخرت میں نجات دینے والا وہی مذہب ہے جس کی طرف امام ابوحنیفہ گئے ہیں۔ مجھ سے زیادہ حدیثوں پر ان کی نظر تھی۔ نیز فرمایا جب وہ کسی بات پر اڑ جاتے ہیں تو میں کوفہ کے مشائخ کے پاس اس غرض سے حاضر ہوتا کہ اس قول کی تقویت میں مجھے کوئی حدیث یا اثر ملے تو بسا اوقات مجھے دو تین حدیثیں مل جاتیں، تو میں ان کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتا۔ آپ فرماتے اس میں یہ فلاں حدیث صحیح نہیں ہے یا غیر معروف ہے۔ میں عرض کرتا حضور! یہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ یہ حدیثیں تو آپ کے قول کی تائید میں ہیں۔ تو فرماتے کوفہ والوں کے علم ہی سے تو مجھے علم ہوا ہے۔

(الخیرات الحسان ،الفصل الثلاثون ،صفحہ143،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

فقہ کی طرح مسائل عقائد میں وہابیوں کا قرآن وحدیث سے عجیب وغریب باطل استدلال کر کے اہل سنت کو مشرک و بدعتی ثابت کرنا اور خود توحید کے ٹھیکدار بننا بھی ہلاکت ہے۔ وہابیوں نے بدعت حسنہ اور سیئہ کا انکار کیا جو کہ اسلاف سے ثابت ہے اور خود شرک کی قسمیں بنا دیں شرک فی التعظیم ،شرک فی الدعا، شرک فی الاتباع وغیرہ حالانکہ انگریزوں سے پہلے شرک کی قسمیں کسی حدیث تو کیا کسی بزرگ سے بھی ثابت نہ تھیں۔ توحید وحدیث کے آڑ میں جو وہابیوں نے فتنہ وفساد بھرپا کر رکھا ہے یہ ان کی فریب کاریاں ہیں، اپنے مطلب کی حدیث لے لیتے ہیں اور دیگر احادیث کو یکسر نظر انداز کر کے لوگوں کو یہ باور کرواتے ہیں کہ تمام امت مسلمہ میں بس یہی احادیث پر عمل پیرا باقی معاذ اللہ ساری امت مسلمہ گمراہ ومشرک ہے۔

توحید یہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی بے ادبی کر کے رب تعالیٰ کو ایک مانا جائے یہ شیطانی توحید ہے کہ شیطان نے بھی حضرت آدم علیہ السلام کے شان میں بے ادبی کر کے اللہ عزوجل کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ شیطانی توحید تکبر پر مبنی ہے جس کی وجہ سے انسان خود کو توحید پرست اور دوسرے کو مشرک و بدعتی سمجھتا ہے جیسا کہ وہابیوں کا حال ہے۔ ائمہ کرام کی بے ادبیاں کر کے خصوصا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شان میں زبان درازی کر کے احادیث پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ انتہائی جرات وبے باکی ہے جو وہابیوں کا وطیرہ بن چکی ہے۔

اس پوری کتاب کو تعصب سے بالاتر ہو کر پڑھنے کے باوجود جو یہ کہے کہ اہل سنت کے عقائد معاذ اللہ مشرکانہ ہیں اور حنفی احادیث کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرتے ہیں، ایسا کہنے والا بدبخت ہی ہو سکتا ہے جس کے نصیب میں ہدایت نہیں ہے۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو وہابیوں اور دیگر فرقوں کے عقائد ونظریات سے محفوظ رکھے اور اہل سنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ فقہ وتقلید کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ عزوجل میری، میرے والدین، سنی رشتہ داروں، پیرومرشد، اساتذہ کرام، ناشر، محبین سب کی مغفرت فرمائے۔

آمین۔

## اعتذار

حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ پروف ریڈنگ کی کوئی غلطی نہ ہو لیکن بتقاضائے بشریت اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قاری سے التماس ہے کہ ناشر سے رجوع فرمائے انشاء اللہ آئندہ اس کو درست کر دیا جائے گا۔

# ---المصادرو المراجع---

مصنف کانام　کتاب کانام　مکتبہ کانام　سن اشاعت


الف

القرآن

ابن سرور محمد اویس، عبد النصیر علوی، المعجم الوسیط، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

ابوالاقبال، مذہب احناف کا دین اسلام سے اختلاف، ادارہ مطبوعات سلفیہ، راولپنڈی

ابوبکر بن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبة، مکتبة الرشد، الریاض، 1409ھ

ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی، الجوہرۃ النیرۃ، المطبعة الخیریة، 1322ھ

ابوجعفر الطبری، جامع البیان فی تأویل القرآن، مؤسسة الرسالة، بیروت، 1420ھ۔2000ء

ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد البصری الصوفی معجم ابن الأعرابی، دار ابن الجوزی، المملکة العربیة السعودیة، 1418ھ۔1997ء

ابوعبداللہ الحاکم، المستدرک، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1411ھ۔1990ء

احسان الٰہی ظہیر، البریلویة، ادارہ ترجمان السنة

احمد ابوبکر البیہقی، شعب الإیمان، مکتبة الرشد، الریاض، 1423ھ۔2003ء

احمد بن ابی بکر البوصیری الکنانی الشافعی، إتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، دار الوطن، الریاض، 1420ھ۔1999ء

احمد بن ابی خیثمة ابوبکر، التاریخ الکبیر المعروف بتاریخ ابن أبی خیثمة، الفاروق الحدیثة، القاہرۃ، 1427ھ۔2006ء

احمد بن ادریس القرافی، الذخیرۃ، دار الغرب، بیروت 1994ء

احمد بن الحسین البیہقی، الأسماء والصفات للبیہقی، مکتبة السوادی، جدۃ، 1413ھ۔1993ء

احمد بن الحسین البیہقی، الاعتقاد والہدایة إلی سبیل الرشاد علی مذہب السلف واصحاب الحدیث، دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، 1401ھ

احمد بن الحسین البیہقی، السنن البیہقی الکبری، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1424ھ۔2003ء

احمد بن الحسین البیہقی، السنن الصغیر للبیہقی، جامعة الدراسات الإسلامیة، کراچی، 1410ھ۔1989ء

احمد بن الحسین البیہقی، المدخل إلی السنن الکبری، دار الخلفاء للکتاب الإسلامی، الکویت

احمد بن الحسین البیہقی، احمد بن الحسین بیہقی، شعب الإیمان، مکتبة الرشد، ریاض، 1423ھ۔2003ء

احمد بن الحسین بن علی ابوبکر البیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1405ھ

احمد بن الحسین البیہقی، معرفۃ السنن والآثار، دار الوفاء المنصورۃ، القاہرۃ، 1412ھ۔1991ء

احمد بن السید زینی دحلان، الدرر السنیۃ فی رد الوہابیہ، مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی

احمد بن حجر المکی، الخیرات الحسان، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

احمد بن حجر بن محمد بن حجر، الشیخ محمد بن عبد الوہاب المجدد المفتری علیہ، دار الفتح الشارقۃ، الإمارات العربیۃ المتحدۃ، 1415ھ۔1995ء

احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی، الکلم الطیب، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔1978ء

احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی، فکر وعقیدہ کی گمراہیاں اور صراطِ مستقیم کے تقاضے، دار السلام، ریاض

احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی، فتاوی ابن تیمیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی، مجموع الفتاوی، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ النبویۃ، 1416ھ۔1995ء

احمد بن عبد الرحیم الشاہ ولی اللہ الدہلوی، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، دار النفائس، بیروت، 1404ھ

احمد بن عبد الرحیم المعروف شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، دار الجیل، بیروت، 1426ھ۔2005ء

احمد بن عبد الرحیم المعروف شاہ ولی اللہ، ہمعات، اکیڈمی شاہ ولی اللہ، حیدر آباد

احمد بن عبد اللہ بن احمد ابونعیم الأصبہانی، مسند الإمام ابی حنیفۃ روایۃ ابی نعیم، مکتبۃ الکوثر، الریاض، 1415ھ

احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی الکوفی، تاریخ الثقات، دار الباز

احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی الکوفی، معرفۃ الثقات، مکتبۃ الدار، المدینۃ المنورۃ 1405ھ۔1985ء

احمد بن عبد اللہ بن محمد محبّ الدین الطبری، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

احمد بن علی البغدادی، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، مکتبۃ المعارف، الریاض

احمد بن علی البغدادی، الفقیہ والمتفقہ، دار ابن الجوزی، السعودیۃ، 1421ھ

احمد بن علی البغدادی، تاریخ بغداد، دار الغرب الإسلامی، بیروت، 1422ھ۔2002ء

احمد بن علی بن المثنی الموصلی ابویعلی، مسند ابی یعلی، دار المأمون للتراث، دمشق 1404ھ۔1984ء

احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ

احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، القول المسدد، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ہند

احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، بلوغ المرام من ادلۃ الأحکام، دار الفلق، الریاض، 1424ھ

احمد بن علی حجر العسقلانی، تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس، مکتبۃ المنار، الأردن، 1403ھ-1983ء

احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند، 1326ھ

احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، 1379ھ

احمد بن عمرو بن عبدالخالق المعروف بالبزار ابوبکر، مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، 2009ء

احمد بن مروان الدینوری المالکی، المجالسۃ وجواہر العلم، دار ابن حزم، بیروت، 1419ھ

احمد بن محمد، فوائد منتقاۃ، دار البشائر الإسلامیۃ

احمد بن محمد الصاوی، تفسیر صاوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک القسطلانی، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، مصر، 1323ھ

احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک القسطلانی، المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ

احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری، عمل الیوم واللیلۃ سلوک النبی مع ربہ عزوجل ومعاشرتہ مع العباد، مؤسسۃ علوم القرآن، بیروت

احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی الحنفی، احکام القرآن الکریم، مرکز البحوث الإسلامیۃ، الترکی، 1418ھ-1998ء

احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی الحنفی، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، دار المعرفہ، بیروت

احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی الحنفی، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1418ھ

احمد بن محمد بن احمد الشِّلْبِیُّ، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیۃ الشِّلْبِیِّ، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، القاہرۃ، 1313ھ

احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی ابوعبداللہ، فضائل الصحابۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1403ھ-1983ء

احمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ، 1421ھ-2001ء

احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک المصری المعروف بالطحاوی، شرح معانی الآثار، عالم الکتب، 1414ھ-1994ء

احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک المصری المعروف بالطحاوی، شرح مشکل الآثار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1415ھ-1494ء

احمد بن محمد بن علی الفیومی ثم الحموی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت

احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی، الجوہر المنظم، المکتبۃ القادریۃ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی، الفتاوی الحدیثیۃ، دار الفکر، بیروت

احمد رضا خان، فتاوی رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

احمد رضا خان، کنز الایمان، مکتبۃ المدینہ، کراچی

احمد کاظمی شاہ صاحب، مقالات کاظمی، مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی

احمد یار خان نعیمی، مرأۃ المناجیح نعیمی کتب خانہ، گجرات

ارشاد الحق اثری، اسباب اختلاف الفقہاء، ادارۃ العلوم الاثریۃ، فیصل آباد

اسحاق بن ابراہیم بن مخلد المعروف ابن راہویہ، مسند اِسحاق بن راہویہ، مکتبۃ الإیمان، المدینۃ المنورۃ، 1412ھ۔1991ء

اسحاق بن منصور بن بہرام، مسائل الإمام احمد بن حنبل و اِسحاق بن راہویہ، عمادۃ البحث العلمی، الجامعۃ الإسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 1425ھ۔2002ء

اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1419ھ

اسماعیل بن عمر بن کثیر، طبقات الشافعیین، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، 1413ھ۔1993ء

اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی الجراحی العجلونی الدمشقی، أبو الفداء، کشف الخفاء ومزیل الإلباس، المکتبۃ العصریۃ، 1420ھ۔2000ء

اسماعیل حقی بن مصطفی الإستانبولی الحنفی الخلوتی، روح البیان، دار الفکر، بیروت

اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان، مطبع علیمی، لاہور

اشرف علی تھانوی، نشر الطیب، اسلامی کتب خانہ، لاہور

الحسن بن احمد بن یوسف الرُّباعی الصنعانی، فتح الغفار الجامع لأحکام سنۃ نبینا المختار، دار عالم الفوائد، 1427ء

الحسین بن علی بن محمد الصَّیمَری الحنفی، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، عالم الکتب، بیروت، 1405ھ۔1985ء

الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی، شرح السنۃ، المکتب الإسلامی، بیروت، 1403ھ۔1983ء

العظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن أبی داود، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ

امجد علی اعظمی، فتاوی امجدیہ، مکتبہ رضویہ، کراچی

ت

تمام بن محمد الجنید البجلی الرازی ثم الدمشقی، الفوائد، مکتبۃ الرشد، الریاض

ج

جلال الدین امجدی، فتاویٰ فیض الرسول، شبیر برادرز، لاہور

جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی، کشف المشکل من حدیث الصحیحین، دارالوطن، الریاض

جونا گڑھی، درایت محمدی، مکتبہ محمدیہ، ساہیوال

ح

حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری الحنفی، مراقی الفلاح شرح متن نور الإیضاح، المکتبۃ العصریۃ، 1425ھ-2005ء

حسن بن منصور قاضی خان، فتاوی قاضی خاں ہامش علی الہندیہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

حمید بن مخلد بن قتیبۃ المعروف بابن زنجویہ، الأموال لابن زنجویہ، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الإسلامیۃ، السعودیۃ، 1406ھ-1986ء

خ

خلیل احمد انبیٹھوی، البراہین القاطعۃ، مطبع بلاساواقع، ڈھور

د

داؤدارشد، حدیث اور اہل تقلید، مکتبہ اہل حدیث، فیصل آباد

ز

زکریا بن محمد بن زکریا الأنصاری أبو یحیی السنیکی، اسنی المطالب فی شرح روض الطالب، دارالکتاب الإسلامی

زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم، البحر الرائق، دارالکتاب الإسلامی، بیروت

زین الدین عبدالرحمٰن، فتح الباری لابن رجب، مکتبۃ الغرباء الأثریۃ، المدینۃ النبویۃ

س

سردار احمد قادری، فتاوی محدث اعظم، بزم رضا اکیڈمی، فیصل آباد

سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی، شرح التلویح علی التوضیح، مکتبۃ صبیح بمصر

سعدی ابوحبیب، القاموس الفقہی، دارالفکر، بیروت، 1408ھ-1988ء

سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی الجوزجانی، سنن سعید بن منصور، الدارالسلفیۃ، الہند، 1403ھ-1982ء

سلیمان بن احمد ابوالقاسم الطبرانی، الدعاء للطبرانی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1413ھ

سلیمان بن احمد ابوالقاسم الطبرانی، المعجم الأوسط، دارالحرمین، القاہرۃ، 1415ھ

سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الصغیر، المکتب الإسلامی، بیروت، 1405ھ-1985ء

سلیمان بن احمد ابوالقاسم الطبرانی، المعجم الکبیر، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ

سلیمان بن احمد ابوالقاسم الطبرانی، مسند الشامیین، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1405ھ-1984

سلیمان بن الأشعث ابوداود السجستانی، المراسیل، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1408ھ

سلیمان بن الأشعث ابوداود السجستانی، سنن ابوداؤد، المکتبۃ العصریۃ، بیروت

سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب بن وارث التجیبی القرطبی الباجی الأندلسی، المنتقی شرح الموطا، مطبعۃ السعادۃ، مصر، 1332ھ

ش

شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن ذہبی، سیر اعلام النبلاء، دارالحدیث، القاہرۃ، 1427ھ-2006ء

شہاب رملی انصاری، فتاوی الرملی، درالکتب العلمیہ، بیروت

شیخ احسان بن محمد العتیبی، 100 مشہور ضعیف احادیث، فقہ الحدیث پبلی کیشنز

شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ ابوشجاع الدیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1406ھ-1986ء

ص

صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان، الملخص الفقہی، دارالعاصمۃ، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 1423ھ

صلاح الدین خلیل بن ایبک بن عبداللہ الصفدی، الوافی بالوفیات، دار احیاء التراث، بیروت، 1420ھ-2000ء

صلاح الدین یوسف، واقعہ معراج اوراس کے مشاہدات، دارالاسلام، ریاض

ع

عبدالرزاق، الأمالی فی آثار الصحابۃ للحافظ الصنعانی، مکتبۃ القرآن، القاہرۃ

عبدالرزاق الصنعانی، مصنف عبدالرزاق، المکتب الإسلامی، بیروت، 1403ھ

عبدالحفیظ بلیاوی، المنجد، خزینہ علم وادب، لاہور

عبدالحق محدث دہلوی، اشعۃ اللمعات، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

عبدالحکیم شرف قادری، مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب، مکتبہ قادریہ، لاہور، 1426ھ۔2006ء
عبدالحمید بن حمید بن نصر ابومحمد، المنتخب من مسند عبد بن حمید، مکتبۃ السنۃ، القاہرۃ، 1408ھ۔1988ء
عبدالحی لکھنوی، موطأ الإمام مالک، دار القلم، دمشق
عبدالخالق صدیقی، نماز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مرکز تعاونی دعوت والارشاد
عبدالرحمٰن، الجواب المفصل عن شبہات فی التوسل، مکتبۃ شبکۃ مشکاۃ الإسلامیۃ
عبدالرحمٰن المقدسی الدمشقی، مختصر المؤمل فی الرد إلی الأمر الأول، مکتبۃ الصحوۃ الإسلامیۃ، الکویت، 1403ھ
عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی، التعقبات علی الموضوعات، مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
عبدالرحمٰن السیوطی، الحاوی للفتاوٰی، دار الفکر، بیروت، 1424ھ۔2004ء
عبدالرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی، الخصائص الکبریٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی، الدر المنثور، دار الفکر، بیروت
عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، دار ابن عفان، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ
عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی، انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب، وزارۃ الإعلام بجدۃ، 1406ھ
عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی، حاشیۃ السندی علی سنن النسائی، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب، 1406ھ۔1986ء
عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی، الضعفاء والمتروکون، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1406ھ
عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن الجوزی، الوفاء باحوال المصطفیٰ، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
عبدالرحمٰن بن محمد بن إدریس بن المنذر التمیمی الرازی ابن أبی حاتم، الجرح والتعدیل، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، 1952ء
عبدالرحمٰن بن محمد بن إدریس بن المنذر التمیمی، تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، السعودیۃ، 1419ھ
عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان شیخ زادہ، مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر، دار إحیاء التراث العربی، بیروت
عبدالرحیم بن الحسین العراقی، المغنی عن حمل الأسفار فی تخریج ما فی الإحیاء من الأخبار، دار ابن حزم، بیروت، 1426ھ۔
عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن، التقیید والإیضاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح، المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ المنورۃ، 1389ھ۔
عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی المناوی القاہری، التیسیر بشرح الجامع الصغیر، مکتبۃ الإمام الشافعی، الریاض، 1408ھ۔1988ء
عبدالعزیز بن مبروک الأحمدی، اختلاف الدارین وآثارہ فی احکام الشریعۃ الإسلامیۃ، عمادۃ البحث العلمی بالجامعۃ الإسلامیۃ، المدینۃ المنورۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 1424ھ۔2004ء

عبدالعزیز محدث دہلوی، تحفہ اثناعشریہ، سہیل اکیڈمی، لاہور

عبدالعزیز محدث دہلوی، تفسیر عزیزی، مسلم بک ڈپو، لال کنواں، دہلی

عبدالعزیز محدث دہلوی، فتاوی عزیزی، مطبوعہ مجتبائی، دہلی

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، فتاوی اِسلامیۃ، دارالوطن، الریاض، 1414ھ۔ 1994ء

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، مقالات وفتاوٰی ابن باز، دارالسلام، ریاض، 1419ھ۔1998ء

عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ المنذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، جواب الحافظ أبی محمد عبدالعظیم المنذری المصری عن أسئلۃ فی الجرح والتعدیل، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب

عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن إبراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی، اللباب فی شرح الکتاب، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت

عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفی، تفسیر النسفی (مدارک التنزیل وحقائق التأویل)، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔1998ء

عبداللہ بن محمد، الفوائد، دارالصمیعی، الریاض، 1412ھ۔1992ء

عبداللہ بن محمد الأصبہانی، طبقات المحدثین بأصبہان والواردین علیہا، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1412ھ۔1992ء

عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، مطبعۃ الحلبی، القاہرۃ، 1356ھ۔1937ء

عبداللہ بہاولپوری، تقلید کے خوفناک نتائج، مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد

عبدالوہاب بن احمد الشَّعْرانی، المیزان الکبرٰی، مصطفٰی البابی، مصر

عبدالوہاب بن احمد الشَّعْرانی، الیواقیت والجواہر، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت

عبدالوہاب بن احمد الشَّعْرانی، میزان الشریعۃ الکبرٰی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

عبیداللہ بن محمد عبدالسلام المبارکفوری، مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، إدارۃ البحوث العلمیۃ والدعوۃ والإفتاء، الجامعۃ السلفیۃ، بنارس الہند، 1404ھ۔1984ء

عثمان بن علی، تبیین الحقائق، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، القاہرۃ، 1313ھ

عزیز الرحمٰن، فتاوٰی دیوبند، دارالاشاعت دیوبند، ضلع سہارنپور

عصمت اللہ ثاقب ملتانی، الاختلاف بین ائمۃ الاحناف، مکتبہ ثنائیہ، سرگودھا

علاء الدین ابی بکر، البدائع الصنائع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1406ھ۔1986ء

علمائے اہل حدیث، فتاوی علمائے حدیث، مکتبہ سعیدیہ، خانیوال

علی بن ابی الکرم محمد بن محمد الشیبانی الجزری عز الدین ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، 1417ھ۔1997ء

علی بن ابی یحیی زکریا بن مسعود الأنصاری الخزرجی المنبجی، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دار القلم، بیروت، 1414ھ۔1994ء

علی بن الجعد بن عبید الجوہری البغدادی، مسند ابن الجعد، مؤسسۃ نادر، بیروت، 1410ھ۔1990ء

علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر، أخبار لحفظ القرآن الکریم لابن عساکر، دار الفرائد، دمشق، 1996ء

علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر، تاریخ دمشق، دار الفکر، بیروت، 1415ھ۔1995

علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر ابو القاسم، جزء فی فضل رجب، مؤسسۃ الریان، بیروت، 2000ء

علی بن حسام الدین المتقی الہندی، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1401ھ۔1981ء

علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال ابو الحسن، شرح صحیح البخاری لابن بطال، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1423ھ۔2003ء

علی بن سلطان محمد القاری، المعروف ملا علی قاری، الادب فی رجب، المکتب الاسلامی، دار عمار، بیروت

علی بن سلطان محمد القاری، المعروف ملا علی قاری، الاسرار المعرفۃ المعروف بالموضوعات الکبریٰ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

علی بن سلطان محمد القاری، شرح مسند ابی حنیفہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1405ھ۔1985ء

علی بن سلطان محمد القاری، مرقاۃ المفاتیح، دار الفکر، بیروت، 1422ھ۔2002ء

علی بن عبد الکافی سبکی، شفاء السقام، نوریہ رضویہ، فیصل آباد

علی بن عمر، سنن الدار قطنی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1424ھ۔2004ء

علی بن محمد بن ابراہیم الخازن، تفسیر الخازن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

محمود بن احمد عینی، البنایۃ شرح الہدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1420ھ۔2000ء

محمود بن احمد عینی، شرح سنن أبی داود، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1420ھ۔1999ء

محمود بن احمد عینی، عمدۃ القاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت

عمر بن اسحٰق بن احمد الہندی الغزنوی، سراج الدین، ابو حفص الحنفی، الغرۃ المنیفۃ فی تحقیق بعض مسائل الإمام أبی حنیفۃ، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، 1406ھ۔1986

عیاض بن موسی الیحصبی، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، دار الفکر، بیروت، 1409ھ-1988ء

ف

فاروق الرحمٰن یزدانی، احناف کا رسول اللہ سے اختلاف، ادارہ تحفظ افکار اسلام، شیخوپورہ

فیض احمد اویسی، فتاوی اویسیہ، صدیقی پبلیشرز، کراچی

ق

قاسم بن سلاّم بن عبداللہ الہروی البغدادی، الطہور للقاسم بن سلام، مکتبۃ الصحابۃ، جدۃ، 1414ھ-1994ء

ک

کرم الدین، امام ابوحنیفہ کی قانون ساز کمیٹی کی حقیقت، مکتبہ ابن کرم

کمال الدین محمد المعروف بابن الہمام، فتح القدیر، دار الفکر، بیروت

ل

لبعض علماء نجد الأعلام، مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیۃ (الجزء الرابع، القسم الثانی)، دار العاصمۃ، الریاض

م

مالک بن انس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنی، المدونۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ-1994ء

مالک بن انس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنی، موطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت

مبشر احمد ربانی، احکام ومسائل، درالاندلس، لاہور

مجمع اللغۃ العربیۃ بالقاھرۃ، (ابراہیم مصطفیٰ، احمد الزیات، حامد عبدالقادر، محمد النجار)، المعجم الوسیط، دار الدعوۃ

مجموعۃ من المؤلفین، الفقہ المیسر فی ضوء الکتاب والسنۃ، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، 1424ھ

محمد ابی السعود الحنفی، فتح المعین، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، 1412ھ-1992ء

محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی، منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق، دار الکتاب الاسلامی

محمد امین بن محمد المختار بن عبدالقادر الجکنی الشنقیطی، اضواء البیان فی إیضاح القرآن بالقرآن، دار الفکر، بیروت، 1415ھ-1995ء

محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری، الإجماع، دار المسلم، 1425ھ-2004ء

محمد بن احمد السرخسی ،المبسوط للسرخسی ،دار المعرفۃ ، بیروت، 1414ھ-1993ء

محمد بن احمد بن عثمان بن قائیماز الذہبی ،الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ ،دار القبلۃ للثقافۃ الإسلامیۃ مؤسسۃ علوم القرآن، جدۃ،1413ھ-1992ء

محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ،تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام ،دار الکتاب العربی ، بیروت، 1413ھ-1993ء

محمد بن ادریس بن العباس الشافعی ابوعبداللہ القرشی المکی ،مسند الإمام الشافعی ،شرکۃ غراس ،الکویت، 1425ھ-2004ء

محمد بن اسحاق ابوبکر، صحیح ابن خزیمہ ،المکتب الإسلامی ، بیروت

محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکہی ابوعبداللہ ،اخبار مکۃ فی قدیم الدہر وحدیثہ ،دار خضر، بیروت، 1414ھ

محمد بن احمد بن ابی بکر شمس الدین القرطبی، تفسیر القرطبی ،دار الکتب المصریۃ ،القاہرۃ، 1384ھ-1964ء

محمد بن احمد بن عبدالہادی الحنبلی ،الصَّارِمُ المُنکی فی الرَّدِّ عَلَی السُّبکی ،مؤسسۃ الریان، بیروت، 1424ھ-2003ء

محمد بن اسماعیل ،الادب المفرد، دار البشائر الإسلامیۃ ، بیروت 1409ھ-1989ء

محمد بن إسماعیل، صحیح بخاری ،دار طوق النجاۃ ،مصر، 1422ھ

محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسنی ،سبل السلام ،دار الحدیث

محمد بن الحسن الشیبانی ،الآثار لمحمد بن الحسن ،دار الکتب العلمیۃ ، بیروت

محمد بن الحسن الشیبانی ،الأصل المعروف بالمبسوط ،ادارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ ،کراچی

محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجُرِّیُّ البغدادی ،الشریعۃ ،دار الوطن ،الریاض، 1420ھ-1999ء

محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری ،اعتلال القلوب للخرائطی ،نزار مصطفی الباز ،الریاض، 1421ھ-2000ء

محمد بن حبان بن أحمد بن حبان ،الثقات ، دائرۃ المعارف العثمانیۃ بحیدر آباد الدکن الہند، 1393ھ-1973ء

محمد بن حبان، صحیح ابن حبان ،مؤسسۃ الرسالۃ ، بیروت، 1414ھ-1993ء

محمد بن سعد البصری ،البغدادی المعروف بابن سعد ،الطبقات الکبری ،مکتبۃ العلوم والحکم ،المدینۃ المنورۃ، 1408ھ

محمد بن صالح عثیمین ،مجموع فتاوی ورسائل فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین ،دار الوطن ،دار الثریا، 1413ھ

محمد بن صالح عثیمین ،یہ اختلاف کب تک ،الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی ،بہار

محمد بن عبدالباقی بن محمد الأنصاری الکعبی ،أحادیث الشیوخ الثقات (المشیخۃ الکبری) ،دار عالم

محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی ،شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ،دار الکتب العلمیۃ ، بیروت 1417ھ-1996ء

محمد بن عبد الباقی بن محمد الأنصاری الکعبی، احادیث الشیوخ الثقات (المشیخۃ الکبریٰ)، دار عالم

محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی، المقاصد الحسنۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، 1405ھ-1985ء

محمد بن عبد العزیز بن عبد اللہ المسند (جمع وترتیب)، فتاویٰ اسلامیہ، دار الوطن، الریاض، 1414ھ-1994ء

محمد بن عبد الہادی التتوی ابو الحسن، نور الدین السندی، حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، دار الجیل، بیروت

محمد بن عبد الہادی التتوی نور الدین السندی، حاشیۃ السندی علی سنن النسائی، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب 1406ھ-1986

محمد بن علی بن الحسن بن بشر، أبو عبد اللہ الحکیم الترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، دار الجیل، بیروت

محمد بن علی بن محمد الشوکانی، نیل الأوطار، دار الحدیث، مصر، 1413ھ-1993ء

محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبد الرحمٰن الحنفی الحصکفی، الدر المختار مع رد المحتار، دار الفکر، بیروت، 1412ھ-1992ء

محمد بن علی بن وہب ابن دقیق العید، شرح الأربعین النوویۃ فی الأحادیث الصحیحۃ النبویۃ، مؤسسۃ الریان، 1424ھ-2003ء

محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، أبو عبد اللہ، التفسیر الکبیر، دار إحیاء التراث العربی، بیروت 1420ھ

محمد بن عمر بن محمد الفہری السبتی، السنن الأبین والمورد الأمعن فی المحاکمۃ بین الإمامین فی السند المعنعن، مکتبۃ الغرباء الأثریۃ، المدینۃ المنورۃ

محمد بن عمر بن واقد ابو عبد اللہ الواقدی، فتوح الشام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1417ھ-1997ء

محمد بن عمرو، الضعفاء الکبیر، دار المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، 1404ھ-1984ء

محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، 1395ھ-1975ء

محمد بن محمد الغزالی أبو حامد، احیاء العلوم، دار المعرفہ، بیروت

محمد بن محمد بن عبد الرزّاق الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایۃ

محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج، المدخل، دار التراث

محمد بن محمد بن محمود الشیخ شمس الدین ابن الشیخ جمال الدین الرومی البابرتی، العنایۃ شرح الہدایۃ، دار الفکر، بیروت

محمد بن محمد فخر الدین، کشف الغطاء، مطبع احمدی، دہلی

محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1414ھ

محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِی، مختصر (قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر)، حدیث اکادمی، فیصل آباد، 1408ھ-1988ء

محمد بن یزید أبو عبداللہ القزوینی، سنن ابن ماجہ، دار إحیاء الکتب العربیۃ

محمد بن یعقوب الفیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

محمد بن یوسف الصالحی الشامی، سبل الھدی والرشاد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1414ھ-1993ء

محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم الحلاق القاسمی، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

محمد راشد، ماہنامہ دار العلوم، شمارہ 6، رجب 1433ھ، بمطابق جون 2012ء

محمد صبحی بن حسن حلاق، فقہ کتاب وسنت، دار السلام، سعودیہ

محمد طاہر فتنی، مجمع تذکرۃ الموضوعات، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان

محمد طاہر فتنی، مجمع بحار الانوار، نولکشور لکھنؤ

محمد عبد الحی بن محمد عبد الحلیم الأنصاری اللکنوی الہندی ابو الحسنات، التعلیق الممجد علی موطأ محمد، دار القلم، دمشق، 1426ھ-2005ء

محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم المبارکفوری، تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی (مرتب)، فتاوٰی بریلی، شبیر برادرز، لاہور، 1423ھ-2002ء

محمد عبد المجید صدیقی، عین الیقین، مطبع فیروز سنز، لاہور

محمد ناصر الدین بن الحاج الألبانی، وسوعۃ العلامۃ الإمام مجدد العصر محمد ناصر الدین الألبانی، مرکز النعمان للبحوث والدراسات الإسلامیۃ وتحقیق التراث والترجمۃ، صنعاء، الیمن

محمود آلوسی، روح المعانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ

محمود بن احمد بن عبد العزیز البخاری الحنفی، المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1424ھ-2004ء

محمود بن اسرائیل بابن قاضی، جامع الفصولین، اسلامی کتب خانہ، کراچی

مسلم بن الحجاج أبو الحسین القشیری، صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربی، بیروت

مغلطای بن قلیج بن عبداللہ البکجری المصری الحنفی، إکمال تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، الفاروق الحدیثۃ، 1422ھ-2001ء

ابو عبد الرحمٰن مقبل بن ہادی، المقترح فی أجوبۃ بعض أسئلۃ المصطلح، دَارُ الآثار للنشر وَالتوزیع، صَنعاء، الیمن، 1425ھ-2004ء

مُقبل بن ہادی، تراجم رجال الدارقطنی، دار الآثار، صنعاء، 1420ھ-1999ء

ن

نعمان بن ثابت، مسند الامام الاعظم، نور محمد کارخانہ کتب خانہ کراچی

نور الدین علی بن اَبی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الفکر، بیروت، 1412ھ

و

وزارة الأوقاف والشؤن الإسلامية الكويت، الموسوعة الفقهية الكويتية، 1427ھ

جلد 1 تا 23، الطبعة الثانية، دار السلاسل، الكويت

جلد 24 تا 38، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة، مصر

جلد 39 تا 45، الطبعة الثانية، طبع الوزارة

وقار الدین قادری، وقار الفتاویٰ، بزم وقار الدین، کراچی

وہبة الزحيلى، الفقه السلامی والادلة، دار الفکر، سوريَّة، دمشق

ے

يحيى بن الحسين بن إسماعيل بن زيد الحسنى الشجرى الجرجانى، ترتيب الأمالى الخميسية للشجرى، دار الكتب العلمية، بيروت، 1422ھ۔2001ء

یحیى بن شرف النووی، المجموع شرح المهذب، دار الفکر

یحیى بن شرف النووی، شرح صحیح مسلم، دار إحياء التراث العربی، بیروت، 1392ھ

ابوزکریا یحییٰ نووی، کتاب الاذکار، دار الفکر، بیروت، 1414ھ۔1994ء

یحیى بن شرف النووی ابوزکریا محیی الدین، تهذیب الأسماء واللغات، دار الکتب العلمیة، بیروت

یعقوب بن إبراہیم ابویوسف، الآثار، دار الکتب العلمیة، بیروت

یوسف بن عبد الرحمٰن بن یوسف، تهذیب الکمال فی أسماء الرجال، مؤسسة الرسالة، بیروت، 1400ھ۔1980ء

یوسف بن موسی بن محمد ابوالمحاسن جمال الدین المَلَطی الحنفی، المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، عالم الکتب، بیروت

یوسف بن عبد اللہ القرطبی، جامع بیان العلم وفضلہ، دار ابن الجوزی، المملکة العربیة السعودیة، 1414ھ۔1994ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اسلام

## اور عصرِ حاضر کے

# مذاہب کا تقابلی جائزہ

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

اسلام کا تعارف اور اسلام کی خصوصیات، صرف اسلام ہی دین حق کیوں؟ اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات، عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت، زرتشت، بہائی، دہریت، شیطان پرستی اور دیگر رائج مذاہب کا تعارف اور اسلام سے تقابل، عصرِ حاضر میں مختلف ممالک میں موجود مذاہب کی معلومات

مصنف

**ابو احمد محمد انس رضا قادری**

تخصُص فی الفقه الاسلامی، الشهادةُ العالمیه

ایم۔اے اسلامیات، ایم۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

# سیرت امام الانبیاء

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پاک پر مستند اور جامع کلام،

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وخصائص اور حسن مبارک

مصنف

**ابو احمد محمد انس رضا قادری**

تخصُص فی الفقه الاسلامی، الشهادةُ العالمیه

ایم ۔اے اسلامیات، ایم ۔اے پنجابی، ایم۔ اے اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفہیم الحدیث

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

مشکوٰۃ شریف کی مختصر و آسان اور جامع شرح

مشکوٰۃ شریف کی احادیث کی تخریج، احادیث کی فنی حیثیت

مصنف

**ابو احمد محمد انس رضا قادری**

تخصُص فی الفقه الاسلامی، الشهادةُ العالمیه

ایم۔اے اسلامیات، ایم۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# 15

# صدیوں کی تاریخ

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

15 صدیوں کی تفصیلی و جامع تاریخ

ہجرت سے لے کر خلفائے راشدین، بنوامیہ و بنوعباسیہ، سلطنت عثمانیہ،

مغلیہ دورِ حکومت، قیام پاکستان تک کے حالات واقعات و مشہور شخصیات کے حالاتِ زندگی

مصنف

**ابو احمد محمد انس رضا قادری**

تخصُص فی الفقہ الاسلامی، الشھادۃُ العالمیہ

ایم۔ اے اسلامیات، ایم۔ اے پنجابی، ایم۔ اے اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# صلہ رحمی
# اور
# قطع تعلقی کے احکام

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

صلہ رحمی کے فضائل، قطع تعلقی کے عذابات۔ والدین، اولاد، زوجین، رشتہ دار، دوست احباب کے حقوق اور ان سے قطع تعلقی کے اسباب۔ قطع تعلقی کی جائز و ناجائز صورتیں۔ بدمذہبوں، فاسق و فاجر سے قطع تعلقی کا حکم۔ سیاسی و دینی تحریکوں سے تعلق و قطع تعلقی کے احکام

مصنف

**ابو احمد محمد انس رضا قادری**

تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃ العالمیۃ

ایم۔اے اسلامیات، ایم۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج وعمرہ کرنے اور سعودیہ روزگار کے سلسلہ میں جانے والوں کے لئے بے حد مفید کتاب

# حج و عمرہ

# اور

# عقائد و نظریات

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

سعودی تاریخ، مقدس مقامات کو قائم رکھنے اور اس کی زیارت کرنے کی شرعی حیثیت، روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا،

روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا، مزارات پر حاضری و دعا مانگنے اور ان پر گنبد بنانے کی شرعی حیثیت،

غیر اللہ سے مدد مانگنے اور انبیاء وصالحین کے وسیلے سے دعا مانگنے کا ثبوت،

سعودیہ میں ہونے والے غیر شرعی افعال کی نشاندہی، اعتراضات کے جوابات

مصنف

**ابو احمد محمد انس رضا قادری**

تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشھادۃ العالمیۃ

ایم ۔اے اسلامیات، ایم ۔اے پنجابی، ایم ۔اے اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# بہارِ طریقت

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

تصوف کی تعریف ومفہوم،تصوف پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات

اسلامی اور غیر اسلامی تصوف کا تقابلی جائزہ،طریقت کی تعریف واحکام،بیعت کا ثبوت

شانِ اولیاءاللہ،پیری مریدی کے احکام،جعلی پیروں کی پہچان


مصنف

**ابو احمد محمد انس رضا قادری**

تخصص فی الفقه الاسلامی،الشهادة العالمية

ایم۔اے اسلامیات،ایم۔اے پنجابی،ایم۔اے اردو

تصوف وطریقت کے احکام
اصلی اور جعلی پیر کی پہچان پر ایک مستند اور منفرد کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# بہارِ طریقت

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔
تصوف کی تعریف و مفہوم، تصوف پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات
اسلامی اور غیر اسلامی تصوف کا تقابلی جائزہ، طریقت کی تعریف و احکام، بیعت کا ثبوت
شانِ اولیاء اللہ، پیری مریدی کے احکام، جعلی پیروں کی پہچان

مصنف

**ابو احمد محمد انس رضا قادری**
تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃ العالمیۃ
ایم ۔اے اسلامیات، ایم ۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو